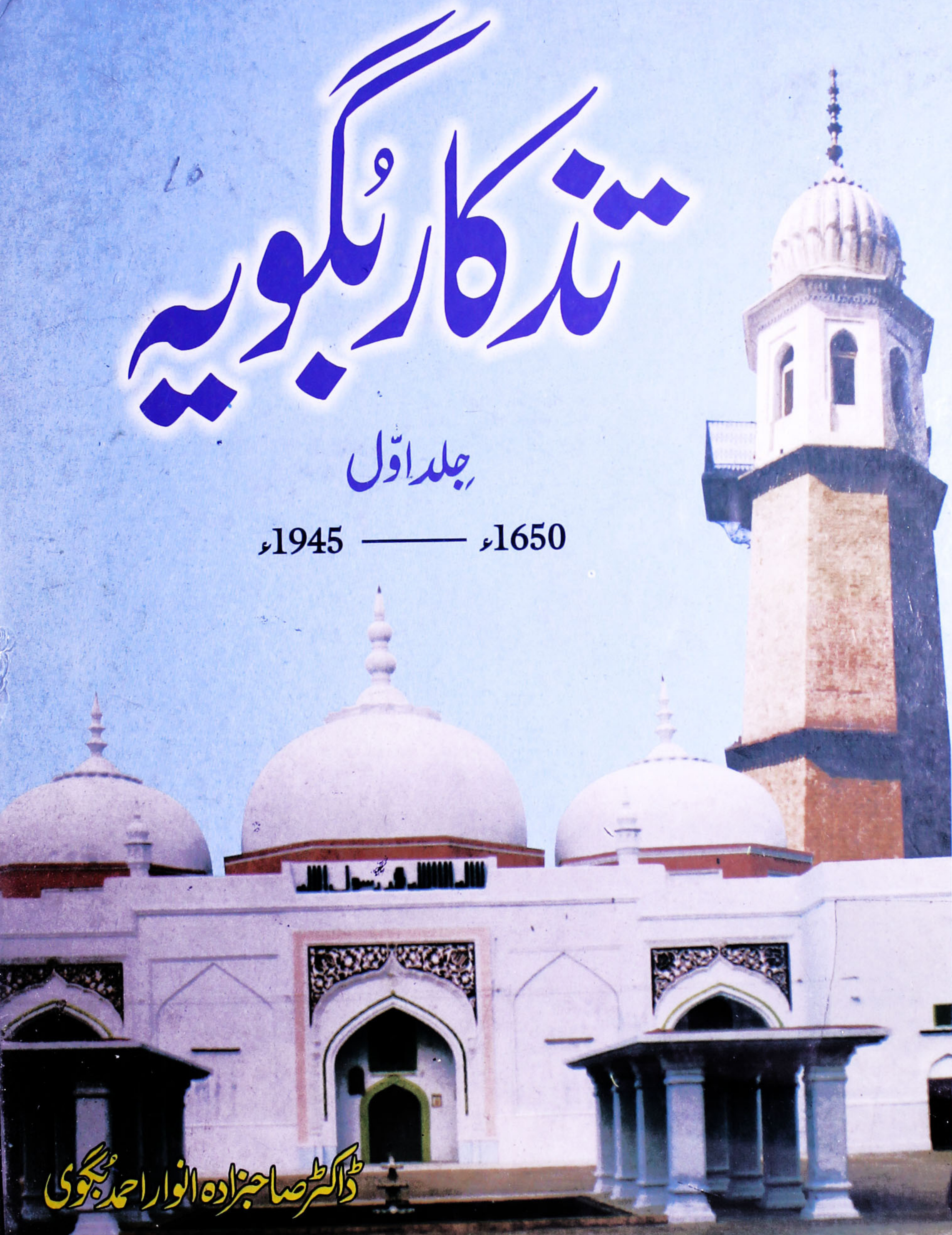


تذکارِ گویہ

جلد اول

1650ء ————— 1945ء

ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد گویہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

8116

لا الہ الا اللہ

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان، لا الہ الا اللہ

سحر

یہی سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذان سے پیدا
اقبال

فہرست عنوانات

	25	زرد کوثر
	31	جامع مسجد بھیرہ
46	سندھ میں آبد	بادشاہی مسجد لاہور
46	شمال سے آبد	نقشہ پنجاب دسر گودھا
47	سلطنت دہلی کا قیام	برصغیر پر حملہ آوروں کا راستہ
48	خاندان مغلیہ کا امتیاز	
48	مغل سلطنت کا زوال	<u>بھیرہ</u>
49	پنجاب سکھوں کے زعمے میں	وجہ تسمیہ
50	نشانی ثانیہ	تاریخ کا سفر
50	حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	پرانا بھیرہ
51	حضرت مولانا شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی	نیا بھیرہ
52	حضرت خواجہ شاہ سلیمان چشتی تونسوی	محل وقوع
53	خاندان بگویہ کا آغاز	آثار
54	شجرہ نسب	شہر
	40	1866-86ء میں بھیرہ کا منظر
	42	خانقاہ بگویہ بھیرہ شریف
		<u>بگہ شریف</u>
	43	محل وقوع
	43	آب وہوا
	44	طریقہ آب پاشی
	44	ذریعہ معاش
	44	ذرائع آمدورفت
	44	آبادی
	45	سہولیات
	45	مزار شاہ زندہ
	45	مساجد
	45	
	42	
	43	
	44	
	44	
	44	
	45	
	45	
	45	
	45	

برصغیر میں طلوع اسلامآٹھویں صدی عیسویسترھویں صدی عیسویاٹھارویں صدی عیسوی

74	سند حدیث		
74	شاہ عبدالعزیز دہلوی کی دعا	63	انیسویں صدی عیسوی
74	علم حدیث کی اشاعت		بانی خاندان بگویہ
75	فیض عام		<u>مولانا حافظ نور حیات بگویہ</u>
75	جامع صفات	64	تعلیم و تربیت
75	بیعت	64	بیعت و خلافت
75	مراجعت	64	ترکیہ
75	درس بگہ شریف	64	ذرائع معاش
75	فقیر عزیز الدین مرحوم کی بگہ شریف میں آمد	64	معمولات
76	لاہور میں آمد	65	اولاد
76	مسجد حکیمان یا حکیموں کی لال مسجد	65	اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی لگن
76	کوچہ بگیاں	65	تعلیم کے لیے سفر دہلی
77	شاگردوں کی تعداد	66	شجرہ ولاد بانی خاندان بگویہ
77	مشہور تلامذہ		<u>مولانا غلام محی الدین بگویہ</u>
77	ہم عصر علماء دوران قیام دہلی	69	انھارویں صدی کا اواخر
78	برصغیر ہندوستان کے ہم عصر علماء و فضلاء	69	سعادت
80	فیض روحانی	70	ولادت
80	مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عقیدت	70	بشارت
80	اچھوتوں میں تبلیغ اسلام	70	عذبتی
81	بیماری	70	آغاز تعلیم
81	دوران بیماری درس کی مصروفیات	71	حفظ قرآن
81	وصال	71	ابتدائی تعلیم
81	مزار	72	اعلیٰ تعلیم کے لیے سفر دہلی
81	اولاد	72	راستے میں حفظ قرآن
82	تاریخ وفات	72	قیام دہلی
	<u>علامہ قاضی احمد الدین بگویہ</u>	72	علم حدیث
84	عکس دستخط و ہبہ نامہ	73	قرآن و سنت سے دوری کا نتیجہ
85	ولادت	73	تحصیل حدیث
85	تعلیم و تربیت	73	درس حدیث

100	وسائلِ تعمیر	85	سفرِ دہلی
101	ایک اور حملہ	86	درس شاہ عبدالعزیز دہلوی
101	تعمیر مسجد کی تکمیل	86	دورہ علم الحدیث
102	اضافی حصے اور رہائش	87	ہمدرس طلبہ کی خدمت
102	درس و تدریس کا سلسلہ	87	بیعت و ارشاد
102	شادی	87	طب کی تعلیم
102	درسِ نسواں	87	درس و تدریس
103	تلامذہ	88	طلبہ کی خدمت
103	تصانیف	88	اشاعتِ علم
104	احمدیہ حاشیہ خیالی	89	بگہ شریف میں قیام
105	عکس احمدیہ	89	لاہور مراجعت
106	توحید کی حفاظت	90	مسجد نیلا گنبد کا مدرسہ
106	دلیل المشرکین کا سن تصنیف	90	بادشاہی مسجد لاہور
106	تصنیف سے فراغت	90	بادشاہی مسجد حکومت برطانیہ کے قبضہ میں
106	نازک موضوع	91-2	تصاویر بادشاہی مسجد لاہور
107	عکس دلیل المشرکین	93	بادشاہی مسجد کی حوالگی
108	وجہ تصنیف	93	بادشاہی مسجد لاہور کی واگزارگی میں علامہ بگوئی کا کردار
108	کتاب کا نام	94	بادشاہی مسجد لاہور کی اولین امامت و خطابت
108	دلیل المشرکین کی اصل غایت	94	علامہ احمد الدین بگوئی امام و خطیب مسجد بادشاہی
109	علماء سے درخواست	95	تصدیق مزید
109	علامہ بگوئی کے اشعار	95	بھیرہ کی سکونت
110	قلمی نسخہ	96	جامع مسجد بھیرہ
110	پہلی اشاعت	95	قیام درس
	<u>دلیل المشرکین</u>	96	خانہ خدا کی بحالی کا اعزاز
	عکس دلیل المشرکین	96	نشرت
111-2	موضوعات	97-8	تصاویر جامع مسجد بھیرہ
113	شرک کی اقسام	99	جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر کا آغاز
114	احیاء توحید و سنت	99	اہل بھیرہ کی امداد و اعانت
116	کتاب التوحید	99	مخالفانہ رپورٹیں
117			

130	انجمن مستشار العلماء لاہور	118	تقویۃ الایمان
131	قواعد دارالافتاء مستشار العلماء لاہور	118	تینوں کتابوں کا تقابلی جائزہ
131	ناظم انجمن	119	طریقہ تدریس
131	صدر مجلس افتاء	120	حافظہ
132	فتاویٰ صابریہ	120	معمولات
132	فقہی اور فروعی مسائل کی تحقیق	120	کرامات
132	استفتا مسجد ستیہ والی تحصیل فیروز پور	120	حکیم مولوی اللہ دین شیخ پوری
132	مواہر علماء لاہور	121	جامع مسجد کی شمالی فصیل
133	سیوف الابرار علی منکر جبر الاذکار	121	تخط سانی
134	تصانیف	122	قیمہ مسجد کے لیے چونہ
134	مہر تصدیق	122	درمیانی گنبد کا قالب
135	مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ تحریری مقابلہ	123	بان
135	مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت	123	معاشرہ نورترکہ
141	ضمیمہ اشتہار دعوت	123	جد وصال اثاثہ
144	چھبیس علماء کے اسماء کی فہرست	123	وفات
146	دعوت مقابلہ کی قبولیت	124	محبوب کی اطلاع
146	دعوت مقابلہ کا جواب	124	جانشین
149	تقریری مقابلے کا اضافہ		
149	مرزا صاحب کا انکار	126	تفسیر پر دستخط
149	ناموس رسالت کے لیے مسلمانوں کا اتحاد اور اجتماع	127	ولادت
150	علماء کا اجلاس	127	تعمیر و تربیت
150	حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے اعتراضات	127	دین و دنیا کی بشارت
150	مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کا فرار	128	انجمن اسلامیہ لاہور
151	بادشاہی مسجد لاہور میں جلسہ عام	128	خطیب و امام بادشاہی مسجد لاہور
152	تائیدین و ناصرین	128	رپورٹ انجمن اسلامیہ لاہور
154	بگویی علماء در مقابلہ لاہور	129	دائیسرائے ہند کا دورہ
154	فیض باطنی	129	سر سید احمد خان مرحوم کی مسجد میں آمد
154	ترکیہ اور سلوک	129	بادشاہی مسجد میں رہائش
155	بیعت	130	لاہور میں درس و تدریس

مولانا غلام محمد بگویی

170	اعلیٰ حضرت خواجہ سیالوی سے محبت و عقیدت	155	سعادت حج
171	شیخ کے روضہ مبارک پر	155	شیخ کی عنایت اور محبت
171	حضرت ثانی سیالوی کی وضعداری	156	طریقہ سلوک
172	حضرت ثانی سیالوی کا مکاشفہ اور احترام	157	سربلغ الاثر توجہ
172	انوار الہی	157	حضرت میاں شیر محمد شرقپوری
174	حضرت میراں صاحب قادری سے فیض	157	تعریف
174	حضرت سنج بخش لاہوری سے فیض	157	مصافحہ میں اتباع سنت
174	تونسہ شریف سے عقیدت	158	نشست اور نسبت
175	معمولات	158	حضرت مولانا غلام محمد گوی کے مزار پر
175	درس و تدریس	159	مریدین
175	دارالعلوم بھیرہ	159	کرامات
176	استفتاء	160	رشد و ہدایت
176	کرامات	161	اخلاق و اطوار
179	قاتلانہ حملہ میں تصرف	161	عادات
180	مشائخ کے عرس	161	معمولات
180	معاشرت	162	وفات
181	جامع مسجد بھیرہ کی مرمت اور اس میں اضافے	163	مدفن
182-3	تصویر شمالی اور جنوبی مینار	163	اولاد
184	تعمیر مسجد کے لیے مساعی	163	قطعہ تاریخ وفات۔ مولانا محمد سعید زین پوری
184	فروعی اور فقہی اختلافات	164	مرثیہ۔ مولانا محمد سعید زین پوری
185	مناظرہ بھیرہ مابین مقلدین و غیر مقلدین	165	قصیدہ۔ مولانا شیخ عبداللہ گجراتی
185	نزاعی موضوعات	166	کتبہ مزار
185	علماء بطریق سنی		
185	فریق وہابی	168	مولانا عبدالعزیز گوی
186	عدالتی معرکہ	169	عکس تحریر و دستخط
186	اثرات	169	ولادت
187	تصانیف	169	تعلیم و تربیت
187	اولاد	169	خدمت خلق کا جذبہ
187	وصیت	170	روحانی تربیت
			اعلیٰ حضرت خواجہ سیالوی کی بیعت و خلافت

203	تعلیم و تربیت	187	وصال
203	بیعت اور سلوک	188	تجہیز و تکفین
203	اخلاق و اطوار	188	مدفن
203	مشاغل	189	علوشان بعد وصال
203	رسالہ در جواب فتویٰ حضرت گولڑویؒ	189	پہلا عرس مبارک
204	شادی	189-90	جامع علم و عمل - رہبہ خلق خدا
204	انتقال		- مولانا حکیم عبدالرسول بکھروی
			- مولانا محمد سعید زین پوری
			- مولانا محمد سلام اللہ عمر چل

مولانا پروفیسر محمد شفیق بگویہؒ

207	ولادت	192
207	تعلیم و تربیت	193
207	بیعت و سلوک	193
207	اخلاق و اطوار	193
207	امام و خطیب بادشاہی مسجد لاہور	194
207	انجمن اسلامیہ سے اختلاف	194
208	ہمراہ موذن	194
208	علمی و تدریسی مصروفیات	195
208	قیدیوں کو تعلیم	195
208	چیفس کالج لاہور میں تدریس	196
209	بگھی	196
209	عید کی شان و شوکت	197
209	دستار	200
210	عید کا منظر	200
210	وفات	200
210	مدفن	202
210	اولاد	203

مولانا غلام رسول چاویؒ

مس تحریر و دستخط
بدنی حالات
راہنمائی میں تدریس
بھیہ میں تشریف آوری
کتب خانہ
خلاق و اطوار
موت و خصوصیات
جانی مزاج
قلمی بیاض
مشاغل
مباحثہ و مناظرہ بھیمہ
روند ادوار فیصلہ
مکاتیب و مراسلت
حضرت شیر ربانی شریقی کے دو نوری
وفات

مولانا محمد رفیق بگویہؒ

عکس تحریر و دستخط
ولادت

		<u>مولانا محمد ذاکر بگویی</u>	
224	سیال شریف سے محبت کا مرقع		تصویر
227	مولانا بگویی کی روحانی شخصیت	212	ولادت - تاریخی نام
227	توحید کی حقیقت	213	تعلیم و تربیت
228	حسن ظاہر و باطن	213	باطنی تربیت
228	حضرت مرولوی کا علاج	213	کتب تصوف
229	پیران عظام کا ذکر مبارک	213	سفر دہلی
229	ناز اور نیاز	213	تعلیم طب
229 کیفیات اور واردات	214	پنجاب یونیورسٹی کا امتحان
238	اطمینان قلب	214	مدرسہ حمیدیہ لاہور
239	تسلیم و رضا	214	اورینٹل کالج لاہور
	حالات اور ملفوظات مشائخ سیال شریف کا	214	انجمن نعمانیہ لاہور
241	ایک اور اہم ماخذ	214	بھیرہ میں تدریس
241	برکات سیال	215	تلاش سالک
243	ذکر ذاکر	216	مدرسہ حمیدیہ لاہور میں تقرری
243	سیال شریف کی غلامی اور سرفرازی	216	بادشاہی مسجد لاہور میں تدریس اور قیام
244	بادشاہی مسجد لاہور	216	علمی تبحر
244	ذکر و فکر	217	سیال شریف سے بیعت
244	اخلاق حسنہ	217	تونسہ شریف کا سفر شوق
245	مزار داتا گنج بخش	218	سیال شریف سے مثالی عقیدت اور محبت
245	ذوق سماع	218	سیال شریف کے اکابرین کا گروپ فونو
245	اطوار	219	سعادت حج بیت اللہ
245	خلق عظیم اور عشق پیر	220	سفر حج میں صبح کی چائے
246	'مرشد چھٹی ٹون دی'	220	مولویت کی بو
248	محبوب سیال	221	الوداعی طواف
249	نیاز اول	221	حضرت خواجہ سیالوی کے مرید بلکہ مراد
252	نیاز دوم	222	حالات اور ملفوظات مشائخ سیال شریف کا
253	نیاز سوم		ایک اہم ماخذ
253	نیاز چہارم	222	جذبات سعید کی اہمیت اور فضیلت
255	نیاز پنجم	223	

296	قادیانی مذہب میں حیات مسیح	255	تیرنگہ
296	شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح	256	عنایات خاص
297	شمس الہدایت پر مولانا بگوئی کے اعتراضات	257	بیداری قلب
298	مرزا قادیانی صاحب کا علماء کے ساتھ مجادلہ	257	استغراق
298	تصوف کے بارے میں	258	تواضع اور وسیع النظر فی
	مضمون: تصوف کی حقیقت اور احسان	259	شرف انسانی
299	عند اللہ باعث قرب عمل	259	خواب
302	پہلی دلیل	261	محفل سماج
303	تشریح لفظ مشاہدہ	263	شرف و کمالات
304	دوسری دلیل	270	خفا و کورسہ شریف
306	تیسری دلیل	276	مصالح شیخ
306	چوتھی دلیل	280	تونسہ شریف کا آخری نم
307	پانچویں دلیل	282	تہذیب و تمدن
307	چھٹی دلیل	285	حضرت میاں شیخ محمد شاہ قبوری کے ساتھ تعلق
310	عرس مبارک	286	نور شمس کے لیے مبارک
310	حضرت ثالث سیالوئی عرس مبارک میں	287	تصفیہ و تہذیب
310	صاحبزادہ حکیم مختار احمد مرحوم	287	حرمت رونا
311	محترمہ رابعہ بیگم مرحومہ	288	عربی تصنیف
313	شجرہ چشتیہ نظامیہ بگوئیہ (عربی)	289	مولانا بگوئی کی عربی شاعری
318	سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانہ شمسیہ بگوئیہ (اردو)	290	شاعری
	<u>مولانا محمد یحییٰ بگوئی</u>	290	کمالات
324	تصویر	290	وفات
325	ولادت	292	لاہور میں جنازہ
325	ابتدائی تعلیم	292	بھیہ میں جنازہ
325	لاہور میں اعلیٰ تعلیم	292	تدفین
325	ملازمت	293	عقیدت مند اور تاملانہ
326	جامع مسجد بھیرہ کی تولیت	293	تاریخ وصال از مولانا محمد عید زین پوری
326	جامع مسجد بھیرہ کی دیکھ بھال	294	مرثیہ از مولانا محمد عید زین پوری
327	جامع مسجد میں تعمیرات	294	تاریخ وصال از مولانا غلام عثمانیہ نامی

340	قطعات وفات۔ مولانا محمد سعید زین پوری	327	مسجد کے اوقاف کا تحفظ
341	مرثیہ۔ مولوی محمد زبیر نسیم	328	دارالعلوم عزیز یہ
341	اولاد	329	مسجد اہلی والد کی تولیت
341	مولوی رشید احمد بگوی مرحوم	329	مساجد اور مدرسے کی خدمت
342	حافظ سعید احمد بگوی مرحوم	329	روشن خیال
343	صاحبزادہ عبدالغفور بگوی مرحوم	329	استفتاء
344	مولوی صلاح الدین بگوی مرحوم	330	عرس مبارک پر اہتمام
346	محترمہ محمودہ بیگم مرحومہ	330	شجرہ چشتیہ نظامیہ سیالویہ بگویہ (اردو)
	<u>مولانا محمد نصیر الدین بگوی شہیدؒ</u>	330	شیخ عبدالرؤف لوتھر کا قبول اسلام
	تصویر	331	قبول اسلام پر مجاز آرائی
348	ولادت	331	شیخ عبدالرؤف کی تعلیم
349	تعلیم و تربیت	331	سیال شریف سے بیعت
349	سفر گیا (بہار)	332	خواجگان سیالویہ سے مولانا کا شرف بیعت
349	سفر لاہور	332	خلافت
350	سند الفراغ	333	اخلاق و اطوار
350	درس نظامی کے ساتھ مولوی فاضل	333	تعویذات
350	ملازمت۔ ضرورت اور تصور	333	حکایات الجن و شرہم
351	عکس سند الفراغ	334	عکس تحریر و دستخط
352	ملازمت	335	اولاد ذریعہ کا فیض
352	خصوصی تربیت	335	سفر افغانستان
352	اصول تعلیم و تربیت	335	تحریری اور علمی مصروفیات
353	ڈائری متعلقہ امور تدریس	336	خانگی نزاع
355	تقسیم اوقات جماعات اور روزنامہ تدریس	337	جھگڑے کا انجام
355	جدید اصول تعلیم پر عمل	337	سرپرستی
355	انتظامی مہارت اور لیڈرشپ	338	حج بیت اللہ
356	انجمن اسلامیہ سمندری	338	وفات
357	مدرسہ نعمانیہ سمندری	339	جنازہ
358	سعادت حج بیت اللہ	339	تدفین
359	مکہ معظمہ میں قیام	339	تاریخ وفات۔ مولانا فضل کریم گوندل

375	بچے کو نصیحت	359	مدینہ منورہ میں قیام
375	موت العالم موت العالم	360	حرمین کے علماء کے ساتھ
375	تقریرت نامے	360	خدمت کے لیے وقف
375	مرچے، قطیعے، نوے	360	تبلیغی سرگرمیاں
386	نوحہ دنگداز۔ مولانا زہیر عاقل شاہی	360	گاؤں گاؤں وعظ
389	ماہتاب شرع ملت۔ مولوی حکیم عبدالرسول بکھروی	361	مساجد کی آباد کاری
391	مایہ صد افتخار۔ مولانا فضل کریم گوندل	361	تبلیغ بذریعہ ملازمت
392	ان سب ہمیں کیسے ملے۔ احمد بخش ضیائی	362	روحانی تربیت
393	تاریخی مادے	362	منتخب راستہ
395	گلشن علم و فضیلت۔ مولانا محمد سلام اللہ	363	تزکیہ و تصوف
395	صدمہ ناگہانی۔ مولوی محمد دلپزیر	364	انوار الہی کا مشاہدہ
399	مرد حلیم۔ مولوی محمد دلپزیر	365	مجاز طریقت
400	سراج دین و ملت۔ مولانا حکیم عبدالرسول	365	تحریر و تالیف
401	ماہ صدق و صفا۔ مولانا حکیم عبدالرسول	365	تعویذ نویسی
402	پل میں جدائی ہو گئی۔ مولوی عبدالمجید بھیروی	366	طلب
402	قصیدہ۔ مولانا محمد عالم آسی	366	رہائش
403	طوفان غم۔ حاجی فضل الہی بھیروی	366	نصیحت میں خیر خواہی
405	محترمہ جمال بی	367	اخلاق و اطوار
411	محترمہ غلام فاطمہ	367	مزاج
413	مولانا ظہور احمد بگوئی	368	درس قرآن حکیم
	عکس تحریر و دستخط	368	معمومات
420	حالات	368	بھیرہ سے تعلق
	پیدائش	369	بچوں کا اجتماع
421	آخر آمد	370	جامع الصفات
421	ابتدائی سرپرستی	371	شجرہ نصیر یہ مجددیہ نقشبندیہ بگوئیہ (اردو)
421	آغاز تعلیم	371	شادی اور اولاد
422	گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ و سرگودھا	372	وفات
422	اسلامیہ کالج لاہور	372	مدفن
422			شہادت کا دردناک واقعہ

435	تفکیل مسلم لیگ بھیرہ	422	اجراء ماہنامہ ضیائے حقیقت بھیرہ
435	روانگی حج بیت اللہ	423	تفکیل مجلس خلافت بھیرہ ضلع شاہ پور
436	سفر حج سے واپسی	423	پہلا حج بیت اللہ
436	بیعت	423	جذبہ اطہار حق
436	شاہ جی کے لیے دعا	424	ضبط نفاذ
437	وصیت شیخ کا اعلان	424	منفرد تجربہ
439	خاندانی نزاع	424	شادی
440	بھیرہ میں چائے کارواج	425	اولاد
440	بیماریاں	425	مجلس خلافت ضلع شاہ پور سرگودھا
441	آستانہ عالیہ سیال شریف سے تعلق اور عقیدت	425	جیل میں قید
442	عرس حضرت اعلیٰ سیالوئی	425	جیل میں دینی تعلیم
444	اہم اجلاس بابت قیام جامعہ اسلامیہ سیال شریف	425	جیل میں تربیت
444	خطبہ صدارت	426	جیل کا کتب
	<u>تحریک خلافت</u>	426	اعلیٰ دینی تعلیم
	خدمات	427	مقدمہ پتھر والہ موضع سرکی (سون سکسیر)
	آغاز	427	زبان بندی
449	ترک موالات	427	جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام شاہ پور۔ سرگودھا
449	کالج کی تعلیم کو خیر باد	428	اجراء ماہنامہ شمس الاسلام سرگودھا
450	معتد مجلس خلافت بھیرہ	428	ترک سکونت
451	معتد مجلس خلافت ضلع شاہ پور، سرگودھا	428	مقامی حالات
452	ڈسٹرکٹ خلافت کانفرنس سرگودھا	429	قیام سیال شریف
452	سزائے قید	429	حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوئی دارالعلوم دیوبند میں
453	جیل سے رہائی	430	نئی جہتیں، نئی سوچیں
453	ضلع شاہ پور کے پہلے سیاسی قیدی کا اعزاز	431	بھیرہ مراجعت
453	نئی صف بندی	431	مسجد اور مدرسہ کا انتظام
454	مجلس خلافت ضلع شاہ پور (سرگودھا)	432	درپیش چیلنج
454	کتب و رسائل بابت خلافت	433	انگریزوں کی چالیں
455	رفقاء اور کارکنان خلافت	433	مذہب باطلہ کی یلغاروں کا مقابلہ
456		434	تفکیل کل ہند مجلس حزب الانصار

		459	مقامات سفر
		461	تفصیل اخراجات
469	مجلس حزب الانصار	461	ذرائع سفر
471	من انصاری الی اللہ	462-5	مزید معلومات
472	امداد کے ذرائع		♦ اراکین مجلس مامد ♦ کارکنوں کا خیال
472	اغراض و مقاصد		♦ سود کا استعمال ♦ سیال شریف کے سفر
472	بنیادی ادارے		♦ خلافت کا نفرس سیال شریف
473	طریقہ کار		♦ مدارس دینیہ کی اعانت
473	اقدامات		♦ ربانی حضرت مولانا محمد حسین، صدر مجلس خلافت سرگودھا
474	تبلیغ		♦ رکن مجلس خلافت مرکزیہ ہند دہلی
475	تعاون علی الخیر		♦ شہادت اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ و مجلس خلافت پنجاب
475	تالیسی سال کے اخراجات		♦ اجلاس مرکزی مجلس خلافت دہلی
476	ترغیب تجارت		♦ اجلاس مجلس خلافت پنجاب و ملاقات مولانا
477	حزب الانصار کی ذیلی شاخیں		سید عطاء اللہ شاہ بخاری
478	حزب الانصار کلکتہ		♦ فوجدار کی مقدمہ۔ حضرت سیاہوئی کے ہمراہ سفر تبلیغ
479	حزب الانصار کی دیگر شاخیں		♦ مجلس خلافت پنجاب کا وفد بھیمہ میں
480	مرکزی حزب الانصار کی مقامی سرگرمیاں		♦ تحریک خلافت اور ترک موالات کے زعماء کی
482	تبلیغی سرگرمی کا نتیجہ		بھیمہ میں آمد ♦ رسیدات ♦ زبان بندی
483	مزید قبول اسلام		♦ صوبائی مجلس خلافت پنجاب
			♦ مرکزی مجلس خلافت ہند
			<u>جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور</u>
			طریقہ کار
484	بھیرہ میں علم و عرفان کی بارش	466	عہدہ دار
484	جلسے کی غرض و غایت	466	تبلیغی اخبار و رسائل
485	پہلا سالانہ جلسہ	466	مقامات کار
486	کارروائی جلسہ	467	خدمات
487	کارروائی اجلاس اول	467	
487	تقریر پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری	467	
492	کارروائی اجلاس دوم	467	
493	کارروائی اجلاس سوم	467	
493	کارروائی اجلاس چہارم	467	
494	تقریر مولوی ابوالقاسم محمد حسین کولوتار		

سالانہ تبلیغی کانفرنس

523	قیام پاکستان کی حمایت کی قرارداد	498	کارروائی اجلاس پنجم و ششم
524	انتظامی کارکن	498	تقریر مولانا سید نذیر الحق قادری میرٹھی
525	شرکاء جلسہ	501	اختتام جلسہ
525	ترانہ عزیزی۔ مولوی عبد الجبید بھیروی	501	ابتدائی تیاریاں
526	بخت بیدار (نظم) فضل الہی فضل پوسٹ مین	502	کارکنان اور اراکین کی شرکت
528	جامع مسجد بھیرہ (نظم)	502	دعوت الی الخیر
	<u>شعبہ تبلیغ</u>	502	مقامی تعاون
529	مرکزی داراللمبلغین	503	مقامی تیاریاں
530	طریقہ کار	504	اجلاسوں کی صدارت
531	تبلیغی کلاس	504	موضوعات
532	مولانا گوی کا سفر کلکتہ	505	شریک علماء و مشائخ
533	بانی امیر حزب الانصار کے تبلیغی اور دعوتی دورے	509	<u>اہم قومی اور دینی امور پر قراردادیں</u>
537	امیر حزب الانصار کا طویل تبلیغی سفر	509	پانچواں سالانہ جلسہ
540	آخری تبلیغی سفر	510	ساتواں سالانہ جلسہ
541	<u>گوشوارہ آمدن و خرچ مجلس حزب الانصار</u>	511	آٹھواں سالانہ جلسہ
	<u>شعبہ تالیف و اشاعت</u>	514	نواں سالانہ جلسہ
543	تصانیف	514	گیارہواں سالانہ جلسہ
543	دیگر مطبوعات	516	تیرہواں سالانہ جلسہ
545	آخری پیغام حق	517	تعلیمی قرارداد
	<u>شعبہ افتاء و تحقیق</u>	517	چودھواں سالانہ جلسہ
546	اقدامات	518	قراردادوں کی ضروری تشریح
546	استفتاء۔ الجواب	518	مسلمان حاکم کا تقرر
549	استفتاء۔ الجواب	520	عربی مدارس کا نصاب تعلیم
	<u>حرمت مصاہرہ پر مباحثہ اور مناظرہ</u>	521	سکولوں میں مذہبی تعلیم
551	حضرت مفتی رتوی سے اختلاف فتویٰ	522	پندرہواں سالانہ جلسہ
552	فتویٰ دربار عالیہ سیال شریف	522	حضرت سجادہ نشین تونسہ شریف کا پیغام
		522	قراردادیں

571	چشمہ فیض و کرم	553	تائید مزید۔ بھیرہ میں مذاکرہ
572	امتحان	553	آخری اور قطعی فیصلہ
573	رپورٹ امتحان	554	دستخط کنندگان اشتہار
574	دارالمطالعہ	556	تالیفی انجام
574	جائزہ (انگریزی)		جامع مسجد بھیرہ
576	جدید دور اول کے چند نامور تلامذہ	557	قطعہ
	<u>جریدہ شمس الاسلام</u>	557	قطعہ۔ تعمیری اضافے
556	تصوف کی تعلیم اور تبلیغ		<u>کتب خانہ عزیز یہ (وقف) بھیرہ</u>
556	<u>دور اول</u>	559	قدامت
557	ماہنامہ ضیاء حقیقت بھیرہ ضلع شاہ پور		<u>دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ</u>
557	اغراض و مقاصد	560	تصویر دارالاقامہ
579	مضامین۔ قواعد	561	تجدید و توسیع مدرسہ
580	اشاعت۔ خدمات	562	باقی مدہ نام
580	خطاب بہ صوفیاء کرام	562	نصاب
582	عقیدت مندان سیال شریف کے لیے ہدایت	563	نصاب انجیل
583	انقطاع	563	طلبہ کے لیے دستور العمل
584	اختر پریس سرگودھا برائے رسالہ شمس الاسلام	564	درجاتی نصاب کے لیے ترمیم
585	<u>دور ثانی</u>	565	مواویٰ فاضل کی کلاس
585	ادارت	565	جدید تقاضے
587	ہمارا نصب العین	565	تدریسی کتب
589	موضوعات		<u>اساتذہ دارالعلوم</u>
590	خلاصہ اخبار	566	شعبہ کتب
591	سالانہ چندہ	567	شعبہ حفظ و تجوید قرآن
591	اعلان برائے خریداران	568	طلبہ کے لیے سہولیات
592	اغراض و مقاصد	569	ذیلی مدارس کا قیام
592	شذرات	569	مدرسہ نصیریہ
595	سیال شریف کا عرس نمبر	570	دارالاقامہ کی تعمیر
595	عرس سیال شریف	570	

617	عقیدت مندان سیال شریف کے نام	596	قرارداد مذمت
617	مشکلات	596	نجذیت کے حامی اخبارات کا ترک مطالعہ
618	خسارے کی تلافی	597	علامہ مشرقی کے تذکرہ پر گرفت
618	غیرت و حمیت کا امتحان	597	مولانا حسین علی واں پھراں کی آمد سیال شریف
619	مولانا بگویہ کے مضامین اور شذرات	597	علم غیب کا مسئلہ
620	کشمیر کمیٹی کا عبرت ناک انجام	598	نا تمام مباحثہ
621	در نجف کی صداقت	598	قوالی کی حوصلہ شکنی
622	کشمیر میں سیلاب ارتداد	599	آخری شمارہ
623	مولانا آزاد کے خطبہ عید پر محاکمہ	599	آل انڈیا خلافت کانفرنس
627	مولانا آزاد کی خدمت میں گزارش	600	عکس شمارہ اول
628	اشتراکیت	601	دور ثالث
630	اہل سنت کے لیے تازیانہ عبرت	601	غایت
631	مدح صحابہؓ	605	ادارت - طباعت
632	جعلی نقلی پیروں کے کروتوت	605	معاون مدیر
633	تاریخی و فقہی امور میں اعتدال کی راہ	606	بیادگار
638	آزادی ہند کے حقیقی دشمن	606	مینجر - خوش نویس
	قادیانیت کی تردید اور اس کے تعاقب میں	606	شمس کامل
641	مجلس حزب الانصار کا بنیادی مقصد	607	ترجمان
641	دین حنیف کی سر بلندی	607	مسلک
642	تردید مذاہب باطلہ	608	پہلا شمارہ
643	اقدامات	609	مضامین
643	تجزیہ	610	قطععات تاریخ اجرا
644	صحیح اندازہ	611	خدمات
644	مزید مقالات	612	پہلے سال کے اختتام پر
645	اجتناب الحفیہ	612	شذرات
647	سالانہ کانفرنس	615	خصوصی اشاعتیں
647	تبلیغی اور دعوتی دورے	615	حضرت سیالوی کو سند فضیلت
648	دورہ بنگال و برما	616	سند بالمصافحہ
650	مدینہ منورہ میں مرزائیوں کا حشر	616	سیال شریف سے تعلق

686	احرار کا وفد حجاز	652	برق آسمانی بر خرمن قادیانی
686	سعودی برطانوی معاہدہ۔ رد عمل	654	کشمیر کمیٹی اور فتنہ قادیان
686	یوم حجاز	655	کشمیر تبلیغی وفد کی تیاری
687	جزیرۃ العرب و نجد استعمار میں	655	مرزائی حکمت عملی میں تبدیلی
687	مجلس حزب الانصار کی قرارداد	656	<u>مناظرے</u>
688	جمعیت علمائے ہند کی قرارداد	656	منظروں کی تعداد
688	جمعیت تنظیم اہل حدیث کی قرارداد	657	ضلع شاہ پور میں مرزائیوں کا تعاقب
689	احرار وفد	657	مرزائیوں کا دورہ
689	وفد حجاز کے بارے میں	658	پہلا معرکہ میانی
689	مخالف سلفی وفد	658	دوسرا معرکہ بھیمہ
690	ملک ابن سعود سے وفد احرار کی ملاقات	664	تیسرا معرکہ منظرہ
690	<u>شہید گنج کا ہنگامہ اور مجلس احرار</u>	668	تیسرا معرکہ خوشاب
692	پس منظر	670	چوتھا معرکہ مجوکہ
692	احرار کے خلاف طوفان مخالفت	672	پانچواں معرکہ سلانوالی
693	احرار کی حمایت	675	چھٹا معرکہ سرگودھا
694	احرار تبلیغ کا فرانس بھیرہ	677	ساتواں معرکہ چک نمبر 37 جنوبی
695	جزیرۃ العرب کی آزادی	679	آٹھواں معرکہ مذہر انجھا
	<u>تردید شیعیت</u>	679	مواہات بگوبہ کے وارنٹ گرفتاری
696	پس منظر	680	تایید غیبی کا ظہور
698	اقدامات	680	نہم معرکہ کوٹ موہن
698	مناظرہ ذہل ضلع شاہ پور	681	اسواں معرکہ چک نمبر 9 شمالی
699	موضوع مناظرہ	681	ضلع شاہ پور میں مرزائیت کا استیصال
703	امیر حزب الانصار کی شرکت	681	تہنیت نامہ شیخ الجامعہ ریاست بہاول پور
704	مناظرہ کی کارروائی		<u>مجلس احرار اسلام کے ساتھ اشتراک عمل</u>
705	امیر صاحب کا ارشاد	683	اقدار مشترک
705	”جو ایسا شاہ“ کی تشریف آوری	683	ذاتی اور دینی تعلق
706	امیر صاحب کا جواب	684	خصوصی تعاون
709	میدان مناظرہ		

724	حکومت پنجاب کا افسوسناک اقدام	710	موضوعات برائے مناظرہ
728	صدائے احتجاج۔ روزنامہ زمیندار کا ادارہ	711	شمس الاسلام کے تردیدی قلمکار
729	عام اہل سنت سے اپیل برائے احتجاج		تحریک مدح صحابہؓ
730	دوران امیری سنٹرل جیل لاہور		
730	جیل سے مکتوب	712	تبر اور مدح
732	جذبہ احساس	713	پس منظر
732	جیل کے احوال کی تفصیل	713	تحریک تبر
734	قید سے رہائی	713	گورنمنٹ کے اختیارات کی تحدید
734	تحریک کا انجام	713	قدح، تنقید اور تبر امتزاد الفاظ
735	امیران مدح صحابہؓ کی رہائی	714	حکومت کی کارستانیاں
735	بدیہ سپاس	714	مسلمانوں سے دھوکہ
736	زبان بندی	715	تاریخی واقعات کے نام سے
737	زبان بندی کے خلاف اپیل	715	غیر ذمہ دارانہ حرکت
738	تحریک میں احرار اور فوج محمدی	716	قیام امن یا نقض امن
739	تحریک مدح صحابہؓ اور احرار	716	خطرہ عظیم
	جلال پوری قضیہ	717	خارجیوں کو تبر کی اجازت؟
		717	ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا تجاہل
740	پس منظر	718	حکام کے اختیارات کی حد بندی
742	وجہ نزاع	718	تجاویز
743	اظہار برأت	719	تحریک مدح صحابہؓ کی مختصر تاریخ
743	مراسلہ نمبر دسمبر 1933ء	720	مدح صحابہؓ پر پابندی
744	وجہ اختلاف	720	مدح صحابہؓ کا جلوس
745	مراسلہ 4 دسمبر 1933ء	721	مسلمانوں کی احتجاجی سول نافرمانی
750	حزب الانصار کا چوتھا سالانہ جلسہ	721	مدح صحابہؓ کے جلوس پر پابندی
750	خانہ خدا میں قیامت خیز ہنگامہ	721	قرارداد جلسہ حزب الانصار
751	اضطراب	722	مجلس احرار اسلام کا موقف
751	ملک کے طول و عرض میں غم و غصہ کی لہر	723	فوج محمدی کا کردار
753	تشکر و امتنان۔ اعلان	724	مولانا گوی کی گرفتاری
754	”امیر حزب اللہ کا پیغام“	726	گرفتاری پر شمس الاسلام کا شذرہ
760	قرارداد	724	شیعہ نواز پالیسی کے محرکات

794	اجتماع میانوالی کے اہم فیصلے	761	مسلم اور غیر مسلم پریس کا تضاد
795	حکومت پنجاب کو انتباہ	762	شہ آئینز خبروں کی اشاعت
796	مجلس مشاورت کا لاباغ ضلع میانوالی	763	انقلاب کا ادارہ
797	ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ کا قیام اور اثرات	765	پریس ریلیز
798	ادارہ کے اہم اعلانات	766	پولیس کی کارروائی
799	ادارہ کا سیاسی اور فقہی مسلک	768	جواب الجواب
799	فوج محمدی کے رہنما اصول	772	تعمیرات، تعمیرات
800	سرگرمیاں	773	ادوال جلسہ بھیسہ۔ پنجابی نظم
803	افواج محمدی کے تبلیغی اور عسکری کمپ	777	مصاحبت
806	علمائے بنوں کا اعلان حق	777	مقدمات
808	ادارہ عالیہ کے اہم فیصلے	778	بعد از صلح
809	پابندی	778	مراسلہ 15 فروری 1934ء
809	خدمت خلق کا متبادل پروگرام	779	با عمل اقدامات صلح پر عمل
810	اصلاح و فلاح ---	781	مراسلہ 17 جمادی الاول 1351ھ
811	شمس الاسلام بطور ترجمان ادارہ	781	مراسلہ 6 شعبان المعظم 1351ھ
812	پندرہ روزہ شمس الاسلام	783	مراسلہ 6 شعبان المعظم 1351ھ
813	مولانا بہاء الحق قاسمی بطور اعزازی مدیر	784	مراسلہ 6 رمضان المبارک 1353ھ
814	خاکساری فتنہ	785	مراسلہ 26 شوال المکرم 1354ھ
814	خاکساری مذہب۔ 9 حصے	787	مراسلہ 17 فروری 1934ء
814	فوج محمدی کا دستور العمل	787	مراسلہ 4 ذی قعدہ 1354ھ
815	دعوت عمل	788	قضیہ جلاپور کا عمومی جائزہ
	<u>ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ۔ کل ہند فوج محمدی</u>		<u>خاکسار تحریک کی تردید اور اس کا تدارک</u>
816	اصول	790	خاکسار تحریک
816	حلف وفاداری	791	مولانا بگویی اور خاکسار تحریک
817	رضا کاروں کی اقسام	792	اقدامات
		792	اجتماعی مظاہرہ
		793	بارش کا پہلا قطرہ
		794	قراردادیں

81165

832	اثرات	818	فوج محمدی کے مناصب اور عہدے
833	ضلع شاہ پور میں مسلم لیگ کا آغاز	819	لاٹری عمل
834	پنجاب میں مسلم لیگ کا کردار	520	تشکیل
834	ضلع سرگودھا میں مسلم لیگ کی تشکیل	820	تنظیمی و تبلیغی مراکز
835	ضلع سرگودھا میں مسلم لیگ کی تنظیم	820	مجالس ماتحت کے نام ہدایات
836	نامزدگی۔ آل انڈیا مسلم لیگ میں	821	فوج محمدی اور تحریک مدح صحابہؓ
837	مسلم لیگ سرگودھا کا پہلا عوامی جلسہ	822	مولانا بگویی۔ گرفتاری۔ رہائی۔ زبان بندی
837	ضلع میں مسلم طلبہ کے عوامی رابطے	822	اہم فیصلہ
838	مولانا بگویی کا تحریک میں حصہ	822	جمعیت علماء ہند کے ساتھ فوج محمدی کا الحاق
	<u>مولانا بگویی تحریک پاکستان میں</u>	823	انصار الاسلام (نظم)
	پس منظر	824	فوج محمدی کے ایک سپاسی سے خطاب (نظم)
838	آزادی کے لیے خدمات	825	اثرات
839	قیام پاکستان کی قرارداد 11 مارچ 1945ء		<u>تحریک پاکستان</u>
840	نظریہ پاکستان کی قرارداد 11 مارچ 1945ء	826	پس منظر
841	نظریہ پاکستان۔ مشن اور وژن	827	بھیرہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل
	<u>شخصیت</u>	827	عہدے دار
842	دین سے محبت	828	ایگزیکٹو کونسل ممبرز
843	خدمت اسلام	829	اغراض و مقاصد
844	آہنی عزم و ارادہ	829	اجلاس 21 جون 1930ء
845	مقصد و حید	830	مسلم حقوق کا تحفظ
846	اسلام دشمن قوتوں کا مقابلہ	830	اجلاس 20 جولائی 1930ء
848	دین کے بارے میں بے چک	830	قومی اور ملکی مسائل پر قراردادیں
848	مذہبی مجنوں	831	اجلاس 30 ستمبر 1930ء
849	وسعت نظر	831	قومی اور ملکی قراردادیں
850	مسک اعتدال و اتحاد	832	جلسہ عام 29 ستمبر 1930ء

869	جانشین کا انتخاب	851	رفقائے کار کی تلاش
870	نماز جنازہ	853	جذبہ تحقیق
870	ایصال ثواب	853	طریقہ تحقیق
	بانی امیر حزب الانصار کا ہندوستان گیر ماتم	854	خدمات جلیلہ
871	بذریعہ برقی تاریخیت	855	خطابت
871	تقریرت نامے	856	حضرت خواجہ غلام سیالوی کی پیشین گوئی
892	دارالعلوم محمدی شریف جھنگ	856	حدیث
892	مسلم لیگ ضلع سرگودھا	857	خلاق و اطوار
892	حزب الانصار امر وہہ	859	تربیت خاص
894	اسماء مختلف حضرات	860	افتخار نظام
896	مرثیہ علامہ محمد زید عرشی	861	اسپین
897	مرثیہ تاریخی۔ مولانا حکیم عبدالرسول بکھروی	861	کارناموں کی قدر
898	سوز غم۔ خواجہ باصر بھیروی	861	پوشا
899	مرگ عالم مرگ عالم۔ علامہ مصاصم	862	خبر نامے
903	مقبول ایزد، مجاہد ملت۔ حکیم محمد افضل	862	رہنما
904	درد دل۔ مولانا فضل کریم گوندل	862	شاعری
906	محفوظ الرحمن۔ مولانا فضل کریم گوندل	863	قومی امانت
906	جذبات غم۔ محمد زید نسیم سحرانی	864	ذاتی اندوختہ و اثاثہ
907	حق نواز و باطل سوز۔ مولانا غلام دستگیر نامی	865	علمی اور خلائقی حلقہ احباب
907	گوہر نایاب۔ خواجہ غلام جیلانی باصر		ساختہ ارتحال
908	اظہار تشکر		وفیات:
909	کتابیات	866	مولانا کا آخری سفر تبلیغ
		868	قیامت کا سماں
		868	تجزیہ و تکلیفیں و تدفین



رود کوثر

انسان اپنی بقا کے لیے جہاں طبعی ضرورتوں کا محتاج ہے وہاں اس کی فکری ترقی اور روحانی بالیدگی کے لیے آسمانی رہنمائی بھی لازمی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمان و رحیم کے تحت دنیا کی تمام قوموں میں نبی اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ قومیں ہدایت کی نعمت سے برابر اور وافر استفادہ کریں۔ ان برگزیدہ انسانوں نے وحی الہی کی مدد سے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی۔ انہوں نے اپنی تعلیمات اور اسوہ سے ایک دستور عمل دیا تاکہ سعید لوگ دین و دنیا کی فلاح اور اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ یہ سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین کے ساتھ انسانوں پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اس کے ماننے والوں کو خیر امت قرار دیا۔

نبی اقدس ﷺ کے صحابہؓ، تابعین اور ان کے بعد تسلسل اور تو اتر سے ایک مبارک سلسلہ قائم ہے جس کے تحت علماء اور صلحاء، امت کی خیر خواہی اور اس کی فوز و فلاح کے لیے برابر کوشاں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسل میں دینی علوم و افکار کے امین اور اسلامی کردار و عمل کے وارث ہیں جو نسل در نسل، قرن در قرن، ورق در ورق اس خزانے کو لٹاتے، پھیلاتے اور منتقل کرتے رہتے ہیں۔ امت کے یہ علماء اور صلحاء، رشد و ہدایت اور تعلیم و تدریس کے ذریعے

اشاعتِ دین اور اصلاحِ عامہ

کافر ایضہ سر انجام دیتے ہیں تاکہ مسلمان درج ذیل فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوں:

- ا۔ تعلق باللہ اور قرب الہی
- ب۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب
- ج۔ اصلاح، اتحاد اور فلاح مسلمین
- د۔ دین کی تعلیم اور تبلیغ و ارشاد
- س۔ شہادتِ حق اور اقامتِ دین

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین حنیف کی اشاعت و حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت و ہدایت کے لیے دنیا کے ہر خطے میں اور برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں اپنے صالح اور سعید بندوں سے یہ کام لیا ہے۔ ان نفوس قدسیہ اور ایسے پاک باز خاندانوں کا شمار محال ہے۔ دین کے ایسے بے لوث نیکو کاروں اور بے ریا خدمت گزاروں میں پنجاب کا ایک خانوادہ..... **بگویہ خاندان** بھی شامل ہے جو قریباً سترھویں صدی عیسوی رگیا رھویں صدی

ہجری سے مصروف عمل ہے۔ رحمت خداوندی نے اس خاندان میں بہت بڑے عالم، محدث، فقیہ، زاہد، سالک، شیخ، صاحب قلم، مصلح اور مخلص رہنما پیدا کیے ہیں جو وقت کی طلب اور مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق، دین کے مختلف شعبوں، واسطوں اور سلسلوں کے حوالے سے کام کرتے رہے ہیں۔

بگویہ خاندان کے اکابر علماء اور مشائخ جس علمی قوت، روحانی طاقت اور سیاسی بصیرت سے بہرہ ور تھے اس کا یہ چشمہ معرفت و اطاعت الہی اور اس کا ہدف اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت تھا۔ ان کا دل اپنے دین و اولاد کے ساتھ تھا یا ان سے لینے والوں کے پاس رہا۔ وہ سرکارِ دربار سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ کسی بھی جہد میں انہوں نے سرکاری سرپرستی قبول کی اور نہ شاہی مراعات۔ وہ طبقہ امراء سے بھی دور رہے۔ ان کا نشیمن مسجد اور آشیانے خانقاہیں تھیں۔ وہ مخلوق کے ہمدرد اور اس کے غمگسار تھے۔ چنانچہ بگویہ اکابرین نے سرکاری جہدوں، ملازمتوں اور قبولیتوں کو کبھی پسند نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی محنتوں اور قربانیوں سے علماء اور صلحاء کی ایسی کھپ تیار کی جو کس رضائے خدا کی طالب اور مخلوق خدا کی خدمت کی خواہاں تھی۔ بقول علامہ عرشی:

انک سے لے کر تاج علمی خانوادے ہیں

سب کے سب اس آستان کے خانہ زادے ہیں

مسلمانوں میں تذکرہ نگاری کا فن اگرچہ پرانا ہے تاہم اس کی افادیت بوجہ محدود ہے۔ موجودہ دور کے مسلمان تذکروں نے اس افادیت کا دائرہ وسیع نہیں کیا۔ مسلمان علماء اور مشائخ، اسلاف کی روایات اور اسلامی آثار کے تحت ذاتی اوصاف و خدمات کے اعلان اور اپنے کاموں اور فیوض کی تشہیر سے محترز رہتے تھے۔ جو لوگ تذکرہ نویسی کرتے تھے وہ ادب و احترام کے باعث حقائق سالم اور کھل کر نہ لکھ پاتے تھے۔ اکثر اوقات اوصاف انہماک میں غلو ہوتا تھا۔ واقعات نگاری میں رطب و یابس آجاتا۔ چنانچہ پرانے بزرگوں کی جانثاریوں، محنتوں اور خدمتوں کی ہزار داستان بدستور تشنہ اور نامکمل ہے۔

تذکرہ نویسی ایک نازک اور تحقیقی صنف تحریر ہے۔ یہ فلکشن ہے اور نہ میکانیکی عمل۔ چنانچہ بزرگوں کی علمی اور روحانی خدمات مرتب کرنے کے لیے تحقیق، توازن اور صداقت کی سخت ضرورت ہے۔ وہ بزرگ کہ جن کی زندگیاں دوسروں کے لیے مشعل راہ تھیں، جو سرتاپا معرفت الہی میں رنگے ہوئے تھے، جن کی زبانوں پر اللہ رسول کا نام اور ان کا کلام جاری تھا ان کے ساتھ کوئی غلط بات کیسے منسوب کی جائے۔ کیونکر بلا تحقیق اور بے سند واقعات جوڑ دیئے جائیں۔ بزرگوں کے نام پر بے دلیل مزعومات اور بے بنیاد تصورات کو کس طرح کرامت یا تصوف قرار دیا جاسکتا

پیراں نمی پرند، مریداں می پرند

یہاں ہر شخصیت مختلف ہے۔ اس کا اپنا مزاج، خاص تربیت اور مخصوص انداز کار ہے۔ یک رنگی اور رنگ سازی نہ صرف غلط بلکہ ان سعید روحوں پر الزام ہے جو ان کے کردار و افکار سے ہرگز میل نہیں کھاتیں۔

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ما برسانید، ہر کجا ہستند

بزرگوں کی اصل کرامت تو یہ ہے کہ طالبین اور سالکین کا اللہ اور رسول سے تعلق قائم ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا شعور بیدار ہو۔ سیرت رسول، اسوہ صحابہ اور کردار سلف رہ نما ہو۔ رزق حلال کی طلب ہو۔ آخرت کی محبت غالب ہو اور کوئی کام شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو۔ اور معیار انسانیت مرتبہ یا نسب نہیں بلکہ قرآن حکیم کا یہ فرمان ہو:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَى اللَّهَ

بزرگوں کی خدمات اگرچہ 'آفتاب آمد دلیل آفتاب' کا مصداق ہیں، تاہم ان کے تذکرے ہر دور کی ضرورت ہیں۔ بگوی علماء اور مشائخ کا تفصیلی تذکار مدون کرنے کی وجوہات یہ ہیں:

- 1- بزرگوں کی گراں قدر خدمات کا اعتراف اور تحسین کا اظہار۔
- 2- علماء اور صلحاء کی بے مثال اور بے لوث کوششوں اور محنتوں کے ثمرات کا احاطہ۔
- 3- دین اور مسلمانوں کے لیے کام کرنے کے مختلف اسالیب اور طریقوں کا مطالعہ۔
- 4- دین کے کاموں کے لیے آئندہ کی راہ عمل اور آئینہ رہ نما۔
- 5- طریقت و شریعت کے امتزاج اور مرشد کے لیے دینی علوم کی فضیلت اور اہمیت۔
- 6- غیر مسلکی، غیر سیاسی اور غیر گروہی انداز فکر کے ساتھ کام کرنے کا انداز۔
- 7- بزرگوں کی نگارشات اور افکار پر تحقیقی اور نقابلی کام کی ضرورت۔
- 8- تیزی سے ضائع ہوتے ہوئے ریکارڈ کی حفاظت اور اس کا صحیح استعمال۔

خاندان بگویہ کے علماء اور مشائخ کی سوانح کا بغور مطالعہ کریں تو ان میں درج ذیل نوع کے کلیدی

افکار اور انداز کار کا پتہ ملتا ہے:

(i) توحید خالص بحیثیت بنیادی عقیدہ

(ii) تصوف برائے تزکیہٴ نفس اور تصفیہٴ قلب

(iii) دینِ کامل بطور انفرادی و اجتماعی نظامِ حیات

(iv) اصلاح و فلاح بحیثیت استاد اور معلمِ اخلاق

یہ دلچسپ حسن اتفاق ہے کہ پہلی تینوں انواع کے بارے میں اکابرین کے نظریات میں بڑا واضح فرق اور نمایاں تفاوت ہے۔ ہر بزرگ نے جس نوع کو پسند فرمایا، اسی میں پوری معلومات اور مہارت فراہم کیں اور پھر اس پر کامل دلچسپی سے کار بند ہوئے اور استقامت کے ساتھ گا مزن رہے۔ راقم نے بزرگانِ بگوئیہ کا معروضی مطالعہ کیا ہے۔ تاریخ، تذکروں، ان کی تحریروں اور کاموں میں جو کچھ پایا ہے، اسے بے کم و کاست بیان کیا ہے۔ اس مطالعے کے لیے راقم نے کسی تعصب، مزعومہ خیالات یا گھڑے ہوئے فارمولے کی عینک پہنی ہے کہ اپنی پسند کے رنگ سے دیکھوں اور نہ بگوئی علماء و مشائخ کو کوئی خود ساختہ یا ریڈی میڈ جامہ پہنانے کی سعی کی ہے کہ مختلف مسالک کی خوشی یا خوش نہیں کے لیے ان کا حلیہ ہی بدل دوں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے یہود کی طرح کوئی فرقہ باز کسی صحابی یا تابعی کو آج اپنے مسلک پر کار بند قرار دے۔ یہ صریحاً بے دینی اور علمی بددیانتی ہوگی۔ ہمارے اسلاف کرام جو تھے، تھے، انہیں آج کے گروہ و فرق میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے، دین کا خادم اور بزرگ جان کر ہمیں ان کی خدمات کا اعتراف و اقرار کرنا ہے اور ان کے منہاج کار کو زمانہٴ حال کے مطابق، خدمت و اشاعتِ دین کے لیے زیر استعمال لانا ہے۔ بگوئی علماء و صلحاء کی بوقلمونی افکار تو اصل میں اس بات کا مظہر ہے کہ:

ہر گلے رارنگ و بوئے دیگر است

تذکارِ بگوئیہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل معتبر ماخذ پیش نظر رہے ہیں:-

1- خاندانِ بگوئیہ کے متعلق عام اور خاص مطبوعاتِ جدید و قدیم۔

2- خاندان کے علماء اور مشائخ کی تصانیف اور تحریریں۔

3- بگوئیہ علماء اور مشائخ کے

ا- مکتوبات و مراسلات۔

ب- ملفوظات اور رجسٹرات۔

ج- بیاضات اور ڈائریاں۔

د- کتابوں پر حاشیے اور ذاتی نوٹ۔

- 4- ماہنامہ شمس الاسلام اور ضیائے حقیقت کے تمام شمارے از 1921ء تا 1945ء
- 5- ہم عصر رسائل اور جرائد میں شائع شدہ تحریریں۔
- 6- خاندان کی مستند روایات اور بزرگوں کے ساتھ گفتگو۔

یہ انتہائی بد قسمتی کی بات ہے کہ خاندان بگو یہ سے متعلق بزرگوں کا ذاتی ریکارڈ اور حزب الانصار کے مختلف شعبوں اور اداروں کے ریکارڈ ڈیمک، سیلن اور سیلاب کی نظر ہو گئے۔ ان میں بیاضات، مراسلات، فائلات اور دیگر تحریریں اور مسودے شامل ہیں۔ شوخی قسمت سے یہ سانحہ پنجاب کے غالباً اکثر علمی اور دینی گھرانوں پر بیت چکا ہے۔ تاہم جو کچھ بچ سکا ہے اس ایک حصہ تذکار بگو یہ میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مہلت دی تو نظر ثانی ایڈیشن میں بقیہ مواد سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

بگو یہ خاندان کے علماء اور مشائخ کا ذکر یا ان کا حوالہ مختلف پرانی کتابوں میں ملتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ عالم، زاہد اور متقی لوگ تھے۔ ذاتی تشہیر و تعارف سے گریزاں، سجادہ و محراب کے ہم نشین، عوامی اخلاط اور امراء کے میل جول سے مجتنب۔ چنانچہ ان کے خود نوشت یا کسی معتقد اور شاگرد کے نوشتہ احوال دستیاب نہیں ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات پر اولین اور تفصیلی کوشش مئی 1934ء میں ہوئی جب حضرت مولانا ظہور احمد بگوئی نے ماہنامہ شمس الاسلام کا شہید نمبر نکالا اور تذکرہ مشائخ بگو یہ شائع کیا۔ دوسری بار حضرت مولانا افتخار احمد بگوئی کے ارشاد پر علماء و مشائخ بگو یہ۔ ایک اجمالی تذکرہ کے عنوان سے راقم نے ایک مضمون لکھا۔ جو 1964ء میں ہفت روزہ نسیم بہار سرگودھا کے بھیرہ نمبر میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ تفصیلی مضمون متعدد بار شمس الاسلام بھیرہ میں اور مجلس حزب الانصار کی جانب سے بصورت کتابچہ اور دوسرے رسائل و جرائد میں چھپتا رہا ہے۔

کسی بھی تحریک، تنظیم یا سلسلے کے بنانے میں ساتھیوں، کارکنوں اور شاگردوں یا مریدوں کا اہم رول ہوتا ہے۔ اسی طرح علمی اور روحانی شخصیات کا اپنے عہد کے معاصرین کے ساتھ فکری اور نظریاتی ربط اور بعض کے ساتھ ذاتی تعلق ہوتا ہے۔ یہ تمام لوگ ایک شخصیت کا حصہ اور یوں قابل ذکر ہوتے ہیں۔ خاندان بگو یہ کے سینکڑوں احباب اور ہزاروں متوسلین اور شاگرد اب گزر چکے ہیں۔ ان سب چہروں کا تذکرہ آج ممکن نہیں ہے۔ تاہم جن اصحاب کے نام اور ان کے کام کا کسی بھی درجے میں ریکارڈ میسر آ سکا وہ تذکار بگو یہ کی دوسری جلد میں بیان ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان گرانقدر رفقہاء اور احباب کے بغیر کوئی بھی تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

حالات بیان کرتے ہوئے راقم نے پوری کوشش کی ہے کہ غیر ضروری طوالت نہ ہو۔ رسمی اور ثقیل القابات سے گریز کیا جائے۔ جو بیان ہو وہ سادہ اور عام فہم زبان میں ہو۔ ہر واقعہ صحیح اور مستند ہو۔ مطالعہ کرنے والوں کے لیے تذکار ان کی دلچسپی، معلومات اور ہدایت کا ذریعہ بنے اور نیکیوں کا ذکر بزرگوں کے لیے باعثِ بلندی درجات۔

تذکار بگویہ کی جلد اول میں خدمت و سعادت کا یہ سفر 1650ء سے 1945ء تک کم و بیش تین سو سالوں پر محیط ہے۔ علماء مشائخ بگویہ اس سفر میں توحید سے تصوف اور تعلیم کے ساتھ تحریک کی طرف آئے اور تبلیغ اور تزکیہ کے لیے انہوں نے تصوف اور شریعت دونوں ذریعے استعمال کیے۔ ان کوششوں کا احاطہ کرنے کے لیے تذکار بگویہ پر راقم 1991ء سے کام کر رہا تھا تاہم سرکاری ملازمت کے سبب اس میں بار بار تعطل آتا رہا۔ زیادہ کام 1991ء، 1995ء اور 2001-2003ء میں ممکن ہو سکا جب میں سیاسی اور فوجی حکمرانوں سے ناموافقیت کی بنا پر آفیسر بکار خاص تھا۔ تاہم اس کام میں مستعدی اور تسلسل برادر عزیز صاحبزادہ ابرار احمد بگوی ثالث امیر حزب الانصار اور راقم کی اہلیہ فرحت احمد کامرہون سے جو برابر محرک اور مصرر ہے کہ تذکار بگویہ کو جلد مکمل کیا جائے اور اسے دوسرے تمام کاموں اور مصروفیتوں پر ترجیح دی جائے۔

صاحبزادہ صاحب نے مجھے تدوین و تالیف کے کام میں آزاد رکھا اور ان کی مساعدت و مشاورت خصوصاً کتابوں کی تلاش اور فراہمی میں اور طباعت میں بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ دورانِ تحریر فرحت احمد نے بڑی حوصلہ افزائی کی، مفید مشورہ اور تنقید سے نوازا۔

صاحبزادگان لمعات احمد بگوی، احمد منصور بگوی، احمد منیب بگوی، سلمان ابو بکر بگوی، احمد سفیان بگوی اور محمد عمر فاروقی کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے کئی جہات سے کام میں مدد دی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلافِ کرام کے تذکار میں جو اچھا اور اسے پسند ہے، اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی بخشش کا سامان بنائے۔ جو کچھ میرے قلم سے یا بزرگوں سے سہواً سرزد ہوا ہے وہ معاف فرمائے۔

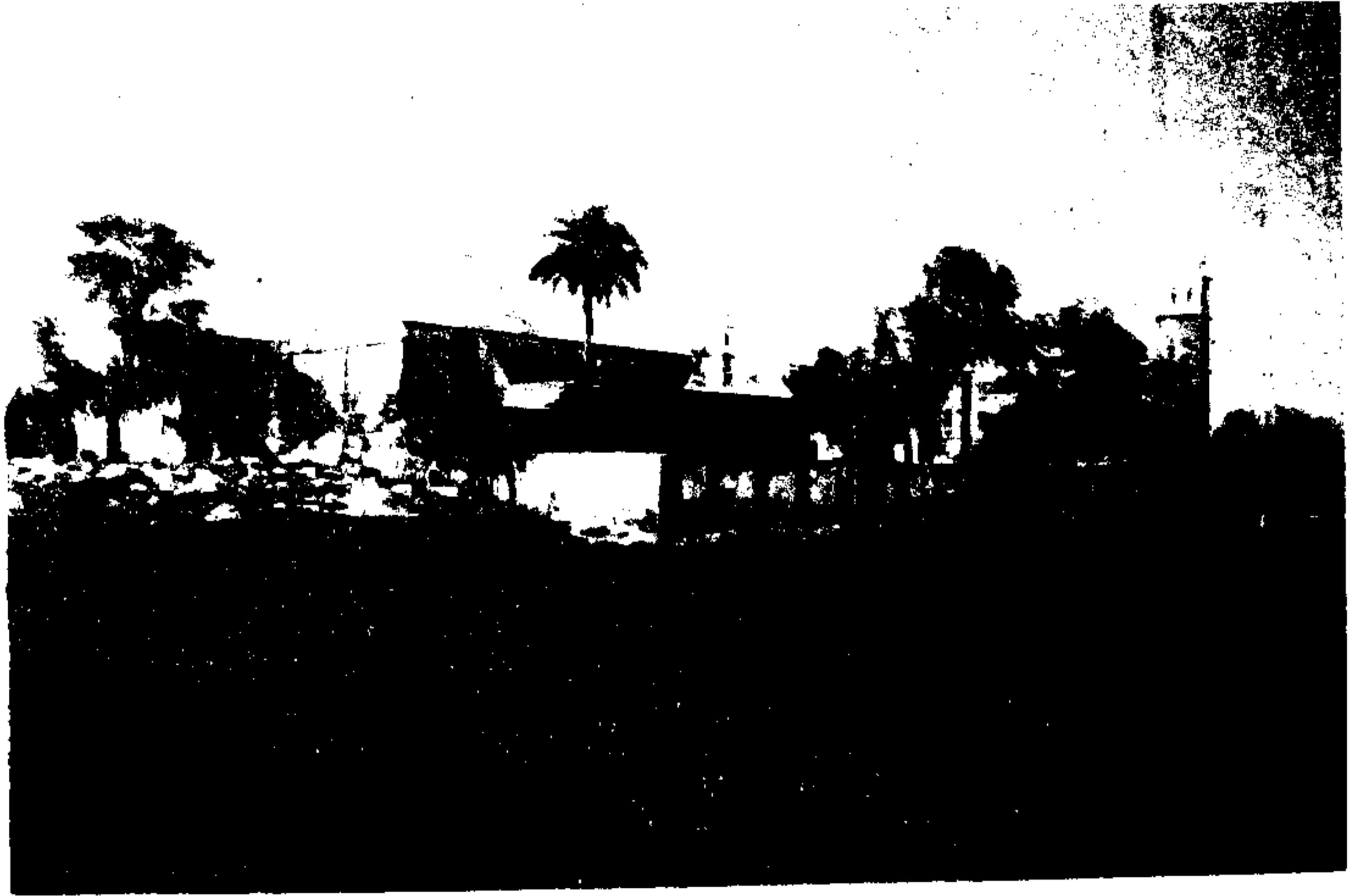
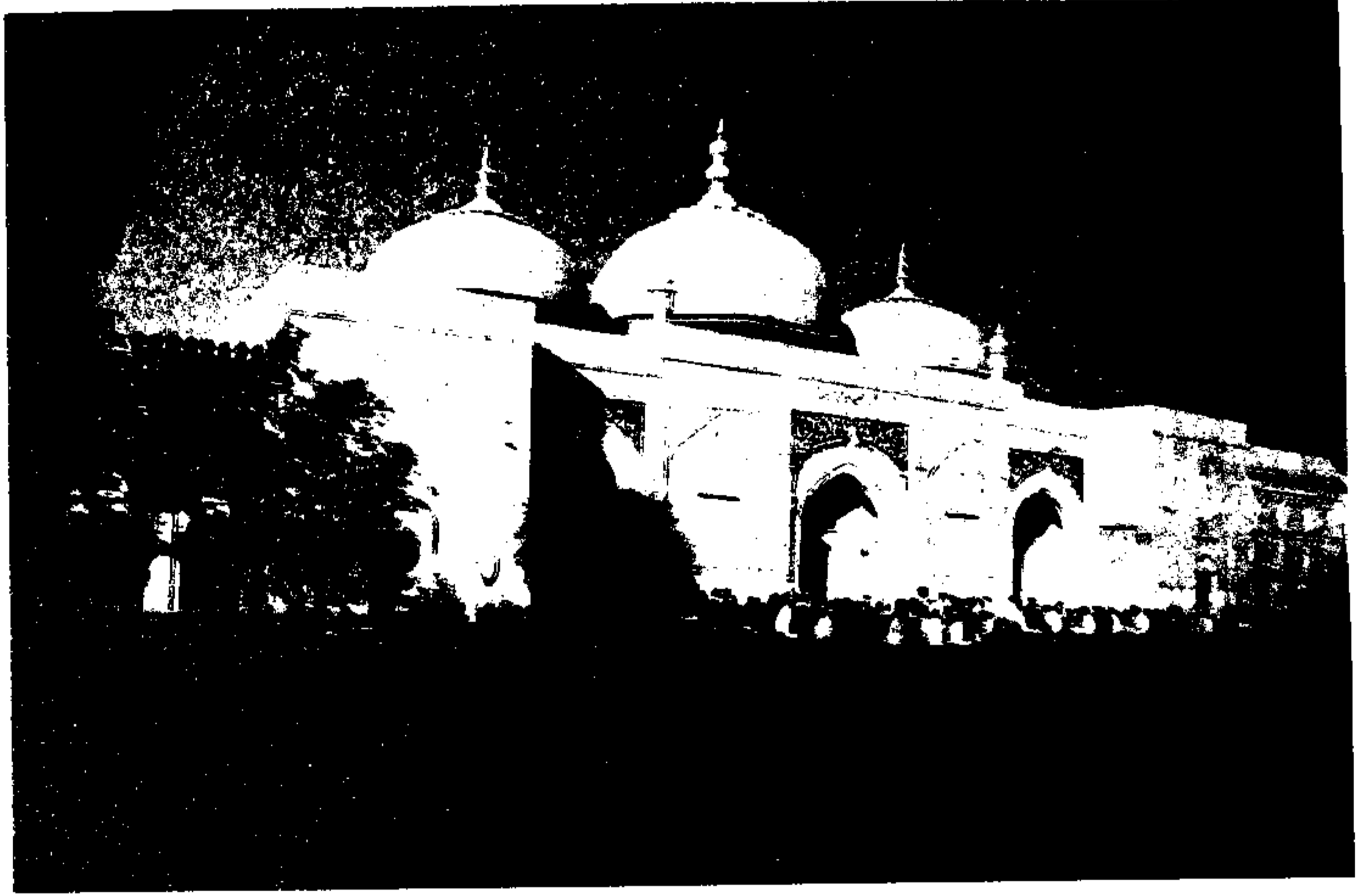
ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی

لاہور

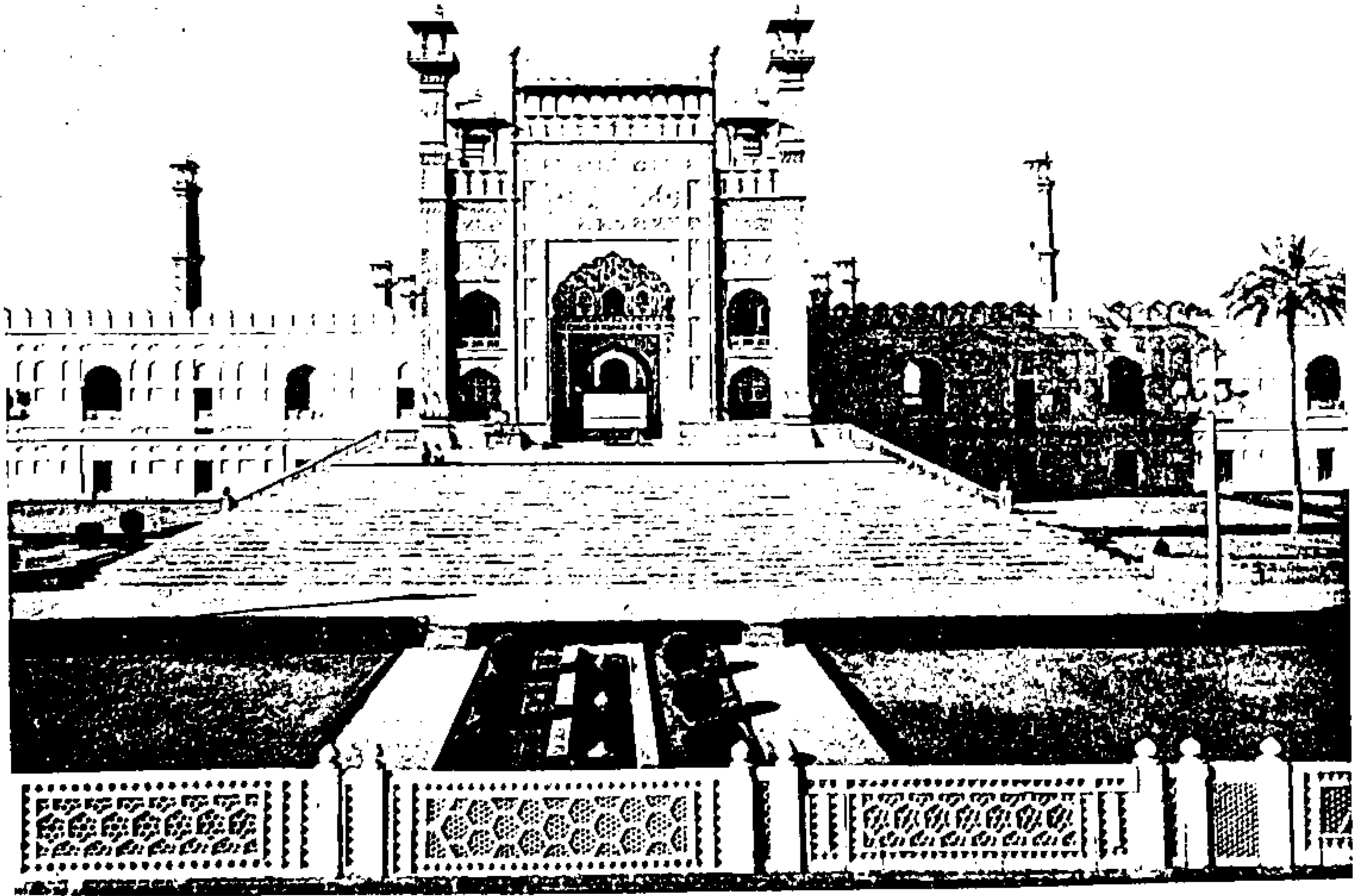
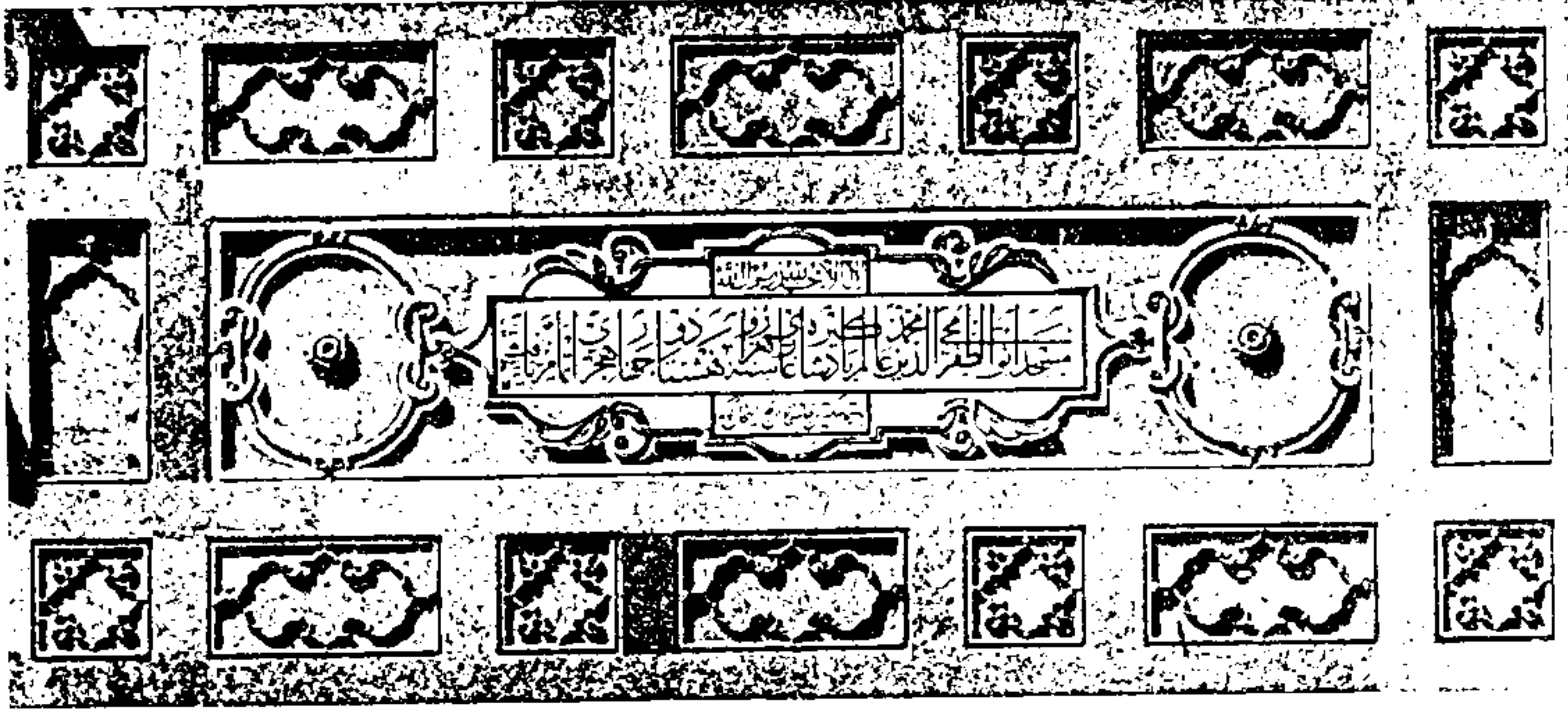
7 ذیقعد 1424ھ

کیم جنوری 2004ء

تصویر جامع مسجد بھیرہ



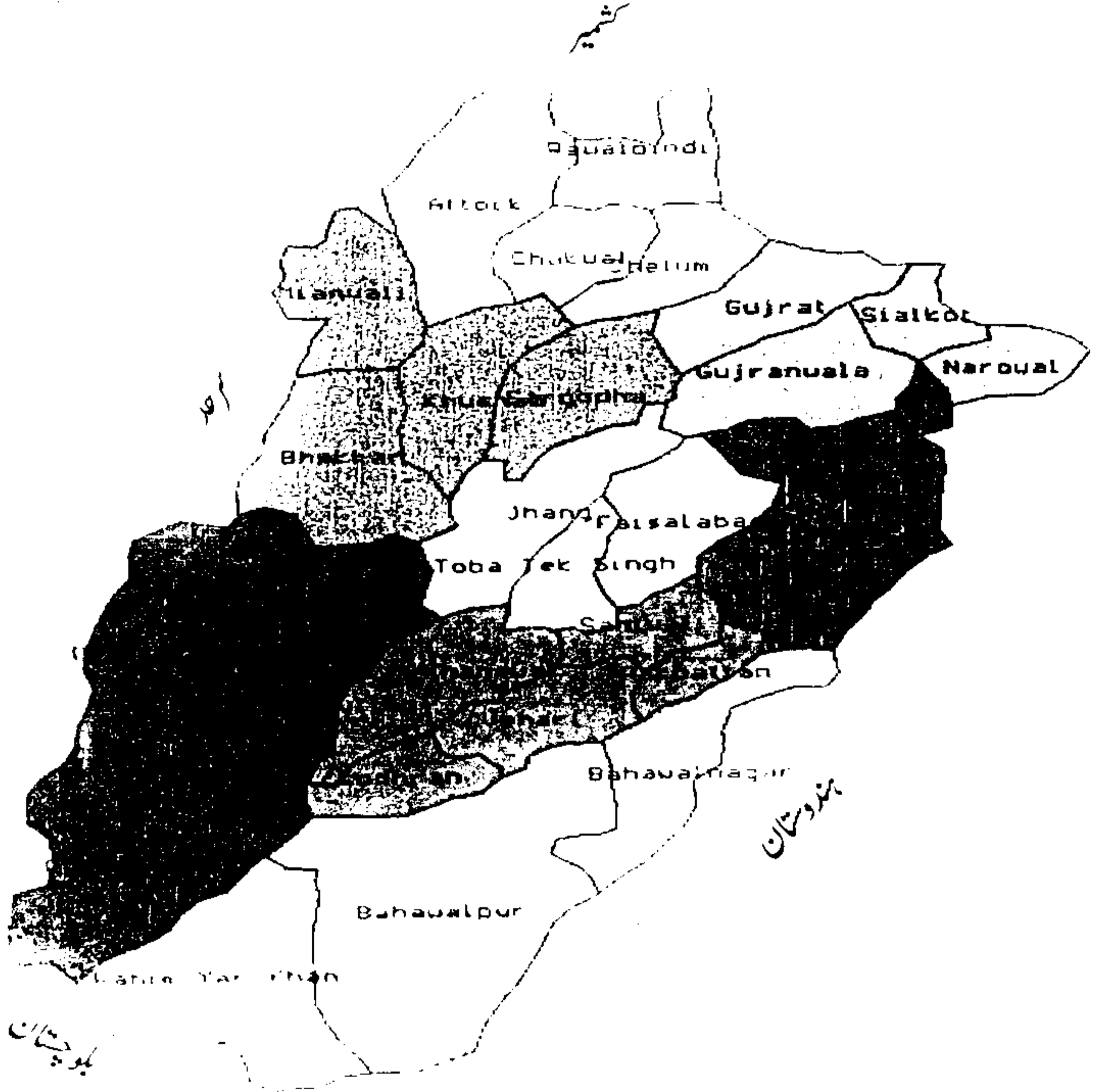
تصویر بادشاہی مسجد لاہور



۳۔ کتبہ :- فدائی خان کو کہ کے زیر اہتمام بادشاہ عالمگیر کی مسجد ۱۰۸۲ھ میں تعمیر ہوئی

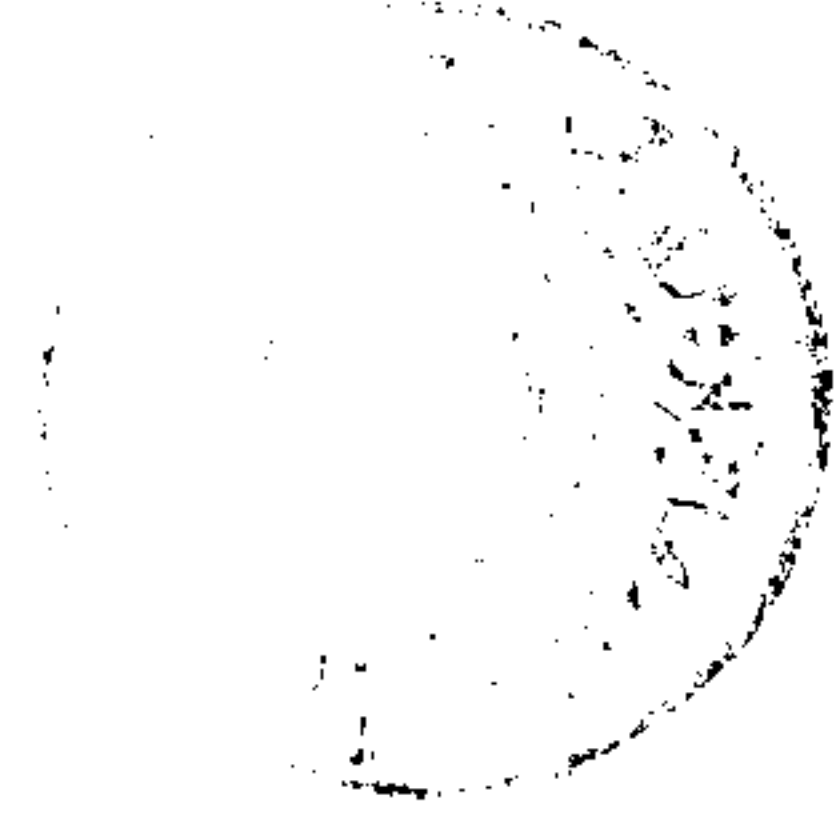
۴۔ مسجد کا صدر دروازہ

نقشہ صوبہ پنجاب
تقسیم اضلاع اور محل وقوع بھیرہ و بگہ شریف



برصغیر پر حملہ آوروں کا راستہ

-- بھیرہ --



نوال المنجد فی الادب والعلوم - مجلہ العالم شرق والغرب (فرونیان تو تل) ص: 367 - مطبوعہ 1956ء، بیروت لبنان

بھیرہ

بھیرہ برصغیر پاک و ہند کی ایک قدیم بستی ہے جس کی ابتدائی تاریخ ماضی کے گم گشتہ اوراق کی طرح، اب ناپید ہے۔ چند قدیم سفر ناموں کے علاوہ مسلمانوں کی آمد کے بعد اکثر تذکروں اور سیاحت ناموں میں شہر کا ذکر ملتا ہے مگر ان میں زیادہ تر حملہ آور جرنیلوں اور ان کے لشکریوں کے یہاں سے گزرنے، عارضی پڑاؤ ڈالنے، دریا عبور کرنے یا خراج وصول کرنے کے واقعات مذکور ہیں۔ شہر کی علمی، تہذیبی اور ثقافتی قدر و منزلت اور اہم آثار و اشخاص کے بارے میں یہ صفحات خاموش ہیں۔

وجہ تسمیہ:

بھیرہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو اصل میں ”بھے“ اور ”ہرا“ دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ بھے کا مطلب ہے ڈر، خوف، اندیشہ۔ ہرا کے معنی ہیں پاک، آزاد، نیارا۔ گویا بھیرہ سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں انسان ہر قسم کے خوف اور ڈر سے محفوظ و مامون رہتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس نام کی وجہ شہر کی مقامیت ہو جو ایک طرف دریائے جہلم کی وجہ سے مشرقی حملہ آوروں سے بچا ہوا تھا اور دوسری طرف پہاڑ اور دامن کو ہسار اس کے لیے حصار کا کام دے رہے تھے۔

General Alexander (مطبوعہ 1871ء) کے مصنف Ancient Geography of India Cunningham لکھتے ہیں:

”دریا، پہاڑ اور جنگل سے گھرا ہوا یہ شہر پرانے زمانے میں دشمنوں کے حملوں سے محفوظ سمجھا جاتا تھا اس لیے بھیرہ کو امن اور پناہ کی بنا پر ”دارالامن“ قرار دیا گیا۔ مگر یہ نام رکھتے وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ آئندہ زمانے میں یہ شہر شمال مغرب سے آنے والے جنگ جوؤں کے بار بار حملوں کا نشانہ بن جائے گا۔ بھیرہ کا قدیم شہر، موجودہ شہر کے بالمقابل، دریائے جہلم کے دائیں کنارے آباد تھا جس کے آثار کھنڈرات اور ٹیلوں کی شکل میں موجود ہیں“۔ (ص: 154-55)

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بھیرہ نام کی بستیاں، پاکستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔ اسی طرح میانی اور بگہ کے نام سے کئی آبادیاں سننے میں آتی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بھیرہ اور دوسرے نام مطلب یا مفہوم کے اعتبار سے اپنے اندر خیر اور خوبی کا کوئی پہلو رکھتے ہیں۔

تاریخ کا سفر:

بھیرہ کی تاریخ کا سفر جو منازل طے کرتا ہے، ان میں قبل مسیح کے زمانے کا سکندر اعظم کا پڑاؤ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ 326 قبل مسیح میں سکندر جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس وقت سندھ اور جہلم کے درمیانی علاقے پر سوفیٹس یا سوفانیٹس (Sophytes) قوم کی حکومت تھی۔ قدیم بھیرہ اس کا دار الحکومت تھا۔

(امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا۔ ص: 77)

اطاعت قبول کرنے کی بنا پر بھیرہ یونانی افواج کی دست برد سے محفوظ رہا۔ بھیرہ میں چند روزہ قیام کے بعد سکندر نے اپنی افواج کے ساتھ مونگ کے مقام پر دریائے جہلم عبور کیا اور راجہ پورس کو شکست دی۔ گیتا خاندان کے عظیم فرما نروا، چندر گپت ثانی (375 تا 413ء) کے عہد میں چینی سیاح فاہیان (405-411ء) بدھ مذہب کے مقدس نوشتوں کی تلاش میں ہندوستان آیا۔ اپنے سفر نامہ میں فاہیان نے قدیم بھیرہ کا مختصر ذکر کیا ہے۔ اسی دوران ایک اور چینی سیاح ہیون سانگ وسطی ایشیا کے راستے ہندوستان میں وارد ہوا اور کئی سال یہاں مقیم رہا۔ وہ لکھتا ہے:

”دوران سیاحت میں نے بھیرہ کی عظیم اور قدیم بستی دیکھی جو علوم و فنون کا مرکز ہے۔ اس پر سنگالہ نامی راجہ حکومت کرتا ہے۔“ (بحوالہ تاریخ بھیرہ)

ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کے مشہور حملوں میں سے کئی حملے قدیم بھیرہ کے راستے سے ہوئے ہیں۔

البیرونی، ایک نامور ریاضی دان، ماہر فلکیات، جغرافیہ دان، کیمیادان، کئی فنون کا ماہر ہونے کے علاوہ ممتاز سیاح اور مورخ بھی تھا۔ وہ سلطان کا مصاحب خاص تھا۔ اس کے ساتھ البیرونی بھیرہ میں آیا اور علماء کے ساتھ تبادلہ خیالات بھی کیا۔ ایک روایت کے مطابق زمین کی پیمائش کا سلسلہ بھی اس نے بھیرہ شہر سے شروع کیا تھا۔

(بحوالہ تاریخ بھیرہ۔ ص: 129)

بھیرہ قدیم دور سے سرسبز اور خوشحال رہا ہے۔ یہ بستی علم و فضل اور صنعت و حرفت کا مرکز تھی۔ اس تجارتی

مرکز کا برصغیر کے اطراف و اکناف کے ساتھ رابطہ تھا۔ دریا کے راستے بھی تجارت اور نمک کی ترسیل ہوتی تھی۔

شمال مغرب اور وسطی ایشیا سے مغل جنگ جو اور مہم باز بار بار ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ان حملوں

کا بڑا مقصد لوٹ مار نظر آتا ہے۔ مغلوں کے یہ حملے اکثر و بیشتر قدیم بھیرہ کے راستے ہی سے وارد ہوئے ہیں۔

عربی کی قدیم اور مستند لغات المنجد مطبوعہ بیروت میں بھیرہ کے حوالے سے ایک نقشہ دیا گیا ہے جس میں ہندوستان پر

مغلوں اور دوسرے حملہ آوروں کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ اس نقشے کے مطابق بھیرہ کو بہرا کے تحت ایک نمایاں راستہ

بتایا گیا ہے۔

محمد تغلق کے زمانہ میں تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ 1398ء میں وہ بھیرہ کے قریب پہنچا۔ بھیرہ والوں نے کسی مقابلے کے بغیر اطاعت قبول کر لی اور خراج دینا قبول کر لیا۔ بعد ازاں جب بابر برصغیر پر حملہ آور ہوا تو اس وقت علی خان بھیرہ اور اس کے نواح پر قابض تھا۔ تخت دہلی کے بادشاہ سکندر لودھی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

1519ء میں، ظہیر الدین بابر بھیرہ وارد ہوا۔ اہل بھیرہ کے اظہار اطاعت پر، بابر نے بھیرہ کو اپنا علاقہ قرار دیا اور یقین دلایا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ بھیرہ میں اپنے دو ہفتہ قیام کا ذکر بابر نے اپنی توڑک بابر میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ قدیم بھیرہ کے قریبی مقام اور کلر کبار کو اس نے اس بچہ کشمیر است قرار دیا ہے۔

پرانہ بھیرہ:

جنرل الیگزینڈر نے ”ہندوستان کا قدیم جغرافیہ“ (ص 155-159) اور ”آرکیالوجیکل سروے رپورٹ“

جلد 14 (ص: 35-40) میں بھیرہ کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مطابق:

”پرانہ شہر دریا کے بائیں کنارے پر واقع تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بابر جب ہندوستان میں اپنے عزائم کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھیرہ، خوشاب وغیرہ جیسی ریاستوں کی بات کرتا ہے اور ہندوستان میں اپنی ریاست کی سرحدیں بھیرہ سے بہار تک قرار دیتا ہے (توڑک بابر میں ص 255-310) بھیرہ کی سرحدوں (اور خوشحالی) کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنی حفاظت کے لیے اس شہر نے دو لاکھ روپوں کا ٹاوان ادا کیا جب بابر کا لشکر 1519ء میں یہاں حملہ آور ہوا تھا۔ روایات کے مطابق اس کے جانے کے بعد قریبی پہاڑیوں کے قبائل نے شہر کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ تباہ شدہ شہر کے آثار جو بنا تھو ٹکڑے بنائے ہیں۔ کنگھم ان آثار کو سونیٹس نامی حکمرانوں کا صدر مقام قرار دیتا ہے جو سکندر اعظم کے ہم عصر تھے۔“

نیا بھیرہ:

پنجاب گزیٹیئر مرتبہ جیمز لسن ڈیٹی کمشنر شاہ پور (مطبوعہ 1897)، بھیرہ کی تعمیر نو کے بارے میں رقمطراز ہے:

”1540ء میں شیر شاہ سوری کے عہد میں نیا بھیرہ تعمیر ہوا تھا۔ یہاں پیر کا یا ناتھ کا ڈیرہ تھا جس کے معتقد تھویر کے وقت بھی مزار کے گرد رہائش پذیر تھے۔ لگتا ہے جیسے نئے مقام نے جلد ہی پہلے جیسی اہمیت اور مرکزیت حاصل کر لی۔ آئین اکبری میں بیان کردہ صوبہ لاہور کے ضمن میں بھیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔ یہاں سے 5 لاکھ روپوں کے محاصل ہوتے تھے کیونکہ یہ علاقے کا تجارتی مرکز بھی تھا۔ بھیرہ اکبری کی مملکت میں ان چند

شہروں میں شامل تھا جہاں سرکاری سکے ڈھالے جاتے تھے۔ (1757ء میں احمد شاہ ابدالی کے جرنیل) نور الدین کی لوٹ مار اور تباہی کے بعد، سکھ دور میں بھنگی مسل کے سرداروں نے اپنے حصہ کے طور پر بھیرہ کو دوبارہ آباد کیا۔

جیمز ولسن مزید لکھتا ہے:

”بھیرہ کی شکل و صورت، انگریزی راج میں بہت بہتر ہوئی ہے۔“ (ص: 233-234)

محل وقوع:

موجودہ شہر شمالی عرض بلد 32 درجہ 22 دقیقہ اور مشرقی طول بلد 72 درجہ 57 دقیقہ پر، دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ (پنجاب گزیٹیئر 1897-233 ص) یہ ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلووال کا حصہ اور ایشمالی سب ڈویژن ہے۔ دریا کی دائیں جانب ضلع جہلم اور ضلع خوشاب ہیں۔ بھیرہ ضلع سرگودھا کے انتہائی شمال میں بھلووال سے 24 کلومیٹر اور سرگودھا سے 56 کلومیٹر اس کی شمالی سرحد پر آباد ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 235 میٹر ہے۔ بھیرہ سڑک کے ذریعے بھلووال سرگودھا، جھادریاں شاہ پور، میانی ملک وال اور پھلوان گجرات سے منسلک ہے۔ ریل کا رابطہ ملک وال جنٹلشن کے ذریعے سرگودھا، خوشاب، لالہ موسیٰ سے ہے۔ موٹروے بن جانے کے بعد اس شہر کی پہچان بڑھ گئی اور یہاں پہنچنا مزید آسان ہو گیا ہے۔ لاہور۔ اسلام آباد موٹروے پر بھیرہ انٹر چینج اس قومی شاہراہ کے درمیان میں آتا ہے۔ انٹر چینج سے نکلتے ہی بھیرہ شروع ہو جاتا ہے جہاں علی پور کی مضافاتی بستی واقع ہے۔

آثار:

اتنی شاندار تاریخ کے باوجود بھیرہ میں قدیم آثار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پرانی مساجد میں چار ایسی ہیں جنہیں تاریخی مساجد کہا جاسکتا ہے لیکن ان کی تاریخی تفصیل اور شواہد ناپید ہیں۔

- 1- جامع مسجد بھیرہ
 - 2- مسجد محلہ حفظانہ بھیرہ
 - 3- مسجد قاضیاں والی بھیرہ
 - 4- مسجد محلہ شیخانوالہ بھیرہ
- جامع مسجد بھیرہ کے بارے میں جیمز ولسن پنجاب گزیٹیئر کے صفحہ 85 پر لکھتا ہے:

"THE MOST IMPOSING MOSQUE IN THE DISTRICT IS THAT AT BHERA, SAID TO HAVE BEEN BUILT BY SHER SHAH, KING OF DELHI IN 947 A.H."

(ضلع بھر میں سب سے شاندار مسجد بھیرہ میں ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے 947ھ میں دہلی کے سلطان شیر شاہ سوری نے تعمیر کیا تھا۔) محلہ حفظانہ کی مسجد کے بارے میں معروف محقق اسلامی تعمیرات ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کا خیال تھا کہ اس کا تعلق اولین اسلامی سلاطین کے عہد سے ہے۔ لیکن اگر جدید بھیرہ کی تعمیر شیر شاہی عہد میں ہوئی ہے تو پھر تاریخ بھیرہ کی روایت درست لگتی ہے کہ مسجد حفظانہ کا تعلق اورنگ زیب عالمگیر کے دور سے ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ اور مقامی بلدیہ کی بے توجہی اور لاپرواہی کے سبب، اب بھیرہ میں کوئی پرانے آثار یا عمارات باقی نہیں ہیں۔ کوئی اینٹ یا تختہ اگر کہیں بچ گیا ہے تو جہالت اور بے خبری کے باعث مقامی دستکاروں اور ہنرمندوں نے اس کی صورت شکل ہی بگاڑ دی ہے۔

کھا خانقاہ حضرت میراں سید محمدیؒ، محلہ پراچگان میں واقع ہے۔ جہاں ہر سال چیت میں میلہ اور عرس منعقد ہوتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد بعض تعلیمی اور مذہبی عمارات کے اضافے قابل ذکر ہیں۔

شہر:

بھیرہ شہر بیضوی شکل میں ہے۔ شہر کی حفاظت کے لیے ایک فصیل تھی جو اب ناپید ہے۔ شہر میں داخل

ہونے کے لیے مختلف سمتوں میں آٹھ بلند و بالا دروازے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

- 1- چنیوٹی دروازہ بجانب جنوب (1865ء)۔ آج کل دروازہ چک والا کہلاتا ہے۔
- 2- پیرانوالہ دروازہ بجانب جنوب۔ آثار ختم ہونے کے قریب ہیں۔
- 3- ملتان دروازہ بجانب جنوب (1865ء)۔ اب لالوالہ دروازہ کہلاتا ہے۔
- 4- حاجی گلاب والادروازہ بجانب جنوب مغرب۔ آثار ناپید ہیں۔
- 5- لوہارنوالہ دروازہ۔ بجانب مغرب۔ عرف عام میں لوہاراں موری کہتے ہیں۔
- 6- کابلی دروازہ بجانب شمال۔ آج کل یہ چینی پٹی دروازہ کہلاتا ہے۔
- 7- کشمیری دروازہ بجانب شمال (1865ء)۔ اب یہ دروازہ چڑی چوگ کے نام سے مشہور ہے۔
- 8- لاہوری دروازہ بجانب مشرق (1869ء)۔ یہ دروازہ گنج منڈی کہلاتا ہے۔

ان دروازوں کی تعمیر نذول شاہ پور کے ڈپٹی کمشنر Capt. W.G.Davies نے کی جو 1874ء میں مکمل ہوئی۔ شہر کی آبادی مختلف محلوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اکثر محلوں کے نام مختلف پیشوں اور ہنرمندوں کے ساتھ

منسوب ہیں۔ اندرون شہر کے مکانات کئی منزلہ ہیں جو پرانی اور پکی چھوٹی اینٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ گلیاں چھوٹی اور بعض بہت تنگ ہیں۔ قدیم مکانات میں روشنی اور ہوا کے لیے مگھر رکھے جاتے تھے جو چھت کے درمیان جگہ ہوتی تھی اور مضبوط سلاخوں سے ڈھکی جاتی تھی۔ مین چوبی دروازوں پر خوبصورت اور بھاری منقش کام کیا جاتا تھا۔ ہر محلے کی الگ مسجد ہے جہاں محلے کے بچے قرآن حفظ یا ناظرہ پڑھتے ہیں۔

دستکاری کے کام اب نہیں ہوتے۔ پہلے لکڑی اور برتنوں پر نقش کاری، کٹلری، تلواریں، خنجر، چھریاں اور کنکھیاں بنتی تھیں۔ کھیس اور لنگیاں اب بھی دستیاب ہیں۔ مہندی اور میتھی بدستور دساور کو جاتی ہیں۔

1866-1886ء میں بھیرہ کا منظر:

عظیم مغل سلطنت کی بربادی اور خاتمے سے جس سکھا شاہی نے جنم لیا تھا وہ 1849ء میں دم توڑ چکی تھی۔ اب پنجاب پر یورپ کے اس سفید فام ٹولے کا قبضہ تھا جو پچھلے ایک سو سال سے مسلسل جوڑ توڑ کی سازشوں، سیم و زر کے ایجن اور تلوار و تانگ کے زور پر برصغیر پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے جتن کر رہا تھا۔ اس عظیم تبدیلی کے زمانہ میں خاندان بگویہ لاہور، بگہ اور بھیرہ میں علمی، دینی اور روحانی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ اس کے قائم کردہ اداروں سے فارغ التحصیل علماء، اعلیٰ قدروں کے حامل، قرآنی علوم کے فاضل اور علم حدیث اور اسلامی فنون کے ماہر۔ پنجاب اور اس کے نواح میں اشاعت دین میں مصروف تھے۔ انگریز ڈپٹی کمشنر اور محصل آباد کاریات جے ولسن، گزٹیئر شاہ پور ضلع (مطبوعہ 1897ء) میں بھیرہ شہر کے احوال یوں پیش کرتا ہے:

”بھیرہ مالی سب ڈویژن کا صدر مقام ہے۔ یہ ضلع کا سب سے بڑا، شاندار اور تجارتی طور پر سب سے زیادہ متحرک مرکز ہے۔ شہر کے چاروں طرف دیوار ہے۔ کچھ کچی اور کچھ پکی، آٹھ دروازوں کے ساتھ، لاہوری گیٹ اور تھان والہ گیٹ (موجودہ چک والا دروازہ) زیادہ نمایاں ہیں۔ پورے ضلع میں یہ خوبصورت ترین قصبہ ہے جو پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ یہاں چند پرانی عمارت بھی ہیں جن پر عمدہ چتر کاری اور لکڑی کا کام ہے۔ شہر سے باہر چند باغات بھی ہیں۔ ایک تھان والہ باغ اور دوسرا باغ جس میں (حضرت) میاں سید محمدی (میراں صاحب) کا مزار واقع ہے، دونوں دیکھنے کے لائق ہیں۔ شہر میں ایک سرائے، تحصیل، تھانہ، ڈپنٹری، ٹاؤن ہال اور ایک ہائی سکول (آغاز 1863ء) موجود ہے۔

بھیرہ میں بڑی معقول اور روز افزوں تجارت ہے۔ آخری ریلوے اسٹیشن ہونے کے سبب جنوب میں تجارت کا مرکز، شہر کے خواجگان اور پراچگان، جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں، کابل اور اس سے بھی آگے تجارت کرتے ہیں۔ یہاں سے گھی راولپنڈی اور امرتسر کو جاتا ہے۔ کپڑا، کابل، ملتان، ڈیرہ

جات اور سکھر کو جاتا ہے۔ یورپی کپڑا امرتسر اور کراچی سے، چاول، گڑ اور چینی جالندھر دو آب سے آتے ہیں۔ دستی سنبھے مختلف جگہوں پر جاتے ہیں۔ شہر لکڑی، لوہے اور پتھر کی مصنوعات کے لیے مشہور ہے۔ (1891ء کی مردم شماری کے مطابق) شہر کی آبادی 17429 ہے۔ جس میں 11035 مسلمان، 6113 ہندو، 261 سکھ شامل ہیں۔ آبادی میں مرد 8980 اور عورتیں 8449 ہیں۔ بھیرہ کوئی صحت مند شہر نہیں ہے۔ دریا کے کنارے ہونے کے باعث ہر سال سیلابوں سے بخار و بانی شکل میں آتا ہے۔ نکاسی آب کا کوئی اچھا انتظام نہیں ہے۔

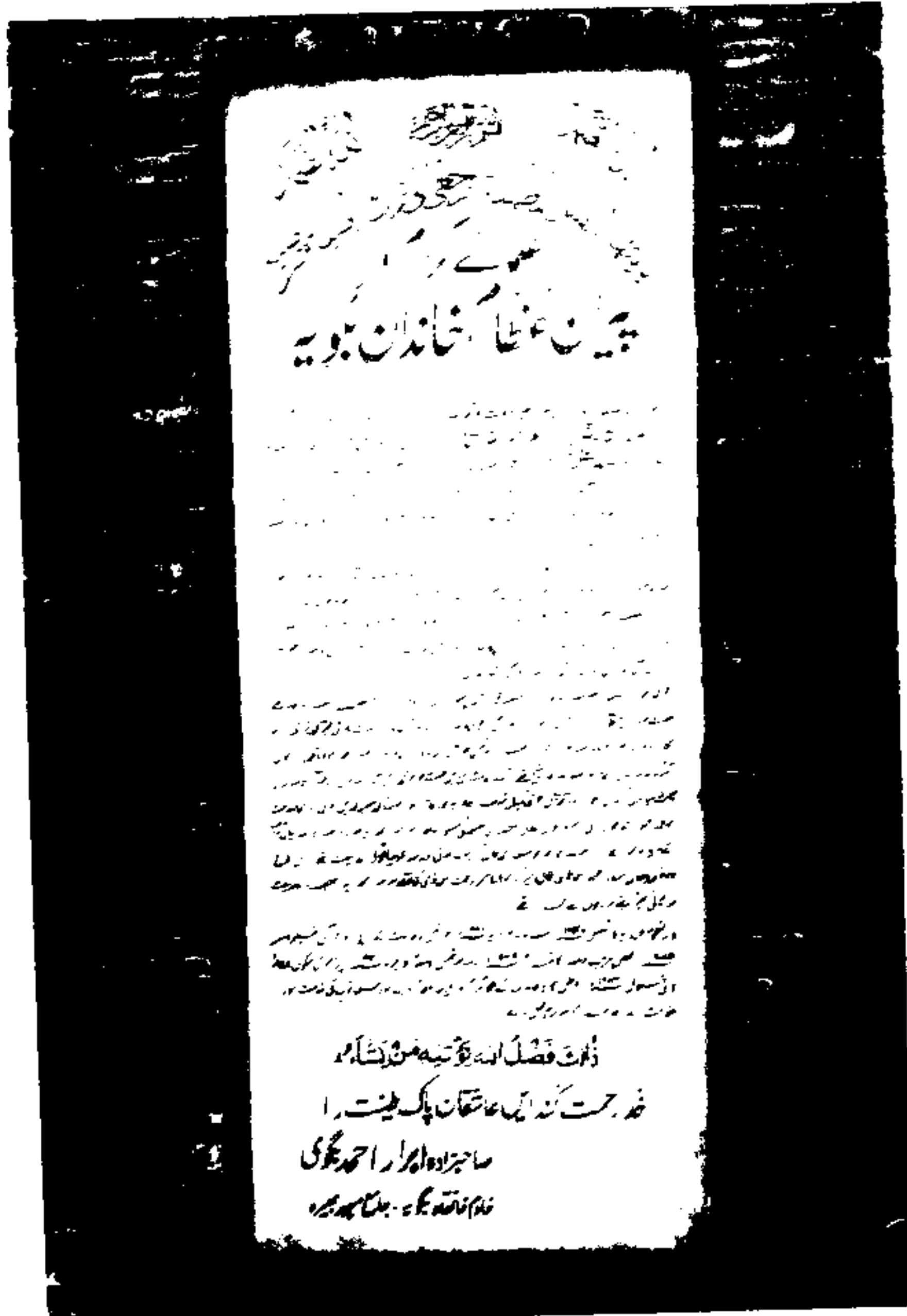
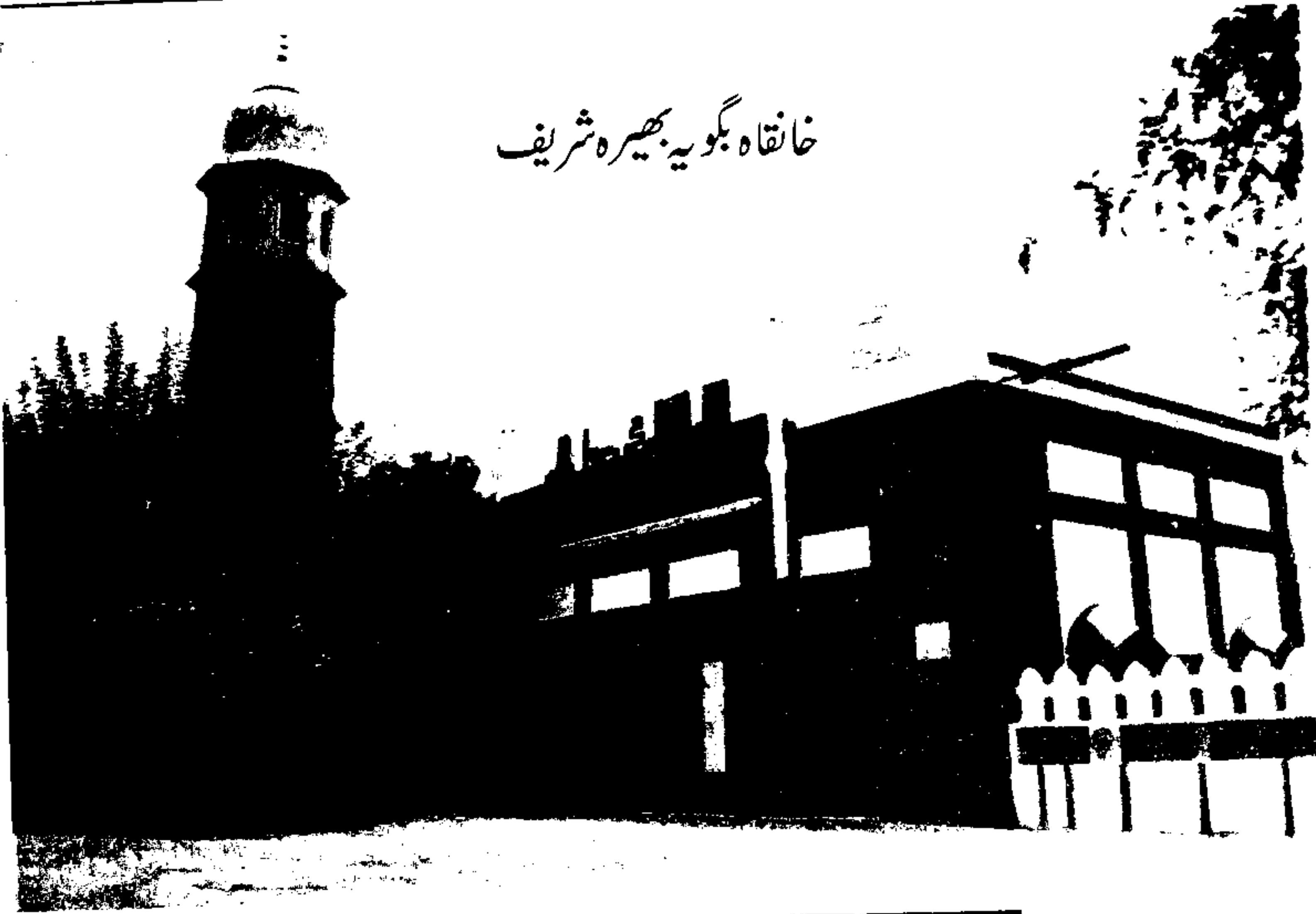
میونسپل کمیٹی بھیرہ 1867ء میں تشکیل دی گئی تھی جو درجے میں دوم، 5 نامزد اور 10 منتخب ممبران کے ساتھ، تحصیل دار بطور منتخب صدر۔ دو ہندو اور ایک مسلمان اعزازی مجسٹریٹ ہیں۔ شیخ فضل الہی، دیوان گپت رائے، ملک دیوی داس۔ 36 نفری میونسپل پولیس۔ بھیرہ کے کئی لوگ گورنمنٹ کی سول سروس میں ملازم ہیں جن میں سے بعض اعلیٰ مناصب تک پہنچے ہیں۔ (خواندگی کا یہ حال ہے کہ) ضلع کے 183 پنواریوں میں سے 43 بھیرہ کے رہنے والے ہیں۔ شہر میں ایک پرنٹنگ پریس ہے جہاں ایک اردو ہفت روزہ ”دوست ہند“ شائع ہوتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے نزدیک ایک سرائے میں ملک دیوی داس نے سٹیم انجن کے ساتھ کاشن کارڈنگ فیکٹری لگائی ہے۔ (ص: 233-235)

ضلع کی آبادی میں 85 فیصد مسلمان ہیں ان میں 97 فیصد سنی ہیں۔ لیکن زیادہ تر لوگ سنی اور شیعہ کا فرق نہیں سمجھتے۔ اکثر اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ نماز ادا نہیں کرتے بلکہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے اصولوں سے بے خبر ہیں۔ شیعہ آبادی 2 فیصد ہے۔

مسلمان دہقان مذہب کے بارے میں خاصہ ڈھیلا ڈھالا ہے۔ جب ہیضہ کی وبا پھیلی تو مسلمان کئی تعداد میں مسجدوں کا رخ کرنے لگے اگرچہ بعض کو صحیح ادائیگی بھی نہ آتی تھی۔ ہر مسجد میں امام یا عام ہوتا ہے جو اس کا انتظام کرتا، گاؤں کے بچوں کو قرآن پڑھاتا اور موت بیاہ میں خدمات سرانجام دیتا ہے۔ مگر چند ہی ائمہ مساجد زیادہ پڑھے ہوتے ہیں۔ ان کا عوام پر چنداں اثر نہیں ہے۔ اس کے برعکس پیر فقیر اور ان کے مزارات کو زیادہ تقدس حاصل ہے۔ (ص: 84-86)

اس کے ساتھ بے وسن نے مسلمانوں کے توہمات اور مزعومات، مذہبی اجتماعات اور متعلقہ مصروفیات کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکھا شاہی نے مسلمانوں کے عقائد، معاملات اور اعمال پر اس قدر مہلک اثرات چھوڑے تھے کہ یہاں زیادہ تر نام کے مسلمان تھے ورنہ ان کے ایمان، رہن سہن اور تہذیب و تمدن پر دوسروں کے گہرے سائے پڑ چکے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے رشد و ہدایت، اصلاح و فلاح اور تزکیہ نفس کے لیے بڑی زبردست اور مسلسل کوششوں کی ضرورت تھی۔

خانقاہ بگویہ بھیرہ شریف



بگہ شریف

بگہ، بُوگا یا بنگا شریف ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کا ایک موضع ہے۔ جو دریائے جہلم کے بائیں کنارے کوہستان نمک کے دامن کی جانب یونین کونسل کنوال میں واقع ہے۔ تحصیل پنڈ دادنخان میں جہلم کے دائیں کنارے احمد آباد سے موضع سیال تک کی آبادی کے گاؤں مجموعی طور پر کدھی کہلاتے ہیں۔ چنانچہ بگہ اصل میں کدھی ہے اور ضلع جہلم کے اشمال کے مطابق اس کی آخری حد ہے جس کے آگے ضلع خوشاب شروع ہو جاتا ہے۔

محل وقوع:

بگہ شریف دریائے جہلم سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر آباد ہے۔ کٹاؤ کے باعث یہ فاصلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ مغرب کی جانب موضع سیال ہے اور مشرق کی طرف ملیار، منڈاہر اور احمد آباد کے گاؤں واقع ہیں اور پھر لاہور۔ اسلام آباد موٹروے گزرتی ہے۔

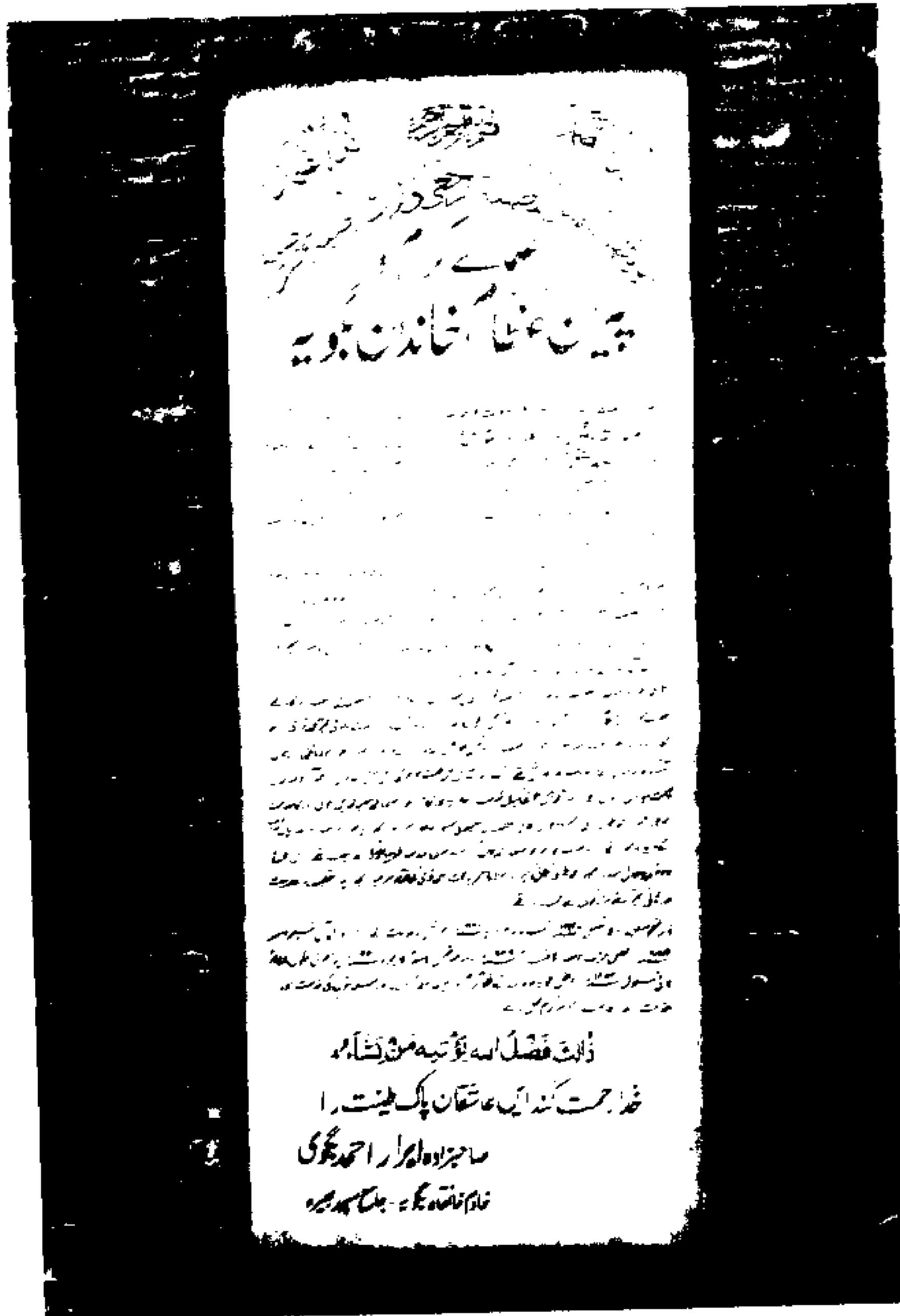
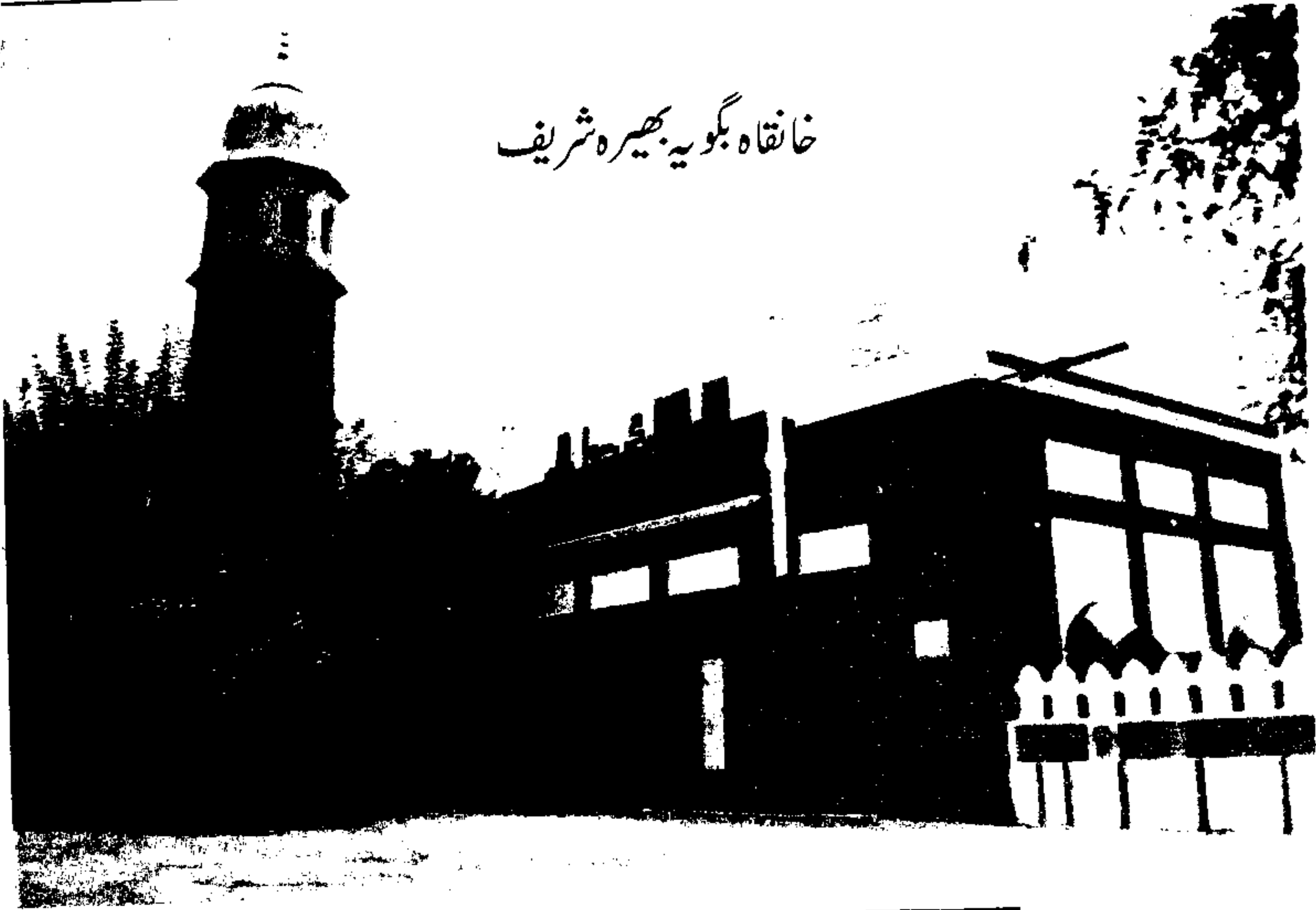
شمال کی جانب وسیع غیر آباد اور کلرز دہ رقبہ ہے۔ 8 کلومیٹر کے فاصلے پر موضع کہانہ، 11 کلومیٹر ڈھڈی تھل اور 12 کلومیٹر لہ ٹاؤن واقع ہے۔

جنوب کی طرف دریائے جہلم ہے۔ بگہ کے لیے ڈھڈی تھل کا پتن ہے۔ دریا کے پار بگہ کے سامنے موضع سد اکبوه تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا کا پتن ہے۔

آب و ہوا:

سردیوں میں موسم خشک اور سرد اور گرمیوں میں بوجہ کلر شدید گرم ہوتا ہے۔ بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ زیر زمین پانی دو سو فٹ کی گہرائی تک نمکین ہے۔ اس کے بعد سخت چٹانیں ہیں اس لیے مزید بوری نہیں ہو سکتا۔ درخت صرف جنگلی کیکر خود رو اگتے ہیں۔ اب کہیں کہیں سفیدے کے درخت نظر آتے ہیں۔ فصلوں میں گندم، باجرہ اور سرسوں کاشت کی جاتی ہے۔

خانقاہ بگویہ بھیرہ شریف



بگہ شریف

بگہ، بُوگا یا بگہ شریف ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کا ایک موضع ہے۔ جو دریائے جہلم کے بائیں کنارے کوہستان نمک کے دامن کی جانب یونین کونسل کنوال میں واقع ہے۔ تحصیل پنڈ دادنخان میں جہلم کے دائیں کنارے احمد آباد سے موضع سیال تک کی آبادی کے گاؤں مجموعی طور پر کدھی کہلاتے ہیں۔ چنانچہ بگہ اصل میں کدھی ہے اور ضلع جہلم کے اشتمال کے مطابق اس کی آخری حد ہے جس کے آگے ضلع خوشاب شروع ہو جاتا ہے۔

محل وقوع:

بگہ شریف دریائے جہلم سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر آباد ہے۔ کٹاؤ کے باعث یہ فاصلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ مغرب کی جانب موضع سیال ہے اور مشرق کی طرف ملیار، منڈاہر اور احمد آباد کے گاؤں واقع ہیں اور پھر لاہور۔ اسلام آباد موٹروے گزرتی ہے۔

شمال کی جانب وسیع غیر آباد اور کلرزده رقبہ ہے۔ 8 کلومیٹر کے فاصلے پر موضع کہانہ 11 کلومیٹر ڈھڈی تھل اور 12 کلومیٹر لہ ٹاؤن واقع ہے۔

جنوب کی طرف دریائے جہلم ہے۔ بگہ کے لیے ڈھڈی تھل کا پتن ہے۔ دریا کے پار بگہ کے سامنے موضع سداکبہ تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا کا پتن ہے۔

آب و ہوا:

سردیوں میں موسم خشک اور سرد اور گرمیوں میں بوجہ کلر شدید گرم ہوتا ہے۔ بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ زیر زمین پانی دو سو فٹ کی گہرائی تک نمکین ہے۔ اس کے بعد سخت چٹانیں ہیں اس لیے مزید بوری نہیں ہو سکتا۔ درخت صرف جنگلی کیکر خود رو اگتے ہیں۔ اب کہیں کہیں سفیدے کے درخت نظر آتے ہیں۔ فصلوں میں گندم، باجرہ اور سرسوں کاشت کی جاتی ہے۔

طریقہ آب پاشی:

بگہ شریف کی زمین قدرتی طور پر انتہائی زرخیز اور بار آور ہے مگر اس کام کے لیے سخت محنت اور وسائل کی ضرورت ہے۔ بارانی علاقے میں پانی کی فراہمی ہی سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ زمین کے ٹکڑوں کے کنارے تین تین فٹ اونچا کر دیے جاتے ہیں۔ برسات کے موسم میں بارش کا میٹھا پانی ان مصنوعی اور عارضی حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے اور آب پاشی کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ دوسری شکل میں پیٹر پمپوں کے ذریعے دریائی پانی نکالا اور جمع کیا جاتا ہے۔ بے آباد زمین میں پہلے جھاڑی دار جنگلی کیکرا لایا جاتا ہے۔ تین سال کے بعد زمین صاف کر کے کندم، باجرہ وغیرہ کاشت کرتے ہیں۔

ذریعہ معاش:

بگہ شریف، تھل کے دوسرے مواضع کی طرح کسی قسم کی دست کاری یا صنعت و حرفت سے محروم ہے۔ تعلیمی اداروں اور نقل و حمل کے فقدان کے باعث لوگ عام تعلیم اور ہنرمندی سے فیض یاب نہیں ہو سکے۔ لوگوں کا ذریعہ معاش فوج میں ملازمت ہے۔ کچھ لوگ گاؤں میں رہ کر کھیتی باڑی اور محنت مزدوری سے گزارہ کرتے ہیں۔

ذرائع آمد و رفت:

موجودہ سڑکوں کی تعمیر سے قبل، ذرائع آمد و رفت بہت محدود تھے۔ کسی شہر تک پہنچنے کے لیے دریا کے راستے جانا ہوتا تھا یا پیدل چل کر ڈھڈی تھل ریلوے اسٹیشن سے ٹرین ملتی تھی۔ اب بگہ شریف سے لہہ شریف تک نئی سڑک بن چکی ہے۔ بگہ سے خوشاب تک سفر کے لیے سڑک موجود ہے۔

آبادی:

بگہ شریف کی آبادی 1500 نفوس پر مشتمل ہے۔ رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد 600 ہے۔ بعض خاندانوں کے دریا کے کنارے ڈیرے ہیں اور لوگ گاؤں سے اپنے ڈیروں پر رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ جہلم کے بار بار کٹاؤ کے سبب آبادی آباؤ اجداد کے بستیوں اور رستے ڈیرے دریا برد ہو چکے ہیں۔

دریا کے کنارے **میانڑیاں دا ڈیرہ** ایک پرانا اور مشہور بسیرہ تھا جو اصل میں بگویہ خاندان کا کنواں تھا۔ بڑی مدت سے یہ ڈیرہ کٹاؤ کے باعث دریا کا حصہ بن چکا ہے۔ بگہ شریف میں دو خاندان بہت عرصے سے آباد چلے آ رہے ہیں۔ نمطاس اور گھگھ۔ اب بھی اکثریت ان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ 75 فیصد رہائشی مکانات

کچے ہیں۔ پورے گاؤں میں صرف ایک مکان دو منزلہ ہے۔

سہولیات:

یہ تاریخی بستی آج بھی شہری سہولتوں سے محروم ہے۔ چند سال پہلے دیہی واٹر سپلائی سکیم کے تحت پانی کا ایک پوائنٹ منظور ہوا تھا مگر وہ معاشرے کی معمول کی بد نظمی اور بد عنوانی کے سبب کٹ گیا۔ اب میٹھے پانی کے حصول کے لیے بڑا تردد کرنا پڑتا ہے۔

بگہ شریف، ٹیلی فون، بجلی، گیس، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، لڑکوں لڑکیوں کے لیے مڈل سکول، ڈسپنسری، مرکز زچہ بچہ، ڈاک خانہ وغیرہ جیسی بنیادی سہولیات سے کلی طور پر محروم ہے۔

مزار شاہ زندہ:

گاؤں میں تین قبرستان ہیں۔

بگہ شریف سے آدھ کلومیٹر دور جانب مغرب سیال روڈ پر حضرت شاہ زندہ کا مزار اور ملحقہ قبرستان موجود ہے۔ ساتھ نمکین پانی کا کنواں اور مسجد بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحب ایک مجذوب تھے جو حضرت مولانا حافظ محمد شفا بگوئی بن حضرت مولانا حافظ نور محمد بگوئی کے ہم عصر تھے۔ ان کے مزار پر عوام کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ کدھی کے گاؤں میں جب کبھی جانوروں میں ”منہ کھر“ کی وبا پھیلتی ہے تو لوگ اپنے جانور ساتھ لے کر مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ احاطے کے باہر زمین میں گاڑی ہوئی کھونٹیوں پر جانوروں کو باندھ دیتے ہیں اور حصول شفا کے لیے دست بدعا ہوتے ہیں۔ رحمت خداوندی سے سائلین مراد پاتے ہیں اور اگلی صبح اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

مساجد:

بگہ شریف میں دو مسجدیں ہیں۔ بگوئی خاندان کی تاریخی اور قدیمی مسجد، قاضیوں والی کہلاتی ہے۔ اس مسجد میں استاذ الکل حضرت مولانا غلام محی الدین بگوئی، استاذ العلماء علامہ مفتی احمد الدین بگوئی اور ان کے بزرگ اٹھارویں صدی سے درس و ارشاد کا فیضان دیتے آئے ہیں۔ اس مسجد میں کچھ پرانے آثار پائے جاتے ہیں۔ دوسری مسجد نئی ہے اور بعد میں بنی ہے۔

۱۰۱۱
39
۱۸۹
۱۶۳

برصغیر میں طوع و نہی اسلام

سندھ میں آمد:

مسلمان تاجر ایک عرصے سے جنوبی ایشیا کے ممالک کے ساتھ بحر ہند کے راستے سمندری تجارت کر رہے تھے۔ اس لیے برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی اولین آمد کسی کشور کشائی یا توسیع پسندی کا نتیجہ نہ تھی۔ مسلم مجاہدین کی پیغام اس وقت ہوئی جب سندھ کے بحری قزاقوں نے مسلمان تاجروں کے ایک لدے پھندے بیڑے کو لوٹ لیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو اپنا قیدی بنا لیا۔ معاملے کو سلجھانے کے لیے جب راجہ داہروالی سندھ کے نام درخواست نام ہو گئی تو عراق کے نامور گورنر حجاج بن یوسف نے دمشق کے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی اجازت سے ایک لشکر تیار کیا اور اس کی قیادت اپنے نو عمر داماد اور چچا زاد عماد الدین محمد بن قاسم کے سپرد کی۔ 711ء میں مسلمانوں کا لشکر دیبل میں فتح یاب ہوا۔ فاتحین کے اعلیٰ حسن انتظام اور بے مثال حسن اخلاق نے غیر مسلم مفتوحین کے دل جیت لیے۔ کامیاب دفاعی جنگوں کے بعد دو سال کی قلیل مدت میں مسلم ریاست کا دائرہ سندھ، منصورہ اور مٹان تک پھیل گیا۔ یہ تسلط سلطنت دہلی کے قیام تک قائم رہا۔

شمال سے آمد:

ہندوستان کے شمال مغرب اور وسط ایشیا میں آباد مسلم قبائل نہ صرف باہمی طور پر افتراق کا شکار تھے بلکہ عددی طور پر بھی بے اثر تھے۔ وہ ہندوستان کے حکمرانوں کے لیے چنداں خطرے کا باعث نہ تھے۔ 976ء میں امیر سبکتگین (م: 997ء) غزنی میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے علاقے کی شورشوں کو فرو کر کے باقاعدہ حکومت کا آغاز کیا۔ اس کے داخلی اقدامات سے پریشان ہو کر کابل، پشاور اور لاہور کے راجے پال نے 980ء میں امیر سبکتگین پر حملہ کر دیا اور شکست کے نتیجے میں جان بخشی اور صلح کا طلب گار ہوا۔ غزنوی دور میں ہندوستان کے منتشر اور منقسم ہندو راجے مہاراجے مسلسل بدعہدیوں، ریشہ دوانیوں اور لڑائیوں میں مصروف رہے۔ اور نتیجہً بار بار سلطان محمود غزنوی (م: 1030ء) کے کامیاب حملوں کا نشانہ بنتے رہے۔ لیکن مسلم مجاہدین کے تسلط اور تغلب کے باوجود ہندوستان ایک مرکزی قوت سے محروم رہا۔ البتہ شمالی اور مغربی ہندوستان کے یہی علاقے، قریباً ایک ہزار سال کے

بعد بالآخر 1947ء میں نئی مملکت کا حصہ بنے۔

اسی دور میں حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری اور علامہ ابوریحان البیرونی پنجاب میں جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔

سلطنت دہلی کا قیام:

شمال اور سندھ سے مسلمانوں کی آمد، جدید استعماری اصطلاح میں کسی نو عالمی منصوبے کا نتیجہ نہ تھا۔ کیونکہ مستقل بنیادوں پر ریاستی ادارے قائم ہوئے اور نہ کوئی سنٹرل اتھارٹی ہی منضبط ہو سکی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پائیدار حکومت کا اصل آغاز اس وقت ہوا جب 1193ء میں سلطان محمد معز الدین المعروف شہاب الدین غوری (م: 1206ء) نے ہندوستان کے ایک ممتاز حکمران پرتھوی راج کو شکست دی اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا اور شمال سے آنے والے حملہ آور یکے بعد دیگرے قابض خاندانوں کو کھلتے اور Replace کرتے رہے۔ ان میں غوری، غلاماں، خلجی، تغلق، سادات اور لودھی خاندان شامل ہیں۔ سلطنت دہلی کا آخری خاندان مغلیہ تھا جو 1526ء سے 1707ء/1857ء تک حکمران رہا۔

ان ادوار میں اسلام کی نشر و اشاعت دو جہات سے ہوئی:

- ا۔ فوجی مہمات نے مسلم لشکریوں اور ان کے ساتھ علماء کو ہندوستان میں دور دور تک پہنچایا۔ جہاں انہوں نے اسلامی علوم اور مسلم تہذیب کو پھیلایا۔
- ب۔ صوفیائے تصوف کے سلسلے منظم کیے اور جگہ جگہ دعوت و ارشاد کے حلقے اور خانقاہیں قائم کیں اور لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کیا۔

مملکت کے سلاطین اور امراء نے علماء اور صوفیاء کی کھلے دل کے ساتھ سرپرستی کی۔ سرکاری مہربانیوں اور نوازشوں نے اسلام کی ترویج و اشاعت کے کام کو آسان بنایا۔ علم و ادب کو تقویت ملی اور ہندوستان میں اسلامی فقہ، مذہبی علوم اور عام تعلیم کا بھرپور آغاز ہوا۔

سلطنت دہلی کے ممتاز مشاہیر میں سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ مختیار کانی، شیخ بابا فرید الدین گنج شکر، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین چشتی، قاضی شیخ حمید الدین ناگوری، سید نور الدین مبارک غزنوی، صدر الصدور قاضی منہاج الدین سراج جرجانی، مولانا برہان الدین خلجی، خواجہ ضیاء الدین سنائی، امیر خسرو، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، ضیاء الدین برنی، شیخ شرف الدین سہمی

منیری، شیخ علی مہانگی، اور دیگر صد ہا علماء، فضلاء اور صوفیاء شامل ہیں جنہوں نے جگہ جگہ دین کی شمع فروزاں کی۔ اسلام کی تبلیغ کی اور مسلمانوں کے اخلاق کو سنوارا۔ یہ سب لوگ مطلق صوفی نہ تھے بلکہ اصلاً دین کے عالم اور شریعت محمدی کے متبع تھے۔ سلوک اور معرفت انہوں نے بعد میں حاصل کیے تھے۔ ان کے مستند فرمودات اور ارشادات صوفیاء کے نزدیک، اخلاق محمدی اور اسلام کی تشریح و توضیح ہے۔

خاندان مغلیہ کا امتیاز:

ہندوستان میں مغل سلطنت وحدانیت، مرکزیت اور لاتعصیبت کے اعتبار سے برصغیر کی سب سے بڑی اور پہلی حکومت تھی۔ مغلوں نے تہذیب وثقافت، علم و ادب اور تعمیرات و ترقی کے لیے بڑے اہم اور دور رس اقدامات کیے۔ شاندار قلعے، عظیم الشان مساجد و مقابر اور عالی شان باغات اور محلات تعمیر ہوئے۔ علماء، شعراء، صوفیاء، اور مورخین کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اہل ہنر اور اہل فن قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ گو عام تعلیم ریاستی فرائض میں شامل نہ تھی لیکن سرکاری اوقاف، وظائف اور مراعات کے ذریعے تعلیمی اور علمی اداروں کی سرپرستی ہوئی۔ اساتذہ اور طلباء کو امداد ملی۔ مغل بادشاہوں اور ان کے عہد کے صوفیاء نے وسیع المشرقی اور بے تعصبی سے جہاں ایک طرف برصغیر کے تمام مذاہب کو ہندوستانی لڑی میں پرودیا۔ رواداری، بھائی چارے اور برداشت کو فروغ دیا وہاں مسلم تشخص اور شریعت کے خدو خال ماند پڑ گئے۔ عالمگیر کے دور میں البتہ غیر اسلامی رسوم و رواج کی حوصلہ شکنی کی گئی اور شعر و ادب، موسیقی و مصوری اور دیگر فنون لطیفہ سرکاری سرپرستی سے محروم ہوئے۔

مغل دور کے علماء اور صوفیاء میں خواجہ محمد باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا عبدالحق سیالکوٹی، ملا محمود جو پوری، شیخ سلیم چشتی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شامل ہیں۔

مغل سلطنت کا زوال:

1707ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے 1857ء میں بہادر شاہ ظفر کی جلا وطنی اور سقوطِ دہلی تک، مغل تاریخ مسلسل ناکامیوں، محرومیوں اور ٹوٹ پھوٹ کی داستان ہے۔ اس میں الم ناک پہلو مرکز گریز قوتوں کا طاقت پکڑنا، مرکزی قیادت میں سازشوں کے جال اور اس کا کمزور پڑنا، علاقائی اور مذہبی تعصبات کا بڑھنا، عام مسلمانوں کا مذہب سے دور ہونا اور غیر ملکی طاقتوں کا عروج پکڑنا ہے۔ ان طاقتوں میں راجپوت، مرہٹے، سکھ اور یورپی اقوام شامل ہیں۔ چنانچہ داخلی اور خارجی عوامل کے تحت، اورنگ زیب کی وفات کے پچاس

برس بعد ہی عظیم مغل سلطنت پاش پاش ہونے لگی۔ اس سانحہ عظیم کی وجوہات اور اثرات میں ایک مسلم شخص اور دوسرا مختلف مذاہب و فرق کی باہم رواداری کم ہونا ہے۔ پہلی کا آغاز اکبر اعظم سے ہوا اور سرکار دربار میں غیر مسلم اثر و نفوذ نقصان دہ ثابت ہوا۔ دوسرا، عہد عالمگیری میں انتہا کو پہنچا۔ نظام حکومت عام آدمی کی حالت بہتر بنانے، فروغ علم کرنے اور جدید علوم و فنون کو ڈھونڈھنے اور پھیلانے میں ناکام رہا۔

پنجاب سکھوں کے نرغے میں:

جب دہلی کی مرکزی قوت اور مغل قیادت کمزور پڑ گئی تو اٹھارویں صدی میں سکھ پنجاب میں ایک فوجی طاقت کی حیثیت سے ابھرے۔ میدان خالی پا کر سکھ جتھے گاہ بگاہ نکلتے اور وسیع مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیتے۔ اور جب ان کا مقابلہ کیا جاتا تو وہ بارہ بار کے جنگوں میں غائب ہو جاتے۔ ان کے دل جتھوں پر مشتمل تھے اور ہر جتھے میں بارہ مسلیم ہوتی تھیں۔ پنجاب کے مسلمانوں اور ان کے علمی و تہذیبی اثاثوں کے لیے سکھوں کی یورشیں شدید تباہی، اذیت اور ابتلا کا باعث تھیں۔ پورے صوبے میں بد نظمی، لاقانونیت اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ تاریخ لاہور میں کنہالال صاحب لاہور کے ”بارہواں صدمہ“ اور ”تیرہواں صدمہ“ (ص 30-36) کے تحت صرف شہر لاہور کی سکھوں کے ہاتھوں تباہی و بربادی کا جو حال بیان کرتے ہیں، اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسے بدترین حالات میں پنجاب کی مساجد اور اس کے مدارس و مقابر کی حالت زار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کتب خانے اور مکاتب جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ مسجدیں اصطلب کا کام دے رہی تھیں یا کھنڈروں کا ڈھیر تھیں۔ علماء، مدارس اور مساجد کے اوقاف کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ دینی تعلیم بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ اساتذہ کے مشاہرے اور طلباء علوم دینیہ کے وظائف کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ تاریخ لاہور کے مطابق سکھ عہد میں کوئی سرکاری مدرسہ، شہر لاہور میں جاری نہ تھا۔ صرف علماء لوگوں کے ذاتی درس، بعض مسجدوں میں جاری تھے۔ سکھ راج میں جب مسجدوں سے اذان کی آواز ہی منع تھی تو قال اللہ وقال الرسول کی صدا میں کہاں سے آتیں۔

طویل طوائف الملوکی اور شدید بد امنی میں، بھرپور مار دھاڑ کے بعد 1799ء میں رنجیت سنگھ نے لاہور فتح

کر لیا۔

پنجاب میں سکھ شاہی کا یہ دور 1849ء میں انگریزوں کے تسلط تک جاری رہا۔

نشاۃ ثانیہ

اٹھارویں صدی عیسوی میں برصغیر اور پنجاب کے حالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی، علمی، تعلیمی، معاشی اور معاشرتی حالت کیا تھی۔ ایک اندھیرا تھا کہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ایک تاریکی تھی کہ ہر شعبہ حیات کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت نے جن چند نفوس کو روشن قندیل بنایا، وہی برصغیر کے مسلمانوں کی علمی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاح و ترقی کے نقیب اور رہنما ثابت ہوئے۔ انہی روشنیوں کو بگویہ خاندان کے مورثین نے پہچانا اور ان کی جوت سے جوت جگائی۔ اٹھارویں صدی کے یہ بزرگ علم و فضل اور شریعت و طہارت میں یکتا تھے۔ یہی نفوس قدسیہ برصغیر میں اسلام کے علوم اور معرفت کی نشاۃ ثانیہ کے پیش رو ثابت ہوئے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

مغلوں کے زوال اور مسلمانوں کے عام انحطاط کے زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی (1703-1762ء) کا وجود دراصل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہے۔ شیخ محمد اکرام، شاہ صاحب کی خدمات کے حوالے سے **رود کوثر** میں لکھتے ہیں:-

”یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مرد گرامی حالات کی پورے طور پر اصلاح کر سکا اور جس سیلاب کو عالمگیر جیسا دور اندیش اور مستعد منتظم نہ روک سکا، اس کا فوری سدباب ایک مذہبی عالم سے کس طرح ہو سکتا تھا۔ لیکن اس بزرگ کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ جب اس سیلاب کے بند ٹوٹے تو جہاں مغلوں کا تخت و تاج اس سیلاب میں بہ گیا، وہاں تسبیح و سجادہ تو سلامت رہے اور سیاسی زوال کے ساتھ، قوم کا دینی انحطاط نہ شروع ہو گیا۔“

(ص 532-533)

شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے جلیل القدر خاندان نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں انہیں مختصر آیوں بیان کیا جاسکتا ہے:

- 1- رجوع الی القرآن کے لیے قرآن فہمی اور اس کے ترجمہ و تفسیر کا رواج۔
- 2- سکھوں کی چیرہ دستیوں اور اسلام دشمنی کے خلاف عملی جہاد۔
- 3- علم الحدیث کی طرف خصوصی توجہ اور درس حدیث میں روایت کے ساتھ درایت اور استنباط مسائل پر توجہ۔
- 4- تقلید اور اجتہاد کے باب میں عقدا الجید فی احکام الاجتہاد و تقلید کے ذریعے ان کی ضرورت و اہمیت۔
- 5- عقائد و احکام میں علم الکلام کی رو سے حجۃ اللہ البالغہ کے ذریعے شریعت کے حقائق و اسرار۔
- 6- اصلاح معاشرت اور حسن اخلاق کے لیے خطوط اور رسالے اور وعظ و نصیحت۔

- 7- شرک کی آلائشوں سے پاک، قرآن و حدیث سے توحید خالص کا تصور۔
- 8- علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے مسلسل تعلیم و تدریس کا سلسلہ۔
- 9- امت کو درپیش فقہی اور تاریخی اختلافات میں اعتدال اور حق کی راہ۔
- 10- عیسائی مشنریوں کی یلغار کے استیصال کے لیے تدابیر۔

”رود کوثر“ میں شیخ محمد اکرام مرحوم نے مولانا مودودی کے مضمون کا یہ اقتباس دیا ہے:

”انہوں (حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی) نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیشروؤں سے بازی لے گئے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے ائمہ گزرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ہیں اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں، جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ ہی کے لیے مقدر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔“ (ماہنامہ الفرقان - شاہ ولی اللہ نمبر)

شاہ صاحب نے اسلامی علوم و فنون کو قرآن و حدیث کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے جو کتابیں اور رسائل لکھے ان میں معنویت، جامعیت اور اعتدال نمایاں ہے۔ وہ مسلمانوں کی خرابیوں اور کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ تھے جو ان کے عقائد، عبادات اور معاملات میں در آئی تھیں۔ وہ طبقہ علماء اور زباد کی ذہنی اور اخلاقی حالت سے بھی باخبر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حاملین شریعت و طریقت کا نظام تعلیم و تربیت کس قدر نامکمل اور ناکافی ہے۔ چنانچہ آپ نے گراں قدر قلمی اثاثے کے ساتھ ساتھ تعلیم و تعلم کا ایسا نظام مدون کیا جسے آپ کے عالی شان فرزندوں نے جاری رکھا۔ اس چشمہ فیض سے برصغیر کے کونے کونے سے اہل دل سیراب ہوئے اور یوں فکر و ولی اللہی مسلمانوں کے تمام فرقوں اور علاقوں کے لیے مینارہ نور ثابت ہوا۔

حضرت مولانا شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی

اٹھارویں صدی کی ایک اور ممتاز شخصیت کا تذکرہ ضروری ہے جن کے اثر صحبت اور فیضان تربیت سے ایک عالم متاثر ہوا۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی (1746-1825ء) حضرت مرزا مظہر جانجاناں (م: 1780ء) کے نامور مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کی کوششوں سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ برصغیر ہندوستان کے طول و عرض کے علاوہ بلاد روم و عراق اور کردستان میں بھی پھیلا۔ بقول شیخ محمد اکرام:

”اور دہلی میں ان کی خانقاہ شاہ عبدالعزیز (دہلوی بن شاہ ولی اللہ دہلوی) کے مدرسے کا مقابلہ سمجھی جاتی تھی۔ ایک میں ولی اللہی طریقے کی میانہ روی اور علم و عرفان تھا اور دوسرے میں مجددی مشرب کا احیائی ذوق و شوق اور متشرع تصوف تھا۔“ (رود کوثر، ص 650)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے بلند پایہ کا ادراک اس مختصر مضمون سے ہوتا ہے جو سرسید احمد خان مرحوم نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں لکھا ہے۔

”سبحان اللہ! کیا آزادی تھی کہ مطلق دنیا کا لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ کیا اطاعت سنت تھی کہ سر مو بھی فرق نہ تھا۔ توکل تو اس درجہ پر تھا کہ کبھی کسی طرح کا خیال دل میں نہ آتا۔ آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہان میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں سے لوگوں نے آ کر بیعت اختیار کی۔ حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔ اور باوجودیکہ کہیں سے ایک حبیہ مقرر نہ تھا، اللہ تعالیٰ غیب سے کام چلاتا تھا۔ نماز صبح اول وقت ادا فرما کر دس سپارہ کلام اللہ کے ادا فرماتے اور بعد اس کے حلقہ مریدین جمع ہو جاتا اور نماز اشراق سلسلہ توجہ اور استغراق جاری رہتا۔ بعد ادا کرنے نماز اشراق کے تدریس حدیث اور تفسیر کی شروع ہوتی۔ جہاں نام رسول خدا آتا، آپ بے تاب ہو جاتے اور اس بے تابی میں حاضرین پر عجب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سبحان اللہ کیا شیخ تھے۔ باقی باللہ اور عاشق رسول اللہ۔ علم حدیث اور تفسیر نہایت مستحضر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا مجمع علوم پیدا کیا تھا کہ ایک علم ظاہری اور باطنی میں درجہ کمال بہ انتہائے کمال حاصل تھا۔“

آپ سے سلسلہ نقشبندیہ کا احیاء اور فیضان اس قدر عام ہوا کہ ان کے عقیدت مند آپ کو تیرھویں صدی کا مجدد قرار دیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی ذات شریعت و طریقت کا خوبصورت مجموعہ تھی۔ آپ سالکین اور طالبین کے لیے بیک وقت معلم بھی تھے اور مرشد بھی۔ برصغیر کا کونہ کونہ آپ سے فیض یاب ہوا۔

حضرت خواجہ شاہ سلیمان چشتی تونسوی:

شاہ سلیمان تونسوی (1769-1850ء) حضرت خواجہ نور محمد چشتی مہاروی (1729-1791ء) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ کا شمار ان اکابر چشت میں ہوتا ہے جن کی محنتوں اور کوششوں سے سلسلہ کا فیض وسیع علاقوں میں اور لاکھوں نفوس تک پہنچا۔ آپ نے اپنے جن خاص مریدوں کی بڑی توجہ اور محبت سے تربیت کی ان میں شاہ سلیمان نمایاں ہیں۔ شاہ صاحب نے کوٹ مٹھن میں مولانا قاضی احمد علی کے درس میں شرکت کی اور علوم دینیہ حاصل کیے۔ چھ سال تک خواجہ مہاروی کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا۔ تصوف کی کتابیں پڑھیں۔ ریاضت اور مجاہدات کے ذریعے باطنی علوم کی تکمیل کی اور سند خلافت سے بہرہ ور ہوئے۔ شاہ سلیمان تونسوی سے پنجاب میں بالخصوص سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بھرپور اشاعت ہوئی۔ آپ کے اعظم خلفاء میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی بھی شامل ہیں جن سے پنجاب کے اکثر علمی اور روحانی خاندان منسلک اور ان کے فیض یافتہ ہیں۔ ایک عالم آپ کی روحانی برکات سے سیراب ہوا۔

بگویہ خاندان کے بعض اکابر مشائخ حضرت شاہ سلیمان تونسوی اور حضرت خواجہ سیالوی سے فیض یافتہ اور ان کے انوار و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔

خاندان بگویہ کا آغاز:

پیچھے بیان کردہ سرسری جائزے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کیونکر مسلمانوں کے ابتلا اور اضمحلال کا دور تھا۔ برصغیر ہندوستان اور صوبہ پنجاب کے مسلمانوں، ان کے علمی اداروں، تعلیمی درسگاہوں اور تہذیبی علامتوں کی حالت کیا تھی۔ تنزل اور ادبار کے یل رواں کو روکنے اور اصلاح احوال کے لیے کون سی سعید روحمیں کہاں کہاں جدوجہد کر رہی تھیں۔

دہلی اور لاہور سے دور، پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں..... بگہ شریف میں ایک دینی خانوادہ بھی اپنی بساط کے مطابق تعلیم و تدریس اور اصلاح و فلاح کی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔

خاندان بگویہ کے مورثین اعلیٰ کی ژرف نگاہی، دوراندیشی اور تبحر علمی کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی حالت زار سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ انہیں مسلمانوں کی بیماری کی تشخیص کا بھی پتہ تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا علاج کیا ہے۔ چنانچہ محدود پیمانے پر اپنی خیر و نصیحت اور ارشاد و دعوت کی کوششوں کے ساتھ وہ اس چشمہ فیض سے بھی باخبر تھے۔ جہاں سے مسلمانوں کے لیے علم و حکمت اور خیر و فلاح ممکن تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان بگویہ کے مورثین اعلیٰ نے خصوصاً پنجاب میں امن و امان بحال ہوتے ہی اپنے دونوں نہال دارالسلطنت دہلی روانہ کر دیے۔ تاکہ وہ طریقت اور شریعت میں برصغیر کے ان شہ سواروں کی خوشی چینی کریں جو علم و عرفان اور معرفت و شریعت میں سب سے آگے تھے۔

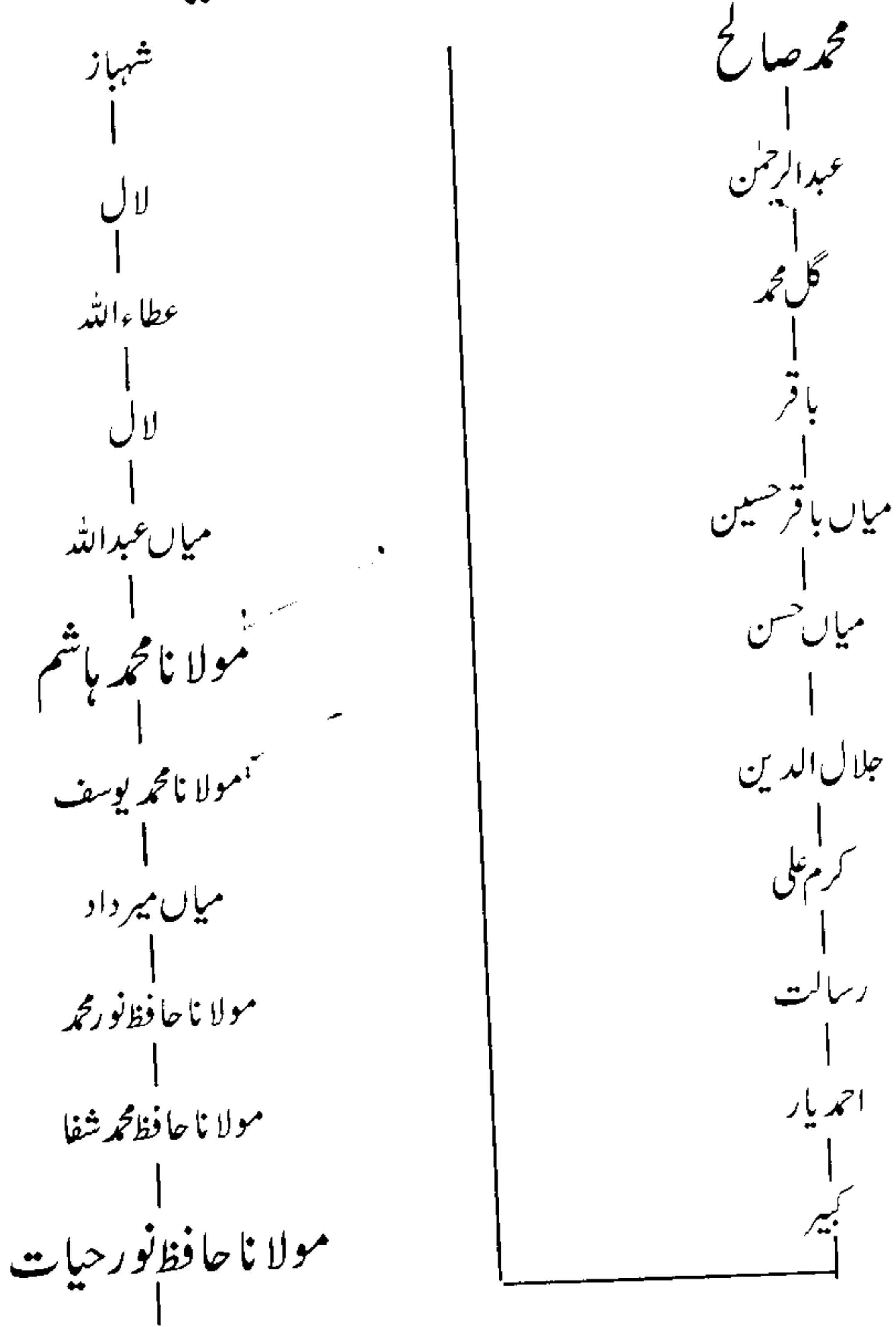
خاندان بگویہ نے مسلمانوں کی خدمت اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے برصغیر کے اکابرین سے دعوت و ارشاد کے دونوں مروجہ طریقے سیکھے اور قلمی، علمی اور عملی انداز میں بھرپور طور پر استعمال کیے۔

- 1- دینی علوم کی تعلیم و تدریس اور تلقین۔ تاکہ شریعت کے مطابق عقائد، عبادات اور معاملات درست طور پر سمجھے اور سکھائے جائیں اور مسلمانوں کی زندگیاں اسلامی قالب میں ڈھلیں۔
- ب۔ مجاہدہ کی تعلیم اور سلوک کی تربیت۔ تاکہ طریقت کے مطابق احسان اور حسن اخلاق اپنایا جائے اور مسلمانوں کو خدا سے محبت اور اس کی معرفت حاصل ہو۔

تاریخ کے بچے کھچے اور اوراق سے اٹھارویں صدی عیسوی میں خاندان بگویہ کے چار بزرگوں کا نام ملتا ہے جو عالم بھی تھے اور صوفی بھی۔ مدرس بھی تھے اور ناصح بھی۔ واعظ بھی تھے اور مصلح بھی۔

- مولانا محمد یوسف بگویؒ متوفی۔ 1703ء
- میاں میرداد بگویؒ متوفی۔ 1726ء
- مولانا حافظ نور محمد بگویؒ متوفی۔ 1750ء
- مولانا حافظ محمد شفا بگویؒ متوفی۔ 1772ء

شجرہ نسب خاندان بگوئیہ



مورث اعلیٰ

آٹھویں صدی عیسوی۔

حضرت عبدالرحمن بن محمد صالحؓ

تذکرہ مشائخ بگوئیہ کی تحقیق کے مطابق اس جلیل القدر علمی خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت عبدالرحمن بن محمد صالح نے نامساعد حالات کے باعث سندھ کی اقامت ترک کی اور آٹھویں صدی ہجری میں صوبہ پنجاب میں سکونت اختیار کی۔

آپ کا سلسلہ نسب بیس واسطوں سے یوں چلتا ہے:

حضرت عکرمہ بن عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظ بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نظر بن کنانہ حضرت نبی کریم ﷺ کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے مرہ بن کعب سے ملتا ہے۔

سیدنا عکرمہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ آپ کے پوتے حضرت زید نے خراساں میں لشکر اسلام کے ہمراہ جہاد کیے اور وہیں آباد ہو گئے۔ بنو عباس جب اقتدار میں آئے تو اپنے سیاسی اقتدار کے لیے بنو عباس نے عربوں کا زور توڑنا ضروری سمجھا۔ انہوں نے اپنا دار الخلافہ دمشق کی بجائے بغداد قرار دیا۔

ابو مسلم خراسانی نے 746ء میں اعلان بغاوت کیا اور 748ء میں خراسان پر قبضہ کر لیا۔ ابو مسلم خراسانی (متوفی 139ھ / 756ء) ایرانی نسل تھا۔ اسے عربوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ ان کے ساتھ نسلی بغض و عناد رکھتا تھا۔ چنانچہ ایرانیوں نے عربوں کی غارتگری اور قتل عام میں دل کھول کر حصہ لیا۔ ایک روایت کے مطابق ابو مسلم خراسانی کے ہاتھوں چھ لاکھ عرب قتل ہوئے۔ اس قتل و غارت کے نتیجے میں ملک خراساں سے عربی تمدن و معاشرت اور عربی زبان کا خاتمہ ہو گیا۔ اکثر عربی قبائل اور خاندان جانیں بچا کر دروازے کے علاقوں اور ہندوستان میں پناہ گزیر ہوئے۔ واضح رہے کہ 711ء / 93ھ میں سندھ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ خراسانیوں کے خوف سے ان عربوں نے اپنے عربی نام تک تبدیل کر لیے۔ ہندوستان میں پہنچ کر انہوں نے ہندوستانی تمدن اختیار کر لیا اور سندھ اور پنجاب میں آباد ہو گئے۔

ان تارکین وطن میں حضرت عبدالرحمن بن صالح کے آباؤ اجداد بھی شامل تھے۔ آپ کے حسن اخلاق اور دعوت تبلیغ سے متاثر ہو کر کئی ہندو قبیلے اور خاندان مسلمان ہو گئے۔

(شمس الاسلام - مئی 1934ء - ص: 3-4)

حضرت مولانا محمد ہاشم^{رح} و اولادہ

گیارھویں صدی ہجری

سترھویں صدی عیسوی

حضرت محمد ہاشم بن عبداللہ

گیارہویں صدی ہجری رستزھویں صدی عیسوی میں حضرت عبدالرحمن بن صالح کی اولاد میں سے حضرت محمد ہاشم بن عبداللہ نے دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر سکونت اختیار کی۔ گاؤں کا نام بگہ تھا۔ آپ کے وجود با مسعود کی برکت سے یہ گم نام موضع بگہ شریف کے نام سے مشہور ہوا۔
آپ عالم اکمل، تابع سنت، فقیہ اور زاہد تھے۔

1660ء کے لگ بھگ کا زمانہ عالمگیر کی مغل سلطنت کے باوجود علاقائی شورشوں اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ اقوام تھل نے حضرت ممدوح کے ظنِ عاطفت میں امن و امان حاصل کیا۔ علاقہ تھل اور دامن کوہستان کے تمام سردار آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔

آپ کی وفات 1091ھ / 1680ء میں ہوئی۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔

حضرت محمد صالح اور

حضرت محمد یوسف۔

حضرت محمد صالح نے قصبہ جھاوریوں میں اقامت اختیار کی۔

آپ کی اولاد میں کئی علماء اور فقہاء گزرے ہیں۔

استاذ العلماء، مولانا محمد رفیق بھرتوی، بن مولانا محمد خلیل بن قائم الدین بن غلام محی الدین بھی آپ کی اولاد

میں سے ہیں۔

حضرت پیر محمد یوسفؒ و اولادہ

بارھویں صدی ہجری

اٹھارویں صدی عیسوی

حضرت پیر محمد یوسفؒ بن محمد ہاشمؒ بگوی

آپ نے ابتدائی اور درسی تعلیم کے بعد گاؤں میں اقامت رکھی۔ درس و تدریس کے ساتھ گزراوقات کے لیے آپ نے موضع بگہ میں زمینداری کا پیشہ اختیار کیا۔
سلسلہ قادریہ سے فیض یافتہ تھے۔ صد ہا طالبین حق نے آپ سے روحانی تربیت حاصل کی۔
آپ سے متعدد کرامات اور خوارق عادات کا ظہور ہوا۔
آپ کے عہد میں بگہ شریف کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔
آپ 1703ء/1115ھ کے لگ بھگ واصل بحق ہوئے۔

حضرت میاں میر داد بن محمد یوسفؒ بگوی

آپ حضرت پیر محمد یوسفؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔
آپ سالک باخدا اور زاہد بے ریا تھے۔
آپ نے زندگی بڑی خاموشی سے اور گوشہ نشینی میں گزاری۔
آپ کو طبقہ امراء کے ساتھ اختلاط اور عوام الناس کے ساتھ میل جول ناپسند تھا۔
آپ کی وفات 1726ء/1139ھ کے قریب ہوئی۔

مولانا حافظ نور محمد بن میاں میر داد بگوی

آپ حضرت میاں میر داد کے فرزند تھے۔

آپ کی طبیعت جلالی تھی۔ مستجاب الدعوات تھے۔ زبان مبارک سے جو نکلتا تھا، وہ پورا ہو کر رہتا۔ روایت ہے کہ آپ کے زمانے میں موضع بگہ کے ایک سردار نے اپنے بیٹے کی دھوم دھام سے شادی کی۔ اس موقع پر اس نے گانے بجانے والی عورتوں کو بلایا اور علانیہ محارم شرعیہ کے ارتکاب کا مجرم ہوا۔ حضرت کے چند درویشوں نے سردار کو اس برے فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر اپنی دولت اور اثر و رسوخ کے گھمنڈ میں اس نے درویشوں کو زد و کوب کیا اور دھکے دے کر اپنے مکان سے نکال دیا۔ حضرت مسجد کے صحن میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب درویش لوٹے تو ان کی زبوں حالت دیکھ کر آپ نے ایک سنگریزہ اٹھا کر مٹی کے لوٹے پر مارا۔ سنگریزہ پانی بہنے والی ٹوٹنی پر لگا۔ آپ نے فرمایا:

”نشاندہ سر کی بجائے بازو پر لگا ہے مگر خود ہی تباہ ہو جائے گا۔“

اسی روز سردار مذکور کا اکلوتا لڑکا جو دو لہا بننے والا تھا، فاخرہ لباس زیب تن کیے، گھوڑے پر سوار ہوا اور غسل کی نیت سے اپنے ملازم کے ہمراہ دریا کو گیا۔ قیمتی لباس اور گھوڑا دیکھ کر ملازم کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس نے سردار کے بیٹے کا لباس فاخرہ خود پہن لیا اور دریا سے نکلنے پر اس کا سر تلوار سے قلم کر دیا۔ اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ جشن طرب، مجلس غم کی صورت اختیار کر گیا۔ سردار مذکور اپنے لاڈلے فرزند کا لاشہ دیکھ کر فرط غم سے بے ہوش ہو گیا۔ اس نے اپنی باقی عمر بے بسی اور آوارگی میں بسر کی۔

آپ کے زمانہ میں مغل سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ طوائف الملوکی کے دوران سکھوں نے پنجاب کی مسلم آبادیوں پر بے پناہ ظلم و ستم توڑے اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ مگر حضرت حافظ صاحب کے تصرف اور توجہ باطنی سے بگہ شریف سکھوں کی دست برد سے محفوظ رہا اور علاقہ کے ایک بااثر سکھ رئیس نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

آپ کی وفات 1750ء/1163ھ کے لگ بھگ ہوئی۔

مولانا حافظ محمد شفیع بن مولانا حافظ نور محمد بگوی

آپ مولانا حافظ نور محمد کے بڑے بیٹے تھے اور اپنے والد کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔ آپ کے زمانہ میں باہر سے ایک مجذوب آیا اور اس نے بگہ شریف میں ڈیرہ لگایا۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد یہ مجذوب وہیں فوت ہو گیا۔ اس کا مزار آج تک شاہ زندہ کے نام سے موسوم ہے۔ شاہ زندہ کہا کرتا تھا:

”اس سرزمین سے نور ظاہر ہوگا جس کی چمک سے تمام پنجاب منور ہوگا۔“

حضرت حافظ محمد شفیع بھی فرمایا کرتے تھے:

”میری اولاد کے ذریعہ سرزمین پنجاب میں علم کا آفتاب روشن ہوگا۔ اور علوم دینیہ کا احیا ہوگا۔“

حضرت نے اپنے فرزند حضرت حافظ نور حیات کو وصیت فرمائی تھی کہ:

”اپنے بڑے لڑکے کا نام محی الدین رکھنا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کا دین زندہ ہوگا۔“

چنانچہ حضرت حافظ نور حیات بگوی نے اپنے بڑے بیٹے کا نام محی الدین رکھا۔ مگر غایت انکساری اور عاجزی کی وجہ سے حضرت استاذ الکلی اپنے آپ کو ہمیشہ غلام محی الدین ہی لکھتے اور پکارتے رہے۔

حضرت حافظ محمد شفیع کے زمانہ میں موضع بگہ میں فسق و فجور کا چرچا ہوا۔ آپ کی بددعا سے تمام گاؤں برباد ہو گیا۔ جو لوگ اس تباہی سے بچ رہے انہوں نے دوبارہ گاؤں کو آباد کیا اور آئندہ کے لیے سچے دل سے توبہ کی۔

ایک اندازے کے مطابق آپ کا وصال 1772ء/1186ھ میں ہوا۔

بانی خاندان بگوئیہ

حضرت مولانا حافظ نور حیات بگوئی رحمة اللہ علیہ

تیرھویں صدی ہجری

انیسویں صدی عیسوی

حضرت مولانا حافظ نور حیات بگویہ

ولادت:

آپ حضرت مولانا حافظ محمد شفا بگویہ بن حضرت مولانا حافظ نور محمد بگویہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ بگہ شریف میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش جنگ پلاسی کے اردگرد 1757ء/1170ھ کے لگ بھگ ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اور چھوٹی عمر میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ دینی کتابیں والد ہی سے خاندانی درس میں پڑھیں اور جلد ہی فارغ التحصیل ہو گئے۔

بیعت و خلافت:

مولانا نور حیات بگویہ کو سلسلہ سہروردیہ سے خصوصی نسبت تھی۔ باطنی کمالات اور سلوک کے منازل اپنے مرشد کے خاص التفات سے حاصل کیے۔ ان اوصافِ جمیلہ کی بنا پر آپ معرفت کے کاملین کی جماعت میں سے تھے۔

ترکیہ:

آپ عابد شب زندہ دار، صائم الدہر عالم اور قائم اللیل صوفی تھے۔ بگہ شریف کا خاموش، صاف سحر اور پرسکون ماحول آپ کو بہت مرغوب تھا۔ نوافل تہجد اکثر گاؤں سے باہر دریائے جہلم کے کنارے ادا فرمایا کرتے تھے۔ زبان مبارک سے جو لفظ نکلتا وہ اذن ربی بن کر قضا و قدر کے ہاتھوں گویا پورا ہو کر رہتا۔ آپ کی کرامات علاقے میں زبان زدِ خلایق تھیں۔ (شمس الاسلام - ص 7)

ذریعہ معاش:

اپنے ہاتھ سے بل چلاتے اور آبائی زمین میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ عوام کے نذر و نیاز سے بے نیاز رہتے۔ بعض سکھ سردار آپ کے معتقد تھے۔ انہوں نے درس اور ذاتی ضروریات کے لیے جاگیریں پیش کیں مگر اس مرد قلندر نے نان جویں کو مسند شاہی پر ترجیح دی۔

معمولات:

اوقات بڑے سادہ، پاک اور بے لوث تھے۔ اپنے خدام اور ارادت مندوں سے کوئی کام لینا پسند نہ کرتے تھے۔ سنت نبوی کے مطابق اپنے کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتے تھے۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے مولانا نور حیات بگویہ کو دو فرزندوں سے نوازا تھا جو بعد میں اساتذ العلماء، رئیس المحدثین اور اشاعت و نشر اسلام کے زبردست داعی ثابت ہوئے۔

(1) حافظ غلام محی الدین بگویہ (2) حافظ احمد الدین بگویہ

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی لگن:

مولانا نور حیات بگویہ اور آپ کے بزرگ پچھلی ایک صدی سے برصغیر میں امت مسلمہ کے تنزل اور ادبار کے واقعات دیکھ رہے تھے۔ مغل سلطنت کے مسلسل زوال کے بعد پنجاب میں سکھوں کے جنگلی اور جنگجو قبائل ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کے ایمان اور ان کے تمدن کو تہس نہس کر رہے تھے۔ دینی تعلیم و تدریس اور مدارس اسلامیہ کا نظام تہ و بالا ہو چکا تھا۔ بگویہ خاندان کے مورث بزرگ اور علماء اس حقیقت سے بھی اچھی طرح باخبر تھے کہ مہربان قدرت چمنستان اسلام کی آبیاری اور آباد کاری کے لیے گرم جوشی سے خود سرگرم عمل ہے۔ چنانچہ دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ غلام علی دہلوی، پنجاب میں شاہ سلیمان تونسوی اور دیگر علاقوں میں علماء اور مشائخ، اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھرپور اور موثر جہاد شروع کر چکے تھے۔ خاندان بگویہ کے اکابر، طریقت و شریعت کے ان چشمہ ہائے فیض سے سیراب ہونے کے لیے بے تاب بھی تھے اور موقع کے منتظر بھی۔ چنانچہ لاہور اور دہلی میں امان و امان قائم ہوتے ہی مولانا نور حیات بگویہ نے فیصلہ کیا اور اپنے دونوں بیٹے اللہ کی راہ میں حصول علم کے لیے وقف کر دیے۔

تعلیم کے لیے سفر دہلی:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان سے حصول علم دین خصوصاً تفسیر و حدیث اور حضرت شاہ غلام علی نقشبندی سے حصول سلوک و معرفت کے لیے دونوں بگویہ برادران حافظ غلام محی الدین بگویہ اور حافظ احمد الدین بگویہ 1229ھ/1814ء میں بگہ شریف سے دہلی کے طویل اور پرخطر سفر پر روانہ ہوئے۔ اس وقت بڑے بھائی کی عمر قریباً انیس سال اور چھوٹے بھائی کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ (تفصیل آگے آئے گی)

1241ھ/1825ء میں جب حافظ غلام محی الدین بگویہ، تعلیم مکمل کر کے بگہ شریف لوٹے تو مولانا نور حیات بگویہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ بگہ شریف کی مسند تدریس و ارشاد، حافظ غلام محی الدین بگویہ کا انتظار کر رہی تھی۔

وفات:

مولانا نور حیات بگویہ 1234ھ/1818ء میں فوت ہوئے۔

آپ کا مزار بگویہ خانقاہ، بگہ شریف میں ہے۔

شجرہ نسب حضرت مولانا حافظ انور حیات گوی رحمت اللہ علیہ

متوفی 1234ھ / 1818ء

ملا سقانی احمد الدین گوی

مولانا عبدالعزیز گوی

مولانا غلام محمد گوی

مولانا ظہور احمد گوی

مولانا محمد کئی گوی

مولانا محمد ذاکر گوی

صاحبزادہ حکیم مختار احمد گوی
حکیم فیاض احمد گوی

مولانا محمد شفیق گوی

مولانا حکیم برکات احمد گوی

مولانا افتخار احمد گوی

صاحبزادہ صلاح الدین گوی

صاحبزادہ عبد الغفور گوی

حافظ سعید احمد گوی

مولوی رشید احمد گوی

حافظ نیاز احمد گوی

مولوی مشتاق احمد گوی

مولوی حکیم غلام محی الدین گوی

حنات احمد گوی
حکیم شقائق احمد گوی
جواد احمد گوی

ابن از احمد گوی

تئویر کاران گوی

طارق منصور گوی

طارق احمد گوی

شاہد احمد گوی

غیر احسن گوی

ریاض احسن گوی

خوشید احسن گوی

صالح محمد

محمد اسحاق

ریاض احمد

فیاض احمد

صاحبزادہ لعلت احمد گوی

صاحبزادہ محمد ابو بکر گوی

صاحبزادہ ابرار احمد گوی

صاحبزادہ انوار احمد گوی

صاحبزادہ اسحاق گوی

سلمان ابو بکر گوی

احمد سفیان گوی

آصف ابرار گوی

صاحبزادہ احمد منیب گوی

صاحبزادہ احمد منصور گوی

صاحبزادہ حسن منصور گوی

صاحبزادہ رحم انوار گوی

صاحبزادہ سرمد منصور گوی

حضرت استاذ الکل مولانا

الحافظ الشیخ

غلام محی الدین بگوئی قدس سرہ العزیز

1203ھ - 1273ھ

1788ء - 1857ء

احیاء اور بقا

اٹھارویں صدی کا اواخر:

برصغیر میں صدیوں سے قائم مسلم ریاست کی شان و شوکت اور جاہ و حشم مرہٹوں اور سکھوں کے ظلم و ستم اور شورشوں سے پامال ہو چکا تھا۔ دہلی میں مغلیہ خاندان کا چراغ ٹٹنار ہا تھا۔ صوبہ پنجاب میں سکھ جتھہ گیروں کی اندھیر نگری کا راج تھا۔ اس طوائف الملوکی کا سب سے بڑا ہدف مسلمانوں کا دین و ایمان اور ان کی معیشت و ثقافت تھی۔ مساجد کو منہدم کرنے اور اسلامی آثار کو مٹانے کا کام منظم طور پر جاری تھا۔ صلحاء اور علماء کی ایک بڑی جماعت اپنے ایمان اور اپنی تہذیب کو بچانے کے لیے ترک وطن اختیار کر رہی تھی۔ دریں حالات ضروری نظر آتا تھا کہ مسلمانوں کی اجتماعی بقا کے لیے توحید خالص کا احیاء ہو اور وہ قرآن و سنت کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں۔

سعادت:

اللہ تعالیٰ نے شمالی ہندوستان میں خدمت و حفاظت کی یہ سعادت پنجاب کے ایک دور افتادہ اور گم نام سے گاؤں موضع بگہ ضلع جہلم کو عطا فرمائی جہاں کی خاک پاک سے ایک علمی اور دینی خاندان کا ظہور ہوا۔ بقول صاحب تذکرہ مشائخ بگوییہ:

”جس نے اپنے علم و عمل کی روشنی سے خطہ پنجاب کو منور کر دیا۔ جس کے فیض سے ہر کہ و مہ سیراب ہوا۔ تشنگان نور ہدایت و علم ہندوستان کے ہر گوشے سے سمٹ کر آئے اور اس چشمہ صافی سے سیر ہو کر گئے۔ برصغیر کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جہاں کے لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس (خاندان کے) فیض سے محروم ہوں۔“

سکھوں کی چیرہ دستیوں، مسلم بیزاریوں اور اسلام دشمنی نے زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ اذان کی آواز سے سکھوں کے آرام اور دھرم میں خلل آتا تھا۔ مساجد میں باجماعت نماز ان کے لیے سوہان روح تھی۔ مگر اللہ نے

گ۔ یہ خاندان کو یہ شرف بخشا کہ:

”سکھوں کی جابر حکومت بھی (علماء و مشائخ بگوییہ کے) روحانی اثر و اقتدار کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی اور رنجیت سنگھ کے عہد میں مسلمانوں کو اذان اور نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت دی گئی اور (مسلمانوں) کے خلاف جبر و تشدد کی روک گئی۔“ (ص 7)

ولادت:

حضرت حافظ نور حیات بگویی کے گھر میں استاذ الکل حضرت مولانا حافظ غلام محی الدین بگویی دو شنبہ محرم 1203ھ / 1788ء 4 اکتوبر بگہ شریف میں پیدا ہوئے۔ بشارتوں کی بنا پر آپ کا نام محی الدین رکھا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اسم باسمی ان کی علمی اور دینی خدمات کا غماز ہے۔

بشارت:

والد گرامی اپنے تین بچوں میں سے استاذ الکل کے ساتھ زیادہ پیار کرتے تھے۔ ان کا خاص خیال رکھتے اور اکثر اوقات اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔ صاحب حدائق الخفیہ، مولانا حافظ نور حیات بگویی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”میں نے ایک رات کو سحر کے وقت دریا کے کنارے پر جا کر تہجد پڑھنے کا ارادہ کیا اور اپنے اس لڑکے (مولانا غلام محی الدین بگویی) کو جو بہت ہی چھوٹا تھا اور خود حرکت نہیں کر سکتا تھا، بسبب پیار کے اپنے ہمراہ اٹھالیا اور دریا کے کنارے کپڑا بچھا کر اس کو لٹا دیا اور خود وضو کر کے نوافل میں مشغول ہوا۔ میرے اور اس کے درمیان پچھ فاصلہ تھا اور رات اندھیری تھی۔ کسی قدر دیر کے بعد مجھ کو خیال گزرا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی درندہ لڑکے کو اذیت پہنچائے، اپنے پاس لا کر لٹا دوں۔ (اس خیال سے) جب میں اس کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کو ایک سفید ریش مبارک صورت آدمی اپنی گود میں لیے بیٹھا ہے۔ میں نے اس کو کوئی بزرگ سمجھ کر کہا کہ:

”آپ اس لڑکے کے حق میں دعا کریں کہ عالم باعمل ہو“

اس بزرگ نے جواب دیا:

”یہ ازل سے ہی عالم باعمل ہے اور اس سے بہت لوگوں کو فیض ہوگا۔“

یہ کہتے ہی وہ آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ سو آپ کو خدا نے ایسا ہی کیا۔“ (ص 494)

صغرتی:

آپ کے ہم عصروں کی روایت سے مشہور ہے کہ آپ صغرتی میں لڑکوں کے ساتھ کھیل نہ کھیلتے تھے بلکہ الگ تھلک اور اکثر خاموش رہتے اور لڑکوں کو بھی ہدایت کرتے تھے اور آپ کا رعب اور خوف ساتھیوں پر طاری رہتا تھا۔

آغاز تعلیم:

علاقے کی روایت کے مطابق جب آپ چار سال اور چار ماہ کے ہوئے تو آپ کی بسم اللہ کا آغاز ہوا۔ اس مقصد کے لیے ایک مقامی استاد، حافظ حسن صاحب کے پاس لے جایا گیا جو خود ایک قابل اور کامل شخص تھے۔ حافظ حسن مرحوم کی اپنی روایت مشہور ہے کہ وہ قرآن پڑھنے والے طلبہ کے حق میں بڑے سخت اور شدید تھے۔ لیکن

استاذ الکل نے کبھی استاد حسن صاحب سے مار نہیں کھائی۔ پڑھائی کے دوران یہ لڑکوں میں خاموشی سے بیٹھے رہتے تھے۔ مجھ کو خیال گزرتا کہ ان کو اپنا سبق یاد نہ ہوا ہوگا۔ مگر جب وہ کہتے کہ سبق سناؤ تو وہ فوراً اپنا سبق سنا دیتے۔

حفظ قرآن:

استاد حسن مرحوم سے تھوڑے عرصے میں آپ نے ناظرہ قرآن حکیم ختم کر لیا تھا مگر حفظ نہیں کیا تھا۔ چونکہ استاد الکل بڑے خوش الحان تھے اور قرآن کی تلاوت بڑی خوبصورت اور موثر انداز میں کرتے تھے اس لیے جب رمضان کا مہینہ آیا تو لوگوں نے مولانا حافظ نور حیات گبوی سے درخواست کی کہ اس رمضان میں غلام محی الدین سے قرآن نوافل میں سننا چاہیے۔ اس پر آپ کے والد ماجد نے پوچھا:

”تم قرآن شریف سنا سکو گے؟“

آپ نے جواب دیا:

”اگر آپ میرے ساتھ ایک پارہ روز دور کر لیا کریں تو میں سنا دوں گا“

(”برصغیر میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت“ از مولانا سید مناظر احسن گیلانی، جلد دوم ص 45 بحوالہ حدائق حنفیہ)

اس طرح استاذ الکل نے خداداد حافظے اور اپنی شبانہ روز محنت سے سارا قرآن شریف اسی ماہ رمضان میں حفظ کر لیا اور نوافل میں سنا بھی دیا۔ کسی نے پوچھا:

”کیا آپ سارا دن ایک پارہ یاد کرنے میں صرف کرتے تھے؟“

آپ نے جواب دیا:

”نہیں، صرف وقت چاشت تک ایک پارہ حفظ ہو جاتا تھا۔“

اس طرح استاذ الکل نے 7 سال کی عمر میں سارا قرآن مجید حفظ کر لیا۔

ابتدائی تعلیم:

حفظ قرآن کے بعد آپ نے درسی تعلیم شروع کی۔ ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے والد ماجد اور علاقے

کے بعض اساتذہ سے پڑھیں۔ صاحب **حدائق الحنفیہ** کے الفاظ میں:

”صغریٰ میں (مولانا غلام محی الدین گبوی) میں یہ (ذہانت اور) ذکاوت تھی کہ علمائے پنجاب کہتے تھے کہ

اے لڑکے تم کو پنجاب میں کوئی تعلیم نہیں دے سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔“ (ص 495)

اعلیٰ تعلیم کے لیے سفر دہلی:

والد ماجد کی خواہش اور ایماء پر اور اساتذہ کے مشورے سے استاذ الکل نے حصول تعلیم کے لیے رخت سفر باندھا۔ چنانچہ 1225ھ / 1810ء میں دہلی روانہ ہوئے۔ والدین کے عطا کردہ زادراہ کے علاوہ ان کے آٹھ سالہ برادر خور و مولانا احمد الدین بگوی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

راستے میں حفظ قرآن:

جب دونوں بھائی سفر پر روانہ ہوئے تو مولانا احمد الدین بگوی بگہ شریف میں دسواں پارہ حفظ کر رہے تھے۔ راستے میں مولانا غلام محی الدین بگوی، چھوٹے بھائی کو قرآن کا سبق دیتے اور چلتے رکتے، دور بھی کرتے بات تھے۔ اس طرح دہلی پہنچنے تک، چھوٹے بھائی نے بھی قرآن حکیم حفظ کر لیا۔

قیام دہلی:

دہلی میں دونوں محدث بگوی برادران کا قیام قریباً 12/14 برس رہا۔ امکان غالب ہے کہ وہاں انہوں نے دستور کے مطابق اسلامی فنون و علوم کے ماہر مختلف اساتذہ سے کسب فیض کیا ہوگا اور ان کے دروس میں شرکت کی ہو گی۔ چنانچہ مولوی فقیر محمد جہلمی اپنی تحقیق **حداائق الحنفیہ** میں لکھتے ہیں:

”اس عرصہ میں اگرچہ دونوں بھائیوں نے علم معقول اور منقول متفرق علماء سے پڑھا“۔ (ص 495)

علم حدیث:

شمالی ہندوستان میں اسلام کی وسیع اشاعت دو ذریعوں سے ممکن ہوئی۔

ا۔ مجاہدین اور علماء جو اسلامی لشکر کے ساتھ آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ب۔ صوفیا اور مشائخ جو اسلامی لشکر کے جلو میں آئے اور یہاں خانقاہی نظام اور تصوف کے سلسلوں کی ترویج کا سبب بنے۔

شمال سے آنے والے مجاہدین، علماء اور عام مسلمان فقہ حنفی کے پیروکار تھے۔ اسی طرح وسطی ایشیا اور افغانستان سے آنے والے صوفیا اور مشائخ سلاسل بھی امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ چنانچہ یہاں اسلامی معاشرے کے جو خدو خال تشکیل پذیر ہوئے ان میں فقہی انداز، کلامی افکار اور جزئی اقرار و اصرار بہت نمایاں تھے۔ فقہ بذات خود اگرچہ قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس سے مشتق ہے تاہم فقہ کی دلچسپی اور چاشنی بتدریج اس طرح بڑھتی اور

پھیلتی جاتی ہے کہ قرآن و حدیث کی اہمیت اور ضرورت پس منظر میں ہنتی چلی جاتی ہے۔ علمی کاموں میں اس طرح کی افراط و تفریط ایک قدرتی اور لامحالہ شاخسانہ ہے اسے کسی اور تناظر میں دیکھنا مناسب نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں پیدا ہونے والے درس نظامی میں قرآن کی تدریس چند پاروں تک اور حدیث کا مطالعہ صرف دہرانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔ علماء کا حدیث اور رجال میں انہماک کم ہوتا چلا گیا۔ اور یوں عوام اور خواص دین کے بنیادی اور کلیدی ماخذ، قرآن اور حدیث سے دور ہوتے چلے گئے۔

قرآن اور سنت سے دوری کا نتیجہ:

قرآن سے دوری اور بے اعتنائی مسلمانوں کو اس بڑے موضوع سے جدا کر دیتی ہے جو قرآن کا ثلث اور اس کے نزول کا اہم ترین مقصد ہے۔ توحید دین کی جڑ اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ توحید سے ہٹ کر پھر راہ گم کردہ انسان شرک کی پگڈنڈیوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ قرآن حکیم خدا کے ساتھ اس تعلق کو واضح کرتا، نکھارتا اور توحید خالص کے ساتھ بندوں کو جوڑتا ہے۔ سنت تو وہ راہ ہے جس پر چل کر انسان، رسول کی معیت و رہنمائی میں اخروی کامیابی اور نجات اور دنیوی خیر و فلاح حاصل کرتا ہے۔ قرآن و سنت دین کی وہ روشنی ہے جو خدا اور اس کے رسول کی منشا کے مطابق اور ان کی رضا کی نوید ہے۔ اس سیدھی اور سادہ راہ کو چھوڑ کر انسان پھر ایسی وادیوں میں بھٹک جاتا ہے جو بدعت و جہالت، امانی و ظنون، اوہام و اختراعات، رسوم و رواج، خاندانی عصبیت اور ذاتی مفادات اور غیر مسلم افکار و اعمال سے اٹی پڑی ہیں۔ اس راستے کی آخری منزل خدا سے دوری اور اس کی ناراضگی ہے۔

تحصیل حدیث:

اس تناظر میں نزہۃ الخواطر اور حدائق الحنفیہ میں مندرج بارہویں اور تیرہویں صدی کے علماء کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ چند ہی سعید اشخاص ایسے تھے جو علوم دینیہ میں حدیث کی تعلیم اور سند کے لیے پنجاب سے دہلی پہنچے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے۔ شمالی ہندوستان سے دہلی جانے والے علماء میں ممتاز اور غالباً واحد نام یہ نظر آتے ہیں:-

● حضرت مولانا قاضی غلام محی الدین بگوی

● حضرت علامہ مفتی احمد الدین بگوی

درس حدیث:

درجہ منتہی کی کتابیں ختم کرنے کے بعد علم حدیث کے لیے آپ حضرت شاہ محمد اسحق دہلوی جو شاہ عبدالعزیز

دہلوی کے نواسے تھے، کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ حدیث کے اسباق سبقاً ان سے پڑھے اور دورہ حدیث مکمل کیا۔

سند حدیث:

استاذ الکل جب حدیث کی تعلیم مکمل کر چکے تو شاہ محمد اسحاق دہلوی انہیں اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس لے گئے اور ان کی خدمت میں اپنے شاگرد کو پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے علم حدیث میں ان سے بہت سارے سوالات کیے۔ مولوی فقیر محمد جہلمی اپنی کتاب **حداائق الحنفیہ** میں لکھتے ہیں:

”ان سوالات کے جواب آپ نے ایسے عمدہ دیئے کہ شاہ صاحب نہایت خوش ہوئے اور انہوں نے علم حدیث کی سند دے کر دعا فرمائی۔“

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی دعا:

سند حدیث دینے کے ساتھ فرمایا:

”انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے بڑا فیض ہوگا۔ اور نصیحت کی کہ جب تم وطن میں جاؤ تو ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ پڑے۔“ (ص 495)

علم حدیث کی اشاعت:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، پنجاب اور شمالی ہندوستان کے علماء کو حدیث کے فن اور علم سے زیادہ رغبت نہ تھی۔ ان کا رجحان فقہ اور تصوف کی طرف تھا۔ چنانچہ دہلی میں خانوادہ شاہ ولی اللہ سے تحصیل علم اور سند حدیث حاصل کرنے کے بعد استاذ الکل پہلے بگہ شریف اور پھر لاہور تشریف لائے اور سب سے پہلے علم حدیث کی اشاعت کا آغاز کیا۔ آپ کے حلقہ درس میں تمام برصغیر بالخصوص پنجاب، کشمیر، سندھ اور سرحدی صوبے سے طالبان علم شریک ہوتے تھے۔ ان کی تعداد صد ہا تک ہوتی تھی۔ ایک روایت کے مطابق کابل کے شہزادے بھی شریک درس ہوتے تھے۔ صاحب **تذکرہ** لکھتے ہیں:-

”پنجاب اور دیگر علاقوں میں بالخصوص علوم حدیث کا جس قدر انتشار علم حضرت استاذ الکل اور آپ کے چھوٹے بھائی علامہ احمد الدین گبوی کے ذریعہ ہوا، کسی دوسرے سے نہیں ہوا۔ ہزار ہا طلبہ صرف بہائی سے لے کر اعلیٰ علوم تک، ان (محدث گبوی برادران) سے فارغ التحصیل اور فیض یاب ہوئے۔ آج ہندوستان میں علمائے دیوبند کا چرچا ہے مگر آج سے چالیس سال پہلے پنجاب کے تمام علماء اسی نامور خاندان سے اپنا تعلق شاگردی ظاہر کرنا فخر سمجھتے تھے۔“ (ص 10)

فیض عام:

اشاعت علم اور شاگردی کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ تین دہائیوں میں برصغیر کا گوشہ گوشہ سیراب ہوا۔ مولانا ظہور احمد گبویؒ مزید لکھتے ہیں:-

”پنجاب میں کوئی صاحب علم ان کی شاگردی سے بے بہرہ نہ تھا۔ ہر عالم بالذات یا بالواسطہ ان (محدث گبویؒ برادران) کے تلامذہ میں منتسب تھا۔“ (تذکرہ علماء و مشائخ گبویہ۔ مطبوعہ شمس الاسلام ممبئی جون 1934ء، صفر۔ ربیع الاول 1353ھ، بھیرہ، ص 10)

جامع صفات:

صاحب حدائق الحنفیہ استاذ الکل کے بارے میں لکھتے ہیں:

” (وہ) عالم اجل، فاضل اکمل، فقیہ، محدث، صاحب کمالات صوری و معنوی تھے۔“ (ص 494)

بیعت:

قیام دہلی کے دوران، آپ نے مجدد مائتہ الثالث عشر حضرت مولانا شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ قادریہ مجددیہ میں سلوک حاصل کیا اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت شاہ صاحب سے خرقہ خلافت حاصل کر کے مجاز ہوئے۔

مراجعت:

حضرت استاذ الکل نے دہلی میں قریباً بارہ سال قیام کیا اور 1237ھ/1822ء میں وطن کو لوٹے۔

درس بگہ شریف:

جب آپ پنجاب تشریف لائے تو والد ماجد مولانا حافظ نور حیات گبویؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ ان کی جگہ پر بگہ شریف میں مسند درس و ارشاد اور افتاء و قضاء پر متمکن ہوئے۔ آپ کی علمی و جاہت، طلبہ سے شفقت، علم حدیث میں مہارت اور ارشاد و افتاء میں فراست کی خوشبو چار سو پھیلنے لگی۔ دور دور سے دینی علوم و فنون کے طلبہ کھنچے چلے آنے لگے۔

بگہ شریف کا درس، واقعہ یہ ہے اتنی وسعت اور کثیر طلبہ کی ضروریات کا متحمل نہ تھا۔ ادھر حضرت استاذ الکل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے قدرت کاملہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

فقیر عزیز الدین مرحوم کی بگہ شریف میں آمد:

فقیر خاندان راجہ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں معزز و مکرم تھا اور اس کی دربار و اقتدار میں رسائی تھی۔ فقیر عزیز الدین مرحوم علم دوست اور مسلمانوں کی عمومی حالت میں دلچسپی رکھنے والا وزیر با تدبیر تھا۔ جب اس نے سنا کہ بگہ شریف میں دو ایسے محدث عالم مصروف تدریس ہیں جو دہلی سے دینی تعلیم اور علم حدیث حاصل کر کے لوٹے ہیں تو وہ ایک روایت کے مطابق خود بگہ شریف پہنچا اور حضرت استاذ الکمل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صاحب تذکرہ لکھتے ہیں:-

”اور انہوں نے الحاج و زاری سے شہر لاہور میں سکونت اختیار کرنے کی درخواست پیش کی..... فقیر

عزیز الدین مرحوم نے ایک فقیر خانہ تعمیر کرایا جس میں طلبہ کی رہائش اور دیگر ضروریات کا عمدہ انتظام تھا۔“

تاریخ لاہور از کنہیا لال کے مطابق تینوں بھائی فقیر عزیز الدین، فقیر نور الدین اور فقیر امام الدین راجہ رنجیت سنگھ کے دربار کے ممتاز رکن تھے۔ ان کے گھر شفا خانہ اور مدرسہ جاری تھا۔ جہاں سے لوگ صحت اور تعلیم پاتے تھے۔ فقیر عزیز الدین 1845ء میں فوت ہو گیا۔

لاہور میں آمد:

آپ نے فقیر عزیز الدین مرحوم کی مخلصانہ درخواست کو قبول کیا۔ بگہ شریف کی مسند درس و تدریس اپنے چھوٹے بھائی علامہ احمد الدین گبوی کے حوالے کی اور خود لاہور روانہ ہو گئے۔

مسجد حکیموں یا حکیموں کی لال مسجد:

حدائق حنفیہ کے مطابق 30 سال اور تذکرہ مشائخ گبویہ کے خیال میں 20 سال لاہور میں قرآن و حدیث، فقہ اور دیگر فنون کا درس دیا۔ تذکرہ درس والی مسجد کا نام مسجد حکیموں لکھتا ہے جب کہ حدائق میں اس کا نام حکیموں کی لال مسجد تحریر ہے۔

اونچی مسجد اندرون بھائی دروازہ کے تحت تاریخی مساجد لاہور میں ڈاکٹر چغتائی لکھتے ہیں:-

”آج یہی قدیم بازار بھائی دروازہ سے سیدھا بادشاہی مسجد تک چلا جاتا ہے اگرچہ راستہ میں آگے جا کر عہد شاہ جہانی کی مساجد بھی ملتی ہیں اور یہی بازار حکیموں اور طبیبی ناموں سے خاصے پرانے ہیں یعنی یہ تمام علاقہ قدیم عمارات اور کئی دیگر عمارات سے بھرا ہوا تھا۔ اگرچہ کوئی دیگر عمارات آج نظر نہیں آتی۔ بازار حکیموں کی لال مسجد میں مولانا غلام محی الدین گبوی نے قریب تیس سال درس دیا ہے اور ان کا (وصال) 1273ھ میں

ہوا۔ (ص 35)

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں:-

”اس طرح مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات گبوی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ تیس سال تک لاہور میں حکیموں کی ”لال مسجد“ میں تدریس فرماتے رہے (ان کے چھوٹے بھائی مولانا حافظ احمد الدین گبوی 1859ء میں بادشاہی مسجد لاہور کے امام تھے) مگر آج تک حکیموں کی لال مسجد کا کہیں تعین نہیں ہو سکا۔ (مقدمہ ص 6)

کوچہ گبویاں:

ایک خاندانی روایت کے مطابق حضرت استاذ الکل مدت تک جس گلی میں رہائش پذیر رہے، اس کا نام کوچہ گبویاں پڑ گیا۔ اب اس گلی کے آثار ناپید ہیں۔

شاگردوں کی تعداد:

آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق قریباً دو ہزار سے زائد علماء نے آپ سے سند حدیث حاصل کی ہے۔

مشہور تلامذہ:

آپ کے نامور شاگردوں میں مولانا نور الدین چکوڑی شریف، مولانا شاہ محمد فیروز پورٹی، مولانا غلام رسول قلعوٹی، مولانا نور احمد چنیوٹی (1) اور مولانا غلام محمد (2) کے نام مل سکے ہیں۔ بعض علماء کے نام علامہ احمد الدین گبوی کے تلامذہ کے ذیل میں ملیں گے جو دونوں محدث گبوی برادران کے مشترک شاگرد ہیں۔ آپ کے فیض یافتہ شاگردوں نے قریہ قریہ اور شہر شہر علم کی شمعیں فروزاں کیں۔ ان علماء اور صلحاء کی خدمات نے برصغیر کے طول و عرض کے مسلمانوں میں مذہبی بیداری اور دین سے محبت کی جوت جگائی۔

(1) بحوالہ ”اسرار التصوف مع مثنوی ناز و نیاز“ مطبوعہ 1311ھ/1893ء۔

”اس کے بعد 5 سال تک قطب الاقطاب، عارف معارف شوق و یقین جناب مولوی غلام محی الدین صاحب ساکن قصبہ بگہ کی خدمت میں فقہ، حدیث، تفسیر، فروع، اصول و دیگر علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔“ (ص 52)

(2) بحوالہ ”پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت“ جلد دوم۔ مولانا سید منظر احسن گیلانی (ص 17۔ حاشیہ)

ہم عصر علماء دوران قیام دہلی (1225ھ - 1239ھ):

دہلی میں دونوں محدث گوی برادران 14 سال تک مقیم رہے اور مختلف اساتذہ کے پاس تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہ عرصہ 1225ھ / 1810ء سے 1239ھ / 1824ء تک محیط ہے۔ ذیل میں ان علماء کی فہرست پیش خدمت ہے جو مولوی فقیر محمد جہلمی مصنف حدائق الحنفیہ کے مطابق اس دوران دہلی میں مسند تعلیم و ارشاد پر موجود تھے۔ ان کو بجا طور پر دہلی کے ہم عصر علماء قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (م 1238ھ)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م 1239ھ)

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (م 1242ھ)

حضرت شاہ اسماعیل شہید (م 1246ھ)

حضرت مولوی کرم اللہ محدث دہلوی (م 1258ھ)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی (م 1262ھ)

حضرت شاہ احمد سعید (م 1277ھ)

حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی (م 1278ھ)

حضرت مفتی محمد صدر الدین خان دہلوی (م 1285ھ)

حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی (م 1296ھ)

شاہ اسحاق دہلوی سے باقاعدہ علم الحدیث کی تعلیم اور شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حدیث کی سند اور اجازت تو تمام آثار اور تاریخی حوالوں سے طے شدہ ہے۔ حضرت شاہ اسحاق بن محمد افضل دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے تھے۔ جن کے توسط و سند سے ہندوستان کے موجودہ تمام حدیثی سلسلے وابستہ ہیں۔

(مقدمہ انوار الباری، ج 2، ص 207)

برصغیر ہندوستان کے ہم عصر علماء اور فضلاء (1239ھ - 1286ھ):

ہندوستان کے تمام علاقوں میں علماء، فضلاء اور مشائخ موجود تھے جو اپنی اپنی بساط اور علاقے کی ضرورت کے مطابق دین کی اشاعت، خدمت اور حفاظت کے کاموں میں مصروف تھے۔ بعد زمانی اور بعد مکانی کے باوجود

ان تمام چشموں کا سرچشمہ اور ان تمام رودوں کا منبع چند ہی نفوس قدسیہ تھے۔ جن میں ممتاز ترین دہلی کا خانوادہ شاہ ولی اللہی ہے۔ چنانچہ برصغیر کے علماء اور مشائخ کئی واسطوں اور سلسلوں سے باہم دگر جڑے ہوئے اور ایک لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔

حصولِ تعلیم کے بعد محدث گبوی برادران دہلی سے وطن واپس لوٹے۔ انہوں نے پہلے لاہور، پھر بگہ شریف اور آخر میں بھیرہ کو اپنی علمی، دینی، روحانی اور تدریسی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنایا۔ آج وہ تفصیل ڈھونڈنا بہت مشکل کام ہے کہ کیسے دینی مسائل اور فقہی امور کی تائید و توثیق میں برصغیر کے تمام علماء ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ خیالات سے استفادہ کرتے اور علمی اور دینی امور میں یک فکری اور ہم آہنگی کا اظہار کرتے تھے۔

ذیل میں ان علماء کی فہرست درج ہے جو مقدمہ **افوار الباری اور حدائق الحنفیہ** کے مطابق

عرصہ 1239ھ / 1824ء - 1869ء / 1286ھ کے دوران، جب گبوی برادران پنجاب میں مسند تدریس ارشاد پر فائز تھے، برصغیر کے مختلف علاقوں میں اشاعت و خدمت دین کے کاموں میں مصروف تھے۔

- | | |
|--|--|
| ■ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م 1225ھ) | ■ شیخ طیب رفیعی (م 1266ھ) |
| ■ علامہ بحر العلوم (م 1225ھ) | ■ مولوی جان محمد لاہوری (م 1268ھ) |
| ■ شیخ محمد رفیعی (م 1228ھ) | ■ مولانا خادم احمد (م 1271ھ) |
| ■ مولوی علیم الدین قنوجی (م 1229ھ) | ■ مولوی غلام اللہ لاہوری (م 1272ھ) |
| ■ مولوی نعیم الدین قنوجی (م 1233ھ) | ■ حافظ محمد عظیم پشاوری (م 1275ھ) |
| ■ مولوی صفی الدین المشہور رضی القدر (م 1236ھ) | ■ شیخ رضا رفیعی (م 1276ھ) |
| ■ مولوی محمد ولی اللہ (م 1249ھ) | ■ مولوی غلام حسین قنوجی (م 1280ھ) |
| ■ شاہ ابوسعید مجددی (م 1250ھ) | ■ مولوی تراب علی (م 1280ھ) |
| ■ مولوی غلام رسول لاہوری (م 1250ھ) | ■ مولانا حافظ عبد الحکیم لکھنوی (م 1285ھ) |
| ■ شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی (م 1253ھ) | ■ مفتی محمد یوسف سہالوی (م 1286ھ) |
| ■ شیخ حافظ محمد عابد سندھی (م 1257ھ) | ■ مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری (م 1296ھ) |
| ■ قاضی عبدالسلام بدایونی (م 1257ھ) | ■ مولانا محمد قاسم نانوتوی (م 1297ھ) |
| ■ حافظ محمد احسن معروف بہ حافظ دراز خوشابی (م 1263ھ) | ■ مولوی احمد علی محدث سہارن پوری (م 1297ھ) |

فیض روحانی:

ایک چشمہ فیض تو استاذ الکل کے وہ علمی اور تعلیمی درس تھے جو لاہور اور بگہ شریف میں تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کر رہے تھے۔ دوسرا چشمہ فیض و برکت آپ کی وہ روحانی توجہ تھی جس سے ہزاروں بندگان خدا بدی اور گمراہی کی راہ ترک کر کے نیکی اور ہدایت کی طرف آئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا اتنا اثر تھا کہ لاہور سے بگہ شریف کی طرف روانگی کی خبر صد ہا کوس تک پھیل جاتی۔ راستے کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں پتہ چل جاتا کہ بڑے مولوی صاحب بگہ والے سفر پر روانہ ہونے والے ہیں۔ چنانچہ راستے کے تمام علاقوں میں ویران مساجد آباد ہو جاتیں اور دارے و ڈیرے سنسان ہو جاتے۔ حقے توڑ دیے جاتے یا چھپا دیے جاتے تھے اور عام مسلمان ایک عالم دین کے احترام اور رعب میں احکام شرعیہ کی پابندی کرنے لگتے تھے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عقیدت:

فقیر عزیز الدین مرحوم چونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب کا منظور نظر اور معتمد خاص تھا اور حضرت استاذ الکل کا معترف اور معتقد بھی، اس لیے مہاراجہ بھی حضرت کا عقیدت مند بن گیا۔ اس نے بہت بڑی جاگیر پیش کی مگر سلطان ولایت تسلیم و رضائے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ البتہ حضرت کی تعلیمات اور اعلیٰ کردار کے باعث مسلمانوں کے خلاف جابر حکومت کے سکھ عمال کے ظلم و ستم میں ضرور کمی آئی اور ان کے ساتھ عمومی برتاؤ بہتر ہوا۔

اچھوتوں میں تبلیغ اسلام:

ہندو دھرم نے انسانوں کو نسل کی جس تفریق میں بانٹا ہے اس میں سب سے مظلوم، مجبور اور مقہور طبقہ اچھوتوں کا ہے۔ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اس طبقے سے نفرین اور گریزاں تھے۔ یہ رویہ آج عیسائیوں کے خلاف بھی نظر آتا ہے۔ ایسا طرز عمل انسانی اور اسلامی دونوں اقدار کے منافی اور سراسر غلط ہے۔ مسلمان اچھوتوں کو مساوی اور باعزت حقوق دینے سے پس و پیش کرتے تھے۔ مگر آپ کے زبردست دینی اقتدار، روحانی تسلط اور علمی و جاہت کے سامنے بڑے بڑے فرعون جاگیرداروں کے سر جھک گئے۔ آپ کے ہاتھ پر ہزاروں اچھوت ہندو مسلمان ہوئے۔ گوجر بار میں ایسے گیت مشہور تھے جن میں چماروں اور اچھوتوں کے مسلمان ہونے اور بگہ شریف کے بزرگوں کی تشریف آوری کا ذکر بڑے فخر سے کیا جاتا تھا۔ اور اس محروم طبقے کو مساوی حقوق ملنے پر تعجب اور مسرت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ (شمس الاسلام مئی 1934ء، ص 10)

روایت ہے کہ ایک بار حضرت استاذ الکلؒ کسی گاؤں میں تشریف لے گئے۔ کھانے کے موقع پر آپ نے نو مسلم اچھوت چماروں کو اپنے پاس بٹھایا اور ساتھ کھانا کھلایا۔ گاؤں والے سخت حیران ہوئے۔ مخالفین نے آپ کو بھی چمار کا خطاب دے دیا۔ اس مخالفت کے باوجود آپ نے تبلیغ و اصلاح کا کام جاری رکھا اور ہزار ہا لوگ ان مبارک کوششوں سے فیض یاب ہوئے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بیماری:

آخری عمر میں آپ پر جادو کیا گیا جس کی وجہ سے آپ کو فالج ہو گیا تھا۔ اعضا مسترخ ہو گئے تھے۔ 1262ھ/1846ء میں آپ نے لاہور کی سکونت ترک کر دی اور بگہ تشریف لے گئے۔ شمس الاسلام مئی 34ء کے مطابق عمر کے آخری گیارہ سال اور حدائق الحنفیہ کی رو سے تخمیناً تیرہ چودہ سال بیمار رہے۔

دوران بیماری درس کی مصروفیات:

پٹھوں اور جوڑوں کی بیماری میں، نقل و حرکت دشوار ہو جاتی ہے البتہ باقی قوائے عقل و اظہار سلامت رہتے ہیں۔ چنانچہ بیماری کی حالت میں بھی حضرت استاذ الکلؒ اپنے طلباء علوم دینیہ سے جدا نہیں ہوئے۔ وہ طلباء کو برابر پڑھاتے رہے اور ان کے اسباق جاری رہے۔

وصال:

معمولی علالت کے بعد 30 شوال 1273ھ/24 جون 1857ء کو آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے انتقال کی خبر بجلی بن کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ ذرائع نقل و حمل نہ ہونے کے باوجود آپ کے شاگردوں، متوسلین اور معتقدین نے ہزاروں کی تعداد میں دوردراز سے سفر کیا اور نماز جنازہ ادا کی۔

مزار:

آپ موضع بگہ شریف میں واقع خانقاہ گویہ میں دفن کیے گئے۔

اولاد:

آپ کے دو لڑکے حیات تھے۔ مولانا غلام محمد گویہ بومر 18 سال اور مولانا عبدالعزیز گویہ بومر 11 سال۔ وفات سے تین روز پہلے آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا غلام محمد گویہ نے عرض کی:

”فلاں شیخ کہتے ہیں کہ اب بگہ شریف کے خاندان کا خاتمہ ہے۔ اب ان میں کوئی باکمال انسان پیدا نہ ہوگا۔ آپ کی زندگی میں ہی ہمیں نالائق ہونے کے طعنے دیے جا رہے ہیں۔ آپ کے بعد معلوم نہیں ہمارا کیا حال ہوگا؟“

حضرت استاذ الکل بستر مرگ پر یہ باتیں سن کر مسکرائے اور اپنے جلیل القدر صاحبزادے کے قلب پر انگلی رکھ کر فرمایا:

”میرا خدا ہی میری اولاد کا محافظ ہے!“

تاریخ وفات:

خورشید عالم بود

ھ 1273

خاکی و نوری نہاد، بندہٴ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

اقبال

حضرت الاستاذ الاساتذہ

علامہ مفتی قاضی

حافظ احمد الدین بگوئی قدس سرہ العزیز

1217ھ - 1286ھ

1803ء - 1869ء

عکس دستخط و صہبہ نامہ



صالح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرزا گل محمد صاحب نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح میرزا گل محمد صاحب سے کیا ہے۔

میرزا گل محمد صاحب نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح میرزا گل محمد صاحب سے کیا ہے۔

میرزا گل محمد صاحب نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح میرزا گل محمد صاحب سے کیا ہے۔

میرزا گل محمد صاحب نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح میرزا گل محمد صاحب سے کیا ہے۔

میرزا گل محمد صاحب نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح میرزا گل محمد صاحب سے کیا ہے۔

میرزا گل محمد صاحب نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح میرزا گل محمد صاحب سے کیا ہے۔

دو روپے

کوٹہ

کوٹہ

کوٹہ

ولادت:

آپ کی ولادت 1217ھ بمطابق 1803ء بگہ شریف میں ہوئی۔ آپ اپنے بڑے بھائی استاذ الکل سے عمر میں قریباً 14 سال چھوٹے تھے۔

تعلیم و تربیت:

آٹھ سال تک ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا حافظ نور حیات گبوی کے پاس حاصل کی اور مروجہ کتابیں پڑھیں۔ اس دوران حافظ حسن سے قرآن حکیم کے آٹھ پارے بھی حفظ کیے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں تمام مدارس میں درس نظامی پوری طرح رائج ہو چکا تھا۔ اس لیے گمان ہے کہ علامہ نے درس نظامی ہی کی ابتدائی کتب فارسی و عربی پڑھی ہوں گی۔ ان کے اولین اساتذہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مگر یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں اول تو کوئی قابل ذکر درس، لاہور میں بھی موجود نہ تھا جہاں راجہ رنجیت سنگھ پورے حشم اور جلال کے ساتھ حکمران تھا۔ دوم شاہ ولی اللہ کے حلقہ درس و ارشاد کی شہرت عام تھی جن کے مرتبہ و مقام سے برصغیر کے اہل علم بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ علامہ کے والد گرامی مولانا نور حیات گبوی نے انہیں بڑے بھائی کے ساتھ دہلی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

سفر دہلی:

1225ھ/1810ء میں دونوں بھائی دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ علامہ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ دسواں پارہ حفظ کر رہے تھے۔ دوران سفر تحصیل علم کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ابتدائی کتابیں علامہ نے حضرت استاذ الکل سے پڑھیں اور دہلی پہنچنے تک قرآن حکیم بھی پورا حفظ کر لیا۔

اسلامی تاریخ اپنے اکابر علماء اور مشائخ کے سفروں سے بھری پڑی ہے جو انہوں نے حصول علم اور تزکیہ نفس کے لیے اختیار کیے۔ دہلی کا یہ سفر کوئی آسان کام نہ تھا۔ راہ پر خطر، راستے پر فتن، ویران اور کچے، منزلیں کوسوں دور، زادراہ قلیل، بیماریاں عام، آغاز اور انجام سے بے خبر، نہ کلام نہ پیام، ہمراہی اجنبی، علاقے نامانوس، موسمی تغیرات، راہ میں حائل دریا اور نالے۔ غرض منزل تک پہنچنے کے لیے بڑا دل گردہ درکار تھا۔ آج یہ تصور بھی محال ہے کہ کیسے ایک عالم باپ اپنا سرمایہ حیات دو بچے اور ان میں سے بھی ایک محض گل نوخیز، صرف اللہ کا دین سیکھنے کے لیے سینکڑوں کوس کی اجنبی مسافت پر روانہ کر دیتا ہے۔ جہاں سے مہینوں میں ہی کوئی خبر آ سکتی ہے اگر خوش قسمتی سے ایسا موقع مل جائے ان سعادت مند بیٹوں پر بھی حیرت ہوتی ہے جو باپ کی خواہش پر ہاتھوں میں ہاتھ تھامے، گھر بار چھوڑ کر ایک ایسے

نادیدہ اور پرخطر سفر پر روانہ ہوتے ہیں جس کا اگلا دروازہ خدا کی ابدی بادشاہی میں جا کھلتا ہے۔
درس شاہ عبدالعزیز دہلوی:

تاریخ خاموش ہے کہ دہلی کے خانوادہ ولی الہی کی وہ شمع علم جہاں برصغیر ہند کے کونے کونے سے طلب علم کے پروانے کشاں کشاں چلے آ رہے تھے اس دارالعلوم یا یونیورسٹی کا نام کیا تھا۔ اپنے بھائی کے ساتھ علامہ نے یہاں بارہ چودہ سال کسب علم کیا اور علوم معقول و منقول کی متفرق کتابیں مختلف علماء سے پڑھیں۔ گماں ہے کہ درجہ وسطیٰ اور اولیٰ کی سب کتابیں ایک درس یا ایک استاد سے نہ پڑھی ہوں گی بلکہ مسلم تعلیمی روایت کے مطابق ہر فن کے ماہر اساتذہ سے ہی کسب فیض کیا ہوگا۔ ان اساتذہ اور ان کے دروس کے نام اب نامعلوم ہیں۔
دورہ علم الحدیث:

آپ نے علم حدیث مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی (1782-1846ء) نبیرہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل کیا اور دستار فضیلت سر پر باندھی۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ عربی تصنیف نزہۃ الخواطر (تس 46-47) جلد 4، مطبوعہ 1979ء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (انڈیا) میں لکھتے ہیں:

۷۶. مولانا أحمد الدین البگوی

”الشیخ الفاضل احمد الدین بن نور حیات بن محمد سفارش الحنفی البگوی احد العلماء المبرزین فی الفقه والحديث، قرأ الكتب الدراسية علی صنوه محی الدین و علی غیرہ من العلماء، ثم اسند الحديث عن الشیخ اسحاق ابن افضل الدهلوی سبط الشیخ عبدالعزیز، و اقام بدھلی اربع عشرة سنة مجدا فی البحث والاشتغال، حتی یرع فی کثیر من العلوم والفنون، ثم رجع الی ”بنجاب“ و تصدربها للدرس والافادة، اخذ عنه خلق کثیر، و کان شدید التبع، یحیی اللیل بالذکر والمراقبة.“

لہ حاشیہ علی شرح الجامی و حاشیہ علی الخیالی، ولہ غیر ذلک من المصنفات طارت بہا العنقاء، مات لیلۃ الاحد لثلاث عشرة خلون من شوال سنة ست و ثمانین ز عاتین و الف، كما فی ’حدائق الحنفیة‘.

(شیخ الفاضل مولانا احمد الدین بن نور حیات بن محمد سفارش الحنفی البگوی فقہ اور حدیث کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ درسی کتابیں اپنے بھائی مولانا غلام محی الدین بگوی اور دیگر علماء سے پڑھیں۔ پھر حدیث کی سند الشیخ شاہ محمد اسحاق دہلوی نبیرہ شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل کی اور دہلی میں 14 سال قیام کر کے مختلف علوم و

فنون سیکھے۔ پھر پنجاب لوٹ کر افادہ عام کے لیے درس دیئے۔ جس سے کثیر مخلوق خدا نے استفادہ کیا۔ بڑے عبادت گزار، رات کو ذکر کرنے والے اور خدا کو یاد کرنے والے تھے۔ آپ نے حاشیہ شرح جامی، حاشیہ شرح خیالی اور دیگر تصانیف لکھیں جو بعد میں دستیاب نہ ہوئیں۔ وفات 13 شوال 1286ھ)

ہم درس طلبہ کی خدمت:

موجودہ دور میں یہ تصور ناپید ہے کہ کسی تعلیمی ادارے کے سینئر طلبہ اپنے جونیئر ساتھیوں کی تعلیم، صحت اور خوراک کا خیال رکھیں۔ کوئی ساتھی ضرورت مند ہو تو اپنے محدود وسائل سے اس کی مدد کریں۔ علامہ گبوی دوران تعلیم اپنے سے جونیئر طلبہ کو نہ صرف اسباق دیتے تھے بلکہ تیاری کرنے اور سبق یاد کرنے میں بھی مدد دیا کرتے تھے۔

بیعت و ارشاد:

آپ نے سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ میں مجدد مائیتہ الثالث عشر حضرت مولانا شاہ غلام علی دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کئی سال دہلی میں رہ کر سلوک حاصل کیا۔ ریاضت اور مجاہدہ میں درجہ کمال تھا۔ رات کو کئی دفعہ بیدار ہوتے اور اکثر وقت مراقبہ میں گزارتے اور ہمیشہ ذکر الہی میں مصروف رہتے۔ (بحوالہ مقدمہ انوار الباری شرح صحیح بخاری جلد 2 ص: 211- سیریل نمبر 415) مستجاب الدعوات اور مقبول درگاہ الہی ایسے تھے کہ جو زبان سے فرماتے وہی منظور خدا ہوتا۔ اپنے شیخ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے ارشاد کی تعمیل میں علوم دینیہ کی اشاعت کو اپنا سب سے بڑا وظیفہ قرار دیا۔ چنانچہ زندگی بھر دن رات یہی آپ کا محبوب شغل رہا۔

طب کی تعلیم:

دہلی میں قیام کے دوران حضرت علامہ گبوی نے طب کی تعلیم حاصل کی۔ دہلی کے ممتاز اور مشہور حکیم سے طبی کتابیں پڑھیں اور ان کے مطب پر دو سازی بھی سیکھی۔ وطن لوٹ کر یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے اپنی طبی مہارت کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا مگر اتنا ضرور ریکارڈ پر ہے کہ آپ نے وقت کے جید طبیب تیار کیے اور آپ کے طلباء اور رفقاء کے کار آپ کے فن طب سے ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہے۔

درس و تدریس:

1828ء میں دہلی سے لوٹ کر دونوں محدث گبوی برادران نے پنجاب میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ علامہ گبوی نے اپنی عمر کا اکثر حصہ حضرت استاذ الکل کے ہمراہ لاہور اور بگہ شریف میں گزارا۔ دونوں جگہ علوم معقول اور منقول کے مدارس تھے جہاں دور دراز سے طلبہ پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ فتاویٰ اور دینی امور میں رہنمائی کے

لیے ملک بھر کے علماء رجوع کرتے اور اپنے مسائل حل کرواتے تھے۔ **حداائق الحنفیہ** مصنفہ مولوی فقیر محمد جہلمی مرتبہ خورشید احمد خان ایم اے مطبوعہ مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ اردو بازار لاہور (ص 5-504) میں مذکور ہے:

”علامہ بگویی، فاضل اجل، عالم اکمل، فقیہ، محدث، جامع کمالات ظاہری و باطنی، صاحب ریاضت و مجاہدات تھے۔ آپ بھی مثل اپنے بھائی مرحوم کے اکثر لاہور میں رہتے تھے اور درس دیتے تھے۔ اور یہ دستور کیا ہوا تھا کہ جب چھ ماہ آپ لاہور میں رہتے تو آپ کے بڑے بھائی بگہ تشریف لے جاتے اور جب وہ لاہور میں آتے تو آپ بگہ (بوگا) میں تشریف فرما ہو جاتے۔“

طلبہ کی خدمت:

حضرت علامہ بگویی اپنے طلبہ کے لیے بڑے شفیق اور رحیم تھے۔ آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ ان کے اسباق کا کبھی ناغہ نہ ہونے پائے۔ اپنے بار بار کے اسفار، علالت اور دیگر مصروفیات کے باوجود طلبہ کے اسباق ہوتے رہیں۔ چونکہ خود فاضل اور مستند حکیم تھے اس لیے طلبہ کے علاج معالجے پر خود توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب **پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت میں حدائق الحنفیہ** کے حوالے سے رقمطراز ہیں:-

”مولانا احمد الدین بگویی حالت صحت و بیماری میں طالب علموں کو سبق پڑھاتے تھے۔ طالب علموں میں اگر کوئی بیمار پڑ جاتا تو اپنے ہاتھ سے دوا تیار کر کے دیتے۔“ (ج 2، ص 11-310)

اشاعت علم:

مولوی فقیر محمد جہلمی مزید لکھتے ہیں:-

”غرض جس قدر انتشار علم معقول و منقول (متحدہ) پنجاب میں ان ہر دو بھائیوں سے ہوا ہے، کسی دوسرے (عالم) سے نہیں ہوا۔ ہزار ہا آدمی صرف بھائی سے لے کر (دورہ حدیث تک) ان سے فارغ التحصیل اور فیض یاب ہوئے۔ گویا پنجاب میں کوئی صاحب علم ان کی شاگردی سے بے بہرہ نہ ہوگا۔ کوئی بالذات (اور) کوئی بالواسطہ ان کے تلامذہ میں منتسب ہوگا۔“

(مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی، ج 2، ص 17)

حقیقت یہ ہے کہ دہلی میں ولی اللہی چشمہ فیض و برکت اٹھارویں صدی کے اوائل سے جاری تھا جہاں علم حدیث کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں محدث بگویی برادران دامن پھیلائے ہوئے گئے اور جھولیاں سمیٹ کر لوٹے۔ پنجاب میں انہوں نے پہلے بگہ شریف اور پھر لاہور کو اشاعت علم حدیث اور دیگر علوم

کام مرکز بنایا۔ سب سے آخر میں بھیرہ کو رونق بخشی۔ یوں تین مقامات سے درس و تدریس اور افتاء و قضا کا کام شروع ہوا۔ پنجاب اور نواحی صوبہ جات سے علم کے متلاشی آنے لگے جو نہ صرف علم حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ کی طرح اس کی اشاعت اور خدمت کے لیے بھی تیار تھے۔ یہ علماء حضرات سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مستفیض ہوئے اور اس طرح بلا واسطہ اور بالواسطہ تحصیل علم اور اشاعت علم کا سبب بنے۔

مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:-

”بگہ ضلع جہلم (سابقہ) مغربی پاکستان کا قدیم قصبہ ہے۔ جہاں سے علمائے دین کا ایک اولوالعزم خاندان ابھرا جس نے برصغیر پاک و ہند میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا اور اپنی دینی خدمات پر خراج تحسین حاصل کیا۔ سکھ دور میں دین کی شمع کو فروزاں کیا اور عرصہ پچاس سال تک ایشیا کی سب سے بڑی جامع مسجد عالمگیری (لاہور) میں خطابت و امامت پر فائز رہا اور پنجاب و ہند کا شاید ہی کوئی ایسا علمی ادارہ ہو، جہاں اس خاندان کے شاگردوں نے علمی خدمات نہ سرانجام دی ہوں۔“

بگہ شریف میں قیام:

ایک روایت کے مطابق حضرت استاذ الکل کے ہمراہ علامہ نے اپنی لاہور کی مستقل رہائش 1262ھ بمطابق 1846ء عارضی طور پر ترک کر دی اور کچھ عرصے کے لیے بگہ شریف میں سکونت اختیار کر لی۔ لاہور چھوڑنے کی وجہ برادر بزرگ کی علالت تھی۔ بگہ پہنچ کر آپ نے اپنے خاندانی مدرسے کو بھرپور توجہ دی اور اسے مستحکم بنیادوں پر منظم کیا۔ خاص طور پر وہ طلبہ زیادہ مستفیض ہوئے جو طلب علم میں دونوں محدث گبوی برادران کے ساتھ لاہور اور بگہ کے سفر میں ہمراہ رہتے تھے۔

لاہور مراجعت:

کچھ عرصے کے بعد حضرت استاذ الکل کی طبیعت سنبھل سی گئی اور بگہ شریف میں ان کے معمولات زندگی اور درس و تدریس کا کام ایک ڈھب سے رواں ہو گیا۔ ادھر لاہور کے علمی اور دینی حلقوں میں حضرت علامہ گبوی کی ضرورت کا مطالبہ بڑھ گیا۔ چنانچہ دین کی خدمت اور مسلمانوں کی عمومی فلاح کے پیش نظر حضرت استاذ الکل نے بگہ شریف کے درس کا انتظام اپنے ہونہار فرزندوں اور رفقاء کی مدد سے سنبھال لیا اور حضرت علامہ گبوی کو پہلے لاہور اور بعد ازاں بھیرہ شریف کے علمی اور دینی مراکز کے لیے خدمات جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

مسجد نیلا گنبد کا مدرسہ:

نیلا گنبد کے ساتھ ملحقہ مسجد میں ایک دینی مدرسہ قائم تھا جس کے اہتمام و انصرام میں شہر کے معروف سوداگر میاں رحیم بخش بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بعد میں ان کے نام پر وہاں مدرسہ رحیمیہ قائم ہوا۔ نور احمد چشتی مرحوم اپنی کتاب **تحقیقات چشتی** میں علامہ بگویی کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

”اس مسجد میں قریب تیس چالیس طالب علم پڑھتے ہیں۔ 1852ء/1268ھ میں اس مسجد کے امام مولانا احمد الدین صاحب بگہ والے مقرر ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے نائب ملا نور احمد امام مسجد جوانی مقرر ہوا (جولاءور کے موتی بازار میں مسجد جوانی کنجری کا امام ہے) اور میاں رحیم بخش سوداگر مولانا احمد الدین کو اپنے پاس سے ماہواری ارسال کرتا ہے اور تمام خرچ مسجد میاں رحیم بخش سوداگر کرتا ہے۔“ (ص 3-132)

بادشاہی مسجد لاہور:

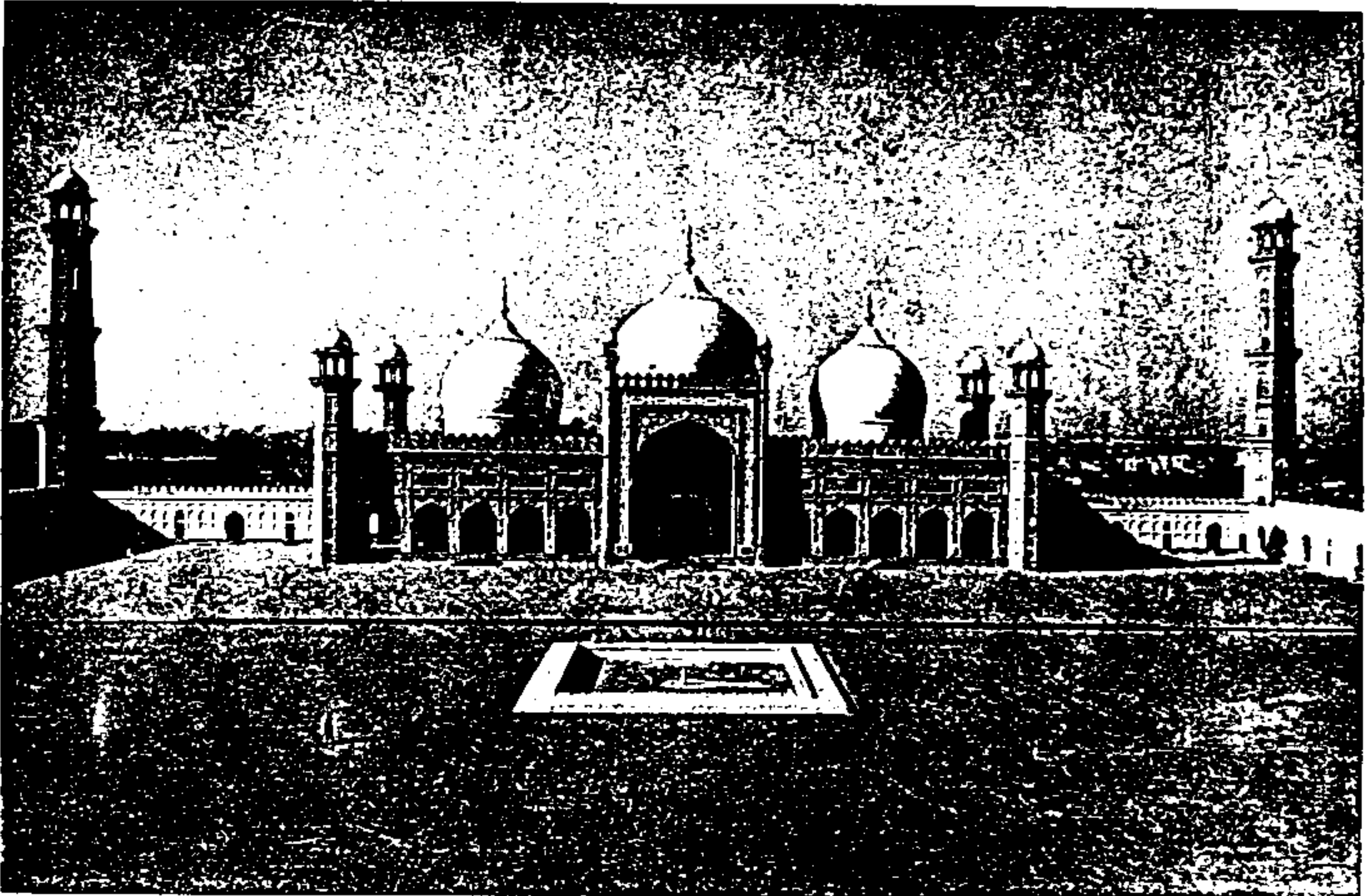
برصغیر پاک و ہند میں لاہور ہمیشہ مسلم تہذیب و ثقافت کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے آج تک اس شہر میں ان گنت مساجد تعمیر ہوئی ہیں جن کا تاریخ میں کوئی شمار ہے اور نہ اشتهال میں کوئی حساب۔ لیکن ہر دور میں اس بات کو شدت سے محسوس کیا گیا ہے کہ یہاں اجتماعی اور تہذیبی حوالے سے ایک بڑی جامع مسجد ہونی چاہیے جو شہر کی نمائندہ مسجد ہو۔ اور عید تہوار کی ضروریات کی بھی کفالت کرے۔ چنانچہ یہ سعادت مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حصے میں آئی جو پہلی مرتبہ 4 جمادی الاول 1073ھ بمطابق 8 دسمبر 1662ء میں لاہور آیا اور 1084ھ/1673ء میں شاہی مسجد لاہور تعمیر ہوئی۔

(تفصیلات کے لیے دیکھئے: **بادشاہی مسجد لاہور**۔ تاریخ فن تعمیر، متعلق علماء از ذاکر محمد عبداللہ چغتائی مطبوعہ 1972ء لاہور)

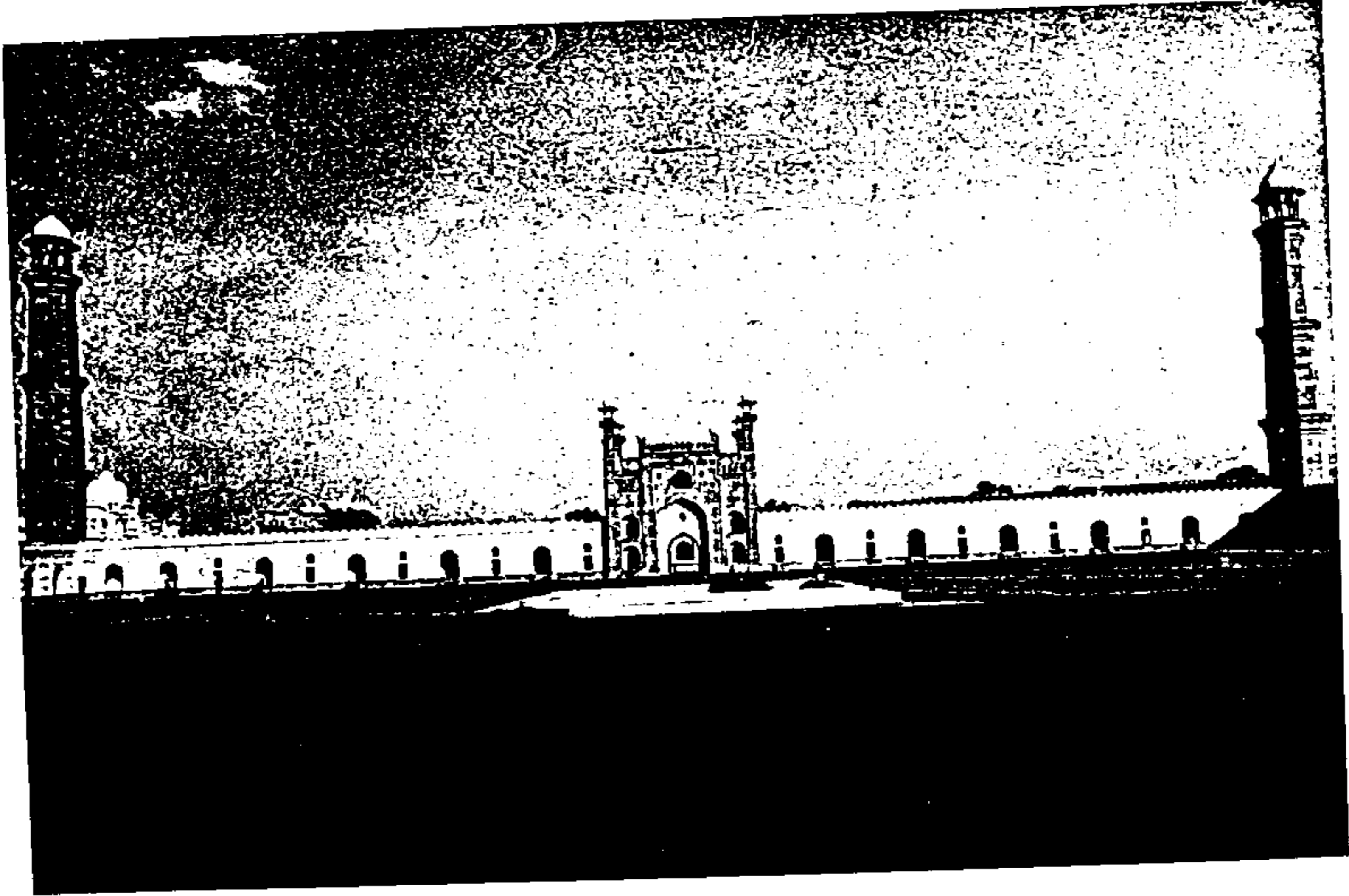
بادشاہی مسجد حکومت برطانیہ کے قبضے میں:

جب پنجاب پر انگریزی قبضہ 29 مارچ 1849ء کو مکمل ہوا تو بادشاہی مسجد بھی قلعہ لاہور کے ساتھ انگریزی مامداری میں آگئی۔ مسجد کی حالت کھنڈر جیسی تھی اور وہاں سکھوں کا گولہ بارود کا سٹور تھا۔ 1852ء میں کیپٹن بلیکر نے منگلوری کمشنر سے درخواست کی جس نے فیکن مہتمم عمارات کے ذریعے مسجد وغیرہ کی مرمت کا حکم دیا۔ 1856ء تک بادشاہی مسجد انگریزوں کے گولہ بارود کا ڈپو رہی۔ انگریزوں کو مسجد کی مرکزی حیثیت اور مسلمانان لاہور پنجاب کی اس سے دلی ارادت و عقیدت کا احساس تھا چنانچہ رعایا کی دلجوئی کے لیے حکومت نے فیصلہ کیا کہ گولہ بارود کا ذخیرہ وہاں سے منتقل کرنے کے بعد مسجد کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔

بادشاہی مسجد لاہور



بادشاہی مسجد لاہور



بادشاہی مسجد کی حوالگی:

ڈپٹی کمشنر لاہور میک گریر نے شہر کے 21 ممتاز مسلمانوں کی فہرست تیار کی جن میں قاضی غلام شاہ کے پسران حکیم سید ولی شاہ اور حکیم سید بزرگ شاہ بھی شامل تھے۔ اس نے تجویز کیا کہ چند بڑے مسلمان رؤسا مسجد کا انتظام سنبھال لیں جو گاہ بگاہ مذہبی تقریبات وغیرہ کا انتظام کریں۔ چنانچہ 11 جون 1856ء/ 1273ھ ڈپٹی کمشنر کی رہائش گاہ پر مسجد کا انتظام سید ولی شاہ اور حکیم سید بزرگ شاہ کے حوالے کر دیا گیا اور دیکھ بھال کے لیے 19۔ اشخاص کی کمیٹی بھی تشکیل دے دی۔ ماہ جولائی 1856ء میں لاہور کے ستر ممتاز بزرگوں نے انگریزی سرکار کو ایک عرضداشت بطور ”شکریہ واگزارى مسجد بادشاہى لاہور برائے نماز عام مسلمانان عالم“ پیش کی۔ غالباً یہی انگریزوں کا اصل مقصود تھا۔

بادشاہی مسجد لاہور کی واگزارى میں علامہ گبوی کا کردار:

اپنے برادر بزرگ حضرت استاد الکل کے ہمراہ 1846ء میں ان کی علالت تک اور اپنی وفات واقع 1869ء/ 1286ھ تک، علامہ گبوی کا لاہور سے مسلسل رابطہ اور تعلق رہا ہے۔ کبھی باقاعدہ اور کبھی گاہ بگاہ۔ ان کے کثرت اسفار کا اشارہ ان کی مشہور تصنیف **دلیل المشرکین** میں بھی ملتا ہے۔ لاہور میں محدث گبوی برادران کا وسیع حلقہ اثر تھا۔ وہ شہر کی چیدہ چیدہ مساجد اور نمایاں مدارس علوم دینیہ کے ساتھ منسلک تھے۔ بادشاہی مسجد لاہور کی واگزارى، لاہور اور پنجاب بھر کے مسلمانوں کا ایک جذباتی اور دینی معاملہ تھا جس سے علامہ گبوی لا تعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ معروف محقق ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی مرحوم، کتاب **بادشاہی مسجد** میں لکھتے ہیں:-

”میرا خیال ہے کہ جب لاہور میں مسجد بادشاہی کی واگزارى کا معاملہ عوام میں تھا اس وقت بحیثیت عالم دین

مولانا احمد الدین نے بھی کردار ادا کیا تھا جو 1856ء میں واگزار ہوئی“۔ (ص 33)

بادشاہی مسجد لاہور کی اولین امامت و خطابت:

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی مرحوم کی تحقیق کے مطابق جب بادشاہی مسجد انگریزی تسلط سے واگزار ہوئی تو اتفاق رائے سے مسلمانوں کے پہلے امام اور خطیب علامہ گبوی ہی مقرر ہوئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”اس لیے قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد الدین گبوی ہی 1856ء سے اس مسجد بادشاہی کے

واگزار ہونے پر باقاعدہ امام بھی بنائے گئے تھے۔ اگرچہ ہمیں کوئی باقاعدہ تحریر اس ضمن میں نہیں ملتی۔ اور

ویسے روایت بھی یہ مشہور ہے کہ آپ نے مسجد بادشاہی کی واگزارى کے لیے کوشش کی تھی۔ حالات سے ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ آپ 1869ء تک مسجد بادشاہی لاہور کے باقاعدہ خطیب تھے۔

جیسا کہ میں نے بحوالہ ”سنان الموحدین لدفع مطاعن الملحدین“ بیان کیا ہے۔ (ص 33)

علامہ حافظ احمد الدین گبوی امام و خطیب مسجد بادشاہی:

ڈاکٹر چغتائی مرحوم نے سارا ریکارڈ دیکھا ہے مگر انہیں 1869ء تک بادشاہی مسجد لاہور کے حوالے سے کسی متعین امام و خطیب کا تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ انہیں اتفاق سے اپنی لائبریری میں ”سنان الموحدین لدفع مطاعن الملحدین“ کے نام سے ایک رسالہ ملتا ہے جس میں ”بدعت فی الدین“ کے خلاف زبردست اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ یہ رسالہ لاہور میں طبع ہوا ہے اور اسے انجمن خادم الاسلام جموں باہتمام منشی سلطان محمود اسٹنٹ سیکرٹری، انجمن برادران اہل حدیث جموں (کشمیر) نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر چغتائی مرحوم لکھتے ہیں

اس رسالہ کے صفحہ 20 پر مندرجہ ذیل عبارت قابل مطالعہ ہے: ”در مختار میں جو حنفی مذہب کا زبردست ستون ہے، لکھا ہے: من قال شیئاً للہ بکفرہ، فاذا کان مختلفاً فیہا فلاحتراز واجب لانہ لم یقل احد من العلماء یكونہ فرضاً او سنۃ او مندوباً بل هو بدعة. فیہ اشراک للہ تعالیٰ فی اثبات علم الغیب لا ولیاء اللہ و ہم برینون عنہ النبی.....“

شیخ پنجاب مولانا احمد الدین صاحب مرحوم گبوی امام مسجد شاہی لاہور بھی وظیفہ شینا اللہ کو مردود اور ناجائز لکھتے ہیں۔

اس اقتباس سے ڈاکٹر چغتائی مرحوم صاف اخذ کرتے ہیں۔

اس متذکرہ بالا اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا احمد الدین گبوی نے کوئی مضمون یا کتاب لکھی تھی۔ (یہ اشارہ علامہ گبوی کی کتاب **دلیل المشرکین** کی طرف بڑا واضح ہے) جس سے اس رسالہ میں استفادہ کیا گیا ہے اور (انہیں) شیخ پنجاب اور مسجد شاہی کا امام بھی لکھا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا تعلق مسجد شاہی سے بالکل ابتدا ہی سے تھا۔ کیونکہ آپ کے بڑے بھائی کا انتقال 1856ء میں (☆) ہوا جو لاہور میں مشہور و معروف عالم دین تھے اور درس بھی دیتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے جب ادھر یہ مسجد مسلمانوں کو برٹش (سرکار) نے حوالے کی تو ضرورت تھی کہ فوراً اس میں احیاء نماز اور علوم دین کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس شہادت سے واضح ہے کہ مولانا احمد الدین گبوی اس مسجد شاہی کے امام (اور خطیب) مقرر ہو گئے تھے۔ (ص 32)

(☆) حضرت استاذ الکل کی وفات کے بعد 1856ء سے 1869ء تک علامہ گبوی بادشاہی مسجد لاہور، مدرسہ بھیرہ اور جامع مسجد بھیرہ کی برابر دیکھ بھال کرتے رہے۔ اس سلسلے میں انہیں بار بار سفر اختیار کرنے پڑتے تھے۔ لاہور میں انہیں مولانا غلام محمد گبوی اور بھیرہ میں مولانا عبدالعزیز گبوی کی اعانت اور خدمت میسر رہی جس سے دونوں جگہوں کی مساجد جامع اور مدارس دیدیہ خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے۔

تصدیق مزید:

یہ بات بالکل درست ہے کہ لاہور کے اسلامی ماحول میں مقامی علماء اور فضلاء کا نمایاں مرتبہ اور مقام رہا ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق مسجد بادشاہی کے معاملات سے تھا۔ چونکہ علامہ گبوی مسجد کی واگزاری سے اس کی آبادی اور ترقی تک کے تمام مراحل سے وابستہ رہے تھے اس لیے 1869ء میں ان کی وفات کے بعد ان کے ہونہار بھتیجے اور نامور عالم دین مولانا غلام محمد گبوی ان کے جانشین ٹھہرے اور اسی سال 1869ء میں مسجد بادشاہی کے امام اور خطیب مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر چغتائی مرحوم لکھتے ہیں:-

”بھیرہ کے قریب مقام بگہ کے علماء اس مسجد سے عہد انگلشیہ سے ضرور وابستہ رہے۔ جب مسجد مسلمانوں کو 1856ء میں واگزار کر دی گئی تو مسجد میں علوم اسلامیہ کے ضمن میں قریب ایک صد روپیہ ماہوار خرچ ہوتا تھا مگر پھر کسی عالم کا نام سے ذکر نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ 1869ء سے باقاعدہ مولانا غلام محمد گبوی اس مسجد کی امامت (اور خطابت) کے فرائض انجام دیتے تھے“۔ (ص 31)

بھیرہ کی سکونت:

انیسویں صدی کے اوائل میں بھیرہ ایک نمایاں قصبہ تھا جہاں کھاتے پیتے ہندو، سکھ اور متوسط اور نچلے طبقے کے مسلمان آباد تھے۔ شیخ، کبوتر برادری زراعت پیشہ رہی ہے اور دین کے ساتھ اسے قریبی لگاؤ رہا ہے۔ رئیس شہر شیخ غلام حسن مرحوم، برادری کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے محلے شیخانوالہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی۔ اور اس کے ساتھ طلباء کی رہائش کے لیے ایک سرائے بھی بنوائی۔ (مسجد کے دروازے پر نصب شدہ پتھر پر سن تعمیر 1860ء درج ہے۔) اس کے لگ بھگ ہی علامہ گبوی بھیرہ میں وارد ہوئے اور چند ہی سال کے بعد شیرشاہی جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر نو کا آغاز ہو گیا۔

شیخ غلام حسن مرحوم، علامہ گبوی کے معتقدین میں سے تھے۔ دین کی خدمت اور اپنی تعمیر کردہ مسجد سرائے کی آباد کاری کے لیے وہ بگہ اور لاہور تشریف لے گئے اور نہایت محبت و اصرار کے بعد علامہ گبوی کو بھیرہ لانے میں کامیاب ہو گئے۔

قیام درس:

آپ نے بھیرہ میں پہنچ کر حلقہ درس و تدریس کا آغاز کیا۔ رفتہ رفتہ ملک بھر سے صد ہا تشنگان علم، جوق در جوق بھیرہ پہنچنے لگے اور یوں اس شہر کو خاص دینی عزت، علمی مرکزیت اور روحانی عظمت حاصل ہو گئی۔

جامع مسجد بھیرہ

بھیرہ شہر کی مرکزی حیثیت یا جہلم کے اس پار جرنیلی سڑک پر واقع ہونے کے سبب، ایک معروف روایت کے مطابق شیر شاہ سوری یا ان کے کسی جانشین نے 1540ء/ 947ھ میں یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ مرکزی عمارت مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے جلد دوم) اندرون مسجد اور محراب کی کرسی سطح زمین سے کافی بلند تھی جو رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی ہے۔ موسم اور عدم توجہ کی بنا پر مسجد کے تینوں گنبدوں میں سے اطراف کے شکستہ ہو چکے تھے۔ دیواریں ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ صحن میں جا بجا گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ مولانا ظہور احمد بگویی تذکرہ مشائخ بگوییہ میں لکھتے ہیں:-

”انقلاب حوادث، امتداد زمانہ اور کفار کے غلبہ و استیلا کی وجہ سے مسجد کھنڈرات کا ڈھیر ہو گئی تھی۔ سکھوں نے اپنے عہد میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور (عالی شان) مسجد کی بجائے خوفناک ویرانہ میں چند قبروں، ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور ایک پرانے کنویں کے سوا اور کوئی آثار باقی نہ رہے تھے“۔ (ص 13)

خانہ خدا کی بحالی کا اعزاز:

چونکہ جامع مسجد شہر سے باہر واقع تھی اور شہر ایک بیضوی فصیل کے اندر، پھر کھنڈرات کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت مفقود تھی۔ اس دوران پنجاب کے مشہور واعظ اور عالم دین مولانا غلام رسول ساکن قلعہ مہمان سنگھ بھیرہ تشریف لائے۔ وہ محدث بگویی برادران کے شاگرد بھی تھے اور مصنف کتب کثیرہ۔ تذکرہ مشائخ بگوییہ میں تحریر ہے:-

”ان کا وعظ سننے کے لیے ہزار ہا آدمی جمع ہوئے۔ دوران وعظ کسی شخص نے حاضرین کو مسجد کے کھنڈرات کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا غلام رسول نے کہا کہ اس مسجد کی تعمیر قسم ازل نے حضرت الاستاذ علامہ احمد الدین بگویی کی قسمت میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ سعادت ان کے حصہ میں آئے گی“۔ (ص 13)

بشارت:

بندوں سے کام لینے کے لیے اللہ کے اپنے انداز ہیں۔ اس سعادت کی تقریب کچھ اس طرح ہوئی۔ 1859ء/ 1276ھ کی ایک شام علامہ بگویی اپنے شاگردوں کے ہمراہ سیر کی غرض سے نکلے۔ یہ محض حسن اتفاق تھا کہ درویشوں کی جماعت، مسجد کے کھنڈرات میں جانکی۔ شہر سے دور ویرانے میں خانہ خدا کا یہ حشر ہیبت ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ اچانک ایک مجذوب نے ظاہر ہو کر مسجد کی تعمیر کے لیے دست بستہ درخواست کی۔ علامہ درخواست سن کر خاموش رہے۔ گھر لوٹے اور رات کو استخارہ کیا۔ خواب میں سرور عالم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ کو مسجد کی تعمیر کرنے کا ارشاد ہوا۔

جامع مسجد بہیرہ



جامع مسجد بھیرہ



جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر کا آغاز:

ایک قدیم اور تاریخی عمارت کے انتہائی شکستہ کھنڈرات کی تعمیر نو، آج کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے پیمانوں کے مطابق کثیر انسانی، مالی اور موادی وسائل اور بڑی لمبی چوڑی پلاننگ کی متقاضی ہے۔ آپ دیکھئے کہ لاہور اور پنجاب کی سینکڑوں تاریخی عمارات اور اہم مقامات محض وسائل اور منصوبہ بندی کے فقدان کے سبب صفحہ ہستی سے نابود ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر علامہ بگویی کے پاس صرف جذبہ صادق، للہیت اور بشارت نبویہ صلوٰۃ اللہ علیہ کا سرمایہ تھا کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

اگلے روز صبح سویرے آپ مسجد کے کھنڈرات پر تشریف لے گئے۔ آپ نے دو رکعت نفل ادا کیے اور اپنے رب سے نصرت و استعانت کی درخواست کی۔ پھر اینٹوں کا گٹھاسر پر رکھ کر بلند آواز سے پڑھا:

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

بس یہی نکتہ آغاز تھا۔ آپ کے شاگردوں نے کدالیں لے کر اور ہاتھوں سے صحن مسجد کی صفائی کا کام شروع کر دیا اور یوں انتہائی بے سروسامانی میں ایک عظیم پراجیکٹ کا آغاز ہو گیا۔

اہل بھیرہ کی امداد و اعانت:

تعمیر مسجد، گویا چیونٹی اور پہاڑ والا معاملہ تھا۔ ظاہر بین اور دنیا داروں کے لیے یہ کام عقل اور ہوش کے منافی اور منصوبہ بندی کے خلاف تھا۔ پہلے تو کچھ لوگ علامہ جیسے فقیر بے نوا کی جرأت و ہمت اور بلند خیالی دیکھ کر مسکرائے مگر استقامت اور عزیمت دیکھ کر چند ہی دنوں میں زندہ دل شہر کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی خدمات پیش کر دیں۔ صاحب تذکرہ مشائخ بگویی لکھتے ہیں:

”شہر کے تمام مرد و زن (رضا کارانہ) کام کے لیے نکل آئے۔ عورتوں اور بچوں نے بھی مردوں کا ہاتھ بنایا۔ شہر کے ہندو مردوں اور عورتوں نے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ (چنانچہ) تعمیر کا کام عظیم الشان پیمانہ پر شروع ہوا۔ شہر کی برقع پوش مستورات رات کو کام کرتی تھیں۔ اینٹیں ڈھونا اور گارا کے لیے پانی مہیا کرنا ان کے ذمہ تھا۔ دن کے وقت صد ہا اشخاص (رضا کارانہ) کام کرتے تھے۔“ (ص 14)

مخالفانہ رپورٹیں:

حق و باطل اور خیر و شر کا مقابلہ تو ایک ازلی صداقت ہے جو اہل حق کو ہر دور میں درپیش رہا ہے۔ تعمیر مسجد

کے عظیم الشان کام کو کامیاب ہوتا دیکھ کر بعض حاسدین شہر نے ارباب حکومت کو جھوٹی رپورٹیں ارسال کیں جیسے بھیرہ میں کوئی حکومت مخالف سرگرمی جاری ہے۔ انگریزوں کو پنجاب فتح کیے ہوئے صرف دس سال گزرے تھے اور 1857ء کی جنگ آزادی کو ختم ہوئے محض دو سال ہوئے تھے۔ انگریز اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم بنا رہے تھے۔ چنانچہ جب انگریزی سلطنت کے کارپردازوں کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بھیرہ میں قلعہ تعمیر ہو رہا ہے اور وہاں علامہ بگویی اپنے وسیع اثر سے کام لے کر انگریزوں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو سرکاری مشینری فوراً حرکت میں آئی۔ تحقیقات ہوئی اور ایک انگریز فوجی آفیسر بھیرہ میں مسجد کی زیر تعمیر عمارت کا معائنہ کرنے کے لیے آیا۔ **تذکرہ مشائخ بگوییہ** میں تحریر ہے:

”اس (انگریز فوجی آفیسر) نے ایک سادہ مزاج، سادہ لباس درویش کو ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت الاستاذ ایک تہ بند باندھے ہوئے تھے۔ بدن پر کرتہ بھی نہ تھا۔ سر پر ململ کی ٹوپی (تھی) اور (تعمیر کا کام کرتے ہوئے) صد ہا طلبہ کو حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اور درس کی حالت میں سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر اینٹ اور گارے کی ٹوکریوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مزدوروں کے حوالے کر رہے تھے انگریز فوجی آفسر یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دریافت کیا:

”اس مسجد کو کون بنا رہا ہے؟“

”فقیر بنوار ہے۔“

حضرت الاستاذ نے ارشاد فرمایا۔ فوجی آفسر نے غور سے دیکھ کر کہا:

”فقیر نہیں بلکہ وہ شخص بنوار ہے جس کے عزم و حوصلہ کے سامنے شیر شاہ سوری جیسے جلیل القدر

بادشاہوں کی کوئی ہستی نہیں ہو سکتی۔“ (ص 14)

موقع دیکھنے اور علامہ بگویی سے بات چیت کرنے سے انگریز آفسر مطمئن ہو گیا۔ چنانچہ تعمیر مسجد کا کام پوری

لگن اور عقیدت کے ساتھ جاری رہا۔

وسائل تعمیر:

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جب بھیرہ میں اللہ کا یہ گھر دوبارہ تعمیر ہو رہا تھا تو حضرت علامہ بگویی کے پاس کوئی اثاثہ موجود تھا نہ مسجد کے پاس کسی قسم کا مستقل ذریعہ آمدن۔ علامہ کے پاس فقط ان کا اور ان کے شاگردوں اور مسلمانوں کا اخلاص تھا اور سب کی مسلسل محنت و خدمت کا سرمایہ۔ چنانچہ اللہ کے توکل پر اور اصحاب خیر و فلاح کے تعاون اور ان کی توجہ سے یہ منصوبہ آگے بڑھتا رہا اور غیب سے تائید ربانی حاصل ہوتی رہی۔

ایک اور حملہ:

شیطان ایک شکست سے مایوس نہیں ہوتا۔ وہ پینترے بدل بدل کر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ انگریز کے لیے وہابی ایک خطرے کی علامت تھی کہ تو حید خالص ہی مومن کا اصل اثنا ثیہ اور ہتھیار ہے۔ چنانچہ حاسدین نے حضرت علامہ گوی کو وہابی مشہور کر دیا اور انگریزوں اور عوام کو باور کرانے کی کوشش کی کہ جامع مسجد نہیں، بلکہ وہاب گڑھ تعمیر ہو رہا ہے۔ اس پر اپوگنڈے کی طرف مراۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی) مصنفہ سید محمد سعید زنجانی چشتی (1885ء) میں بھی اشارہ موجود ہے۔ مگر مخالفین کی یہ تمام کوششیں نامراد ہوئیں اور بقول **تذکرہ مشائخ بگویہ:**

”حکومت کو ورغلانے میں ناکام رہ کر حاسدین نے حضرت الاستاذ گوی وہابی مشہور کر دیا اور جامع مسجد کو وہاب گڑھ کے نام سے موسوم کرتے رہے۔ مگر ان کی یہ تمام کوششیں ان کی بربادی کا باعث بنیں اور جملہ حاسدین تباہ و برباد ہو گئے اور ان کے خاندانوں کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ“۔ (ص 14)

تعمیر مسجد کی تکمیل:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، مسجد کی تعمیر بہت بڑا منصوبہ تھا اور سہم و سائل کی بنا پر قریباً ناممکن الحصول۔ مگر علامہ گوی، ان کے کثیر مقامی اور بیرونی شاگردوں اور اہالیان بھیرہ کی مسلسل محنت اور کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور آٹھ سال کے عرصہ میں 1867ء/1284ھ تک جامع مسجد بھیرہ کی عظیم الشان عمارت بن کر تیار ہو گئی۔

تعمیر ثانی کے قریباً 35 سال بعد مولانا محمد سعید نے یہ تاریخی نظم موزوں کی:

شیر شاہی جامع مسجد بگویہ بھیرہ

بنا کردہ حضرت علامہ مفتی احمد الدین گوی رحمۃ اللہ علیہ

مسجدے جامع کہ سابق بود چوں بیت الحرم	کافرانش کرد لیکن از خصومت منہدم
گنبد و اطراف دیوارش چناں برہم زدند	کز بنائے آں سرائے حق نما ندہ جز رسم
مفتی العلام، ہادی مقضی الاحکام شرع	مولوی صاحب کہ بگہ ہست جائش از قدم
آں وصی دین احمد چونکہ دید این ماجرا	چوں خلیل اللہ بنائے ساخت آں عالی ہم
شد بچندیں مدت از یمینیش مرتب این سرا	فی سبیل اللہ عمارت کرد آں صاحب کرم
پس ز تارتنش تفحص کرد عالم از خرد	گفت زود از طبع کج گو ثانی بیت الحرم

1277ھ

جناب مولانا محمد سعید زین پوری

اضافی حصے اور رہائش:

اب یہ تو معلوم نہیں ہے کہ 1867ء میں 3 بڑے گنبدوں کے علاوہ مسجد میں مزید کون سے اضافی حصے تعمیر ہوئے تھے؟ کیا طلبہ کی رہائش کے لیے دارالاقامہ بن گیا تھا یا وہ بدستور محلہ شیخا نوالہ کی سرائے میں قیام پذیر رہے؟ نمازیوں کی سہولت کے لیے کنویں کے علاوہ کیا کچھ تعمیر کیا گیا؟ ایک بات البتہ واضح ہے کہ حضرت علامہ گکوئی نے شہر میں ایک تعمیر شدہ مکان خریدا اور اپنی وفات تک اسی میں رہائش رکھی۔ جامع مسجد یا اس کے نواح میں منتقل نہیں ہوئے۔ علامہ گکوئی کے ذاتی خرید کردہ مکان کا اپنی اہلیہ محترمہ کے نام ہبہ نامہ مورخہ 28 شوال 1284ھ / 22 فروری 1868ء کی نقل شامل کتاب ہے۔

درس و تدریس کا سلسلہ:

آخرچہ تعمیر مسجد کے دوران بھی تعلیم و تدریس کا کام جاری رہا مگر مدرسہ اور اس کے لوازمات ضروریہ، بدستور مسجد محلہ شیخا نوالہ بھیرہ میں موجود رہے۔ تعمیر مکمل ہو چکنے کے بعد حضرت علامہ گکوئی نے جامع مسجد بھیرہ میں درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ قائم کر دیا۔

شادی:

آپ کی شادی محترمہ بہشت بی بنت میاں احمد الدین مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ ان کے لطن سے آپ کے دو صاحبزادے ہوئے۔ دونوں ہی صغریٰ میں انتقال کر گئے تھے۔ ایک صاحبزادے کا مزار حلال پور میں ہے اور دوسرے کا بھیرہ میں۔

درس نسواں:

خاندانی روایات اور آثار سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ گکوئی کی اہلیہ محترمہ پڑھی لکھی اور عالم دین خاتون تھیں۔ آپ نے اپنی وفات سے 2 سال قبل اپنا ذاتی مکان ان کے نام ہبہ کر دیا۔ تحریر میں جو اثاثہ ورثے میں انہیں منتقل ہوا ہے اس میں درج ذیل کتابیں بھی مندرج ہیں:-

”مشکوٰۃ شریف - ترمذی - دو جلد بیضاوی - دو جلد الواع شریف - شرح الباب - عبدالحق - امرائے عالمگیری ناقص - اوراق چند غیر معدودہ“

صاف ظاہر ہے کہ یہ کتابیں اعلیٰ پائے کا نادر ورثہ تھا جنہیں علامہ بگوئی نے اپنی عالم و فاضل اہلیہ کو منتقل کیا۔ مرحومہ نے محلہ معماراں بھیرہ میں اپنی رہائش گاہ پر خواتین کے لیے غالباً 1865ء میں درس کا آغاز کیا۔ شہر کی کثیر خواتین اس حلقے میں شریک ہوئیں اور قرآن حکیم کی تعلیم اور علوم دینی سے فیض یاب ہوئیں۔ چنانچہ بھیرہ کے حلقہ خواتین میں پہلے درس قرآن کا شرف خاندان بگوئیہ میں اہلیہ علامہ بگوئی کو جاتا ہے۔

تلامذہ:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے علامہ بگوئی نے لاہور، بگہ شریف اور بھیرہ کی مساجد میں علمی مراکز اور دینی مدارس قائم کیے جہاں کم و بیش 45 سال کی درس و تدریس میں ہزاروں طلبہ مستفیض ہوئے۔ یہ طلبہ کسی ایک علاقے یا شہر کے نہ ہوتے تھے بلکہ یہ تشنگان علم برصغیر ہند، بنگال، برما، افغانستان اور دیگر دور دراز علاقوں سے آتے تھے اور اسلامی فنون کے ماہرین سے کسب فیض کرتے تھے۔ نامکمل ریکارڈ کے سبب ان ہدایت یافتہ ستاروں کا شمار ناممکن ہے۔ تاہم جو چند نام دستیاب ہو سکے ہیں، وہ یہ ہیں:-

مولانا غلام رسول ساکن قلعہ میہاں سنگھ۔ مولانا نور الدین چکوڑی شریف۔ مولانا زین العابدین چنیوٹی۔ مولوی حکیم نور الدین قادیانی۔ حکیم مولوی اللہ دین شیخ پوری۔ حکیم مولوی فضل احمد۔ حکیم میاں شیخ احمد راولپنڈی۔ حکیم مولوی تاج محمود ہزاروی۔ مولانا محمد بخش حلال پوری۔ مولانا سلطان احمد کٹھیالہ شیخاں۔ منظر اسلام مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری۔ مولوی کرم الہی بھیروی۔ مولانا غلام علی قصوری۔ مولانا غلام قادر بھیروی لاہوری۔ مولانا غلام محمد بگوئی۔ مولانا عبدالعزیز بگوئی۔

تصانیف:

علامہ بگوئی بنیادی طور پر محقق، مدرس، معلم اور مصنف تھے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور عظمت رفتہ کے احیاء کے لیے دو چیزیں ان کی زندگی میں بہت ممتاز نظر آتی ہیں۔

ا۔ مساجد کی آبادی بطور اسلامی علوم کے مراکز

ب۔ اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت۔

چنانچہ لاہور اور بھیرہ کی بادشاہی مساجد کی وائزاری اور آبادی کے ساتھ آپ نے وہاں دینی اور اسلامی

علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ تیز رفتار ذرائع نقل و حمل کے فقدان کے باوجود علامہ بگویی لاہور، بگہ شریف اور بھیرہ کے مراکز کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہے۔ ان تمام مصروفیات اور اسفار کے باوجود جو وقت بچ سکا، علامہ نے اسے مطالعے اور تحریر و تصنیف کی نظر کیا۔

مولوی فقیر محمد جہلمی **حدائقہ الحنفیہ** میں لکھتے ہیں:-

”آپ نے تصنیفات بہت کیں مگر (عدم الفرستی کے سبب) نظر ثانی تک نوبت نہ پہنچی کہ لوگ لے گئے۔“

(ص 504)

آپ کی اکثر تصانیف نایاب ہیں۔ چند کتابوں کے نام اور فن یہ ہیں:-

دلیل المشرکین (عقائد)۔ ضیاء الصرف شرح صرف میر (صرف)۔

احمدیہ حاشیہ ملا جامی (فقہ)۔ احمدیہ حاشیہ خیالی (کلام)۔ احمدیہ حاشیہ

مطول (معانی)۔ رسالہ در مسئلہ غنا (عبادات)۔

احمدیہ حاشیہ خیالی:

عزیز یہ کتب خانہ بھیرہ میں ایک قلمی نسخہ موجود ہے اور اصل کتاب کی نقل ہے۔ کاتب کا نام موجود نہیں ہے۔ کتاب کے پہلے صفحے پر مصنف کا نام یوں تحریر ہے:

”العبد الضعیف المسکین احمد الدین بن حافظ نور حیات غفر اللہ له ولوالدیه“۔

علامہ بگویی کی تصنیف، خیالی از علامہ سعد الملتہ والدین کی شرح اور حواشی ہیں۔ کتاب دیمک زدہ ہے اور اس پر کہیں سن تصنیف یا سن کتابت مندرج نہیں ہے۔ کتاب 54 صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر 19 سطریں اور ہر سطر میں اوسطاً 19/20 لفظ ہیں۔ کتاب عربی زبان میں ہے۔ تحریر درمیانے سائز کے دیسی قلم سے کالی روشنائی سے لکھی گئی ہے۔ علامہ بگویی نے اپنے مزاج کے مطابق کتاب میں کہیں کہیں فارسی اشعار کا استعمال کیا ہے۔ بعض جگہوں پر حاشیے پر اضافی نوٹ بھی ہیں۔ کاغذ موٹا اور بھورے رنگ کا ہے۔

ابھی تک یہ کتاب برصغیر میں کسی جگہ طبع نہیں ہوئی۔

توحید کی حفاظت :

توحید، اسلامی افکار میں بنیادی فلسفہ ہے۔ اس اساس پر اسلامی نظام کی پوری عمارت استوار ہے۔ توحید، خون کی طرح جسم اسلام میں مسلسل رواں دواں ہے۔ اس کے بغیر اسلام، اسلام ہے اور نہ مسلمان، مسلمان۔ جب تک یہ توحیدی فکر سلامت رہتا ہے مسلمان ایک ممتاز قوم اور منفرد جماعت کے طور پر ہر جگہ نمایاں اور تابندہ نظر آتے ہیں۔ زمین و آسمان ان کے مطیع بن جاتے ہیں۔ رحمت خداوندی ان کے لیے اپنی نعمتوں، رحمتوں اور فتوحات کے دروازے ہوتی ہیں۔ وہ قلیل ہو کر بھی کثیر پر غالب رہتے ہیں۔ ان کی تہذیب و تمدن، ان کے علوم و فنون اور ان کی تحقیق و جستجو، دوسروں کے لیے رہ نما بن جاتی ہے۔ غرض مسلمانوں کی سر بلندی، برتری اور ترقی و کمال کی کلید فلسفہ توحید میں مندرج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے افتر اور انتشار، انحلال اور شکست کے دور میں جب بھی کسی مصلح نے اصلاح انہوں نے کیے پوشش کی تو اس نے سب سے پہلے مشرکانہ عقائد اور کافرانہ طرز زندگی کو نشانہ بنایا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص میں قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے تو یکے بعد دیگرے مختلف بیماریاں اس پر حملہ آور ہو جاتی ہیں۔ معالج ہر بیماری کے الگ الگ تدارک سے پہلے بنیادی وجوہ کا جائزہ لیتا ہے اور جو خرابی باقی تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوتی ہے، پہلے اسے ختم کرنا ہی ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہر مسلم معاشرے میں مجددین، مسیحین اور مجاہدین نے یہی طریقہ علاج اپنایا اور توحید خالص سے اپنے اصلاحی کام کا آغاز کیا۔

دلیل المشرکین کا سن تصنیف :

توحید جیسے اہم اور نازک موضوع پر **دلیل المشرکین** علامہ گبوی کی معرکہ الآراء تصنیف ہے۔ کتاب کی تصنیف کے آغاز کا ذکر تو نہیں ہے۔ البتہ تصنیف کے اختتام کا سن 1259ھ / 1843ء، تحریر ہے۔ تصنیف کا یہ نام اور بھیرہ کے علاوہ معلوم ہوتا ہے سفر میں بھی جاری رہا۔

تصنیف سے فراغت :

کتاب کی تسوید و تالیف سے فراغت، ماہ شعبان 1259ھ بمطابق اگست 1843ء میں بوقت نصف انہار یعنی دوپہر کو مسجد اہلی والہ (محلہ معماراں) بھیرہ میں حاصل ہوئی۔

نازک موضوع :

ہندوستانی علماء، میں عقائد خصوصاً شرک پر بحث و تمجیص ہمیشہ سے ایک نازک معاملہ رہا ہے۔ اکثریت نے اس موضوع پر قلم اٹھانے سے احتراز کیا ہے۔ جنہوں نے یہ بیڑا اٹھایا ہے انہیں کچھ اپنی تحریروں کی تندہی و تیزی کی بنا پر اور پتہ معاندین کی کثرت و وحدت کے سبب شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ علامہ احمد الدین گبوی کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ ان کی کتاب **دلیل المشرکین** کا تقابلی جائزہ بعد میں پیش کیا جائے گا۔

وجہ تصنیف:

”دلیل المشرکین“ کی وجہ تصنیف میں علامہ گوی لکھتے ہیں:-

”حمد و صلوة کے بعد واضح ہو کہ اس دور میں شرک اور اس کی مختلف اقسام، عوام و خواص میں پھیلی ہوئی ہیں (اور اکثر لوگ اس شرک کی بیماری میں مبتلا ہیں) بلکہ اکثر لوگ تو ایسے ہیں کہ ان پر جہالت اور فسق کا ایسا غلبہ و تسلط ہے کہ وہ اس شرک کو جانتے ہی نہیں۔ سوائے لوگوں کے بارے میں کیا کلام کیا جاسکتا ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں کو خدا کی اس سخت گرفت سے ڈرا دیا گیا ہے اور عذاب الیم کی خبر ان کو دے دی گئی ہے۔ البتہ علم والے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس شرک سے بچایا ہے اور اہل شرک سے بھی ان کی حفاظت فرمائی ہے۔“

”مجھ سے جناب جینائی نے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے فرزند اصغر (سیدنا حسینؑ) کے ہم نام ہیں، درخواست کی کہ میں شرک کی بعض انواع و اقسام (کی تفصیل) قرآن مجید اور حدیث شریف سے تحریر کروں۔ پہلے تو میں اس عظیم ذمہ داری سے پہلو تہی کرتا رہا اپنی علمی بے بضاعتی کے سبب، لیکن بالآخر یہ کام مجھے کرنا ہی پڑا۔“

”میں نے اپنی طاقت کے مطابق شرک کی اقسام و انواع بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کے ذریعے ان لوگوں کو فائدہ بہم پہنچائے جن کو نصیحت فائدہ پہنچاتی ہے اور جنہوں نے شرک کے جوئے کو اپنی گردن سے اتار پھینکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابت و رجوع تو محض اس کے فضل اور احسان ہی سے ہو سکتا ہے۔“

کتاب کا نام:

علامہ لکھتے ہیں:-

اور میں نے اس کتاب کا نام **دلیل المشرکین** رکھا ہے یعنی ایک ایسی کتاب جس میں شرک کرنے والوں کے لیے، شرک کے خلاف دلیلیں ہیں۔ قرآن و حدیث کے حوالے اور سلف صالحین کے اقوال و ارشادات کے اقتباسات ہیں تاکہ گم کردہ راہ لوگوں کے لیے رہنمائی حاصل ہو۔

دلیل المشرکین کی اصل غایت:

علامہ، تحصیل علم کے لیے بگہ شریف سے پیادہ پادہلی گئے۔ وہاں 12، 14 برس قیام کے بعد وطن لوٹے۔ انہوں نے آتے جاتے ہوئے سکھ راج میں شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلم معاشرے پر شرک اور لادینی کے گہرے اثرات کو دیکھا۔ دہلی میں مغلیہ سلطنت کے زوال اور مسلم تہذیب و عقائد کی ابتر حالت کا مشاہدہ کیا۔ اس تناظر میں دلیل المشرکین، دراصل مسلم عقائد و افکار کی آئینہ دار اور ان کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ دعا کرتے ہیں:

”میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ **دلیل المشرکین** کو دین حنیف میں خواص و عام کے لیے نافع بنائے اور انہیں (مطالعے کے بعد) حق کی تائید و اعانت، ملت حنیف پر استقامت اور ایمان و یقین کی نعمت اور توفیق عطا فرمائے۔“

علماء سے درخواست:

علامہ بگوئی کو بخوبی اندازہ تھا کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھا رہے ہیں وہ تمام تراہمیت اور فضیلت کے ساتھ کتنا نازک اور حساس ہے۔ توحید کے موضوع پر متعصبانہ اور جانبدارانہ نظر، ایسی بے مقصد بحث اور اختلافی گفتگو کا سبب بن سکتی ہے جس سے تصنیف کی اصل غایت متاثر ہوگی۔ پھر توحید کے نام پر مسلمانوں میں افراط و تفریط اب تک عام ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مخاطب علماء اور فضلاء سے درخواست گزار ہیں:-

دلیل المشرکین کو عدل و انصاف کی نگاہ سے دیکھیں نہ کہ جھگڑا، تعصب اور زیادتی کی نگاہ سے۔ اگر انہیں اس میں کہیں بھول چوک یا غلطی نظر آئے تو رد اور قبول میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے اور اس سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ (کسی ایسی کمی یا کوتاہی سے) آگاہ کریں اور (موضوع کی نزاکت اور اہمیت کے سبب) عفو و عطف اور شفقت سے کام لیں اور (کتاب میں) کمی و کوتاہی کی تلافی، عفو اور درگزر سے کریں۔

علامہ بگوئی کے اشعار:

اختتام کتاب پر علامہ نے اپنے چند عربی اشعار تحریر کیے ہیں جس میں انہوں نے خود کو مخاطب کر کے توحید کے مضمون کو مرکزی جگہ دی ہے:

یا شابالرب العرش عاصی اتدري ما جزاء ذی المعاصی
سعیر للعصاة لها ثبور فویل یوم یوخذ بالنواصی
فان تصبر علی النیران فاعصی والافکن عن العصیان قاصی
و فیما قد کسبت من الخطایا رھنت انفس فاجھد فی الخلاصی

فیا اسفی علی النفس من ذلۃ عظمت

فان الكبائر فی الغفران قد صغرت

(ترجمہ) اے جوان جو رب العرش کی نافرمانی میں مبتلا ہو، کیا تم جانتے ہو کہ نافرمانی کرنے والوں کی سزا کیا ہے؟ ایک دکھتا ہوا جہنم ہے گنہگاروں کے لیے، بڑی تباہی، پس ہلاکت ہے اس روز جب پیشانیوں

تے لوگ پکڑے جائیں گے۔ اگر تم جہنم کی اس آگ کو برداشت کر سکتے ہو تو پھر خدا کی نافرمانی کرتے رہو اور اگر تم جہنم کی سختیوں کو جھیل نہیں سکتے تو پھر نافرمانی سے بچو۔ اور تم نے اپنے نفس کے سبب جو خطائیں اور غلطیاں کئی ہیں اور ان کے عوض اپنے نفس کو گروہ رکھ دیا ہے، اسے چھڑانے کی کوشش کرو۔ افسوس، نفس اور وہی ذات تعنی رسوا کن اور بڑی ہے۔ مگر بڑے گناہ اور خطائیں بھی اللہ کی بخشش اور مہربانی کے سامنے حقیر ہوتے ہیں۔

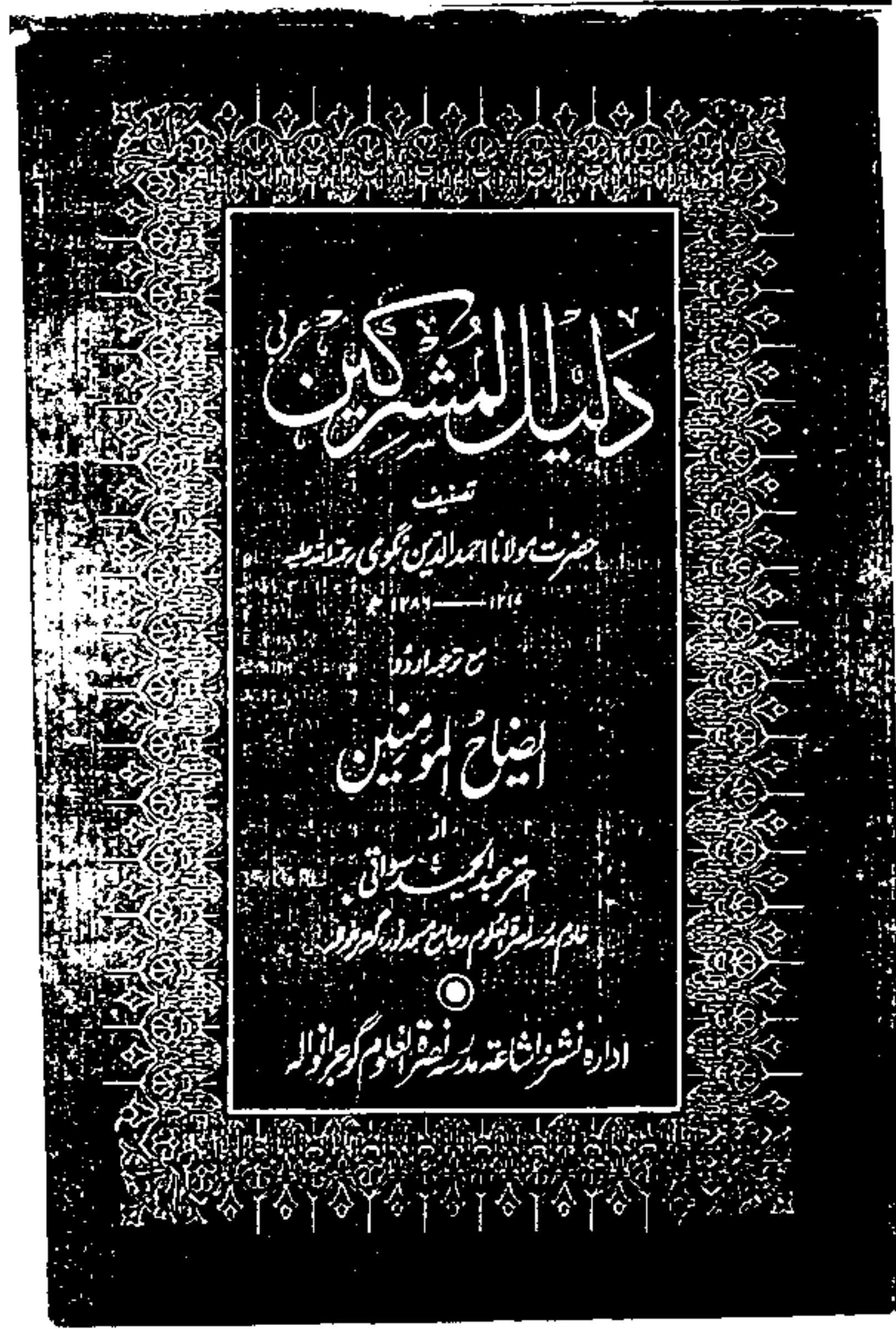
قلمی نسخہ:

دلیل المشرکین کا قلمی نسخہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس سے پہلے یہ مولوی نام نبی مرحوم عربی ٹیچر چک 104 شمالی ضلع سرگودھا کی تحویل میں تھا۔ ان کے ذریعے یہ نسخہ بک کر نصرۃ العلوم کی زیلت بنا۔ قلمی نسخے کے 92 صفحات ہیں جو درمیانے قلم سے خط نستعلیق میں تحریر ہیں۔ بڑے کاغذ پر اور اعلیٰ کالی روشنی سے لکھا ہوا ہے۔ یہ امر البتہ تحقیق طلب ہے کہ نسخہ مذکورہ مصنف کے اپنے قلم سے تحریر ہے یا اس کو کسی ہاتھ یا شاگرد نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کا ہر صفحہ سترہ سطروں پر مشتمل ہے۔ صفحات بغیر حاشیہ اور کسی اور رنگ کی روشنی سے بغیر، یکساں اور رواں قلم سے لکھے گئے ہیں۔ بعض جگہوں پر ذیلی عبارتیں حاشیہ پر مندرج ہیں۔ شروع میں مضامین کی فہرست موجود ہے۔

پہلی اشاعت:

اغلب گمان ہے کہ قلمی نسخہ 1970ء کے لگ بھگ سرگودھا سے گوجرانوالہ پہنچا ہے۔ تاہم اس کے چھپنے کی نوبت ستمبر 1992ء میں آئی۔ مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نے ایضاح المومنین کے نام سے دلیل المشرکین کا اردو ترجمہ کیا اور ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے فائن بکس پرنٹرز لاہور سے شائع کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن میں 260 صفحات ہیں۔ آدھے صفحے پر کتاب کا عربی متن اور آدھے صفحے پر اردو ترجمہ ہے۔ حاشیے میں بعض مقامات پر فاضل مترجم نے مصنف علام سے اختلاف کیا ہے اور اپنے مسلکی اور فقہی خیالات درج کر دیے ہیں۔

عکس دلیل المشرکین



عکس دلیل المشرکین

فہرست

۹۶	مبارکی قسم شرک فی اللہ	۵	مقدمہ
۹۸	باری قسم شرک فی اللہ	۱۳	خطبہ اہل کفر و کفر
۱۰۰	تیروی قسم شرک فی اللہ	۱۴	کتاب کا نام
۱۱۳	مسک ساہی کی تفسیر	۱۵	مصنف کا نام
۱۲۲	چودوی قسم بکار دلائی شرک	۱۹	آغاز مقصود اور شرک کی لغوی تفسیر
۱۳۲	زیادۃ التہذیب	۱۸	شرک کی مشہور تفسیر
۱۳۷	زین روسی اور آستان برسی کا مسئلہ	۲۰	شرک کی حاکمیت قرآنی آیات سے تفصیلاً
۱۴۵	سپرہ عادات	۲۸	شرک کی مختلف قسمیں
۱۴۶	زیادت القہور کے آداب	۲۸	پہلی قسم شرک فی اللہ
۱۴۸	برکات اللہ	۳۲	مشرک کی ترویج
۱۴۹	شریعت کے مطابق توبہ ستر ہوگا	۳۳	دوسری قسم شرک فی اللہ
۱۸۱	بندہ کی توبہ کے وقت یا ہم شریک شرک	۳۹	تیسری قسم شرک فی اللہ
۱۸۱	مشکوٰۃ میں شرک	۴۵	چوتھی قسم شرک فی اللہ
۱۸۳	قرآن میں اللہ کی ترویج	۵۲	پانچویں قسم شرک فی اللہ
۱۸۵	ستویں قسم غبار میں شرک	۵۵	چھٹی قسم شرک فی اللہ
۱۸۸	ربانی نسبت کی حقیقت	۶۱	ساتویں قسم شرک فی اللہ
۱۸۹	انصاروی قسم شرک فی اللہ	۶۹	مسئلہ تفسیر
۱۹۳	انیسویں قسم توحید میں شرک	۸۰	آٹھویں قسم شرک فی اللہ
۱۹۵	بیسویں قسم شرک صغیر اور کبیر	۸۹	نویں قسم شرک فی اللہ
۱۹۸	غافلانہ ترویج و تالیف	۹۹	دسویں قسم شرک فی اللہ
۱۰۰	قرآن مجید کا ایک گروہ	۱۳	قرآن مجید
۱۰۰	قرآن مجید	۱۰۳	قرآن مجید
۱۰۹	قرآن مجید	۱۰۳	قرآن مجید
۱۰۰	قرآن مجید کا اتباع	۱۰۳	قرآن مجید
۲۱۱	نبی کا ہر دلی سے انفسل ہے	۱۰۳	قرآن مجید
۲۱۵	صحابہ میں سے انفسل	۱۰۵	قرآن مجید
۲۱۹	توہم اللہ کی اللہ کی درست نہیں	۱۰۵	قرآن مجید
۲۲۰	دینیت میں مختلف بیان ہیں	۱۰۵	قرآن مجید
۲۳۰	تیسری فضائل اور ذمہ گامیان	۱۰۹	قرآن مجید
۲۵۰	زماہ	۱۰۹	قرآن مجید
۲۵۸	کتاب کی تصویر سے فراغت	۱۰۹	قرآن مجید

دلیل المشرکین:

علامہ گبوی نے شرک کی بیس اقسام بیان کی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا تعلق مسلمانوں کی روزمرہ زندگی، ان کے رہن سہن اور بود و باش سے ہے۔ ان کی تردید کے لیے علامہ نے دلائل و شواہد قرآن حکیم کی آیات، احادیث نبوی، اعمال صحابہؓ اور اقوال سلف سے پیش کیے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر ڈیڑھ درجن کے لگ بھگ ایسے اساسی باطل اور گمراہ فرقوں کا ذکر کیا ہے جو عقائد کی خرابی اور عقیدہ توحید کے بگاڑ میں شریک و سہیم ہیں۔

مولانا عبد الحمید خان سواتی لکھتے ہیں:-

”مصنف نے اس مختصر سی کتاب میں صرف شرک اور اس کی انواع کے بیان پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ شرک کی عام اور کثیر الوقوع صورتیں جو مختلف ممالک کے لوگوں میں رائج ہیں، ان کے ذکر اور ان کا رد اور ان کی قباحت اور شناعت بیان کی ہے اور دلائل سے شکوک و شبہات کو رفع کیا ہے۔ اور سلف کے طریقہ پر کتاب کو مزید مفید عام بنانے کے لیے خاتمہ میں اخلاق حسنہ، فضائل اور ان کو حاصل کرنے کا طریق، اور اسی طرح بد اخلاقیوں اور رذائل اور ان کی انواع و اقسام اور ان سے اجتناب کی تاکید اور ان کا علاج اور فرق باطلہ کے مشہور مشہور گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ اور اعتقادات فاسدہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ضمناً بعض فقہی مسائل اور جزئیات بھی ذکر کیے ہیں جس سے کتاب کی (عملی) افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔ بعض دلائل کمزور بھی ہیں مگر اعتقاد کی حفاظت اور روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے یہ کتاب بہر حال بہت مفید ثابت ہوگی۔“

”کتاب جس جذبہ سے لکھی گئی ہے وہ کتاب کی ہر سطر سے نمایاں ہے۔ مقصد صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں کو گمراہی اور ضلالت سے باہر نکالنا اور توحید خالص اور ایمان کی روشنی میں لانا ہے۔ اس سلسلہ میں مصنف نے بڑی دلسوزی اور عالمانہ طریق پر افہام و تفہیم کی سعی فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ جزا“

موضوعات:

حمد و ثنا کے بعد، علامہ گبوی نے کتاب تصنیف کرنے کی وجوہ بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ اس کارِ عظیم کی طرف توجہ ان کے ہم عصر لاہور ہی کے ایک عالم جناب حسین جینائی نے دلائی ہے۔ اپنا تعارف اور اللہ تعالیٰ سے غایت تحریر میں کامیابی کی بھرپور دعا کے بعد درج ذیل موضوعات پر لکھا ہے:

☆ شرک کی لغوی تحقیق

☆ شرک کی شرعی تحقیق

کفر اور شرک ایسا جرم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جرم متصور نہیں اور ایک ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑھ کر

کوئی گناہ نہیں۔ شرک کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بخشش نہیں۔

اقسام شرک:

1. شرک فی الذات

2. شرک فی العلم: کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے کسی کو مطلق علم (عام اور بہ چیز کا علم) حاصل ہے اور حاضر و ناظر اور دور جگہ سے بھی علم رکھنے والا جانتا ہو اور اس اعتقاد کا اثر اس شخص کی باتوں سے بھی ظاہر ہو۔ مثلاً اٹھتے بیٹھتے نیند اور بیداری وغیرہ کی حالت میں اپنے مرشد اور شیخ کا نام پکارے بجائے اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے۔

3. شرک فی المشیئة: کوئی شخص یوں کہے کہ میں یہ کام کروں گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور میرے مرشد نے چاہا۔ یہ عقیدہ باطل ہے۔

4. شرک فی التصرف و افعاله تعالیٰ: کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو مستقل طور پر کسی قسم کا تصرف حاصل ہے۔ مثلاً کسی کو زندہ کرنا اور مارنا۔ عزت و ذلت تک پہنچانا۔ صحت و بیماری میں مبتلا کرنا۔ اولاد دینا اور اس سے محروم کر دینا وغیرہ۔

5. شرک فی القدرة: کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی چیز پر مستقلاً یا شراکت کے ساتھ قدرت حاصل ہے۔ یعنی کسی چیز کے پیدا کرنے یا فنا کرنے یا کسی قسم کے تصرف اور کمی و بیشی میں مستقل طور پر قدرت ہو یا کسی دوسرے کے ساتھ شراکت کی شکل میں قدرت (کنٹرول) حاصل ہو۔

6. شرک فی العبادۃ: کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ایسی عبادت کرے اور نیاز مندی کا اظہار کرے جس قسم کی عبادت اور عاجزی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، سجدہ، رکوع، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے اور کسی اور کے سامنے ادا کرے۔ اور مثلاً جیسا کہ عورتیں حضرت فاطمہؑ کا روزہ رکھتی ہیں یا بی بی تریت مراد، بی بی ناپیدو، بی بی مائی نوقاں کا روزہ (ان کی خوشنودی کے لیے روزہ رکھنا) یا قبروں پر وہ باتیں کرنی جو کعبہ شریف کے ساتھ مخصوص ہیں۔

7. شرک فی العبادۃ: کوئی شخص ایسے کام کرے جو کافر اور مشرک کرتے ہیں۔ ایسی قوموں کی مذہبی تقریبات اور رسومات، تہذیبی رواج اور تہوار اختیار کرنا یا منانا۔

8. شرک فی النذر: کوئی شخص اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لیے کوئی چیز پیش کرنا لازم قرار دیتا

ہے، کسی پیشگی شرط کے ساتھ یا شرط کے بغیر۔

9. **شُرک فی التسمیہ**: بچوں کے ایسے نام جن میں بندوں کی عبدیت، ربوبیت، مغفرت اور بخشش۔
خدائی صفات، پاکیزگی اور ملکوتی تصرفات کا رجحان اور عندیہ موجود ہو۔

10. **شُرک فی الحلف**: کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر اللہ کے نام سے قسم اٹھائے۔

11. **شُرک فی الذبح**: ذبح میں شرک اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے۔ مثلاً کسی قبر پر یا دربار کی تکریم کے لیے۔ کسی نہر، حوض، کنویں یا عمارت کی تعظیم کے لیے۔ کسی بت، استھان، سلطان اور شخص کی تعظیم کے لیے۔

12. **شُرک فی التائیر**: کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پانی سیراب کرتا ہے۔ کھانا بھوک کو مٹاتا ہے اور چھری ذبح کرتی ہے اور رگوں کو کاٹتی ہے۔ گویا مستقل طور پر بالذات ان میں یہ تاثیر ہے حالانکہ یہ سب صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہی ظاہر ہوتی ہیں ورنہ یہ چیزیں بالذات موثر نہیں۔

13. **شُرک فی الاستعانیہ**: مردوں سے استعانت اور حاجتیں طلب کرنے اور ان کی توجہ مبذول کرنے میں شرک کا ارتکاب کرنا، شرک کی فبیج ترین صورت ہے حالانکہ عبادت اور استعانت تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

14. **شُرک فی النداء**: کوئی شخص موجود ہونے کے بعد کسی غیر موجود غیر اللہ کو پکارے کیونکہ ان مشائخ کے بارے میں جو غائب ہیں، مطلقاً حاضر ہونے کا اعتقاد رکھنا باطل ہے۔

15. **زیارت قبور کے آداب**: زمین بوسی، آستان بوسی:

16. **شُرک فی الذبح او بسلمہ**:

17. **شُرک فی الطیرة**: اجسام، اشیاء اور واقعات وغیرہ سے شگون یا فال لینا شرک ہے۔

18. **شُرک فی الاخبار**: ساحر، منجم، کاہن اور عرف وغیرہ کی خبریں اور پیش گوئیاں شرک میں شامل ہیں۔

19. **شُرک فی التصور**: کوئی شخص زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے لا الہ الا اللہ کے ورد کے ساتھ مگر دل میں اپنے مرشد کی صورت کو حاضر کرتا ہے اور اس کا تصور رکھتا ہے اور یہ کہ مرشد اپنے کمال اور ریاضت و مجاہدہ اور فنا فی الرسول ہونے کی بنا پر اس مرید کے احوال جانتا ہے اور ان پر مطلع ہوتا ہے۔

20. **شُرک فی التَّمائم و الرقی:** شرک کی قسموں میں ایک قسم تعویذ کرنے، دھاگوں میں گرہیں لگانے، سحر اور جھاڑ پھونک کرنے، محبت کے تعویذ کرنے اور کہانت میں ہے۔

شرک اصغر یعنی ریاء:

وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہو، اس عبادت کو خدا کی تعظیم اور تقرب کے علاوہ کسی دوسری چیز کا وسیلہ بنالے۔ اس میں چونکہ موضوع کو پلٹ دینا ہے اور شریعت کے برعکس کام ہے جو تلبیس اور دھوکہ ہے۔

☆ **کلمات کفریہ**

☆ **گمراہ فرقوں کا بیان**

☆ **دلایل اربعہ - قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کا اتباع**

☆ **نبی کا درجہ ولی سے افضل ہے۔**

☆ **وصیت فی الرقص والغناء**

☆ **بدعات، معاصی، فواحش، آفات اور ذائل کا بیان اور ان کا علاج**

اس باب میں حضرت علامہ بگویی نے ان تمام معاشرتی خرابیوں، اخلاقی برائیوں اور اجتماعی مفاسد کا تفصیلاً ذکر کیا ہے جن کا تعلق انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ہے۔ یہ مفاسد جہاں ایک فرد کو اچھا اور نیک شہری بننے سے روکتے ہیں وہاں اس کی عمرانی، خاندانی اور شہری زندگی بھی محبت، مروت، بھائی چارے اور ہمدردی و اعانت سے خالی ہوتی ہے۔ اعلیٰ قدروں کی کمی، انسان کو شرف انسانی سے محروم رکھتی ہے اور اس کی روحانی بالیدگی اور تزکیہ نفس کے حصول میں آڑے آتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حسن اخلاق ہی حاصل تربیت ہے۔ جو شخص دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھے رویے کا متحمل نہیں ہے، اس کی عبادات اور اس کے عقائد مخلوق کے لیے چنداں باعث برکت و رحمت نہیں ہیں۔ یہ نشاندہی اتنی جامع و ہمہ گیر ہے کہ علامہ نے زندگی کے معاملات کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے دیا جس کی طرف انہوں نے توجہ نہ دلائی ہو۔

احیاء توحید و سنت:

اللہ کے برگزیدہ اور مخلوق کی خیر خواہی چاہنے والے نیک بندوں نے مختلف ادوار میں توحید اور سنت کے احیاء کے لیے کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل مساعی اور تصانیف اہمیت کی حامل ہیں:-

- 1- نجد اور حجاز میں علامہ محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید اور تحریک اصلاح
- 2- برصغیر ہندوستان میں خانوادہ شاہ والی اللہی کے شاہ محمد اسماعیل کی تقویت الایمان اور جہاد۔
- 3- متحدہ پنجاب اور شمالی ہندوستان میں علامہ احمد الدین گوی کی دلیل المشرکین اور احیاء مساجد و قیام مدارس۔ دلیل المشرکین کے بارے میں تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ اب باقی دو کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

کتاب التوحید:

اٹھارویں صدی عیسوی بمطابق بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں بالعموم اور سرزمین حجاز میں بالخصوص علمی، سیاسی اور فکری انحطاط پیدا ہو چکا تھا۔ اجتہاد اور تحقیق کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ طوائف المملوک اور مرکز گریز رجحانات بڑھ رہے تھے۔ تصوف میں انہماک اور فقہی و کلامی مباحث نے قرآن و سنت کے تعلق کو دھندلا دیا اور توحید خالص کو گہنا دیا تھا۔ عوام کی اکثریت علم و حکمت سے گریزاں اور فقیروں دیوانوں کی گرویدہ تھی۔ چنانچہ علامہ محمد بن عبدالوہاب (1703-1792ء) نے نجد میں توحید کا علم بلند کیا اور 1750ء کے لگ بھگ اپنی شہرہ آفاق کتاب التوحید تصنیف کی۔

اس کتاب کے موضوعات یہ ہیں:-

- | | |
|----------------------------------|---|
| ☆ کلمہ شہادت کی دعوت | ☆ توحید خالص کی فضیلت اور اس کی اقسام |
| ☆ غیر اللہ کی نذر اور اس سے پناہ | ☆ مصیبت کے لیے کڑا، چھلہ اور جھاڑ پھونک |
| ☆ زیارت ممنوعہ و مشروعہ | ☆ شفاعت |
| ☆ توکل کی حقیقت | ☆ جادو، بدفالی اور علم نجوم |
| ☆ ریا کاری | ☆ تقدیر ربانی |
| ☆ شرک فی التسمیہ | ☆ اسماء اور صفات ربانی کا انکار |
| ☆ منکرین قضا و قدر | ☆ اسماء الحسنیٰ |
| ☆ سفارش | ☆ قسمیں کھانا |

☆ توحید کی حمایت اور شرک کی روک تھام

علامہ نجدی نے اپنی کتاب میں صرف قرآن اور حدیث کو مختلف ابواب میں اساس بنایا ہے۔ اور ان میں سے مسائل اور مطالب کا استنباط کیا ہے۔ دلائل و نظائر کے لیے علامہ نے نہ تو سلف صالحین کے اقوال دیئے ہیں اور نہ

کہیں اپنی رائے دی ہے۔ انہوں نے نجد و حجاز کے مسلمانوں کی اخلاقی حالت زار اور رسومات و بدعات کا ذکر نہیں کیا، اصلاح عقائد پر زیادہ توجہ دی ہے۔ ان کے مخاطب بالعموم عوام ہیں۔

تقویۃ الایمان:

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں جب مغلیہ سلطنت داخلی اور خارجی ریشہ دوانیوں اور حملوں کی زد میں تھی، برصغیر بالخصوص شمالی ہندوستان اور پنجاب کے مسلمان شدید ابتلاء میں مبتلا تھے۔ سکھا شاہی کی یلغار ان کے ایمان اور معاشرت کے درپے تھی۔ غیر مسلم نظریات اور ثقافتی یلغار نے عوام کو قرآن سے دور اور سنت سے گریزاں کر دیا تھا۔ چنانچہ توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید کے لیے مولانا شاہ اسماعیل شہید بن مولانا شاہ عبدالغنی (1779-1831ء) نے **تقویۃ الایمان** تصنیف کی۔

اس کتاب کے موضوعات یہ ہیں:

- | | | | |
|---|---------------------------------------|---|------------------------------------|
| ☆ | توحید و شرک کے بیان میں | ☆ | شرک سے بچاؤ |
| ☆ | پہلا اعتراض اور اس کے سات جوابات | ☆ | رد اشراک فی العلم |
| ☆ | اشراک فی التصرف | ☆ | شفاعت کی حقیقت |
| ☆ | دوسرا اعتراض اور اس کے بارہ جوابات | ☆ | اشراک فی العبادت |
| ☆ | اشراک فی العادات | ☆ | تیسرا اعتراض اور اس کے تیرہ جوابات |
| ☆ | چوتھا اعتراض اور اس کے اٹھارہ جوابات۔ | | |

شاہ اسماعیل شہید نے موضوع سے متعلق چند بنیادی آیات کا ترجمہ کیا ہے۔ ساتھ موضوع سے متعلق چند احادیث مشکوٰۃ شریف سے لی ہیں۔ اور نیچے فائدہ (ف) کے تحت اپنی تقریر درج کی ہے۔ اپنی باتوں کو مدلل اور عام فہم بنانے کے لیے شاہ صاحب نے سلف صالحین کے اقوال اور فرمودات سے کوئی مدد نہیں لی۔ انہوں نے برصغیر یا پنجاب کے مسلمانوں کے عقائد اور بدعات کا براہ راست ان کے حوالے سے ذکر نہیں کیا۔ البتہ عوام کے عقائد، عبادات اور رسومات کی اصلاح کو پیش نظر رکھا ہے اور انہی کو مخاطب کیا ہے۔

تینوں کتابوں کا تقابلی جائزہ:

پہلی دو کتابوں پر زبردست قلمی معرکے اور علمی مباحثے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان کی مخالفت اور موافقت میں بہت بڑا ذخیرہ کتب موجود ہے۔ اس اختلاف سے قطع نظر یہ امر واقعہ ہے کہ دونوں کتابوں نے سعودی عرب کے

سرکاری مذہبی افکار اور علمائے دیوبند کے نظریات کے حوالے سے برصغیر پر گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ دلیل المشرکین 1843ء میں مکمل ہوئی لیکن یہ پہلی مرتبہ ستمبر 1992ء میں شائع ہو سکی۔ گویا پورے ڈیڑھ سو سال تک یہ خزانہ اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ تینوں کتابوں کے تقابلی جائزے سے دلیل المشرکین میں درج ذیل پہلو قابل ذکر اور منفرد نظر آتے ہیں:-

1- دلیل المشرکین کے مخاطب عوام نہیں، طبقہ علماء ہے جن کے افکار اور نظریات عوام کے لیے مشعل راہ بنتے ہیں۔

2- سلف صالحین سے کھلے دل کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے جن کا عوام پر اثر ہوتا ہے۔

3- حنفی آئمہ اور فقہاء کے خیالات اور آراء کو بدرجہ اولیٰ فوقیت دی گئی ہے۔

4- بعض نایاب کتابوں اور اس زمانے کے مشہور علماء کے حوالے موجود ہیں۔

5- مقامی تماشیل اور علاقائی نظائر سے موقف واضح کیا گیا ہے۔

6- انداز متین، اسلوب ناصحانہ اور لہجہ مشفقانہ ہے۔

7- سطر سطر سے درد مندی اور خیر خواہی کے جذبات مترشح ہیں۔

8- زیر بحث ایشوز وہی ہیں جن کا تعلق روزمرہ کے معاملات، عام عبادات، مروجہ عقائد اور مسلمانوں

کے معاشرتی رہن سہن سے ہے۔

علامہ گبوی کا طریقہ تدریس:

نماز فجر ادا کرنے کے بعد طلبہ کی تدریس و تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ سب سے پہلے درجہ منتہی کے طلبہ کے لیے اول تفسیر کا درس ہوتا اور پھر حدیث کا۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہتا۔ نماز ظہر، مثل اول میں ادا کرنے کے بعد درس و تدریس کا کام دوبارہ شروع ہو جاتا اور دوسرے درجوں کے طلبہ اپنے اپنے اسباق پڑھتے۔ یہ سلسلہ نماز عصر کے بعد بھی برقرار رہتا۔

گاہے گاہے عصر کی نماز کے بعد سیر و تفریح کے لیے گاؤں یا شہر سے باہر تشریف لے جاتے۔ طلبا کتابیں

لیے ہوئے ہمراہ ہوتے۔ راستہ چلتے ہوئے بھی علامہ اپنی درسی گفتگو اور محققانہ تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے۔ نماز

مغرب کی ادائیگی کے بعد خصوصاً سردیوں میں تو تعلیم و تعلم کا کام نماز عشاء تک بھی جاری رہتا۔

حافظ:

ماضی میں مطبوعہ کتابوں اور حوالوں کی عدم موجودگی میں، علماء اور محققین کا حافظہ ہی زبردست اثاثہ اور ریفرنس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے علامہ گوزبردست قوت یادداشت اور حافظہ عطا فرمایا تھا۔ علماء آپ کی اس شاندار صلاحیت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ موجودہ اصطلاح میں علامہ کو بلا مبالغہ متحرک کتب خانہ یا دائرہ معارف علوم (انسائیکلو پیڈیا) قرار دیا جاسکتا تھا۔ جو کتابیں عمر بھر میں ایک دفعہ نظروں سے گزریں، گویا حافظے میں محفوظ ہو گئیں۔ صاحب تذکرہ مشائخ بگویہ لکھتے ہیں:-

”اکثر ایسا دیکھنے میں آتا تھا کہ طلباء کی (درسی) کتابوں میں سے جو اوراق بوسیدہ یا گم ہوتے، ان کی مہارت، قوت حافظہ کی مدد سے تحریر کر دیا کرتے تھے جو بعد مقابلہ بالکل اصل (نسخے) کے مطابق ثابت ہوتی تھیں۔“ (ص 17)

معمولات:

علامہ گوی کا معمول تھا کہ نماز عشا ادا کرنے کے بعد جلد سو جاتے تھے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد رات کا باقی حصہ عبادت میں صرف کرتے تھے۔ رات کو تھلیے کے دوران کئی دفعہ انوار الہی کی کثرت سے جامع مسجد روشن ہو جاتی تھی۔ حضرت خواجہ محمد اشرف جیو، جو مقبولان بارگاہ الہی تھے اور علامہ کے پاس حاضر تھے، انہوں نے ایک دفعہ ان تجلیات کا مشاہدہ کیا اور مستفیض ہوئے۔ (ش 1، تذکرہ مشائخ بگویہ، ص 16)۔

نماز تہجد ادا فرماتے پھر تلاوت قرآن حکیم کرتے۔

کرامات:

حضرت علامہ قاضی احمد الدین گوی عالم باعمل اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ سے علم و عرفان کے فیضان عام کے ساتھ ایسی لاتعداد کرامات کا ظہور ہوا جن سے بے شمار افراد اور ادارے مستفیض ہوئے۔ آپ کی زبان مبارک میں وہ اثر تھا کہ جس شخص نے آپ سے کچھ معمولی سا بھی استفادہ کیا وہ اپنے زمانے میں ممتاز ہوا اور کسی نمایاں مرتبے تک پہنچا۔ مولانا ظہور احمد گوی نے تذکرہ مشائخ بگویہ میں چند واقعات درج کیے ہیں۔

حکیم مولوی اللہ دین شیخ پوری:

حکیم اللہ دین صاحب غریب باپ کے بیٹے تھے۔ باپ نے انہیں حضرت الاستاذ کے قدموں میں ڈال دیا۔ علامہ نے انہیں خاص روحانی توجہ اور التفات سے تعلیم دی اور بوقت رخصت خاص دعا فرمائی۔ حکیم صاحب

کے والد کو فرمایا:

”تیرے بیٹے کا ہم مرتبہ کوئی حکیم اس زمانہ میں نہ ہوگا۔“

حضرت علامہ کی دعا کا اثر مخلوق خدا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حکیم صاحب مرحوم نے فن طب میں وہ کمال حاصل کیا کہ آج تک پنجاب میں کسی طبیب کو حاصل نہ ہو سکا۔

اسی طرح حکیم میاں شیخ احمد صاحب مرحوم (راولپنڈی) اور حکیم تاج محمود صاحب ہزاروی مرحوم، آپ

کے شاگردوں میں سے آپ کی دعا اور تربیت سے حاذق طبیب مشہور ہوئے۔ (ص 14-15)

جامع مسجد کی شمالی فصیل:

جب جامع مسجد بھیرہ کی شمالی فصیل تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک دالان کی تعمیر میں ایک مستری نے اینٹوں کی

گھڑائی میں خاص کاری گری اور صنعت کا نمونہ دکھایا۔ رات کے وقت ایک حاسد ساتھی نے اپنے رفیق مستری کے

کام کو بگاڑنے کے لیے اس کی تعمیر کردہ عمارت کو گرا دیا۔ صبح کے وقت حضرت الاستاذ تشریف لائے۔ آپ نے

گرے ہوئے حصے کو دیکھ کر فرمایا ”ایسے بد کام کا مرتکب فوراً اپنے آپ کو ظاہر کر دے ورنہ خدا کے غضب میں مبتلا ہو

گا۔“ آپ نے تین بار یہی کلمات دہرائے۔ بد بخت مستری کو اپنے قصور کے اعتراف کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت

الاستاذ کے جانے کے بعد اس مستری کی بینائی جاتی رہی۔ اس کے ساتھی اس کی لاشی پکڑ کر حضرت کی خدمت میں

لائے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ”اس بد بخت کو اس کے گھر لے جاؤ۔ اب اس کا علاج ناممکن ہے۔“ چنانچہ وہ مستری

نہایت ذلت کی حالت میں کئی سال زندہ رہا اور آخر بحالت خواری، گنہامی کی حالت میں مر گیا۔ (ص 15)

قحط سالی:

ایک دفعہ حضرت الاستاذ بگہ شریف جا رہے تھے۔ علاقے میں قحط سالی کا زور تھا۔ موضع ڈھل (یہ بستی

دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے) کی عورتوں نے آواز دی:

”اے ٹوپی والے خدا کے لیے رحم کرو اور خدا سے بارش کی دعا کرو ہم قطرہ آب کو ترس رہے ہیں۔“

حضرت الاستاذ نے منہ پھیر کر فرمایا:

”ہم سفر کی حالت میں ہیں۔ شاید تم ہمیں تکلیف دینا چاہتی ہو۔“

عورتوں نے دوبارہ یہی درخواست کی۔ حضرت الاستاذ نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھائے۔ فوراً آسمان ابر آلود ہو گیا

اور اس قدر بارش ہوئی کہ بگہ شریف جانے والے تمام راستے بند ہو گئے۔

ایک دفعہ موضع رتو کالہ (تخصیل بھلوال ضلع شاہ پور) سے واپسی پر راستہ میں آپ کی خدمت میں بارش کے لیے التجا کی گئی۔ حضرت الاستاذ کی آنکھوں سے (بوقت دعا) ایک آنسو نکلا جس کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی (اور) حضرت الاستاذ کے تمام کپڑے بھیگ گئے اور بصد مشکل بھیرہ میں پہنچے۔ (ص 15)

تعمیر مسجد کے لیے چونہ:

ایک خاص قسم کے پتھر کو بھٹیوں میں جلاتے ہیں۔ اس جلے ہوئے پتھر سے پھر چونہ بنتا ہے جو تعمیر کے مسالے میں استعمال ہوتا ہے۔ جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر کے لیے، ظاہر ہے چونہ کی بہت بڑی مقدار درکار تھی۔ اس سلسلے میں رحمت خداوندی کس طرح مددگار بنی۔ صاحب تذکرہ یہ کرامت بیان کرتے ہیں:-

ملتان کا ایک تاجر گیارہ بڑی بڑی بادبانی کشتیاں چونہ کے پتھروں سے بھری ہوئی دریائے جہلم کے راستے لے جا رہا تھا۔ بھیرہ کے قریب تمام کشتیاں دریا میں غرق ہو گئیں۔ ان کے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ تاجر مذکورہ بحال پریشان، جامع مسجد میں حاضر ہوا اور حضرت الاستاذ سے مدد طلب کی اور بصورت کامیابی ایک کشتی کا چونہ جامع مسجد کے لیے پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ صد ہا اشخاص کے ہمراہ حضرت الاستاذ دریا کے کنارے رونق افروز ہوئے۔ تمام انسانی طاقتیں اور کوششیں کشتیوں کو باہر نکالنے میں ناکام رہیں۔ حضرت الاستاذ نے کھڑے ہو کر رسوں کو پکڑا۔ ہر بار اللہ اکبر کہہ کر (رسہ) کھینچتے تھے اور ہر بار ایک کشتی کنارے پر چلی آتی تھی۔ اس طرح گیارہ کی گیارہ کشتیاں چونہ سے بھری ہوئی خشکی پر چڑھالی گئیں۔ یہ کرامت دیکھ کر تاجر مذکور نے تمام چونہ جامع مسجد کی تعمیر کے لیے پیش کر دیا۔ چنانچہ وہی چونہ تعمیر میں کام آیا۔“

(ص 15-16)

درمیانی گنبد کا قالب:

جامع مسجد کے درمیانی گنبد کا قالب تیار کرنا نہایت ہی مشکل کام تھا۔ معماروں کی ہمت نے جواب دے دیا۔ بادبانی جہازوں کے مستول لائے گئے مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ حضرت الاستاذ نے تمام معماروں کو فرمایا:

”فلرنہ کرو۔ خدا غیب سے اس کا۔ ایاں کر دے گا۔“

دوسرے دن صبح معمار تیار شدہ قالب دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ رات کے اندر ہی کسی غیبی طاقت نے تمام کام مکمل کر دیا تھا۔ (ص 16)

لباس:

لباس نہایت سادہ استعمال کرتے تھے۔ علامہ کے شاگردوں کی روایت کے مطابق اکثر نیلے رنگ کا تہ بند باندھتے تھے جو سینے تک اونچا ہوتا تھا۔ گرمیوں میں کرتہ شاذ و نادر ہی استعمال کرتے تھے۔ شانوں پر ہمیشہ ایک سفید چادر اوڑھے رہتے تھے۔ سر پر ہمیشہ سادہ ململ یا کھدر کی ٹوپی ہوتی تھی۔

معاش اور ترکہ:

پنجاب بھر کے علماء اور فضلاء کے استاذ، علم الحدیث کی نشر و اشاعت کرنے والے منفرد عالم، دو قدیم و عظیم مساجد کی تعمیر نو میں حصہ لینے والے مجاہد اور مسلمانوں کے امام و رہنما حضرت الاستاذ علامہ بگویی نے تمام عمر نہایت تنگ دستی، عسرت اور سادگی میں گزاری۔ اپنے گھر میں کوئی چیز رہنے نہیں دیتے تھے۔ جو کچھ پاس ہوتا یا کہیں سے آتا، طلبائے دین اور مساکین شہر پر صرف کر دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد، معتقد اور محبت کرنے والے ہزاروں روپے نذرانے میں پیش کرتے مگر آپ یہ سب کچھ دین کی اشاعت اور جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر پر خرچ کر دیتے تھے۔

بعد وصال اثاثہ:

وفات کے بعد گھر میں یہ اثاثہ نکلا:

”چند برتن، ایک توا، دو بوسیدہ چار پائیاں، چند پارچہ جات، چار سیر آٹا اور متعدد کتابیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور سامان موجود نہ تھا“۔ (ص 19)

وفات:

آپ رمضان 1286ھ / 1869ء میں موضع کٹھیالہ شیخاں ضلع گجرات تشریف لے گئے۔ وہیں بیمار ہوئے اور حالت بیماری میں ہی بھیرہ لوٹے۔ بڑے فاضل اطباء نے علاج کیا مگر 13 شوال 1286ھ / دسمبر 1869ء میں عمر 69 سال (قمری) آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انتقال کی خبر دور دور تک پھیل گئی چنانچہ چالیس چالیس کوس کی مسافت سے لوگ پایادہ اور سواریوں پر آئے اور جنازہ میں شامل ہوئے۔ روز انتقال زبردست آندھی آئی اور بوند باندی بھی ہوئی۔ نماز جنازہ کے بعد حسب وصیت آپ کو جامع مسجد بھیرہ کے جنوبی جانب، جہاں اب خانقاہ بگوییہ ہے، وہاں سپرد خاک کیا گیا۔

مجذوب کی اطلاع:

جس روز حضرت علامہ بگویی کا انتقال ہوا، بھیرہ کا ایک دیندار تاجر اس روز کشمیر میں موجود تھا۔ وہ ایک مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آندھی کی طرف اشارہ کر کے مجذوب نے کہا:

”کیوں نہ ہو، آج آفتاب برج ولایت غروب ہو گیا!“

تاجر نے دریافت کیا:

”آج کس کا وصال ہوا ہے؟“

مجذوب نے کہا:

”قطب وقت مولانا احمد الدین بگویی کا۔“

تاجر نے انا اللہ کہا اور غمزہ وطن کی طرف چل پڑا۔ بھیرہ پہنچ کر اس نے مجذوب کی اطلاع درست پائی۔

(شمس الاسلام - تذکرہ، ص 17)

جانشین:

حضرت علامہ بگویی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے دونوں بھتیجے، مولانا غلام محمد بگویی اور مولانا عبدالعزیز بگویی، حضرت مولانا غلام نبی الدین بگویی کے بیٹے تھے۔ دونوں علامہ کے شاگرد تھے۔ برادر بزرگ کی حیات اور بعد میں بھی ان بھتیجوں کی تربیت آپ نے کی تھی۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد مولانا غلام محمد بگویی بادشاہی مسجد لاہور میں اور مولانا عبدالعزیز بگویی شیر شاہ سوری کی جامع مسجد بھیرہ میں حضرت علامہ بگویی کے جانشین قرار پائے۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لا سخنون کر
خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر
اقبال

حضرت الشیخ مولانا الحاج

مفتی غلام محمد بگوی

نقشبندی مجددی قدس سرہ العزیز

1255ھ - 1381ھ

1839ء - 1900ء

عکس تحریر و دستخط



ولادت:

آپ کی پیدائش بگہ شریف میں 1255ھ / 1839ء میں ہوئی۔ بعض اصحاب باطن نے حضرت استاذ الکل کو بشارت دی کہ ان کا یہ صاحبزادہ، صاحب عمل و فضل اور جامع طریقت و شریعت ہوگا۔

تعلیم و تربیت:

جب آپ پیدا ہوئے اس وقت حضرت مولانا غلام محی الدین گبوی دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر پنجاب لوٹ چکے تھے۔ بگہ شریف میں درس و تدریس کے سلسلے کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ علم و فضل کے حصول کے لیے خدانے آپ کے مزاج میں خاص تڑپ اور لگن پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ جلد ہی ابتدائی کتابیں بگہ شریف میں پڑھیں اور قرآن حفظ کر لیا۔ پھر استاذ الکل ان کو اپنے ہمراہ لاہور لے گئے۔ مولانا غلام محمد گبوی کی تدریس اکثر ان کے والد ماجد کے حضور اور ان کی براہ راست توجہ میں ہوتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

جب میں اپنے والد بزرگوار کے حضور میں تدریس کرتا تھا تو مضامین عالیہ اور نکات لطیفہ میرے (دل پر) بارش کی طرح نازل ہوتے تھے۔

دین و دنیا کی بشارت:

اپنے جلیل القدر والد محترم سے کسب فیض اور حصول علم کے بارے میں کہتے تھے:

مجھے حضرت والد صاحب نے (درسی مطالعے کے ساتھ) زیادہ تر باطنی توجہ سے پڑھایا تھا۔ چنانچہ مجھے ایک رات (آپ نے) ایک وظیفہ پڑھنے کا حکم دیا۔ خواب میں حضرت سرور عالم کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے بارگاہ رسالت میں نظر کرم کی التجا کی۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا:

”کل امر مرہون بوقتہ“

صبح کو جب میں نے یہ خواب حضرت والد صاحب کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا:

”مبارک ہو۔ دین و دنیوی امور کی درستی کی بشارت ہے۔“

اس (واقعہ) کے بعد مجھ پر اس قدر علوم منکشف ہوئے جو حوصلہ و ہمت سے زیادہ تھے۔ (تذکرہ ص 20)

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام کتب درسی آپ نے حضرت استاذ الکل سے پڑھ لیں۔ لاہور میں دوسرے درسوں میں پڑھانے والے اساتذہ سے بھی دیگر علوم و فنون میں استفادہ کیا۔ آپ نے علم حدیث کی سند حضرت استاذ الکل سے حاصل کی اور تمام علوم مروجہ میں چھوٹی عمر میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔

انجمن اسلامیہ لاہور:

- ہور میں تعینات، شاہجہانپور کے محمد برکت علی خان تحصیل دار نے شاہی مسجد لاہور کی دیکھ بھال کے لیے 1303ء - 1866ء میں ایک انجمن اسلامیہ تشکیل دی جس میں لاہور کے شرفا اور معززین شامل تھے۔ محمد برکت علی خان متفقہ طور پر انجمن کے سیکرٹری قرار پائے۔ بادشاہی مسجد کے ساتھ شہری مسجد اور ٹکسالی دروازہ مسجد بھی انجمن کی تحویل میں آئے۔ انیسویں صدی میں مساجد کی مرمت اور انتظام کے لیے انجمن نے چند جمع کرنے کا آغاز کیا۔
خطیب و امام بادشاہی مسجد لاہور:

علامہ بگوئی کے انتقال کے بعد ڈپٹی برکت علی مرحوم، فقیر جمال الدین مرحوم اور دیگر اکابرین لاہور کے صدر اور مولانا غلام محمد بگوئی نے لاہور میں اقامت اختیار کی۔
انجمن اسلامیہ لاہور نے بادشاہی مسجد لاہور کی امامت و خطابت کے لیے 1869ء میں حضرت مولانا غلام محمد بگوئی، مقرر کیا اور مولانا حافظ ولی اللہ کو موزن۔ اس سے قبل مولانا کے چچا علامہ احمد الدین بگوئی بھی اس مسجد سے وابستہ تھے۔ (بادشاہی مسجد لاہور، ص 25)
ڈاکٹر چغتائی مرحوم لکھتے ہیں:-

مولانا احمد الدین بگوئی کی وفات 1869ء پر انجمن اسلامیہ نے باقاعدہ طور پر بادشاہی مسجد کے انتظام کو سنبھال لیا تھا۔ چنانچہ اس وقت مولانا احمد الدین بگوئی کے برادر زادہ یعنی مولانا غلام محی الدین بگوئی کے لئے مولانا غلام محمد بگوئی کو باقاعدہ بحیثیت ملازم انجمن ہذا مسجد کا امام (اور خطیب) مقرر کر دیا تھا۔ ویسے مولانا احمد الدین بگوئی کی وفات پر جن کی کوئی اور نرینہ اولاد بھی موجود نہ تھی، بہر حال امامت مسجد، خاندان بگوئی کے حوالے رہی۔ آپ اس مسجد سے اپنی وفات تک وابستہ رہے اور متواتر تیس سال امام و خطیب مسجد ہذا رہے۔ (ص 33)

تاریخ لاہور:

کنبیا ایل صاحب اپنی تصنیف **تاریخ لاہور** میں، لاہور کے علماء و فضلاء کے ذکر کے تحت رقمطراز ہیں:-
”چوتھا خاندان مولوی صاحب بگے والے کا ہے۔ یہ خاندان بھی شاہی مسجد میں پڑھاتا تھا۔ اب بھی مولوی غلام محمد بگوئی بادشاہی عالمگیری مسجد کا امام ہے“ (ص: 54 مطبوعہ 1882ء، لاہور)
رپورٹ انجمن اسلامیہ لاہور:

انجمن اسلامیہ لاہور کی رپورٹ 8-1887ء کے مطابق مولانا غلام محمد بگوئی، اس کے آنریری ممبر شمار

ہوتے تھے۔ اس فہرست میں 177 نام ہیں جن میں زیادہ تر لاہور شہر سے اور کچھ بیرون لاہور اور پنجاب سے شامل ہیں۔ (دیکھیے تذکار گبوی جلد دوم)

وائسرائے ہند کا دورہ:

حضرت گبوی کے دور امامت و خطابت کے دوران 1887ء میں ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ڈفرن لاہور کے دورے پر آیا۔ اس نے بادشاہی مسجد دیکھی۔ وہاں زیر تعلیم طلبہ سے قرآن کریم کی تلاوت سنی اور طلبہ سے فارسی زبان میں باتیں بھی کیں۔ اسی سال مقبوضہ ہندوستان میں انگریز سرکار نے ملکہ وکٹوریہ کا جشن جو ملی بھی منایا۔

سر سید احمد خان مرحوم اور ان کے رفقاء کی مسجد میں آمد:

خان بہادر محمد برکت علی خان کی دعوت پر محمدن ایجوکیشنل کانگریس علی گڑھ کا سالانہ اجتماع 1888ء میں لاہور میں منعقد ہوا۔ سر سید احمد خان مرحوم بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ان کے رفقا ڈپٹی مولوی نذیر احمد بلوی، مولوی ذکاء اللہ اور راجہ جہان داد خان نے جلسے میں شمولیت کی اور تقریریں کیں۔ تمام اراکین ایجوکیشنل کانگریس جمعہ کے دن بادشاہی مسجد میں جمعہ پڑھنے تشریف لائے۔ اس روز جمعہ کا خطبہ راجہ جہان داد خان نے پڑھا اور نماز جمعہ کی امامت کی۔ مولانا غلام محمد گبوی بھی موجود تھے اور انہوں نے نماز جمعہ مہمان عالم کے پیچھے ادا کی تھی۔ اس روز خاص طور پر انجمن کے اراکین قاضی حمید الدین، مولانا احمد علی واعظ، مولانا غلام اللہ مدرس اسلامیہ امرتسر، مولوی محمد دین باغبانپورہ بھی موجود تھے۔ نماز ادا کرنے کے بعد سر سید احمد خان مرحوم اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد کے حوش کے کنارے آئے اور لوگوں نے ان کو دیکھا۔ (بادشاہی مسجد لاہور، ص 34)

بادشاہی مسجد میں رہائش:

علامہ احمد الدین گبوی کی زندگی میں بادشاہی مسجد کی امامت و خطابت کا بار امامت گوان کے پاس تھا مگر ان کی نگرانی میں زیر تربیت بھتیجے مولانا غلام محمد گبوی بھی یہ فریضہ خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے۔ یہ ضرورت خاص طور پر تب پیش آتی تھی جب علامہ گبوی بگہ شریف اور بعد میں بھیرہ کے سفر پر جاتے اور کئی کئی مہینے لاہور کے مستقر سے غیر موجود ہوتے۔ بادشاہی مسجد لاہور کا صدر دروازہ اپنے ماتھے پر اور عقب میں دو نصف گنبدوں اور ساتھ ہی درمیان میں سالم گنبد پر مشتمل ہے۔ گویا یہ خود ایک مکمل اور پر شکوہ عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ترکیب میں مربع مکتب ہے اور مسجد کے امام اور خطیب کے لیے رہائش کا کام دیتی ہے اور ساتھ ہی مکتب اور کتب خانہ کے مقاصد کو بھی پورا کرتی ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں علامہ احمد الدین گبوی، مولانا شیخ غلام محمد گبوی، مولانا محمد ذاکر گبوی

اور دیگر علماء و مشائخ بگویہ، قیام لاہور کے دوران ایک مدت تک قیام پذیر رہے اور بعض مساجد کے ساتھ منسلک درس گاہوں میں طلبہ کو پڑھاتے بھی تھے۔

لاہور میں درس و تدریس:

مولانا غلام محی الدین بگوی کے لاہور سے بگہ شریف چلے جانے کے بعد مولانا غلام محمد بگوی نے پہلے تعلیم مکمل کی۔ پھر اپنے عم محترم علامہ احمد الدین بگوی کی رہنمائی اور معیت میں تدریس و تعلم کا اہم کام سنبھالا۔ 1882ء میں اورینٹل کالج لاہور کے بانی پرنسپل ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹرن نے پنجاب کا تفصیلی تعلیمی جائزہ مرتب کیا۔ اس رپورٹ کا نام تھا: Indegenous Education in Punjab۔ لاہور شہر میں قائم قرآنی مدارس کے تحت ص 93 پر بعض علماء دین کے نام ملتے ہیں جو علمی اور دینی کاموں میں مصروف تھے۔

”خفیضہ حمید الدین (قاضی لاہور)۔ مولانا نور احمد (خطیب جامع مسجد انارکلی)۔ مولوی احمد علی (خطیب شہر)۔ عموی، مولانا غلام محمد بگوی (اوپنی مسجد بھائی گیٹ)۔ مولوی ابوسعید محمد حسین (سیکرٹری انجمن بہمدردان اسلامی لاہور)۔ مولانا غلام اللہ قصوری (بانی انجمن حمایت اسلام لاہور)۔ مولوی عبدالحکیم کلانوری (صدر مدرس شعبہ فارسی اورینٹل کالج لاہور)۔ مولوی محمد دین (شعبہ ادبیات اورینٹل کالج)۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری (ریس العلماء اورینٹل کالج لاہور)۔ مولوی قاضی ظفر الدین۔ حافظ عبدالعزیز۔ میر عبداللہ اور مومن علی کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔“

(تاریخ لاہور از مفتی غلام سرور لاہوری، 1887ء، حاشیہ ص 7-106)

اس دوران میں مولانا غلام محمد بگوی بادشاہی مسجد لاہور کے ساتھ امامت و خطابت کے حوالے سے وابستہ تھے اور انجمن اسلامیہ پنجاب اور انجمن نعمانیہ لاہور کی تعلیمی اور تدریسی سرگرمیوں میں بھی شریک اور رفیق تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوپنی مسجد بھائی گیٹ میں قائم درس ان دو انجمنوں میں سے کسی ایک کے زیر انصرام کام کر رہا تھا۔

انجمن مستشرق العلماء لاہور:

دینی اور علمی معاملات کے لیے قائم کردہ اس تنظیم کے مقاصد یہ تھے:-

- 1- علمائے اسلام میں صلح اور اتفاق پیدا کرنا۔
- 2- عام مسلمانوں میں اسلامی تہذیب و تربیت پھیلانا۔
- 3- شریعت کے مطابق ان کی ترقی اور بہبود دنیوی کے وسائل سوچنا۔
- 4- ترقی علوم عربی، اسلامی اور ان کی اصلاح۔

قواعد کے تحت تمام علمائے کرام جو اراکین دارالافتاء ہوں باستثنائے ناظم حال، انجمن کے اعزازی ممبران ہوں گے۔ (بحوالہ رونداد انجمن از یکم جنوری 1897ء تا 31 دسمبر 1905ء۔ مطبوعہ لاہور 1906ء)

انجمن نے دیگر سرگرمیوں کے علاوہ دو اہم کام سرانجام دیے:-

ا۔ لائبریری کا قیام

ب۔ دارالافتاء

قواعد دارالافتاء مستشار العلماء لاہور:

- ☆ دارالافتاء کے ارکان کم سے کم پانچ علمائے اسلام ہوں گے۔
- ☆ ہر فتویٰ انجمن کے مطبوعہ فارم پر جاری ہوگا جس پر ناظم دارالافتاء بھی بطور مفتی دستخط کریں گے۔
- ☆ مشہور اور محقق مذہب حنفی کے خلاف کوئی فتویٰ جاری نہ ہوگا۔
- ☆ مقامی اور بیرونی علماء سے بھی اہم مسائل میں مشورہ لیا جائے گا اور مجلس منعقد کی جائے گی۔
- ☆ عدالتی مقاصد کے لیے فتاویٰ کی فیس چارج ہوگی جو بصیغہ انجمن جمع ہوگی۔
- ☆ فیس وصولی کے بعد، ایک ہفتے کے اندر اندر فتویٰ جاری ہوگا۔
- ☆ ہر فتویٰ کی نقل دفتر انجمن میں محفوظ رہے گی۔
- ☆ دارالافتاء، واقعات مندرجہ سوال کی صحت و صداقت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔
- ☆ دارالافتاء اپنے فتوؤں پر اعتراضات سنے گا اور غلطی معلوم ہونے پر اپنے فتویٰ سے رجوع کرے گا۔

ناظم انجمن:

شمس العلماء مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی پروفیسر اور نیشنل کالج لاہور، انجمن بذا کے ناظم عمومی تھے۔ وہ انجمن کی شاندار لائبریری کے بانی بھی تھے جو شاہی مسجد لاہور میں قائم کی گئی تھی۔

صدر مجلس افتاء:

حضرت مولانا غلام محمد گبوی انجمن کی علمی اور دینی سرگرمیوں کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک وابستہ رہے۔ دارالافتاء کے ساتھ بطور صدر ان کا تعلق ان کے دم آخر تک قائم رہا۔ تمام فتاویٰ پر ان کے دستخط ہوتے تھے اور فقہی مسائل میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ آپ کے جاری کردہ فتاویٰ پورے برصغیر میں بڑی قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

فتاویٰ صابریہ:

انجمن مستشار العلماء لاہور نے اپنے ریکارڈ کی مدد سے ”فتاویٰ صابریہ“ کے نام سے وہ فتوے شائع کیے ہیں جن پر مولانا بگویی کے دستخط ہیں اور جو ان کی شرکت سے جاری ہوئے ہیں۔
فقہی اور فروعی مسائل کی تحقیق:

برصغیر میں انیسویں صدی کا نصف آخر کئی لحاظ سے منفرد نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں چھاپہ خانہ رائج ہو چکا تھا۔ متداول مقبول درسی اور معروف ریفرنس کتابیں، مدارس دینیہ سے متعلق شائع ہو رہی تھیں۔ انگریزی سامراج بہت آگے بڑھا اور نسل اور نفوذ بڑھا رہا تھا۔ عیسائی مشنری فعال ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی کماٹے ”کراؤ اور حکومت کرو“ کے اصول پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اور پھر مسلمانوں کے اندر انتشار اور افتراق و برابر ہوا رہے تھے۔ یہ کام لاؤڈ سپیکر سے نہیں کتابچوں اور نمبروں سے لیا جا رہا تھا۔ اس تناظر میں حضرت مولانا غلام محمد بگویی جیسی عالم، صوفی اور صلح جو شخصیت کا بادشاہی مسجد کے منبر پر ہونا اور مدرسہ نعمانیہ و مدرسہ رحیمیہ وغیرہ کی مسند پر رہنا اہل لاہور اور اہل پنجاب کے لیے یقیناً رحمت تھا۔

آپ کے زمانہ تدریس و خطابت کے دوران اہم فتاویٰ پر آپ کے دستخط ضروری سمجھے جاتے تھے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ فروعی مسئلے میں ایک مفروضہ صورت حال پیش کی جاتی ہے۔ کوئی عالم یا علماء کا بورڈ اس پر تحقیق کرتا ہے۔ باقی کے علماء اس تحریر پر تائیدی اور توثیقی کلمات کے ساتھ اپنے دستخط اور بعض اپنی مہر بھی ثبت کر دیتے ہیں۔
استفتاء مسجد سنتیہ والہ تحصیل فیروز پور:

16 صفحات پر مشتمل بڑی تقطیع کا کتابچہ ہے جو غالباً 1301ھ / 1882ء کا تحریر کردہ ہے۔ پہلے مسماں پیرن طوائف کا سوال ہے جو ایک مدت سے فعل شیعہ سے باز آ کر خانہ نشین ہے، اپنی اور اپنی والدہ کی ملازمت کی آمدن سے مسجد بنوانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مولانا غلام دستگیر مرحوم نے جواب لکھا ہے جس پر قصور کے 5 عالموں کے تائیدی فقرات اور دستخط ہیں۔ اس تحریر بلکہ اس نقطہ نظر کی تائید شہر لاہور کے جن جید علماء نے کی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے۔
مواہر علماء لاہور:

باسمہ حامد اومصلیٰ و مسلما

اہل اسلام کو واضح ہو کہ شرط نماز پاک مکان ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے لیے تمام

زمین مسجد ہے الاگورستان اور مزبلہ اور معاطن اہل، اس میں اختلاف فرمایا ہے۔ اور فی زما نہ شہادت سے تجرد مٹن ہی نہیں ہے۔ اور علماء نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کل مساجد روئے زمین میں نماز تاج نماز ہو کیونکہ کوئی مسجد نہ ہوگی جو ریہا و سمعہ سے خالی ہوگی۔ دیکھو حال مسجد مدینہ منورہ اور مسجد بیت احرام کا جو ان موجود ہے حتیٰ کہ علماء نے حکم دیا ہے کہ جو مسجد مشرک بنائے اس کو بچن ویران نہ کرتا چاہیے باوجودیکہ اس کے لیے صریح کتب نبی قرآن شریف میں آئی ہے۔ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ، الآیة۔ تاکہ داخل و عمیر اس آیت کے نہ ہوں کہ و من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ الآیة۔ پس یہ مسجد متنازع فیہ مرا حل ازاں دور و جمید ہے۔

فتیہ غلام محمد ہے وہ غشی عند	یہ جواب صحیح ہے	فتیہ نور احمد غشی عند	محمدیہ زنا تب و عند
مسجد بادشاہی۔ بھور	خفیہ جمید لدین غشی عند پاشی ز بھور	جامع مسجد تاریکی۔ بھور	مسجد بادشاہی۔ بھور

سیوف الابراہیم منکر جہرا لا ذکر حسام الاسلام علی منکر جہر کلمۃ الاسلام :

24 صفحات کا یہ کتابچہ مشہور عالم اور مدرس مولانا غلام قادر بھیم پوری کن تصنیف ہے جو انہوں نے مولانا غلام نبی لٹنی کے کتابچہ کے جواب میں لکھی ہے۔ سے منیہ عالم پریس۔ بھور میں فنی کلاب سنگھ نے 1301ھ 1883ء میں شائع کیا ہے۔ جملہ تراجم مولانا غلام قادر بھیم پوری کے تصانیف کے بارے میں

آخر میں فیض مصنف نے ان مولوی صاحبوں کے نام دیئے ہیں جن کے تحریری فتوے بھور مجوز جہرا لا

کلمہ حبیبہ موضوعوں ہوئے۔

- 1۔ سید میر محمد حسین صاحب ساکن تری ضلع جہلم
- 2۔ مولوی غلام حسین صاحب ساکن چکوں
- 3۔ مولوی قلی احمد صاحب ساکن تری
- 4۔ مولوی احمد صاحب ساکن سرکیوں
- 5۔ مولوی عطا محمد صاحب ساکن ڈالوال
- 6۔ مولوی فرید الدین صاحب ساکن خواہر
- 7۔ مولوی احمد علی دہلوی صاحب واعظ نا بھوری
- 8۔ مولوی حکیم احمد صاحب ساکن سیوڑو
- 9۔ مولوی محمد احسن صاحب ساکن ضلع جہلم
- 10۔ مولوی غلام حسین صاحب ساکن ڈالوال شاپور
- 11۔ مولوی محمد خلیل صاحب ساکن بھرت
- 12۔ مولوی غلام محمد صاحب ساکن بھرت
- 13۔ مولوی سید عمران صاحب ساکن آب آباد
- 14۔ حافظ مصطفیٰ رحیم صاحب مدینہ منورہ

صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا غلام محمد بگویی منفرد مرتبہ اور مقام کے حامل تھے۔ برصغیر بالخصوص پنجاب اور سرحد کے علماء جہاں استفتاء اور قضا میں آپ سے رجوع کرتے اور رہنمائی حاصل کرتے تھے وہاں اپنے مضامین اور کتابیں بھی خدمت میں ارسال کرتے اور ان پر حضرت کی گرانقدر رائے اور تقریظ بھی حاصل کرتے۔

شاہکار دائرہ معارف لاہور رقمطراز ہے:

اس دور میں اس (اہل سنت کے) مسلک میں شائع ہونے والی ہر کتاب پر مولانا بگویی کی مہر تصدیق ثبت ہوتی تھی۔ (شاہکار (ب) ص: 387)

مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ تحریری مقابلہ

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب، اسلام کے متوازی ایک نئے مذہب کے بانی تھے۔ ان کا آغاز کار مسلمانوں کے خادم اور اسلامی افکار کا دفاع کرنے والے عالم کی حیثیت سے ہوا۔ اس جہت سے ہر طبقہ خیال کے علماء اسلام نے ان کی مساعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اپنی پذیرائی دیکھ کر اور مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی کی کلامی معاونت کے بل بوتے پر، مرزا صاحب مناظر سے مامور اور پھر مجدد کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے رفع مسیح اور نزول مسیح سے انکار کر کے مہمات مسیح کے ساتھ بالآخر اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔

1891ء سے 1900ء تک برصغیر میں مرزا صاحب کے دعاوی اور قادیانی مذہب کے بارے میں شدید ہلچل پیدا ہو گئی۔ اس موضوع پر تمام مذہبی حلقوں اور جماعتوں کے علماء نے پہلے تحریری اور پھر لسانی طور پر زبردست اضطراب اور رد عمل کا اظہار کیا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کا تعلق چشتیہ سلسلہ کے مشائخ سے تھا۔ وہ خواجہ شمس العارفین سیالویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سجادہ نشین ہونے کے ساتھ وہ ایک ممتاز عالم دین بھی تھے جن کا ایک وسیع حلقہ اثر تھا۔ آپ نے قلمی محاذ پر قادیانیت کے استیصال کے لیے شاندار کتابیں تصنیف کیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے برصغیر کے علماء میں سے حضرت گولڑویؒ کو اپنے مقابلے کے لیے چنا۔ مگر اس مقابلے کے لیے اپنے دعاوی یا قادیانی افکار کو موضوع نہیں رکھا بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ پیر صاحب ان کے ساتھ قرآنی آیات کی عربی زبان میں تفسیر نویسی پر کھلے بندوں تحریری مقابلہ کریں۔

مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت:

22 جولائی 1900ء کو مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کو مع چیدہ چیدہ

علماء کے درج ذیل اشتہار کے ذریعے، تفسیر نویسی کا چیلنج دیا:

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، جو سخت مکتذب ہیں ان کے ساتھ ایک طریق فیصلہ، مع ان علماء کے جن کے نام ضمیرہ اشتہار ہذا میں درج ہیں۔ 1۔

یہ صاحب جن کا نام عنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈی کے سجادہ نشینوں میں سے ایک بزرگ ہیں۔ وہ اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو مٹادیں۔ چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں اور چونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پست اور محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے تمام ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے لئے معنی کرتے ہیں۔ خدا کی کتابوں کا یہ قدیم محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب 1، آیت 38۔ اور اسی راز کی طرف اشارہ ہے سورہ انزل لسانہ فی لیلۃ القدر میں اور نیز آیت ذکراً دسولاً میں۔ لیکن عوام جو جسمانی خیال کے ہوتے ہیں وہ ہر ایک بات کو جسمانی طور پر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ جیسے حضرت مسیح ان کے زعم میں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اتریں گے، ایسا ہی ان کا یہ بھی تو عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گئے تھے بلکہ اس جگہ تو ایک براق بھی ساتھ تھا مگر کس نے آنحضرت کا چڑھنا اترنا دیکھا اور نیز فرشتوں اور براق کو دیکھا۔ ظاہر ہے کہ منکر لوگ معراج کی رات میں نہ دیکھ سکے کہ فرشتے آنحضرت ﷺ کو آسمان پر لے گئے اور نہ اترتے دیکھ سکے اس لیے انہوں نے شور مچا دیا کہ معراج جھوٹ ہے۔ اب یہ لوگ جو ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترتا نظر آئے گا یہ کس قدر خلاف سنت اللہ ہے۔ سید المرسل تو آسمان پر چڑھتا یا اترتا نظر نہ آیا تو کیا مسیح اترتا نظر آ جائے گا لعنة اللہ علی الکاذبین۔ کیا ابو بکر صدیق نے سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کو مع فرشتوں کے معراج کی رات میں آسمان پر چڑھتے یا اترتے دیکھا؟ یا عمر فاروق نے اس مشاہدہ کا فخر حاصل کیا؟ یا علی المرتضیٰ نے اس نظارہ سے کچھ حصہ لیا؟ پھر تم کون اور تمہاری حیثیت کیا کہ مسیح موعود کو آسمان سے مع فرشتوں کے اترتا دیکھو گے 2۔ خود قرآن ایسی روایت کا مکتذب ہے۔

سوائے مسلمانوں کی نسل، ان خیالات سے باز آ جاؤ۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے

نشان ظاہر ہوئے اور کسوف و خسوف تم نے رمضان میں دیکھ لیا اور صدی میں سے بھی سترہ برس گزر گئے۔ کیا اب تک مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لیے مجدد پیدا نہ ہوا۔ خدا سے ڈرو اور ضد اور حسد سے باز آ جاؤ۔ اس غیور سے ڈرو جس کا غضب کھا جانے والی آگ ہے اور اگر مہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک اہل طریقہ پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کے راست باز بندے ہیں ان کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے۔

1۔ ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرق یعنی ماہ الامتیا ز رکھا جاتا ہے۔ اس لیے مقابلہ کے وقت بعض امور خارق عادت ان سے صادر ہوتے ہیں جو حریف مقابل سے صادر نہیں ہو سکتے جیسا کہ آیت وَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا اس کی شاہد ہے۔

2۔ ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا جیسا کہ آیت لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اس کی شاہد ہے۔

3۔ ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ اس کی گواہ ہے۔ سو مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اول تو یہ دعا کریں کہ یا الہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اس کی مدد کر۔ اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اس سے یہ توفیق چھین لے اور اس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے تاؤگ معلوم کریں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تائید سے محروم ہے۔ پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں۔ اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار، اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چپکے چپکے بغیر آواز سنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تاکہ اس کی فصیح عبارت کے سننے سے دوسرا فریق کسی قسم کا اقتباس یا سبق نہ کر سکے۔ اور اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے مہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کے لیے فریق ثانی کی تلاشی کر لے۔ اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹے کی مہلت ملے گی ہر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے روبرو ختم کرنا ہوگا اور جب فریقین لکھ چکیں تو وہ دونوں تفسیریں بعد

دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنائی جائیں گی۔ اور ان برسہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائید روح القدس سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو اور نہ مہر علی شاہ کا مرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ مگر ضروری ہوگا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجہ پر اور تائید الہی سے ہے۔ لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہیے جس کا ذکر قرآن میں قذف محسنات کے باب میں ہے۔ جس میں تین دفعہ قسم کھانی ضروری ہے اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں بیس ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ورق ہوگا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صد باقرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پس اس طرز کے مباحثہ اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ دونوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر علی شاہ کے ساتھ ہے۔ اور اس صورت میں میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں، میں جلادوں کا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبت شہادت بیس گواہوں کے اس وقت لکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی، نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارف سورہ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے، یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔

میں مکرر لکھتا ہوں کہ میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہوگا جب کہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابل شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی لکھ نہ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرین کریں، کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وہ مومن اور مستجاب الدعوات ہیں تو وہ بھی ایسی دعا کریں اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ خدا کے مامور اور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔

غرض یہ طریق فیصلہ ہے جس سے تینوں علامتیں متذکرہ بالا جو صادق کے لیے قرآن میں ہیں

ثابت ہو جائیں گی۔ یعنی فی البدیہہ عربی نویسی سے جس کے لیے بجز ایک گھنٹہ کے سوچنے کے لیے موقع نہیں دیا جائے گا۔ فریق غالب کا وہ ماہہ الامتیاز ثابت ہوگا جس کا نام فرقان ہے اور قرآنی معارف کے لکھنے سے وہ علامت متحقق ہو جائے گی جو آیت لَا يَمْسُئُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کا منشاء ہے۔ اور دعا کے قبول ہونے سے جو پیش از مقابلہ فریقین کریں گے، فریق غالب کا حسب آیت اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ مومن مخلص ہونا پاپیہ ثبوت پہنچے گا۔ اور اس طرح پر یہ امت تفرقہ سے نجات پا جائے گی۔ چاہیے کہ اس اشتہار کے وصول کے بعد جس کو میں رجسٹری کرا کر بھیجوں گا مہر علی شاہ صاحب دس دن تک اپنی منظوری سے مجھے اطلاع دیں۔ 7۔ لیکن ضروری ہوگا کہ یہ اطلاع ایک چھپے ہوئے اشتہار کے ذریعہ سے ہو جس پر میرے اشتہار کی طرح بیس معزز لوگوں کی گواہی ہو اور بحالت مغلوبیت اپنی بیعت کا اقرار بھی درج ہو۔

یاد رہے کہ مقام بحث بجز لاہور کے کہ جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اور ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہوگا تا اسی جگہ حاضر ہو جاؤں۔ اگر میں حاضر نہ ہوں تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا اگر ضرورت ہوگی 8 تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے۔ ہذا ما ارانی ربی رب السموات العلی۔ فادعواک یا قرنی علی بصیرة من ربی و لعنة الله علی من تخلف منا و ابی۔

والسلام علی من اتبع الهدی۔ تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم و اتقوا الله الذی یسمع و یرى۔

المشترک خاکسار مرزا غلام احمد قادیان۔ 20 جولائی 1900ء۔

گواہ شدند

- (1) مولوی حکیم نور الدین صاحب۔ (2) مولوی محمد احسن صاحب امر وہی۔ (3) مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ (4) مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی۔ (5) مولوی حکیم فضل الدین صاحب بھیروی۔ (6) مرزا خدا بخش صاحب مصاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوئٹہ۔ (7) حکیم شاہ نواز صاحب راو پینڈی۔ (8) ماسٹر مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر ہائی سکول تعلیم الاسلام قادیان۔ (9) صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی۔ (10) صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی سرساوی۔ (11) میر ناصر نواب صاحب گورنمنٹ پشتر دہلوی حال قادیان۔ (12) ماسٹر عبدالرحمن صاحب ایف۔ اے سینڈ ماسٹر ہائی سکول قادیان۔ (13) سید فضل شاہ صاحب ٹھیکیدار۔ (14) مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع جہلم۔ (15) مولوی قطب دین صاحب کیونڈر شفا خانہ قادیان۔ (16) مولوی محمد فضل صاحب چکوی۔ (17) مولوی عبداللہ صاحب کشمیری۔ (18) مولوی حافظ احمد اللہ خان

صاحب مدرس سکول قادیان - (19) مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب مدرس - (20) شیخ عبدالرحیم صاحب پرنٹمنٹ بورڈنگ قادیان -

1 پنجاب اور ہندوستان کے سجادہ نشین یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم تو جاہل اور علم قرآن اور علم عربیت سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ پھر تفسیر قرآن مجید اور بلاغت عربیت میں کیا مقابلہ کریں۔ کیونکہ اگر وہ جاہل ہیں تو لوگوں سے بیعت لیتے کیوں ہیں اور مراتب سلوک میں مرتبہ کشف القرآن کیوں رکھا ہوا ہے۔ ماسوا اس کے کہ جب یہ مقابلہ خوارق عادات کے طور پر ہے تو علم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کشف اور الہام سے کام لیں جس کا دعویٰ ہے۔ (منہ)

2 اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اس علامت کا منتظر رہنا کہ جب مسیح موعود کا دعویٰ کرنے والا آسمان سے اترتا نظر آئے گا تبھی ہم اس کو قبول کریں گے سخت حماقت ہے۔ بلاشبہ ایسا مشاہدہ محال ہے اور اگر جائز ہوتا تو ضرور ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات میں چڑھتے اور اترتے دکھائی دیتے۔ پس جو امر محال سے متعلق ہے وہ بھی محال اور باطل ہے۔ (منہ)

3 پیر مہ علی شاہ اپنی کتاب شمس الہدایت کے صفحہ 81 میں یہ لاف زنی کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اب تو وہ ان دونوں کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار

لیکن چون گفتی دلش بیار

4 یا رہے کہ ہر ایک نبی یا رسول یا محدث جو نشان اتمام حجت کے لیے پیش کرتا ہے وہی نشان خدا تعالیٰ کے نزدیک معیار صدق و کذب ہوتا ہے۔ اور منکرین کی اپنی درخواست کے نشان معیار نہیں ٹھہر سکتے۔ گو ممکن ہے کہ کبھی شاذ و نادر کے طور پر ان میں سے بھی کوئی بات قبول کی جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ان ہی نشانوں کے ساتھ حجت پوری کرتا ہے جو خود بغرض تمدنی پیش کرتا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ (منہ)

5 یہ اس شرط سے کہ مولوی محمد حسین وغیرہ اس دعوت سے گریز کر جائیں جو ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہے۔ (منہ)

6 کافی ہو گا جو بیس ورق کا اندازہ اس قرآن کے ساتھ کیا جائے جو حال میں مولوی نذیر احمد خان صاحب دہلوی نے چھپوایا ہے۔ (منہ)

7 اس دن تک پیر مہ علی شاہ صاحب کی طرف سے اشتہار کا شائع ہو جا نا ضروری ہے۔ لیکن بہ لحاظ ضمیمہ اس اشتہار کے تمام عناصر کی اطلاع کے لیے مقابلہ اشاعت اشتہار سے ٹھیک ٹھیک ایک مہینہ بعد ہوگا۔ (منہ)

8 اگر پیر صاحب تجویز مکان سے دستکش ہوں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی۔ (منہ)

ضمیمہ اشتہار دعوت:

اشتہار دعوت کے ساتھ ضمیمہ اشتہار، منقولہ ذیل شامل تھا۔

ضمیمہ اشتہار دعوت

پی مہر علی شاد صاحب گورنری

پی مہر علی شاد صاحب کے ہزار ہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہم میں درجہ اولیٰ و معروف ترین میں درعلومِ دینیہ میں اس ملک کے تمام مودوں سے بڑا کر ہیں۔ ان ہجرت سے لے کر امتحان کے لیے پی مہر علی شاد صاحب کو اختیار کیا ہے۔ تاکہ ان کے متقدموں سے خدمتوں کا و نشان خاص ہو جائے جو ان کے مرہمین درہ مودوں کی ایک خاص خدمت ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض مہر علی شاد صاحب سے یہ خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے والوں اور ان کی عمر اب میں پی مہر علی شاد صاحب موصوفی پر فروقت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی آسانی نشان کے خاص ہونے کے وقت یہ غلط فہمی کو مودوں کے پی مہر علی شاد صاحب موصوفی و موصوفی ہونا ہم پر بھرت نہیں ہے۔ در اگر ہمیں اس متقدم کے لیے بوجہ ہوا تو غلط فہمی کا سبب آتے۔ اس لیے قرآن مصحح معصوم ہو کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس متقدم سے ہم نہ رکھ جائے اور خود بخود ہے کہ اس قدر متقدم کرنے والے کثرت سے میدان میں آئیں گے اس قدر ہی نشان کی غنیمت بڑی قوت و وسعت سے انہوں نے آئے ان در یہ ایک یہاں در دست نشان ہو گا کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہو گا۔ تاکہ ان کے مرہمین سے ان سے بعض نیک مودوں کو ہر بیت ہو جائے اور ان کی ہی خدمت کو دیکھیں جو ان کا ہر ایک شامل حال ہے۔ ہذا اس ضمیمہ کے ذریعہ سے پنجاب اور سندھ و استون کے تمام مودوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم غنیمت قرآن در عربی کے تمام ادب اور ہر وقت خدمت میں نہ آسکے اور انہیں ان کے نشانے ذیل کی پابندی غمورانی ہوں۔

اس متقدم کے لیے پی مہر علی شاد صاحب کی ہر حال شہادت غمورانی ہوں۔ کیونکہ انہیں یہ خیال ہے کہ وہ ہم عربی و قرآن دینی میں ان تمام مودوں سے بڑا کر ہیں۔ تاکہ ان کے مودوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم غنیمت قرآن در عربی کے تمام ادب اور ہر وقت خدمت میں نہ آسکے اور انہیں ان کے نشانے ذیل کی پابندی غمورانی ہوں۔

کافی نہیں۔ ہاں ضروری ہوگا کہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد پیر صاحب موصوف دس دن کے اندر اس دعوت کے قبول کے بارہ میں ایک عام اشتہار شائع کر دیں اور بہتر ہوگا کہ پانچ ہزار کاپی چھپوا کر بذریعہ چند نامی مولوی صاحبان پنجاب و ہندوستان میں اس معرکہ مباحثہ کی عام شہرت دے دیں۔

2۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ مقام مباحثہ لاہور ہوگا جو صدر مقام پنجاب ہے اور تجویز مکان پیر صاحب کے ذمہ ہوگی لیکن اگر وہ اپنے اس اشتہار میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تجویز مکان اپنے ذمہ نہ لیں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی اور کچھ حرج نہیں تمام کرایہ مکان مباحثہ کا میں ہی دوں گا۔

3۔ تیسری یہ شرط ہے کہ یہ بحث صرف دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص مقابل کو سات گھنٹے تک لکھنے کی مہلت ملے گی۔

4۔ چوتھی یہ شرط ہے کہ جس قدر اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان حاضر ہوں گے ان کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو کسی قسم کی مدد کریں، نہ تحریر سے نہ تقریر سے نہ اشارات سے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب ایک مناسب فاصلہ پر ایک دوسرے سے دور ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی تحریر کو نہ دیکھ سکیں اور جو شخص ایسی حرکت کرے وہ کمرہ مقابلہ سے فی الفور نکال دیا جائے گا اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب اپنے ہاتھ سے ہی لکھے۔ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ آپ بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اقتباس اور استراق کا اندیشہ ہے۔

5۔ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب جب اپنے مضمون کو تمام کر لیں جو کم سے کم حسب ہدایت اشتہار ہدایتیں ورق کا ہوگا جس میں کوئی عبارت اردو کی نہیں ہوگی بلکہ خالص عربی ہوگی تو اس کے نیچے اپنے پورے دستخط کریں اور اسی وقت ایک ایک نقل اس کی مع دستخط اور نیز مع ایک تصدیقی عبارت جو بدیں مضمون ہو کہ نقل ہذا مطابق اصل ہے اس عاجز کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی بعد اخذ تمام نقول کے ایک نقل اپنی تحریر کی بعد ثبت دستخط پیر مہر علی صاحب کو دے دوں۔ یہ میرے ذمہ نہیں ہوگا کہ ہر ایک صاحب کو ایک ایک نقل دوں۔ کیونکہ اس تھوڑے وقت میں ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ میں مثلاً پچاس مولویوں کے لیے پچاس نقلیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں۔ ہاں ہر ایک مولوی صاحب کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے لیے ایک ایک نقل میرے مضمون کی پیر مہر علی شاہ صاحب سے لے کر خود لکھ لیں۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب اپنے مضمون کی نقل مجھے دے چکیں۔

6۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا مضمون بعد لکھنے کے آپ سناے گا یا اختیار ہوگا کہ جس کو وہ پسند کرے وہ سنا دے۔

7۔ اگر سنانے کے لیے وقت کافی نہیں ہوگا تو جائز ہوگا کہ وہ مضمون دوسرے دن سنا دیا جائے گا۔ مگر یہ ضروری شرط ہوگی کہ سنانے سے پہلے اسی دن اور اسی وقت جب کہ وہ بالمقابل تحریر ختم کر چکے ہوں

ایک نقل بعد مثبت دستخط مجھ کو دے دیں اور جائز نہ ہوگا کہ نقل دینے کے بعد اس مضمون پر کچھ زیادہ کریں یا اصلاح کریں۔ اور سہو و نسیان کا کوئی عذر سنا نہیں جائے گا اور اس شرط کا ہم میں سے ہر ایک پابند ہوگا۔

8۔ تمام مضامین سنانے کے بعد تین مولوی صاحبان جن کو پیر مہر علی شاہ صاحب تجویز کریں گے، اس قسم کے تین مرتبہ حلف کے ساتھ جو قذف محسنات کے بارے میں قرآن شریف میں مندرج ہے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔ کہ کیا یہ تمام مولوی صاحبان مقابل میں غالب رہے یا مغلوب رہے اور وہ رائے منطبع ہو کر وہی آخری فیصلہ ہمارا اور ہمارے اندرونی مخالفوں کا قطعی طور پر قرار دیا جائے گا۔

9۔ نویں شرط یہ ہے کہ اگر الہی رعب کے نیچے آ کر پیر مہر علی شاہ صاحب اس مقابلہ سے ڈر جائیں اور دل میں اپنے تئیں کاذب اور ناحق پر سمجھ کر گریز اختیار کر لیں تو اس صورت میں یہ جائز نہیں ہوگا کہ دوسرے مولویوں میں سے صرف ایک یا دو شخص مقابلہ کا اشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ بے فائدہ اور محض تضحیح اوقات ہے۔ وجہ یہ کہ بعد میں دوسرے مولویوں کے لیے یہ عذر بنا رہتا ہے کہ مقابلہ کرنے والے کیا چیز اور کیا حقیقت تھے یا جاہل اور بے علم تھے۔ لہذا یہ ضروری شرط ہوگی کہ اس حالت میں جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مریدوں کو دریاے ندامت میں ڈال کر بھاگ جائیں اور اپنے لیے کنارہ کشی کا داغ قبول کر لیں تو کم سے کم چالیس نامی مولویوں کا ہونا ضروری ہے جو میدان میں آنے کی درخواست کریں۔ اور ہمیں منظور ہے کہ وہ ان میں سے ہوں جن کے نام ذیل میں لکھے جائیں گے یا اس درجہ کے اور مولوی صاحبان باہم مل کر اشتہار دیں کہ جو چالیس سے کم نہ ہوں اور اس صورت میں ان سے بہ پابندی شرائط مذکورہ بالا مقابلہ کیا جائے گا۔

- 1۔ پیر مہر علی شاہ صاحب پر یہ فرض ہوگا کہ اگر وہ اپنے تئیں مرد میدان سمجھیں تو اشتہار ہذا کی اشاعت کی تاریخ سے یعنی اس روز سے جو بذریعہ رجسٹری اشتہار ہذا ان کو پہنچے، دس روز کے اندر اپنی تیاری مقابلہ اور قبول شرائط سے ہمیں اور پبلک کو اطلاع دیں۔ (منہ)
- 2۔ یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں اور جائز ہوگا کہ میں اپنا فرض پورا ادا کر کے دوسروں کی نگرانی کے لیے کسی دوسرے کو مقرر کر دوں اور یہی اختیار مخالفین کو ہوگا۔ (منہ)
- 3۔ اگر بعض مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلہ پر رہتے ہیں۔ یہ عذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناداری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وہ بطور قرضہ انتظام کرایہ سفر کر کے لاہور پہنچ جائیں۔ اگر فتح یاب ہو گئے تو میں کل کرایہ آمد و رفت ان کا دے دوں گا۔ (منہ)

10۔ اگر اشتہار ہذا کے شائع ہونے کی تاریخ سے جو 22 جولائی 1900ء ہے۔ ایک ماہ تک نہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اس میدان میں حاضر ہونے کے لیے کوئی اشتہار نکلا اور نہ دوسرے مولویوں کے چالیس کے مجمع نے کوئی اشتہار دیا تو اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے ان سب کے دلوں میں رعب ڈال کر ایک آسمانی نشان ظاہر کیا۔ کیونکہ سب پر رعب ڈال کر سب کی زبان بند کر دینا اور ان کی تمام شیخیوں کو کچل ڈالنا، یہ کام بجز الہی طاقت کے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

و تلک عشرۃ کاملۃ من الاشرط الٹی اردنا ذکرھا۔

اب میں ذیل میں ان حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہوں جو اس مقابلہ کے لیے بشرط شمولیت پیر مہر علی شاہ صاحب یا بشرط مجمع چالیس بلائے گئے ہیں اور اگر ان کے سوا اہل پنجاب اور ہندوستان میں سے یا ان عربوں میں سے جو نزیل برٹش انڈیا ہوں۔ اس ملک کے کسی گوشہ میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں جو مذہب ہوں تو وہ بھی اس اشتہار میں ایسے ہی مدعو ہیں جیسے یہ لوگ ہیں۔ اور حضرات موصوفین کے نام یہ ہیں۔

چھپاسی علماء کے اسماء کی فہرست:

- (1) مولوی محمد صاحب لدھیانہ
- (2) مولوی عبدالعزیز صاحب برادر مولوی محمد لدھیانہ
- (3) مولوی محمد حسین رئیس لدھیانہ
- (4) مولوی مشتاق احمد انیسٹھوی مدرس لدھیانہ
- (5) مولوی شاہ دین مفتی لدھیانہ
- (6) مولوی معظم دین مرولہ والا، ڈاک خانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور
- (7) مولوی عبداللہ چنڈاوی معرفت میاں محمد چنڈا ہور
- (8) مولوی غلام حسین سیالکوٹ
- (9) مولوی محمد خلیل احمد انیسٹھوی ضلع سہارن پور
- (10) مولوی شاہ محمد حسین صابری محبت اللہی سنبل مراد آباد
- (11) مولوی نذیر احمد خان دہلوی سابق ڈپٹی کلکٹر سرکار نظام حیدرآباد (12) مولوی عبداللطیف امروہی مدرس اودے پور ہیواڑا چپوتانہ
- (13) مولوی ولی محمد جالندھری ساکن تپارہ
- (14) قاضی عبدالقدوس چھاؤنی بنگلور
- (15) مولوی شیخ عبداللہ چک عمر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
- (16) مولوی محمد حسین مفتی ساکن امروہہ، محلہ ملانا ضلع مراد آباد
- (17) مولوی عبدالغفار مفتی ریاست گوالیار
- (18) مولوی عبداللہ محلہ کھڈہ کراچی
- (19) مولوی احمد حسن مدرس پانواڑی امروہہ ضلع مراد آباد
- (20) مولوی قاسم شاہ سیفی مجتہد لاہور
- (21) مجتہد صاحب لکھنؤ
- (22) مولوی عنایت علی شیعہ سامانہ ریاست پٹیالہ
- (23) مولوی سکندر صاحب شہر میسور
- (24) مولوی لطف اللہ قاضی القضاة حیدرآباد
- (25) مولوی نذیر حسین انیسٹھوی سہارن پور
- (26) مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھاناں ضلع راو پینڈی
- (27) مولوی محمد حسین موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم
- (28) مولوی ثناء اللہ امرتسری
- (29) مولوی کلیم اللہ پٹیالہ، گجرات
- (30) مولوی محمد اسحاق اجراوری پٹیالہ
- (31) مولوی نذیر حسین دہلوی یا جس کو وہ اپنا وکیل بنائیں۔
- (32) مولوی تملطف حسین دہلوی۔
- (33) مولوی آرامت اللہ محلہ باڑہ صدر بازار دہلی
- (34) مولوی فضل دین گجرات پنجاب

- (35) مولوی عبدالوہاب امام مسجد صدر دہلی
 (36) علماء ندوہ لکھنؤ جس عالم کو اپنا وکیل بنائیں۔
 (37) مولوی منشی سلیمان ملازم ریاست پٹیالہ مولف غایت الرام
 (38) مولوی مسیح الزمان شہا جہان پور یا وہاں کا جو عالم بھی ہو۔
 (39) مولوی محمد صدیق دیوبندی حال مدرس پتھراپور مراد آباد
 (40) مولوی محمد شفیع قصبہ رام پور ضلع سہارن پور
 (41) مولوی محمد شبلی نعمانی سابق پروفیسر علی گڑھ کالج
 (42) مولوی دیدار علی مسجد دائرہ ریاست الور
 (43) شیخ ظلیل الرحمن سرسوادہ سہارن پور سجادہ نشین چار قطب ہانسوی
 (44) مولوی نظام الدین قاضی مالیر کوٹلہ۔
 (45) شیخ اللہ بخش تونسوی سنگ ہڑمع جماعت علماء
 (46) مولوی عبداللہ ٹوکی پروفیسر
 (47) قاضی ظفر الدین پروفیسر
 (48) مولوی عبدالحکیم پروفیسر
 (49) مولوی عبداللہ ساکن جلو خلیفہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی
 (50) مولوی غلام محمد چکوال ضلع جہلم
 (51) مولوی ابراہیم آ رہ
 (52) مولوی محمد حسین بٹالوی
 (53) مولوی شیخ حسین عرب میانی بھوپال
 (54) مولوی اصغر علی پروفیسر حمایت اسلام لاہور
 (55) مولوی محمد بشیر بھوپال
 (56) مولوی عبدالجبار امرتسر
 (57) مولوی احمد اللہ امرتسر
 (58) مولوی رسل بابا امرتسر
 (59) مولوی عبدالحق مفسر تفسیر حقانی دہلی
 (60) مولوی عبدالحق امرتسر
 (61) مولوی عبدالواحد امرتسر
 (62) مولوی منہاج الدین کوٹ
 (63) منشی الہی بخش ملہم بذریعہ الہام تفسیر لکھیں
 (64) مولوی احمد ساکن سکندر پور، ہزارہ
 (65) مولوی رشید احمد گنگوہی ضلع سہارن پور
 (66) قاضی امیر عالم ساکن سکندر پور ہزارہ
 (67) مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی
 (68) مولوی ابوالخیر نقشبندی خانقاہ حضرت مرزا جانجاناں دہلی
 (69) مولوی احمد علی واعظ سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارن پور
 (70) ملا مانگی نوشہرہ پشاور
 (71) مولوی عبدالمنان وزیر آبادی جس عالم مینا کو منتخب کریں
 (72) قاضی سلطان محمود آئی اوان گجرات
 (73) **مولوی غلام محمد بگہ والا شاہی مسجد لاہور**
 (74) **مولوی محمد ذاکر بگوی** حمایت اسلام لاہور
 (75) مولوی غلام محمد ملازم انجمن نعمانیہ لاہور
 (76) مولوی غازی خان گولڑہ راو پینڈی
 (77) مولوی غلام رسول قطبال گوجر خان
 (78) مولوی مفتی غلام محی الدین گڑھا ڈاک خانہ ڈوبیلی
 (79) مولوی عبدالسیع رام پوری حال ملازم الہی بخش رئیس میرٹھ
 (80) مولوی محمود حسن مدرس اول مدرسہ دیوبند
 (81) مولوی احمد حسن کنج پوری صابری، جامعہ مسجد دہلی
 (82) مولوی احمد حسن ایڈیٹر اخبار شعلہ بند میرٹھ
 (83) مولوی عبدالخالق جہان خیلان ضلع پشاور
 (84) مولوی عبدالرحمن چھوہروی ضلع ہزارہ
 (85) مولوی فقیر محمد عزیز ترنواہ ضلع ہزارہ
 (86) شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی

المشتہر

خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان 20 جولائی 1900ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان (یہ اشتہار 26x20/8 کے 14 صفحات پر مشتمل ہے) مندرجہ بالا فہرست میں برصغیر پاک و ہند کے اس وقت کے قریباً تمام مشہور مشائخ عظام اور علمائے کرام کے اسماء گرامی آگئے ہیں جو بقیہ حیات تھے اور خدمت دین سرانجام دے رہے تھے۔

دعوت مقابلہ کی قبولیت:

مرزا صاحب کا اشتہار بالا 25 جولائی 1900ء کو گوڑہ شریف میں موصول ہوا۔ مہرمنیر کے مولف مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں:-

گوڑہ شریف میں مرزا صاحب کا یہ اشتہار دعوت 25 جولائی 1900ء کو موصول ہوا۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اسی روز منقولہ ذیل اشتہار جواب دعوت بمع ضمیمہ مطبع اخبار ”چودھوی صدی“ راولپنڈی میں بھجوا کر اگلے ہی روز ملک میں شائع کروادیا۔ مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوائی گئیں ان میں سے مرزا صاحب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ اور علمائے کرام مندرجہ اشتہار دعوت کو اور پنجاب و ہندوستان، صوبہ سرحد اور افغانستان کے بہت سے دیگر علماء و فضلاء کو بھی، دستی اور بذریعہ ڈاک روانہ کر دی گئیں۔ تمام ملک کے اخبارات میں بھی اس دعوت مناظرہ اور جواب دعوت کی اطلاعات نشر کر دی گئیں جس سے ہر جگہ خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ (مہرمنیر، ص 219)

دعوت مقابلہ کا جواب:

حضرت پیر مہر علی شاہ گوڑوی نے مرزا غلام احمد صاحب کی دعوت مقابلہ میں درج ذیل جواب، بشکل اشتہار انہیں ارسال کیا:-

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده وآله و عترته. اما بعد۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ 20 جولائی 1900ء آج اس نیاز مند علمائے کرام و مشائخ عظام کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوت حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسر و چشم منظور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گزارش کو بہ سلک شرائط مجوزہ منسلک فرمادیں گے۔ وہ یہ ہے کہ مدعی مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بمشافہ حضار جلسہ اپنے دعویٰ کو پایہ ثبوت پہنچادیں۔ بجواب اس کے نیاز مند کی معروضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادت و رائے تینوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب بنالوی و مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی و مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر لاہوری) کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بہ پایہ ثبوت نہیں پہنچا سکے،

مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنی ہوگی۔

بعد اس کے عقائد معدودہ مرزا صاحب میں جن میں جناب ساری امت میں منفرد ہیں بحث تقریری و اظہار رائے ہو کر، مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیق حق کے لیے عند العقل، مقتضی بالطبع ہے۔

ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد بطلان مضامین کے کچھ بھی وقعت اور عظمت نہیں۔ حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیاران صداقت کے لیے نہایت مہتمم بالشان ہے۔ اظہار حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارف قرآنیہ سے تو ان کی تصانیف بھری ہوئی ہیں اور وہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیقت کی وجہ سے دھبہ لگا رہے ہیں۔ علمائے کرام کی تحریرات اور اہل دیانت و فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں۔ تیز نویسی چونکہ بروز عیسوی و بروز محمدی سے بالکل اجنبی اور برطرف ہے لہذا اس کو موخر رکھا جائے گا۔ اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمادیں۔ نہایت ممنون ہو کر حاضر ہو جاؤں گا۔ قانون فطرت اور کرات و مرآت کا تجربہ مع شہادت (وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا) کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقت بحث میں الہام سکوتی ہو جاوے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں اس الہام ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے کہ ایسے الہامات عندیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ در صورت من جانب اللہ ہونے کے کیونکر زیر لحاظ نہ ہوں اور مستثنیٰ نہ کیے جائیں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھر ان پر تعمیل واجب ہوگی۔ مشائخ عظام اور علمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از تضييع اوقات و تکلیف عبث کیا حاصل ہوگا۔ لہذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک ان بزرگواران کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیاز مند ان کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرط معروض الصدر نا منظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کے کاذب ہونے پر۔

آپ فرماتے ہیں کہ شمس الہدایت کے صفحہ 81 پر نیاز مند نے علم اور فقر میں لاف زنی کی ہے۔ ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہدید ہے بمقابلہ محاورات مثلاً "اجماع کورانہ"۔ "ضرب نادان"۔ "بے شرم"۔ "بے حیا"۔ "علمائے یہود" وغیرہ جو آپ نے اپنی کتب "ازالہ"۔ "ایام الصلح" میں دربارہ علماء سلف و خلف شکر اللہ سعیم کے دیانت اور تہذیب سے لکھا ہے اور تفرافی فہم القرآن کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ اس اشتہار کے صفحہ 3 کے آخر میں باریک قلم سے لکھتے ہیں اگر وہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی الخ۔

لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکورہ سے معلوم ہو جائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب آپ

اپنی دعوت میں مامور من اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اس دعوت کی بنا ٹھہرائی قول بالمتناقصین نہیں تو کیا ہے۔
مرزا صاحب نیاز مند کو مع علمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سنت
رسول اللہ ﷺ باعث انکار ہے۔ انصاف فرمادیں مثل مشہور کا مصداق نہ بنیں (نالے چور نالے چتر) ظاہر
تو عشق محمدی اور قرآن کریم سے دم مارنا اور درپردہ کیا بلکہ علانیہ تحریف کتاب و سنت کرنی اور پھر اس کمال پر
ملفتی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر علماء کیسے خاموش بیٹھے
رہیں۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور و شور سے ارشاد فرما چکے ہیں۔ اگر بہ لحاظ اس کے کچھ لکھا بھی
جاوے تو داخل گستاخی اور مورد عتاب اہل تہذیب نہیں ہو سکتا۔ مگر تاہم لوگوں کی ہنسی سے شرم آتی ہے۔ اس
سے زیادہ آپ کے اوقات گرامی کی تضحیح نہیں کرتا ہوں۔ والسلام علی من اتبع الهدی وامن
بخاتمیة افضل الاولین و الآخرین سیدنا ابی القاسم محمد بن المصطفیٰ و صدق بما جاء به
من عند رب الارضین و السموات العلیٰ۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا و صلِّ و سلِّم و
بارک و آدم علی من اریتہ الآیات الکیبریٰ صلوة تستجیب بها دعائنا و تزکی بها نفوسنا و
تحیی بها قلوبنا و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

العبد الملتجی الی اللہ

مہر علی شاہ از گولڑہ

25 جولائی 1900ء

نوٹ :- حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت 25 اگست
1900ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔

گواہ شدند

- (1) محمد غازی۔ (2) مولوی حضرت میر معلم صاحبزادگان خان ملا خان صاحب رئیس کابل۔ (3) قاضی محمد زمان
ساکن پنڈی۔ (4) مولوی محمد۔ (5) مولوی عبداللہ ساکن جلو۔ (6) مولوی ہدایت اللہ۔ (7) مولوی احمد دین ساکن
بھوئی۔ (8) مولوی محمد یوسف ساکن بھوئی۔ (9) مولوی غلام ربانی ساکن بھوئی۔ (10) مولوی سید حسن مدرس اول
مدرسہ اسلامیہ پنڈی۔ (11) مولوی محمد اسماعیل گولڑہ۔ (12) مولوی عبداللہ شاہ ساکن گڑھی افغاناں۔ (13) مولوی
میر حمزہ ساکن بھوئی۔ (14) مولوی محمد عرفان ساکن گولڑہ۔ (15) مولوی فضل احمد ساکن سواں۔ (16) مولوی منہاج
الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ (17) مولوی عبدالجید ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ (18) مولوی محبوب عالم ساکن گولڑہ۔
(19) قاضی نواب ساکن کوٹ۔ (20) مولوی بدر دین پوٹھواری۔

تقریری مقابلے کا اضافہ:

حضرت گولڑویؒ نے گو مرزا صاحب کے تحریری مقابلہ کی شرائط مع اسمائے ثالثین منظور کر لیں تاہم آپ نے شرط رکھی کہ مضمون نویسی سے پہلے دونوں طرف سے بحث تقریری اور زبانی اظہار رائے ہو۔ یہ شرط بالکل موزوں اور مناسب حال تھی تاکہ مرزا صاحب اپنے دعاوی کو دلائل سے پیش کریں اور پیر صاحب ان دلائل کا ابطال کریں۔ تفسیر نویسی اور عربی دانی سے پہلے یہ بات تو طے ہو جائے کہ اصل وجہ نزاع کیا ہے اور حق و صداقت کس طرف ہے۔ اس دوران ہندوستان کے مختلف علاقوں کے ساٹھ علماء و مشائخ کے دستخطوں سے ایک اشتہار ہوا جس میں انہوں نے اظہار کیا کہ وہ مرزا صاحب کی دعوت پر، حضرت گولڑوی کے ہمراہ مباحثہ لاہور میں شریک ہوں گے۔

مرزا صاحب کا انکار:

مباحثہ کی تاریخ سے صرف چار دن پہلے مرزا صاحب کی جانب سے ایک مطبوعہ خط گولڑہ شریف پہنچا کہ انہیں تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب لاہور آ جائیں۔ حضرت گولڑوی نے فوراً اعلان شائع کرایا کہ وہ اپنی شرائط کے مطابق 25 اگست کو تقریری مباحثہ کے لیے لاہور جا رہے ہیں۔ اس اعلان کی ایک کاپی قادیان بھی بھجوا دی۔

ناموس رسالت کے لیے مسلمانوں کا اتحاد اور اجتماع:

یوم مباحثہ کے لیے برصغیر کے تمام علاقوں سے بھاری تعداد میں عوام اور علماء لاہور پہنچ گئے۔ ان میں سنی، شیعہ، اہل حدیث اور قادیانی بھی شامل تھے۔ مولانا فیض احمد فیض کے الفاظ میں:-

”ہر عقیدہ کے اسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحثہ میں دلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھیجے۔ بعض سرکاری ملازم بھی دو دراز شہروں سے رخصت لے کر پہنچ گئے۔ مسلمانان لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع، قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سوار یوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھنڈے سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقع پر تو ہجوم خلایق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ جیسی مشہور زمانہ روحانی تقدس اور علمی احترام و شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں علمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدان مناظرہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی اور تمام

موافق، مترد یا مخالف حضرات اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اشتہاری تحریک کا حشر دیکھنا چاہتے تھے۔ (مہر منیر، ص 230)

علماء کا اجلاس:

حضرت گولڑوی اور ان کے رفقاء کا قیام برکت علی محمد ہال اور اس کی ملحقہ عمارات بیرون موچی دروازہ میں کیا گیا تھا۔ جہاں مقامی اور بیرونی علماء اور زعماء جمع ہو گئے تھے اور رات گئے تک مباحثے اور مقابلے کے متعلق امور پر تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت مولانا غلام محمد بگوی کے اعتراضات:

ظاہر ہے جب علماء اور فضلا ایک جا ہوں اور مسئلہ بھی رسالت کا ہو تو بحث مباحثہ تمام پہلوؤں کو محیط کرتا ہے۔ اس خصوصی نشست میں حضرت گولڑوی نے قادیانی دعاوی کی موافقت اور مخالفت میں بعض دلائل دیئے اور کئی اسناد بیان کیں جو شرکاء کے لیے غریب اور نادر تھیں۔

اگرچہ اس معاملے کے بارے میں زیادہ تفصیل موجود نہیں ہے تاہم قیافہ لگایا جاسکتا ہے کہ رد قادیانیت میں پیر صاحب کی کتاب 'شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح' کے بعض مندرجات پر اہل علم معترض رہے ہیں۔ (دیکھئے مہر منیر باب 5 فصل 11، ص 304) اس محفل میں حضرت گولڑوی نے غالباً اپنے پرانے موقف اور سابقہ دلائل کا اعادہ کیا۔ مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

"یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیت کے موافق نقطہ نظر سے دلائل دیئے تو مولانا غلام محمد

بگوی امام شاہی مسجد لاہور بول اٹھے کہ حضرت اس سے تو ہمیں بھی شبہات پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ مگر

جب آپ نے تردیدی رخ اختیار فرمایا تو مولانا عبدالجبار غزنوی نے مجمع علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت

پیر صاحب نے ان مسائل پر جو طرز استدلال اختیار فرمائی ہے اس سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید نہیں کی جا

سکتی۔ (مہر منیر، ص 231)

مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کا فرار:

25 اگست 1900ء کو پولیس نے شاہی مسجد لاہور میں حفظ امن کے انتظامات کر رکھے تھے۔ 25 اور

26 اگست کو دونوں طرف کے نمائندے اور عوام جمع ہو کر منتشر ہوتے رہے مگر مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اور ان

کے رفقاء کو نہ آنا تھا اور وہ نہ آئے۔ مرزا صاحب کے اس انکار اور فرار کی بنیاد یہ تھی کہ پیر صاحب تقریری بحث کی شرط واپس لینے کا خود اعلان کریں۔

شاہی مسجد لاہور میں جلسہ عام:

دو دن کے انتظار کے بعد واضح ہو گیا کہ مرزا صاحب اپنے بلائے ہوئے مقابلے میں شریک نہیں ہو رہے۔ چنانچہ علماء کے فیصلے کے مطابق 27 اگست 1900ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ سے مختلف علماء نے خطاب کیا۔ اتفاق رائے سے درج ذیل فیصلے طے ہوئے:

نتائج جلسہ:

”بہ لحاظ جملہ حالات مرزا و حسب روئید امدن درجہ بالا جملہ علمائے کرام و مشائخ عالی مقام و رؤسائے عظام و حاضرین جلسہ اہل اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ:-

1- مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیق حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگان دین اور معززین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرانا چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصود ہے۔

2- اس موقع پر اس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوت مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمدہ گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صد ہا بزرگان دین و معززین اہل اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے حرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا انہیں متحمل کیا۔

3- اس کے عقائد بالکل خلاف قرآن کریم و سنت رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام کے ہیں۔

4- اس کے دعوے بالکل غلط و بے بنیاد اور لغو ہیں۔

5- وہ آنحضرت ﷺ کا مخالف اور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وہ اپنے اشتہار معیار الا خیار میں یوں لکھتا

ہے:

قل يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ (ترجمہ) اے غلام احمد تو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں۔

6- وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اور قادیان کو بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور معراج آنحضرت ﷺ سے منکر ہے۔

- 7- وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔
- 8- وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا و ہتک آمیز تحریریں شائع کر کے ان کی دشمنی کر رہا ہے۔
- 9- وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔
- 10- اس کے اور اس کے حواریوں کی تحریریں سخت بدتہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔
- 11- اس کی عام اسلامی مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہوئے ہیں۔

پس بہ لحاظ و جوہات مذکورہ بالا جملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور متناقض دعاوی سے چال بازی اور حیلہ جوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اور شرفا کی پگڑیاں اتارنے اور بازاری و عامیانه حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے۔ اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اس لیے آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں۔ کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔

(از رسالہ روئیداد جلسہ لاہور، بحوالہ مہر منیر، ص 235)

علماء و مشائخ - تائیدین و ناصرین:

- جلسہ کے نتائج اور فیصلوں پر درج ذیل علماء اور مشائخ نے توثیق فرمائی:-
- جناب ابوسعید حضرت خواجہ محمد عبدالحق سجادہ نشین جہان خیلاں بن حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ۔
- مولانا محمد ذاکر بگوی اول مدرس مدرسہ حمید یہ انجمن حمایت اسلام لاہور
- جناب صاحبزادہ سید عبدالقادر سجادہ نشین باجھ خیلاں ضلع پشاور
- جناب صاحبزادہ محمد چراغ سجادہ نشین چکوڑی بھیلوال ضلع گجرات
- جناب صاحبزادہ عبدالعزیز سجادہ نشین چاچڑ شریف ضلع شاہ پور۔
- مولانا غلام محمد بگوی نقشبندی امام شاہی مسجد لاہور

- مولانا غلام مصطفیٰ ایم اوایل پروفیسر عربی فارسی گورنمنٹ کالج لاہور
- جناب مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ سجادہ نشین نقشبندی
- مولانا غلام احمد اول مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور
- مولانا حافظ نور احمد ملتانی مشیر مال مدرسہ انوار الرحمن
- جناب مولانا عبد الجبار بن مولانا عبد اللہ غزنوی
- مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور
- مولانا علی محمد اسٹنٹ سیکرٹری ناظم التعليم انجمن حمایت اسلام لاہور
- مولانا حافظ محمد حسین امام مسجد چیتیاں لاہور
- مولانا محمود الدین مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان
- مولانا سید حسن مدرس مدرسہ اسلامیہ راولپنڈی
- مولانا محمد عبدالکریم مدرس مدرسہ اسلامی کالرا
- مولانا انشاء اللہ امرتسری
- جناب مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹوکی
- مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی
- مولانا محمد علی واعظ
- مولانا محمد نور الحق ضلع شاہ پور
- مولانا شاہ عبدالعزیز باغبانپوری
- مولانا محمد یوسف سکنہ بھوئی
- مولانا حافظ احمد دین ولد مولوی سعید الدین
- مولانا محمد یار امام مسجد طلانی لاہور
- مولانا محمد شریف سکنہ بھیلووال ضلع گجرات
- مولانا محکم الدین لاہوری
- مولانا احمد دین ضلع جہلم
- مولانا حافظ احمد علی بٹالوی
- مولانا حافظ سراج الدین سکنہ گولڑہ شریف
- مولانا حافظ جمال الدین لاہوری
- مولانا نور الدین امرتسری
- مولانا احمد علی سیالکوٹی
- مولانا شفیق الرحمن لاہوری
- مولانا سید لعل شاہ صوفی ضلع ہزارہ
- مولانا شاہاب الدین مرولہ والا
- مولانا امیر حمزہ ساکن بھوئی
- مولانا محمد فضل حق ضلع شاہ پور
- مولانا ناصر احمد ضلع ہزارہ
- مولانا جمال الدین راولپنڈی
- مولانا نوری احمد ضلع فیروز پور
- مولانا عبد اللطیف مچنی علاقہ افغانستان
- مولانا احمد دین سکنہ جواہر تحصیل چکوال
- مولانا احمد علی واعظ دہلوی وغیرہ وغیرہ۔

تنبیہ: مرزا غلام احمد اور اس کے حواریوں کو واجب ہے کہ وہ خواہ مخواہ گھر بیٹھے بیٹھے بزرگان دین اور معززین اسلام کے نام نامی اپنی تحریروں میں شائع کر کے انہیں مخاطب کرنے سے باز رہیں۔ کیونکہ ایسی تحریروں سے بجز عامہ خلألق میں بد امنی پھیلنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ہم ان کی فضول اور لچر تحریروں کے جواب دینے سے حسب ہدایت جلسہ اہل اسلام لاہور مجبور ہیں۔ اور انہیں اب اختیار

ہے کہ وہ ناحق بے گناہ کاغذوں کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر کے جس قدر چاہیں زمانہ میں ذلت اور رسوائی حاصل کریں۔
بگویی علماء در مقابلہ لاہور:

مرزا قادیانی صاحب کے ساتھ مجوزہ مقابلہ لاہور میں بگویی علماء۔ مولانا غلام محمد بگویی اور مولانا محمد ذاکر بگویی اپنے اپنے اداروں انجمن نعمانیہ اور انجمن حمایت اسلام کی طرف سے اور اپنی ذاتی حیثیت میں برابر کے شریک رہے اور اسلام کے دفاع اور قادیانیت کے سدباب کے لیے پوری طرح کوشاں رہے۔
فیض باطنی:

حضرت مولانا غلام محمد بگویی نے اپنے والد ماجد سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے۔ وفات سے تین دن پہلے حضرت استاذ الکل نے آپ کے قلب پر انگلی رکھ کر فرمایا:
"میرا خدا میری اولاد کا محافظ ہے"

آپ فرماتے ہیں کہ اس انگلی نے دل و دماغ پر جو اثر کیا اس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔ رات کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔
ترکیہ اور سلوک:

حضرت استاذ الکل کے وصال کے بعد مولانا غلام محمد بگویی کو مختلف سلاسل کے کبار مشائخ سے وافر فیوض و برکات حاصل کرنے کا شرف ملا۔ چنانچہ جب آپ حج کے لیے حرمین شریف گئے تو وہاں قیام کے دوران سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت شاہ عبدالغنی (بن شاہ ابوسعید مفسر اور محدث، صاحب باطن اور درویش سیرت تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگرد تھے۔ پیدائش 1235ھ/1819ء۔ وفات محرم 1296ھ/دسمبر 1878ء، میں ہوئی اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے) کے ساتھ بڑی دل نواز اور ایمان افروز محفلیں رہیں۔ پھر ان کے خلفاء کے ساتھ مجالس محبت گرم رہیں۔

سلسلہ چشتیہ میں اویسی طور پر حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے روحانی تربیت پائی۔ حضرت مخدوم گنج بخش ججویری اور حضرت سلطان باہو سے کئی مقامات طے کیے۔

بیعت:

آپ نے ارادت اور اطاعت کی بیعت حضرت خواجہ بابا جی فقیر محمد (☆) بن خواجہ نور محمد تیراہی چورہ شریف ضلع اٹک کے دست مبارک پر کی۔ جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری اپنی تصنیف **تذکرہ اکابر اہل سنت** میں لکھتے ہیں:-

” (حضرت بابا جی) کے وجود مسعود سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی بے پناہ اشاعت ہوئی۔ آپ کے حلقہ ارادت میں بڑے بڑے فضلاء اور کالمین داخل ہوئے جو آپ کے فیض صحبت سے آسمان علم و عرفان کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ ان میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی، حضرت مولانا عبدالکریم (راولپنڈی)، حضرت مولانا غلام محمد بگویی، مولانا حسن محمد (گجرات) مولانا غلام محی الدین (باؤلی شریف) مولانا حافظ فتح دین (رنگ پور) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت مشہور بزرگ گزرے ہیں۔“ (ص 389)

سعادت حج:

آپ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ صحیح طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کب حج پر تشریف لے گئے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس سفر حج میں مولانا بگویی کے ساتھ ہندوستان سے کون سے علماء اور مشائخ ہمراہ تھے۔ یہ واقعہ 1875ء کے لگ بھگ کا ہے جب سلسلہ نقشبندیہ کے شاہ عبدالغنی بن شاہ ابوسعید جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے حرمین شریف میں موجود تھے۔ ریکارڈ کے مطابق مولانا غلام محمد بگویی خاندان بگوییہ کے غالباً پہلے عالم اور شیخ تھے جو حج پر گئے۔ شیخ کی عنایت اور محبت:

حضرت بابا جی کی اپنے جلیل القدر مرید پر خصوصی عنایات تھیں۔ انہیں ان سے غایت درجہ محبت تھی۔ چنانچہ صاحبزادہ مولانا غلام محی الدین باؤلی شریف اور دیگر خلفاء سے روایت ہے کہ بابا جی فرمایا کرتے تھے:

”میں نے مولوی صاحب کو جو کچھ دیا ہے، کسی اور کو نہیں دیا۔“

مولانا غلام محمد بگویی جب پہلی بار چورہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت بابا جی نے اپنے تمام صاحبزادگان کو طلب کیا اور ان کو جمع کر کے آپ سے کہا کہ:

”ان کے حق میں دعا کریں۔“

(☆) وفات 29 محرم 1315ھ / یکم جولائی 1897ء۔ تفصیلی حالات جلد دوم میں دیکھئے۔

آپ نے انکساری سے عرض کیا:

”میں اس قابل نہیں ہوں (کہ یہ بار امانت اٹھا سکوں)“

حضرت بابا جیؒ نے کمال شفقت و محبت سے جواب دیا:

”خیر الناس من ینفع الناس . آپ خلق خدا کے فائدہ اور خدمت سے کیوں اجتناب کرتے ہیں (یہ کام آپ کے کرنے کا ہے)“۔

حضرت بابا جیؒ نے پانچ روپیہ اور ایک دستار عنایت کر کے ہر چہار سلسلہ کی اجازت عطا فرمائی۔

اللہ کی رحمت سے آپ پر فیوض باطنی اور مکاشفات کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خود بخود دعوت و ارشاد پر مجبور ہوئے۔ آپ کی محفل میں اہل دل کے لیے انوار و برکات بارش کی طرح کچھ اس طرح برستے تھے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر طبقے اور ہر حال کے صاحب دل اور طالب مستفیض ہوئے تھے۔ جب آپ آستانہ چورہ شریف سے واپس تشریف لائے تو آپ کو خواب میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور یوں صدیقی مرتبہ سے کامل حصہ مٹا ہوا۔ یہ واقعہ آپ نے حضرت بابا جیؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ سن کر آپ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا:

”مولوی صاحب! آپ کا کام پورا ہو گیا!“

ہر وقت مشاہدہ جمال ازلی میں مصروف اور متحیر رہتے تھے۔ درحقیقت حضرت مولانا روحانی خشک سالی میں برکت و رحمت، سعادت و ہدایت کا برستا ہوا بادل تھے جس سے اہل دل خوب خوب سیراب ہوئے۔

طریقہ سلوک:

آپ ہر روز صبح و شام دو وقت حلقہ فرماتے تھے۔ آپ کا طریق سلوک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے خاص طریقے کے مطابق تھا۔

آپ اولاً طالب کو لطیفہ قلب، روح، سرخفی، اخفی نفس، عناصر ربوہ کے ذکر کی تلقین فرماتے تھے۔ بعد ازاں مراقبہ احدیت، معیت اقریبیت، محبت اسم ظاہر، اسم باطن، کمالات نبوت، کمالات رسالت، کمالات اولوالعزم، حقیقت قرآن، حقیقت کعبہ، حقیقت صلوٰۃ، معبودیت صرفہ تک بالترتیب توجہ فرماتے تھے۔

آپ کی توجہ نہایت تیز اور اثر انگیز تھی۔ لطیفہ قلب سے حقیقت صلوٰۃ تک ہر ایک شغل کی الگ الگ تلقین فرماتے تھے۔

سریع الاثر توجہ:

آپ کو توجہ دینے میں خداداد ملکہ حاصل تھا۔ جس وقت کسی لطیفہ کی طرف توجہ کرتے فوراً جاری ہو جاتا اور اس پر فیوض و برکات نازل ہونا شروع ہو جاتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ آپ نے کسی طالب پر نظر التفات ڈالی تو اسے محبت الہی میں سرشار کر دیا۔ اس کے تمام حجابات اور رکاوٹیں جو قرب الہی میں آڑے آ رہی تھیں، سورج کی تیز کرنوں کے سامنے مانند کھر غائب ہو گئیں۔ ماہیت قلب کی اس تبدیلی سے طالب کی کایا پلٹ دی۔ گویا ابھی کیا تھا اور کیا بن گیا۔ بقول اقبال مرحوم:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حضرت میاں شیر محمد شرچپوری قدس سرہ العزیز: ۲۵۸

نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ 1865ء میں شرچپور شریف میں پیدا ہوئے۔ حضرت بابا امیر الدین نقشبندی کوئلہ شریف سے بیعت اور مجاز تھے۔ ایک عالم کو فیض یاب کرنے اور ہدایت دینے کے بعد 20 اگست 1928ء کو وصال پا گئے۔ حدیث دلبراں کے نام سے جناب حاجی فضل احمد مونگہ شرچپوری نے آپ کی سوانح حیات لکھی ہیں۔ حضرت میاں صاحب سے وہ واقعات اور واردات سنئے جو آپ نے حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں:-

تعریف:

حضرت میاں صاحب قبلہ، مولانا غلام محمد بگویی کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ مولانا موصوف ان دنوں بادشاہی مسجد لاہور میں خطیب تھے اور نہایت متقی عالم اور پرہیزگار بزرگ کے طور پر مشہور تھے۔

مصافحہ میں اتباع سنت:

حضرت میاں صاحب قبلہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

”میں چھوٹی عمر میں شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے گیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مولانا غلام محمد بگویی صاحب تقریر کرنے کی غرض سے منبر پر بیٹھے تو لوگ ان سے مصافحہ کرنے کے لیے دوڑے۔ میں نے بھی مولانا صاحب سے مصافحہ کیا۔ ہم کافی دیر مصافحہ میں مشغول رہے۔ نہ تو میں نے ہاتھ پیچھے ہٹائے اور نہ ہی مولانا نے اپنے ہاتھ کھینچے۔ بار بار لوگ مجھے بیٹھنے کے لیے کہتے رہے۔ آخر کافی دیر کے بعد میں نے ہاتھ پیچھے کیے تو

مولانا نے بھی مصافحہ ختم کیا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ مولانا سنت نبوی ﷺ کے پورے پورے پیروکار ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب کوئی مصافحہ کیا کرتا تو حضور اس وقت تک اپنے ہاتھ پیچھے نہ ہٹاتے جب تک مصافحہ کرنے والا اپنے ہاتھ نہ کھینچ لیتا تھا۔ (حدیث دلبراں، ص 165)

نشست اور نسبت:

1915ء میں حاجی فضل احمد موزنگا کے والد کاروبار کے سلسلہ میں لاہور مقیم تھے۔ ان کی رہائش کشمیری بازار میں تھی اور وہ اپنے ایک دوست کو ملنے ہر روز پانی والے تالاب جاتے اور عشاء کی نماز ایک قریبی مسجد میں ادا کرتے تھے۔ پھر دونوں دوست مسجد کی اس دیوار کے پاس بیٹھتے جو بازار کی دکانوں کے ساتھ ملحق ہے۔ وہاں طبیعت خوب کھلتی اور ایک پر کیف محویت کا عالم ہوتا۔

”ایک دن ملاقات کے وقت حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”کبھی پانی والے تالاب کی مسجد بھی گئے ہو۔“ والد صاحب نے عرض کی ”حضور! اکثر جایا کرتا ہوں۔“ فرمانے لگے ”کہاں بیٹھتے ہو۔“ انہوں نے عرض کی ”دیوار کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔“ یہ سن کر حضرت صاحب قبلہ ارشاد فرمانے لگے۔ ”وہاں طبیعت تو خوب لگتی ہوگی۔ اس جگہ مولانا غلام محمد بگویی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کی نسبت آتی ہے۔“ (حدیث دلبراں، ص 6-165)

حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے مزار پر:

حضرت میاں صاحب قبلہ نے ایک بار حاجی فضل احمد موزنگا کے والد صاحب سے پوچھا:

”کبھی مولانا کے مزار پر گئے ہو؟“

انہوں نے عرض کی:

”حضور مجھے تو ان کے مزار کا پتہ ہی نہیں۔“

آپ نے فرمایا:

”کبھی جانا۔ اور بات ختم ہو گئی۔“

چند روز کے بعد موصوف کو کسی جنازے کے ساتھ میانی صاحب گورستان جانا پڑا۔ وہ راستے میں ایک قبر پر کے اور ان کے ساتھی کہیں آگے نکل گئے۔ بعد کی تفصیل ان کے فرزند حاجی فضل احمد موزنگا سے سنیے:-

”گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کا وقت۔ میں راستہ بھول گیا۔ ادھر ادھر بہت تک و دو کی لیکن راستہ نہ مل سکا۔ چند ساعتوں کے بعد دور ایک مزار نظر آیا جہاں قبلہ شہر قبوری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور صاحب کی معیت میں نظر

آئے۔ یہ دیکھتے ہی وجد ہو گیا اور اسی حالت میں وہاں جا پہنچا۔ ہوش و حواس درست ہونے پر دیکھا کہ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:

”حضرت مولانا غلام محمد بگویی رحمۃ اللہ علیہ خطیب شاہی مسجد لاہور“۔

بڑا پرسرور اور فیض رساں مزار تھا۔ جب کچھ دنوں بعد شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مسکرا کر فرمانے لگے۔ ”کیوں بھی! مولانا بگویی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تھے“۔ یہ سن کر میری آنکھوں کے سامنے تمام گزشتہ واقعات پھر گئے۔ یہ تھا تصرف آپ کی ذات گرامی کا۔“ (حدیث دلبرائ، ص 167)

مریدین:

آپ کے مریدوں اور معتقدوں کا ایک بہت بڑا حلقہ لاہور میں موجود تھا۔ بادشاہی مسجد کے نواح میں جہاں کچھ عرصہ قیام رہا، ان مساجد کے آس پاس جہاں آپ کے درس ہوتے تھے اور مغل پورہ و باغبانپورہ کے علاقوں کی نیک دل اور خدا دوست ارائیں برادری، یہاں آپ کے متوسلین اور ارادت مند کثیر تعداد میں آباد تھے۔ یہ حضرات حسب ضرورت خود بھی حاضر ہوتے اور کبھی حضرت مولانا کو اپنے علاقوں میں بھی لے جاتے اور فیض یاب ہوتے۔

کرامات:

عظیم محدث بگویی برادران کی طرح دیگر مشائخ بگویی سے بے شمار کرامات منسوب اور مشہور ہیں۔ تفصیل کے لیے اصل ماخذوں سے رجوع زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ حواس خمسہ کی بنا پر انسان جن امور میں جاننے کا داعیہ رکھتا ہے ان کے بارے میں بھی نئی تحقیق اور تازہ انکشاف پہلے علم کو معمولی بنا دیتا ہے۔ کائنات کے بے انتہا اسرار، مخفی کرشمے اور پوشیدہ قوتیں انسانی ادراک سے باہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے جدید علوم و فنون اپنی تمام تر چمک کے باوجود بے علمی اور بے خبری کی تاریکیوں کو ختم نہیں کر سکے۔ جدید طب میں اکثر امراض کی وجوہ کے تحت نہ معلوم درج ہوتا ہے اس لیے بہت سارے مریضوں کا مکمل علاج اور کلی سدباب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مافوق الفطرت امور، خوارق العادات واقعات اور محیر العقول اشیاء کے وجود سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ذہن انسانی کا معرہ بدستور لائیل ہے۔ رحم مادر میں جاندار کی جنس، معین وقت موت، اگلے لمحے وقوع پذیر ہونے والے واقعات، موتی تغیر و تبدل جیسے معاملات میں عقل بے بس ہے اور انسان تمام تر علم اور ذرائع کے باوجود کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا۔ پھر بھلا وہ اپنے سے لطیف تر، ذہین تر، عظیم تر اور قدیم تر واردات اور کیفیات کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے؟

انبیاء سے معجزات اور اولیاء سے کرامات کا ظہور، اذن اور تائید الہی کے طفیل ہوتا ہے۔ فرق مشاہدہ کرنے والے کی صلاحیت، اس کے فکر اور اظہار میں ہوتا ہے۔ کہ وہ واقعے کو کس پیرائے میں اور کن لوگوں میں رپوٹ کرتا ہے۔ چنانچہ کرامت کی تفصیل اور حقیقت کا تعلق دیکھنے، سنانے اور سننے والے کے ذوق، ظرف اور شعور سے ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شیخ حافظ غلام محمد بلوچی سے بے شمار کرامات منسوب ہیں:-

رشد و ہدایت:

● ایک مریدا اپنا حال دل بیان کرتے ہیں کہ
 "میں مجلس میں حاضر خدمت ہوا۔ آپ تشریف فرما تھے اور معمول کے مطابق سر نہیوڑائے ہوئے۔ ایک بار مسکرا کر آپ نے میری طرف دیکھا۔ مجھے اس قدر بے تابی اور بے قراری لاحق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین روز بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی سعادت سے مشرف ہوا۔ دل کا یہ عالم ہو گیا کہ اسی وقت سے رقت اور بے خودی شروع ہو گئی۔ اس وارفتگی میں یہ شعر ورد زبان تھا:

آن دل کہ دم نہ بودے بر خوب رو جوناں
 بدش بیک نگاہے دیرینہ سال پیرے

● ایک دفعہ ہذا کرتے کہ آپ سر ہند تشریف تشریف لے گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سامنے اس کا موقع تھا۔ حضرت مولانا ایک جگہ تشریف رکھتے تھے۔ ایک بزرگ سفید ریش آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بیعت کے واسطے التجا کی۔ آپ نے انکساری سے فرمایا:
 "بتانی ہمیں کیا آتا ہے۔ کسی بزرگ سے جا کر بیعت کر لو،"
 اس پر بڑے ششمنس نے دست بستہ عرض کی:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے ہی آپ کی صورت دکھا دی تھی۔ آپ کے بغیر اور کوئی میرا رہنما نہیں ہو سکتا۔ میں کئی سالوں سے ہر عرس پر حاضری دے رہا ہوں صرف حضور کی قدم بوسی کے لیے! آپ اب خوش قسمتی سے یہاں تشریف لائے ہیں، خدا کے لیے مجھے محروم نہ کیجئے۔"
 آپ نے بزرگ ششمنس پر محبت کی نظر ڈالی اور اسے بیعت فرمایا۔

اخلاق و اطوار:

ابتدائی زندگی ہی سے آپ دینی اور روحانی مزاج رکھتے تھے۔ خداخونی اور راستبازی کی راہ پر چلنے والے تھے۔ ورع اور تقویٰ ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ زہد آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ لڑکپن ہی سے نوافل کا اہتمام کرتے تھے۔ تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے اور اکثر شب بیدار رہتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ زندگی بھر کسی گناہ کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوئے اور کبھی کسی گناہ صغیرہ پر اصرار نہیں ہوا۔ بلاشبہ اہل دل کے لیے یہ بلند مرتبہ ہے۔ آپ نہایت بلند ہمت اور صاحب عزم و ارادہ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت مولانا کا مقام بہت عالی تھا۔

عام لوگوں کی طرح اپنے عزیز واقارب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ بھینس کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہ لیتے تھے۔ مویشی کو چارہ اپنے ہاتھ سے ڈالتے۔ اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ مساکین کی خبر گیری اور فقراء کی خدمت کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہتے تھے۔ مہمان نوازی اور سخاوت میں بڑے فراخ دل تھے۔

عادات:

دن کے وقت آپ کے سر پر ایک اور ہنی ہوتی تھی جس سے چہرہ مبارک کچھ کچھ ڈھکا رہتا تھا۔ نگاہیں نیچی اور اہل دنیا سے گریزاں۔ آپ کی رفتار نہایت نرم اور باوقار تھی۔ لباس سادہ، گفتگو نہایت حلیمانہ، مدبرانہ اور حکیمانہ تھی۔ آپ کا کلام دل نشین اور موثر ہوتا تھا۔ بڑے مشکل اور پیچیدہ مسائل کو نہایت آسان پیرائے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا چہرہ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتا تھا جس کو دیکھ کر پریشان حال سائل اور رہنمائی کے طالب شاداں و فرحاں ہو جاتے تھے۔ آپ ہر کس و ناکس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور ہر آنے والے کی دلجوئی کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی زیارت کرتے وقت دل کو تسکین اور فرحت ملتی تھی۔ ہر شخص آپ کے حسن اخلاق کا گرویدہ تھا۔

معمولات:

قرآن حکیم کی تلاوت آپ کو بہت پسند تھی۔ چنانچہ آپ روزانہ ایک منزل تلاوت فرمایا کرتے اور ساتویں دن قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں بالکل صائم الدہر اور قائم اللیل ہو گئے گویا:

شب تاریک دوستانِ خدا
مے تابد چو روزِ رخشندہ

وفات:

اپنی وفات سے کئی روز پہلے اپنے برادرزادہ مولانا محمد ذاکر گوی کو اپنے پاس طلب کیا اور تمام سلوک
نقشبندیہ اور اشغال مجددیہ، حقیقت الصلوٰۃ تک تلقین فرمائے۔ پھر چند دنوں میں اجازت بھی عطا فرمائی۔ آپ نے
فرمایا:

”میرا وقت (پورا) ہو چکا۔ اب یہ وظائف اور اشغال یا ران طریقت اور سالکین حقیقت کو
تلقین کیا کرو۔“

وفات سے چھ ماہ قبل آپ کی طبیعت خلوت کی طرف زیادہ مائل ہو گئی تھی۔ لوگوں سے میل جول محدود ہو گیا تھا۔
استغراق کے باعث عام لوگوں کی توجہ اور سالکین کی تلقین کی طرف التفات کم رہ گیا تھا۔ جمادی الاول 1381ھ کے
آخری عشرے میں آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ باوجود اس کے، مراقبہ میں مستغرق رہے اور کبھی کبھی زبان سے
فرماتے:-

”شکر اللہ۔ منم غلام نبی!“

جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کو دریافت کیا:

”آج کون سی رات ہے؟“

عرض کیا گیا:

”جمعرات ہے۔“

آپ نے فرمایا:

”اب یقیناً وقت آ گیا!“

اس رات ضروری وصیتیں کیں۔ تمام مریدوں، نیاز مندوں اور شاگردوں کو علیحدہ علیحدہ ملے اور ان سے
وداع ہوئے۔ پھر مراقبہ میں مستغرق ہوئے۔

4 جمادی الثانی 1318ھ / 30 ستمبر 1900ء کو بوقت سحر، نفی اثبات کی مشغولی میں جاں بحق تسلیم فرمائی۔

مدن:

بدشاہی مسجد، بورس میں جنازہ ہو۔ عوم کا ایک جہنم میں موجود تھا۔ میں صاحب قبرستان، بورس میں اسی ہوئے۔ جوں بے بچی برسوں میں مبارک منایا جاتا ہے۔

ورد:

حضرت مورثا کی شادی ایک نیک سپرد و روزی مورث سے وقت خاتون سے ہوں۔ ان دنوں مختار
تفہم بناتوں کے تین سے مدقول نے آپ کو دن تیز اور اسے نواز۔

1۔	سورہ نغمہ محمدی	فرزادہ کبریا
2۔	سورہ نغمہ شعیب	فرزادہ چاشنی
3۔	مختار خدیجہ بن مہر	زینبہ مورثہ محمدی
4۔	مختار ہشت بن مہر	زینبہ مورثہ محمدی
5۔	مختار سعادت بن مہر	زینبہ مورثہ محمدی

قصہ تارن اعمار حضرت مورثہ نغمہ محمدی

ہمیں بے نام لیب پش پش پش پش پش
پش پش پش پش پش پش پش پش پش
پش پش پش پش پش پش پش پش پش
پش پش پش پش پش پش پش پش پش

مورثہ نغمہ محمدی
پش پش پش پش پش

پش پش

مورثہ نغمہ محمدی

=====

بجھا ہے پنجاب کا چراغ آہ، اب

یہ کیا غضب ہے یہ کیا ستم ہے کہ مارے مارے پھرے خدائی
 جدھر بھی دیکھیں ادھر ہی غم ہے ہر اک طرف بیکسی ہے چھائی
 ہوا ہے کیا بادشاہی مسجد ہری بھری ہو گئی ہے سنسان
 یہ کس کا ماتم ہے کس کا غم ہے کہ ہائے ہوسب نے ہے مچائی
 کہاں ہیں وہ خلتھائے ذکر خدا و یکشنبہ کی وہ راتیں
 وہ رقت انگیز ذکر اللہ کیوں نہیں دے رہا سنائی
 وہ حضرت بگویی کہاں ہیں ہماری آنکھوں سے کیوں نہاں ہیں
 وہ چاند سا چہرہ ریش روشن کہیں بھی دیتا نہیں دکھائی
 لگی ہوئی مستشار میں انجمن ہے پر میر مجلس اس کے
 کہاں ہیں تا ایک پل میں ہو جائے مشکلوں کی گرہ کشائی
 ہوں روحِ اعلیٰ پر ان کے شام و صبح سُبُوح کی فتوحات
 رہیں سدا شاد آپ کے خویش بیٹے پوتے بھتیجے بھائی
 شب جدائی کی ظلمتوں میں سعید سال ان کا ڈھونڈتا تھا
 ”بجھا ہے پنجاب کا چراغ آہ آہ“ ندا غیب سے یہ آئی

1318ھ

(مولانا محمد سعید مرحوم زین پوری)

=====

قصیدہ بحضور استاذ المکرّم مولانا غلام محمد بگوئی

ایاریح الصبا بلغ سلامی	الی مخدومنا مولی الانام
غلام محمد و امام امة	علا فی فضله اعلى المقام
به سنه لكلی فی العلوم	و استاذ الخواص بل العوام
جرى فی ملک فنجان و هند	سیول الفضل من هذا الغمام
له حفظ لتنزیل کریم	له سند الحدیث علی التمام
وحید فی التزهد من قناعة	فرید فی التهجّد بالدوام
فصام نهاره لله طرا	و صلی فی اللیالی بالقیام
مضى فی سیره بروا و بحرا	و حج و زار بالبيت الحرام
و بعد الحج قبل باب بیت	به من اسمه صحن العظام
فحیاہ الاله و اهل بیت	باقبال و علم و احترام
لعل الله و فقیہی بخیر	اقبل بابہ قبل الحمام

مولانا شیخ عبداللہ بگوئی
سائن چک عمر تحصیل ھاریاں ضلع بجات

=====

کتبہ مزار:

میانی صاحب قبرستان میں مولانا غلام محمد بگوی کا مزار گزشتہ صدی کے آخری عشرے کی بھاری بارشوں سے شدید متاثر ہوا ہے۔ مزار کا کتبہ رنگین ٹائل پر لکھا ہوا ہے اور بقول پروفیسر محمد اسلم مولف خفتگان خاک لاہور (ص: 54) ”محفوظ کر لینے کے قابل ہے“۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ وصال حضرت مولانا غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ

تیغِ محبت سعید روزِ ازل
 کہ در جمیع کمالات سبقتے بر او
 خاندانِ گرامی مقیم بگہ شریف
 کہ ہند و سندھ ہمہ بہرہ ور ز علم او
 فیض گشتہ مشرف ز حضرت تیراہ
 بخلق منشاء اخلاق احمد او

63

سنین عمر او شدے احمدی و بہر وصال
 بگو چشمہ فیض مجددی او بود

ھ 1318

بندۂ درگاہ امیدوار کرم محمد اسلام

حضرت مولانا الحاج الشیخ

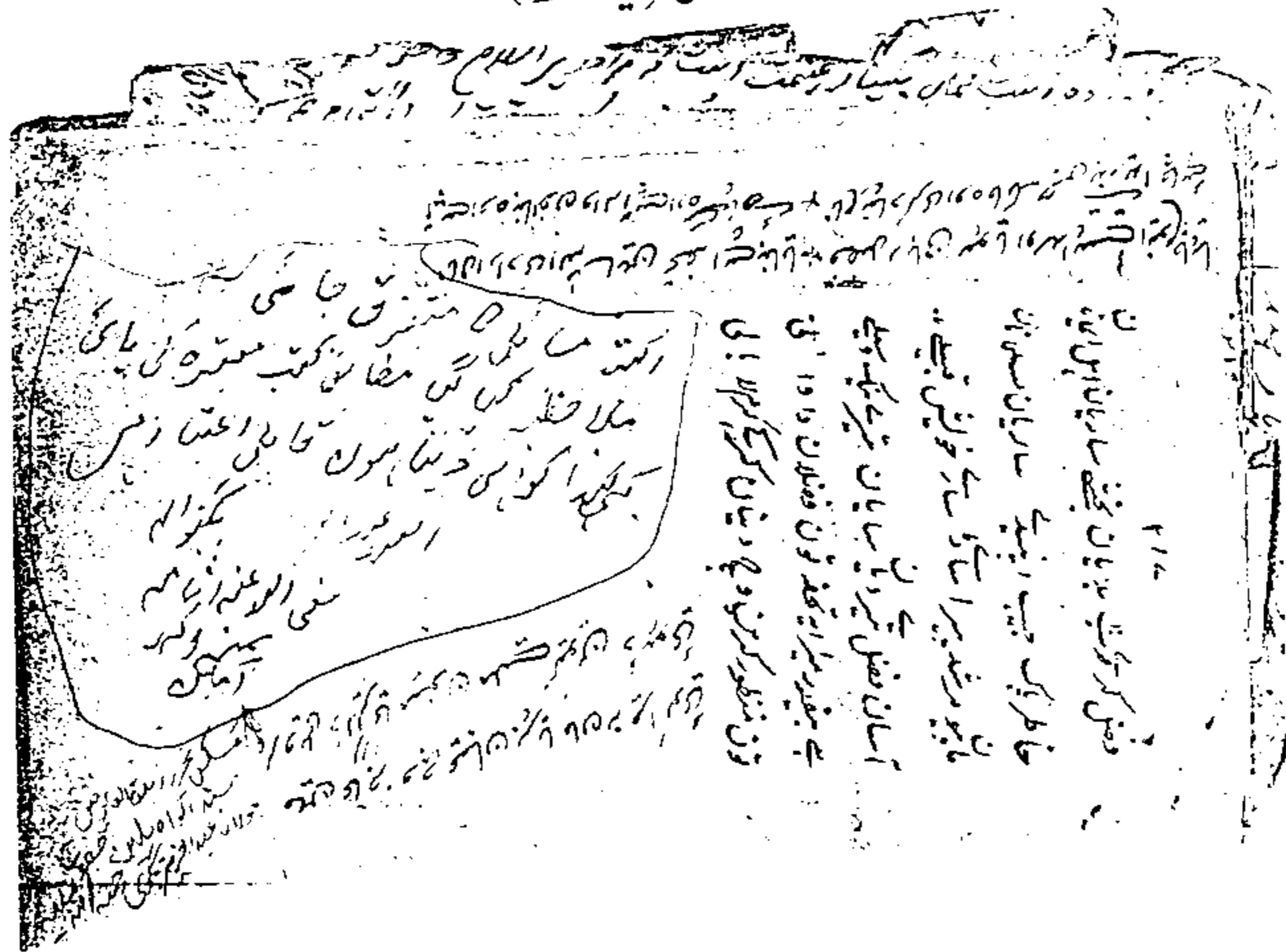
عبدالعزیز بگوی

چشتی سیالوی مدرس سرہ العزیز

1262ھ - 1325ھ

1846ء - 1908ء

(عکس تحریر و دستخط)



وقال الشيخ الاسلام والامام الاستيجالي ان الدار محكومة بدار الاسلام
 بقا حكم واحد فيها كافي بارزى وغيره - فالاحتياط ان يجعل نذو البلد
 دار الاسلام والمسلمين وان كانت للملأعين والبيدني الظاهر لهم ولا الشياطين
 ربنا لا تجعل فتنة للقوم الظالمين ونجبا برحمتك من العوم الغايز كاذ

المجيد محمد العزیز گوی
 عنی الوطن انام
 بکنه وکرم
 امین

متصفی وغیرہ جامع الرموز من عینہ -

قال فی الامم لا یفر داء الاسلام وازاراب الامور فلتنة
 ماجه احكام الشر ومانها نهبه از اوب وبان لا یمنی فیما مسلم
 وقدی آنا باللسان الاعلار علی انفسهم واولی الامم

ولادت:

مولانا عبدالعزیز جوینی، حضرات استاذانکل مولانا خاں مٹھی امین جوینی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ والد، جد کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف ۱۰ سال تھی۔

تعلیم و تربیت:

آپ نہایت ذہین اور اعلیٰ درجہ کی استعدادوں کے مالک تھے۔ والد، جد نہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ حضرات علامہ جوینی بھی بہت پیار کرتے تھے۔ آپ نے اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کی۔ تو موم بھائی مولانا جوینی نے حضرات علامہ جوینی سے حاصل کیے اور عم الحدیث میں بھی اپنے عم مکرّم سے پورا استفادہ کیا اور سندوں۔

خدمت خلق کا جذبہ:

آپ بچپن ہی سے انسان دوست اور غریب پرور تھے۔ روایت ہے کہ ایک بار آپ نے ایک مفلس کو مس فرما کر شہید کیے کی حالت میں دیکھا تو آپ کا دل بھرا گیا۔ رات کو بوسوں برس کر گئے میں بیٹھ گیا، گتے لگائے اور پتلیں جلائے اور غریب کی مدد کی جائے۔ گھر دو جگہ سے، گتے پر پتھوڑے اور تیس دن پڑا تک اسی کو، ان کے زاری سے رنجی ہو کر سید کر دی۔ بھوک کر اپنے گھر لوٹ آئے۔ اس کے بعد معصوم بچوں کی زاریوں اور وقت ہر پندرہ گریب مسرانا کو جو دیا کرتے تھے اور خود بچوں کے سو رہتے تھے۔ تین دن کے بعد مس فرمائیں چور گیا۔ عم مکرّم کے جانے کے ساتھ آپ ہر گناہ بھی شیخ خاں حسن مرحوم نہیں بھیجے دے گھر سے پڑا کرتا تھا۔ حضرات استاذانکل مولانا جوینی نے اپنے بچوں کی خدمت سے اس پر بہت شریف سے لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ تین دن آپ مس فرمائیں رہے اور غریب کی خدمت میں لگے رہے۔

روحانی تربیت:

بچپن سے ہی جمعیت زہد و تقویٰ کی طرف متوجہ تھے۔ سعادت ہی ہر جذبہ پرانی سعادت موجود تھا۔ چنانچہ ان شعور سے کہ زندگی کی آخری سانس تک سزا میں حظ میں سعادت میں اور پوری دنیا میں شب بیداری اور اتوار کی راتیں اور روزانہ کئی روزوں میں تہجد بھی ترک نہیں کیے۔ آپ نے اپنے عم مکرّم مرحوم سے بھائی کے ساتھ اور کئی سال حاصل کیے اور ان کی وجہ سے علی حسن خوارق سے متصف ہوئے۔ عمر پوری تھی کہ حضرت مولانا جوینی کی پیشانی پر

لیے روح بے تاب رہی اور آنکھیں اس چہرے کی متلاشی جو راحت اور طمانیت کا مرکز ہو۔
یہ سفر بالآخر سیال شریف پہنچ کر تمام ہوا۔

حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالوئی کی بیعت و خلافت:

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوئی آستانہ عالیہ چشتیہ سیال شریف کے بانی اور مورث اعلیٰ تھے۔ آپ 1214ھ/1799ء میں پیدا ہوئے اور 1300ھ/1883ء میں وصال فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالعزیز بگوی آخر کار سیال شریف پہنچے اور حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوئے۔ پھر عشق و محبت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ذات حق کے سوا باقی تمام رشتے اور تعلق ہیچ معلوم ہوتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ کی آنکھیں ہمہ وقت قلبی سرور، روحانی لذت اور باطنی خمار کا پتہ دیتی تھیں۔ فوز المقال فی خلفائے پیر سیال مولفہ حاجی محمد مرید احمد چشتی نے برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوئی کے 110 خلفاء کی فہرست دی ہے۔ ضلع سرگودھا/شاہ پور کے جلیل القدر خلفاء کے نام یہ ہیں۔ (ص 74-75)

- 1- حضرت ثانی الاثنیٰ خواجہ محمد الدین سیالوئی
- 2- حضرت صاحبزادہ محمد فضل الدین سیالوئی
- 3- حضرت صاحبزادہ محمد شعاع الدین سیالوئی
- 4- حضرت خواجہ محمد فضل الدین چاچڑوئی
- 5- حضرت خواجہ محمد معظم الدین مرولوئی
- 6- حضرت حافظ شیخ محمد عبدالجلیل قریشی
- 7- حضرت مولانا علی محمد ساکن کوٹ کالا تحصیل بھلووال
- 8- حضرت میاں غلام فرید فروکہ (ساہیوال)
- 9- حضرت مولانا محمد نصیر الدین چاچڑوئی
- 10- حضرت مولانا محمد عبدالعزیز چاچڑوئی
- 11- ملک سلطان محمود خان ٹوانہ خواجہ آباد
- 12- حضرت پیر امیر شاہ بھیروئی
- 13- حضرت مولانا غلام قادر بھیروئی لاہوری
- 14- حضرت مولانا محمد عبدالعزیز بگوی

خواجہ شمس العارفین سیالوئی سے محبت و عقیدت:

حضرت مولانا بگوی کو اپنے شیخ سے بے پناہ محبت اور غایت درجہ عقیدت تھی۔ بقول صاحب تذکرہ اپنے شیخ سے آپ کی محبت درجہ عشق تک پہنچ چکی تھی، (ص 21) آپ اگرچہ صاحب مجاز تھے مگر خود احترام فرماتے اور سالکین اور طالبین کو ہمیشہ سیال شریف لے جا کر بیعت کراتے تھے۔ خواجہ آپ نے حضرت کے دامن فیض میں تربیت پائی اور منازل سلوک طے کیے۔
مولانا بخود بیان کرتے ہیں:

حضرت مولانا بگویی لاہور میں کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہوئے اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ صاحب مزار (جو بقول حضرت مولانا قلندرانہ وضع کیے تھے) نے کہا:

”ذکر چھوڑ دو۔ مذکور کے ہوتے ہوئے ذکر سے کیا کام؟“

آپ نے عرض کیا: ”ہمارا گزر، ہماری ہمت جب اتنی بلند نہیں تو ذکر سے کیوں محروم رہیں۔“

صاحب مزار نے کہا: ”اگر یہی بات ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔“

آپ نے کہا: ”میں آپ کی کسی چیز کا بھوکا نہیں، اور میرے لیے میرے پیر کا سایہ کافی ہے۔“

حضرت مولانا بگویی نے یہ کہا اور اٹھ کر آگئے اور پھر وہاں نہیں گئے۔

(برکات سیال، ص 36)

شیخ کے روضہ مبارک پر:

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے وصال مبارک کے بعد، ایک مرتبہ حضرت بگویی سیال شریف گئے

اور اپنے شیخ کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ مولانا غلام دستگیر خان بجنود لکھتے ہیں:

”سیال شریف تو اکثر حاضر ہوتے ہی تھے۔ اس دفعہ جو گئے تو روضہ سے آواز آنے لگی:

”آؤ جان من!“

یہ حیران تھے کہ اس دفعہ کیا نئی بات ہو رہی ہے۔ شرم اور دہشت کے عالم میں اندر گئے۔ فاتحہ پڑھی۔ حکم ہوا

”جاؤ جلد حضرت ثانی کی خدمت میں!“

یہ گھبرا کر خائف و ترساں کہ شاید کوئی قصور ہو گیا ہے، آپ کے پاس بنگلہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد

الدین ثانی سیالوی فرمانے لگے:

”مولوی صاحب، ہم تو حکم کے بندے ٹھہرے۔ جو کچھ ارشاد ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔“

پھر حضرت خواجہ سیالوی نے مرقع وغیرہ عنایت کیا۔ (برکات سیال مطبوعہ 1925ء جالندھر ص 35)

بعد ازاں لوگوں کو بیعت کرنے اور خلق خدا کو فیض سے سیراب کرنے کی وصیت فرمائی اور دعا فرما کر

رخصت کیا۔ (تذکرہ ص 27)

حضرت ثانی غریب نواز سیالوی کی وضع داری:

حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی اتباع سنت نبوی اور اطاعت شریعت مطہرہ میں بے نظیر تھے۔ حضرت ثانی

غریب نواز سیالوی پوری وضع داری کے ساتھ آپ کا احترام کرتے تھے اور اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھتے

تھے کہ حضرت مولانا کی موجودگی میں شریعت کی کامل پاسداری ملحوظ رکھی جائے۔ ایک دفعہ سیال شریف میں مجلس

سماع مرتب ہوئی۔ حضرت ثانی نے آپ کو اٹھ جانے کو کہا۔ اس پر آپ نے کہا:
”ہم تو بندگان بارگاہ ہیں۔“

مگر حضرت ثانی سیالوی نے فرمایا:

آپ عالم شریعت ہیں۔ آپ کی روش کا عوام پر برا اثر پڑے گا۔ آپ کے لیے احتراز ضروری ہے۔

حضرت مولانا کے وصال کے بعد قوالوں کو بھیرہ کے لیے رخصت کرتے وقت حضرت خواجہ غریب نواز ثانی سیالوی نے ہدایت فرمائی تھی:

”مولوی صاحب قبیح سنت نبوی اور حامل شریعت تھے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی نے

سیال شریف میں سماع کے وقت مزامیر کو بند کر دیا تھا۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ بھیرہ میں

جا کر (احتراما) تالی والی نہ بجانا۔ سادہ غزلیں اور نعیتیں پڑھنا۔“

حضرت ثانی سیالوی کا مکاشفہ اور احترام:

حضرت ثانی سیالوی جب اپنی مجلس میں دنیا دار رؤساء سے مخاطب ہوتے تو ایسا لگتا تھا جیسے آپ ان کی حالت کو خوب سمجھتے ہیں اور خود ایک دنیا دار ہیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی اس کیفیت کا حال یوں بتاتے ہیں:

ایک دن دعائے کبیر پڑھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ یا مالک یوم الدین میں مالک کے کاف پر منادی

مضاف ہونے کی وجہ سے فتنہ ہونی چاہیے کسرہ کیوں آیا ہے۔ اس کے بعد میں حضرت کریم کی مجلس میں حاضر

ہوا تو آپ کسی زمیندار سے دنیا کے متعلق بات چیت فرما رہے تھے۔ ان باتوں کے درمیان ہی میری طرف

توجہ فرما کر بطور سوال ارشاد ہوا کہ ”مولوی صاحب حکائی اعراب کیا ہوتا ہے؟“ اتنا فرما کر پھر وہی دنیا دارانہ

آفتگوشہ شروع کر دی۔ اس طرح میرا دعائے کبیر والا خدشہ دور ہو گیا۔

ایک دفعہ اسی رنگ کی مجلس میں آپ سے نظر بچا کر میں پچھلی طرف سے حاضرین کے مجمع میں

چٹائی پر بیٹھ گیا۔ آپ نے فوراً گفتگو کے درمیان ہی میری طرف توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ”مولانا! اللہ

تعالیٰ کے نزدیک تو تحت و فوق اور آگے پیچھے کا کوئی فرق نہیں مگر آداب شریعت کے لحاظ سے بزرگوں کا ادب

ضروری ہے۔ لہذا آپ مہربانی فرما کر ادھر آئیے اور چار پائی پر تشریف رکھیے۔ (جذبات سعید، ص 119)

انوار الہی:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کمال ودیعت کیا تھا کہ اہل فور اور اصحاب مزارات کے احوال منکشف ہو جاتے

تھے۔ لوگوں کے عزائم اور ارادے پوشیدہ نہ رہتے تھے۔ دہلی میں حضرت خواجہ محبوب الہی کے مزار مبارک پر حاضر

ہوئے۔ محبوب پاک دروازہ تک پذیرائی کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے دست بستہ عرض کی:

”خاک درگشتہ ام۔ پائمال ز مردم کن یا مرفع ساز“

خواجہ اپنے پیارے پیارے ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

”خاک ترا مرفع خواہم کرد“

حضرت مولانا بگویی فرماتے تھے کہ اپنے پیران عظام میں سے ایسا پاکیزہ صورت اور نازک اندام میں نے

نہیں دیکھا۔ (برکات سیال، ص 36)

ایک دفعہ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے عرس پر حاضری کا اذن تھا لیکن ملتوی ہو گیا۔

حضرت خواجہ اجمیری نے خود قدم رنجہ فرمایا اور کہا:

”تم ہمارے عرس پر کیوں نہیں آتے؟“

حضرت مولانا بگویی نے عرض کیا:

”بوڑھا اور کمزور ہوں۔ وہاں خلقت کا اثر دہام ہوتا ہے اور مجاوردق کرتے ہیں۔“

ارشاد ہوا:

”کسی قسم کی تکلیف تم کو نہ ہوگی۔ ضرور آؤ۔“

آپ فوراً تیار ہو کر روانہ ہوئے۔ مولانا محمد یحییٰ بگویی اور ڈاکٹر فیروز الدین مرحوم ہمراہ تھے۔ ان کے بقول ججوم کے

باوجود سارا راستہ کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ دہلی میں اجمیر کے لیے ٹکٹ بند تھے۔ ججوم کی وجہ سے مسافر خانے بھی بند

دئے گئے تھے اور سرکاری طور پر اعلان ہو گیا کہ کسی کو اجمیر شریف جانے کی اجازت نہ ہے۔ حضرت حافظ محمد محسن

سجادہ نشین تونسہ شریف بھی اجازت لینے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ کہ بوقت ظہر و طائف پڑھتے پڑھتے اچانک

حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی نے فرمایا کہ چلو اسٹیشن پر ٹکٹ لے آئیں۔ نو وارد ہونے کے باوجود اسٹیشن کی طرف

ہماری رہنمائی کرتے گئے۔ وہاں پہنچ کر دوسری کھڑکی سے ٹکٹ طلب کیے تو فوراً مل گئے۔ اس روز کے بعد نام

لوگوں کو اجمیر شریف جانے کی اجازت مل گئی۔ آپ نے فرمایا:

”آؤ خواجہ بزرگ بلا رہے ہیں۔“

مولانا فرماتے تھے کہ کسی مجاور نے پوچھا تک نہیں اور ججوم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ سیدھا درگاہ شریف تک چلا جایا

کرتا تھا۔

غلام نرگس مست تو تاجدار اند!

خواجہ بزرگ حضرت اجمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ

”مولانا آپ اور آپ کی اولاد پر ہمیشہ میری نظر کرم اور توجہ رہے گی۔ تسلی رکھو۔“

آخر عمر میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خطابات کے انوار شروع ہو جاتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ اب تو نماز پڑھنی بھی دشوار ہو رہی ہے۔

قافیہ اندیشم فیدلم بار من

گویدم میندیش جز دیدار من

مولانا غلام دستگیر بخنود لکھتے ہیں:

”لیکن یہ قافیہ نہیں تھا۔ راز و نیاز تھے۔ لیکن خیال کیجئے کہ ان میں ناز کس قدر تھے۔ خیر یہ مکالمہ تھا۔ راز و نیاز تھے، مشاہدہ تھا، جو کچھ بھی تھا، وہ تھا۔ مگر اس مرد خدا نے نماز نہیں چھوڑی۔ مولوی صاحب قبلہ (مولانا محمد ذاکر گبوی) فرماتے تھے کہ کئی دفعہ جمعہ کا خطبہ پڑھتے وقت حضرت رسول اکرم ﷺ کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے۔“ (برکات سیال، ص 37)

حضرت میراں سید محمد قادریؒ بھیروی سے فیض:

حضرت میراں صاحبؒ کے مزار پر حضرت مولانا اکثر حاضری دیتے تھے اور ان سے آپ کو بڑی عقیدت تھی۔ حضرت میراں صاحب سے فیض روحانی پاتے تھے۔

حضرت گنج بخش ہجویری لاہوریؒ سے فیض:

مزار گنج بخشؒ پر حاضری آپ کا معمول تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ آپ کا تعلق خاص تھا۔ ایک مرتبہ قلندر وضع کسی صاحب مزار نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ہر وقت پاس رہتا تھا اور چمٹالے کر کہتا تھا کہ چلو داتا صاحب بلا تے ہیں۔ آخر تنگ آ کر آپ نے حضرت گنج بخش علی ہجویریؒ کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت سیالویؒ اور حضرت گنج بخش ہجویریؒ نے فیوض باطنی سے منور کیا۔

تونسہ شریف سے عقیدت:

جس طرح حضرت مولانا کے مرشد خواجہ شمس العارفینؒ سیالوی کو اپنے پیر خانے تونسہ شریف سے والہانہ عقیدت اور سجادہ نشینوں سے بے پناہ محبت تھی اسی طرح آپ بھی تونسہ شریف کے والا و شیدا تھے۔ آپ کی زندگی میں جن سفروں کا تذکرہ ملتا ہے وہ اکثر تونسہ شریف کے ہیں۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ آپ کا بے حد احترام

کرتے تھے۔ جذبات سعید میں مولانا محمد سعید مرحوم بے نیازی کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔
 ”مولانا عبدالعزیز بگویی نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ کوئی لارڈ تو نسہ شریف گیا۔ وہاں کی کمیٹی نے اس کے لیے کئی ہزار کا خرچ کر کے فنن (بگھی) اور گھوڑوں کی جوڑی مہیا کی اور شہر کی سیر کرائی پھر بعدہ اس کو نیلام کر دیا جسے حضرت خواجہ اللہ بخش نے خرید لیا۔ اور اس پر ٹوپی پوش فقیروں کو چڑھا کر شہر میں پھرایا۔ اور اس طرح ان کا غرور توڑا۔ مولانا فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ بعدہ وہ فنن بیکار پڑی تھی۔“ (ص 137)

حضرت خواجہ تونسوی کے فیضان کے بیسیوں واقعات اور ملفوظات حضرت مولانا بگویی سے مروی ہیں۔

معمولات:

نصف رات کے بعد حضرت مولانا بیدار ہوتے اور مسجد میں جا کر نوافل پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ مرض الموت میں بھی نوافل ترک نہیں ہوئے۔ آپ نے اپنے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے استفسار پر فرمایا:
 میں سحر کے وقت اس لذت کو ترک نہیں کر سکتا جو مجھے ندائے غیب سے حاصل ہوتی ہے۔ جس میں مجھے کہا جاتا ہے کہ میں تم سے راضی ہوں، تم مجھ سے راضی ہو جاؤ گے۔

تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد اور صبح صادق سے پہلے چند منٹ استراحت فرماتے تھے۔ پھر نماز فجر پڑھتے اور اس کے بعد معمول کے اور اپنے سلسلہ چشتیہ کے اوراد و وظائف پڑھتے تھے۔ بعد ازاں طلبہ کے درسی اسباق کا آغاز ہو جاتا تھا۔

درس و تدریس:

حضرت علامہ بگویی نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کو بھیرہ کے مدرسہ اور جامع مسجد کے لیے اپنا جانشین اور قائم مقام مقرر کر دیا تھا اور اپنی مسند پر بٹھا کر درس و تدریس کا حکم دیا تھا۔ اشراق کے نوافل ادا کرنے کے بعد شیر شاہی جامع مسجد بھیرہ میں طلباء کی تدریس شروع ہو جاتی۔ ہر سمت سے قال اللہ و قال الرسول کی آوازیں آتیں۔ علماء کے علاوہ طلباء علوم دینیہ کی ایک کثیر تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی۔ صرف و نحو سے لے کر اعلیٰ علوم معقول و منقول تک تمام درسی کتابوں کے اسباق آپ خود پڑھاتے تھے۔ اور طلبا کو کھانا بھی خود ہی دیتے تھے۔ آپ کا فیض عام تھا جس سے ہر طالب اپنے ظرف کے مطابق سیراب ہوتا تھا۔ دوران تدریس بعض اوقات جذب اور استغراق کی حالت طاری ہو جاتی تھی مگر طلبہ کے اسباق کا ہرج نہیں ہوتا تھا۔

دارالعلوم بھیرہ:

1869ء میں حضرت الاستاذ علامہ بگویی کے انتقال کے بعد آپ کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا۔ آپ کو اپنے

استاد اور مربی کے ساتھ حد درجہ لگاؤ تھا۔ چنانچہ آپ نے ارادہ کیا کہ بھیرہ کی سکونت ترک کر دیں اور بگہ شریف منتقل ہو جائیں۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ علامہ بگویی دروازہ روک کر کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں: ”اب کیسے جاسکتے ہو؟“

اس اشارے کو آپ نے حکم جانا اور بھیرہ ہی میں مستقل رہائش کا ارادہ کر لیا۔ اور جامع مسجد بھیرہ میں درس و تدریس کا سلسلہ حسب دستور سابق جاری رکھا۔ سینکڑوں علماء اور حفاظ فارغ التحصیل ہوئے۔ بعض علماء اور شاگردوں کی درخواست پر اور معززین شہر کے اصرار پر آپ کے روایتی درس کو باقاعدہ مدرسہ کی شکل میں تبدیل کیا گیا۔ اور مندرجہ ذیل علماء باقاعدہ مدرسین مقرر ہوئے۔

(ا) حضرت مولانا غلام قادر بھیروی لاہوری (سابق امام مسجد بیگم شاہی لاہور)

(ب) حضرت مولانا غلام رسول چاوی (ج) مولوی نور احمد میلودال والے

(د) مولوی حافظ بہاؤ الدین (س) حافظ نظام الدین برائے درس قرآن

مگر یہ صورت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ مولانا غلام قادر بھیروی لاہور چلے گئے۔ مولانا غلام رسول چاوی بیرون شہر سے آیا کرتے تھے اس لیے پابندی اوقات ملحوظ نہ رکھی جاسکی۔ مگر حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی نے کبھی اکیلے اور کبھی ایک دو مدرسین کے ساتھ سلسلہ تدریس تمام عمر جاری رکھا۔

استفتاء:

حضرت علامہ بگویی کے دور سے جامع مسجد بھیرہ تمام علاقے کے مسلمانوں کے لیے رشد و ہدایت، علم و عرفان، قضا اور استفتاء کا مرکز بن چکی تھی۔ آپ کے عہد خطابت و اہتمام میں مسائل کے استفتاء کے لیے دور دراز سے لوگ حاضر خدمت ہوتے تھے۔ باہمی تنازعات اور اختلافات میں فریقین آپ کو شرعی ثالث بناتے تھے اور آپ کے فیصلوں پر پورے شرح صدر اور ایقان کے ساتھ عمل پیرا ہوتے تھے۔

کرامات:

حضرت مولانا بگویی کی ذات مسلمانوں کے لیے برکت اور رحمت کا باعث تھی۔ دین سیکھنے کے لیے، دینی اور دنیوی معاملات میں اسلامی تعلیمات سے رہنمائی کے لیے اور اپنی ذاتی اور خاندانی مشکلات اور معاملات میں دعا اور خیر و برکت کے لیے تمام لوگ آپ سے رجوع کرتے تھے۔ شریعت و طریقت کی یکجائی عوام کے لیے بڑی سعادتوں اور رحمتوں کی نوید تھی۔ خلق خدا کے لیے آپ سے بے شمار کرامتوں کا ظہور ہوا۔

خشک سالی: ایک دفعہ بارش نہ ہونے سے مخلوق خدا بہت پریشان ہوئی۔ ہر طرف قحط اور ویرانی کا زور تھا۔ چارہ نہ ہونے کے سبب مویشیوں اور چرندوں کا برا حال تھا۔ بھیرہ میں لوگ ایک روز نماز استسقاء کے لیے شہر سے باہر جمع ہوئے۔ آپ نے اپنا سر سجدہ میں رکھا۔ آپ کے آنسوؤں سے زمین تر ہو رہی تھی۔ بے اختیار آپ کی زبان سے اللہ نکلا۔ اتنے میں کالی گھٹا شمال کی طرف سے اٹھی اور سارے آسمان پر پھیل گئی۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور بارش شروع ہو گئی۔ لوگ تیزی سے گھروں کو بھاگے مگر بارش اتنی تیز تھی کہ کوئی شخص بھگانے سے نہ بچ سکا۔ رحمت خداوندی سے دشت و بیابان سیراب ہو گئے۔

بازیافتگی: مولوی حکیم محمد بخش سکنہ جسو وال تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور راوی ہیں کہ ایک شخص موضع جسو وال کے کسی زمیندار کی لڑکی اغوا کر کے سرحدی علاقہ غیر میں لے گیا۔ اس کی تلاش میں انہیں کئی سو میل کا سفر طے کر کے جانا پڑا۔ دیکھتے ہی لڑکی ان کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے پر ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئی۔ علاقہ غیر کے لوگ بڑے جنگ جو ہوتے ہیں۔ کسی بیرونی شخص کا قتل ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حکیم صاحب کی آمد کی خبر سن کر گاؤں کے لوگ ہتھیار بند ہو گئے۔ انہوں نے ان مشکل حالات میں اپنے استاذ اور شیخ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کا تصور کیا۔ دفعۃً سرحدیوں کا گروہ خود ہی منتشر ہو گیا اور وہ لڑکی کو لے کر خیریت سے وطن لوٹے۔ چند دنوں کے بعد جب حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ انہیں دیکھ کر آپ مسکرائے اور فرمایا:

”بڑے بہادر بنے پھرتے ہو۔ آئندہ ایسا کام نہ کرنا۔ مجھے تمہاری حفاظت کرنے میں بہت

تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔“

کاروبار: میاں احمد دین خواجہ بھیروی نے ایک دفعہ کپاس کی مشینیں لگانے کا ارادہ کیا۔ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشین لگانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا:

”جس کا کام اسی کو سناجھے۔ تم سوداگری پیشہ ہو۔ تجارت کرو خوب جمع ہوگا۔ مشین چلانا تمہارا

کام نہیں ہے۔“

میاں احمد دین صاحب نے ان الفاظ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ انہوں نے دو ساتھیوں کی مدد سے کپاس بیٹنے کا کارخانہ لگایا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں زبردست خسارہ ہوا اور مشینیں کوڑیوں کے مول فروخت ہو گئیں۔ میاں احمد دین مرحوم اس واقعہ کو یاد کر کے کہا کرتے تھے کہ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہمیشہ تباہ کن ہوتا ہے۔

سفر بخارا کی اجازت: میاں محمد سعید خواجہ ولد میاں جان محمد مرحوم (بھیرہ) راوی ہیں کہ میں نے حضرت

مولانا سے بغرض تجارت بخارا کی جانب سفر کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ ”تمہارا جانا مناسب نہیں۔ تمہارا اکلوتا بیٹا تمہارے بغیر پرورش حاصل نہیں کر سکتا“۔ میاں صاحب نے حضرت کے فرمان پر کوئی توجہ نہ دی اور وہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ مگر پروانہ راہداری (ویزہ) نہ ملنے پر چار ماہ کے بعد کابل سے لوٹنا پڑا۔ اس دوران ان کا لڑکا بیمار پڑ گیا۔ لڑکے کی صحت یابی کے بعد دوبارہ بخارا جانے کی اجازت طلب کی۔ فرمایا ”اب جاؤ“۔ حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں بخارا جانے سے کاروبار میں کافی منافع ہوا۔

سفر افریقہ کی اجازت: بھیرہ کے ایک معزز تاجر میاں شرف الدین چاندی مرحوم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تجارت کی غرض سے افریقہ کے سفر کے لیے اجازت اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا:

”مالی فائدہ کثیر ہوگا البتہ جسم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے مگر جان کو کوئی خطرہ نہیں۔“

چنانچہ افریقہ جاتے ہوئے راستے میں جہازگی سیڑھیوں سے پھسل کر انہیں سخت چوٹ آئی۔ دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی جو ڈاکٹروں نے اپریشن کے بعد نکال دی اور ہاتھ بے کار ہو گیا۔ افریقہ میں تجارت میں انہیں زبردست کامیابی ہوئی۔ نیروبی (کینیا) میں تجارت کے منافع سے ایک مسجد بھی تعمیر کروائی اور عزت و احترام سے وہاں زندگی بسر کی۔

زیارت کی خواہش: چودھری عبدالستار متیلہ (آباد کار) چک نمبر 7 مین لائن (بھلوال) بیان کرتے ہیں کہ سرکار نے انہیں جو زمین الاٹ کی تھی وہ بھیرہ سے کافی فاصلے پر تھی۔ ان کے مرشد اور شیخ حضرت مولانا بگویی کی محبت ان کے دل پر غالب تھی۔ انہوں نے درخواست کی:

”درگاہ الہی میں دعا فرمائیے کہ بھیرہ کے قریب رقبہ مل جائے تاکہ ہر جمعہ کو جامع مسجد بھیرہ میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہو سکوں۔“

حضرت نے تبادلے کے لیے درخواست دینے کا حکم دیا۔ ان دنوں تبادلے کے لیے ممانعت کے احکامات صادر ہو چکے تھے۔ چودھری صاحب نے عرض کیا کہ تبادلہ ناممکن ہے۔ فرمایا جاؤ اور میرے کہنے پر درخواست دو۔ انہوں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں تبادلہ زمین کے لیے درخواست دے دی۔ افسر مجاز نے بلا حیل و حجت منظور کر لی اور یوں انہیں قرب حضوری کے لیے چک نمبر 7 میں رقبہ مل گیا۔

امتحان میں کامیابی: ڈاکٹر فیروز الدین ویٹری انسپیکٹر لودھیانہ، خاندان بگوییہ کے قدیمی نیاز مند اور بزرگوں کے خاص مریدوں میں شامل تھے۔ وہ راوی ہیں کہ ویٹری امتحان دے کر حضرت مولانا کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ انہوں نے امتحان میں کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپؒ بھیرہ میں حضرت میر سید محمدی قادریؒ بیجا پوری عرف حضرت میراں صاحب قادریؒ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ فرمایا:

”میراں صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم پاس ہو گئے ہو اور تمہاری کامیابی کا تاریخ یہاں سے واپسی پر تمہیں فوراً مل جائے گا۔“

میراں صاحبؒ کے مزار اقدس سے واپس ہو کر آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں دروازے پر محکمہ ڈاک و تار کا ایک کارندہ کھڑا تھا۔ اس نے پوچھا فیروز الدین کون ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے جلدی سے تار اس سے لے لیا۔ لکھا تھا:

”مبارک ہو۔ تم پاس ہو!“

تبادلے کی درخواست: حضرت کے فرزند ثانی مولانا محمد یحییٰ بگویی نے عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیے کہ ”میری تبدیلی منگمری (ساہیوال) کی بجائے گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں ہو جائے۔“ فرمایا:

”میراں صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ چھ ماہ کے بعد تبدیلی ہو جائے گی۔“

مولانا محمد سعید زین پوری نے بھی اپنے تبادلے کے لیے درخواست کی۔ ان کو جواب ملا کہ تمہاری تبدیلی ڈھائی سال کے بعد ہوگی۔

بعد ازاں چھ ماہ کے بعد مولانا محمد یحییٰ بگویی کا تبادلہ بھیرہ ہو گیا۔ مولانا محمد سعید مرحوم زین پوری اگرچہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے رہے مگر ڈھائی سال سے پہلے وہ اپنا تبادلہ بھیرہ میں نہ کروا سکے۔

دشتی سے انکار: بھیرہ کی مشہور دایہ مائی بھولی بیان کرتی ہیں کہ اس نے اپنے بڑے لڑکے کے لیے ایک جگہ رشتہ طے کیا۔ مگر چند روز بعد بعض لوگوں کے ورغلانے پر وہ لوگ رشتہ دینے سے انکاری ہو گئے۔ انتہائی بے بسی اور رنج و الم میں اسے سوائے حضرت مولانا بگویی کے مزار اقدس کے کوئی مونس و نمگسار نہ ملا۔ وہاں جا کر مائی بھولی نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ رات کو اسے حضرتؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا:

”صبر کرو۔ وہ خود تمہیں رشتہ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

چنانچہ چند روز کے بعد انہوں نے اسے بلا کر رشتہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں اللہ نے اس کی آرزو پوری کر دی۔

قاتلانہ حملہ:

حزب الانصار کے سالانہ جلسہ پر مخالفین اور معاندین نے باقاعدہ منصوبے کے تحت حملے کا پروگرام بنایا جس کا ہدف مولانا ظہور احمد بگویی تھے۔ 9 دسمبر 1933ء کو حملہ آوروں کے اشتعال انگیز رویے کو دیکھ کر مولانا خانقاہ

بگویی پر حاضر ہوئے اور والد ماجد کے توسط سے اللہ تعالیٰ سے نصرت و حفاظت کی التجا کی۔ دشمن کا گروہ خوفناک لاشیوں سے مسلح اور ہتھیار لیے ہوئے قتل پر آمادہ تھا۔ اگلے روز بانی حزب الانصار شیخ پر کھڑے تھے اور اپنی تقریر شروع ہی کر رہے تھے جب ان پر تین طرف سے حملہ ہوا۔ پندرہ لاشیاں ایک دم ان کے سر اور سینے کو توڑنے کے لیے بلند ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم اور مہربانی سے مولانا کا ایک بال بھی بریکانہ ہوا۔ اور تمام حملہ آور حاضرین جلسہ اور ابا لیمان بھیرہ کے غیض و غضب کا نشانہ بنے۔ بعد کی تفصیل مولانا بگویی سے سنیے:

”اسی رات کو حضرت والد ماجد اور میرے اخ المکرم حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی خواب میں زیارت ہوئی۔ میں نے ناز سے اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور کہا:

”میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔ آپ ہمیشہ مجھ سے خواب میں ملاقات کیا کرتے ہیں، اب بھی یقیناً میں خواب ہی میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، کبھی بیداری میں آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔“

یہ سن کر والد صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ:

”میرے بازو کو دیکھو۔ اس قدر لاشیاں اس بازو پر لگی ہیں۔“

میں نے دیکھا کہ بازو تمام زخمی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اور اعداء کے حملے سے

مفتوح نظر ہونے کی اصل حقیقت منکشف ہوئی۔“ (تذکرہ ملا، و مشائخ بگویی، ص 32-33)

مشائخ کے عرس:

اپنے مشائخ عظام اور دیگر بزرگان کرام کے عرس آپ بڑی چاہت، شوق اور ارادت سے منعقد کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے عرس کا دن تھا۔ آپ نے کھانا سامنے رکھا اور فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ یکا یک آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ سر و قد کھڑے ہو گئے۔ حاضرین مجلس پر بھی رقت اور ہیبت کا عالم طاری تھا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا:

”ہاتھ اٹھاتے ہی حضرت غوث الاعظم اور دیگر اولیاء و مشائخ کبار تشریف لائے تھے۔ مجھے شرم آئی کہ

تھوڑے سے کھانے پر اتنی کرم بخش اور الطاف آپ کی طرف سے ہو رہا ہے۔“ (تذکرہ، ص 33)

معاشرت:

آپ نہایت سادہ وضع قطع رکھتے تھے۔ سر پر دستار، کھدر کے موٹے کپڑے کا ایک کرتہ پہنتے اور چادر باندھتے تھے۔ سر پر دستار کے اوپر سے ایک چادر لپیٹ لیتے تھے جس سے چہرہ مبارک بھی آدھا چھپا رہتا تھا۔ ہاتھ میں ہمیشہ عصا رکھتے تھے۔ مولانا غلام دستگیر خان بیخود نے بادشاہی مسجد لاہور میں حضرت کی زیارت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”شکل و شباهت سے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ مفتی و عالم ہیں یا صوفی و صافی، کسی انگریز فلاسفر کا قول ہے کہ بود و باش چاہیے سادہ اور خیالات و مذاق اور حوصلہ چاہیے بلند، مگر اب اس ظاہری تہذیب کے دور میں یہ مقولہ یوں پلٹ گیا ہے کہ بود و باش ہو اعلیٰ اور خیالات ہوں پست۔ لیکن مولانا مرتے دم تک اپنی سادگی پر قائم رہے۔ اول اول شاہی مسجد لاہور میں جب میں نے ان کی زیارت کی تو خیال کیا کہ کوئی جاٹ ہے۔ جب معلوم ہوا کہ مولوی صاحب قبلہ کے والد ہیں تو میں نے اپنی اس نگاہ پر جو آرائش لباس میں ہی کسی کو دیکھ کر مہذب سمجھنے کی عادی ہو چکی تھی، ہزار نفرین کی۔“ (برکات سیال، مطبوعہ 1925ء، ص 35)

اکثر خاموش رہتے لیکن طبیعت میں جلال بھی بہت تھا۔ جو ناخوشگوار موقعوں پر ظاہر ہو کر رہتا تھا۔

جامع مسجد بھیرہ کی مرمت اور اس میں اضافے:

جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر ثانی اور بحالی (1859-67ء) کے بعد آپ کے عہد میں اس کی وسیع پیمانے پر مرمتیں ہوئیں اور اضافے ہوئے۔ عمارت تو ویسے بھی پرانی اور خستہ ہے امتداد زمانہ اور موسمی تغیرات بالخصوص ہر سال دریائے جہلم کی طغیانی اسے مسلسل نقصان دیتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت مولانا بگویی کی زیر نگرانی 1903ء میں مسجد کی مرمت عام کی گئی۔ اس تاریخی مرمت کا مادہ تاریخ ہے:

1321ھ است علی التقویٰ

- ☆ مسجد کی دیواروں پر چونے کا پلستر کیا گیا۔
 - ☆ صحن میں اینٹوں کا فرش لگایا گیا۔
 - ☆ مسجد کے دو عالی شان مینار تعمیر ہوئے۔ (میناروں کی تفصیل اور اسلوب کے بارے میں، دیکھئے جلد دوم)
- مولانا حکیم عبدالرسول بکھروی کا تاریخی قطعہ یوں ہے:

جنوبی شد بنا پیش از شمالی

1321ھ

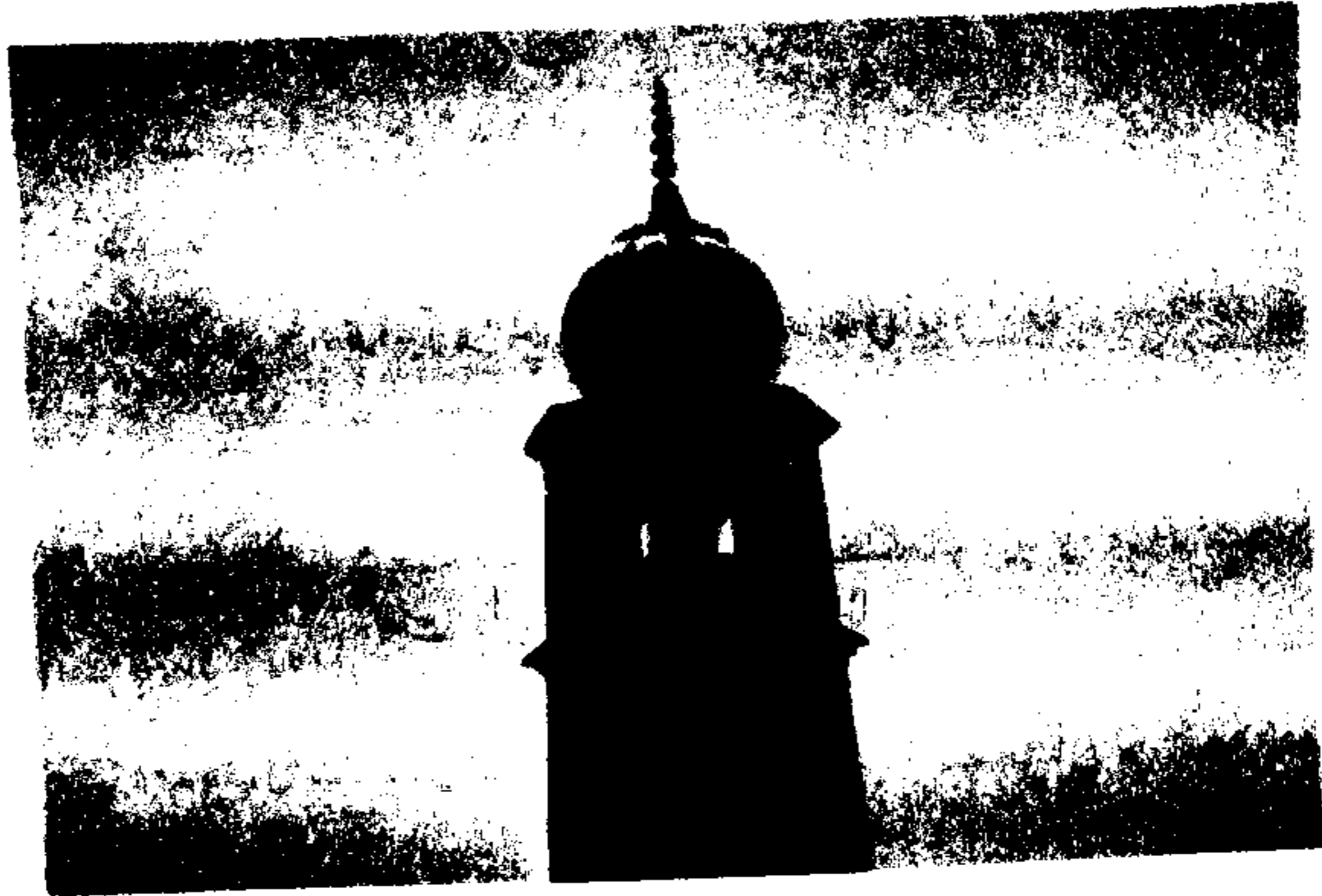
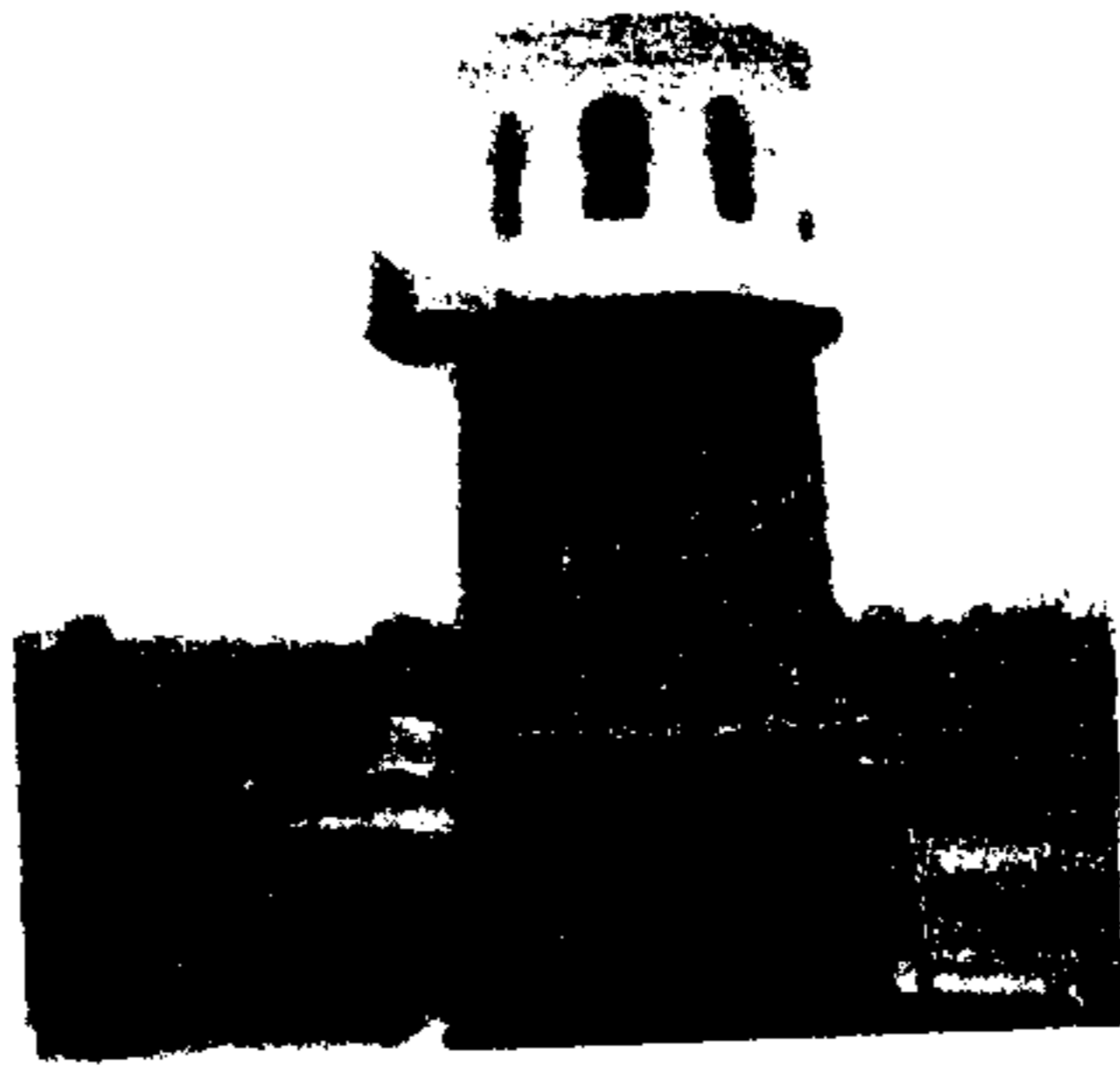
ندا آمد چه خوش مینار عالی

شد چو مینار در شمال تیار

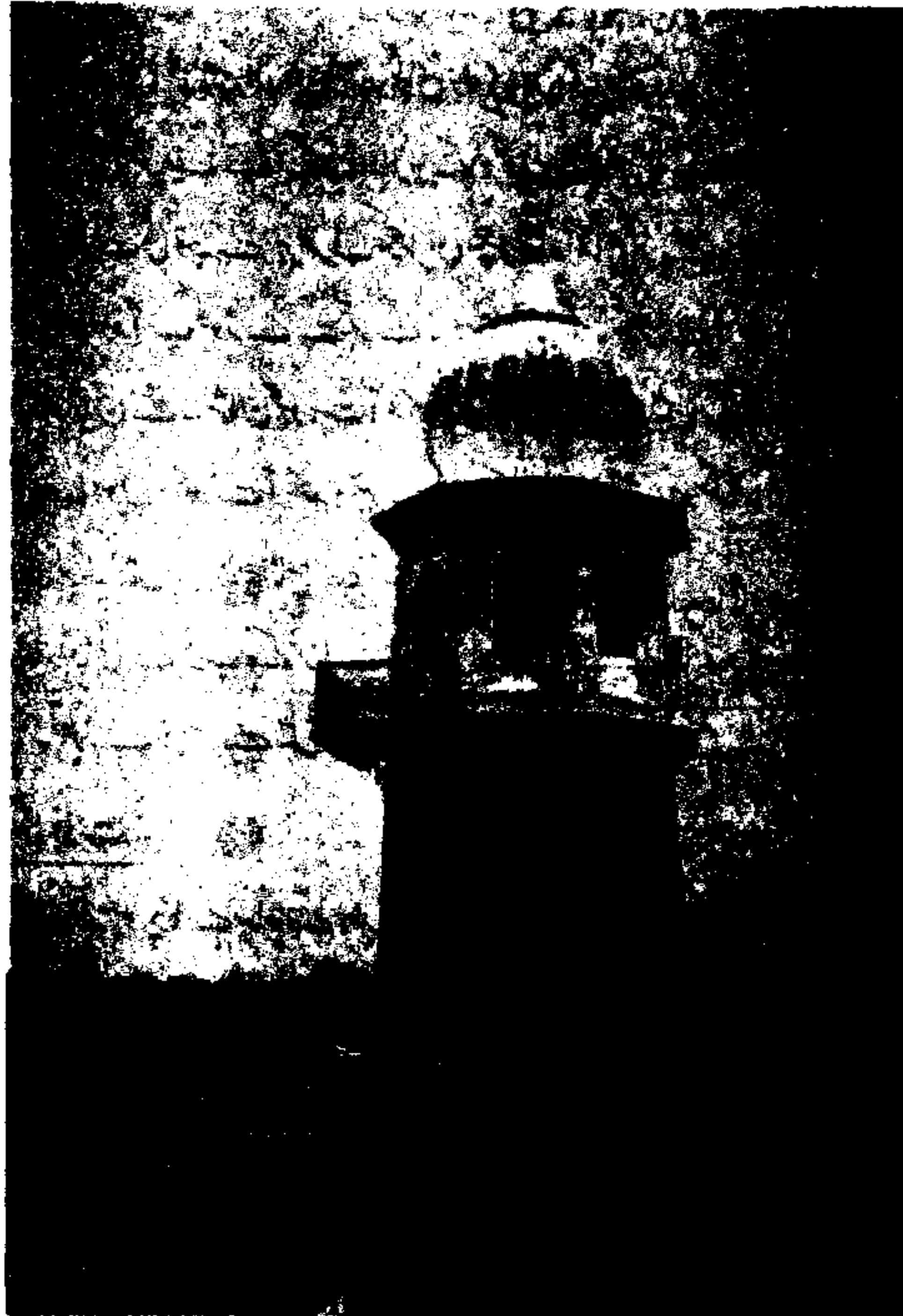
1323ھ

گفت دل زیب و خوشنما مینار

(دونوں - شمالی اور جنوبی میناروں کی تصویر)



(شمالی مینار جامع مسجد بھیرہ)



قبل ازیں جامع مسجد کے تین بڑے گنبد تھے اور سامنے وسیع و عریض صحن مسجد۔ 1903ء میں پہلے جنوبی مینار تعمیر ہوا۔ دو سال بعد 1905ء شمالی مینار استوار کیا گیا۔ دونوں کی گہری بنیادیں رکھی گئیں اور ان میں اس وقت کے تعمیری اصول کے مطابق لکڑی کے مضبوط شہتیر ڈالے گئے۔ ہزاروں روپوں کے صرف سے عالی شان میناروں کی تعمیر حضرت مولانا بگوییؒ کی مسجد سے گہری محبت، علو ہمتی، ایثار اور روحانی توجہ اور برکت کا نتیجہ ہے۔ مینار بن جانے سے نہ صرف مسجد مکمل ہوئی بلکہ اس کے حسن و جمال اور جاہ و جلال میں بہت اضافہ ہوا۔

تعمیر مسجد کے لیے مساعی:

آپ کے فرزند مولانا محمد نصیر الدین شہید بگوییؒ راوی ہیں کہ میناروں کی تعمیر کے دوران چک نمبر 7 مین لائن کے لوگوں کی استدعا پر وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے قریباً ایک صد روپیہ بطور امداد تعمیر و تعلیم فراہم کیا۔ واپسی پر بارش کی کثرت کی وجہ سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ تمام گڑھے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ اچانک گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا اور آپ گھوڑے سے گر گئے۔ دستار مبارک کیچڑ سے آلودہ ہو گئی۔ چوٹ لگنے سے چہرے پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ شانِ محبوبیت آشکارا تھی۔ سر کو سجدے میں رکھ کر اپنے مولا سے عرض کی:

”الہی! ضعیف ہوں، مجھ سے آئندہ تیرے گھر کے لیے سفر نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنے گھر میں ہی اس قدر عطا کر کہ کہیں باہر نہ جانا پڑے۔“

یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے غیب کے خزانے کھول دیے۔ آپ کے شاگردین، متوسلین اور معتقدین نے اتنی فیاضی سے خدمت کی کہ تھوڑے ہی عرصے میں مسجد کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔

فروعی اور فقہی اختلافات:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سارے ہندوستان پر مکمل غاصبانہ قبضے کے بعد انگریز سرکار نے اپنے دوام و استحکام کے لیے جو اقدامات کیے ان میں ہندو مسلم اور مسلم مسلم نزاعات، اختلافات اور فروعات کو ہوا دینا بھی شامل تھا۔ دونوں مذاہب صدیوں سے مسلم اور مغل اقتدار کے زیر سایہ امن اور چین سے رہ رہے تھے۔ تاریخ ان کے درمیان یا ان مذاہب کے اندر کسی بھی داخلی انتشار یا خلفشار کے بارے میں خاموش ہے۔ صدیوں کے بعد ان واقعات کی توجیہ موجودہ صورت حال کے مطابق کرنا قرین انصاف ہے اور نہ اسلام پر کوئی احسان۔ ایک لحاظ سے ایسا کرنا، اسی سازش کا شکار ہونا ہے جس کا جال ہنود و یہود اور نصاریٰ بدستور مسلمانوں کے خلاف بچھائے ہوئے ہیں۔

مناظرہ بھیرہ مابین مقلدین و غیر مقلدین:

25 و 26 جمادی الآخر 1288ھ / 12-13 ستمبر 1871ء بروز ہفتہ و اتوار جامع مسجد بھیرہ میں ایک اجتماع

ہوا جس میں وہابیوں اور سنیوں کے درمیان فروعی اور فقہی اختلافات پر مباحثہ و مناظرہ ہوا۔

نزاعی موضوعات:

- ☆ مسئلہ اغثنایا رسول الثقلین و اغثنایا غوث الثقلین
- ☆ مسئلہ امکان وجود نظیر نبی کریم ﷺ
- ☆ بابت کتاب تقویۃ الایمان از شاہ اسماعیل شہید دہلوی
- ☆ مسئلہ استمداد و استعانت از انبیاء و اولیاء کرام
- ☆ مسئلہ رفع یدین
- ☆ مسئلہ جہر آمین
- ☆ مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام

علماء بطریق سنی:

- ✽ مولانا صاحبزادہ عبدالعزیز بگوی ✽ مولانا غلام قادر بھیروی لاہوری
- ✽ مولانا غلام رسول چاوی بھیروی ✽ مولانا حافظ سید لال شاہ بنوری
- ✽ مولانا رحیم بخش ✽ مولانا غلام نبی لہئی
- ✽ مولانا غلام مرتضیٰ بریلوی ✽ ودیگر ائمہ و معززین شہر

فریق وہابی:

- ✽ مولوی حکیم نور الدین ✽ چراغ الدین آہنگر
- ✽ احمد الدین پراچہ ✽ ودیگر چند معززین شہر

مباحثہ و مناظرہ میں مخالف وہابی فریق کے موقف کے خلاف دلائل دیے گئے اور نتیجے میں ان کے ساتھ اختلاف و مشارکت سے ممانعت کی گئی۔ بعد ازاں میاں خیر محمد صاحب اور میاں غلام رسول صاحب ودیگر پراچگان خورد و کلاں، ارکان خواجگان و اکثر علمائے مساجد بھیرہ، مسجد محلہ پراچگان نزد مزار حضرت میراں صاحب، جلسہ عام

منعقد ہوا جس میں عدم مشارکت و مخالفت پر عام اتفاق ہوا۔ اس مطبوعہ روئداد کے آخری الفاظ غور کے قابل ہیں:

”و در معرکہ و مباحثہ اول روز تحصیلدار صاحب و تھانیدار صاحب و بروز دوم تھانہ دار صاحب مع سپاہیاں و کانسٹیبلان حاضر بودند“۔

گویا یہ سب کچھ سرکاری سرپرستی میں اور مذہبی آزادی کو حکومتی تحفظ کے نام پر روارکھا جا رہا تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں میں یہ قرونوں پرانے خیالات اور فقہی اختلافات تھے، جو ہرگز نئے نہ تھے اور نہ انہیں اس طرح ہوا دینے کی ضرورت تھی جس طرح دونوں سنی اور وہابی فریق کی طرف سے انہیں اچھالا جا رہا تھا۔

عدالتی معرکہ:

وہابی فریق کی جانب سے مقاطعے کے اعلان کو نشی رام داس تحصیلدار بھیرہ کی عدالت میں چیلنج کیا گیا۔ ہندو حاکم نے سنی علماء پر عائد کردہ الزامات کو صحیح قرار دیا اور انہیں بجرم دفعہ 500 تعزیرات ہند، جرمانوں کا مستوجب قرار دیا۔ بصورت عدم ادائے جرمانہ، ایک ایک ماہ قید سخت۔ بروئے حکم سیشن جج قسمت راو پینڈی مورخہ 17 ستمبر 1875ء جو بروئے ترمیم 10 جولائی 1875ء قید سخت کی بجائے قید محض ہو گئی۔ اس کے خلاف اپیل چارلس پولنوز سی آر لینڈزی چیف کورٹ کی عدالت میں دائر کی گئی۔ انگریز حاکم نے اپنے فیصلہ مورخہ 3 دسمبر 1975ء کے تحت عدم شہادت کی بنا پر تمام الزامات خارج کر دیئے اور ملزمان کو بری کر دیا۔

اثرات:

یہ ایک علمی اور فقہی مجادلہ تھا جس میں فروعی معاملات زیر بحث آئے تھے۔ اس کے اثرات یہ نظر آتے ہیں:-

- (1) تقلید خصوصاً حنفیت مستحکم ہوئی۔
- (2) عدم تقلید اور اہل حدیث کو مضبوط بنیاد نہ مل سکی۔
- (3) بھیرہ، چاؤہ، اللہ شریف اور بیربل شریف کے چشتی اور نقشبندی خانوادے فکری طور پر مزید قریب آئے۔
- (4) علاقے کے مسلمانوں کا اپنے علماء اور مشائخ پر اعتماد اور ان کا احترام بڑھا۔
- (5) غیر علاقائی نظریات اور شخصیات کی پذیرائی میں مزید کمی ہوئی۔
- (6) لوگوں میں دین کو سمجھنے اور بزرگان دین کی رہنمائی حاصل کرنے کا شوق بڑھا۔
- (7) جامع مسجد بھیرہ کو مرکزیت اور اولیت کا شرف قائم رہا۔
- (8) بعد ازاں قادیانی تحریک کے فکری موسس حکیم نور الدین بھیروی کو علاقے میں پھیلنے اور نفوذ پذیر ہونے کا موقع حاصل نہ ہو سکا۔

تصانیف:

آپ کی کوئی باقاعدہ تصنیف تو دستیاب نہیں ہے۔ تاہم ہم عصر علماء کی کتابوں اور ان کے فتوؤں پر تقریظ اور توثیق اکثر نظر آتی ہے۔

اولاد:

آپ کی شادی موضع کولہیاں نزد بھیرہ کے ایک عالم دین کی بیٹی محترمہ الف بی سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ چاروں فرزند عالم دین، پابند شریعت و طریقت، اسلام کے خادم اور مخلوق سے محبت کرنے والے ثابت ہوئے۔

1- مولانا محمد ذاکر بگوئی

2- مولانا محمد یحییٰ بگوئی

3- مولانا محمد نصیر الدین بگوئی

4- مولانا ظہور احمد بگوئی

5- محمد حبیب بگوئی (کم سنی میں فوت ہو گئے)

6- عصمت بی مرحومہ: ان کی شادی کوٹ حاکم خان میں ہوئی اور لا ولد رہیں۔ 9 دسمبر

1921ء 10 ربیع الثانی 1340ھ کو وفات پائی۔

7- عزت بی مرحومہ: ان کی شادی میاں محمد سعید (جھاوریوں) کے ساتھ 23 فروری 1913ء کو

ہوئی۔ ان کی بیٹی کی اولاد کراچی میں رہتی ہے۔

وصیت:

اپنی وفات سے 21 یوم قبل، 25 ذی قعدہ 1325ھ کو آپ نے وصیت فرمائی اور اپنے کفن، دفن، جنازہ اور

مزار کے بارے میں ہدایات دیں۔

وصال:

مورخہ 11 ذی الحجہ 1325ھ / 16 جنوری 1908ء عید الاضحیٰ کے دوسرے دن آپ بیمار ہوئے۔ مولانا

محمد یحییٰ بگوئی کے مطابق، گوشت خوری سے طبیعت ناساز ہوئی۔ علاقے اور شہر کے نامور اطباء حکیم مولوی اللہ دین

صاحب شیخ پوری، حکیم محمد دین صاحب، حکیم فضل احمد صاحب اور دیگر جمع ہوئے۔ علاج ہوتا رہا مگر آپ فرماتے رہے: ”حکیم صاحبان! مرض موت کا کوئی علاج نہیں۔“

بروز منگل 16 ذوالحجہ 1325ھ / 22 جنوری 1908ء کو قدرے افاقہ ہوا۔ آپ نے غسل فرمایا۔ پھر اپنے سب سے چھوٹے فرزند مولانا ظہور احمد بگویی جن کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی، گود میں لے کر کہا: ”آج مدرسہ نہ جاؤ۔“ پھر پیار کرتے ہوئے فرمایا: ”کیا تم چاہتے ہو، ہم آج مرجائیں یا زندہ رہیں؟“ اس پر ظہور احمد رونے لگے۔ تو آپ نے فرمایا:

”تسلی رکھو، میں تمہارے لیے نہیں مروں گا۔“

پھر ٹھنڈی آہ بھر کر کہا:

”اگر تمہاری قسمت ہوتی تو مجھ سے علوم حاصل کرتے۔“

دوپہر کے وقت مرض کی شدت بڑھ گئی۔ آپ نے مولانا محمد یحییٰ بگویی کو بلایا اور ضروری وصیتیں کیں۔ آپ نے کہا ”میرا انٹوچ پکڑ کر اٹھاؤ۔“ انہوں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ اس کے بعد آپ نے روغن بادام منگوایا اور سر کی مالش کرنے کو کہا۔

تسوڑی ہی دیر کے بعد اپنا منہ قبلے کی طرف کر لیا۔ خود کلمہ شہادت پڑھا اور لوگوں کو بھی کلمہ پڑھنے کی تلقین کی۔ اس کے ساتھ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور کمرہ ایک خاص قسم کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

تہنیت و تہنیں:

انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ شہر بھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ ہزار ہا لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔ لوگوں کے مسن و مربی استاد، عوام کے مرشد و ہادی اور دین کے زبردست خادم جدا ہو گئے تھے۔ سرکاری عدالتیں، دفاتر، سکولز اور بازار سب بند تھے۔ جنازہ کے ساتھ لمبے لمبے بانس لگائے گئے تاکہ لوگ کندھا دینے کی سعادت سے محروم نہ رہیں۔ 17 ذوالحجہ مورخہ 23 جنوری کو صبح کے وقت محلہ معماران بھیرہ سے جنازہ اٹھایا گیا۔ شہر سے باہر عید گاہ کے میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جس طرف نگاہ جاتی تھی ہر طرف انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ بوقت رخصت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوند باندی ہو رہی تھی۔

مدفن:

بادل گریاں و سینہ بریاں، آفتاب علم و ہدایت کو دوپہر کے بعد خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں اپنے استاد اور عم مکرم کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

علوشان بعد وصال:

آپ کے وصال کے 8 سال بعد 1916ء میں مولانا محمد ذاکر بگویی کے لیے قبر کھودتے وقت، آپ کی قبر شق ہو گئی۔ صندوق کا ایک تختہ علیحدہ جا پڑا۔ جسد مبارک سامنے نظر آ رہا تھا۔ اللہ کی قدرت اور رحمت کہ ایک دبائی گزرنے کے باوجود جسم مبارک بالکل صحیح و سالم، تازہ اور نرم تھا۔ تغیر سے محفوظ اور پاک تھا۔ اور رخسار پر سرخی کی جھلک موجود تھی۔

۱۹۱۶ء

پہلا عرس مبارک:

آپ کا سالانہ عرس مبارک 16 ذوالحجہ کو بھیرہ میں منعقد ہوتا ہے جہاں ایصالِ ثواب کے علاوہ نعت خوانی اور وعظ کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ پہلا عرس سال بعد 1326ھ / دسمبر 1908ء کے آخر میں منعقد ہوا۔ حضرت خواجہ غریب نواز محمد دین ثانی سیالوی اپنی علالت طبع کے باعث شامل نہ ہو سکے البتہ حضرت میاں عبدالرحمن محمدی واپس حضرت مولانا نصیر الدین چاچڑوی، حضرت صاحبزادہ ضیاء الدین ثالث سیالوی تشریف لائے۔ حضرت میاں صاحب بڑے باکمال عارف اور حضرت ثانی سیالوی سے مجاز تھے۔ انہیں مولانا محمد ذاکر بگویی کی درخواست پر اور حضرت ثانی کے ارشاد کی تعمیل میں آنا پڑا۔ مگر انہیں دل میں سخت تردد تھا اور آنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ بھیرہ پہنچ کر حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ مکاشفہ اور ملاقات کے بعد حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے پاؤں پکڑ لیے۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگے کہ ”اللہ مجھے معاف کر دو“۔ مولانا محمد ذاکر بگویی حیران کہ ماجرا کیا ہے۔ اس پر حضرت میاں صاحب محمدی والے فرمانے لگے:

”مجھے ہرگز یہ علم نہ تھا کہ یہاں گودزی میں لعل چھپا ہوا ہے۔ میں آپ کے والد ماجد کے علوشان سے بے خبر تھا۔ مزار پر حاضری کے بعد جو عنایات و الطاف (حضرت مولانا اور) حضرت ثانی کی طرف سے ہوئے ہیں آج تک نہیں ہوئے۔ جو عقدے آج تک حل نہ ہوتے تھے، وہ یہاں (مزار اقدس) پر خود بخود حل ہو گئے ہیں۔“ (تذکرہ، ص 35)

جامع علم و عمل، رہبر خلقِ خدا

خواجہ عبدالعزیز آل زبیب و فخر دو زماں
جامع علم و عمل، محبوب خلاق دو جہاں
عاشق حق از فیوض خاندانِ چشتیا!
رہبر خلقِ خدا، ممتاز از اہل زماں

حیف دوران حیات پاک اوشد منقضی
مانده اخلاش بفرقت کرد رحلت از جہاں

ساز ملحق ، شمس حق ، باخواجہ عبدالعزیز
گر بخواہی سال و صلش پیشوائے عارفان

مولانا حکیم عبدالرسول نقشبندی بکھروی

☆☆☆☆

شنو تاریخ آن دریائے معنی
کہ عمرش کردہ در عشق خدا صرف
ز ذوالحجہ شانزدہم احمدی عمر

1325ھ

نجیب عاشق حق صاحب شرف

مولانا محمد سعید زین پوری

☆☆☆☆

ہائے ہائے شانزدہم ماہ ذوالحجہ شد نہاں
نیر برج دو عالم مولوی عبدالعزیز
سال تاریخ وفاتش شائق اندوہ گیں

1325ھ

گفت گو فیاض عالم مولوی عبدالعزیز

مولانا محمد سلام اللہ ساکن عمر چک

اہل بینش حضرت عبدالعزیز
پاک باطن بود چوں ظاہر بہ پاک
شانزدہم ماہ ذوالحجہ ناگہاں
کرد از دنیائے فانی جامہ چاک
کلک شائق سال وصل آن عزیز

1325ھ

مے نویسد۔ اہل بینش شد بخاک

حضرت مولانا مفتی

غلام رسول چاوی

رحمۃ اللہ علیہ

المعروف مولوی صاحب چاوی والے

(عکس تحریر خط)

۲۱۸

مطالعت رسالہ نوجوت صحیحہ شہدائیت للعلیہ المرتبہ
 حررہ عبدالصغیر مولوی علامہ رسول جودی

ترتیب اری برادر آں خدا
 از خدا غافل مشوایی نیکو
 اعمال بد خود را بیی باید نکرد
 کہ چیدانی روز محشر چیشود
 اول این پرسش نمازی را بدو
 گر نمازی کس شود مقبول و اس
 تا شد و مقبول دیگر عمل آن
 گر نمازے او نشود مقبول این
 عمل تو ضابط شود دیگر چنین

بزرگوار! در این رساله نوجوت صحیحہ شہدائیت للعلیہ المرتبہ
 در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه اطهار علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه معصومین علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه مجتہدین علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه فاضلان علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه صالحین علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه سادات علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه اولاد علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه اصحاب علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه تابعین علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه مفسران علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه محدثان علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه علماء علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه مشائخ علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه کرام علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه صالحان علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه سادات علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه اولاد علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه اصحاب علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه تابعین علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه مفسران علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه محدثان علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه علماء علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه مشائخ علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه کرام علیہم السلام
 و در بیان احوال و سیرت و مناقب ائمه صالحان علیہم السلام

در شیخ او دفع
 اوقات فیما بین اوقات فیما بین
 ان امکن والا فقد ضل ما ضل
 فانی اذ کان حتم الشری نزع جمیع لیم بالہیستہ فالتوفی بالافضال
 علی نزع حد نصیب من الدلائل المتوفیہ علی السبیل المقصدہ وانی
 ذلک برافانہ من ابر عیاس و لینی الزم حلالہ ہجر الی اللہ
 ولی الہم انیہ ویزاتی محمد اقا محمد و محمد ابراہیم و محمد علی و محمد باقر
 فی الابرار یومئذ ہذا لعلہم ارضابہ و ہر ذیما ہما ما اہم یمنہم علیہم
 فیہ انوارہ و ذلک جباریا و ذلک جباریا کما رواہ الامام علی

۱۹۲

ابتدائی حالات:

مولانا غلام رسول چاؤی موضع چاؤہ تحصیل بھلووال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق علاقے کے مشہور کاشتکار قبیلے رانجھا سے تھا۔ آپ کے والد مولانا محمد عبداللہ مرحوم ایک عالم، فاضل اور عابد بزرگ تھے۔ وہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضورؒ (متوفی 1270ھ/1855ء) سے بیعت تھے۔ مولانا غلام رسول چاؤی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے مختلف جگہوں کا سفر اختیار کیا اور اسلامی علوم و فنون کے ممتاز اساتذہ اور اہل علم سے کسب فیض کیا۔

دارالعلوم بھیرہ میں تدریس:

مولانا عبدالعزیز بگویؒ کے دور اہتمام میں آپ دارالعلوم بھیرہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کے ساتھ مولانا غلام قادرؒ بھیروی لاہوری بھی تدریس پر مامور تھے۔ جامع مسجد بھیرہ میں تدریس کے لیے آپ اپنے گاؤں چاؤہ سے روزانہ شہر آتے تھے۔ یہ سلسلہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ بعض تذکروں میں آپ کے شاگردوں کے نام ملتے ہیں۔

بھیرہ میں تشریف آوری:

محلہ پراچگان بھیرہ میں دین سے محبت رکھنے والے اصحاب شروع سے موجود رہے ہیں۔ پراچہ مستورات میں بھی دین کا چرچا اور دین کا فہم عام رہا ہے۔ اپنے محلے میں دعوت و ارشاد اور وعظ و نصیحت کے لیے بعض نیک دل اور علم دوست پراچہ صاحبان بڑے اصرار اور محبت سے مولانا کو بھیرہ لائے۔ کافی عرصہ تک مولانا چاؤی بطور امام، خطیب اور واعظ مسیت دریائی بھیرہ (دریا کی جانب واقع مسجد) میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ازاں بعد آپ مسجد بلحقہ مزار حضرت میراں صاحبؒ منتقل ہو گئے۔ پراچہ خاندان نے آپ کے پذیرائی اور سہولت کے لیے ایک حجرہ تعمیر کروایا جو مسجد اور مزار کی دیواروں کے سہارے گلی کے اوپر واقع تھا۔ اس حجرے میں آپ کا قیام رہتا۔ یہیں پر آپ تصانیف تحریر کرتے، فتوؤں کا جواب دیتے اور مقامی طلبہ کو درس دیتے تھے۔

کتب خانہ:

مولانا چاوی کو کتابوں سے بہت محبت تھی۔ ایک معتبر خاندانی روایت کے مطابق ان کے ذاتی کتب خانے میں چار ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں بہت بڑی تعداد ان کتابوں کی تھی جو مختلف موضوعات پر ہاتھوں سے نقل شدہ تھیں۔ کتابوں کی خریداری اور اعلیٰ جلد بندی پر زور کثیر صرف کرتے تھے۔ خود بھی تصنیف کے ساتھ ساتھ مخطوطے ہاتھ سے نقل کرتے رہتے تھے۔

اخلاق و اطوار:

آپ جید عالم، ممتاز فقیہ اور زبردست واعظ تھے۔ آپ کو ورثے میں 90 بیگھے زرعی زمین ملی تھی مگر دین کی خدمت اور علم سے محبت کے لیے اپنے قرابت داروں کے حوالے کر دی، پھر اس سے کوئی تعرض نہ رکھا۔ چاہو اور بھیرہ کے درمیان اکثر اور بعض اوقات روزانہ سفر کرتے تھے۔ گدھے کی سواری ان کا ذریعہ سفر تھا۔ مسافروں کے آرام کے لیے آپ نے راستے میں شجر سایہ دار لگوائے۔ پینے کے پانی کا بندوبست کیا اور خدا سے رشتہ جوڑنے کے لیے مساجد تعمیر کیں اور ویران مساجد کو آباد کیا۔

ممتاز خصوصیات:

مولانا چاوی ایک بے ریا عالم اور شب زندہ دار عابد تھے۔ آپ قاطع بدعات، تارک رسوم اور مصلح معاشرہ تھے۔ جہاں سنت نبوی سے انحراف دیکھتے، اسوہ رسول کا بطلان پاتے، سیف بے نیام ہو جاتے۔ دین کے بارے میں وہ کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آپ کو حقہ نوشی سے سخت نفرت تھی۔ جہاں کسی کو سرعام حقہ گڑ گڑاتے دیکھتے تو فوراً اسے اپنی لٹھ سے توڑ دیتے تھے۔ شادیوں پر ڈھول ڈھمکے، ناچ گانے اور ہندووانہ رسوم کے شدید مخالف تھے۔ اسی طرح جنازہ اور تدفین پر سادگی اور سنت کی پیروی پر زور دیتے تھے۔

لڑکیوں کے حق وراثت کے زبردست حامی تھے۔

لڑکیوں کی تعلیم اور لکھائی پڑھائی کے پر جوش حامی اور پیرو کار تھے۔

جلالی مزاج:

ایک مومن اور مخلص کی طرح مولانا چاؤئی کے مزاج میں نیم دروں نیم بروں اور مصالحانہ رویہ (Compromise) نہ تھا۔ اگر اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کا فرمان برحق ہے تو پھر اس پر پوری سچائی اور صدق سے عمل ہونا چاہیے۔ وہ اس مومنانہ فکر پر عمل پیرا تھے۔ عام برتاؤ کے ساتھ اپنے مواعظ میں بھی نصیحت اور خیر خواہی کی باتیں کسی لگی لپٹی کے بغیر کہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے جلالی مزاج کا تذکرہ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کی ایک مجلس میں ہوا۔ آپ کے ملفوظات میں مولانا سید محمد سعید بن سید حیدر شاہ رنجانی حنفی چشتی پھڑتوی لکھتے ہیں:

”بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا:

حلم کو علم پر مقدم رکھنا چاہیے۔ اس موقع پر میاں اسمعیل (نامی ایک شخص) نے عرض کیا کہ اکثر سامعین مولانا غلام رسول چاؤی کے والا کے وعظ پر خوش نہیں ہوتے کیونکہ وہ دوران وعظ غصے میں آجاتے ہیں اور سخت باتیں کہہ جاتے ہیں۔ خواجہ شمس العارفین نے کہا کہ عالم کو چاہیے کہ پند و نصیحت کرتے وقت علم کو اختیار کرے کیوں کہ علم بے علم، بغیر پھل درخت جیسا ہے اور نان بے نمک کی طرح ہے۔“

(مرآة العاشقین مطبوعہ 1885ء، ص 97-98)

بلاشبہ وعظ و نصیحت میں حلم اور برداشت کا اہم مقام ہے۔ مگر مولانا چاؤی اپنی فطرت کے اعتبار سے قاطع بدعات، تارک رسوم اور مصلح معاشرہ تھے۔ اگر آپ واضح تبدیلی چاہتے ہیں، رویوں کو بدلنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کو صوفی کا نہیں فقیہ اور مدرس کا رول ادا کرنا پڑے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ کردار کے اس روشن اور تابندہ پہلو کی بنا پر ہی وہ اپنے معاصرین میں بہت منفرد اور اعلیٰ مثال ہیں۔

قلمی بیاض:

مولانا چاؤی نے اپنی خودنوشت بیاض فارسی زبان میں قلم بند کی ہے۔ ابھی اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ بیاض میں آپ نے محلہ پراچگاں بھیرہ کے بعض ناخوشگوار واقعات اور محلہ آہنگراں بھیرہ سے متعلق کئی مذہبی معاملات کا ذکر کیا ہے۔ بھیرہ شہر اور نواح کے بعض علمی اور دینی واقعات کا بھی حال بیان کیا ہے۔ گمان ہوتا ہے جیسے آپ طبع موزوں رکھتے تھے جس کا ثبوت بیاض میں فارسی کے ابیات ہیں۔

مشاغل:

مولانا غلام رسول چاؤٹی نے بھرپور علمی اور مذہبی زندگی گزاری۔ بد قسمتی سے آپ کی مصروفیات، مشاغل اور خدمات کے بارے میں مطبوعہ یا تحریری ریکارڈ ناپید ہے۔ تاہم درج ذیل موضوعات ان کی زندگی کا عنوان رہے:

- 1- امامت و خطابت
- 2- دعوت و ارشاد
- 3- وعظ و نصیحت
- 4- تعلیم و تدریس
- 5- تحقیق و افتاء
- 6- تحریر و تصنیف
- 7- مطالعہ کتب اور حفاظت کتب

مباحثہ و مناظرہ بھیرہ:

حضرت مولانا عبدالعزیز بگویٰ خطیب جامع مسجد اور مہتمم دارالعلوم بھیرہ کے حالات میں معرکہ بھیرہ کے زیر عنوان چھ تفصیل گزر چکی ہے۔ 25-26 جمادی الثانی 1288ھ / 12-13 ستمبر 1871ء جامع مسجد بھیرہ میں ایک اجتماع عام ہوا جس میں ایک طرف سنی علماء اور مشائخ تھے جو اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کر رہے تھے۔ دوسری طرف وہابی اشخاص تھے جو غیر مقلدین جماعت کے نمائندہ تھے۔ سنیوں کی جانب سے 3 مقامی علماء تھے جن میں سے ایک مولانا غلام رسول چاؤٹی تھے۔ تمام علماء اپنی ذاتی حیثیت میں اور عمومی نمائندگی کے لیے شامل وفد تھے۔ بیرون شہر کے علماء غالباً تمام حجت یا وسیع تر نمائندگی کے لیے بلائے گئے تھے۔ دونوں جانب کے صاحبان نے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور قرآن و حدیث و آثار سے دلائل دیے۔ تیسرے روز مسجد محلہ پراچگان بھیرہ نزد دربار و مزار حضرت میراں صاحب جلسہ عام منعقد ہوا۔ اس موقع پر دعائے خیر ہوئی کہ غیر مقلدین کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ یہاں واضح نہیں ہے کہ سنیوں کی طرف سے کون کون اصحاب مقاطعہ کے فیصلے میں شریک تھے۔ البتہ اعلان اور اشتہار پر وفد اور اس کے علاوہ اصحاب کے نام و دستخط موجود ہیں۔

پہلے معاملہ منشی رام داس صاحب تحصیل دار بھیرہ کی عدالت میں زیر سماعت رہا۔ فریقین کے دلائل اور شواہد سننے کے بعد 21 اگست 1872ء کو فیصلہ صادر ہوا۔ یہ فیصلہ سنی علماء کے خلاف تھا۔ اس کے خلاف اپیلیں ڈپٹی کمشنر گجرات اور سیشن جج قسمت راولپنڈی کے پاس زیر سماعت رہیں۔ آخر میں یہ دیوانی معاملہ چیف کورٹ میں گیا جہاں 3 دسمبر 1975ء کو اپیل کا آخری فیصلہ صادر ہوا اور سنی علماء تمام الزامات سے بری قرار دیئے گئے۔

روند ادوار فیصلہ:

مقدمہ بھیرہ کی تفصیل سرکاری کاغذات کے مطابق (مطبوعہ 1307ھ/1889ء) حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقل فتویٰ مدخلہ مولوی غلام قادر مدعا علیہ

اجلاس منشی رامداس صاحب تحصیل دار بھیرہ۔ فیصلہ 21 اگست 1872ء بمقدمہ مرجوعہ نمبر 107

احمد دین و چراغ دین سکنائے بھیرہ مدعیان

بنام مولوی غلام نبی و مولوی غلام قادر و مولوی غلام رسول مدعا علیہم

علت دفعہ (504) تعزیرات ہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد۔ پس بتاریخ 25-26 جمادی الآخر

یوم یک شنبہ و دو شنبہ باتفاق علماء و ارکان بلدہ بھیرہ در جامع مسجد بیرونی برائے تصفیہ و تنقیہ ماہین و ہابیان و سنیان مجمع عام شد۔ چنانچہ ہر دو فریقین باہم مباحثہ و مناظرہ کردہ اند۔

بطریق سنی: حضرت صاحب مولوی غلام نبی ساکن لہ، مولوی غلام مرتضیٰ صاحب ساکن بیربل۔ حافظ لال

شاہ پشاور سید بنوری۔ مولوی رحیم بخش صاحب و مولوی عبدالعزیز صاحبزادہ بگے والہ و مولوی غلام قادر ساکن 647 بھیرہ و مولوی غلام رسول ساکن چاؤہ بھیرہ۔

فریق وہابی: نور الدین و چراغ دین آہنگر و احمد الدین پراچہ وغیرہ اتباع اوشان بقدر چہل، پچاس۔

و ہابیان مذکورہ در مسئلہ اعتنا یا رسول الثقلین و اعتنا یا غوث الثقلین و امکان وجود نظیر نبی کریم ﷺ و تقویت

الایمان کہ در آل کتاب ہتک شان نبی کریم است و نبی ﷺ را ہچما نسبت کردہ۔ و رفع یدین۔ و جہر آمین۔

مباحثہ کردہ استمداد و استعانت از اولیاء و انبیاء را انکار کردند۔ و امکان مثل رسول کریم اولاً انکار کردہ بعدہ قائل شدند

و تقویت الایمان انکار نکردند۔ و در مسئلہ ہر مخلوق خدا کی شان کے آگے ہمار جیسی ہے قائل شدند۔ و گفتند کہ تقویت

الایمان را انکار نہ میکنم۔ و رسول کریم و اولیاء را کہ نسبت ہچما کردہ مسلم داشتہ در تاویل رکیک شدید چونکہ این امر مکروہ

روح و مخالف اہل سنت و جماعت است۔ و این مسئلہ تقویت الایمان مخالف آیات قرآن۔ ان اکرمکم

عند اللہ اتقاکم۔ قل هل یستوی الذین یعلمون و الذین اوتوا العلم درجات۔ و کان فضل اللہ

علیک عظیماً و یختص بر حمة من یشاء۔ و قائل این مسئلہ خارج از در ایمان و اسلام است و علامات

ظاہرہ و باہرہ این فرقہ دریں دیار۔ رفع یدین۔ و جہر آمین۔ قرأت فاتحہ یعنی سورہ الحمد و خلف امام اند۔ لہذا جمیع اہل

اسلام اہل سنت و جماعت راندائے عام و بشارت تام دادہ میشود۔ کہ بموجب احادیث نبویہ اختلاط و مشارکت با اتباع ایں فرقہ ضلالہ ہرگز نکلند و دور و نزدیک از اشاعت و اذاعت ایں خبر تساہل و تکاہل نکلند و بموجب آیات و احادیث نبویہ پر ہمیز بر خود واجب دانند چنان نشود کہ نادانستہ و خطا کد ام کس ہمراہ او شان مجالس و موانس و ہم صلوة و ہم جنازہ و ہم نوالہ ہم پیالہ باشد۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ بسا وقت بنو اسرائیل فی المعاصی تہتہم علماء ہم فلم ینتہوا فجالسہم فی مجالسہم و اکلوہم و شاربوہم فضرب اللہ قلوب بعضہم ببعض ولعنہم علی لسان داؤد و عیسیٰ بن مریم ذالک بما عصوا کانوا یعتقدون رواہ ترمذی۔ مشکوٰۃ شریف۔ مکرر آنکہ علامات واضح ایں فرقہ عدم تقلید امام معین یعنی امام اعظم علیہ الرحمۃ و رفع یدین۔ و جہر آئین و قرأت فاتحہ پس امام است۔ و بعد بروز سہ شنبہ باستدعائے میاں خیر محمد صاحب و میاں غلام رسول صاحب و دیگر پراچگان خورد و کلاں و استحضار ارکان خواجگان و اکثر علمائے مساجد بھیسہ و دیگر اراکین پیران و غیرہ در مسجد محلہ پراچگان محاذی مزار و مرقد میراں صاحب مرحوم اتفاق جلسہ عام شد۔ چنانچہ ایں مسائل و واقعات علی روس الا شہاد تقریر کردہ شد۔ و ہمہ قبول کردند۔ دعائے خیر شد کہ با فرقہ ضالہ کد ام کس مخالفت و مشارکت نخواہد کرد و در معرکہ مباحثہ اول روز تحصیل دار صاحب و تھانہ دار صاحب۔ و بروز دوم تھانہ دار صاحب بمعہ سپاہیاں و کنسٹیبلان حاضر بودند۔

ایں اشتہار عام و اعلان برائے عوام نمودہ شد۔

العبد	العبد	العبد	العبد
غلام قادر عفی عنہ	حافظ سید لال شاہ	غلام رسول چووی	فلان تقعد بد الذکری مع القوم الظالمین فقیر غلام مرتضیٰ عفی عنہ
	تلمیذ حافظ صاحب مرحوم پشوری	بکذا الحکم	
العبد	العبد	العبد	العبد
مافی المکتوب منظور و مقبول فقیر عبدالرحیم	فقیر عبدالعزیز گوی عفی عنہ	فقیر غلام نبی محمد احمدی عفی عنہ	محمد دین
عبدالرحیم	منہ و کرمہ		
العبد	العبد	العبد	العبد
خدا بخش قوم اعوان	عبدالحکیم	ہذا التحریر صحیح خیر محمد پراچہ	گل احمد سکنہ چک راداس
العبد	العبد	العبد	العبد
عبداللہ شاہ	پیر رکن عالم شاہ قریشی	شیخ احمد امام مسجد شیخان	بندہ غلام رسول مسجد درون جنوبی

دستخط را مداس تحصیل دار دستخط را مداس تحصیل دار۔ وغیرہ وغیرہ۔ مدخلہ غلام قادر شامل مثل رہے۔

ترجمہ فیصلہ چیف کورٹ مصدر 25 دسمبر 1875ء۔ صیفہ نگرانی نمبر 602، 1870ء فوجداری۔ طلب شدہ بموجب دفعہ (294) مجموعہ ضابطہ فوجداری)

(با اجلاس چارلس بولنوز صاحب بہادری آرلینڈزی صاحب بہادر)

حکام مسمیان غلام قادر و غلام رسول و غلام نبی و خیر محمد و غلام رسول ملزمان ساکلان بنام سرکار معرفت چراغ دین و احمد دین رسپانڈنٹ (جرم دفعہ 500 تعزیرات ہند) سزا نسبت ملزم نمبر 1 مبلغ یک صد روپیہ و نمبر 2 جرمانہ نسبت ملزم نمبر 3 و 4 و 5 جرمانہ در صورت عدم ادائے جرمانہ ایک ایک ماہ قید سخت (درخواست نگرانی حسب دفعہ 1297 ایکٹ 1872ء بابت حکم صاحب سیشن جج قسمت راولپنڈی مورخہ 17 ستمبر 1875ء) جس کے رو سے حکم صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گجرات مورخہ 10 جولائی ترمیم 1875ء ہو کر قید سخت کی بجائے قید محض ہو گئی۔

ساکلان کی جانب سے مسٹرنیلڈ صاحب اور رسپانڈنٹ کی طرف سے سے بابوکالی پر شنورائے حاضر ہیں بموجب معنون مجموعہ مذکور کے اس مقدمہ میں کوئی ازالہ حیثیت عرفی ثابت نہیں۔ فتویٰ جیسا کہ یہ کہلاتا ہے جائز ہے گو اس سے ازالہ حیثیت عرفی ہو۔ وہ الفاظ جن کا بیان بابوکالی پر شنورائے نے کیا ہے کہ مدعا علیہم نے بیرون دروازہ مسجد کے مستعمل کیے تھے۔ جن سے انہوں نے گاؤں کے حجاموں اور دیگر گانوالوں کی توجہ اس طرف کرائی تھی کہ وہ مستغیث کی حجامت نہ کریں اور ان کو پانی و دیگر صرف ضروریات نہ دیں پایہ ثبوت کو نہ پہنچی۔ آیا ہم حکام کو اب ان کے ثابت کرنے کی اجازت دینی چاہیے کہ نہیں۔ اس مقدمہ میں اصلی دریافت طلب امر ہے۔ ہماری دانست میں یہ اجازت نہ دینی چاہیے۔ جس روز تجویز ظہور میں آئے مستغیثان نے فتوے پر حصر رکھا۔ ان کے گواہان کو پکارا جاسکتا تھا۔ لیکن ان کو آواز نہیں دی گئی تھی کیونکہ وہ حاضر نہیں تھے۔ یہ امر پایہ ثبوت نہیں جاتا کہ مستغیثوں نے درخواست واسطے التوا کے واسطے طلبی گواہان کے کی تھی۔

اندریں حالات ہم احکامات کو منسوخ کرنے کے لیے اور یہ حکم دینے کے لیے مجبور ہیں۔ آخر جرمانہ وصول ہو گیا ہو تو واپس کیا جاوے۔

دستخط

چارلس بولنوز۔ سی آرلینڈزی۔ مورخہ 3 دسمبر 1875ء

نوٹ: چونکہ مدعیان نے اس مقدمہ میں پہلے دفعہ 504 تعزیرات ہند میں ناش کی تھی اور حکم چیف کورٹ نے منسوخ کر کے ہدایت

کی کہ اگر استغاثہ دفعہ (500) میں مجسٹریٹ درجہ اول کے ہاں کریں تو دیکھا جائے گا۔ پھر مدعیان نے دفعہ (500) میں استغاثہ دائر کیا۔ اور حکام ماتحت نے اس اشارہ کو حکم منصوص سمجھ کر جرمانہ عائد کیا۔ پھر چیف کورٹ نے بعد ملاحظہ فتویٰ کے قطعی حکم دیا کہ ان پر کسی طرح کا جرم اس فتویٰ سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ ازالہ حیثیت عرفی کا ہو۔

اولاد:

مولانا چاوی کی پہلی شادی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد لیلیانی کے جیٹھ میاں میں دوسری شادی کی جس سے ایک بیٹی فخر النساء حومہ پیدا ہوئیں جو بے اولاد رہیں۔ تیسری شادی محترمہ روشن بی سے ہوئی جو ایک پڑھی لکھی اور دین دار خاتون تھیں۔ ان کے بطن سے آپ کی واحد اولاد دختر محترمہ جمال بی پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی غالباً 1909ء میں مولانا محمد نصیر الدین بگوئی بن مولانا عبدالعزیز بگوئی سے ہوئی۔ مجلس حزب الانصار کے امیر ثالث مولانا افتخار احمد بگوئی، محترمہ کے فرزند اور مولانا چاوی کے نواسے تھے۔

مکاتیب و مراسلت:

مولانا چاوی کے کتب خانہ کے بچے کھچے مواد میں ایک بڑی تعداد مراسلت کی ہے جو برصغیر کے تمام شہروں سے ان کے نام، زیادہ تر بذریعہ ڈاک آئے ہیں۔ ان خطوط میں علماء نے کتابیں مستعار مانگی ہیں۔ شاگرد اور زیر تعلیم لوگ مسائل اور مشکلات میں رہنمائی کے طالب ہیں۔ متوسلین اور معتقدین ان سے دعا اور توجہ خاص کے متمنی ہیں۔ بعض مقامات سے مدعو کیا گیا ہے اور مولانا چاوی سے کسی سالانہ عرس میں شرکت کی درخواست ہے۔

غرض مولانا غلام رسول چاوی کی ذات مرجع خلایق اور عام و خاص کے لیے مرکز تسلی و تشفی نظر آتی ہے۔

حضرت شیر ربانی شرقپوری کے دنوری:

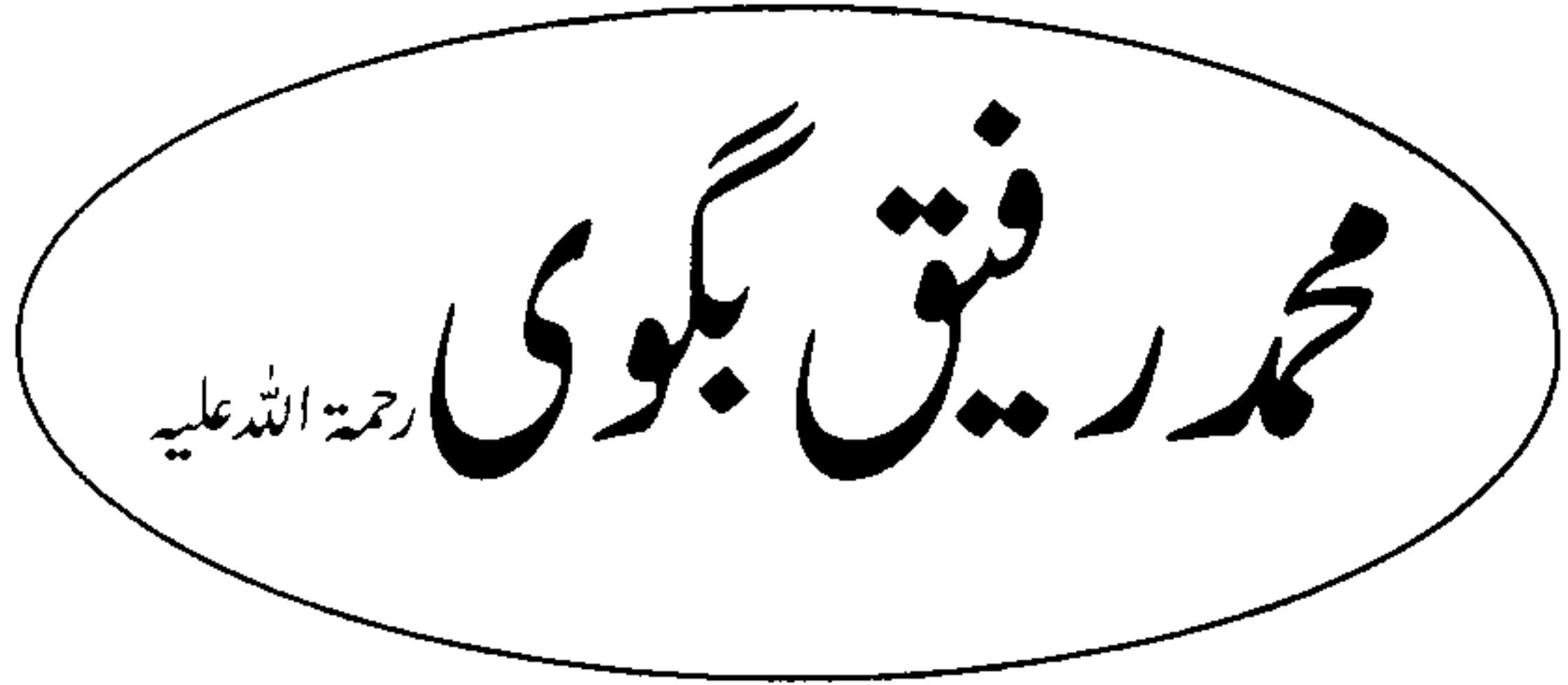
حضرت مولانا غلام رسول چاوی، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں صاحب کمال بزرگ اور مجاز تھے۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری جب بھی بھیرہ کا تذکرہ فرماتے تو دیگر اکابر مشائخ بگوئیہ کے ساتھ حضرت چاوی کو التزام یاد کرتے اور ان کا ذکر انتہائی محبت اور عقیدت سے کرتے۔ آپ فرمایا کرتے:

”بھیرہ میں دنوری وجود ہیں۔ ایک حضرت میرا صاحب قادری اور دوسرے حضرت مولانا غلام رسول چاوی“۔

وفات:

حضرت چاوی غالباً انیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں فوت ہوئے اور محلہ پراچگان بھیرہ کے احاطہ درویشانہ میں دفن ہوئے۔

حضرت مولانا



1277ھ - 1333ھ

1860ء - 1915ء

ولادت:

مولانا محمد رفیق بگویی، حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کی پیدائش 1860ء/1277ھ کے لگ بھگ بگہ شریف میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم بگہ شریف کے درس میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ اپنے عم مکرم حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کے پاس زیر تعلیم رہے اور درسی کتابیں مکمل کیں۔ مزید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں اعلیٰ درجے کی نصابی کتب پڑھیں اور دورہ حدیث مکمل کر کے والد ماجد سے سند حدیث حاصل کی۔

بیعت اور سلوک:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت بابا جی فقیر محمد تیراہیؒ چورہ شریف سے مستفیض ہوئے تھے۔ اور ایک خاندانی روایت کے مطابق بطور خلیفہ ان سے مجاز بھی تھے۔ سلوک میں خصوصی تربیت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آپ درویش منش، سالک راہ خدا اور دنیاوی آلائشوں سے دور تھے۔ آپ کے حالات عجیب و غریب تھے۔ (شمس الاسلام، تذکرہ ص 24)

اخلاق و اطوار:

آپ عالم دین، فقیہ، صوفی اور خدا ترس بزرگ تھے جو مخلوق سے زیادہ خالق کی طرف راغب تھے۔ آپ پر حالت جذب کا غلبہ ہوتا تھا۔ نہایت سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک عرصہ سے صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ دن میں تلاوت اور رات کو نوافل محبوب مشغول تھے۔ زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ، اللہ کی رحمت سے پورا ہو کر رہتا تھا۔ مخلوق خدا جو درجہ آپ کے آستانہ پر حاضر ہوتی اور گوہر مراد سے دامن بھر کر لوٹی۔ (تذکرہ، ص 24)

مشاغل:

آپ کا گزرا وقت خاندانی زمین پر تھا جو زیادہ تر بارانی تھی۔ خود کھیتی باڑی کرتے تھے اس کے ساتھ بگہ شریف کے آبائی درس میں قرآن حکیم اور دینی کتابوں کی تعلیم دیتے تھے۔ بگہ شریف میں خاندانی مسجد کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔ تمام عمر بگہ شریف میں گزاری۔ دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز رہے۔

رسالہ در جواب فتویٰ حضرت گولڑویؒ:

مولانا محمد عبدالعلی بن حافظ محمد امین مجددی متالوی نے ایک کتابچہ تحریر کیا جس کا نام ہے:

السيف الصارم المسلول

علی

من حرّف كلام الله و الرسول

الملقب به

الطاخون

لمن اجاز الفرار عن الطاعون

اس کتابچے کے ظہور میں آنے کا معاملہ یہ ہے کہ مولانا عبدالعلی مستالوی نے ایک فتویٰ دربارہ ”عدم جواز فرار عن مقام الطاعون“ بموجب قال اللہ و قال الرسول اور بمطابق اقوال علماء اسلام لکھ کر شائع کیا۔ اس پر مواہیر علماء کے تصدیقی کلمات اور دستخط بھی مثبت ہیں۔ اس فتویٰ میں کسی کو مخاطب کیا گیا اور نہ اس میں کسی کے نام کا ذکر ہے۔ جب یہ فتویٰ شائع ہوا تو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے اسے اپنے فتویٰ دربارہ ”جواز خروج عن مقام الطاعون“ کے خلاف پایا۔ اس کے بعد حضرت گولڑوی اور آپ کے مریدین نے مولانا عبدالعلی مجددی مستالوی کے خلاف قلمی اور لسانی محاذ کھول دیا۔ چنانچہ ان حملوں کے جواب میں یہ رسالہ ظہور پذیر ہوا۔

نسخے کے سرورق پر شکستہ تحریر میں یہ عبارت رقم ہے:

هد یہ حضرت مکرم بندہ انخی مولوی صاحب مولوی غلام رسول کردہ شد

کتابچے کے آخر میں علماء اور فقہاء کی تائید اور ان کے توثیقی دستخط و مہر ہیں۔

اس فہرست میں نمبر 26 پر یہ تحریر موجود ہے:

☆ مدعی و استدلال رسالہ راجح یا فتم

☆ فقیر محمد رفیق خلف الصدق مولانا مولوی صاحب غلام محمد بگے والہ

نمبر 37 پر یہ دستخط ہیں۔

☆ فقیر عبدالعزیز بگویی عنہ

شادی:

آپ کی شادی محترمہ الف بی بنت مولانا محمد خلیل مرحوم بھرت والہ سے ہوئی اور لا ولد رہے۔ ان کا انتقال

25 جون 1953ء کو ہوا۔

انتقال:

بعارضہ مزمن بخار 1333ھ / 1915ء میں بگے شریف میں انتقال ہوا اور وہیں خانقاہ بگوییہ میں آسودہ

خاک ہوئے۔ آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت مولانا پروفیسر

محمد شفیق بگوی
رحمۃ اللہ علیہ

1290ھ - 1357ھ

1873ء - 1938ء

ولادت:

آپ حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے دوسرے فرزند اور مولانا محمد رفیق کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ 1873ء/1290ھ میں بگہ شریف میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

بڑے بھائی مولانا محمد رفیق بگویی کی طرح ابتدائی تعلیم بگہ شریف میں حاصل کی جس میں قرآن حکیم اور عربی فارسی کی کتابیں شامل تھیں۔ مزید تعلیم کے لیے آپ لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی تعلیم والد ماجد مولانا غلام محمد بگویی کی نگرانی اور عم زاد مولانا محمد ذاکر بگویی کی معیت میں مکمل ہوئی۔

بیعت و سلوک:

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں سلوک کے مراحل والد ماجد سے طے کیے اور انہی سے بیعت تھی۔ آپ نے مولانا غلام محمد بگویی سے تصوف کی کتابیں بھی پڑھیں۔

اخلاق و اطوار

مولانا محمد شفیق بگویی عالم دین، مقتدر فقیہ اور انسان دوست بزرگ تھے۔ زاہد و عابد تھے۔ اعلیٰ دینی تعلیم اور روحانی تربیت کے ساتھ علوم مروجہ اور انگریزی میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ آپ روشن خیال عالم، بیدار مغز معلم اور حالات حاضرہ سے باخبر رہتے تھے۔

امام و خطیب بادشاہی مسجد لاہور:

1900ء میں مولانا غلام محمد بگویی کی وفات کے بعد انجمن اسلامیہ لاہور نے متفقہ فیصلہ کیا اور مولانا محمد شفیق بگویی کو بادشاہی مسجد لاہور کا امام اور خطیب مقرر کیا۔ یوں انگریزوں کی عملداری میں شاہی مسجد کی بحالی اور آباد کاری کے بعد آپ تیسرے بگویی عالم تھے جو اس مقتدر اور نمائندہ منصب پر فائز ہوئے۔ 1336ھ/1918ء تک آپ امامت اور خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

انجمن اسلامیہ سے اختلاف:

بعد میں آپ کا انجمن سے کچھ امور میں اختلاف ہو گیا۔ بقول ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی مرحوم اس بات کا ذکر لاہور کے اخباروں یعنی زمیندار مورخہ 22-29 اگست 1919ء میں بھی ہے۔ چنانچہ آپ بادشاہی مسجد لاہور کی

امامت و خطابت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر بگہ شریف واپس چلے گئے۔ اور آخری عمر میں اپنی زرعی اراضی واقع موضع مسن کالر تحصیل و ضلع شیخوپورہ مقیم ہو گئے۔ (بادشاہی مسجد، ص 34)

ہمراہ موذن:

مولانا محمد شفیق بگویی کے ہمراہ مولوی عبدالقادر مرحوم بادشاہی مسجد لاہور کے موذن تھے۔ بقول ڈاکٹر چغتائی مرحوم، مولوی صاحب کارنگ سیاہ تھا اور وہ دبلے پتلے لمبے سے تھے۔ لڑکے ازراہ شرارت آپس میں انہیں ”غراب“ سے تعبیر کرتے تھے۔ (ص 35) دوسرے جزوقتی موذن اور مکبر مولانا بخش مرحوم تھے۔

علمی و تدریسی مصروفیات:

لاہور میں آنے والے بگویی علماء اور مشائخ، جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہے، لازمی طور پر درج ذیل مشاغل میں بدرجہ اولیٰ مصروف رہے ہیں۔

- | | | |
|------------------|------------------|------------------|
| 1- امامت | 2- خطابت | 3- تعلیم و تدریس |
| 4- تحریر و تصنیف | 5- تحقیق و افتاء | 6- دعوت و ارشاد |

20 جنوری 1916ء میں حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی وفات تک، مولانا محمد شفیق بگویی کو اپنے عالی قدر عم زاد و برادر نسبتی کی معیت، اعانت اور رہنمائی حاصل رہی۔ مگر امامت و خطابت کے علاوہ مساجد اور مدارس سے وابستہ ان کی دیگر علمی اور تدریسی سرگرمیوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

قیدیوں کو تعلیم:

سرکاری جیلوں میں مسلمان قیدی ایک بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حکومت پنجاب نے محسوس کیا کہ ان مجرموں کی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے لیے کسی مقتدر عالم دین کا وعظ و نصیحت اچھے اثرات پیدا کرے گا۔ چنانچہ حکومت کی فرمائش پر مولانا محمد شفیق بگویی سنٹرل جیل لاہور جایا کرتے تھے اور وہاں پر مجبوس مجرموں اور ملزموں کو پند و نصیحت کرتے اور اچھی اور صاف زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کی تبلیغی کوششوں کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بہت سارے مجرم اصلاح پذیر اور توبہ تائب ہوئے۔

چیفس کالج لاہور میں تدریس:

چیفس کالج جو اب ایک عرصے سے ایچی سن کالج لاہور کہلاتا ہے۔ انگریزوں کا قائم کردہ تعلیمی ادارہ ہے۔ یہاں انگریز سرکار کے نمک خواروں، جاگیرداروں اور اس کے مفادات کے نگہداروں کے بچے زیر تعلیم و تربیت

رہتے تھے اسی لیے اس کا نام چیفس کالج تھا۔ چونکہ یہاں ایک بڑی تعداد مسلمان بچوں کی بھی تھی اور ان بچوں کے والدین بہر حال انہیں مذہبی معاملات اور اخلاقی روایات سے باخبر رکھنا چاہتے تھے۔ حکومت پنجاب نے یہ ذمہ داری مولانا محمد شفیق بگویی کو سونپی جو اسلامی علوم اور انگریزی مضامین سے کما حقہ واقف تھے۔ غالباً آپ کو VISITING PROFESSOR کے مرتبے کے ساتھ تعینات کیا گیا۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کالج کے بچوں کو پڑھانے کے لیے کسی خاص پیریڈ میں ہر روز تشریف لے جاتے تھے، یا ہفتے میں دو تین روز مختلف کلاسوں کے لیے لیکچر ہوتے تھے۔ دینیات کا نصاب کیا تھا۔ تاہم یہ ایک اہم ذمہ داری تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسے خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے نبھایا جس سے زیر تعلیم بچوں کو دینی اور اخلاقی تربیت میں مدد ملی۔

بگویی:

ایک خاندانی روایت کے مطابق چیفس کالج اور سنٹرل جیل لاہور میں جانے کے لیے مولانا خصوصی بگویی استعمال کرتے تھے۔ ممکن ہے یہ سواری سرکاری طور پر میسر ہو مگر ان کی قیام گاہ پر بگویی سے متعلقہ تمام لوازمات مع سائیکس موجود ہوتے تھے۔

عید کی شان و شوکت:

لاہور کے مسلمانوں کے لیے عید کا تہوار خصوصی اہمیت اور شان و شوکت کا حامل ہے۔ بادشاہی مسجد لاہور کی تعمیر کا ایک بڑا مقصد عیدیں، جلسے اور اجتماع عام کے لیے وسیع و عریض جگہ فراہم کرنا ہے جہاں کثیر تعداد میں مسلمان اکٹھے ہوں۔ نماز ادا کریں، خطبہ سنیں اور یوں عید اور اجتماع کی صحیح روح سے بہرہ ور ہوں۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم لکھتے ہیں:-

”میں نے دیکھا کہ عید کے روز نہایت شان و شوکت سے مولانا محمد شفیق بگویی تشریف لاتے تھے اور غالباً 1910ء کے قریب سالوں میں راقم نے دیکھا کہ عید کے روز سردار ایوب خان (افغانستان) جو لاہور مع اپنے افغانی احباب نظر بند تھے، نماز کے لیے تشریف لائے تھے۔ ان کے ہمراہ اسپہ گازی میں ان کے صاحبزادگان بھی ہوتے تھے۔“ (بادشاہی مسجد۔ ص 34)

دستار:

لاہور شہر کی مذہبی اور تہذیبی سرگرمیوں میں فقیر خاندان کے علاوہ قزلباش خاندان کا بھی خاصہ عمل دخل رہا ہے۔ عید کا روز اصل میں مسلمانوں کی شادمانی اور خوشی کا دن ہے۔ چنانچہ بادشاہی مسجد کے امام اور خطیب کو قزلباش خاندان کی طرف سے ایک دستار دی جاتی تھی جو ایک رسم کے طور پر خطبہ عید کے دوران پیش کی جاتی۔ مولانا محمد شفیق بگویی کو بھی ہر سال دستار پیش کی جاتی تھی۔

عید کا منظر:

عید کے روز مسلمانان لاہور کا عظیم اجتماع عجب رنگ دکھاتا تھا۔ آج بھی بادشاہی مسجد لاہور میں عید کے مناظر انتہائی شاندار اور روح پرور نظر آتے ہیں۔ لاہور کے مقامی اور قیامی روساء اور معززین یہاں نماز عید ادا کرنا سعادت اور اعزاز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر چغتائی لکھتے ہیں:-
 ”غرضیکہ (عید کا) یہ منظر بہت ہی دلکش ہوتا تھا۔ اور لاہور کے اکثر روساء اس میں شرکت کرتے تھے۔“
 (بادشاہی مسجد، ص 34)

وفات:

بادشاہی مسجد لاہور سے سبکدوشی کے بعد آپ بگہ شریف تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنی مملوکہ زرعی اراضی واقع مسن کالر تحصیل فیروز والہ شاہدرہ ضلع شیخوپورہ میں رہائش پذیر ہوئے اور وہیں 1357ھ/1938ء میں وفات پائی۔

مدفن:

مزار مسن کالر میں ہے۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو دو بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا تھا۔

- 1- مولوی مشتاق احمد بگویی مرحوم
- 2- حافظ نیاز احمد بگویی مرحوم
- 3- محترمہ صفیہ بیگم (اہلیہ مولانا ظہور احمد بگویی)
- 4- نصرت بیگم مرحومہ (زوجہ صوبیدار محمد شریف مرحوم)
- 5- غلام فاطمہ مرحومہ (لا ولد)

تعلیم مکمل کرنے کے بعد **مولوی مشتاق احمد بگویی مرحوم** بگہ، کہانہ اور ڈھوک نورا کی آبائی زمینوں کی کاشت کاری میں مصروف رہے۔ اس کے ساتھ بگہ شریف کے آبائی مدرسہ کی نگہداشت بھی کی۔ وفات کے بعد بگہ شریف میں دفن ہیں۔

آپ کے اکلوتے فرزند حکیم غلام محی الدین بگویی مستند حکیم ہیں اور اب بگہ شریف میں آباد ہیں۔ دوسرے لڑکے **حافظ نیاز احمد بگویی مرحوم** نے پہلے قرآن حفظ کیا اور درسی تعلیم مکمل کی۔ انہوں نے کاشت کاری کو ذریعہ معاش بنایا اور آبائی زرعی زمینوں کو آباد کیا۔ وفات کے بعد مسن کالر میں دفن ہیں۔ آپ کی اولاد مسن کالر ضلع شیخوپورہ میں آباد ہے۔



حضرت مولانا الحاج

محمد ذاکر بگویی

چشتی سیالوی قدس سرہ العزیز

1293ھ - 1334ھ

1876ء - 1916ء

تصویر مولانا محمد ذاکر بگوئی



ولادت:

مولانا محمد ذاکر بگویی، حضرت الاستاذ مولانا عبدالعزیز بگویی کے چار نامور بیٹوں میں سب سے بڑے، سلسلہ چشتیہ نظامیہ سیالویہ کے گل سرسب اور چچے خلف الرشید تھے۔ آپ کی پیدائش 1293ھ / 1876ء میں بھیرہ شریف میں ہوئی۔

تاریخی نام:

آپ کا تاریخی نام گل رنگین محمد ذاکر / 1293ھ ہے۔ والد ماجد نے ان کی ولادت پر کہا:

ہاتف خدا آوازہ داد
مذاکرہ کشادہ باد

تعلیم و تربیت:

ابتدائی درسی تعلیم کا آغاز والد ماجد کے پاس دارالعلوم واقع جامع مسجد بھیرہ میں کیا۔ فہم و ذکا کا یہ حال تھا کہ نہایت چھوٹی عمر میں ہی مروجہ درسی کتب معقول و منقول والد ماجد سے پڑھ لیں۔

باطنی تربیت:

والد ماجد ہی سے باطنی علوم حاصل اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ سیالویہ میں مدارج سلوک طے کیے۔

کتب تصوف:

لاہور پہنچ کر اپنے جلیل القدر عم مکرم حضرت مولانا غلام محمد بگویی نقشبندی سے تصوف کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور اس منزل کے نشان راہ تلاش کر لیے جو بالآخر آپ کی مختصر حیات کا منفرد عنوان اور واحد مقصد قرار پایا۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں پوری طرح تربیت یافتہ اور اذکار و اشغال میں مجاز تھے۔

سفر دہلی:

پنجاب میں تعلیم حاصل کر چکنے اور زورہ حدیث مکمل کرنے کے بعد والد ماجد کی اجازت سے آپ نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ وہاں اہل علم اور اہل دل سے مجالست اور موانست رہی۔ بعض اساتذہ سے فنون میں اسباق پڑھے اور اپنی علمی صلاحیتوں کو بہتر بنایا۔

تعلیم طب:

مدرسہ طبیہ دہلی میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان مرحوم سے علوم طبیہ میں تعلیم اور دسترس حاصل کی۔

پنجاب یونیورسٹی کا امتحان:

اورینٹل کالج لاہور کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی لیتی ہے۔ آپ نے اپنے درسی مطالعے اور ذاتی استعداد کی بنا پر غالباً 1892ء میں مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اعزاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 16 سال تھی۔ آپ کے اساتذہ میں شمس العلماء مولانا عبداللہ ٹوٹکی (م: 7 نومبر 1920ء) اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری شامل تھے۔

مدرسہ حمیدیہ:

قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس کے لیے، انجمن حمایت اسلام لاہور نے 1887ء میں ایک دینی مدرسہ "تعلیم القرآن" کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس میں قاضی خلیفہ حمید الدین (متوفی 1887ء) بھی تدریس پر مامور تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ مدرسہ انہی کے نام پر مدرسہ حمیدیہ کہلانے لگا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی خواہش پر 1911ء میں اس مدرسے کا بادشاہی مسجد لاہور کے ساتھ الحاق کر دیا گیا اور طلباء وہاں رہنے اور اپنے اساتذہ سے تعلیم پانے لگے۔

اورینٹل کالج لاہور:

بادشاہی مسجد کے سامنے حضوری باغ کے پاس مکانات میں اورینٹل کالج کے طلباء کے لیے ہاسٹل بنایا گیا تھا۔ اس عمارت کی دو منزلوں میں طلباء رہتے تھے۔ مغربی حصے میں مسلمان طالب علم اور مشرقی حصے میں ہندو طالب علم۔ دونوں حصوں کے طلباء مشرقی علوم کے طلباء کہلاتے تھے۔ یہ انتظام 1937ء تک قائم رہا جب اورینٹل کالج کے اپنے ہاسٹل کی عمارت تعمیر ہو گئی۔ ڈاکٹر چغتائی مرحوم لکھتے ہیں:-

"اس حضوری باغ میں (اورینٹل کالج) ہاسٹل اور ساتھ ہی بادشاہی مسجد (کے طلبہ اور اساتذہ) کی وجہ سے خاصا علمی ماحول نظر آتا تھا۔ ایک طرح یہ تمام ماحول بادشاہی مسجد سے ہی متعلق نظر آتا تھا۔"

(بادشاہی مسجد، ص 36)

انجمن نعمانیہ لاہور:

انجمن نعمانیہ لاہور کی بنیاد 1305ھ / 1887ء میں رکھی گئی تھی۔ (مخزن پنجاب، باب لاہور، 1887ء)

مفتی غلام سرور لاہوری کے مطابق:

”اسی زمانے میں شاہی مسجد لاہور کے حوالی میں ایک اسلامیہ سکول (دینی مدرسے) کی بنیاد پڑی جو مرکزی انجمن نعمانیہ لاہور کے زیر اہتمام جاری تھا۔ ابتدائے کار میں اس میں مولانا فضل احمد اور دوسرے علماء پڑھاتے تھے۔ اس میں قرآن، حدیث، فارسی اور دیگر دینی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ اس وقت 54 طلباء زیر تعلیم تھے۔ تمام اخراجات انجمن نعمانیہ کے علاوہ انجمن اسلامیہ لاہور برداشت کرتی تھی۔ بعد میں انجمن نعمانیہ نے نیکسالی دروازے کے اندر اپنا علیحدہ دارالعلوم نعمانیہ قائم کیا۔ جس نے آگے جا کر بڑی ترقی کی۔“ (ص 108)

بھیرہ میں تدریس:

مولانا محمد سعید زین پوری مصنف **جذبات سعید** کے والد مولانا حکیم غلام محی الدین، مولانا احمد الدین بگویی کے شاگرد تھے۔ ایک روز مولانا عبدالعزیز بگویی نے حکیم صاحب سے مولانا محمد سعید کی تعلیم کے بارے میں پوچھا۔ ان کے والد نے جواب دیا:

”جو کچھ مجھے آتا تھا، میں نے اسے پڑھا دیا ہے۔ اب اسے علم طب کی عملی زندگی میں شریک کرنے کا ارادہ ہے۔“

مولانا عبدالعزیز بگویی نے فرمایا:

”ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ فارسی کے بعد عربی علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ جب تک تم سے دو چند علوم کا ماہر نہیں ہوگا، عملی طور پر تمہارے برابر نہ ہو سکے گا۔“

چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق مولانا محمد سعید نے روزانہ جامع مسجد بھیرہ کے دارالعلوم میں آپ کی خدمت میں جانا شروع کر دیا۔ اور عربی صرف نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ اس اثناء میں مولانا محمد ذاکر بگویی ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر بھیرہ تشریف لائے اور تمام طلباء کی تعلیم کے کفیل ہوئے۔ مولانا محمد سعید زین پوری لکھتے ہیں:

”اسی عرصہ میں ظاہری تعلیم و تدریس کے ساتھ آپ کی روحانیت نے بھی اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور ہم سب (طلبہ) آپ کے خلق کریمانہ کے دام ناخریدہ غلام بن گئے۔“ (جذبات سعید، ص 2)

دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا اور طلبہ آپ سے منطق، فلسفہ، دینیات (تفسیر، حدیث، فقہ) میں استفادہ کرتے رہے۔ بعد ازاں اپنے عم مکرم مولانا غلام محمد بگویی کے ایماں اور مدرسہ حمیدیہ کے منتظمین کی خواہش پر آپ لاہور تشریف لے گئے۔ اس ناگہانی فراق کا نقشہ مولانا محمد سعید زین پوری کی درج ذیل نظم میں دیکھئے:

چڑھا کر ریل الفٹ پر اتارا راہ میں ہم کو اٹھا مسکن سے پہنچایا نہ مقصد گاہ میں ہم کو
 نظیر خلد تھی وہ بزم ہم تھے خاک راہ جس کے صبا! لے چل اسی سلطان کی درگاہ میں ہم کو
 لباس خاکساری میں بہادر اور بے بہادر تھے کہ جن کا فقر ہی تھا فخر عز و جاہ میں ہم کو
 شہاب علم چمکا جب جہالت کے اندھیرے میں کہ دو جلدی رسائی، منزل دل خواہ میں ہم کو
 نہ چائیں ہونٹ کیسے، ہم کو لذت یاد آتی ہے جو تھی درس اور درس میں سے بسم اللہ میں ہم کو
 ہمارا آج ہے وہ حال جو بلبل کا بے گلشن خزانِ بجر نے گھیرا دم ناگاہ میں ہم کو
 سعید اگر بہار اولین بار دیگر آئے تو کیا ہے اور خواہش درگہ اللہ میں ہم کو

(جذبات سعید، ص 89، در 1894ء)

تلاش سالک:

سیال شریف کے ساتھ لگن تو شروع ہی سے تھی۔ مولانا محمد سعید مرحوم بتاتے ہیں:
 ”زمانہ طالب علمی میں کئی دفعہ رات کو نماز عشا کے بعد مولانا محمد ذاکر بگویی شہر سے باہر چہل قدمی کے لیے
 نکلتے۔ اکثر طالب علم اس سیر میں ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس دوران مختلف درسی اور علمی امور پر آپ
 گفتگو بھی فرماتے۔ جرنیلی سڑک پر آتے (ہی) ایک اس کا منتہائے سفر آپ کے سامنے آ جاتا اور آپ
 اسی حالت میں پاپیادہ سیال شریف کی جانب چل پڑتے اور زاہد راہ کا انتظام بھی راستے میں خود فرما لیتے۔“
 (جذبات سعید، ص 86)

مدرسہ حمیدیہ لاہور میں تعیناتی:

مدرسہ حمیدیہ لاہور، جس کا مختصر تعارف پیچھے گزر چکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے نصاب کے تحت وہاں
 مولوی فاضل تک اور دیگر دینی علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ 1894ء میں وہاں آپ کی بطور صدر مدرس تقرری
 ہوئی۔ چنانچہ آپ نے بھیرہ چھوڑ کر مدرسہ حمیدیہ میں جائن کر لیا۔

بادشاہی مسجد لاہور میں تدریس اور قیام:

دارالعلوم حمیدیہ کے طلباء کے اسباق بادشاہی مسجد میں ہوتے تھے۔ یہیں مولانا محمد ذاکر بگویی کا قیام تھا۔
 طلباء دن بھر مقررہ اوقات میں آتے اور علم و عرفان سے دامن بھر کر لوٹتے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم نے بادشاہی
 مسجد میں حضرت کو مصروف دیکھا ہے۔ ان کی زبانی تفصیل سنئے:

”میں نے اس مسجد میں 15-1914ء کے سالوں میں جب مولانا محمد شفیق گبوی مسجد کے خطیب تھے، ان کے زمانے میں اکثر ایک فرشتہ سیرت و صورت شخص کو مسجد کے دروازے کے قریب ہی بڑ کے درخت کے نیچے عام طور پر نماز میں اکثر مصروف دیکھا کرتا تھا۔ آپ کا اسم گرامی مولانا الحاج محمد ذاکر گبوی ہے۔ آپ دراصل مولانا عبدالعزیز گبوی برادر مولانا غلام محمد گبوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی تعلیم بھی دہلی میں ہوئی تھی۔“

آپ کو دیکھنا کسی بزرگ مقدس کو دیکھنا تھا۔ میں نے ایسا نورانی چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔ آپ مولانا غلام محمد گبوی کے داماد بھی تھے۔ لاہور میں میں مدرسہ حمیدیہ میں پڑھاتے تھے اور اکثر طلبہ آپ سے اس مسجد میں مستفید ہوتے تھے۔ (بادشاہی مسجد لاہور، ص 35)

علمی تبحر:

نوعمری میں پنجاب کے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے کی مسند تدریس خود ایک اعزاز تھی جسے حضرت کے علمی تبحر، وجاہت فکر اور مرتبہ رشد و ہدایت نے مزید توقیر بخشی۔ بڑی عمروں والے علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے اور نوعمر عالم کی علمی استعداد، دینی مطالعہ اور ان کا اظہار و بیان دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ آپ نہایت قابل، شفیق اور محنتی استاد تھے۔ بہت جلد ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور طالبان علم پروانہ وار رجوع کرنے لگے۔

سیال شریف سے بیعت:

تقویٰ اور خشیت، علماء اور مشائخ سے محبت اور اپنے سلسلہ کے پیران عظام کی عزت و محبت کے جذبے آپ میں بچپن سے موجود تھے۔ مولانا غلام دستگیر خان بے خود روایت کرتے ہیں:-
بھیرہ میں ایک صاحب حال درویش آیا کرتے تھے۔ مولانا کی طبیعت ان کی طرف راغب ہوئی۔ والد ماجد مولانا عبدالعزیز گبوی نے فرمایا کہ بیٹا، خواجہ فروشوں سے کیا لینا چاہتے ہو، منھالی کی اعلیٰ دوکان پر پہنچو، کچھ نہ بھی ملے تو دماغ تو خوشبو سے معطر رہے۔ (برکات سیال، ص 38)

چنانچہ آپ والد ماجد کے ہمراہ 1322ھ/1904ء میں آستانہ سیال شریف پر حاضر ہوئے۔ اور حضرت اشرف الاولیاء خواجہ محمد دین ثانی سیالوی کے قدم میمنت لزوم پر سر رکھ دیا۔ مے محبت سے مخمور اور خم خانہ تصوف سے مدہوش لوٹے۔ بقول بے خود:

ذوق و شوق کی تشنگی، سیال شریف کے چشمہ حیات کے سوا کہیں نہ بجھ سکی۔ مضطر بانہ علم و عشق کے دریا میں کود پڑے اور گوہر بدست باہر نکلے۔ حسروانہ الطاف اکرام سے مالا مال اور ہدایت کے تاج کے ساتھ۔
(برکات سیال، ص 38)

تونسہ شریف کا سفر شوق:

ایک بار حضرت مولانا عبدالعزیز بگوییؒ کا تونسہ شریف کی طرف معمول کا سفر تھا۔ مولانا محمد ذاکر بگوییؒ نے فوراً محبت اور عقیدت سے بے تاب ہو کر ہم رکابی کی اجازت طلب کی۔ کسی وجہ سے اجازت نہ ملنے پر آپ سخت مغموم اور افسردہ ہوئے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوئے اور رہ نہ سکے۔ والد ماجدؒ کی روانگی کے بعد پیدل سفر کرتے ہوئے بھیرہ سے خوشاب پہنچے۔ خوشاب سے ریل کے ذریعے تونسہ شریف پہنچے۔ کپڑے آلودہ اور پھٹے ہوئے۔ چہرہ غبار آلودہ اور جسم تھکاوٹ سے چور، رات کو وہاں مسجد کے صحن میں سو گئے۔ نماز فجر کے بعد مسجد کے دالان میں خاموش بیٹھے تھے کہ وہاں سے حضرت خواجہ اللہ بخشؒ تونسویؒ کا گزر ہوا۔ آپ بے تاب ہو کر قدم بوسی کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت خواجہ تونسویؒ نے نور فراست سے پہچان لیا اور ہاتھ پکڑ لئے اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ حضرت مولانا عبدالعزیز بگوییؒ بھی حضرت خواجہ کے ہمراہ تھے۔ اپنے فرزند کو اس پریشان حالی میں دیکھ کر حیران ہوئے۔ حضرت خواجہ تونسویؒ نے فرمایا:

”مولوی صاحب! آپ کا یہ فرزند بلند اقبال اور عالی ہمت ہے۔ آپ اس کے ساتھ ہمیشہ مہربانی سے پیش آیا کریں۔ اللہ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے۔“

محبت اور الفت و عقیدت کا یہ تعلق حضرت خواجہ تونسویؒ کے ساتھ تا حیات قائم رہا۔

سیال شریف سے مثالی عقیدت اور محبت:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگوییؒ اور آستانہ سیال شریف کا تعلق کچھ اس طرح کا ہے جیسے دریا اور سمندر۔ دریا اصل میں تو انہی بادلوں سے جنم لیتا ہے جو سمندروں سے ہوا بن کر اڑتے ہیں اور پھر طوفانی، طولانی اور جولانی سفر کے بعد سمندر ہی میں اتر جاتے ہیں۔ آپ اپنے عالی قدر مشائخ سیال شریف کے سچے جانثار اور عاشق صادق تھے۔ سیال شریف کی بار بار حاضری گویا ان کے لیے حیات نو کی نوید تھی۔ آستانہ عالیہ سے حضرت بگوییؒ کی الفت و محبت، احترام و عقیدت مثالی تھی۔ آپ کے عشق و محبت، کیف و مستی، جذب و سرور کے واقعات پڑھیں تو یقین نہیں کہ دہلی کا فاضل اور دارالعلوم حمیدیہ لاہور کا صدر مدرس آتش عشق میں اس قدر جل سکتا ہے کہ انہیں اپنے مقام اور مرتبہ کا سوہوہوش نہیں، ان کے لیے دیدار عبادت اور قرب یار جنت ہے۔



پہلی سطر: مولانا نصیر الدین چاچڑوی۔ مولانا محمد امین چکوزئی۔ مولانا معظم دین مروہوی۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی۔ حضرت خواجہ محمد دین قانی سیالوی۔ حضرت خواجہ محمد ضیا الدین ثالث سیالوی۔ صاحبزادہ محمد امین (صاحبزادہ حسن دین صاحب) حضرت محمد عبداللہ صاحب (حضرت سعد اللہ صاحب)۔

دوسری سطر: ڈاکٹر فیروز الدین۔ یوسف درویش۔ سکھ ہموک۔ مولوی غلام محمد۔ منشی کریم بخش۔ حیات اللہ خان۔

تیسری سطر: عبدالباسط۔ عبدالواحد صاحب۔ مہر خان۔ تاجو نائی۔ میر ذوال۔ بخت جمال قوال۔ صاحبزادہ شہاب الدین۔ قاضی الہی بخش مؤذن۔ میان اللہ دین۔

چوتھی سطر: حافظ احمد دین۔ خان محمد۔ حاجی شمشیر قوال۔ عبدالرسول کھیزا۔ الہی بخش۔ غلام احمد قوال۔

سعادت حج بیت اللہ:

1329ھ/1911ء میں حضرت ثالث سیالوی نے سفر حج کا ارادہ کیا۔ اس سفر میں جو خلفاء اور صلحاء شریک اور ہم سفر تھے ان کے نام یہ ہیں:-

1- حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی

2- حضرت میاں عبدالرحمن محمدی شریف

3- حضرت خواجہ فضل الدین چاچڑوی

4- حضرت خواجہ معظم الدین مروروی

5- مولانا محمد سعید زین پوری

30 نومبر 1911ء کو حج اکبر تھا۔ مولانا محمد سعید صالحین کے اس قافلے کے ساتھ کیسے ہمراہ بنے۔ ان سے تفصیل سنئے:

میرے والد صاحب شفقت پوری سے مجبور ہو کر اس پیرانہ سالی میں بخوشی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عین تیاری کے قریب حضرت مولانا کی خدمت میں اس نیک سفر کی بابت جو شخص مبارک باد دینے آتا تو آپ فرماتے کہ میرے ساتھ فلاں فلاں شخص بھی تیار ہے۔ جن میں نیاز مند کا نام بھی بڑے وثوق سے لیا جاتا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے دھڑا دھڑ (میرے) والد صاحب کو بھی مبارکبادیں دینی شروع کر دیں۔ اور آخر الذکر والد صاحب نے مجبوراً اجازت دے دی اور کمترین بھی چیونٹی کی طرح کبوتر کے پاؤں سے چمٹ کر چلا گیا۔ (جذبات سعید، ص 17)

عشاق کا یہ قافلہ بمبئی پہنچا اور وہاں سے ایک بحری جہاز پر براہِ عدن ارض مقدس روانہ ہوا۔ جہاز کا یہ سفر کئی ہفتوں پر محیط ہوتا تھا اور حج سے واپسی کئی مہینوں کے بعد ممکن ہوتی تھی۔

سفر حج میں صبح کی چائے:

حضرت خواجہ ثانی سیالوی کے رعب اور دبے کی ہیبت تھی جو آپ کے ہم سفر رفقاء اور خلفاء پر طاری رہتی تھی۔ انہیں آپ کے معمولات از بر تھے۔ سب کی کوشش ہوتی تھی کہ ہر کام آپ کی منشا کے مطابق اچھی طرح سرانجام دیا جائے۔ سفر حج میں صبح کی چائے کا انتظام حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی نگرانی میں چند ساتھی کرتے تھے۔ کئی دفعہ چائے تیار ہو جاتی مگر حضرت ثانی کو اپنے معمولات اور مشغولات سے فرصت نہ ہوتی۔ اور چائے دیر تک پڑی رہنے سے بد مزہ ہو جاتی۔ چنانچہ مولانا نے ان ساتھیوں سے کہا کہ چائے تیار کر کے اور پیش کرنے سے

پہلے حضور سے اجازت لے لیا کرو۔ اور پھر چائے تیار کر کے پیش کیا کرو۔ چنانچہ ایک دن اسی طریقے پر عمل کیا گیا۔ مگر حضور کی خدمت میں یہ بات عرض کرنے کے لیے تیاری اور جرأت کرنے ہی میں بڑی دیر ہو گئی اور چائے بنانے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ اس بات سے حضرت خواجہ خوش نہ ہوئے۔

مولویت کی بو:

حضرت ثانیؒ نے اپنے خادم خاص کو حکم دیا کہ آج مولوی تو چائے نہیں بنائیں گے، تم خود چائے تیار کر کے لاؤ۔ چائے تیار کرنے والے ساتھیوں نے خادم کو توروک دیا اور خود جلدی سے چائے تیار کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا:

”ہمارے خادم تیار کر رہے ہیں، تمہاری چائے کی ضرورت نہیں۔“

ادھر خادم کو بلا کر سخت ڈانٹ پلائی۔ تمام رفقاء خوف سے لرزہ بر اندام تھے۔ آخر مولانا محمد سعید مرحوم نے حضرت مولانا بگوییؒ کی پیشوائی اور ان کے توسط سے چائے بنا کر پیش کی۔ مولانا نے بڑے ادب اور نیاز مندی سے درخواست کی کہ حضور چائے منظور فرمائیں۔ آپ نے خفگی کے لہجے میں کہا:

”تم مولویوں سے یہ کام نہیں ہو سکتے!“

مولانا نے عرض کیا:

”جب ہم حضور کی خدمت میں پیش ہونے کے لیے گھر سے روانہ ہوئے ہیں تو مولویت وغیرہ

وہیں چھوڑ آئے ہیں۔“

پھر آپ نے حضور کا جوڑا مبارک اٹھا کر پیش کیا اور سر جھکا کر عرض کیا:

”اگر ہمارے دماغ میں مولویت کی بوباتی ہے تو اس مبارک جوتے سے صاف فرمائیں۔“

اس پر حضور ثانی سیالویؒ مسکرا دیے اور چائے نوش فرمائی۔ (جذبات سعید، ص 30-129)

الوداعی طواف:

اپنے شیخ کی قیادت میں جب قافلہ سیال شریف کے ہم سفر مناسک حج ادا کر چکے تو کعبۃ اللہ سے جدا ہونے کا وقت آ گیا۔ الوداعی طواف کے وقت حضرت مولانا محمد ذاکر بگوییؒ کعبہ شریف کا غلاف دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ بڑی رقت سے دعا مانگ رہے تھے:

”مولا! پھر بھی اس درگاہ کی حاضری نصیب فرمائیں۔“

حج کے چند سال بعد مولانا محمد سعید مرحوم کو جب اپنے مربی اور محسن استاذ کے مرض الموت کی خبر ملی تو انہیں یقین تھا کہ حضرت صحت یاب ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں پھر اپنے گھر بلائے گا۔ مگر آپ کی رحلت کے بعد انہیں اندازہ ہوا: ”مگر یہ خیال نہیں تھا کہ جسمانی حج کی بجائے روحانی حج ہی سے وعدہ وصال پورا ہوگا۔“

(جذبات سعید، ص 101)

حضرت خواجہ سیالوی کے مرید بلکہ مراد:

اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (1799-1882ء) سلسلہ چشتیہ سیالویہ کے بانی تھے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی آپ کے خاص مرید اور مجاز خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی (1837-1909ء) حضرت اعلیٰ کے فرزند اکبر اور ثانی سجادہ نشین تھے۔ ان کے بعد حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوی (1886-1929ء) مسند آرا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی (1876-1916ء) حضرات ثانی اور ثالث رحمہم اللہ تعالیٰ کے خاص مرید اور مجاز خلیفہ تھے اور حضرت ثالث سیالوی کی مراد بھی۔

حالات اور منشوظات مشائخ سیال شریف کا ایک اہم ماخذ:

حضرت مولانا محمد سعید بن مولوی حکیم غلام محی الدین بھیرہ کے ساتھ واقع گاؤں زین پور کے رہائشی تھے۔ ان کے اشعار اور نوٹ جو **جذبات سعید** کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، مشائخ آستانہ عالیہ سیال شریف، ان کے خلفاء اور خصوصاً مولانا محمد ذاکر بگویی کے بارے میں معلومات کا ایک انتہائی مصدقہ اور اہم ماخذ ہے۔ اکثر باتوں میں مصنف یا ان کے ہادی اول اور استاد، شاہد عادل ہیں۔ وہ مولانا عبدالعزیز بگویی کے دارالعلوم جامع مسجد بھیرہ میں زیر تعلیم تھے۔ جب ان کے صاحبزادے مولانا محمد ذاکر بگویی دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر بھیرہ لوٹے اور طلباء کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ انہوں نے ظاہری تعلیم کے ساتھ طلباء کی باطنی تربیت اور روحانیت پر بھی توجہ دی۔ مولانا محمد سعید نے آپ کی معیت میں اکثر آستانہ عالیہ سیال شریف کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ایک بار حضرت معظم الدین مروروی بھیہہ تشریف لائے۔ ان کی زیارت سے مولانا محمد سعید کی آتش شوق بھڑک اٹھی۔ چنانچہ وہ اپنے ہادی اول استاد مولانا محمد ذاکر بگویی کے ہمراہ سیال شریف حاضر ہوئے اور حضرت ثانی خواجہ کریم محمد الحق والدین کی غلامی میں شامل ہوئے۔ (جذبات سعید، ص 2)

1894ء میں یکا یک مولانا محمد ذاکر بگویی کی مدرسہ حمیدیہ لاہور میں بعہدہ مدرس اعلیٰ تقرری ہو گئی۔ چنانچہ

مولانا محمد سعید آپ کی عنایت اور ہدایت پر لاہور پہنچے اور اورینٹل کالج میں داخل ہو گئے۔ وہاں آپ کا سلسلہ

تلازمت اور تقرب جاری رہا۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کرنے کے بعد 1901ء میں بطور مدرس عربی ملازم ہو گئے۔ پھر ملازمت میں دوران تعطیلات باقاعدگی سے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے ساتھ آستانہ عالیہ سیال شریف کی خاک بوسی کا شرف حاصل کرتے۔ انہی ایام میں حضرت مولانا کے ہمراہ اکثر پنجاب اور ہندوستان کی بڑی بڑی درگاہوں پر حاضری کی سعادت حاصل کی۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوی نے جب حج کا قصد کیا تو اس میں جہاں حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی، مولانا نصیر الدین چاچڑوی، مولانا عبدالرحمن محمدی شریف جیسے جلیل القدر خلفاء اور صوفیاء ہمراہ تھے وہاں حضرت مولانا ہی کی توجہ اور عنایت خاص سے مولانا محمد سعید زین پوری کو بھی حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوران سفر وہ حضرت خواجہ غریب نواز کے لیے خطوط نویسی کی خدمت بھی سرانجام دیتے رہے۔

جذبات سعید کی اہمیت اور فضیلت:

محبت و عقیدت کے اشارات و کنایات، مشائخ سیال شریف کے حالات بابرکات اور ان کے ملفوظات عالیہ کو نظم میں اور نثری تشریح کے ساتھ، مولانا محمد سعید زین پوری نے اپنی کتاب **جذبات سعید** میں قلم بند کیا ہے۔ کتاب پر سن تحریر مندرج ہے اور نہ سن طباعت۔ مولانا محمد سعید کے کسی عزیز نے اسے راولپنڈی سے شائع کیا ہے۔ سادہ گیٹ اپ کے ساتھ پہلے صفحے پر یہ رباعی مندرج ہے:

بجام سفالیں شراب طهور ولا غول فی سکر ما لا غرور

صیدم بخلفت سعیدم بنام نبی کریم و ربی غفور

کتاب میں اردو، پنجابی، فارسی اور عربی کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ ساتھ اشعار کے مواقع تحریر اور تشریحی نوٹ میں اکثر بزرگوں کے حالات اور ملفوظات بھی آگئے ہیں۔ زیادہ تر اشعار، حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی فرمائش یا ایما پر لکھے گئے ہیں اور اکثر کے تشریحی نوٹ میں آپ کا ذکر مذکور ہے۔

اگرچہ ان نظموں پر کہنے کی تاریخ اور سال تو تحریر نہیں ہے مگر یہ اشعار مختلف مواقع پر کہے گئے ہیں۔ اس لیے مختلف نوعیت کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ مولوی محمد سعید مرحوم نے اشعار کے آخر میں نوٹ (Notes) اور تشریحات میں جہاں اشعار کا پس منظر یا ان کا شان نزول بیان کیا ہے وہاں اشعار میں مذکور متعدد اسماء اور اشارہ جات کی وضاحت بھی کی ہے تاکہ قارئین ان اشعار کے اصل مطالب اور صحیح اشخاص کے ذکر سے لطف اندوز ہو سکے۔

57 سیال شریف سے محبت کا مرقع:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کو آستانہ عالیہ سیال شریف سے بے پناہ محبت اور زبردست عقیدت تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک وارثی کا عالم نظر آتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد دین سیالوی اور حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی بالترتیب آستانہ عالیہ کے ثانی اور ثالث سجادہ نشین تھے۔ حضرت مولانا بگویی نے یہ دونوں ادوار دیکھے اور بیٹے ہیں۔ مولوی محمد سعید نے اپنے جلیل القدر استاد اور مربی حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کو جنہیں وہ احترام سے ہادی اول قرار دیتے ہیں، نہایت قریب سے دیکھا ہے۔ غالباً سیال شریف کے تمام اسفار مولوی محمد سعید صاحب نے حضرت مولانا بگویی کی معیت اور ہمرکابی میں کیے ہیں۔ چونکہ صاحب درد اور علم والے تھے۔ اس لیے مولوی محمد سعید مرحوم نے اکثر مواقع پر اپنے جذبات اور احساسات کو قلم بند کر لیا ہے۔ بہت سارے واقعات میں شاہد عادل اور محرک و موید حضرت مولانا بگویی تھے اس لیے لامحالہ جذبات سعید کے بیشتر اشعار انہی کے مرہون اور ان کے حوالے سے ہیں۔

’جذبات سعید‘ فی الواقع نیک اور پاکیزہ جذبات کا مرقع ہے۔ اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی آستانہ عالیہ سیال شریف سے محبت و الفت، سلسلہ چشتیہ سے گہرا اور مضبوط تعلق، ہمعصر خلفاء اور معاصر مریدین کے ساتھ برادرانہ لگاؤ اور حضرات خواجگان ثانی و ثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبردست شفقت، توجہ اور عنایات کا آئینہ دار ہے۔ سطر عشق و مستی کا خزینہ ہے اور لفظ لفظ شیخ سے محبت و عقیدت کا لازوال دہانہ۔

ذیل میں ان نظموں، غزلوں اور قطعات کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں حضرت مولانا بگویی کے کسی قول یا فعل کا حوالہ ہے اور فاضل مصنف ’جذبات سعید‘ نے اس استفادے کا اعتراف کیا ہے:

الہی جتنی رحمت تیری کل ابرار پر ہووے

وہ ساری میرے آقا احمد مختار پر ہووے (نوٹ: ص 17)

حجاب دوئی جب اٹھایا تو دیکھا

احد جان و دل میں سمایا تو دیکھا (نوٹ: ص 21)

اچھے ہیں یا برے ہیں، اسی کے سعید ہیں
جیسے بھی ہیں غلام تو خیرالوری کے ہیں (نوٹ: ص 24)

زرگس ہے حیراں چمن میں کس سے تیری آنکھوں سے

مست الست ہرن ہے بن میں، کس سے تیری آنکھوں سے (نوٹ: ص 74)

- ساقی بادہ بھی تھے، محفل پپا تھی میں نہ تھا
 وائے حسرت ایسی بزم خوش فضا تھی میں نہ تھا (نوٹ: ص 76-77)
- آج گر ساقی مشکین کلالہ ہوتا
 میرا نشہ بھی حریفوں سے دوبالا ہوتا (نوٹ: ص 82-83)
- کس ادا سے جلوہ گر تو اے ستمگر ہو گیا
 ایک عالم بھر میں برپا شور محشر ہو گیا (نوٹ: ص 86)
- جی آیوں جی آیوں وے مہاراجیا
 آیوں تے سدا ودھایوں وے مہاراجیا (تشریحات: ص 93-94)
- میں تاں موہ لیاں ٹوپی والے نی
 اس روپ بھرے متوالے نی (تشریحات: ص 101-102)
- سعید زار نادیدہ، بیدار تو گرویدہ
 بذکر غائبت مفتون و ذاکر در حضور آمد (نوٹ: ص 113)
- تجلی تری دم بدم دیکھتا ہوں
 ہر اک شان میں محترم دیکھتا ہوں (نوٹ: ص 26)
- یا نبی جی تیرے حسن قدس کی کیا دھاک ہے
 باغ میں نازک سے نازک گل کا سینہ چاک ہے (نوٹ: ص 44-5)
- سعید ذکر پیران کرام اپنے میں رہ ذاکر
 اگر دنیا میں خواہاں ہے شراب حوض کوثر کا (تشریحات: ص 46-8)
- آج پھر ہم کوچہ دلدار میں جانے کو ہیں
 نشر الفت کے چر کے دل پہ پھر کھانے کو ہیں (نوٹ: ص 52)
- زرے زرے میں ضیاء شمس سے
 اک نئی دنیا بسا لے مرحبا (نوٹ: ص 55-56)

بہار آئی ہوا جوش جنوں پھر ترے مجنوں کو

کیا شاید کرم سے یاد تو نے اپنے مفتوں کو (نوٹ و تشریح: ص 57-58)

کس رشک گل کی باغ میں آمد ہے عندلیب

پھولوں پہ ہیں نشاں نمایاں ملال کے

دریائے عشق آتش سیال ہے سعید

کیا ڈر ہے؟ ہم غلام ہیں شاہ سیال کے (نوٹ: ص 60-61)

کس مہ جبیں کا دل میں مرے خانہ بن گیا

ویرانہ بھی نشیمن شاہانہ بن گیا (نوٹ: ص 63)

لب شیریں کا مزا شیر و شکر نے نہ دیا

چشم میگوں کا نشہ آتش تر نے نہ دیا (نوٹ: ص 72)

ہر قوم را است را ہے دینے و قبلہ گاہے شاہا سعید گریاں بردر گہ تو گرداں

من قبلہ راست کردم بہ سمت کج کلا ہے چوں شبنم است قربان بر گل و گیا ہے (نوٹ: ص 116-117)

ایں چہ در دیدہ خوابیدہ شرابے داری

کہ بہر گوشہ مستے و خرابے داری (نوٹ: ص 9-118)

عید فطر است وبدہ فطرانہ و انعام تو

روزہ مسکین کشا جانان بفیض عام تو (نوٹ: ص 121)

خطبہ عربیہ (خطبہ اور نوٹ: ص 3-122)

قصیدہ مرحبائیہ (قصیدہ اور نوٹ: ص 4-123)

قصیدہ زہریہ نمبر 3 (نوٹ: ص 7-126)

پابندی عہد (نظم) (تشریحات: ص 129-130)

تمتہ سلسلہ عالیہ (نظم) (نوٹ و تشریحات: ص 136-137)

مختصر سلسلہ عالیہ (نظم) (نوٹ: ص 40-139)

الوداع اے سروستاں الوداع
فی امان اللہ جاناں الوداع (نوٹ و تشریح: ص 157)
گلے، ہچ از نزاکت پیش تو نامے نمی آرد
چو قدرت سرودر خوش قامتی گامے نمی آرد (نوٹ: ص 156)

مرثیہ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی

اے عاشق روئے و رنگ معشوق ہیں شوخی شانِ شنگ معشوق (مرثیہ و تشریحات: ص 160-1)

مولانا بگویی کی روحانی شخصیت:

- مولوی محمد سعید زین پوری کا صوفیانہ کلام اور علمی تشریحات غالباً بیسویں صدی کے اوائل میں تحریر ہوئی ہیں۔ ان کے مطالعے سے حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی روحانی شخصیت کے درج ذیل پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔
- 1- حضرت مولانا، آستانہ عالیہ سیال شریف کے عاشق زار تھے اور بار بار کی حاضری اور قدم بوسی ان کا وظیفہ حیات تھی۔
 - 2- وہ اپنے سالکین حضرت ثانی^م اور حضرت ثالث سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مرید ہی نہیں بلکہ مراد بھی تھے۔
 - 3- اپنے تمام شاگردوں اور متوسلین کو مجاز ہونے کے باوجود سیال شریف لے جاتے تھے۔
 - 4- آستانہ کے علماء اور صالحین میں ان کا رتبہ نہایت بلند اور اعلیٰ تھا۔
 - 5- حضرت اپنے علم و کمال میں یکتا اور معاصرین میں بہت ممتاز تھے۔
 - 6- سماع کے قائل اور اپنے شیخ کی طرح شوق سے سنتے تھے۔
 - 7- برصغیر کے بزرگان کے مزارات پر حاضری دیتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔
 - 8- فنا فی الشیخ ہونے کے باوجود علمی، دینی، فقہی اور اصلاحی کاموں کو اچھی طرح سرانجام دیتے تھے۔
 - 9- چشتیہ سلسلہ کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشاں رہتے۔
 - 10- اذکار و اشغال کے باوجود دین کے لیے تعلیمی اور اصلاحی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

توحید کی حقیقت:

توحید کی حقیقت حضرت مولانا بگویی نے اس تمثیل سے واضح کی:

ایک باغ کی دیوار میں لمبا چوڑا آئینہ جڑا ہوا ہے۔ جس میں سے دوسرا باغ دکھائی دے رہا ہے۔ اور (یوں) اس آئینے کا وجود محسوس نہیں ہوتا۔ مگر باغ کے گل ہائے رنگارنگ (نظر آ رہے) اور آنکھوں میں سارے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ محض عکس ہیں۔ اور موجود حقیقی یا تو آئینہ ہے یا سامنے کا گلزار! اسی مسئلہ میں وجود حقہ آئینہ کی طرح ہیں اور صور عالیہ باغ کے گل و گلزار کی طرح، (جو حقیقہ علم الہی میں موجود ہیں) منعکس ہو رہے ہیں۔ (جذبات سعید، ص 24)

اس حوالے سے مولانا محمد سعید مرحوم نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جب حضرت مولانا بگویی مسجد اعلیٰ والی بھیرہ میں قیام فرماتے تھے۔ نہایت خوش پوش اور خوش منظر ایک کابلی درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک صحبت میں انہوں نے بال درست کرنے کے بعد اپنا آئینہ نکالا اور اس کا لشکارا حاضرین پر ڈالا۔ حضرت مولانا پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ (ص 24)

حسن ظاہر و باطن:

مولانا محمد سعید مرحوم کی ایک نعت کے مطلع کا دوسرا مصرع ہے:

باغ میں نازک سے نازک گل کا سینہ چاک ہے

نوٹ میں تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مصرعہ کی تصدیق کے لیے ہماری آنکھوں دیکھی مبارک ہستیاں پیش کی جاسکتی ہیں۔ نیاز مند کے استاد مکرم اور یہ صحبت حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی حسن ظاہر و باطن اور نزاکت و لطافت کا مجسمہ تھے۔ کئی زیارات متبرکہ کے سفروں میں آپ کے ساتھ چلنے کا اتفاق ہوا۔ ہمیشہ آپ جوان اور طاقت ور ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ جاتے تھے جو (در اصل) اسی جذبہ عشق کا نتیجہ تھا۔ (جذبات سعید، ص 44-45)

حضرت مروی کا علاج:

حضرت مولانا خواجہ معظم الدین مروی خواجہ شمس العارفین کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ آپ بیمار پڑ گئے اور علاج کے لیے حضرت مولانا بگویی کے پاس لاہور تشریف لے گئے۔ جب درد سے سخت تکلیف ہوتی تو مجروح صاحب کے درج ذیل پنجابی شعر پڑھنے لگتے: (ص 26)

دال درد تیرے تو میں گھولی جاواں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں
تیرا تیرا تیری بانڈری نوں

مجروح نوں چا مدیوح کر گھتو ونڈیاں مفت وکانڈری نوں

پیران عظام کا ذکر مبارک:

حضرت مولانا بگویی اپنے معمول کے اوراد و وظائف اور مشاغل تو ادا فرماتے تھے مگر آپ کے لیے اپنے مرشدین سیال شریف کا تذکرہ محبوب مشغلہ تھا۔ اور اسی ضمن میں آپ تصوف کی باریک گتھیاں سلجھا جاتے اور اعلیٰ کمالات بیان فرما جاتے تھے۔

کیفیات اور واردات

مولانا محمد سعید مرحوم کے کلام پر حضرت مولانا بگویی کی تعلیمات طیبہ اور خیالات عالیہ کا گہرا اثر تھا۔ اشعار کی نفاست و لطافت اور جذبوں کی وارفتگی حضرت ہی کا انعکاس تھا۔ ایک بار بادشاہی مسجد لاہور میں آپ نے اپنی غزل سنائی تو درج ذیل شعر پر حضرت مولانا کو خاص کیف اور تاثر ملا۔

اپنی شمع حسن پر ہم کو بلایا دور سے

اک جھلک ڈالو پتنگوں پر کہ جل جانے کو ہیں

● ایک بار مولانا محمد سعید مرحوم، حضرت مولانا کے ہمراہ سیال شریف حاضر تھے۔ ایک درویش قوال نے نعت پڑھی جس کے مطلع کا پہلا مصرعہ یہ تھا:

”تیرا رتبہ ہے یا احمد مقام اللہ اکبر کا“

آپ نے فنا فی الشیخ کے عالم میں مولانا محمد سعید کو یوں مصرع پر غزل لکھنے کو کہا:

”مرے خواجہ کا رتبہ ہے مقام اللہ اکبر کا“

اشعار میں زیادہ تر حضرت مولانا ہی کے خیالات عالیہ اور ملفوظات طیبہ کی ترجمانی کی گئی ہے۔ مقطع میں کہتے ہیں:

سعید ذکر پیراں کرام اپنے میں رہ ڈاکر

اگر ذمیا میں خواہاں ہے شراب حوض کوثر کا

● مولانا محمد سعید مرحوم بتاتے ہیں کہ حضرت مولانا بگویی اور خواجہ سیالوی کے بہت سے غلام لاہور اور دیگر شہروں کے مدرسوں، کالجوں اور دفاتروں میں ملازم تھے۔ ان دنوں وہ گورنمنٹ ہائی سکول جالندھر میں مدرس عربی تھے۔ چھٹیوں میں یہ سب حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سب کو ساتھ لے کر سیال شریف

کا قصد فرماتے۔ (ص 58)

● اکثر اوقات ایسا ہوا کہ لنگر شریف کے لانگری میاں احمد دین مرحوم نے حضرت مولانا گوی کے آستانہ خیال شریف پہنچنے پر بتایا:

”آج پہلے ہی حضرت غریب نواز نے مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے عزیز مہمان آرہے ہیں۔ ان کی خاطر تواضع کا خیال رکھنا۔“

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ مولانا کا قافلہ وقت گزرنے کے بعد پہنچا اور دیکھا کہ ان کے لیے کھانا محفوظ رکھا ہوا ہے۔ (ص 58)

● حضرت خواجہ غریب نواز، مولانا چاچڑوی کے عرس پر تشریف لے گئے جو آپ کے عاشق صادق اور خلیفہ برحق تھے۔ حضرت مولانا گوی اور ان کے خدام مع مولانا محمد سعید مرحوم بھی ہمراہ تھے۔ وہاں پر منعقد محفل سماع کی چشم دید کیفیت جذبات سعید میں پڑھے:

چاچڑ شریف میں چشم شریف کے بعد محفل سماع میں مولانا چاچڑوی کے غلاموں میں اور دیگر حاضرین میں وہ سب کی سب کی تھی کہ معززین صوفیہ سے لے کر عام زمیندار تک، مجلس میں چکر کھا کھا کر حضرت غریب نواز کے مبارک قدموں میں گر رہے تھے۔ دو آدمی (مولوی احمد دین خادم روضہ شریف اور اللہ دتہ خواجہ) کپڑا پکڑے ہوئے حضرت کریم کے آگے کھڑے تھے تاکہ قدموں میں گرنے والوں کی وجہ سے حضور کو تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ آخر میں یہ حالت ہو گئی کہ کپڑا پکڑنے والوں کے ہاتھوں سے کپڑا چھوٹ کر گر گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ حاضرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس پر رقت طاری نہ ہوئی ہو۔ (ص 68-69)

● ایک دفعہ مولانا محمد سعید مرحوم حضرت مولانا گوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مولوی محرم علی چشتی صاحب وکیل کے مکان پر جا رہے تھے۔ انہیں بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ وہاں ایک محفل سماع کا پروگرام تھا۔ ایک قوال نے مولانا جامی کی یہ غزل گا کر سماں باندھ دیا:

۶۸۲
 نرگس اندر باغ حیراں از نگاہ چشم تو
 مست آہو در بیاباں از نگاہ چشم تو
 با ہزاراں حسن و خوبی دامن گل در چمن
 چاک گشتہ تا گریباں از نگاہ چشم تو

حاضرین محفل پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ (ص 74)

● حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی فرماتے تھے کہ شروع شروع میں حضرت خواجہ کریم سیالوی قدم بوسی کے وقت انہیں اپنے پاؤں پر جھکنے نہ دیتے تھے اور بازوؤں کی قوت سے روک لیتے۔ مگر بعد میں جب مولانا کے جذبات شوق و عشق درجہ کمال پر پہنچ گئے تو خواجہ اس اقدام میں مزاحم نہ ہوتے تھے اور قدم بوسی فرمانے دیتے۔ (ص 76)

● مولانا محمد سعید مرحوم، وقت رخصت سیال شریف کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں:

”ایک دفعہ حضرت کریم بعد از نماز ظہر ختم شریف میں مشغول ہونے والے تھے کہ مولانا محمد ذاکر بگویی مع ہم غلاموں کے، رخصت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ حضور نے ختم پڑھانا شروع کر دیا اور ہم بھی شامل ہو گئے۔ بعد فراغت ختم، حضور نے مولانا کو مخاطب فرما کر دعائے خیر فرمائی اور جلدی میں معانقہ وغیرہ کیے بغیر ہی باہر چلے گئے۔ کیوں کہ اس دن حضور نے اپنے رشتہ داروں میں کہیں باہر تشریف لے جانا تھا۔ اور کچاوہ وغیرہ بستی سے باہر تیار تھا۔ حضرت مولانا کی طبیعت پر اس بے توجہی کا بڑا اثر ہوا اور فرمانے لگے:

”کہ واقعی ہم اس قابل ہیں کہ دور ہی سے دھتکار دیے جائیں۔“

سب حاضرین حضور کے پیچھے پیچھے مشائعت کے لیے جا رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا:

”چلو بھئی ہم کو تو رخصت مل گئی ہے۔ سامان اٹھالیں اور چلیں“

وہیں پر حضرت عبدالعزیز چاچڑ شریف والے بھی (موجود) تھے۔ انہوں نے کہا:

”واہ مولانا، آپ کا دل کس طرح برداشت کر رہا ہے کہ بغیر قدم بوسی اور معانقہ کے چلے جا رہے ہیں۔ بھئی یہ حضرات تو اسی طرح کی لاپرواہی دکھاتے ہیں۔ مگر عاشق کا فرض تو یہ ہے کہ پھر بھی شمع پروانے کے طریقہ پر عمل کرے۔“

بہر حال ہم سب بھی حضور کی مشائعت میں داخل ہو گئے۔ جب حضور کچاوہ میں سوار ہونے لگے۔ تو سب کی طرف متوجہ ہو کر دعائے خیر فرمائی۔ اس وقت حضرت میاں عبداللہ صاحب نے جو ابھی بالکل بچے ہی تھے، سبقت فرمائی اور حضور کے قدموں میں گر پڑے۔ آپ نے ان کو اٹھا کر گلے لگا لیا۔ پھر کیا تھا سب حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اور باری باری دولت قدم بوسی سے مشرف ہونے لگے اور سب قبض کی خشکیاں دور ہو گئیں۔ (ص 77)

● ایک دفعہ سیال شریف میں حضرت مولانا بگویی اور دوسرے لوگ حاضر تھے۔ آپ اشراق کے بعد وظائف پڑھ رہے تھے۔ اس دوران میاں احمد خوشابی (شوہر مائی بانو) آگئے اور عرض کی:

”پیر کے مکان پر آ کر وظائف پڑھنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟“

مولانا نے فرمایا:

”یہ تمہارے جیسے منتہی صوفیوں کے لیے ہے۔ ہمارے جیسے مبتدیوں کو کچھ نہ کچھ درد و شغل رکھنا چاہیے“
میاں احمد جوش میں آگئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے:

”اس وقت میرے حضرت اعلیٰ (خواجہ شمس العارفین) موجود ہوتے تو میں دکھا دیتا کہ کس طرح آپ یہاں بیٹھ کر وظائف پڑھ سکتے ہیں۔“

اس پر حضرت مولانا فرمانے لگے:

”مجھے دل میں بہت افسوس اور حسرت پیدا ہوئی کہ اگر ہماری قسمت اچھی ہوتی تو ہم بھی حضرت اعلیٰ کے زمانہ کا شرف حاصل کرتے۔“

اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کریم ثانی لاثانی کمرے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ یہ سب لوگ تعظیماً کمرے کے اندر ہی کھڑے ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے دیکھا اور کمرے کے اندر آگئے اور وہاں کچھی ہوئی جائے نماز پر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا بگویی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ایک بزرگ شاہ مراد، صوفی اور پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ ان کے ایک ہم عصر شاعر نے یہ مصرع کہا:

ہیرا پنجن کول کے یارو دسوکھاں پچھوتانی کیوں

جب بڑی کوششوں کے باوجود دوسرا مصرع موزوں نہ ہوا تو شاہ مراد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا ٹھیک تو ہے۔ اس کا دوسرا مصرع یوں ہونا چاہیے:

گزری دارماں لگیو سواس را پنجن باجھ دہانی کیوں

یہ قصہ بیان فرما کر حضور نے مولانا کی تشفی کردی کہ آپ کا پہلے زمانہ سے مستفیض نہ ہو سکنے پر افسوس کرنا اسی ہیرا پنجا ملاقات کی طرح ہے جو معشوق کے دیدار سے خوش ہو کر اپنے جامے میں پھولی نہیں سماتی تھی۔ لیکن گزشتہ زمانہ کی محرومی پر ارمان بھی کرتی تھی۔ یعنی حضرت اعلیٰ کا فیض بدستور (حضرت ثانی لاثانی) کے ذریعہ سے جاری ہے۔ حکایت بالا کے ساتھ پھر آپ نے فی البدیہہ شعر کہنے کی تمثیل کے طور پر ایک انگریز کا قصہ بھی سنایا جو اردو سیکھتے سیکھتے اردو شاعری کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ (تلخیص: ص 82-83)

● حضرت خواجہ غریب نواز ثانی لاثانی تو نسہ شریف کے سفر میں واپسی پر علاقہ دھنی کی بستیوں میں تشریف لے گئے۔ برگاؤں کے پیر بھائی ایک دو منزلیں پہلے ہی پاکی لے کر پہنچ جاتے۔ کیونکہ بوجہ ضعف اور کبیر سنی بغیر پاکی

کسی اور سواری سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اپنے سفر کا حال اپنی زبان سے حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کو سنایا جب مولانا محمد سعید مرحوم بھی مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے بتایا کہ ایک گاؤں سے جانے کے لیے آپ پاکی میں سوار تھے اور مریدین اسے اٹھائے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اس روز محرم کی پانچویں تھی جب پاک پتن شریف میں بہشتی دروازہ کھلنے کا دن ہوتا ہے۔ ایک نے کہا:

”ہمارے لیے یہی بہشتی دروازہ کھلا ہے جو بہشتی بننا چاہتا ہے، اس پاکی کے نیچے سے گزر جائے۔“
یہ کہنا تھا کہ ہندو، مسلمان، پیر بھائی اور دوسرے سبھی لوگوں نے نیچے سے گزرنا شروع کر دیا۔ حضرت خود رقت قلب سے پانی پانی ہو رہے تھے اور بارگاہ الہی میں عرض کر رہے تھے:

”یا اللہ میں عاجز بندہ جو کچھ ہوں، تو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان (بندوں) کے نیاز و اخلاص کی داد تو خود ہی دینا!“۔ (ص 94)

● حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی نماز مغرب ادا کر چکے تھے اور بادشاہی مسجد لاہور کے صدر دروازے کی ڈیوڑھی پر واقع جنوبی حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ مولانا محمد سعید مرحوم خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ بالکل اکیلے تھے اور زریب ترنم سے پڑھ رہے تھے:

”اے پری دست نارسیدہ بسر بوئے زلف تو کرد دیوانہ“

دیر تک منظر یونہی رہا۔ مولانا محمد سعید مرحوم اس سماع سے محظوظ ہوتے رہے اور وجد کی سی حالت میں رہے۔ اس شعر کی تشریح وہ یوں کرتے ہیں:

”آپ نے بظاہر تو اس کی کوئی تشریح نہ فرمائی۔ مگر میرے دل میں یہی القا ہوا کہ ہمارے جیسے قسمت کے دھنی اُرچہ دولت وصل سے مالا مال نہیں ہو سکے۔ پھر بھی (محبوب کے) ان گیسوؤں کی خوشبو نے (گو) دور ہی سے دماغ کو معطر کر کے دیوانہ بنا دیا ہے۔“ (ص 94)

● مولانا محمد سعید مرحوم اپنی ایک مرحبائیہ غزل ”خیر مقدم“ کا نوٹ لکھتے ہیں:

یہ غزل حضرت خواجہ قبلہ عالم تونسوی (حضرت حافظ حامد صاحب) کے خیر مقدم کے موقع پر لکھی گئی جب آپ حضرت غریب لواز سیالوی (حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب) کی والہانہ درخواستوں کے جواب میں آستانہ عالیہ سیال شریف پر لائے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے ارشاد کے مطابق لکھ کر عزیز فیض محمد قوال ہوشیار پوری کو یاد کرائی گئی تاکہ حضرت مولانا بگویی کے ہم رکاب آستان فیض نشان پر حاضر ہو کر حضور میں عرض کرے۔ لفظ ذاکر سے مولانا کے نام مبارک کی طرف کنایہ ہے۔ (ص 113)

● اپنی ایک غزل کے نوٹ میں ”محبوب دل نواز اور عاشق جان باز کاراز و نیاز“ کے تحت مولانا محمد سعید مرحوم لکھتے ہیں:

سیدی و مولائی حضرت غریب نواز سیالوی (ثانی لاثانی) اخیر عمر میں بصارت ظاہری میں نقص آ جانے کی وجہ سے لاہور میں آنکھیں بنوانے کے لیے تشریف لائے۔ ڈاکٹر نے عمل جراحی کے بعد ہدایت کی کہ حضرت کے پاس زیادہ بات چیت نہیں ہونی چاہیے اور نہ کوئی شعر و سخن پڑھا جائے جس سے دل میں رقت اور آنکھوں میں حرکت پیدا ہو کر تکلیف بڑھ جائے۔ مگر حضور کا باطنی جوش، ان ظاہری اسباب کا منتظر نہیں رہتا تھا اور خود بخود دریائے موچ کی طرح موجزن ہو جاتا تھا۔ لاہور کی بادشاہی مسجد میں (جہاں حضرت مولانا بگویی کا قیام تھا، ان کے پاس) حضور کا ڈیرہ تھا۔ مسجد کے پاس سے دریائے راوی کی طرف سڑک جاتی تھی جس پر پچھلی رات کے حصے میں دریا پر جانے والے ہندوؤں کا تانتا لگ رہتا تھا اور ہر ایک شخص اپنے اپنے طریق اخلاص میں کوئی دو بابا یا اشلوک الاپتا جاتا تھا۔ یہ غائبانہ سماع حضرت کی طبیعت پر صوفیانہ قوالی سے پتہ مٹا کر نہ کرتا تھا۔ الغرض اسی طرح ایک دن حضور کی طبیعت کسی خاص خیال میں بحر ذار کی طرح جوش پا رہی تھی کہ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی اپنے تعلیمی فرض سے فارغ ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت نے مدال ذوق سے مولانا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

”مولوی صاحب، کوئی نئی بات سنائیے!“

آپ نے عرض کیا:

”میں آج ایک کتاب میں شاہان مغلیہ کے دربار کا ایک عجیب واقعہ دیکھ آیا ہوں۔“

حضرت ثانی سیالوی کی خدمت میں آپ نے یہ تاریخی قصہ بیان کیا:

”ایک دفعہ حضرت محبوب الہی حسب معمول دریائے جمنا کے کنارے پر تشریف لے گئے۔ ادھر حضور کی محبوبیت روحانی کا ظہور ادھر جمنا کے پانی کا بہاؤ اور شور تھا۔ دریا کی روانی اور اہل نظر کی متحس نگا ہوں کی جولانی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی:

دریا سے حساب کرے یہ صدا، ہم اور نہیں تم اور نہیں

اس نور و سرور کے سہ میں حضور نے چار (کونوں والی) ترکی ٹوپی زیب سر کی ہوئی تھی جو اپنی دلبرانہ اداؤں سے کچھل ہی کی شان دکھا رہی تھی۔ اہل ہنر اس سے اکثر پجاری اور تپسی وغیرہ دریا کے کنارے دھونیاں رمائے، آسن جمائے، اپنی اپنی دھن میں مست بیٹھے تھے۔ اس وقت طوطی ہند حضرت امیر خسروؒ بھی اپنے محبوب کی خدمت میں حاضر تھے۔ محبوب پاک نے ان پتھیوں کی طرف نظر مبارک اٹھا کر دیکھا اور اپنے عاشق صادق کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

کتاب 26
 'ہر قوم را ہست راھے، دینے و قبلہ گاھے'
 حضرت امیر خسرو نے کمال شوق سے خاک پاک کا بوسہ لیا اور عرض کیا:
 'من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاھے،'

سبحان اللہ! محبوبانہ راز اور عاشقانہ نیاز سے کیسا پر انوار مطلع بن گیا۔ یہی شعر مغل شہنشاہ (نور الدین جہانگیر نے اپنی کتاب "توزک جہانگیری" میں یہ واقعہ اپنی قلم سے درج کیا ہے۔ بیان کرنے والا ... (امیر)۔ ملا علی احمد مہر کن تھا) کے دربار میں پڑھا گیا۔ جس کے متعلق بادشاہ جہانگیر نے اہل دربار سے دریافت کیا کہ یہ شعر کیسا ہے؟ اور کس موقع پر کہا گیا ہے؟ درباریوں میں سے ایک امیر نے جو بظاہر دنیا دار اور باطن میں تیغ محبوبی کا گھائل تھا، صورت واقعہ بیان کی۔ اور اپنی تقریر کو استحضار، معنی کے لحاظ سے ایسا دلکش اور موثر بنا دیا کہ اہل دربار اور شہنشاہ ہند پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ خود مقرر نے بھی تقریر کے بعد ایک نعرہ لگایا اور جان بحق تسلیم ہوا۔

(حضرت مولانا بگویی جب یہ واقعہ بیان کر چکے تو) اس کے سننے سے حضرت سیالوئی کی طبیعت مبارک پر اور دیگر حاضرین پر ایک گہرا اثر ہوا۔ اور آپ نے حضرت مولانا کو کئی دفعہ اس شعر کے دہرانے کی فرمائش کی۔

ہر قوم را ہست راھے، دینے و قبلہ گاھے
 من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاھے

(شعر کا دہرانا) ہر دفعہ قدر کمال لطف دیتا رہا۔

اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے ساتھ چھ اور اشعار بھی ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں حضرت مولانا بگویی نے نیاز مند کو مکمل غزل لکھنے کی ہدایت فرمائی اور یوں یہ غزل معرض وجود میں آئی۔ (جذبات سعید، ص 117-115)

● حضرت غریب نواز قبلہ ثانی لاٹانیؒ کے وصال کے بعد جب حضرت ثالث سیالوئی (خواجه محمد ضیا، الدین صاحب) زیب آرائے مسند ارشاد ہوئے تو نیاز مند، حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے ہمراہ آستان فیض نشان سیال شریف پر حاضر ہوا۔ ایک قوال نے خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان کی ایک فارسی غزل، اسی قافیے اور ردیف کی سنائی۔ حضرت مولانا نے مجھے ارشاد فرمایا:

”اسی طرز کی ایک غزل لکھو جس میں حضرت کریم کے وصال کے بعد حضرت ثالث کی کرم فرمائی کا ذکر ہو اور آپ کی خدمت میں بطور تعزیت و تہنیت پیش کی جائے۔“

وہ قوال تو چلا گیا۔ مگر ہمارے ساتھ اپنا قوال عزیز فیض محمد ہوشیار پوری تھا۔ چنانچہ مسطورہ بالا غزل لکھ کر اسے دی گئی جو اس نے حضور کی خدمت میں گا کر پیش کی۔ (نوٹ غزل 4، ص 118۔ مولانا محمد سعید مرحوم)

● حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے وصال کے بعد حضرت غریب نواز خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی فاتحہ خوانی کے لیے بھیرہ تشریف لائے تو مولانا محمد سعید مرحوم نے قصیدہ مرحبائیہ کے عنوان سے خیر مقدمی اشعار لکھے۔ یہ قصیدہ جامع مسجد بھیرہ میں سید محمد خلیل صاحب نے خوش الحانی سے پڑھا۔ اس میں حضرت اعلیٰ اور حضرت ثالث اور حضرت مولانا۔ تینوں کے نام ہائے نامی کو کنایہ لایا گیا ہے۔ آخر میں حضرت مولانا کے اکلوتے صاحبزادے مختار احمد کے حال پر نظر عنایت کی درخواست کی گئی ہے۔ (جذبات سعید، ص 124)

● سیال شریف کی ان مجالس طیبہ میں اکثر حضرات مولانا محمد ذاکر بگویی، مولانا محمد نصیر الدین چاچڑوی اور مولانا عبدالرحمن محمدی شریف والے حضرت کریم کے فیض سے اکٹھے استفادہ کرتے تھے اور پھر باہمی ان فیوض کی کیفیات کے متعلق راز و نیاز سے تبادلہ خیالات فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت ثالث کی مجلس سے اٹھ کر باہر نکلے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

”گو یہ فیض روحانی بے رنگ و کیف ہوتا ہے، پھر بھی کسی رنگ سے نسبت دی جائے تو وہ کون سا رنگ ہو سکتا ہے؟“

آخر سب کا اتفاق اسی پر ہوا کہ وہ سرخ رنگ ہی ہو سکتا ہے (ورنہ حقیقت میں وہ ان آثار سے پاک ہے)۔ (جذبات سعید، ص 127)

● ایک دفعہ رمضان شریف میں حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی اور دیگر درویش آستانہ سیال شریف میں زکوٰتوں کے چلے نکال رہے تھے۔ بہاول بخش قصائی خبر لایا کہ اجمیر شریف کے گدی نشین جو سیال شریف آئے ہوئے تھے، ان کی استدعا پر حضرت کریم ان کو ساتھ لے کر جلاپور شریف تشریف لائے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا:

”ہم تو چلہ میں ہیں۔ ورنہ حضور کے ہمراہ اس سفر میں ہوتے“

اس پر بہاول بخش نے گانا شروع کر دیا:

ہاتھوں میں میرے کنگنا، کنگنا نہ کہوں تو کیا کہوں
جتھے یا مورا بسدا، ونجنا نہ کہوں تو کیا کہوں

یہ سن کر مولانا پر رقت طاری ہو گئی اور اسی وقت تیاری کا حکم دے دیا۔ نیاز مند بھی ساتھ تھا۔ حضور مع سجادہ نشین صاحب اجمیری کے جلاپور سے واپس آ رہے تھے اور دریائے جہلم کے اس کنارہ پر ہم سب نے دولت قدم بوسی

حاصل کی۔ بہاول بخش نے مناسب موقع پر یہ پنجابی شعر گا کر عرض کیے:

دال درشن تیرے درس بھلائے ملاں، مفتیاں، قاضیاں نوں
صرنی نحوی بھل بھل جاوندے پڑھن مضارع ماضیاں نوں

(جذبات سعید، ص 140-139)

● ایک بار حضرت ثالثؒ سیالوی کو کافی دنوں تک صدر شاہ پور میں جیل کے ڈاکٹر کے زیر علاج رہنا پڑا۔ اس اثنا میں آپ کی صاحبزادی زوجہ خواجہ نجم الدین مرحوم کے دو بچے فوت ہو گئے۔ صحت یابی کے بعد آپ جب اہل خانہ ہیں لوٹے تو اپنی بیٹی سے بچوں کی فوتیگی پر اظہار افسوس کیا۔ صاحبزادی نے کمال اخلاص اور محبت و ختری سے عرض کیا:

”حضور کی صحت کی خوش خبری سے میرے سارے غم بھول گئے ہیں۔ اولاد بھی جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے مگر خداوند کریم اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔ آپ سے مہربان والد کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔“

یہ واقعہ حضور نے حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی سے ایک مجلس میں بیان فرمایا تھا۔ حضور فرماتے تھے کہ میری لڑکی میری عاشق ہے۔ یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے، آپ کی مبارک آنکھیں حظ کے نشہ سے مخمور ہو رہی تھیں۔

(بحوالہ جذبات سعید، ص 147)

● ایک دن حضرت کریمؒ کی مجلس میں ایک پیر بھائی نے اپنے ذوق میں گاتے ہوئے عرض کیا:

مرشد ندی نور دی میرے من تے برس رہی
جاگ لگی دودھ جمیا، میں کیتا رب صحیح

حضور نے فرمایا:

یہ سچے مرشدوں کا حال ہے۔ ہمارے جیسے مرشدوں کے حق میں تو وہی ٹھیک ہے جو کسی نے کہا ہے:

مرشد ڈھکی لون دی اتے آن پئی
ادے آوے نہ ہلن دیوے وچے بیڑی ڈب گئی

یہ سن کر حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کو وجد طاری ہو گیا۔

بعد میں حضرت مولانا نے فرمایا:

”دودھ سے دہی بنانا کوئی بڑا کمال نہیں۔ دودھ خود ہی اچھی چیز ہے۔ مگر نمک کی یہ خاصیت

ہے کہ جو چیز (پتھر ہڈی) اس کی کان میں گر پڑے، ایک دن نمک ہو جاتی ہے۔“

”انسان کامل ناقص سے ناقص آدمی کو اپنے جیسا بنادیتا ہے۔“ (جذبات سعید، ص 153)

● مولانا محمد سعید مرحوم کو چونکہ اپنے استاد کریم حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی مجلس مبارک میں بیٹھنے کے مواقع کثرت سے ملتے رہتے تھے۔ اس لیے انہیں بارہا ان مجالس میں حافظ شیرازی کی یہ غزل سننے کا اتفاق ہوا۔

آل پیک نامور کہ رسید از دیار دوست
 آورد نامہ ز خط مشکبار دوست
 خوش مے کند بیاں ز جلال و جمال یار
 خوش مے کند حکایت عزو وقار دوست

حضرت کی زبان فیض ترجمان سے اس غزل کی تشریح و توضیح بھی۔ پیک نامور سے مراد سرور کائنات اور دوست سے مولانا کریم ہے۔ نامہ سے قرآن پاک مراد ہے۔ (ص 156)

● جب حضرت ثالث سیالوی کا وصال ہوا، حضرت مولانا بگویی موجود تھے۔ آپ لاہور سے اپنے ساتھ ایک اہل دل طبیب بھی لائے تھے تاکہ زیادہ بہتر علاج ہو سکے۔ مولانا محمد سعید مرحوم بھی حضرت مولانا کے ہمراہ حاضر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام لوگ آہ وزاری کر رہے تھے مگر:

”طبیب ممدوح بظاہر پریشان مگر زیر لب تبسم فرما رہے تھے۔ جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے مجھے اس وقت خاص قسم کی خوش بو آرہی ہے جو حضور الہی سے خیر مقدم کرنے والے ملائکہ کی ہو سکتی ہے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی نے بھی اس کی تصدیق فرمائی اور کم ترین نیاز مند نے اپنی کم مائیگی کے باوجود احساس کیا۔“

(جذبات سعید، ص 157)

اطمینان قلب:

یہ نعمت اللہ کے ان بندوں کو نصیب ہوتی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے معمور ہوتے ہیں۔ یہ طمانیت ان کے تقدس کا کھلا نشان اور ذکر محبوب ان کا روح رواں ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد سعید مرحوم کا منی صورت اور من موہنی صورت والے نوجوان بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کو یاد کرتے ہیں جو شاہی مسجد لاہور کے قیام کے دوران ہمہ وقت ذکر اللہ یا ذکر اہل اللہ میں محو رہتے تھے۔ نماز عصر سے عشا تک عشاق کا مجمع لگا رہتا تھا۔ پھر جمعہ کے روز بعد نماز تو

روحانی عید کا نظارہ ہوتا تھا۔ غموں کے مارے حاضر ہوتے اور حظ اطمینان اور حلاوت ایمان سے بہرہ یاب ہوتے۔ خود آپ پر کوئی ابتلا آتی تو جمعیت ظاہری اور طمانیت باطنی میں سر مواضطراب نہ آتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو دولت ایمان اور خزینہ عشق سے مالا مال کیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد سعید زین پوری اپنے مضمون ”اطمینان قلب“ مطبوعہ شمس الاسلام بھیرہ جون 1925ء۔ ص: 28-32) میں چند چشم دید واقعات کا تذکرہ کرتے اور آپ کے بلند کردار کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تسلیم و رضا:

ایک دفعہ آپ کے دولت خانہ میں چوری ہو گئی اور سوائے ایک ادھ معمولی کپڑوں کے جوڑے کے کوئی چیز بھی نہ بچی۔ اس دن حسب معمول آپ رات کو شاہی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ علی الصباح جب خادم نے اس واقعہ کی اطلاع دی تو نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے گھر تشریف لائے اور آتے ہی گھر والوں سے ایسی مسرت انگیز اور دلآویز باتیں شروع کیں کہ سب کو عین رونے کی حالت میں ہنسا دیا۔ آپ کے پہلے حرم محترمہ جو موجودہ صاحبزادہ صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں، واقعی عقل، علم اور قابلیت کے علاوہ محاسن ظاہری اور حسنات باطنی کا جامع خزانہ تھیں۔ ان کے ہوتے ہوئے حضرت مولوی صاحب کو نہ گھر کا فکر ہوتا نہ باہر کا تردد۔ لیکن چرخ کج رفتار کی نظر بد سے وہ بھی نہ بچ سکیں اور بین غفوان شباب میں اس عالم خواب سے حجاب برزخ میں مجبور ہو گئیں۔ ان کے انتقال پر ملال پر اپنوں اور بیکانوں میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو درد بھرے دل سے اشک ریز نہ ہوا۔ ہاں وہ آپ ہی تھے جن کی مسرت روحانی اور طمانیت ایمانی میں ایک سو بھر بھی فرق نہ آیا۔

علاوہ ازیں آپ کے چچا بزرگوار اعنی مولانا مولوی غلام محمد صاحب بگوی ثم لا ہوری علیہ الرحمۃ جو آپ کے خسر تشریف ہونے کے علاوہ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ تیرا ہیہ ہیں آپ کے پیر صحبت بھی تھے اور صاحب ممدوح کو آپ سے وہ قلبی محبت تھی کہ اپنے صلیبی صاحبزادہ صاحب کو چھوڑ کر اپنی باطنی دولت اور قلبی امانت (یعنی خلافت و اجازت) آپ کے ہی سپرد کی وہ بھی آپ کو داغ مفارقت دے گئے۔

اسی طرح آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مولوی محمد عبدالعزیز صاحب بگوی ثم بھیروی قدس سرہ جن کا سینہ انوار الہیہ کالا زوال خزینہ تھا اور آپ سے محبت پدری کے علاوہ ”الاولیاء کسروح واحد فی اجساد متباعدة“ کا گہرا اتحاد رکھتے تھے۔ نیز اس دار فانی سے رحلت فرمائے۔ باوجودیکہ ان بزرگوں کے مہر و ولا کے تعلقات آپ کے ساتھ باقی رشتہ داروں یا عزیزوں کے سے نہیں تھے۔ مگر تاہم یہ روحانی عمدے آپ کے اطمینان قلب کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔

آپ کو جو شفقت اور فریفتگی اپنے پیر سیال حضرت غریب نواز خواجہ ثانی محبوب لائٹانی ^۳ سے تھی کسی محبت کو اپنے محبوب سے کم ہوگی۔ ہر وقت بیٹھتے اٹھتے جاگتے سوتے حضرت کا خیال مبارک ہی آپ کے آئینہ خاطر میں جلوہ گر رہتا اور سفر و حضر میں بھی قیل و قال آپ کا ورد زبان ہوتی کیوں نہ ہو "من أحبّ شینا اکثر ذکرہ"۔

سعید ذکر پیران کرام اپنے میں رہ ڈاکر اگر دنیا میں خواہاں ہے شرابِ حوض کوثر کا آپ خیال فرمائیے کہ ایسے محبوب دلنواز اور مطلوب ہمزاد کا داعی فراق آپ جیسے عاشق صادق کے حق میں کیسا شاق گزرا ہوگا۔ مجھے خیال تھا کہ اس سانحہ ہوش ربا پر تو آپ کے ظاہری ہوش و حواس بجا نہیں رہ سکتے۔ مگر نہیں۔ حضور کے وصال کے موقع پر بھی آپ ہی وہ مرد میدان تھے جنہوں نے باقی عشاق کی حالت ما الاطلاق کو سنبھالا اور فرمایا:

"اہل اللہ جب اس دنیا سے سبکدوش ہو جاتے ہیں تو عالم روحانیت (عالم برزخ) میں اپنے مستفیضین کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ مبذول فرماتے ہیں"۔

سفر حرمین شریفین میں جبکہ حضرت حافظ محمد ضیاء الحق والدین دام اللہ برکاتہ جیسے پیر زادہ وغیرور شاہ ادہ کے ہمراہ بہت سے عاشقین و مخلصین اور خلفاء و فضلاء تھے۔ سب میں حضرت مولانا بگویی ہی تھے جو اول سے لے کر اخیر تک ہشاش و بشاش رہے اور سارے قافلے کی مسرت اور طمانیت کا ذریعہ بنے رہے۔ اس سفر مبارک میں راقم آثم بھی بقول

سوار جاتا ہے وہ شرابی میں حاضر اس کی رکاب میں ہوں

سعادت رکاب بوسی سے مشرف تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ سارے قافلے میں ایک امیر قافلہ حافظ صاحب قبلہ اور ایک حضرت مولانا ہی تھے جو صعوبات سفر اور تغیرات بحر و بر سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ ہر ایک شخص کی مزاج میں علی قدر کچھ چڑچڑاپن اور خشکی کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ حالانکہ حضرت حافظ صاحب بنفس نفیس مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک کے لمبے اور دشوار گزار سفر میں بعارضہ بخار مبتلا رہے اور حضرت مولانا کے بھائی جان (مولانا محمد یحییٰ بگویی) جن کا آپ سے دو قالب ایک جان کا سا تعلق تھا سخت بیمار تھے اور حضور کے پیارے خلفاء میں سے حضرت مولوی صاحب "محمدی والے اور حضرت مولوی محمد نصیر الدین صاحب" چاچڑوی کے مزاج و ہاج بھی نا ساز سے تھے جو بالآخر یہاں آ کر کچھ وقفوں سے یکے بعد دیگرے راہی ملک بقا ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

الغرض اطمینان قلب ہی ایک ایسا معیار ہے جو اہل اللہ کی پہچان کا ماہہ الامتیاز کہا جاسکتا ہے اور محبوب حقیقی کا لگاؤ ہی ایک ایسا راز ہے جو دنیا و مافیہا کے لاگ سے بچا سکتا ہے۔

چو دل باد لبرے آرام گیرد ز وصل دیگران کے کام گیرد

حالات اور ملفوظات مشائخ سیال شریف کا ایک اور اہم ماخذ:

مولانا غلام دستگیر خان بخود کا تعلق دھوگری ضلع جالندھر سے تھا۔ آپ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے قریبی ارادت مند اور نیاز مند تھے۔ کسی حوالے سے یہ آپ کے پاس پہنچے تاکہ آپ کی زیارت کریں، بیعت سے بہرہ ور ہوں اور حلقہ غلامی اختیار کریں۔ حضرت مولانا جو اپنے مشائخ کے بندہ بے دام اور سچے غلام تھے، اپنی عادت اور معمول کے مطابق پڑھے لکھے اور ذہین نوجوانوں کے پہلے اذہان صاف کرتے، ان کو اسلامی شعائر کا پابند بناتے پھر انہیں کشاں کشاں آستانہ سیال شریف لے جاتے اور چشمہ صافی کے منبع سے ان کی پیاس بجھاتے تھے۔ حضرت اعلیٰ خصوصاً حضرت ثانی اور حضرت ثالث سیالوی کے اکثر حالات، واقعات، واردات اور کیفیات کے راوی حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی ہیں۔ بعض کے وہ شاہد عادل بھی ہیں۔ گویا یہ روایات دراصل سمعی اور بصری روئداد ہیں جو آپ بیتی اور جگ بیتی کا مظہر ہیں۔ آپ ہی کے ایماء اور اصرار پر جناب بخود نے حضرت ثانی سیالوی کا مرقع **محبوب سیال** اور پھر حضرت اعلیٰ سیالوی اور ان کے جلیل القدر خلفاء کے حالات **برکات سیال** کے نام سے دو کتابیں لکھیں اور ان کو خود طبع کروایا۔ ضرورت بیعت کے تحت انہوں نے بڑا تفصیلی اور مبسوط مقالہ قلم بند کیا ہے جس میں ضرورت شیخ اور اس کے مقتضیات کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا انداز علمی اور تحریر شگفتہ ہے۔ واقعات کی صحیح منظر کشی کرتے ہیں۔ اردو فارسی اشعار کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔ ان کے خیالات جس طرح ان کے نہاں خانہ دل سے اٹھتے ہیں، پڑھنے والے کے دل پر اسی طرح خوب اثر کرتے ہیں۔

برکات سیال:

مولانا غلام دستگیر خان بخود نے 1344ھ/1925ء میں **برکات سیال (الموسوم بہ اشرف الاولیاء)** کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جو حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے عرس مبارک کے موقع پر شائع ہوئی۔ اس تالیف میں ان خلفائے سیال کے مختصر حالات مرقوم ہیں جن کی نسبت فاضل مصنف نے حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی سے معلومات سنی ہیں۔ چنانچہ تصریح کرتے ہیں کہ:

”اس رسالہ کی روایات بھی ایک متقی، راست گو اور عالم باعمل کی بیان کی ہوئی ہیں۔ اعتماد کیجئے اور سعادت سے بہرہ حاصل کیجئے۔“

اعتبارے گیر تایابی صفا ۶۶
از درون انبیاء و اولیاء ۶۶
۶۶

کتاب میں درج ذیل خلفاء و صلحاء حضرات چشت کے چیدہ اور شنیدہ حالات مندرج ہیں:

1- بانی سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانہ شمسہ حضرت شیخ شمس الدین سیال شریف

2- حضرت خواجہ ثانی محمد الدین سیالوی

3- حضرت خواجہ ثالث حافظ محمد ضیاء الدین سیالوی

4- حضرت شیخ عبد الجلیل قریشی

5- حضرت مولوی محمد معظم الدین مرولوئی

6- حضرت غلام حیدر شاہ جلال پوری

7- حضرت مولوی فضل دین چاچڑ شریف

8- حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف

9- حضرت مولوی محمد امین چکوڑی شریف

10- حضرت مولوی عبدالرحمن محمدی والہ جھنگ

11- حضرت شاہ صاحب میانوالی

12- حضرت مولوی محمد سعید باغبان پوری لاہور

13- حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی بھیرہ شریف

14- حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی بھیرہ شریف

15- حضرت مولوی احمد دین گانگوی میانوالی

جناب غلام دستگیر بے خود نے آغاز کتاب میں حرف 'ر' کے تحت قطعہ لکھا ہے:

ر۔ رنگ بیرنگ توں رنگ سارا رنگ و رنگ بیرنگ دا رنگ ہويا

تدوں حسن تے عشق دارنگ چڑھیا جدوں ہیر تے رانجھے دا سنگ ہويا

ہیر بنی مرلی رانجھے یار والی، رانجھا ہیر دے عین دا رنگ ہويا

بیخود رنگ سیلاندا بہت اچھا جتھے دور دے دا رنگ ہويا

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے حالات زندگی پڑھیں، آستانہ سیال شریف کے ساتھ محبت و عقیدت،

عشق و سرمستی اور جذب و شوق دیکھیں تو اپنے شیخ کے ساتھ انتہائی درجہ عقیدت و الفت، والہانہ اور سرفروشانہ تعلق

اور گہری اور قلبی موانست کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ آستانہ عالیہ سیال شریف کے مریدین اور متوسلین میں ایک خاطر خواہ تعداد علماء اور فضلاء کی نظر آتی ہے۔ حضرت مولانا بگویی اپنے علم و فضل اور تدبر و تفتقہ کے اعتبار سے ان سب میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ دراز زمانہ لاہور میں مدرسہ حمیدیہ کے صدر مدرس کے جس منصب پر فائز تھے اور بادشاہی مسجد لاہور میں جہاں طالبان علوم دینیہ کو پڑھاتے تھے، برصغیر میں انتہائی اہم، باوقار اور ممتاز ترین مرتبہ تھا۔ بخود نے حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے جو احوال قلم بند کیے ہیں وہ ذیل میں ذیلی عنوانات کے تحت پیش کیے جاتے ہیں۔ (برکات سیال از غلام دستگیر خان بخود، صفحہ 41-37)

ذکر ذاکر:

ذکر مذکور تو ہے جاں کی تجلی کے لیے ذکر ذاکر بھی ہے اک دل کی تسلی کے لیے
طاق ابرو تو بنا قبلہ صاحب نظراں اور یہ کعبہ بنا قبلہ مصلیٰ کے لیے
دل آشفته ہوا دعوتِ غم پہ مامور
ساغر درد سے ہے اس کو تمنائے سرور

بخود

حسن و جمال، نزاکت و لطافت میں فرد تھے۔ علم و عمل میں کامل، شریعت اور عشق سے بہرہ وافر حاصل تھا۔ بچپن میں دینیات کی کتابیں والد سے پڑھیں پھر اپنے خسر سے بھی کہ وہ سلسلہ نقشبندیہ میں صاحب ارشاد تھے، ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے۔ بھیرہ میں ایک صاحب حال درویش آیا کرتے تھے ان کی طرف طبیعت راغب ہوئی۔ والد ماجد نے فرمایا کہ بیٹا! خوانجہ فروشوں سے کیا لینا چاہتے ہو مٹھائی کی اعلیٰ دوکان پر پہنچو۔ کچھ نہ بھی ملے تو دماغ تو خوشبو سے معطر رہے۔ یہ بات سیدھی دل میں اتر گئی۔

سیال شریف کی غلامی اور سرفرازی:

والد ماجد کے ہمراہ سیال شریف حاضر ہوئے اور حضرت اشرف الاولیاء کے قدم میمنت لزوم پر سر رکھ دیا۔ مخمور و مدہوش واپس آئے۔ کچھ زمانہ کتب بینی اور سودائے خوش کی نذر ہوا۔ سیال شریف بھی جاتے رہے (اور اس ذوق و شوق سے کہ ایک دفعہ عالم وجد میں ایک میل کے قریب سر کے بل گئے) پھر (غالباً حضرت صاحب کے ارشاد سے) تکمیل علوم کے لیے دہلی گئے۔ حدیث و فقہ و تفسیر میں سندت حاصل کیں لیکن اذواق و اشواق کی تشنگی سیال شریف کے چشمہ حیات کے سوا کہیں نہ بجھ سکی۔ مضطر بانہ علم و عشق کے دریا میں کود پڑے اور گوہر بدست باہر نکلے۔ خسر و انہ الطاف و اکرام سے مالا مال ہوئے اور ہدایت کا تان سر پر رکھ کر لاہور مدرسہ حمیدیہ میں حدیث کا درس دینے لگے۔

بادشاہی مسجد لاہور:

شاہی مسجد قیام تھا اور یہیں مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ (پھر اسی مشعل ہدایت کی روشنی میں سیال شریف حاضر ہوا) توجہ کی تیزی اس قدر تھی کہ بے دیکھے چین نہیں پڑتا تھا۔ میں اکثر خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ لوگ کہنے لگے تم مولویوں کے پاس جا کر کیا لیتے ہو؟ (یورپ میں عموماً اور انگلینڈ میں خصوصاً اب سے کچھ عرصہ پہلے ترک اور اسلام مترادف لفظ سمجھے جاتے تھے یعنی یہ چالاک لوگ ترکوں کے مظالم اور ان کی جہالت کے فرضی افسانے گھڑ کر لوگوں کو درپردہ اسلام کی تصویر دکھایا کرتے تھے، اس طرح نہایت آسانی کے ساتھ ان کے ذہن نشین ہو جایا کرتا تھا کہ اسلام میں جہالت اور ظلم کے سوا کچھ نہیں)، لیکن ہمارے ہاں طبقہ جہلا میں نہیں اچھے لکھے پڑھے آدمیوں میں مولوی اور درویش مترادف لفظ نہیں سمجھے جاتے اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ان کو شریعت اور عشق کا اتحاد غیر مانوس معلوم ہونے لگتا ہے اور وہ فیض سے محروم رہتے ہیں۔ آہ اس وقت ہماری قوم کا ڈھانچہ مثل ایک اونٹ کے ہے جس کی کوئی گل سیدھی نہیں لیکن میں پردہ اٹھا کر انہیں ایسے دکھاتا:

نازک مزاج نازنین ہذا جنون العاشقیں

ذکر و فکر:

نہایت خوش مذاق اور خوش مزاج تھے۔ دل اگر ذکر و فکر سے معمور تھا تو زبان پیران عظام کے تذکروں سے تر تھی۔ اگر حرص تھی تو یہی کہ عامہ خلایق خدا و رسول کے احکامات کو حرز جاں بنائیں اور لالچ تھا تو یہ کہ لوگ عشق مولا میں سرشار نظر آئیں۔ اس کے سوا نہ کسی سے مطلب نہ کسی سے کوئی غرض۔ بارہ تیرہ سال میں اکثر حاضر ہوتا رہا اور کبھی حاضری میں دیر ہو گئی تو خود تشریف لے آتے۔

اخلاق حسنہ:

اس عرصہ میں کوئی دنیا کی بات یا کسی کی غیبت یا کسی کی برائی میں نے آپ سے نہیں سنی (یہ باتیں لکھنے اور پڑھنے میں جس قدر آسان ہیں اسی قدر عمل میں مشکل ہیں۔ آج اگر یہی باتیں تمہاری ”شاندار معاشرت“ اور ”تمہاری علمی سوسائٹی“ سے نکال دی جائیں تو تمہاری محفل کی ساری رونق سرد اور تمہاری زندہ دلی سب کا فور ہو جائے)۔ منکر و فحش سے آپ کی زبان آلودہ نہیں ہوئی۔ گھر کے کاروبار سے بے تعلق تھے۔ (مولانا محمد یحییٰ بگویی جب تک لاہور رہے بڑے خوش رہے کیونکہ سارا انتظام انہی کے سپرد تھا) کبھی ہفتہ عشرہ کے بعد گھر جانا ہوتا تھا۔ کالج کا وقت نکال کر رات دن مسجد ہی میں رہا کرتے تھے۔ اگر کبھی وہاں سے نکلتے تو کسی درویش سے ملنے کو یا کسی مزار پر فاتحہ کے لیے۔ کہیں سن لیتے کہ کوئی درویش باہر سے آئے ہوئے ہیں تو جا کر ان سے ملتے۔ کچھ دیر بیٹھتے۔ پھر ان سے محبت پیر اور محبت خدا و رسول کی دعا کرا کر واپس ہوتے۔

مزار داتا گنج بخشؒ

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک پر اکثر جایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بزرگ
نفی و اثبات کا سبق خوب پختہ کر دیتے ہیں۔ ابتداء میں بہت اضطراب رہتا تھا مگر یہ آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

ذوق سماع:

ذوق سماع بہت تھا اور اس قدر کرخت آواز والوں سے بھی سن لیا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو پنبہ درگوش
کردن کی بجائے سینہ درگوش کردن کی فکر ہوتی تھی مگر آپ کا ذوق خوش آوازی کا مقید نہیں تھا۔ فرمایا کرتے تھے:
”اکابر کی تو اور بات ہے۔ ہمارے لیے سماع ایسا ہی ہے جیسا کہ لڑائی کے وقت باجا بجایا جاتا ہے تاکہ
نامردوں کو بھی جوش آجائے۔“

یہ بھی کہا کرتے تھے:

”سماع سننے کے بعد اگر دل شریعت پہ پہلے سے زیادہ مستحکم نہ ہو تو ایسے شخص کو ہرگز نہیں سنا چاہیے۔“

اطوار:

امر بالمعروف اور تلقین میں اگر مولوی صاحبان آپ کی پیروی کریں (اور یہ خود خدا اور رسول کے احکام کی
پیروی ہے) تو ہرگز زمانہ کے شاکی نہ رہیں۔ بہت تعلیم یافتہ جٹلمین، کالجوں کے طالب علم، دفاتر کے ملازمین اور
غریب و بے کس بھی آپ کے پاس آتے اور خود اپنی برائیاں سن کر برانہ مناتے۔ صاف گو تھے لیکن دل آزار نہیں
تھے۔ صاف گوئی اور بے عزتی میں حد فاضل قائم رکھتے تھے۔ داڑھی منڈے، باوضع نوجوانوں کو اس طرح فرماتے
کہ داڑھی سے مونچھیں بڑھ جانے والی ضرب المثل بقول حضرت غریب نواز اس زمانہ پر خوب صادق آتی ہے۔
پرنس آف ویلز لاہور آئے تو آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ واقعی داڑھی عزت و وقار کی نشانی ہے۔ دیکھ لو ان کے بھی یہ
لوگ یعنی بادشاہ اور پادری سب داڑھی رکھتے ہیں۔ کریم بخش آپ کا ایک مرید بہت عرصہ سے آپ کی خدمت میں
آیا کرتا تھا لیکن کبھی کچھ نہیں کہا جب اس کی شادی ہوئی اور وہ مٹھائی لے کر آیا تو متبسم ہو کر فرمانے لگے:
”اب تو شادی بھی ہو چکی، اب داڑھی رکھ لو۔“

خلو، عظیم اور عشق پیر:

توجہ اور محبت میں محمود و ایاز کا امتیاز نہیں تھا۔ ہر ایک بجائے خود یہی سمجھتا کہ مجھ سے بڑھ کر آپ کو کسی سے
محبت نہیں۔ معارف و حقائق اور خصوصاً پیران عظام کا ذکر تو اس چاشنی سے بیان کرتے کہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتا۔
صابر و شاکر، مرنج و مرنبجان، صاحب ذوق، شیریں گفتار، خوش اطوار، حلیم الطبع اور ملنسار تھے۔ بایں ہمہ اپنے اعمال

صالحہ پر قطعاً نظر نہیں تھی۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور دوسروں کے قصوروں سے درگزر کرتے۔ راست گو اور راستی پسند تھے۔ مبالغہ آمیز گفتگو سے پرہیز کرتے لیکن آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا عشقِ پیر۔ اور بالفاظ مبارک حضرت ثانی "عشق در سینہ بود درسی نہ بود"۔ یہ لکھنے پڑھنے میں نہیں آ سکتا!

نماز کبھی اضطراب کے عالم میں بھی ادا کیا کرتے اور کبھی نہایت سکون سے بھی۔ فرمایا کرتے: "نماز میں مزہ اور بد مزگی پر نظر نہیں رکھنی چاہیے"۔ لباس سفید اور اجلازیب تن کرتے۔ ہاں کبھی کبھی میلا بھی ہو جاتا تو پہنے رکھتے لیکن ایسا موقع شاذ و نادر ہی پیش آتا تھا۔ پہلے سر کے بال چھوڑ رکھے تھے لیکن بعد میں منڈوا دیئے۔ ابھی بڑھاپے کا آغاز بھی نہیں تھا کہ بلاوا آ گیا۔ تپ غم نے گوشت میں ہڈیاں تک نہ چھوڑیں۔ بستر مرگ پر غزل سنی:

"آ سودہ دلا حال دل زار چہ دانی"

رحمت ہو خدا کی آپ پر اور آپ کے خاندان کے لوگوں پر۔ اندرون جامع مسجد بھیرہ اپنے والد کے پہلو میں آرام فرماتے ہیں۔

مرشد چھٹی لون دی:

صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ، حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی کے تیسرے بیٹے اور حضرت ثالث خواجہ محمد ضیا، الدین سیالوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ 1307ھ / 1889ء میں سیال شریف میں پیدا ہوئے اور 1382ھ / 1964ء کو وفات پائی۔ آپ مولانا محمد ذاکر بگویی کے شاگرد اور زبردست مداح تھے۔ خود فارسی، عربی، پنجابی اور اردو کے شاعر تھے۔ تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ مولانا ظہور احمد بگویی کے بزرگ دوست اور خلافتی رفیق تھے۔ مولانا حافظ محمد عبداللہ سیالوی مرحوم نے "حضرت ثانی کی ایک یادگار مجلس" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس سے مولانا محمد ذاکر بگویی کی سخن نہی، اپنے سالک کے ساتھ ہم رنگی و ہم فکری، مرشد کے مرتبہ کا تعین، مرشد کے مقام کی اہمیت اور مجلس روحانی کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یوں بھی پنجابی زبان میں بوجہ جامعیت، تصوف کے اعلیٰ مضامین کو سمیٹنے اور بیان کرنے کا خوبصورت ملکہ ہے۔

حضرت، ثانی صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ موسم گرما میں بعد از نماز ظہر مجلس خانہ کے سایہ میں اپنا پلنگ بچھوا کر اس پر بیٹھتے اور دو وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ پلنگ کے پاس بچھی ہوئی صف پر زائرین و حاضرین دربار آ کر بیٹھتے اور مشرف بہ زیارت ہوتے۔

ایک دن حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بگویی ثم بھیروی دربار سیال شریف پر حاضر ہوئے اور بعد نماز پیش اپنے پیر و مرشد حضرت ثانی صاحب علیہ الرحمۃ کی مجلس میں اسی صف پر آ کر بیٹھ گئے۔ میں بندہ

محمد عبداللہ تالاب کی جنوبی پٹری پر جو اس محفل کے قریب تھی بیٹھا ہوا تھا اور مبتدیانہ کتاب گلستان یا سکندر نامہ لے کر سبق یاد کر رہا تھا اور حضرت کے ملفوظات بھی سن رہا تھا۔

مجلس فیض میں نقالوں کا تذکرہ ہوا تو حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد ذاکر صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب یہاں ایک دفعہ نقال (نٹ) آئے انہوں نے مجرا کیا۔ گاتے بجاتے رہے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے مرشد کی تعریف سناؤں؟ دوسروں نے کہا کہ ہاں سنا۔ اس نے یہ شعر سنایا:

مرشد ندی نور دی میرے من تے برس رہی
جاگ لگی دودھ جمیا میں کیتا رب سہی

مولوی صاحب جب اس نے اپنے مرشد کی تعریف سنائی تو ان میں سے دوسرے نقال نے کہا کہ بھائی میرے مرشد کی بھی تعریف سنو میں سنا تا ہوں۔ سب نے کہا سنا۔ تب اس نے یہ شعر سنایا:

مرشد چھٹی لون دی اوتے ڈھبے پی
ایداں ہلایاں ہلے تاہیں وچے بیڑی بڈ گئی

جب حضرت غریب نواز نے مولوی صاحب کو یہ شعر سنایا تو اپنے ہاتھ مبارک کو وچے بیڑی بڈ گئی کے جملے پر زور سے زمین کی طرف جھکا دیا۔ یہ شعر سنتے ہی مولوی صاحب اللہ اکبر کا نعرہ مار کر زمین سے دو تڑاؤ پر اچھل گئے۔ پھر حضرت نے بہ پاس خاطر مولوی صاحب دوبارہ یہی شعر پڑھا اور ہاتھ کا بھی اسی طرح اشارہ فرمایا۔ مولوی صاحب بدستور سابق نعرہ مار کر اچھلے اور حضرت کے بھی آنسو امد آئے۔ میں حیران و سرگرداں ہو گیا کہ پہلا شعر تو پر مغز اور عمدہ معنی والا تھا۔ اس کے سننے پر تو مولوی صاحب کو کچھ اثر اور وجد نہ ہوا۔ اس پچھلے لغو اور پوچ شعر کے سنتے ہی ان کی یہ حالت کس لیے ہو گئی۔ میری طبیعت پہلے دن سے کچھ ایسی تھی کہ میں ہر چیز کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا تھا جب یہ مجلس برخواست ہوئی اور نماز عصر کے لیے سارے حاضرین مجلس اٹھے تو میں بغرض تجسس مولوی صاحب ممدوح کے پاس گیا اور بڑی التجا سے استفسار کیا کہ جناب! یہ کیا حقیقت ہے کہ شعر تو پہلا تھا جس کا مطلب و مقصد پر ذوق و تاثیر والا تھا۔ اس کے سننے سے آپ کو کوئی اثر نہ ہوا اور پچھلا شعر جو سراسر تمسخر و استہزا اور مزاح والا تھا۔ اس کے سنتے ہی آپ پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ میں تو حیران و ششدر رہ گیا۔ حضرت مولوی صاحب کے آنسو بہہ نکلے اور فرمانے لگے کہ صاحبزادہ صاحب! حضرت غریب نواز نے مجھے مسئلہ سمجھایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کون سا مسئلہ ہے۔ فرمانے لگے کہ مرشد کو جو ”چھٹی لون“ کی نسبت دی گئی ہے یہی تو اصل حقیقت ہے۔ مرشد کو کسی اور بھاری چیز پتھر یا سکہ وغیرہ سے مثال نہیں دی محض لون کی تشبیہ دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے مرشد کی نمک والی خاصیت ہے جو کوئی بھی اس سے ملے اس کو اپنے جیسا بنا لیتا ہے۔

ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد

دوسرا جزو اس شعر کا ہے ”اوتے ڈھبے پئی“ اس کا مقصد ہے کہ میری اپنی کچھ استعداد یا توفیق نہیں۔ یہ سب میرے مرشد ہی کی مہربانی ہے جو خود بخود مجھ پر کرم فرمادیا۔ اور یہ مصرعہ پنجابی کا پڑھا۔

”ہیر جٹی میں کون بیچاری رانجھن دی بھلیا یاں“

دوسرے مصرعہ کا پہلا جملہ ہے۔ ایذاں ہلایاں ہلے ناہیں۔ اس کا مفہوم ہے۔ میرا مرشد اتنی رحمت و بخشش والا ہے کہ اگر مجھ سے خطا سرزد ہو جائے تو وہ معاف فرماتا ہے۔ اگر میں نافرمانی بھی کروں تو وہ مہربانی ہی کرتا ہے۔ پھر مولوی صاحب نے یہ شعر پڑھے:

اصیلاں سندی دوستی تل جتنی توڑے

پکڑی دی لاج رکھن چھوڑایاں مول نہ چھوڑے

غلام محبت آل خاندان باکرم کہ یک ثواب نہ بیند صد خطا بخشند

دوسرا جملہ ہے: وچے بیڑی بڈگئی۔ یعنی مرشد کی ذات میں اپنی ذات فنا ہوگئی۔ اپنی ہستی کا نام و نشان ہی نہ رہا اور بسی بسمع و بسی ینصر کا رتبہ حاصل ہو گیا۔ مولوی محمد ذاکر گبوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت غریب نواز نے مجھے یہ مسئلہ سمجھایا ہے۔ جب میں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تشریح سنی تو سمجھ لیا ایں عبارت را معنی دیگرست۔ سچ ہے

مختلف الفاظ را معنی یکینست

محبوب سیال:

مولانا غلام بنگیر خان بجنورد نے حضرت ثالث خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ارشاد پر ان کے والد اور مرشد حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی کے حالات زندگی قلم بند کیے جو 1343ھ / 1924ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئے۔ ”ضرورت بیعت“ کے تحت لکھتے ہیں:

”رسول کا کتاب پڑھ کر ان کو سنانا، ان کا تزکیہ نفس کرنا اور پھر ان آیات کے مطالب اور ان کی حکمت ان کے ذہن نشین کرنا، تزکیہ نفس بغیر توجہ رہنما صرف اصولوں کو پڑھ لینے ہی سے نہیں حاصل ہو جایا کرتا۔ ضرورت ہوا کرتی ہے کہ عملی نمونہ آنکھوں کے سامنے موجود ہو جس سے دل، جسم، قلب، نفس سب متاثر ہوں اور مخفی طور پر ایک کشش باطنی کے ساتھ کھینچے چلے جائیں۔ مانا کہ تم ایک شخص کو پڑھا بھی سکتے ہو، اسے آدمیت بھی سکھا سکتے ہو، اسے بری باتوں سے روک بھی سکتے ہو لیکن اس میں ذوق سلیم نہیں پیدا کر سکتے۔ محبت بلکہ محبت کا احساس تک پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس میں فطرۃ یہ مقناطیسی قوت ودیعت ہوتی ہے۔“ (ص 7)

عرض حال کے زیر عنوان تصنیف کتاب کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”یہ محض فضل ایزدی اور کشش محبوب اور نیز سرآمد عاشقان و کشتگان خنجر تسلیم حضرت مولانا مولوی محمد ذاکر بگویی کی عنایات تھیں جو مجھے سیال شریف بردرد دولت آں محبوب ہارگاہ لم یزلی و بہرہ اندوز انوار ازلی و فیوضات الہی خواجہ خواجگان اشرف الاولیاء حضرت شیخ محمد الدین سیالوی لے گئیں، دولت سعادت و دیدار نصیب ہوئی۔“

”وہی تو ہے شعلہ تجلی کہ دشت ایمن سے تنگ ہو کر

جب اس نے اپنی نمود چاہی کھلا حسینوں پہ رنگ ہو کر“ (ص 22)

”..... اور نیز مولوی صاحب موصوف اس خاکسار پر نظر شفقت رکھتے رہے۔ جس سے کچھ تسلی دل ناشاد

کو ہوتی رہی اور یہ بھی آپ کا اور نیز ضیاء الملت والدین کا ارشاد تھا کہ میں حضرت غریب نواز کے ارشادات

میں یہ رسالہ تالیف کروں۔“ (ص 22-23)

غلام دستگیر بیخود مرحوم کو اگرچہ سیال شریف میں حاضری کے زیادہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تاہم ان کے

تحریر کردہ ملفوظات زیادہ تر سید العاشقین حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی روایات سے لکھے گئے ہیں:

”آپ کے اوقات گرامی توحید و عشق اور اپنے پیران عظام کے ذکر سے معمور تھے۔ حضرت اشرف الاولیاء

کے تو وہ نہ صرف مرید تھے بلکہ مراد تھے۔ اس لیے آپ کے ذکر حالات میں ان کو وہ لذت اور چاشنی ملتی تھی جو

صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔“ (ص 26)

بے خود ابتدا میں صوفیا کے زیادہ معتقد نہ تھے۔ حسن اتفاق سے انہیں حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی

خدمت میں حاضری کا موقع نصیب ہو گیا۔ حضرت کی محبوب اور پرکشش شخصیت نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہاں

حضرت کے محبوب مرشد حضرت ثانی سیالوی کے تذکرے ہوتے تھے جس سے بے خود کی آتش شوق بھڑک اٹھی۔ وہ

لکھتے ہیں:

اگر فردوس بر روئے پتال است
زمین کوئے محبوب سیال است (بیخود)

نیاز اول:

میں اول اول عجیب قسم کے شکوک و شبہات میں پھنس کر صوفیائے کرام کے مقدس گروہ سے منکر نہیں، تو بدظن تو ضرور ہو گیا

تھا اور دل میں کہا کرتا تھا:

نہ آئیں گے اب حضرت دل کسی پہ

بہت ہو چکے ہیں خراب اول اول

مگر فضل الہی سمجھئے اور میری خوش قسمتی کہ ایک روز اچانک مجھے حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی سے نیاز حاصل ہو گیا۔ آپ کا چہرہ دیکھتے ہی آپ سے کچھ انس ہو گیا اور کشش دل سے مجبور ہو کر میں گاہے گاہے آپ کی خدمت سراپا برکت میں حاضر ہونے لگا۔ آپ چونکہ ہمہ تن ذوق بن کر حضرت صاحب سیالوی کا تذکرہ اور ملاحظہ بیان فرمایا کرتے تھے، باتیں سن کر ”دولت مرا از گفتار بر خاست“۔ سیال شریف حاضر ہونے کا اشتیاق پیدا ہوا اور میں بہم رکاب آل عاشق لقائے محبوب بہ تعطیلات کرسمس 1906ء در محبوب پر حاضر ہوا اور صبح چاشت کے وقت ہمیں دولت دیدار نصیب ہوئی:

دعا: [طور پہ تو نے جو اے حضرت موسیٰ دیکھا
تو ایسی کچھ قیس نے دیکھا پس مہمل ہو کر (اقبال)]

حضرت صاحب بنگلہ شریف کے برآمدہ کے نیچے صحن میں مسندناز پر تشریف فرما تھے۔ مہر خاں نذر بردار، عثمان خاں درویش اور نیز میاں محمد دین موج اور دیگر لوگ حاضر تھے۔ مہر خاں نے عرض کیا غریب نواز مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب آئے ہیں، حضرت صاحب نے کمال عنایت سے دست مبارک پھیلا دیئے۔ مولوی صاحب نے قدم بوسی کی اور ازاں بعد ہم سب نے، بعد ازاں خود بدولت ہر ایک سے فرداً فرداً خیر و عافیت دریافت فرماتے رہے اور سراپا ناز ہو کر کمال نیاز برتتے رہے، مہماں نوازی۔ لطف و کرم، فرحت مسرت، بندہ پروری اور غربا نوازی کے آثار آپ کی کشادہ پیشانی اور فروغ چہرہ سے بخوبی نمایاں تھے۔ موج صاحب ایک قصیدہ جو حضرت صاحب کی شان میں لکھ کر لائے تھے، کھڑے ہو کر پڑھنے لگے، ارشاد ہوا کہ آپ کھڑے ہونے کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں، بیٹھ کے پڑھیں۔“ (ص 35-36)

پہلی حضوری کے باوجود ابھی تک بے خود پوری طرح گھائل نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ بوقت ظہر اور پھر رات کے وقت حاضر کی نصیب ہوئی:

معذور دارست کہ تو اور اند دیدہ (حافظ)

”نماز ظہر سے کچھ پہلے آپ باہر تشریف لائے اور برآمدہ میں تخت چوبی پر جلوہ فرما ہوئے، میاں احمد دین انگری حضوری کے لیے کچھ کباب بنا کر لائے جو آپ نے دست مبارک سے سب کو تقسیم فرمائے اور خود تو ذرہ سا اس میں سے تناول فرمایا۔ بہت دفعہ دیکھا ہے کہ ذرا ذرا سی بات میں اس شان محبوبی اور کریمی کا وہ ظہور ہوتا کہ باید و شاید۔ کوئی اچھی سی چیز از قسم طعام آپ کے لیے تیار ہو کر آتی تو خود بدولت ذرا سی کھا کر فرماتے واہ وا! بہت اچھی ہے اور سب کو تقسیم فرمادیتے۔ اور اگر کبھی عرض کیا جاتا کہ یہ خاص حضور ہی کے لیے تیار کی گئی ہے تو پھر کبھی اس میں سے اپنے لیے ذرہ بھر نہ رکھتے۔ بہ وقت شب بنگلہ شریف کے کمرہ میں حاضر ہوئے، حضور مصلے پر زو بہ قبلہ تشریف رکھتے تھے۔ مولوی محمد سعید صاحب کی ایک غزل شیخ محمد ابراہیم اور شیخ محمد حسین نے مل کر

پڑھی، حضور نے سن کر پسند فرمائی (غزل نہیں ملی) دوسری شب اس خاکسار کی مفصلہ ذیل غزل جو بہ ارشاد مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب راہ میں تیار ہوئی تھی، پڑھی گئی۔ حضور نے استفسار فرمایا کہ راہ میں لکھی گئی ہے یا یہاں آ کر، مولوی صاحب نے عرض کیا غریب نواز لکھی تو راہ ہی میں گئی تھی مگر کل پڑھی نہیں گئی۔

مولانا بے خود کی غزل یہ ہے:

پھر طلب میں پھر رہا ہے خنجر خوں بار کے ولولے دیکھے کوئی جاناں تیرے بیمار کے
ہے زیارت کی تمنا المدد! اے جذب عشق پھول لادے جنت تسلیم کی گلزار کے
ہاں نگاہ لطف ہو اے نگہ شوق آفریں ہم بھی اک ادنیٰ ملازم ہیں تیری سرکار کے
لوٹتی پھرتی ہے ہر سو سخن اقرب کی ضیاء "طور در آغوش ہیں ذرے" تیرے دربار کے
خود بنا ہے ہائے ساقی یوسف ثانی میرا
عرش پہ پاؤں ہیں بیخود آج تو مے خوار کے

ہر دو غزلیں حضرت ضیاء الامت کی بارگاہ میں بھی پڑھی گئیں۔ آپ نے فرمایا بہت عمدہ ہیں۔ (ص 38)

حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کی موجودگی اور خیر و برکت کے حوالے سے اپنی بیعت کا حال یوں سناتے ہیں:

"ہر وقت سوائے دولت سرائے میں تشریف لے جانے کے وقت دربار عام رہتا تھا۔ علماء کا جملگھا، زائرین کا ہجوم، درویشان کا اپنے اپنے کام میں لگے رہنا۔ ایک پر لطف نظارہ تھا۔ باہر سرائے میں حافظ صاحب قرآن کریم بچوں کو پڑھاتے تھے اور روضہ مبارک کے قریب مولوی غلام محمد صاحب للوی کتب عربیہ کا درس دیتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ محمد ضیاء الدین صاحب کی فرودگاہ میں علیحدہ پریشان محفلیں گرم تھیں۔ حضور خود بنگلہ شریف کے برآمدہ میں بیٹھتے تھے۔ جہاں مشتاق نگاہیں سرگرم نظارہ رہتی تھیں۔ چوتھے روز حضرت مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اطمینان ہو گیا ہو تو بیعت کے لیے عرض کیا جاوے؟ جواب میں میری نگاہ نے میری زبان سے پیش دستی کر کے عرض کیا "جی ہاں"۔ اسی روز ظہر کے بعد خدمت عالی میں عرض کیا گیا، ارشاد ہوا:

"مولوی صاحب جی! آپ ہی اس کو بیعت کر لیں۔"

انہوں نے التماس کیا غریب نواز مجھ سے اس کی بے تکلفی ہے، مجھ سے یہ بیعت نہیں کرنا چاہتا۔ 20/7/77

روضہ مبارک کی طرف ایک نظر دیکھ کر چشم پر آب ہو گئے اور کہا:

"جو کچھ بھی ہیں، وہ ہیں، میں بچار اکون ہوں۔"

اس وقت محفل میں سوز و گداز کی کیفیت چھا گئی اور پھر کسی نے جسارت نہ کی۔ شام کو پھر نزارش کی گئی ادھر اک خامشی میرے سب کے جواب میں۔ عشاء کے بعد مولوی صاحب للوی کی وساطت سے پھر قتل منصور کا

محضر نامہ پیش کیا گیا لیکن ”انسان حکم بالظاہر“ کے الفاظ سے بھی توجہ نہ ہوئی۔ دوسرے روز مولوی صاحب فرمانے لگے کہ ہم سے تو اب یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ ”ایاز قدر خود شناس“ جو کہنا ہو خود کہہ لو۔ مغرب کی اذان مسجد میں ہوئی سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت صاحب بوجہ سخت نقاہت تخت ہی پر نماز ادا کرنے کے لیے رہ گئے۔ استغراق کا عالم تھا، میں قریب ہو کر کھڑا ہو گیا، 5-7 منٹ کے بعد قبلہ رو ہونے لگے کہ معاذ جھ پر نظر پڑی، فرمایا: کون ہے؟ عرض کیا بخود۔ ”نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟“ گستاخانہ جسارت کی کہ ”کل سے اس وقت تک التجائے بیعت قبول نہیں ہوئی، نماز کے لیے کیا جاتا“ ارشاد ہوا کہ ”کیا تمہارے لیے اب کوئی اور نیا رسول آئے گا؟“ التماس کیا کہ ”جانشین رسول تو آئے گا“ فرمان ہوا ”جانماز پڑھ۔“ میں نے پھر گستاخانہ گزارش کی کہ ”خیر جس وقت طبیعت ہوئی چلا جاؤں گا۔“ اسی وقت معادل میں گزارا کہ محبوب الہی صاحب کا ارشاد مبارک ہے کہ مرید اپنے یقین سے کوئی پیر متعین کر لے اور پیر خواہ انکار ہی کرے تو وہ پیر ہو چکا اسی وقت آپ نے کہ سرنگوں بیٹھے تھے، سر اٹھایا اور فرمایا کہ ”جب کسی کو مان لیا جائے تو بیعت ہوئی۔“ میں نے عرض کیا کہ ”ظاہری رسم بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔“ فرمانے لگے ”مغرب کے بعد آجی۔“ مغرب کے بعد حاضر ہوا تو حکم ہوا کہ عشا کے بعد، میں نے دل میں کہا کہ عشق میں حرارت تو پہلے ہی نہیں تھی اور شب کی منتوں نے ذبودی رہی تھی یہ کام بنتا نظر نہیں آتا۔ لیکن عشا کے بعد خود ہی استفسار فرمایا کہ ”ایک بزرگ جالندھر سے آیا ہوا ہے، یہاں ہے یا نہیں“، مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ نے عرض کیا ”حاضر ہے“، چنانچہ مجھے قریب بٹھا کر بیعت سے مشرف فرمایا۔ الحمد للہ علی ذالک۔“ (ص 39)

نیاز دوم:

بے خود ایک شب جب حضرت ثانی ”بنگلہ میں پلنگ پر دراز تھے، بندگان درگاہ بشمول صاحبزادگان، مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولوی معظم الدین مرولوئی حاضر تھے کہ یکا یک دو کم سن لڑکوں نے دروازے کے اندر آ کر پنجابی کی ایک غزل جس کا ایک مصرع مجھے یاد رہ گیا ہے، گانا شروع کی:

”وے فقیر کر چھوڑیائی ڈھولا۔“

حضور اٹھ بیٹھے، بہت سے لوگ بھی اندر آ گئے، مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ بھی تشریف لے آئے، یہ غزل اس وقت ایسی چھٹی اور وہ لطف ہوا کہ اس قدر زمانہ گزر جانے پر بھی مجھے وہ وقت ابھی تک نہیں بھولا۔ تین دفعہ بار بار وہی غزل پڑھوائی گئی اس کے بعد تینہ توال کو حکم ہوا۔ اس نے عجب لے کے ساتھ یہ غزل پڑھی:

”دکھا دے مجھ کو جمال اپنا میں جاں بہ لب ہوں یہ نال کیا ہے“

مفصلہ ذیل شعر کا تو خوب ہی رنگ جما اور مولوی صاحب قبلہ کا بے اختیار نعرہ نکل گیا:

تمہارا رخسار حق نما ہے یہ آئینہ ہے جمالِ حق کا
 کہ جس نے دیکھا ہے تم کو صاحب، خدا کا ملنا محال کیا ہے
 دریں اثنا دوح گئے۔ حضور نے فرمایا، یارو اب جا کر آرام کرو مجھے تو لنگر شریف کا بھی کام کرنا ہے، سب لوگ
 بادل ناخواستہ اٹھ کر چلے گئے۔ (ص 42-43)

نیاز سوم:

مارچ 1908ء میں حضرت اعلیٰ کے عرس پر بے خود حاضر ہوئے تو میر و قوال نے عرض کیا:
 ”غریب نواز بے خود حاضر ہوا ہے“ آپ یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھے اور کمال شفقت سے فرمانے لگے ”بیخود تو دیر
 سے آیا ہے“ میں نے عرض کیا قصور ہوا، مسکرائے اور ارشاد کیا کہ مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب کے لیے اب کی
 دفعہ باہر خیمہ لگا دیا گیا ہے، وہیں تم بھی جاؤ۔ دوسری شب میں بنگلہ میں حاضر تھا تو وہاں روزمرہ کا معمول تھا
 کہ بمصداق:

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں
 گفتہ آید در حدیث دیگران

معمولی باتوں اور اس قسم کی حکایات میں نہایت باریک اور دقیق نکات و معارف کو بیان فرما
 جاتے اور سائل بلکہ حاضرین میں سے ہر ایک کو باطنی انوار و برکات سے مالا مال کر دیتے۔ چنانچہ قاضی محمد
 احمد صاحب نوشہروی ایک دفعہ نصوصِ احکم کے ایک مقام میں پھنس رہے تھے اور اس کی حل طلبی کے لیے مولانا
 رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ جواب ملا کہ

”عزیز من این از شطحات صوفیہ است بر این اعتماد نہ باند کرد“۔

آپ نے پھر مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کی خدمت میں عرض کیا انہوں نے لکھا:

”این از لغویات صوفیہ است بر قبول این نہ باند پرداخت“

غرضیکہ ہر طرف سے مایوس ہو کر سیال شریف حاضر ہوئے۔ حضرت صاحب غریب نواز نے کہ
 مشکوف قلوب تھے اور اور لوگوں کے ساتھ ادھر ادھر کی گفتگو ہی میں اس مقام کی تشریح فرمادی اور ان کی ایسی
 تسلی و شفایابی ہوئی کہ باید و شاید۔ (ص 43-45)

نیاز چہارم:

حضرت خواجہ غریب نواز سیالوی آنکھیں بنوانے کے لیے لاہور تشریف لائے اور بادشاہی مسجد میں قیام
 فرمایا۔ جہاں حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی بطور مدرس اعلیٰ مدرسہ حمیدیہ لاہور قیام پذیر تھے۔ اس موقع پر دور دراز سے
 مریدین و خلفاء مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوتے اور لنگر سے اپنی اپنی قسمت کے مطابق فیض یاب ہوتے۔ مولوی محمد

دین چکوڑی شریف اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی حاضر خدمت ہوئے اور چند روز ٹھہرے۔ بے خود دفتر می مصروفیات کی بنا پر صبح و شام حاضری دیتے تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے حوالے سے بے خود رقم طراز ہیں:

”روزے دیگر بہ وقت شام دولت سعادت نصیب شد، حضرت صاحب تنہا برکھٹ دراز شدہ، درویشان خدمت بہ کاروبار بیرون رفتہ۔ مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ نیز بہ بیعت غلامان لاہوری ختم خواجگان سے خواند، من نزد حضرت رفتہ اس مطلع مولینا جامی بہ خدمت عرض کردم:

بشر خوانمت اے دوست نہ حور و نے پری

زایں ہمہ بر تو حجاب است تو چیزے دگری

بہ مجرد شنیدن اس شعر برخاستہ بنشستند و بسیار ذوق گرفتند، فرمودند تو بہ کے کتاب اس شعر را دیدہ باشی، عرض کردم کہ در ملفوظات حضرت اعلیٰ دیدہ بودم، فرمودند سبحان اللہ! آہ سرد از سینہ بے کینہ بر آوردہ باز بر پلنگ دراز شدند۔ (ص 48-50)

ایک روز پھر سعادت سے بہرہ اندوز ہوا۔ عمائد شہر میں سے چند لوگ حاضر تھے۔ میر و قوال نے عرض کیا غریب نواز بے خود حاضر ہے۔ ارشاد ہوا تو کوئی غزل اپنی سنائے۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جس وقت وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے، میر و سے فرمانے لگے کہ میں بیخود کو کسی کے بیٹھے ہوئے پڑھنے کے لیے نہیں کہا کرتا۔ اب پہلے تم اس کو خود اسی کی غزل ”نہ تجھ سا پھول گلشن میں کھلا ہے جاں فزا کوئی“ سناؤ بعد ازاں یہ سنائے گا۔ چنانچہ میر و اور شبیر نے پہلے وہ غزل گائی بعد ازاں بندہ نے اپنی ایک غزل عرض کی۔ یہ شعر حضور نے بہ تکرار سنا اور پسند فرمایا:

ایک لحظہ میں تیرے دیکھے ہزاروں جلوے

کبھی پردے کو اٹھانا کبھی پنہاں ہونا

(بیخود)

ایک روز بوقت چاشت حاضر ہوا۔ مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ تشریف فرما تھے، حضرت صاحب نے

ارشاد کیا کہ اپنی کوئی غزل سناؤ۔ (ص 51-52)

بندہ نے یہ غزل عرض کی، بہت پسند فرمائی:

اے کہ مارا از تو ہر لحظہ تمنائے دگر
میں نمائی ہر زمان شان تجھ لائے دگر
ہر زمانے دلبر ما بر سر نازے دگر
دم بہ دم دلدادگان را جوش سودائے دگر
مخور وئے خویشتن آں مدوشے عاشق کٹھے
مے کند ہر سوز حسن خود تماشائے دگر
بت پرستانم چو پرسی نسبت ایمان من
راست می بینم درون لیلی لیلایے دگر

عشق آں آتش بسوزد پردہ ہائے راز را می کند پیدا بہ مصر دل زلیخائے دگر
جملہ اسباب خرد من صرف سودا کردہ ام خرقہ و دستار را ہم رہن صہبائے دگر
واعظا! کارے بکن چیزے پیرس از حاتم
بجنودم بینم بہ محفل لطف صحرائے دگر

نیاز پنجم:

والی افغانستان لاہور میں متوقع تھے۔ حضرت ثانی سیالوی پاکپتن شریف سے لوٹتے ہوئے لاہور آئے اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار پر حاضری دی۔ بجنود لکھتے ہیں:

”ورود مبارک بر مزار مقدس حضرت شاہ محمد غوث ہوا۔ صاحبزادگان عالی تبار اور درویشان صدق شعار ہر کاب تھے، مولوی محمد سعید صاحب نے ایک قصیدہ عربی میں لکھ کر نذر گزارا اور فیض محمد نے بہ الحان خوش پڑھ کر سنایا، عجب ذوق و شوق کا ہجوم تھا اور عجب سماں تھا کہ اس قصیدہ سے پیدا ہوا۔ حضور نے پسند کیا اور استحسان فرمایا، (قصیدہ نہیں ملا) شام کو آپ مزار مبارک کی چار دیواری کے اندر تشریف لے گئے، وہاں یکا یک مولینا مولوی عبدالعزیز بگویی کو عین مزار کے سر ہانے کھڑے کھڑے وجد ہو گیا، دوسرے روز خود ہی انہوں نے مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ سے بیان کیا کہ وجہ یہ ہوئی کہ میں نے دیکھا حضرت غوث صاحب دست بستہ حضرت اشرف الاولیاء کے سامنے کھڑے ہیں اور کمال نیاز برت رہے ہیں۔ چند ایک اہل دل لوگوں سے میں نے سنا کہ لاہور اس دفعہ آپ خاص کام پر مقرر ہو کر تشریف لائے ہیں وہ کار خاص کیا تھا، میں لکھنا نہیں چاہتا۔ خلقت کا ان دنوں سخت اثر دھام رہا۔ محرم کی دسویں تاریخ کہ شیعہ صاحبان دلدل نکالتے ہیں۔ آپ سہری مسجد میں تشریف لے گئے اور وہیں آپ نے ان لوگوں کو ماتم کرتے دیکھا۔ آپ بھی زار و قطار روتے رہے، کسی نے رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ یارو کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے، میں روتا ہوں بس، اور روتا کیوں ہوں، اس کا کوئی جواب نہیں، خاکسار عرض کرتا ہے کہ آواز تفسیر کی محتاج نہیں ہوا کرتی، واللہ اعلم بالصواب“۔ (ص 52-53)

۱۷۷

تیرنگاہ:

بے خود صبح سویرے رخصت طلبی کے لیے حاضر ہوئے۔ جب چہرہ مبارک کی طرف نظر کی، عجب لطافت اور سوز کا تماشہ دیکھا۔ اگرچہ آپ بار بار فرما رہے تھے مجھے کچھ نظر نہیں آتا اور میری نظر بڑی کم ہو گئی ہے، مگر وہ نگاہ ناز جو آنکھوں سے اٹھ اٹھ کر سینہ کے پار ہوئی جاتی تھی، زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ میری جلوہ گاہ میں کوئی نظارہ ضرور

کہتی ہے عاشقوں سے سر بزم ان کی آنکھ
میری طرف نہ دیکھے کوئی، اک بلا ہوں میں (بیخود)
مولوی محمد سعید صاحب (زین پوری) کو جو لطف آیا تو پکار پکار کر کہنے لگے:
آج تیرنگاہ تو سینے کو چھیدتا جا رہا ہے! مولوی (محمد ذاکر بگویی) صاحب قبلہ فرمانے لگے:
”جی ہاں وہ نگاہ تو آج سب کو کاٹتی چلی گئی ہے!“ (ص 59-60)

عنایات خاص:

بے خود نے حضرت ثانی سیالوی کے دو واقعات کا ذکر کیا ہے جب ایک بار حضرت سلطان باہو کے مزار
پر خانقاہ کے ایک درویش نے پیران چشت اہل بہشت کی نسبت نہایت گستاخانہ کلمات بلکہ مغالطات استعمال کیں،
آپ نے اسے دبوچ لیا اور خوب پٹائی کی۔ واپسی پر دریا عبور کرتے ہوئے ایک شیعہ نے سیدنا صدیق اکبر کی شان
میں آستانی کی، غیرت اور محبت کے جوش میں آپ نے اس گستاخ کو پٹخنی دے کر کشتی میں گرا لیا اور زبردست مرمت
کی۔ (ص 61-62)

”مولوی (محمد ذاکر بگویی) صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ میں نے خود آپ سے سنا ہے کہ میں
پیران عظام کی عنایات کو ان ہر دو واقعات کے سبب اب تک اپنے شامل حال دیکھتا ہوں۔
اور کیوں نہ ہو؟ یہ سب کچھ محض خالصتاً و مخلصاً اللہ کے لیے تھا اور ان میں نفس کی آمیزش ہرگز
نہ تھی۔“

علامہ دستگیر خان بیخود مزید لکھتے ہیں:

”مولوی محمد یحییٰ (بگویی) خود حضرت صاحب کی زبانی بیان کرتے تھے کہ ہم نے تو نہ تسبیح
پڑھی، نہ وظائف ادا کیے اور نہ نوافل، ہمیں تو ہنستے کھیلتے مل گیا۔“
نیز مولوی (محمد ذاکر بگویی) صاحب قبلہ سے ہی سنا کہ ایک دفعہ کسی موقع پر آپ نے حضرت
صاحب اعلیٰ کی خدمت میں عرض کیا:
”غریب نواز! مجھ سے نہ تو لمبی لمبی تسبیحات پڑھی جاسکتی ہیں اور نہ طول و طویل وظائف، مجھ
پر تو مہربانی ہی کی نظر رکھیے گا۔“

حضرت صاحب مسکرائے اور کمال عنایت سے فرمانے لگے:

”نماز تو کبھی نہ چھوڑنا، اور اس کے علاوہ اور جو کچھ بھی ہو سکے کیے جانا،
سائیں کا سایہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے سر پر رہے گا۔“

بیداری قلب:

دوران خواب میں آپ کا دل اکثر بیدار رہتا اور خرائے لیتے لیتے آپ حاضرین کی باتوں کا جواب دیتے رہتے۔ مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب سے یہ بھی میں نے سنا کہ آپ اکثر باتیں سوتے سوتے سن لیتے اور شافی جواب ان کا دیتے۔ مولوی (محمد ذاکر بگوی) صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ کے قریب جب کہ آپ خواب میں تھے، میر و قوال نے آہستہ آہستہ کچھ گانا شروع کیا۔ اس کی ایک جگہ تلفظ کی غلطی کو درست فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”سُر بھرنے کے ساتھ بیچ میں تو مومنوں میں کیا کیا کرتا ہے؟“ (ص 65)

”مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سیال شریف میں حاضر ہو کر سوائے فرض کے کبھی کچھ نہیں پڑھا۔ بلکہ وظائف پڑھنے سے تنزل واقع ہو جاتا ہے اور ان کے ترک کرنے سے طبیعت پر نحوست کبھی نہیں پڑتی۔“ (ص 65)

استغراق:

بے خود بیان کرتے ہیں:

”مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بر موقع عرس مبارک حضرت صاحب اعلیٰ کے حضور میں حاضر تھا اور آپ مستغرق بیٹھے تھے کہ میاں ملوک علی درویش نے لنگر شریف کے متعلق کسی بات کا حضور سے استفسار کیا، اس عالی ہمتی سے جو آپ کی طبیعت میں ودیعت تھی آپ نے اس علو درجہ سے تنزل فرما کر اسے کچھ ہدایات فرمائیں اور بعد ازاں ارشاد کیا کہ ایسے وقت میں مجھے نہ بلایا کرو۔ ایک دفعہ جب کہ آپ لاہور شریف فرماتے بر مزار مبارک حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری حاضر ہوئے، واپسی کے وقت جب آپ گازی میں سوار ہوئے تو مولوی صاحب قبلہ بھی ہمراہ تھے، احمد مختار پاندان پر کھڑا ہو گیا، مولوی صاحب قبلہ نے عرض کیا غریب نواز اس لڑکے کی طبیعت پہلے کچھ فرقہ مرزائیہ کی طرف راغب تھی، مگر آپ کی عنایت سے خدا نے فضل کیا، استغراق غالب تھا، کمال ناز اور جوش سے ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

”بند را بن میں گوواں چرائے“

مگر معاً تنزل فرما کر تبسم کے ساتھ کہنے لگے:

”جی ہاں مگر صراط مستقیم اور غیر مستقیم میں بھی تو فرق ہوا کرتا ہے، اور خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو صراط مستقیم

پر چلنے کی توفیق ملے۔“

اور سینے بسا اوقات ”کلمنی یا حمیرا“ کا سا معاملہ ہوتا۔ آپ لاہور تشریف فرما تھے اور شاہی مسجد میں قیام تھا ایک روز جو شام کے قریب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ سرنگوں ساکت و خاموش بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا فرمانے لگے کون ہے، التماس کی غریب نواز، غلام دستگیر، آپ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید سمجھے نہیں، کہ اتنے میں میاں محمد نصیر درویش نے عرض کیا۔ غریب نواز بیخود ہے۔ معاً آپ نے نظر اوپر اٹھا کر جسم سے فرمایا: یوں کیوں نہیں کہتے؟ بعد ازاں سلطنت انگلشیہ کی بہت سی باتیں مجھ سے دریافت فرماتے رہے، مثلاً وزیر ہند کا کیا کام ہے، پارلیمنٹ میں کتنے ممبر ہوتے ہیں، وائسرائے کا تقرر کون کرتا ہے وغیرہ۔ میں جواب عرض کیے جاتا تھا اور آپ سر جھکائے سن رہے تھے، اور جی ہاں جی ہاں فرما رہے تھے کہ آپ نے پھر پوچھا، ان کی سلطنت کو کیا کہتے ہیں؟ میں نے جلدی سے عرض کیا، غریب نواز جمہوری، فرمانے لگے نہیں یہ تو نہیں، میں نے پھر عرض کیا آئینی، پھر کچھ سوچنے لگے کہ میں نے پھر کہا پارلیمنٹ کی، لیکن پھر کچھ ارشاد نہیں کیا، سبحان اللہ! یہ استغراق تھا، خود فراموشی تھی یا ہوشیاری:

جائی تو درندی و جام و سے و مستی
راہ و رسم مردم ہوشیار چہ دانی

(ص 66-67)

تواضع اور وسیع الظرفی:

بے خود مولانا محمد ذاکر بگویی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”وصال مبارک سے تھوڑا عرصہ پیشتر آپ اسی کان کی زحمت میں اپریشن کے لیے چھاؤنی شاہ پور تشریف لے گئے، اپریشن ہو گیا لیکن درد کو افاقہ نہ ہوا۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ کو ہیضہ ہو گیا اور ایسا سخت کہ کئی کئی گھنٹہ تک بے ہوشی رہتی اور اسہال پنے درپے آتے رہتے۔ چار پائی کاٹ دی گئی کہ عین اسی حالت کے دوران میں پیر مہر علی شاہ صاحب حاضر ہوئے، حضرت صاحب نہایت ہشاش بشاش اٹھ کر بیٹھ گئے اور بازو پھیلا دیئے اور بڑے سوز سے فرمانے لگے:

”پیت کا وعدہ کر کے پیاب پیت نباہنا چھوڑ دیا“

ہر دو حضرات آنکھوں میں آنسو بھر لائے، پیر صاحب نے قوال کو اشارہ کیا، اس نے غزل شروع کی، لیکن بہ سبب ضعف کے حضرت صاحب کو غش ہو گیا اور اسہال تیز شروع ہو گئے۔ پیر صاحب کے مشورہ سے جملہ خدام حضرت صاحب کو لے کر سر شام کشتیوں پر سوار ہو لیے۔ بے ہوشی کا وہی عالم تھا اور خاکساران درگاہ کی گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن آپ نے اپنے معمول کے وقت یعنی صبح کا ذب سے پیشتر آنکھیں کھولی

اور پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں، حال عرض کرنے پر ہر ایک کا نام لے کر پوچھتے رہے، پیر صاحب کی نسبت بھی استفسار فرمایا۔ بعد ازاں دریافت کیا کہ سب لوگوں نے کھانا بھی کھایا یا نہ، مہر خاں درویش نے عرض کیا، غریب نواز ایسے وقت ہمیں کھانے کی کیا سوجھتی۔ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے:

”تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ ہیضہ کا مریض جانبر نہیں ہو سکتا، مجھے تو بالکل خیریت ہے اور ابھی کچھ عرصہ باقی ہے۔“

● رشتہ داروں سے مروت کے ساتھ سلوک کرتے اور ان کی تیز باتوں کا بھی برانہ مانتے۔ مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں خدمت میں حاضر تھا کہ آپ ایک رشتہ دار سے معاملات اراضی کے تصفیہ کے متعلق بات چیت کرنے لگے، اثنائے گفتگو میں وہ شخص ذرا تیز ہو گیا اور گستاخانہ کلمات کہنے لگا۔ مجھے نہایت برا معلوم ہوا، آپ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے:

”مولوی صاحب جی! اگر آپ کو برا معلوم ہوتا ہے تو آپ یہاں سے تشریف لے جائیں، ہمارا ان کا تو روز کا جھگڑا ہے۔“

شرف انسانی:

”ایک دفعہ کسی نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی خدمت اقدس میں آپ کی شکایات لکھیں کہ ”میاں محمد الدین صاحب سیالوی میں چند ایسے عیوب پائے جاتے ہیں جو لائق سجادہ نشینوں کے نہیں آپ ان کو تنبیہ کریں، اول یہ کہ جب کبھی گاؤں میں یا اس علاقہ میں کوئی شخص مرجاتا ہے، تو وہ خود تعزیت یا فاتحہ کے واسطے چلے جاتے ہیں، اس میں ایک طرح کی بتک ہے، دوسرے یہ صاحب اپنے والد کے خلیفہ کی قبر کو بوسہ دیتے ہیں، یہ اچھا نہیں، اپنے گھر کے غلام کی قبر کی ایسی عزت نہیں کرنا چاہیے، اس میں اپنی کسر شان ہوتی ہے۔“

حضرت خواجہ بلند شان نے اس کا غذائی دوسری طرف اس نام خط کا یہ جواب لکھ کر:

”میاں کوئی! خدا تجھے ہدایت دے۔ یہ جو تو برائی سمجھتا ہے یہی تو وہ خوبی ہے جو ہر ایک مسلمان میں ہونی چاہیے۔“

حضرت صاحب کے پاس سیال شریف بھیج دیا اور ارشاد فرمایا کہ کاتب کا پتہ لگا کر اسے میرا جواب پہنچا دیا جائے۔ حضرت صاحب کو رقت ہوئی اور فرمانے لگے خدا بھلا کرے، میرے اور عیوب حضور میں لکھتا تاکہ آپ توجہ فرماتے، کچھ مدت بعد آپ کو کاتب کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اسے جتایا نہیں۔“ (ص 71-72)

خواب:

آنکھوں کے علاج کے لیے حضرت ثانی سیالویؒ نے شاہی مسجد لاہور میں قیام فرمایا، ڈاکٹر پیری پرنسپل لاہور میڈیکل کالج معالج تھے۔ اس نے سفید موتیا کا بزرگیہ اپریشن علاج کیا اور چپ چاپ سیدھے لیٹے رہنے کی

ہدایت کی۔ مگر آپ نے میر و قوال سے یہ گانا سنا: ع

”سارا جہان تیرے جہاز چڑھیا، خیال کے پار اتار محمد“

علاج کی تفصیل کے بعد بے خود لکھتے ہیں:

”صبح کے وقت جو مولوی محمد ذاکر گبوی صاحب قبلہ حاضر خدمت ہوئے، تو آپ ان سے فرمانے لگے ”مولوی صاحب جی! تھوڑی دیر کے لیے جو میری آنکھ لگی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحبزادہ صاحب تونسوی پانی کے ایک تالاب پر از آب میں ہیں اور باہر نکلنا چاہتے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یار و کوئی میرا ہاتھ پکڑو، میں کنارے پر کھڑا ساتھیوں سے کہہ رہا ہوں، جلدی کرو، حضور کا ہاتھ پکڑ لو، وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ خود کیوں نہیں پکڑتے اور ہم سے کہہ رہے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں کہ میری آنکھ خراب ہے اور زور لگانے سے آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس پر صاحبزادہ صاحب میری طرف دیکھ کر فرماتے ہیں، واہ جی آپ جیسے آشنا بھی نفرت کرنے لگے، پھر مجھ سے نہ رہا گیا اور آنکھوں سے پٹی اتار کر پھینک دی اور یہ کہہ کر کہ:

”سب تن من جان پیا سے واری“

آگے بڑھ کر حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور آپ کو تالاب سے باہر نکال لیا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد پھر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اسی اضطراب کی حالت میں مولوی صاحب کو ارشاد ہوا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ، انہوں نے عرض کیا کہ کل میں نے ایک کتاب مشتمل بر وقائع جہانگیری میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ اس کے دربار میں قوالوں نے یہ شعر گایا:

ہر قوم را است راہے دینے و قبلہ گاہے

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے (خسرو)

بادشاہ نے دریافت کیا کہ یہ شعر کس نے کہا ہے؟ اور کس موقع پر؟ ایک امیر جو ظاہر میں دنیا دار اور باطن میں اہل دل سے تھا، آگے بڑھا اور نہایت ذوق سے بیان کرنے لگا کہ ایک دفعہ حضرت نظام الملئۃ والدین محبوب الہی دریاے جمنا کے کنارے سر پر کلاہ کج پہنے سیر کے لیے تشریف لے گئے اور ہندوؤں کو پوجا پاٹ کرتے دیکھ کر امیر خسرو سے فرمایا:

ہر قوم را است راہے دینے و قبلہ گاہے
22 کا
23 ک
امیر نے آگے بڑھ کر خاک بوسی کی اور دوسرا مصرع فی البدیہہ عرض کیا:
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

امیر مذکور یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اسی شاہی مجلس میں فرط ذوق و شوق سے جان بحق تسلیم ہوا۔ جب مولوی صاحب یہ حکایت عرض کر چکے تو آپ کو سخت رقت ہوئی اور کمال ذوق پیدا ہوا۔ اتنے میں پیری صاحب آگئے

اور یہ کیفیت دیکھ کر سخت ناراض ہوئے، آپ ہنسنے لگے اور فرمانے لگے۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی آنکھ بگڑی تو نہیں ہوگی، اس نے پٹی کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقعی حیرت ہے کہ زیادہ خراب نہیں ہوئی، لیکن آپ ان سب خن گو لوگوں کو اپنے پاس سے نکال دیں، فرمانے لگے خیر ہے آپ فکر نہ کریں۔“ (ص 79-80)

محافل سماع:

”ایک بار بر موقع عرس مبارک محبوبین، مولوی محمد یحییٰ بگویی صاحب جو وہاں حاضر تھے، فرمانے لگے کہ محفل میں جب خسرو کی یہ غزل پڑھی گئی، آنسو فدا ہو ہو کر رخسار پر بہنے لگے، آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چہرہ مبارک نہایت کشادہ ہو گیا:

عزم سفر چوں کردی ساجن نیناں نیند نہ آئے رے
قدر وصال نہ دانستم تجھ بن برہوں ستائے رے
قوس دو ابرو، تیر دو دیدہ، بر جگرم ناگاہ رسیدہ
کشتہ خود را باز نہ دیدہ، ایسے بان نہ لاؤ رے
من بہ فراق جوگی وہساں کنوچ مندرائ گل وچ کیساں
گشت کنم سن دیس بدیاں ساجن بھچیا پائے رے

غزل تو ختم ہو گئی مگر آنسو جاری رہے۔ بار بار فرماتے تھے، واہ واہ امیر اور سوز دروں کا حظ اٹھاتے تھے۔ بہت عرصے تک یہی غزل سنتے رہے اور ہر بار تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو سوز ہوتا تھا: (ص 84)

دریا رود از چشم لب تر نشود ہرگز

اس طرفہ تماشا میں تشنہ است بہ آب اندر (چراغ دہلوی)

● ایک بار آپ پاک پتن شریف سے واپس ہوتے ہوئے لاہور میں شاہ محمد صاحب غوث قیام فرما ہوئے۔ ایک شب آپ تو بہت جلد پلنگ پر دراز ہو گئے اور مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ نے اسی کمرے میں عین آپ کے سر ہانے، میر و اور شبیر قوالاں کو بلا کر سماع شروع کرادیا۔ مزا میر نالہ کرنے لگے اور رنگ محفل خوب گرم ہوا، میں نے آپ کی طرف دیکھا۔ نہ اضطراب تھا نہ سکون، نہ تحیر، چپ چاپ لیٹے رہے مگر آہ چپ چاپ بھی تو نہیں تھے، خدا جانے کہاں تھے کیا

کر رہے تھے، ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ راگ ہوتا رہا اور آپ سنتے رہے، لیکن اللہ جل شانہ ہی کو خبر ہے کہ کس طرح سنتے رہے۔ خوب یاد آیا، ایک دفعہ حضور محبوب الہی کی محفل سماع میں شاہ رکن عالم بھی تشریف فرما تھے۔ محبوب پاک بحالت وجد کھڑے ہوئے تو رکن عالم صاحب نے پکڑ کر آپ کو بٹھا دیا اور دوسری دفعہ پھر آپ کھڑے ہوئے اور پھر انہوں نے بٹھا دیا۔ تیسری بار جب آپ نے قیام فرمایا تو شاہ صاحب نے ایک کونے میں ہو کر نوافل کی نیت باندھ لی۔ کسی نے دوسرے روز شاہ صاحب موصوف سے اس عجیب واقعہ کی نسبت عرض کیا، فرمانے لگے کہ پہلی دفعہ جب آپ کھڑے ہوئے تو ملکوت میں تھے، دوسری بار لاہوت میں لیکن تیسری دفعہ تو میں نے ہر ایک جگہ ڈھونڈا، حتیٰ کہ لامکاں میں بھی، مگر آپ کہیں نہیں تھے۔

آہ کجائی امیر بیاد بگو:

توئی در ملک جاں خسرو۔ چہ خسرو۔ خسرو خوباں
 بود نخل قدت فتنہ۔ چہ فتنہ۔ فتنہ دوراں
 دمانت غنچہ باشد، چہ غنچہ، غنچہ دلکش
 چہ دل کش، خرم چہ خرم، خرم خنداں
 جمالت مجمع باشد، چہ مجمع، مجمع خوباں
 چہ خوبی، خوبی یوسف، چہ یوسف، یوسف کنعان
 (ص 85)

● ایک بار بنگلہ مبارک میں محفل سماع منعقد ہوئی، آپ مولانا محمد عبدالعزیز بگویی سے فرمانے لگے کہ آپ اپنے ڈیرے جائیں، یہاں مزا میر و چنگ و رباب کی محفل ہے، مولوی صاحب نے عرض کیا کہ غریب نواز ہم بندگان درگاہ ٹھہرے ہمیں بھی اجازت ہونی چاہیے۔ فرمانے لگے، آپ منتی و تشریح و متدین عالم ہیں، لوگوں پر آپ کی روش کا برا اثر پڑے گا۔ وہ تو چلے گئے اور مجلس آراستہ ہوئی، آپ نے دروازہ پر ایک درویش کا پہرہ لگا دیا اور اسے فہمائش کر دی کہ کسی مولوی کو اندر نہ آنے دینا، لیکن عاشقان بیدل کو کب چین آسکتا تھا:

اے کہ می گوئی ہلا لے بعد ازیں بیدل مشو
 دل چہ کار آمد مرا بگزار تا بے دل شوم
 ایک دو منچلے اندر آ ہی گھسے اور لوگوں کے پیچھے چھپ کر ایک کونے میں جا بیٹھے۔ آپ نے سر اٹھایا تو مولوی محمد ذاکر بگویی کو بہ معہ ایک اور مولوی صاحب کے بیٹھے ہوئے دیکھا، دربان کو بلا کر فرمایا کہ تمہیں تو ہدایت کی تھی کہ مولوی صاحبان کو اندر نہ آنے دینا۔ کیا وجہ ہوئی کہ مولوی آگئے۔ اس نے عرض کیا غریب نوازی یہ مسکین بے چارہ کس کس کو روکے۔ ارشاد ہوا، خیر آئندہ اگر کوئی مولوی آئے تو اس سے کہنا کہ کنجر ہو تو اندر جاؤ ورنہ اٹلے پاؤں واپس چلے جاؤ۔ سماع شروع ہوا اور قوالوں نے پنجابی کی یہ نعت گائی:

دے خبر عرب دی وائے نی شاہ عربی کیوں چر لائے نی
 مولوی عبدالعزیز صاحب چا چڑی سلمہ اللہ تعالیٰ کو سخت وجد ہوا۔ ڈاڑھی کے بال بالکل آگے کو سیدھے کھڑے ہو گئے اور آنکھیں انکارے برسائے لگیں۔

غرضیکہ حضرت صاحب کی سماع کی محفلیں، نہایت حیرت انگیز تھیں اور ہمیشہ رہیں، نہ مزاتھا، نہ بدمزگی، ایک کیفیت تھی۔ اذواق سلیمہ و اشواق صحیحہ سے لبریز، اور حس و ادراک تھا، فہم و دانش سے بالاتر۔ جس وقت ”برون و درون یک شدند“ کا معاملہ ہو جاتا تھا اور یہ اکثر ہوتا تھا، تو یہ کیفیت ساری محفل پر چھا جاتی تھی اور ذوق و شوق، اضطراب و سکون خود لہلہ ہو کر محفل میں لوٹ جاتے تھے اور محفل کو لہلہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ وہ کیفیت اضطراب و وجد پیدا ہوئی کہ آپ کی حفاظت وغیرہ کے لیے بھی کوئی درویش ہوش میں نہ رہا۔

اگر ایک طرف سماع اضطراب و نالہ و فریاد کو پہلو میں لیے بیٹھا ہے، تو دوسری طرف فرحت و بسط و شاد کامی سے بھی ہم آغوش ہے۔ اگر اس طرف اس میں تفکر و یاس و امید و سوز و گداز ہے تو ادھر تخیل و تحیر و سکوت بھی ہے۔ کہیں ہنسی ہے اور کہیں رونا، کہیں حجاب ہے اور کہیں بے حجابی اور پردہ سوزی، لیکن تفریح کہیں نہیں۔“ (ص 86) ۱

کشف و کرامات:

واقعہ یہ ہے کہ صوفیا کرام کا وسعت اخلاق، غربانوازی، عطا و ایثار، فتوت و مروت، عزم و استقامت، مہر و

وفا، عشق و محبت، علم و عمل، علو ہمتی، پابندی شریعت، خلق سے محبت، مخلوق کی خدمت و رہنمائی۔ یہ ان کے عظیم کارنامے ہیں۔ تاہم مولوی محمد سعید زین پوری کی بیاض سے بے خود درج ذیل روایات صحیحہ نقل کرتے ہیں:

● ”مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ بائیں آنکھ بند کیے بیٹھے ہیں۔ میں نے اس سے پیشتر مقربان بارگاہ سے سنا ہوا تھا کہ یہ کسی خاص مقام کا نشان ہے۔ اور یہ بھی صحیح روایت ہے کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ بھی کبھی کبھی اس چشم مبارک کو بند فرمالتے تھے اور حضرت خواجہ الہ بخش تونسویؒ کی زیارت سے تو خود بھی مشرف ہوا ہوں اور اس حالت کو چشم خود دیکھا ہے۔ چنانچہ جب میں نے اپنے حضرت غریب نواز کو اسی طرح دیکھا تو دل میں خیال کیا کہ یہ بھی اسی نعمت متوارثہ کا اثر ہے کہ آپ نے بھی وہی آنکھ بند کی ہوئی ہے۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ حضور نے دست مبارک سے چشم جادو فریب کو کھول کر میری طرف دیکھ کر فرمایا:

”مولوی صاحب میں نے تو یہ آنکھ اس لیے بند کی ہے کہ مجھے اس سے کچھ نظر نہیں آتا“:

(ص 102-92)

کہتی ہے عاشقوں سے سر بزم ان کی آنکھ

میری طرف نہ دیکھے کوئی اک بلا ہوں میں (بیخود)

● نیز مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ”ایک بار جب مجھے پاک پتن شریف حاضری کا اتفاق ہوا تو دیوان صاحب کو دنیا دارانہ وضع سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھ کر میرا دل ان کی قدم بوسی کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ حضرت صاحب نے جو وہیں تشریف فرما تھے پیر مہر علی شاہ کے کان میں کچھ فرمایا جس پر پیر صاحب نے اپنے خادم سے روپیہ لے کر حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا، جسے آپ نے لے کر مجھے دیا، میں نے سمجھا کہ اس سے یہ ایما ہے کہ میں یہ روپیہ لے کر دیوان صاحب کی خدمت میں نیاز حاصل کروں۔ میں نے ایسا ہی کیا اور بعد ازاں دیکھا کہ حضرت حافظ صاحب تونسویؒ تشریف لائے اور گلے مبارک میں کپڑے ڈالے بڑے عجز سے قدم بوس ہوئے۔ دیوان صاحب نے کمال شفقت سے پوچھا ”خیر ہے“ غریب نواز، حضرت حافظ صاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ”حضور کی خیریت چاہتا ہوں“۔

یہ سماں دیکھ کر مجھے بڑا حظ آیا اور میں نے اپنی سابقہ نامناسب حرکت پر اپنے آپ کو بڑی ملامت کی۔“

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب موصوف فرماتے ہیں: ”ایک دفعہ ایک سفر میں کسی غلام نے ضیافت کی، اور جو کچھ سامان تھا پکا کر خدمتِ اقدس میں لا حاضر کیا۔ حضور بدستِ خاص تقسیم فرمانے لگے دریں اثنا میاں احمد زوج مائی بانو مرحومہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے تو مچھلی کے کباب چاہیے۔ حضور نے بلا توقف نکال کر سامنے ڈال دیئے۔ حضرت مولوی محمد نصیر چاچڑی فرماتے ہیں کہ اس دعوت میں میں بھی حاضر تھا۔ مجھے خیال آیا کہ گوشت کا خشک کباب ہو تو کیا اچھا ہو۔ اس خیال کا دل میں آنا ہی تھا، کہ حضور نے معاً کباب کا بھر طبق مجھے عطا فرمایا۔ غرضیکہ سب نے کچھ نہ کچھ ضرور مانگا اور آپ نے عطا کیا۔ آخر میں بڑے جوش سے فرمانے لگے کہ جو چیز کسی کو پسند ہو مانگے انشاء اللہ موجود ہو جائے گی۔ میاں احمد کو بالخصوص ایک دو دفعہ فرمایا کہ اس وقت جو کچھ مانگنا ہو، مانگ لو، بعد کا میں ذمہ نہیں لیتا۔ لیکن پھر کسی نے کچھ نہ مانگا۔“ (ختم شد روایات بیاض سعیدی)

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بنگلہ میں حاضر ہوا، آپ ایک مولوی صاحب سے کھانوں کی نسبت تذکرہ کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ میری طبیعت کدو سے بہت گھبراتی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو تو کدو سے بہت رغبت تھی، اور آپ اس سے نفرت فرما رہے ہیں، حضرت صاحب نے معاً ان مولوی صاحب سے پھر مخاطب ہو کر فرمایا

”مولوی صاحب جی! میں تو اپنی طبیعت کا نقص بیان کر رہا تھا نہ کہ کدو کی برائی۔“

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ اوائل زمانے میں جب کہ میں طلب علم میں مصروف تھا، ایک روز مجھے سخت بے چینی ہوئی اور کشش سیال شریف طبیعت پر غالب آئی۔ حضرت قبلہ والد صاحب کی خدمت میں عرض کیا، مگر آپ نے اجازت نہ فرمائی۔ میں اسی حالت اضطراب میں حجرے کا دروازہ بند کر کے لیٹ گیا اور روتے روتے سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ خلقِ خدا انبوه در انبوه ایک طرف کو جا رہی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا، تم

لوگ کدھر جا رہے ہو؟ کہنے لگے رسول کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے ہیں اور ہم زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا زہے نصیب! اور ساتھ ہولیا۔ آگے جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑی فراخ مسجد ہے صحن میں لوگ قطار در قطار اڑدھام کیے کھڑے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کدھر تشریف فرما ہیں رسول خدا ﷺ؟ جواب ملا کہ رسول اکرم تو اب اس ظاہری بینت میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے یہ آپ کے جانشین حضرت صاحب سیالوی ہیں۔ میں نے جھک کر دیکھا کہ اپنے حضرت صاحب تشریف فرما ہیں بہت حظ پیدا ہوا، اور فوراً ہی میری آنکھ بھی کھل گئی۔ ادھر سے اسی وقت میرے والد صاحب تشریف لائے اور بغیر میرے عرض کے مجھے خرچ وغیرہ دے کر فرمایا: ”جاؤ سیال شریف“۔

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ اپنے والد مولانا مولوی عبدالعزیز بگویی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بر موقعہ عرس مبارک حضرت صاحب اعلیٰ، میرے دل میں بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ یہ حضرات جو جانشین رسول مقبول ﷺ سجادہ کرامت پر تشریف فرما ہیں، سنت کے مطابق ضرور ہی بیٹھتے ہوں گے اور چل کر حضرت صاحب کو دیکھوں کہ آپ اس وقت کس نشست سے بیٹھے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میں معاً اٹھا اور دیوار کی دوسری جانب اس سائبان کی طرف جہاں آپ جاں نثاروں کے ایک جم غفیر کے ساتھ تشریف رکھتے تھے، گیا۔ بڑے بڑے فضلاء اور علما حاضر تھے، میں نے جھک کر لوگوں کے بیچ میں سے دیکھا اور حالانکہ آپ اور طرف دیکھ رہے تھے مگر فوراً آگے کو جھک کر میری طرف دیکھا اور فرمایا

”مولوی صاحب جی! میں اچھی طرح بیٹھا ہوں، آپ جا کر اپنا کام کریں۔“

● مولوی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک بار عرس شریف کے موقعہ پر اس مہ بے حجاب کے گرد گرد نظر بازوں کا جمگھٹنا ہو رہا تھا، اور خود بدولت بار بار گھبرا کر فرماتے تھے، بھائیو مہربانی کرو۔ جاؤ، بہت دیکھ چکے۔ مجھے لنگر کا بھی کام کاج کرنے دو۔ زائرین اٹھنے میں نہیں آتے تھے، بلکہ لحظہ بہ لحظہ بجوم اور بڑھتا جاتا تھا۔ آخر ایک دفعہ فرمانے لگے، یارو، جاؤ اور پیہ صاحب مٹھائی بانٹ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ اٹھ اٹھ کر ادھر جانے لگے۔ چنانچہ میں بھی اٹھا اس خیال سے کہ دیکھوں پیر صاحب کیسی مٹھائی تقسیم کر رہے ہیں، وہاں پہنچا تو

حضرت موصوف ”بنائے عالم ہمہ بہ محبت است“ کے مضمون پر نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرما رہے ہیں، میں نے سمجھا کہ یہی شیرینی تھی جس کا آپ نے ذکر فرمایا:

۳۰۶

۲۴۲

۲۶۷

238 | از منطق و از حکمت جز عشق نہ فہمیدم

چنداں کہ نظر کردم شب ہا بہ کتاب اندر

● مولانا عبدالعزیز بگویی نے جب کہ آپ حضرت صاحب کے ہمرکاب پاکستان

شریف سے واپس لاہور آئے تھے، فرمایا کہ میں برسر مرقد مبارک جناب باوا صاحب حاضر

ہوا۔ لیکن ادھر کمال بے رغبتی دیکھ کر میں مغموم سا آپ کے پاس نظامی برن واپس آیا۔ مجھے

دیکھتے ہی فرمانے لگے، ”مولوی صاحب چلو تو مجھے بھی زیارت کرا لاؤ۔“ چنانچہ میرے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر خراماں خراماں ادھر کو روانہ ہوئے۔ صاحبزادہ محمد امین صاحب نے

آگے بڑھ کر عرض کیا، غریب نواز مولوی صاحب تو بہت کمزور و ضعیف ہیں، آپ میرے

کندھے پر ہاتھ رکھ لیں، یہ سن کر آپ نے مجھے زور سے پینا لیا اور فرمایا: ”ان کو تو میں ہرز

نہیں چھوڑوں گا۔“ چنانچہ اسی طرح برسر مزار مبارک پہنچ کر مجھے فرمایا کہ یوں اور یوں قدم

بوسی کرو، میں نے ویسے ہی کیا، پھر تو ایسی عنایات کا ظہور جناب باوا صاحب کی طرف سے ہوا

کہ زبان اس کے بیان سے عاجز ہے، اور اب تک وہ توجہ شامل حال ہے۔

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ الہ بخش

تونسوی نے آپ سے، جب آپ تو نسہ شریف حاضر ہوئے، فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ

اجمیر شریف حاضر ہوئے ہیں یا نہیں، عرض کیا غریب نواز میرے لیے تو یہی اجمیر شریف ہے،

لیکن وہاں حاضر نہیں ہوا۔ ارشاد ہوا کہ اب کے میرے ساتھ چلنا، لیکن کچھ غرصہ بعد خواجہ

صاحب کا والا نامہ آیا کہ ہم تو ایک وجہ سے رک گئے ہیں مگر حافظ صاحب تیار ہیں، آپ فلاں

تاریخ، فلاں اسٹیشن ان سے ملیں، ادھر تو عاشقانہ بے قراری تھی۔ سن سن کر دن گزارنے

شروع کیے، آخر اس سوز دروں نے تاریخ مقررہ سے کئی روز پیشتر اس مقام پر آپ کو جان بھایا،

لوگ جوق جوق قدم بوسی کے لیے آنے لگے۔ ادھر انتظار کی بے قراری، ادھر لوگوں کا ہجوم:

۲۶۲ | تو ماہ حسن بے مثل، ہمہ عالم تماشا سانی

ایک روز شام کی نماز پڑھنے لگے، سجدہ سے سر اٹھاتے ہی، اسی طرح بیٹھے رہ گئے، آخر سلام پھیر دیا۔ کئی درویشان نے بھی ساتھ ہی نیت توڑ دی اور خیال کیا کہ شاید آپ کا وضو جاتا رہا۔ عرض کرنے پر فرمانے لگے کہ وضو تو بہت بری طرح ٹوٹا ہے، اب جلد اسباب اٹھاؤ، گاڑی آنے والی ہے، تو نسہ شریف کا ارادہ ہو گیا۔ نماز ریل ہی میں پڑھیں۔ خدام کو کھٹک گئی کہ ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے، لیکن پاس ادب زبان نیاز کو روکے رکھا اور کسی کو جرات نہ ہوئی۔ ریل میں سوار ہوئے اور دوسرے روز شام کے قریب محلات حضوری میں پہنچ گئے۔ خواجہ الہی بخش تو نسوی تشریف فرما تھے، پشت مبارک دروازے کی طرف تھی اور حافظ صاحب کے جلو میں جانے والوں کی فہرست تیار کر رہے تھے۔ عین جب کہ حضرت صاحب آپ کے قریب پہنچ گئے تو خواجہ صاحب نے بغیر ادھر دیکھے فرمایا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مولوی صاحب بھی یہیں آجاتے، آپ نے فوراً عرض کیا غریب نواز فقیر حاضر ہے، خواجہ صاحب محفوظ ہوئے اور نہایت خوشی اور محبت سے بغلگیر ہوئے۔

خوشا روزے و خرم روز گارے

کہ یارے بر خور و از وصل یارے

جب آپ اجمیر شریف سے مراجعت فرمائے سیال شریف ہوئے تو ایک روز کسی درویش نے موقعہ پا کر اس واقعہ کی نسبت دریافت کیا۔ ارشاد ہوا کہ جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو حضرت صاحب اعلیٰ سیالوی کا یہ ارشاد صاف آواز میں سنا کہ یہاں ان کے ساتھ ہو لینا کیا نیاز ہے، ادب اور محبت کا تو یہ تقاضا تھا کہ تو تو نسہ شریف پہنچتا۔ میں دل میں نہایت شرمندہ ہوا اور چپ چاپ اسی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔

سنا زباں سے میں خاموش اب اس لیے ہوں

تیری بات دل سے سنا چاہتا ہوں

● ایک دفعہ مولوی محمد اکرم صاحب نے جو ریاست بہاول پور میں ملازم تھے، عرض کیا غریب نواز! اتنی مدت حاضر ہوتے گزری، لیکن اب تک کچھ حاصل نہ ہوا۔ سمند عمر رواں و دواں ہے اور ہم اسی طرح ہیں، نہ حصول، نہ وصول، چونکہ قسمت سیدھی تھی اور آپ پر کوئی

خاص وقت تھا، نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، بے ہوش ہو کر گر پڑا:

بیخود اسے دیکھ کے انساں ہو تو کیا ہو؟

وہ آنکھ تھی، اعجاز تھا، جادو تھا، کیا تھا!

ہوش میں آیا تو سارا دن تالاب پر بیٹھ کر روتا رہا۔ شام کے قریب آپ نے بلوا کر خلافت عطا کی۔

گا ہے بہ سلائے بہ رتجند دگا ہے بہ دشنامے انعام دہند!

● آپ اجمیر شریف حاضر تھے، ایک صوفی کی نسبت سنا کہ وہ حالت وجد میں باقاعدہ رقص کرتے ہیں اور اس حالت میں جس کسی کو ہاتھ لگا دیتے ہیں وہ بسکل سا ہو کر گر جاتا ہے اور کئی کئی گھنٹے بے ہوش رہتا ہے۔ آپ ان کے ڈیرے تشریف لے گئے اور نہایت سادگی کے ساتھ فرمانے لگے، صوفی صاحب ہمیں بھی رقص دکھاؤ، جواب ملا کہ یہ تو وقت کی بات ہے اپنے بس کی نہیں، آپ اچھا کہہ کر واپس آ گئے۔ دوسرے روز درگاہ شریف سے واپس آتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ سماع شروع ہے اور صوفی صاحب لوگوں کے ایک بہت بڑے حلقہ میں رقص کر رہے ہیں آپ لوگوں کو ہٹا کر آگے بڑھ گئے، صوفی صاحب آپ کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور گھومنے لگے۔ کچھ دیر تو آپ نے رقص میں ان کا ساتھ دیا اور پھر بڑے جوش کے ساتھ فرمانے لگے، حضرت صوفی صاحب! میں بھی کسی درویش کا دیکھنے والا ہوں، صوفی صاحب معاً آپ کے پاؤں پر گر گئے اور معذرت کرنے لگے۔

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صاحب نے خود ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے ختم خواجگان کی وجہ دریافت کی۔ چونکہ مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے حضرت صاحب ثانی تو نسوی کی خدمت مبارک میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ ہمارے پیران عظام اسی طرح کرتے آئے ہیں، ہم بھی کر لیتے ہیں۔ بعد از مدت مدید جب میں اجمیر شریف حاضر ہوا، ایک روز اکیلا میں ہی صرف روضہ کے اندر تھا اور خواجہ بزرگ کی پائیں کی طرف کھڑا تھا کہ یکا یک ایک شخص نے اندر آ کر باواز بلند جیسے کہ بالکل ظاہری حیات میں زندہ شخص سے پوچھا کرتے ہیں، خدمت خواجہ بزرگ سے یہی بات

پوچھی۔ مزار مبارک سے آواز آئی، آواز عین حضرت شمس العارفین کی آواز سے ملتی ہوئی تھی کہ ”یہ ختم الہامی ہے اور جس طرح ارشاد ہوا پڑھا جاتا ہے اور ہم ہی نے شروع کیا تھا۔“

● مولوی محمد سعید صاحب اپنی بیاض میں ناقل ہیں کہ ”ایک بار آپ حضرت ثانی تونسوی کے ہمرکاب اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت بزرگ خواجہ تونسوی کے خلفاء میں سے ایک معمر شخص نے پاکی کی سواری میں آ کر بخدمت اقدس حضرت صاحب تونسوی دعوت کی درخواست کی۔ آپ نے کمال مہربانی سے منظور فرمائی اور ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس مکان کے نیچے جس کی دوسری منزل پر حضرت خواجہ صاحب تشریف فرما ہوئے، معزز پاک دامن خاندانی عورتوں کی ایک جماعت نے حاضر ہو کر آہستہ گانا شروع کیا

”خواجہ لے لو لگاریا رے۔ میرے ٹوٹی کمریا رے“

اشرف الاولیاء کو بڑا ذوق پیدا ہوا اور ان کے قریب جا کر فرمانے لگے: شاباش بہنو شاباش۔ مگر دیگر حاضرین اور علما نے ان (عورتوں) کو سخت تنبیہ کی اور انہیں وہاں سے ہٹا دیا۔ دوسرے روز اس واقعہ کا ذکر خواجہ صاحب تونسوی کی خدمت میں ہوا۔ آپ نے حضرت صاحب سے اس مصرع کا مطلب استفسار فرمایا۔ التماس کی کہ میرے خیال میں گگریا سے مراد گن ہوں کی گٹھڑی سے ہے اور اس سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لیے اس شعر میں خواجہ صاحب سے استمداد کی درخواست کی گئی ہے کہ یا خواجہ اگر آپ اس گٹھڑی کو ہم سے نہ اتروائیں تو ہماری کمر اس بھاری بوجھ سے ٹوٹ جائے گی۔ خواجہ صاحب نے آپ کی اس تفہیم کو بہت پسند فرمایا اور امر بالمعروف کرنے والے حضرات کو فرمایا:

”جب آواز بلا تعین ایسے رقت انگیز مفہوم اور ایسے نفیس خیال کو دل میں پیدا کر دے تو اس کے سننے میں ایسے صاحب فراست اور صاحب ذوق کے لیے کیا ہرج ہے۔“

اسفار تونسہ شریف:

حضرت صاحب اعلیٰ (خواجہ شمس الدین سیالوی) کی وصیت تھی کہ

”تونسہ شریف کی راہ نہ چھوڑنا، میں قبر سے تمہیں وہاں جاتے دیکھتا رہوں گا اور میری روح خوش رہے گی۔“

حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی نے اپنے والد ماجد کی وصیت کو پوری طرح نبھایا۔ ان اسفار کی تفصیل مولوی محمد

سعید زین پوری نے اپنی بیاض میں درج کی ہے جس کے راوی اور بعض اسفار میں شریک سفر خود حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی تھے۔ (ص 110-102)

”ایک بار حضرت مولوی صاحب کے مکان پر جب کہ یاران کی امتحانی کامیابیوں کے توشے پک رہے تھے، آپ نے نیاز مند (مولوی محمد سعید صاحب) کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت غریب نواز، حضرت عبدالحق رودلوی کے مزار پر انوار پر بیٹھے تھے وہاں وہ سماں بندھا کہ وہاں سے آپ کا دل اٹھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اور اسی عالم سکر و خود فراموشی میں حضرت (صاحب مزار) نے حضور کو اجازت مرقع و کچول بلا واسطہ عطا فرمائی، اور وہاں وہ عنایات ہوئیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ آپ بہ دیر مستغرق بیٹھے رہے، حتیٰ کہ مولانا فخر الدین کے سجادہ نشین آپ کو بہ کمال اصرار و مہربانی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے، اور بعدہ آپ حضرت عبدالحق کے صاحب سجادہ کی خدمت میں فائز ہوئے۔ یہ صاحب بڑے ڈیرے، قنات اور خیموں والے تھے۔ ہاتھی ساتھ تھا اور مجلس بھی بڑے امیرانہ ٹھاٹھ کی تھی اور خود نہایت پر تکلف عالیچہ اور سنہری مسند پر بیٹھے تھے اور ایک نفیس پیچوان حقہ سامنے رکھا تھا۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میں اس شخص کی یہ شان و شوکت اور وجاہت دیکھ کر دل میں خیال کرنے لگا کہ سبحان اللہ یہ شخص کس رنگ میں ہے! اور اس کے والد شریف کس رنگ میں تھے۔ خیر آپ بمعہ احمد دین لانگری اور دیگر غلاموں کے ”کن فی الناس کا حد من الناس“ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے وقفہ پا کر عرض کیا کہ صاحب! نیاز مند کو توشہ کی اجازت عطا ہو۔ صاحب مدوح آپ کے حال سے نا محرم ہونے کی وجہ سے مذاقا کہنے لگے۔ ”توشہ کھانے کی اجازت چاہتے ہو یا کھلانے کی؟“ آپ نے فرمایا کہ ”کھانے کی اجازت تو فقیر کو پہلے ہی حاصل ہے۔ کیونکہ بفضلہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں منسلک ہوں اور حضرت قبلہ عالم تونسوی کے پیارے خلیفہ کے مبارک ہاتھ پر، جن کا دولت خانہ ضلع شاہ پور میں ہے، مشرف بہ بیعت ہوں۔ اب آپ سے تو کھلانے اور نذر منوانے کی اجازت چاہتا ہوں۔“ انہوں نے اسی وقت کتاب ”مناقب الحبوبین“ نکال کر حضرت صاحب تونسوی کے خلفاء کے نام ہائے نامی دیکھنے شروع کیے اور فرمایا کہ آپ کے

خلیفہ جو ضلع شاہ پور میں ہوئے ہیں، ان کا نام تو خواجہ شمس الدین ہے۔ حضرت اعلیٰ کا نام پاک سن کر، حضرت غریب نواز پر تو بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو گئی، مگر میاں احمد دین لانگری نے عرض کیا کہ ”ہاں غریب نواز! یہ اسی شمس کے نور اور ان کے فرزند ارجمند اور صاحب سجادہ ہیں“۔ سننے کے ساتھ ہی سجادہ نشین صاحب اپنی مسند سے کود کر حضرت غریب نواز کے پاس آ پڑے اور اسی بے خودی کی حالت میں آپ کو بغلگیر کر کے اپنی مسند پر جا بٹھایا اور کہنے لگے:

”آپ تو عارف، صاحب ارشاد اور ہر طرح سے جامع اوصاف ہوئے آپ کو اجازت نہ ہو تو اور کس کو ہو؟ کھانے کھلانے اور نذر وغیرہ کی سب اجازتیں آپ کو ہوئیں“۔

بعدہ حسب مراسم خاندانی کے تھوڑا سا توشہ اپنے خادموں سے منگوا یا اور ایک لقمہ اپنے لب سے لگا کر حضرت صاحب کے منہ میں ڈال دیا اور کہنے لگے کہ گو بہ سبب حقہ پینے کے میں خود تو توشہ کے کھانے والوں سے نہیں ہوں، مگر ہماری خاندانی رسم یہی ہے کہ صاحب سجادہ جس کو اجازت دیتے ہیں، ایک لقمہ اپنا جھوٹا سے کھلا دیتے ہیں۔

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور غریب نواز مکھڑ شریف تشریف لے گئے۔ ایک تو حضرت مولوی صاحب مکھڑوی قبلہ عالم تو نسوی کے خلفائے اعظم میں سے تھے، دوسرے خود حضرت صاحب کو بھی آپ سے نسبت تلمذ تھی، چونکہ آپ کو بسبب کمال ضعف بدنی کے سواری کی طاقت نہیں تھی اس لیے زمرہ عشاق آپ کو پاکی میں سوار کر کے، اپنے کاندھوں پر اٹھا کر وہ لے جاتے تھے، اور ابھی ایک گاؤں والے اپنے گاؤں میں لے جا نہیں چکتے تھے کہ دوسرے گاؤں والے پہلے ہی پاکی لے کر آ موجود ہوتے تھے اور کبھی کبھی دو قریب قریب کے گاؤں والوں کی بحث و تکرار بھی ہو جاتی تھی، جس کا تصفیہ خود حضور کرتے تھے۔ اس سفر میں ایک بوڑھا اسی علاقہ کا حلوے کا بڑا مشتاق تھا۔ وہ بھی اپنی تمنائے حلوہ خوری کو ساتھ لے کر ہر کاب ہو لیا۔ حضرت صاحب بھی اپنے خلق سے سب سے پہلے اپنے میزبانوں کو اسے حلوے سے سیر کرنے کا ارشاد فرماتے تھے۔ چنانچہ بہت بڑی دور کا بیاں بھی حلوے کی کھا کر وہ شخص سیر نہیں ہوتا تھا، اور کہتا جاتا ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا

اور دیجئے۔ حتیٰ کہ پانچ سات رکابیاں بھی اسے کفایت نہ کرتیں اور پھر بھی کہے جاتا کہ ابھی سیر تو نہیں ہوا مگر ہاں کچھ بھوک ذکر و فکر کے لیے بھی باقی رکھنی چاہیے۔ جب حضور دوسری جگہ تشریف لے جاتے تو وہ بوڑھا بھی آپ کی جان و مال کو دعائیں دیتا اور آپ کے کریمانہ اخلاق کو سراہتا، عصا کے سہارے، آپ کی سواری پہنچنے سے پہلے وہاں جا موجود ہوتا اور کہتا کہ عمر بھر کبھی سیر ہو کر حلو نہیں کھایا تھا۔ اللہ پاک اس نئی جوان کو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے، جس کے طفیل میری یہ دلی تمنا اس آخری عمر میں پوری ہوئی۔ خیر اسی سفر میں محرم کی پانچویں تاریخ بھی ایک گاؤں میں آگئی وہاں کے باشندوں نے آپ کی پاکی کو بلند اٹھا کر صلوائے عام دے دی کہ جو شخص بہشتی ہونا چاہے، پاکی کے نیچے سے گزر جائے، اس پر ہزاروں لوگ فرید فرید پکارتے پاکی کے نیچے سے گزرنے شروع ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں اس حرکت سے روکا اور میں بہت چلایا کہ بھائیو مجھے کیوں گناہ گار کرتے ہو! مجھے بت نہ بناؤ مگر وہ کب باز آنے والے تھے اسی طرح شروع رہے:

نہ دامن این دل گمراہ را کہ فتویٰ داد

کہ بت پرستی بہ عاشقی روا باشد (خسرو)

آپ فرماتے ہیں مجھ پر سخت رقت طاری ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ مسلمان تو خیر، کئی ہندو مرد اور عورتیں بھی پاکی کے نیچے سے گزر گئے۔ میں دل میں کہتا تھا کہ مسلمان تو انشاء اللہ وارث جنت اور مستحق بخشش الہی ہیں، یہ ہندو کس اعتقاد سے ایسا کر رہے ہیں۔ میں اسی حالت رقت اور کیفیت میں بدرگاہ باری تعالیٰ عرض کرنے لگا:

”بار خدایا! تو جانتا ہے کہ میں کیا اور میری حیثیت کیا! مگر چونکہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس بندہ ناچیز کو تیری درگاہ میں بار حاصل ہے اور تو رحیم و کریم ہے اور ان کے اعتقادات اور نیت کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور ان کے مطالب کو پورا کرنے والا ہے، آپ ہی اپنے طفیل ان کے حال پر رحم فرما۔“

● ایک بار آپ تو نسہ مقدسہ تشریف لے گئے، فنا فی الشیخ کی حالت طاری تھی اور اس شعر کا وظیفہ تھا:

میں اپنا آپ نہ رہیا وے
میںوں مل گیا کشن گھنیا وے

اسی عالم میں ایک پرانا معمر پیر بھائی جو حضرت اعلیٰ قبلہ عالم تونسوی کی خدمت مبارک میں متواتر چھ سال مستفیض ہو چکا تھا، عصا کے سہارے آیا اور حضرت غریب نواز کی زیارت سے مشرف ہو کر پہلے تو بہت دیر تک متحیر سا کھڑا رہا اور آخر تھوڑی دیر کے بعد بے اختیار نعرہ مار کر کہنے لگا: ”یارو! جس کسی نے روضہ والے کی صورت نہ دیکھی ہو، آ کر دیکھ لے۔ میں آج پورے چھپن سال کے بعد اسی صورت منورہ کو دیکھ رہا ہوں۔“

یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی
یہ جو صورت ہے تیری صورت جاناں ہے یہی
حضرت غریب نواز عین حالت ناز میں کمال نیاز کے ساتھ پیشانی مبارک پر ہاتھ رکھ کر سر تسلیم جھکا دیتے تھے اور بوڑھے کو دل ربایانہ ادا سے دیکھتے جاتے تھے:

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب حضرت غریب نواز، حضرت حافظ صاحب کے عرس مبارک پر تونہ شریف حاضر ہوئے تو آپ کو کئی دن تک استغراق سا رہا۔ اسی وجہ سے آپ پہلی دو محفلوں میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ کئی دفعہ حضرت حافظ صاحب نے آپ کی مزاج پر سی فرمائی۔ خیر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر میں بھی اپنے والد ماجد مولانا عبدالعزیز بگویی کے ہمراہ، بمعہ چند سوداگران بھیرہ از قوم خوجہ حاضر ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضور نے کچھ ظاہری توجہ نہ فرمائی۔ میں نے بدیں وجہ کہ ہمارے بعض آشنا محرم ہیں، ایک الگ مکان میں بہ ارشاد حضرت حافظ صاحب ڈیرہ کر لیا۔ رات بھر تو آپ اسی حالت سُکر میں رہے۔ صبح کو جب اور رنگ شروع ہوا تو آپ نے نیاز مند کی نسبت پوچھا کہ کہاں ہے۔ خدام نے عرض کیا کہ وہ الگ مکان میں ہے۔ فرمانے لگے وہ بھی اب علیحدہ مکانوں میں رہنے لگا! اسے بلا لاؤ۔ چنانچہ میاں ملوک علی کے ہمراہ میں حاضر

ہوا اور بعد قدم بوسی معذرت عدم غیر حاضری کی کی، جو منظور ہوئی۔ حضور تو جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے پہلی دو محفلوں میں شریک نہ ہوئے، ہاں حضرت صاحب جزا وہ صاحب شامل مجلس ہوئے اور میں بھی بہ معیت حضرت ممدوح مستفیض ہوا۔ بہ باعث عدم شمولیت حضور طبع حزیں مکدر سی رہی اور انوار مجلس عالیہ سے کچھ حظ نہ اٹھایا۔ بعد از اختتام مجلس خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے حالات مجلس کی نسبت استفسار فرمایا۔ بندہ نے عرض کیا کہ ہمیں تو حضور کے سوا کچھ لطف نہیں آیا البتہ اس مصرعہ پر:

ساقی بیا و جرعه در جام ما بریز

حضرت محمد محمود صاحب عم فیضہ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو گئیں اور باقی اہل حق بھی محظوظ ہوئے۔ میرے عرض کرنے پر آپ کی آنکھیں بھی سرخ اور پُر آب ہو گئیں۔ فرمانے لگے:

”ہاں ساقی بھی تو ہو“۔

خاکسار مولف عرض کرتا ہے کہ حضرت اعلیٰ کا وہ ارشاد کہ تونسہ کی راہ نہ چھوڑنا، آپ نے عملاً و فعلاً ایسا پورا کیا کہ باید و شاید۔ آخر عمر میں جب کجاوے کی سواری کی بھی طاقت نہ رہی تو آپ چار پائی پر وہاں جانے لگے۔ تونسہ شریف تو بجائے خود، تونسہ شریف کے کتوں کو بھی پیار کرتے تھے۔

● مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ خواجہ غریب نواز سیالویٰ تونسہ شریف جاتے ہوئے تونسہ کے قریب ہی کسی جگہ شب باش ہوئے۔ عشا کے بعد جب کھانے پر بیٹھے تو ایک کتا اندر گھس آیا، درویشان نے اسے دھتکار دیا۔ وہ پھر آ گیا۔ اب کے حضرت صاحب کی نظر جو پڑی تو جلدی سے فرمانے لگے کہ یا روا سے نہ ہٹانا، یہ کتا میں نے تونسہ شریف میں گزشتہ سال دیکھا تھا۔ پھر فوراً اپنی رکابی اس کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگے خوب کھا۔ لوگ تو تجھ سے نفرت کرتے ہیں مگر میں تو جانتا ہوں کہ تو محبوب کی گلی کارہنے والا ہے۔ بعینہ اس قسم کا ایک واقعہ حضرت صاحب اعلیٰ سیالویٰ کا بھی سنا ہے۔ حضرت ضیاء العارفین خود حضرت اشرف الاولیاء سے روایت کرتے تھے کہ ابھی میں کم سن تھا کہ حضرت اعلیٰ کے

ہم کاب تو نسہ شریف حاضر ہوا اور سرائے میں قیام کیا۔ آپ کا ایک غلام جو ہمیشہ دعوت کا سامان لایا کرتا تھا، اب کے بھی لایا۔ حضرت اعلیٰ نے میرے عرض کرنے پر ایک بکر رکھ لیا اور باقی بکرے اور آٹا وغیرہ لنگر میں بھیج دیا۔ وہ بکر ذبح کیا گیا اور مائی بانو مرحومہ کہ وہ بھی ساتھ تھی، اسے صاف کر کے علیحدہ علیحدہ اس کے ٹکڑے کاٹ کر رکھنے لگی۔ یکا یک ایک کتا آیا اور ایک ران اٹھا کر بھاگا۔ میں نے جھٹ جھٹ کر کے سرائے کا دروازہ بند کر دیا۔ درویش اس کے پیچھے ہو لئے اور گوشت کی ران اس کے منہ سے چھڑانے لگے۔ میں ایک طرف کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس خیال پر کہ کتا مار کھائے جاتا ہے لیکن گوشت منہ سے نہیں چھوڑتا، بے اختیاری ہنسی آگئی۔ حضرت شمس العارفینؒ کہ نوافل میں مشغول تھے، نیت توڑ کر آئے اور میرے منہ پر تھپڑ مار کر فرمانے لگے:

”تونسہ شریف کا کتا ہو، اسے مار پڑے اور تو ہنسے!“

بعد ازاں آپ نے باقی کالے ہوئے گوشت میں سے بہت سا اپنی چادر میں ڈالا اور اس کے آگے ڈال کر فرمانے لگے:

”خوب کھا، ہم تیرے ہی طفیل روٹی کھا رہے ہیں اور یہ سب کچھ تیرے ہی طفیل ہے۔“

وصال شیخ:

آخری ایام میں جو مرض کانوں کا حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کو لاحق ہوا۔ حضرت ثانی سیالویؒ بھی اسی تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ علاج کے لیے آپ میا نوالی بھی تشریف لے گئے۔ (ص 117-110)

حالانکہ اول دفعہ سیال شریف مراجعت فرما ہونے کے بعد آپ کا ارادہ تھا کہ اب وہاں نہیں جاؤں گا اور صاحبزادگان اور درویشان بارگاہ کی بھی یہی رائے تھی بلکہ خود آپ بھی فرماتے تھے کہ اس ہندو سنیا سی کا علاج اچھا نہیں، مگر پھر بھی ایک روز یک لخت تیار ہو بیٹھے، ہاں وہ لوگ جن کا آٹھ پہر یہی درد ہو کیسے محروم رہتے:

زمزگان سیاہ کردی ہزاراں رخنہ درد نیم
بیا کز چشم بيمارت ہزاراں درد برچینم
(حافظ)

دوبارہ گئے اور تشنگان جمال کو سیراب کر کے آئے:

تیرے قربان میں اے ساتھی سے خانہ عشق

میں نے اک جام کہا تو نے دیئے خم مجھ کو (اقبال)

بہترے ایمان لائے، بہتیروں پر عنایات ہوئیں، بہت سوں نے سعادت قدم بوسی حاصل کی۔ مولوی صاحب محمد ذاکر بگویی قبلہ جو وہاں حاضر ہوئے تھے، فرماتے تھے کہ ایک روز شام کے وقت پار کا ایک زمیندار حاضر ہوا اور اپنی ناکتھا لڑکی نذر گزاری۔ حضور نے اسی وقت لنگر خانہ کے ایک درویش کو بلا کر نکاح پڑھوایا اور لڑکی کے باپ کو اپنے پاس سے تیس روپے حق مہر کے عطا فرمائے۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد روپے واپس کر دیئے اور عرض کیا کہ غریب نوازیہ بھی میری طرف سے نذر ہیں۔ آپ نے وہ رقم لے کر سنا رکودی اور اس لڑکی کے لیے کوئی زیور بنوایا۔ یعیینہ یہی حالات چھاؤنی شاہ پور پیش آتے رہے، لوگ جوق در جوق حاضر ہو رہے ہیں، لنگر جاری ہے، کبھی سماع بھی شروع ہے، ذوق پیدا ہو رہا ہے۔ مزالینے والے مزالے رہے ہیں اور پٹی بھی برابر باندھی جا رہی ہے۔ لاہور اور جالندھر بھی تشریف لے جانے کا ارادہ تھا مگر وہ پورا نہ ہوا۔ غرضیکہ اگر میں غلطی نہ کرتا تو دو سال علاج (اگر اس کا نام علاج تھا) ہوتا رہا، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اس کا علاج تو وصال ہی تھا اور بس۔ جناب غوث الثقلین فرماتے ہیں کہ بیماری عام کے لیے رفع گناہ۔ متوسطین کے لیے رفع درجات اور منتہی کے لیے شہود دوام کا باعث ہوتی ہے۔ جتنا درد زیادہ ہوتا تھا اتنا ہی حضور کا نیاز ترقی پر ہوتا تھا۔ اور یہ اعلیٰ مقام عارف کا ہے، نیاز، ادب، حیا میں رہنا، یہ عبودیت ہے۔ جو افضل المقاصد میں سے ہے۔ دوا اور دعا اور علاج معالجہ جو کچھ بھی تھا صبر آزما تھا، نہ کہ صبر شکن، ایک مولوی صاحب ان ایام میں برابر ہر نماز کے بعد کان پر دم کیا کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے:

”بیچارے مولوی صاحب تو بڑی مہربانی فرماتے ہیں، مگر شامت گناہ کوئی تدبیر نہیں چلنے

دیتی۔“

بعض لوگ کسی صوفی کا یہ قول پیش کر کے کہ ”مجھے خدا سے بھی کوئی حاجت نہیں“ دوا

و دعا پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کے مقام میں ان بزرگ سے نہیں بڑھے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ایک ولی کو، نبی کے اعلیٰ مدارج تک کہاں رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ پاک خود کلام مجید میں ان کے صبر کی تعریف فرماتے ہیں۔ ایسے بے سمجھ لوگوں نے صبر کے معنی یہ سمجھ رکھے ہیں کہ کسی سے کچھ نہ مانگا جائے، لیکن یہ غلط ہے صبر کے معنی ہیں غیر از خدا سے دل کا روکنا نہ کہ خود خدا سے۔ عبودیت اچھی ہوئی کہ خدا کی بھی نفی ہوگئی۔ دعا اور نیاز مندی میں چونکہ مقامات عبودیت پنہاں ہیں اس لیے یہ منافی تسلیم و رضا نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی کسی بات میں اللہ جل شانہ کو تکمیل منظور ہوگی، ان پر بلا ڈالی گئی اور چونکہ وہ منشاء الہی کو سمجھ گئے ہوں گے، مصیبت کو صبر سے برداشت کرتے رہے اور افسوس تک نہ کی۔ لیکن جب دیکھا کہ اب مشیت الہی مجھ سے فریاد ”یارب“ کا خراج چاہتی ہے، فوراً سر نیاز سجدہ میں رکھ دیا اور دعا کی۔ چنانچہ وہ منظور ہوئی، خلعت صابری عطا ہوا۔ نہ تو مرض کے ابتدا کی خاموشی اور نہ آخر کی دعا، ہر دو بے صبری میں شامل تھیں۔ یہ عین صبر تھیں اور عین حکمت:

ثرا ز کافِ کفرت ہم خبر نیست

حقائق ہائے ایماں را چہ دانی

● وصال مبارک سے دو چار یوم پیشتر آپ کو صحت ہوگئی۔ مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ نے جب اپنا خواب صحت کے بارے میں عرض کیا تو آپ فرمانے لگے کہ جی ہاں میں نے تو نسہ مقدسہ کی خاک بھی لگائی ہے اور دو سورتیں بھی پڑھی ہیں، لیکن بائیں ہمہ آپ برزخ میں جانے کے لیے مضطرب بہت مدت سے رہا کرتے تھے۔ جب مولوی معظم الدین مردلوی کے وصال کی خبر پہنچی تو آپ آنکھوں میں آنسو بھرا لائے اور فرمایا:

”آہ! سب یار پھڑتے چلے جا رہے ہیں“

ازاں بعد مولوی محمد الدین چکو وڑی شریف کے انتقال کا سن کر، چشم پر آب ہو کر فرمایا:

”آہ مولوی صاحب میں تو خیال کرتا تھا کہ آپ میری فاتحہ پڑھیں گے مگر پڑھنی پڑی مجھ ہی کو“۔ پھر اس کے بعد جب میر و قوال کی وفات آپ کے قدموں میں ہوئی:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے

یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو آپ باچشم نم روضہ مبارک کی طرف ہاتھ اٹھا کر، قلق و اضطراب اور حسرت سے فرمانے لگے
”غریب نواز! پیارے پیارے خلفاء کو پاس بلا لیا، میر و قوال بھی حاضر ہو گیا، محفل پوری ہو
گئی، مجھے کیوں بٹھا رکھا ہے“ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں آپ بھی زینت محفل عشاق ہو گئے:

دن ہجر دے مکلا گئے، ویلے وصل وصال دے آگئے

جانم بہ جاناں شد قریں، بذا جنون العاشقین

(مولانا غلام فرید)

خوب فرماتے ہیں مولانا روم:

من زتن عریاں شدم او از خیال

می خرامم در نہایات الوصال

ان آخری ایام میں آپ حاضر ہونے والے غلامان سے جو ایک خاصی تعداد میں ہر
روز مضافات اور دور دراز مقامات سے مرض کا سن کر حاضر ہوتے رہتے تھے، کمال عنایت و
مہربانی سے ملتے تھے اور سینہ مبارک سے لگا لیتے تھے اور بسا اوقات اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور
عجب نوازش کے ساتھ باہیں پھیلا کر ملتے تھے۔ اور دیر تک ہر ایک سے گھر بار کے حالات
پوچھتے رہتے تھے۔ یوں تو ہمیشہ اس قسم کی عنایات ہوتی تھیں مگر یہ نوازشیں کچھ خاص قسم کی تھیں
جو زبان حال سے پکار پکار کر محبوب الہی کے آخری ایام کے اس ارشاد کو ادا کر رہی تھیں:

می رویمومی رویمومی رویم

حبیب کی طرف سے برابر صدا آ رہی تھی کہ:

”حبیب ما! مارا اشتیاق تو بسیار است بیا، بیا، بیا۔“

ادھر سے التماس ہو رہی تھی

”حاضری شوم، لبیک یاسیدی“

آنکھ ظاہری پردوں سے گزر کر خاص حضوری کی طرف لگی ہوئی تھی۔ آتش شوق ہر لحظہ تیز تر

شد، واضطراب ترقی می یافت و بسا اوقات بسیار بیقرار می شد، نہ از درد گوش بل بہ شوق حضوری۔ با ایں ہماں عالی ہمتی را نظر کن کہ تادم وصال خیال نیاز منداں ہماں بود، و عنایات بر حال ایشاں ہماں، از بندگان خیریت پرسیدے، و ہر یک را تسلی تشفی فرمودے۔ ایں حالت وقت وصال ایں جنیں ماند، نہ بے ہوشی را جائے ماند نہ بیخبری را:

پردہ ہائے دید خواہم از میاں برداشتن
می توان کردن تماشاے تو امشب بے حجاب

توانسہ شریف کا آخری سفر:

آخری سفر جو توانسہ شریف کا ہوا تو یہی شکایت تھی اور کمزوری اس قدر کہ چارپائی پر بشکل وہاں پہنچے۔ معمول مبارک تھا کہ سو روپیہ تو صاحب سجادہ کی نذر گزارا کرتے تھے اور سو روپیہ ڈیوڑھی مبارک۔ لیکن جب سے، خدا دور کرے وہاں ناچاقی کی صورت پیدا ہوئی تو آپ نے سو روپیہ اور بڑھا دیا، چنانچہ چارپائی پر بیٹھ کر آپ نذر گزارنے کے لیے نکلے اور حضرت صاحبزادہ محمد محمود عم فیضہ کی نشستگاہ کے نیچے غلامان نے چارپائی رکھ دی۔ آپ اوپر جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ خود صاحبزادہ صاحب نیچے تشریف لے آئے۔ حضرت صاحب ۱۱ درویشوں کے سہارے اٹھ کر ادبا کھڑے ہوئے لیکن بسبب ضعف کے گر پڑے اور صاحبزادہ صاحب نے آپ کو اٹھایا، آپ ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگے:

”غریب نواز میں تو اب کسی کام کا نہیں رہا مگر پھر بھی یہ لوگ مجھے چھوڑتے نہیں۔ خواہ مخواہ میرا مردہ لیے پھرتے ہیں۔“

اس بات پر صاحبزادہ صاحب بھی زار و قطار رونے لگے اور فرمانے لگے:

”سائیں خدا خیر کرے سارے کے سارے سلسلہ چشتیہ کی نظر اس وقت آپ پر ہے“

آپ ادھر ت بہ ادب و نیاز سر جھکائے کھڑے رہے۔ اس کے بعد آپ نے پھر عرض کیا:

”غریب نواز اجازت ہے، میں ڈیوڑھی کی نذر کے لیے جاؤں؟“

ارشاد ہوا:

”آپ کو تکلیف ہوگی کمزوری بہت ہو رہی ہے، مجھے دیجئے میں خود گھر جا کر نذر کر دوں گا۔“

عرض کیا:

”نہ غریب نواز یہ میرا وظیفہ ہے، میں خود ہی لے کر حاضر ہوں گا۔“

چنانچہ درویش چارپائی اٹھا کر لے گئے، صاحبزادہ صاحب حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

”یارودیکھ لو، اس کا نام درویشی ہے! اور اسے ادب کہتے ہیں۔ خلیفہ تو بہت سے بن جاتے ہیں لیکن عشق آسانی سے نہیں ملتا۔ میں نے بہ اصرار کہا بھی کہ میں نذر لیے جاتا ہوں لیکن وہ نہیں مانے“:

نہدشاخ پرمیوہ سربرز میں

● مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ لاہور سے مفتی سلیم اللہ صاحب حکیم (جنرل سیکرٹری انجمن نعمانیہ و مہتمم دارالاقامۃ، لاہور) کو لے گئے۔ ان کے جانے سے دوسرے یا تیسرے روز بعد نماز شام رحمت حق سے جا ملے۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں:

”جو کیفیت اس وقت میں نے دیکھی وہ شاید کسی اور نے نہ دیکھی ہوگی۔ میرا ہاتھ آپ کی نبض پر تھا کہ دفعتاً نبض گرتی معلوم ہوئی۔ میں نے نظر اٹھا کر جو دیکھا تو آنکھیں کھلی تھیں اور لب بل رہے تھے۔ اگر میری شنوائی مجھے دھوکہ نہیں دیتی تو غالباً اللہ کا ذکر تھا۔ یکا یک میں نے کمرے میں تیز روشنی دیکھی اور ساتھ ہی دھیمی دھیمی خوشبو پھیل گئی۔ میں اس روشنی اور خوشبو کے ذوق میں تھا کہ ادھر روح مبارک پرواز کر گئی۔ اس وقت کو میں اب تک نہیں بھولا اور اسی روز سے میرا اعتبار جو صوفیوں کی نسبت خراب تھا کچھ درست ہو گیا۔ خیر میں نے باواز بلند پکار کر لوگوں سے کہا کہ کلمہ پڑھو، سب کلمہ پڑھنے لگے اور اس کے بعد تجہیز و تکفین کے اہتمام میں مصروف ہو گئے۔“

آپ حضرت صاحب اعلیٰ کے روضہ مبارک کے اندر آپ کے پہلو میں لٹائے گئے۔

● مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ اس رات میری سب نسبتیں سرد ہو گئیں۔ نماز عشاء بھی نہ پڑھی گئی اور میں اضطراب کی حالت میں کبھی قبر پر جاتا تھا اور کبھی اپنے کمرے میں آ کر اوندھے منہ لیٹ جاتا تھا۔ ساری رات اسی طرح قلق اور بے چینی رہی

اور روضہ مبارک میں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ علی الصبح جو میں پھر حاضر ہوا تو آپ کو موجود پایا۔ رو کر عرض کیا:

”غریب نواز ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر چل دیئے۔“

آپ نے صاحبزادہ صاحب کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب بھی اس وقت تیز نظر سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر تو اطمینان قلب پیدا ہو گیا اور میں خوش خوش باہر آیا اور مولوی صاحب چاچڑی کی خدمت میں روضہ مبارک میں حاضر ہونے کے لیے تاکید عرض کیا اور ساتھ ہی بے ساختہ زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ:

”آپ اب جا کر دیکھیں کہ معراج محمد آیا۔“

عمر شریف 74 سال کی ہوئی اور 1327ھ میں وصال ہوا۔ تاریخ ہوئی:

مظہر جمال حق شد تاریخ انتقال

تصرفات شریف:

حضرت ثانی سیالوی کے انتقال پر ملال کا سانحہ آپ کے مریدان باصفا کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ جناب غلام دستگیر خان جنو د عرس مبارک میں شرکت کرنے سے محروم رہے۔ پہلے اور دوسرے عرس کے موقع پر وہ اپنی کیفیت (ص: 4-123) پر یوں بیان کرتے ہیں:

”مگر مشکل تو یہی ہے کہ اس محفل میں جا کر قابلیت کی منطق ہی بھول جاتی ہے اور اس کی شرط بھی گم ہو جاتی ہے اسی لیے تو کئی ایک مجھ سے لوگوں کے دلوں میں جسارت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر عرس مبارک کی حاضری سے اسی جسارت کی وجہ سے محروم رہا:

کہ ام من بیدلے بے اعتبارے

غریبے بے نصیبے خاکسارے (جائی)

● دل پر رنج و الم کا جہوم تھا لیکن خود کردہ یا فراموش شدہ راچہ علاج۔ رات کو خود

اشرف الاولیاء نے عنایت فرمائی۔ میں نے دیکھا کہ حضور بہ معیت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی میرے مکان پر تشریف لائے۔ میں نے تعظیم دی۔ ہر دو بزرگ فرش پر بیٹھ گئے۔

حضرت پیر صاحب فرمانے لگے کہ یہ لڑکا بیمار سا معلوم ہوتا ہے۔ حضور نے میری نبض پر ہاتھ رکھ کر ارشاد کیا کہ اس کی نبض کی ہر حرکت تو صاف کہہ رہی ہے ”عاشق اوام“۔ اس کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

”تم یہیں بیٹھو ہم مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب کی طرف جاتے ہیں۔“

● دوسرے عرس پر بھی میں حاضر نہ ہو سکا۔ خواب میں حضور نے وجہ غیر حاضری دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا بے نصیبی۔ فرمانے لگے تمہیں سفر میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ بعد ازاں مسکرا کر حضرت محبوب الہی کا یہ قول مبارک ارشاد کیا ”مردِ سرہ باش، ہر کجا کہ خواہی باش“۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے بعد مولوی محمد ذاکر بگوی صاحب قبلہ سیال شریف سے واپس ہو کر، بغیر میرے کچھ عرض کیے مجھ سے فرمانے لگے کہ:

”تمہیں سفر میں بہت تکلیف ہوا کرتی ہے اور تم اکثر بیمار ہو جایا کرتے ہو۔“

● ایک دفعہ تو نسہ شریف آپ کے چہرے سے ضعف کے آثار نمایاں تھے اور رنگ رخسار زرد ہو رہا تھا۔ مولوی صاحب قبلہ نے یہ حالت دیکھ کر عرض کیا کہ غریب نواز آج طبیعت کیسی ہے میں دیکھتا ہوں کہ چہرے کا رنگ بہت زرد ہو رہا ہے۔ مولوی صاحب قبلہ کی طرف دیکھ کر جوش سے فرمانے لگے:

”عشق کنوں رنگ سا نولا پیلا لوک آکھن پتر یہہ“

اور پھر خود ہی فرمانے لگے پتر یہہ یرقان کو کہتے ہیں۔

● ایک دفعہ فرمانے لگے ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا: ہنجر

”تم پیروں کے انتقال کی تاریخ کو عرس کیوں کہتے ہو؟ اور عرس کے لفظی معنی کیا ہیں۔“

میں نے کہا:

”عرس کے معنی ہیں شادی، اور یہ اس لیے کہتے ہیں کہ بزرگان دین کی وفات سے ان کی ایک قسم کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور ان کے انتقال کا دن بے حجابانہ وصل کا مطلع انوار اور ان کو

بے انتہا درجات انعام دیئے جاتے ہیں اور یہ حالات پس ماندگان کے لیے باعث خوشی و خرمی ہیں نہ کہ رنج و آلام۔“

میرا یہ جواب سن کر حیران سا رہ گیا اور پھر کچھ دیر تامل کے بعد کہنے لگا:
”لیکن عورت کی تاریخ وفات کو تم عرس کیوں نہیں کہتے“

میں نے جواب دیا:

”کہنے میں ہرج بھی کوئی نہیں اور وہ تو خود ہی عروس ہے“

وہ خاموش ہو گیا اور پھر کچھ نہ کہا۔

● ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ ملاں لوگ کیوں حلوے پر جان دیتے ہیں؟ فرمانے لگے:

”سب لوگوں سے بڑھ کر اس فرقہ کو شیرینی کلام کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ حلوے سے زبان میٹھی ہو جاتی ہے اور پھر اس کا اثر گفتگو پر پڑتا ہے اسی وجہ سے یہ بیٹھے پر ادھار کھانے بیٹھے رہتے ہیں۔“

● ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ نماز میری ہڈیوں میں گھس جائے۔ مسکرا کر فرمانے لگے:

”تساں نماز دے ہڈاں وچ وڑ جاؤ“

پھر ساتھ ہی اسے نماز شام کے بعد اسم ”یا رحمن“ کی پانچ تسبیح پڑھنے کے لیے فرمایا۔ مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ ایک عرصے کے بعد وہ شخص مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ اب میں واقعی نماز کی ہڈیوں میں گھس گیا ہوں اور اس وقت سے کبھی کوئی نماز قضا یا فوت نہیں ہوئی۔

● ایک دفعہ ایک سادھو مہنت بمعہ چند ایک اپنے چیلوں کے سیال شریف حاضر ہوا اور سلام کر کے چٹائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ایک چیلے نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ”جناب میرے گورو پوچھتے ہیں کہ آپ بھی عبادت وغیرہ کے اوقات میں کوئی نشانہ دل

میں رکھ لیتے ہیں یا نہیں؟“

فرمانے لگے:

”نشانہ و نشانہ کیا بلا ہے ہوا ہوانہ ہوانہ سہی، نشانہ بے نشانی کوئی شے نہیں۔“

ایک دفعہ میر و قوال نے یہ شعر عرض کیا:

تا داغ غلامی تو داریم
ہر جا کہ رویم بادشاہیم

فرمانے لگے:

”غلامی کا داغ بھی تو ہو اور یوں کہنے کو کیا ہے۔“ (ص 129)

● بہ ایام قیام شاہی مسجد لاہور میں ایک روز شام کے وقت حاضر خدمت عالی ہوا، مولوی محمد ذاکر بگویی صاحب قبلہ بھی حاضر تھے۔ آپ پوچھنے لگے: بخود بھی یہاں بیٹھا ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے عرض کی:

”جی ہاں حاضر ہے، دعا فرمائیں کہ سب بخود ہو جائیں۔“

فرمانے لگے:

”جی ہاں بخود بھی ہوں اور باخود بھی“

تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمایا میں تو اسے اس لیے کہتا ہوں کہ اس کا تخصص ہی یہی ہے۔ آپ آشر پنجابی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

سپے نیکی نہ درم بدیاں لکھ تے پدم
بھئی رحیم نال کم بھئی کریم نال کم

حضرت میاں شیر محمد شر قپوری کے ساتھ تعلق:

حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے حالات میں ذکر گزر چکا ہے کہ حضرت شر قپوری آپ کے کمالات اور

مدارج علیا کے مداح اور معترف تھے۔ حضرت شرقی پوریؒ کو حضرت مولانا محمد ذاکر بگوییؒ کے ساتھ یہی تعلق خاطر تھا۔ آپ کے ملفوظات۔ حدیث دلبراں میں حاجی فضل احمد مونگہ اس تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولانا بگوییؒ مرحوم کے ایک بھانجے (جو ان کے داماد بھی تھے) مولانا محمد ذاکر بگوییؒ مرحوم تھے وہ بڑے بزرگ اور صاحب دل تھے۔ طبیعت ذکر اذکار میں رچی ہوئی تھی۔ مولانا مذکورہ واقعی اسم با مسمیٰ تھے وہ اسلامیہ کالج میں عربی کے پروفیسر بھی تھے۔ مولانا غلام محمد صاحب بگوییؒ سے ان کی بیعت تھی اور وہ ان کے خلیفہ تھے۔ (مولف کے) والد صاحب محترم سے مولانا کے گہرے مراسم تھے۔ حضرت بگویی صاحب، قبلہ شرقی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات اور مدارج علیا کے بڑے مداح تھے اور آپ کی ذات سے مولانا مذکور کو گہری عقیدت تھی۔ حضرت صاحب قبلہ بھی مولانا بگویی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے ان کا خاص طور پر ذکر کیا کرتے تھے۔

لاہور میں جب ان کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کو وفات کی خبر دی لیکن آپ بعض مصروفیات کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکے۔ شاہی مسجد میں مولانا کی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کرنے کے لیے انہیں بھیرہ لے جایا گیا۔ بعد میں آپ نے فرمایا:

”اچھا! ان کی قبر پر چلیں گے“۔ (ص: 8-167)

انوار شمسیہ کے لیے اصرار:

حضرت مولانا بگوییؒ اگرچہ خود تصنیف و تالیف کا کام زیادہ توجہ سے نہ کر سکے مگر اہل قلم اور اہل علم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور انہیں علمی کاموں کے کرنے پر اکساتے تھے۔ چنانچہ مولانا امیر بخش منشی نے آستانہ عالیہ سیال شریف سے متعلق کتاب مستطاب **انوار شمسیہ** حضرت مولانا محمد ذاکر بگوییؒ کے شدید اصرار پر تحریر کی۔

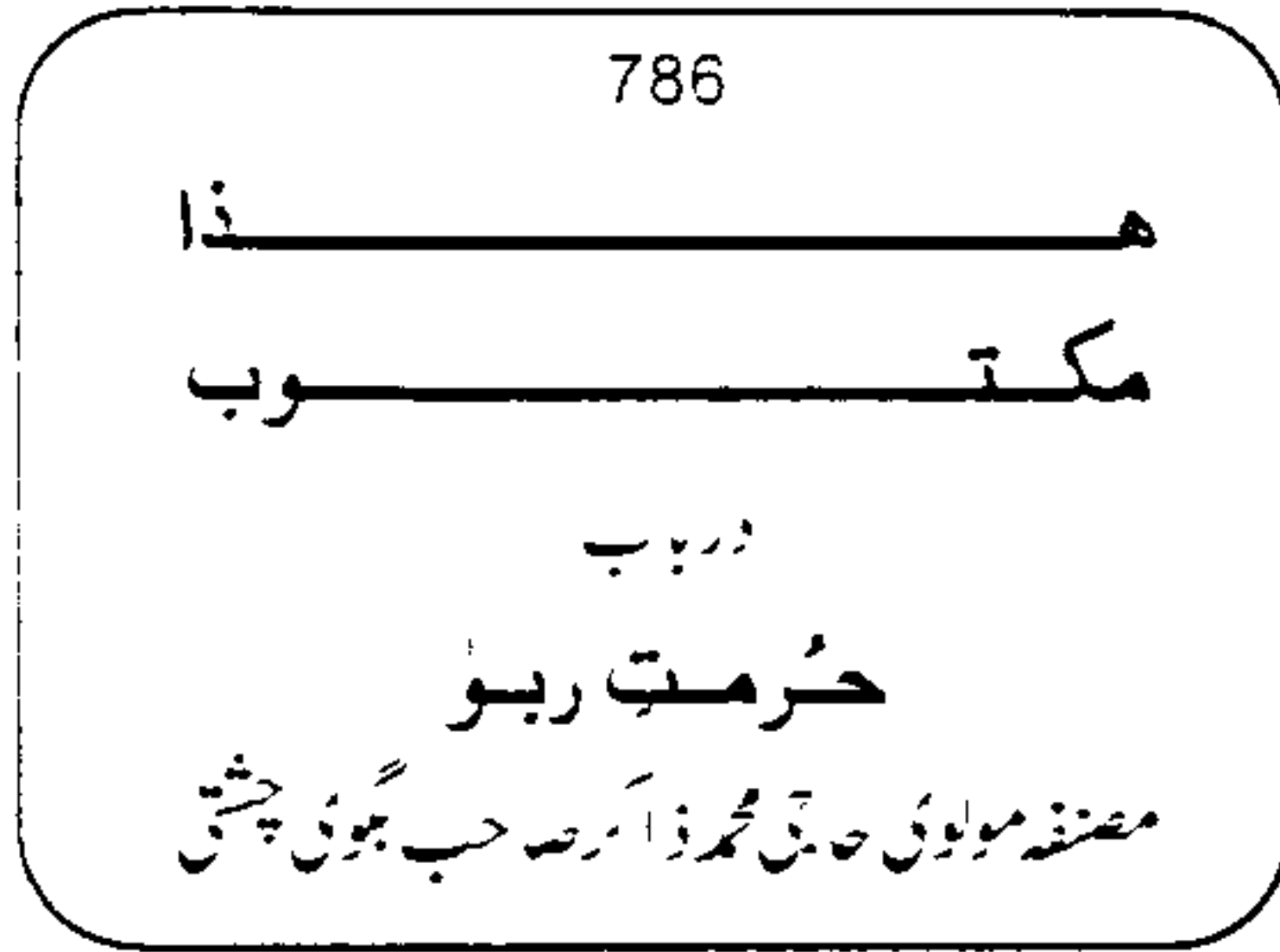
(فوز القال از مولانا محمد مرید احمد چشتی، ص: 464)

تصنیف و تالیف:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی طبعاً اور فطرتاً علم و عرفان کے شاہ سوار تھے۔ وہ اعلیٰ معلم اور انتہائی شفیق استاد تھے۔ وہ عالی مرتبت صوفی اور پابندی شریعت عالم تھے۔ ان دونوں کاموں کے سامنے دوسرے امور حیات ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ ان مشاغل کے لیے وافروقت، یکسوئی اور دیگر اشغال سے پہلو تہی ضروری تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے نظم الاوقات پر پورا عبور حاصل تھا۔ آپ مطالعے اور تحریر و تصنیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ ذیل میں ان کی چند تحریروں کا جائزہ لیا جاتا ہے جو ان کی زندگی میں چھپ گئی تھیں۔

حرمت ربو:

32 صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے جس کے سرورق پر تحریر ہے:



یہ حضرت مولانا کی تصنیف ہے جسے انجمن نعمانیہ لاہور نے اپنی سالانہ روئداد ازا اکتوبر 1911ء تا رجب 1912ء کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مقدمہ کتاب میں آپ نے واضح کیا ہے کہ اس مسئلے پر سب سے پہلے مسید تمدن صاحب اور ان کے قبعین نے حمد کیا ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اور بجز چند ماسکین ان کے خیالات سے متفق نہیں ہیں۔ ان کے بعد مولانا محمد حسن فیضی (بھٹی ضلع جہلم) نے ریاض السیر فی حقاہ الربو کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے کہ چونکہ ہندوستان دارالاحباب ہے اس لیے امامانہ حضرات ابوحنیفہ کے نزدیک، یہاں کے مسلم باشندوں کو غیر مسلموں سے سو لینا جائز ہے۔

معاملہ چونکہ اہم تھا اس لیے حضرت مولانا غلام محمد بگویی مجددی امام و خلیفہ بادشاہی مسجد لاہور سے بھی

استفسار کیا گیا۔ آپ نے رسالہ منگوا کر دیکھا تو آپ کی رائے بھی یہی قائم ہوئی کہ مصنف رسالہ نے سخت غلطی کی ہے جس سے عام مسلمانوں کو دینی نقصان ہوگا۔ اس لیے اس غلطی کو عام واضح کرنا چاہیے اور مولانا فیضی صاحب کے دلائل اور قیاسات کا تفصیلی جواب دینا چاہیے۔ چنانچہ مولانا کہتے ہیں:

”چونکہ حضرت مولانا کو اشغال باطنی اور ارشاد طلب حق سے فرصت نہیں تھی اس لیے مولانا نے یہ کام خاکسار کے سپرد فرمایا۔ گو مجھے بھی تدریس اور دیگر اشغال سے فرصت نہیں تھی۔ لیکن صرف اظہار الحق اور نصیحت ^{للمسلمین} وقت فرصت نکال کر چند اوراق لکھے۔ امید ہے حق سبحانہ اس تحقیق کو اہل اسلام کے لیے باعث ایقان و رشد بنائے گا۔“ (ص 40)

کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے میں حسب روایات فقہاء دارالہرب کی تحقیق کی گئی ہے اور ثابث کیا گیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ کے نزدیک ہندوستان موجودہ صورت میں دارالہرب نہیں ہے۔ دوسرے حصے میں مولانا محمد حسن فیضی کے قیاسات اور تصرفات کا جواب دیا گیا ہے۔

عام دستور سے ہٹ کر کتابچے کی زبان خالص علمی، دلائل فنی اور لہجہ پر متانت ہے۔ مخالف کے بارے میں قلم انتہائی محتاط، مؤدب اور مہذب ہے۔ تحریر سے کوئی ذاتی غرض ہی وابستہ ہے اور نہ فیضی صاحب کے ساتھ کسی قسم کا عناد ہے۔ چنانچہ متوقع جواب در جواب کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”اگر زمانہ کی رسم کے مطابق دوبارہ اس (تحریر) کے جواب کے درپے ہوں تو پہلے عرض کر دیا جاتا ہے کہ چند سوالات کا جواب صاف لکھیں ورنہ جواب (بطور جواب محض) قابل سماعت نہ ہوگا۔“ (حرمت ربو: ص 5)

کتابچے کے آخر میں حضرت مولانا پیر جماعت علی شاہ (علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ) اور مولانا نور احمد الہویسی املیانی کی توثیق اور تائیدی دستخط بھی ثبت ہیں۔

عربی قصیدہ:

آغاز کتاب میں ایک عربی قصیدہ ہے جو دراصل مولانا فیضی کی کتاب میں لکھے ہوئے عربی قصیدے کا جواب ہے۔ یہ قصیدہ اصل کتاب کے آغاز میں صفحہ 3 پر شائع ہوا ہے۔ اور اس میں 17 اشعار ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا کا 3 صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے جہاں سے کتاب کا متن شروع ہوتا ہے۔ مولانا محمد سعید زین پوری کی کتاب جذبات سعید میں خطبہ عربیہ کے عنوان کے تحت صفحہ 122 پر یہ اشعار موجود ہیں یہاں ان کی تعداد 19 ہے۔ مقطع میں سعید ہے مگر اکثر مصرعوں میں رد و بدل ہے۔ مولانا محمد سعید مرحوم اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں:

”چونکہ ان مولوی صاحب نے (اپنے) رسالہ کے شروع میں ایک عربی قصیدہ لگایا ہے (جس میں اپنی شاعری اور عربی دانی کا رعب جمانا ہی مقصود تھا) اس لیے مولانا نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اسی طرز کا قصیدہ لکھو۔ چنانچہ اسی کی تعمیل کی گئی (یہ نظم بطور خطبہ کے بھی نماز جمعہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا)۔“ (ص: 123)

حضرت مولانا بگویی کی عربی شاعری:

آستانہ سیال شریف کے مشائخ عظام اور خلفائے کرام کے متعلق تذکروں میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ملتا کہ آپ نے کبھی شاعری بھی کی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مولانا محمد سعید زین پوری اور مولانا غلام دستگیر بخود آپ کی ہدایت اور رہنمائی میں صوفیانہ شاعری کرتے تھے۔ جس سے آپ کے اعلیٰ ذوق اور موزون طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں ایک عربی قصیدہ ہے جو جریدہ شمس الاسلام بھیرہ شمارہ اپریل 1930ء کے صفحات 26-27 پر شائع ہوا ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ سفر حج کے موقع پر حضرت مولانا بگویی نے اسے دوران سفر بحری جہاز میں تحریر فرمایا تھا:

قصیدہ عربی

(از سید العاشقین تاج العارفین حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی رحمۃ اللہ علیہ)

برموقع سفر حج 1914ء درجہ از تصنیف فرمودہ

بِهِمِ الْقَلْبِ وَالصَّدرِ الْكُتِيبِ	أَيَاهِ فِي عَلِي هَجْر الْحَبِيبِ
تَعَالَى الْحُسْنُ عَنْ فَهْمِ اللَّيْبِ	بِنَفْسِي أَنْتَ نُورُ اللَّهِ حَقًّا
عَنِ التَّشْوِيشِ فِي طَلْبِ النَّصِيبِ	فَكُنَّا فَارِغِينَ بِنُورِ وَجْهِكَ
بِدَنْ الْعِشْقِ كَالْمَاءِ الصَّيْبِ	فَجُودُكَ كَانَ مِنْهُمْ رَاغِبِينَ
إِلَى ذِي الْعَرْشِ مِنْ وَجْهِ الْكُتِيبِ	فَلَمَّا سِرْتُ فِي مَلَا كَرِيمِ
وَقَدْ كُنَّا لِقَى الْأَرْضِ الرَّحِيبِ	تَحْيَرْنَا وَصِرْنَا كَالْهَيَا فِي
جَلَى الصَّدَاءِ مِنَ الْقَلْبِ الْحَرِيبِ	فَأَشْرَقَتْ بِنُورِكَ فِي ضِيَاءِ
نَرَى مِنْ فَيْصِهِ وَجْهَ الْحَبِيبِ	فَتَمَّمْ رَبَّنَا نُورَ الْهَدَايَةِ
كَمَا لِلْأَنْفِ إِقْدَامُ الطَّيِّبِ	فَذَهَبَ الصَّبَامُ مِنْ طَيْبِ طَيْبِهِ
وَأَحْرَقَ نُورُهَا عَيْنَ الرَّقِيبِ	فَذَكَّرْنَا زَمَانَ قَدِيمِ عَهْدِ

فَسِرْنَا تَحْتَ ظِلِّ ضِيَاءِ شَمْسٍ
وَقَدْ فُرْنَا إِلَى بَابِ الْحِجَازِ
وَأَنْشَاءِ الْإِلَهِ فَبَعْدُ أَيُّضًا
وَذَرْنَا زُورَةً تَشْفِي عَالِيًا
فِي سَكَّانِ بَابِ حُضُورِ مَوْلَا
وَدَعَوْنَا لَكُمْ فِي كُلِّ أَنْ
فَنِعْمَ الْيَسْرُ فِي الرَّهْطِ الْعَجِيبِ
بِحُسْنِ تَنْعُمٍ وَكَمَالِ طِيبِ
وَصَلْنَا بَيْتَ رَبِّي عَنْ قَرِيبِ
وَلَا نُرَوِي كَمُسْتَسْقِي رَغِيبِ
دُعَاءٍ لِلْمُقِيمِ وَاللُّغْرِيبِ
فَإِنَّ هُنَا خَيْرُ الْمُجِيبِ

شادی:

آپ اپنے مرشد اول، استاذ اور عم مکرم حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے داماد تھے۔ ان کی بڑی صاحبزادی محترمہ خدیجہ بی بی کے اطن سے مولوی حکیم مختار احمد بگویی پیدا ہوئے۔ اہلیہ کے انتقال (1929ء) کے بعد ان کی چھوٹی ہمیشہ محترمہ بہشت بی بی سے نکاح ہوا۔ ان سے محترمہ رابعہ بیگم مرحومہ اور زبیدہ بیگم مرحومہ پیدا ہوئیں۔ پہلی کا نکاح صاحبزادہ عبدالغفور بگویی مرحوم سے اور دوسری کا مولوی رشید احمد بگویی مرحوم سے ہوا۔

اخلاق و اطوار:

عادات اور محاسن کی جھلک اور اخلاق و اطوار کے رنگ بیان ہو چکے ہیں جن کا تعلق آپ کے شیوخ سلسلہ اور مرشد سیالوئی کے ساتھ تھا۔ مولانا غلام دستگیر خان بخود اور مولانا محمد سعید زین پوری نے اپنے اپنے تذکروں میں آپ کے بارے میں بڑی تفصیل اور عقیدت و محبت سے لکھا ہے جو پیچھے گزر چکا ہے۔

کرامات:

آپ سے لاتعداد کرامات کا ظہور ہوا جن کی تفصیل کے لیے، بقول صاحب تذکرہ ایک دفتر درکار ہے۔

وفات:

9 صفر 1334ھ / 18 دسمبر 1915ء کو آپ کا وہ آخری سفر شروع ہوا جس پر روانہ ہو کر کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ آپ لاہور سے بھیرہ پہنچے۔ جمعہ کے روز جامع مسجد بھیرہ میں قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الآیۃ) کی تفسیر بیان کی۔ موت و حیات کے سلسلے کا ذکر کیا اور وِلاَئِ خَيْرٍ وَابْقَى کے کامیاب انجام اور اخروی سرخروئی پر مدلل تقریر فرمائی۔ بعد ازاں تمام عقیدت مندوں، شاگردوں اور احباب کو فرداً فرداً ملتے اور الوداع فرماتے رہے۔

20 صفر 1334ھ کو نماز فجر کے بعد آپ نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی مولانا ظہور احمد گبوی کو بلایا اور پاس بٹھا کر چار گھنٹے تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ ان میں عقائد اہل سنت والجماعت اور صوفیاء کرام کے طریقے پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی اور الحاد و دہریت اور لامذہبیت سے بیزاری کی تلقین کی۔ گویا مستقبل ۱۸۰۱۶ کے اپنے جانشین اور خادم دین کو دین کے نفی اثبات سے اچھی طرح آگاہ کیا۔ 22-23-24 صفر کو آپ سیال شریف تشریف لے گئے اور حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین کے عرس مبارک میں شریک ہوئے۔ آستانہ عالیہ کے خلفائے نامدار اور سلسلہ کے صاحب دل بزرگوں نے آپ میں تبدیلی پائی اور آپ کی رفتار و گفتار کو الوداعی جانا۔ حضرت مولانا خواجہ محمد عبدالعزیز چاچڑوی نے فرمایا:

”صورت و سیرت میں اپنے شیخ (حضرت خواجہ ثالث سیالوی) کا روپ اختیار کر کے فانی

الشیخ کے مقام پر فائز ہو چکے ہیں، کہیں یہ آخری ملاقات نہ ہو؟“۔ (تذکرہ: ص 41)

سیال شریف سے 7 ربیع الاول 1334ھ / 14 جنوری 1916ء بروز جمعرات لاہور پہنچے۔ مدرسہ حمیدیہ کے طلباء کو حکم دیا کہ لائبریری کی کتابیں واپس جمع کرائیں۔ اگلے روز مدرسہ میں عام تعطیل کا اعلان کیا۔ مدرسہ کے مختلف تدریسی اور انتظامی امور سے متعلق کاغذات مکمل کر کے دستخط فرمائے اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے دفتر میں بھجوادے۔ یہ سارے اقدامات معمول سے ہٹ کر تھے اور بظاہر ان کی کوئی وجہ بھی نظر نہ آتی تھی۔ طلباء اور احباب نے حضرت مولانا سے ان غیر معمولی اور خلاف توقع سرگرمیوں کے بارے میں استفسار کیا۔ تو آپ نے جواب میں بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر پڑھا:

۱۶۱ | دمدموں میں دم نہیں ہے، خیر مانگو جان کی

۱۶۲ | بس ظفر اب چل چکی تلوار ہندوستان کی

8 ربیع الاول بروز جمعہ آپ بعارضہ بخار بیمار ہوئے۔ مولوی محرم علی چشتی صاحب ایڈووکیٹ عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ فرمانے لگے:

”چشتی صاحب! جمعہ کے دن ہم بھیرہ پہنچ جائیں گے۔“

بھیرہ سے مولانا محمد یحییٰ گبوی آگئے۔ ڈاکٹر اللہ جوایا اور دیگر نامور اطباء انتہائی تندہی سے علاج معالجہ میں مصروف رہے۔ مگر بیماری کی شدت قائم رہی۔

13 ربیع الاول بروز بدھ، آپ بزرگان دین اور سلف صالحین کی ارواح طیبہ کی تشریف آوری کی اطلاع دیتے

رہے۔ بوقت عصر اچانک بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا:
”اٹھو، نبی کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی مکان خوشبو سے بھر گیا۔ اور حاضرین پر رقت اور بخودی کا عالم طاری ہو گیا۔ آپ نے اپنے عم زاد مولانا محمد شفیق بگویی کا ہاتھ پکڑ لیا اور عربی زبان میں تصوف کے مسائل اور سلوک کے منازل بیان کیے۔ عالم برزخ کے لیے تیاری اور مطلوب حقیقی کے وصال کی تمنا کا اظہار فرمایا۔ آخری لفظ جو زبان مبارک سے نکلے وہ یہ تھے:

”الفضل والصبر“

بعد ازاں چارپائی پر قبلہ رو لیٹ گئے۔ یاس انفاس اور ذکر میں ہونٹ ہلتے رہے۔ ڈاکٹر اللہ جوایا صاحب نے سر مبارک پکڑ کر پہلو بدلنا چاہا، آپ نے اشارے سے منع فرمایا۔ اسی حالت میں رات کے 3 بجے آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لاہور میں جنازہ:

13 ربیع الاول 1334ھ / 20 جنوری 1916ء کو شہر لاہور میں درودیوار سے حسرت برس رہی تھی۔ بازار و دفاتر بند ہو گئے۔ چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دینے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ مگر مشتاقان جمال کا اس قدر ہجوم تھا کہ زائرین کے لیے کندھا دینا مشکل تھا۔ روایت ہے کہ شہر میں ایک مجذوب رہتے تھے جو کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ وصال کے بعد انہیں حضرت مولانا بگویی کے مکان کے سامنے درد انگیز اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ جنازہ کے ہمراہ بھی مجذوب بے تابانہ دوڑتے پھرتے تھے اور راستے کو تنکوں اور کچرے سے صاف کرتے تھے۔ بار بار کہتے:

عاشق کا جنازہ ہے ذرہ دھوم سے نکلے

مسجد وزیر خان لاہور میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ یہ معلوم نہیں کہ کس عالم یا شیخ نے جنازہ پڑھایا تھا۔
بھیرہ میں جنازہ:

اگلے روز صبح بذریعہ ریل گاڑی آپ کا جد اطہر بھیرہ لایا گیا۔ بھیرہ اور علاقے کے ہزاروں لوگوں نے جامع مسجد بھیرہ میں نماز جنازہ ادا کی۔

تدفین:

خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں، آپ کو اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

عقیدت مند اور تلامذہ:

حضرت مولانا بگویی کے عقیدت مندوں میں لاہور اور پنجاب کے ہزاروں اہل علم اور علم دوست شہری شامل ہیں جو بالواسطہ اور بلاواسطہ آپ سے فیض یافتہ اور ہر طبقہ حیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے چشمہ فیض سے کوئی طلب گار پیاسا نہ رہا۔ آپ کے نیاز مند شاگردوں اور عقیدت مند مریدوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے۔ بعض مشہور شاگرد اور مرید یہ ہیں:

- ☆ پروفیسر خواجہ دل محمد مرحوم (مشہور ماہر ریاضیات اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور)
- ☆ جناب عبدالقادر مرحوم (گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان)
- ☆ ملک عطامحی الدین مرحوم، (رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی)
- ☆ مولانا صلاح الدین احمد مرحوم (مدیر ادبی دنیا لاہور)
- ☆ میاں امیر الدین مرحوم (صدر انجمن حمایت اسلام لاہور)
- ☆ مولانا غلام دستگیر خان بخود جالندھری ☆ مولانا محمد سعید زین پوری
- ☆ مولانا غلام مرشد (خطیب بادشاہی مسجد لاہور) ☆ مولانا محمد یحییٰ بگویی (برادر خورد)
- ☆ مولانا محمد نصیر الدین بگویی (برادر خورد)
- ☆ مولانا محمد نذیر عرشی (مصنف تحفہ سعدیہ اور مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم 20 جلدیں)
- ☆ حضرت صاحبزادہ محمد عبداللہ سیالوئی بن حضرت خواجہ محمد دین ثانی سیالوئی
- ☆ شیخ عبدالحق جالندھری مرحوم اوکاڑا ☆ شیخ علی محمد جالندھری مرحوم سرگودھا
- ☆ سید خلیل احمد جالندھری مرحوم ☆ میاں احمد علی سجادہ نشین شاہ گدالاہور
- ☆ مولانا حسن الدین پروفیسر اور نیشنل کالج لاہور ☆ ڈاکٹر فیروز الدین لدھیانہ (پنجاب)

تاریخ وصال

1293ھ

گل رنگین محمد ذاکر بود تولد آں رعنا

41

عمرش طلب از طیب بطحا ہادی طیب واں اورا

خاتمہ اش برضاؤ دعائے دلبر قدسی گردید
تاریخ وصالش گفت سعید او بر ضاء لب بدعا

■ مولانا محمد سعید زین پوری

=====

کان السعید بهم عام وصالہ

1334ھ

قال المجید تاسفا غاب المنیر

■ مولوی عبدالمجید بہیروی

=====

اثیم از بہر تاریخ وصالش اس چنیں گفتم

1334ھ

نزدیک حبیب اللہ محمد ذاکر مماندہ

برائے سال تاریخ وفاتش نیز او گفتم

محمد ذاکر صوفی بخدا م بنی بادا

■ مولوی محمد ابراہیم اثیم

مرثیہ

اے عاشق روئے و رنگ معشوق میں شوخی شانِ شنگ معشوق
چوں آمدہ از عرب بہ اجمیر آں مایہ نام و ننگ معشوق
در بند بہ پردہ حجازی شد نغمہ سرائے چنگ معشوق
میوب جہاں شدہ بہ دہلی زد در دل ماخذنگ معشوق
از سگر چشتیاں، سیالاں برجست چوآں نہنگ معشوق
صدش ہمہ ماہیان پنجاب شد کشتہ بے درنگ معشوق
از بگہ و بھیرہ تا با لاہور افتاد چناں تفنگ معشوق

در شان محمد است ذاکر
 ہر سمت جریح او است بس
 ہر ذرہ کوہ و سنگ معشوق
 چوں مرغ تپاں بچنگ معشوق
 افسوس! کہ آں مہ دل افروز
 تصویر جمیل ژنگ معشوق
 پوشیدہ رخس، حیات شد تنگ
 بر ما چوں و ہاں تنگ معشوق
 در عرضہ علم و عشق و عرفان
 سہ اسپہ دواں کرنگ معشوق
 ناگاہ عنان بتافت از ما
 با جذبہ پالہنگ معشوق
 بس صبر بکن سعید نالاں
 چوں شہد بخور شرنگ معشوق

41

گو ہادی طیب است عمرش آگہ زاء و ہنگ معشوق

1293ھ

اے عارف و ذاکرش تولد شد ہر کہ بید دنگ معشوق

تاریخ وصال آں دلآرا

عاشق ہمگی برنگ معشوق

■ مولانا محمد سعید زین پوری

1916ء

ذاکر، ذکر بنی بود

تاریخ وصال حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی

رسول اللہ کا عاشق وہ مرد با خدا ذاکر
 وہ عالم تھا وہ فاضل تھا وہ عابد تھا وہ زاہد تھا
 ہوا عہد شباب اس کا بسر یاد الہی میں
 یقیناً ہر نفس اس کا ترانہ سنج ہو حق تھا
 نہ اپنے بلکہ بیگانے بھی اس ذاکر پہ عاشق تھے
 ہوا جس دم نہاں وہ چشم ظاہر بین مردم سے
 اٹھا جب سے وہ، بزم اصفیا سے اٹھ گئی رونق
 بوقت عمر تھا صابر بوقت سیر تھا شاکر
 زمانہ اس پہ شاہد ہے کہ وہ نیلوں کا شاہد تھا
 کبھی پڑنے دیا اس نے نہ نفس اپنا تباہی میں
 رجا سے رنگ او تھا سرخ گاہے خوف سے فق تھا
 عنادل کی طرح اس گل پہ پروانے بھی عاشق تھے
 ہوئے اس صدمہ جانکاہ سے سب کلم اور صم سے
 اور اپنوں کی جہان پرفضا سے اٹھ گئی رونق

ہمارے درمیاں تھا رشتہ خالص حب لہ کا اجل کے ہاتھ سے بھی جو شکستہ ہو نہیں سکتا
سوال سال رحلت پر بتایا دل نے نامی کو
پسند اولیا ذاکر ہوا و اصل بحق کہہ دو

1334ھ

■ مولانا غلام دستگیر نامی (لاہور)

قادیانی مذہب میں حیات مسیح:

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے مذہبی سفر کے آغاز میں وہی اعتقادات رکھتے تھے جو عام مسلمانوں کے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دعوی نبوت تک پہنچنے کے لیے بتدریج مراحل طے کیے۔ جب انہوں نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف لکھا اور مناظرے کیے اور اہل علم میں ان کی پذیرائی ہوئی تو انہوں نے خود کو مجدد دین قرار دیا۔ جب اس پر زیادہ احتجاج سامنے نہ آیا تو انہوں نے مسیح موعود کا دعویٰ کر دیا۔ بنیاد اس دعویٰ کی یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے اگرچہ صلیب پر چڑھایا مگر ان کی وہاں موت واقع نہ ہوئی۔ آپ کے حواریوں نے آپ کو وہاں سے اتار کر کہیں چھپا دیا۔ اور وہ اپنی طبعی عمر گزار کر 87 سال بعد سری نگر (کشمیر) میں فوت ہوئے۔

شمس الہدایہ فی اثبات حیات مسیح:

مرزا صاحب کے اس دعوے نے ایک بار تو علماء کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ چنانچہ جن حضرات نے اس فتنے کے استیصال کے لیے قافی جہاد کیا۔ ان میں حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی خدمات بہت روشن ہیں۔ آپ حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی کے مرید اور خلیفہ اور حضرت خواجہ ثانی لاٹانی سیالوی کے مرید اور مجاز تھے۔ آپ نے قادیانیت کی تردید میں جو کتابیں تصنیف کیں ان میں ایک شمس الہدایت بھی ہے جو آپ نے 1317ھ/1900ء میں لکھی۔ اس کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں:

”حضرت ناظرین پر پوشیدہ نہیں کہ آج کل فطرت انسانی تعصب کی ہواؤں اور جہالت کے بخارات سے متاثر ہو رہی ہے اور ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ ہدایت اور استقامت کا سورج ڈوبنے کے قریب آ گیا اور استوا کا زمانہ حکایت بن کر رہ گیا۔ اس وقت بسبب فقدان تقویٰ نہ تو اشراق نوری ہے اور نہ انشراح صدری۔ جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تمیز دشوار ہے۔ لیاقت علمی بھی مفقود ہے جس کی وجہ سے احکام شرعیہ پر عمل نہ سہی کم از کم اعتقاد تو درست رہ سکتا ہے۔ دنیا میں ظاہر پرستی، سخن سازی، ہوس بازی اور فتنہ پردازی کا دور دورہ ہے اور سادگی اور راستی جو شعائر اسلام میں سے ہیں وہ مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود

ابنائے زمانہ اپنے آپ کو بزعم خود منفرد اور یکتائے روزگار سمجھتے ہیں ان کے نزدیک مکاشفات انبیاء علیہم السلام میں تو غلطی فی الکشف یا فی التعمیر ہونا ممکن ہے۔ مگر ان کے اپنے معانیات میں تاویل تک بھی ناممکن ہے۔ ایسا ہی علمائے سلف کے اجتہادات ان کے نزدیک خیالات فرسودہ ہیں اور کوئی وجہ ان کی صحت کے لیے نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ ان حضرات کی رائے اور استنباط پر منطبق ہو جائیں۔

میری توجہ ان حقائق و معارف کی طرف دلائی گئی تھی جو تالیفات مثل ”ازالہ اوہام“ و ”دافع الوسوس“ اور ”ایام صلح“ میں مندرج ہیں۔ مگر میں علمائے کرام کو ان کی لعن طعن سے بدیں و جبر و کتار ہا کہ خلاف شعائر اسلام ہے۔ لیکن اب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ہر محفل میں اظہار حقیقت عقیدہ مرزائیہ اور تکذیب و تجہیل بلکہ تکفیر علمائے کرام کی جن کا اعتقاد مطابق سلف کے تھا ہونے لگی ہے جس کے سننے کی برداشت مجھ میں نہیں۔ اور عقیدہ حقہ کا یونانیو ما اضمحلال بھی گوارا نہیں۔ لہذا یہ چند مضامین حسب رائے ناقص لکھے گئے تاکہ آیات قرآنی اور احادیث کے صحیح معنی ابنائے زمانہ پر واضح ہو جائیں اور وہ عقیدہ اجماعیہ اہل اسلام سے بوجہ کم علمی کے انحراف نہ کریں۔“ (ص 23-522)

شمس الہدایت پر حضرت مولانا بگوی کے اعتراضات:

حضرت گولڑوی نے جب قادیانیت کے اعتقادات کے خلاف شمس الہدایت شائع کی تو حضرت مولانا بگوی نے آپ کے بعض خیالات اور مندرجات پر علمی اعتراضات کیے۔ یہ امر البتہ تفصیل طلب ہے کہ آپ نے کن نکات پر گرفت کی۔ آپ کے دلائل کیا تھے۔ علمی حلقوں میں البتہ ان اعتراضات کا چرچا رہا۔ مہر منیر میں ”اعتراض اور رجوع“ کے عنوان کے تحت مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں:-

”جب حضرت نے قادیانیت کے خلاف شمس الہدایت کتاب شائع فرمائی تو معلوم ہوا کہ مولانا محمد ذاکر بگوی نے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں۔ چنانچہ جب آپ عرس کے موقعہ پر سیال شریف حاضر ہوئے تو حضرت ثانی سیالوی نے مولانا محمد ذاکر سے فرمایا کہ پیر صاحب کے سامنے اپنے اعتراضات بیان کرو۔ اور جب حضرت نے مولانا صاحب کے تمام اعتراضات کا ثانی جواب دے دیا تو نہ صرف مولانا نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا بلکہ جب اگست 1900ء میں حضرت مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو مولانا بگوی آپ کے علمائے ہرکاب میں شامل تھے۔“ (ص 204)

یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسی نوعیت کے علمی اعتراضات کتاب شمس الہدایت پر مولانا عبداللہ مرحوم سجادہ نشین گڑھی افغاناں ضلع اٹک نے بھی کیے جو شائع ہوئے۔ حضرت گولڑوی نے ان اعتراضات کا تحریری جواب دیا جو بعد میں شائع بھی ہوا۔ تفصیل مہر چشتیہ میں موجود ہے۔

مرزا قادیانی صاحب کا علماء کے ساتھ مجادلہ:

1900ء میں مرزا صاحب بانی قادیانی مذہب نے حضرت پیر صاحب گولڑوی اور ان کے ساتھ برصغیر کے 86 علماء اور مشائخ کو عربی تفسیر نویسی کے مقابلے کا اشتہاری چیلنج دیا تھا۔ اس مقابلے کے لیے پنجاب سے جو علماء نامزد کیے گئے تھے ان میں مولانا غلام محمد بگویی خطیب بادشاہی مسجد لاہور کے علاوہ مولانا محمد ذاکر بگویی بھی شامل تھے۔ انہوں نے، بعد ازاں علماء کے عوامی فیصلوں کی تائید و توثیق بھی کی تھی۔

اس معرکے کی تفصیل حضرت مولانا غلام محمد بگویی کے حالات کے تحت پیچھے گزر چکی ہے۔

تصوف کے بارے میں:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کبھی کبھی تصوف کے بارے میں بھی لکھا کرتے تھے۔ آپ کا ایک مضمون "بنامہ صوفی منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات کے شمارہ اگست 1910ء میں شائع ہوا تھا۔ مولانا محمد نصیر الدین بگویی نے اپنے "بنامہ ضیاء حقیقت" بھیرہ مطبوعہ لاہور کے شمارہ اگست 1921ء (ص 7-24) میں اسے دوبارہ شائع کیا۔ غالب گمان ہے کہ اپنی افادیت اور صاحب مضمون کی ثقاہت اور مرتبت کی بنا پر یہ مضمون بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ہندوستان کے اکثر دینی، علمی اور روحانی جرائد میں بار بار چھپا ہوگا۔

حضرت مولانا بگویی نے یہ نادر تحریر حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، کے پیہم اصرار پر قلم بند کی ہے۔ اپنے جلیل القدر اکابر کی طرح آپ بھی منفرد صاحب قلم تھے۔ تصوف کے اس انتہائی اہم اور نازک موضوع پر حضرت نے جس اخلاص، دقت نظر، نظائر کے ساتھ مگر عام فہم اور سلیس انداز میں لکھا ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ یہ تحریر "جام شریعت" اور "سندان عشق" کے حسین و جمیل اور پُر درد و پُر تاثیر امتزاج کا مرقع ہے۔ تحریر کی اصل چاشنی حضرت مولانا کے ان ذاتی مشاہدات اور قلبی وارزات میں مضمون ہے جس کی مہک خوشبو کی طرح تحریر میں رپتی بسی ہے۔ ان کیفیات کا تعلق خاص طور پر مولانا کے مرشد حضرت ثانی الاتی غریب نواز سیالوی کی ذات گرامی اور حضرت مولانا کے ہم عصر اور ہم نشین، ان کے خلفائے عظام سے ہے۔

تصوف کی حقیقت اور احسان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و پاپایاں رسید عمر ما پہچنان در اول وصف تو ماندہ ایم

ذات حق بیچوں بے چکوں کی سطوت اور ہیبت سے اولیاء کے مشاہدات اور کسب اس کے آستانے پر
سربسجود ہیں اور انبیاء کے ارواح اور قلوب پروانوں کی مانند اس کی شعاعوں میں قربان ہیں۔ پس ناچیز مہشت خاک کو
یہی مناسب ہے کہ اس کی تعریف میں اسی کی کلام پاک میں سے آیات حمد و ثنا کو در زبان کرے۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ . الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اور اس کے حبیب سرور عالم فخر بنی آدم کی معنی بارگاہ میں ناپاک زبان کو کیا طاقت ہے کہ سوائے صلوة
والسلام رب الارباب کے کوئی ہدیہ پیشکش کر سکے۔ فصلی اللہ علیہ و آلہ و اتباعہ و احبابہ اجمعین
اما بعد خاکسار کترین بندگان درگاہ شمشیر خریدہ نقد نگاہ بردہ تبسم دلخواہ حضرت قطب العالم مقتداء بنی آدم حاجی البدعة
والصلوات محی السنۃ والجماعت شیخ العصر مرشد الدہر

سراپا حسن در عالم یگانہ ندیدہ مثل او چشم زمانہ
بصورت آفتاب عالم افروز بسیرت ہم ازو آن بہرہ اندوز
در و جمع آمد اوصاف حمیدہ بروشد ختم اخلاق گزیدہ
بہ نیرنگی عجب رنگین مزاجے بہ بے پروائی الفت امتزاجے
رخش آئینہ انوار قدسی دلش گنجینہ اسرار قدسی
ہدایت لمعہ نور چراغش ولایت نکبت ریحان باغش
بشہر عقل میر خاندانے بہ بزم عشق شمع دود مانے
عجائب ہدیہ از مخزن غیب بغایت تحفہ از کنز لاریب
لبش را با تبسم بمعنای کلاش ہست جملہ در فشانای

ادا فہمی طریق نکتہ دانی فصاحت ترجمانی خوش زبانی
تواضع خوئے دلجوئیش عادت برائے خلق رنج خود عبادت
بہ تمکین کوہ اندر علم دریا برحمت ابرو در رفعت ثریا
خواجہ محمد دین سیالوی متع اللہ المسلمین بطول القائم

بقابادش چو عمر نوح بل بیش کہ خورسند است زان بیگانہ و خویش
ناظرین کی خدمت بابرکت میں بہ کمال ادب و نیاز عرض پرداز ہے کہ حسب مضمون آیت شریفہ:

لِکُلِّ وَجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّئُهَا

(ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتا ہے)

ساکان طریقت اور حاجیان کعبہ حقیقت کے حالات مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ مقصود حقیقی کے صفات غیر متناہی ہیں۔
ایسا ہی توجہات عشاق باری کا بھی انتہا نہیں۔ کوئی تو نام مقصود پر جان فدا کر رہا ہے اور کوئی صفات کے خیال میں
غرق ہے۔ اور کوئی فرمانبرداری پر کمر بستہ ہے۔ اور کوئی طہارت ظاہری و باطنی میں مصروف ہے۔ کوئی اندوہ
نیافت میں پردہ اور کوئی عنایت و رحمت کے تصور میں مسرور۔ اور کوئی اس کے محبوبین کے جمال میں ماسوائے حق
سے غافل۔ علیٰ بذالقیاس جو کچھ ازل میں کسی کا طریق وصول مقرر ہو چکا اس میں سرپٹ دوڑنا اور ادھر ادھر آنکھ نہ
انٹنا اس کا فرض ہے:

چو دل بادلبرے آرام گیرد بوصل دیگران کے کام گیرد

ایک روز حضرت محبوب الہی سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین نے فرمایا:

”ہر قوم راست را ہے دینے و قبلہ گا ہے“

حضرت امیر خسرو جو آپ کے جانباز عاشق تھے مجلس گرامی میں موجود تھے۔ آپ نے اسی وقت ایک مصرعہ فی البدیہ
بنائے حضرت خواجہ کی ٹوپی مبارک کی طرف (جو اتفاقاً اس روز ٹیڑھی ہوئی ہوئی تھی) اشارہ کر کے عرض کیا:

من قبایر راست کہ ہم بر سمت کھلا ہے

ایسی حالت میں سالک کو اپنے شغل کے سوا سب کچھ حجاب معلوم ہوتا ہے خواہ وہ فی نفسہ اچھا ہی ہو۔ حضرت محبوب
الہی سلطان الاولیاء نے ایک روز اپنی طالب علمی کا زمانہ یاد فرما کر علمی شوق اور کتب بینی کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا
کہ اب یعنی بعد بیعت حضرت شیخ الشیوخ قطب الاقطاب فرید الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ یاد حق اور باطنی مشغولی کے

باعث کسی علوم فراموش ہو گئے معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کسی مسئلہ کی ضرورت سے کوئی دینی کتاب دیکھی جاتی ہے تو سوا ضروری مسئلہ کے باقی حجاب معلوم ہوتا ہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے چشم پر آب ہو کر فرمایا۔ سبحان اللہ جب اپنوں کا یہ حال ہے تو بیگانوں کی گنجائش کہاں یعنی مطالعہ علم دین جو سراسر نور و برکت ہے شغل باطنی میں حارج ہے تو دوسرے علوم و اشغال طالب حق کیسے نبھا سکتا ہے۔ سال حال کے جلسے نعمانیہ کے دعوتی رقعہ کے جواب میں ہمارے پنجاب کے جامع الشریعہ والطریقہ عالم اکمل فاضل اجل در دریاے تجرید و تفرید حضرت قاضی سلطان محمود ادام اللہ و برکاتہم ساکن اوان شریف ضلع گجرات نے کمال انکسار سے (جو خاصہ ارباب خصوص ہے) تحریر فرمایا:

ہزار گر چہ چراگاہ خوشتر از میدان ولیک اسپ ندارد بدست خویش عنان

کوئی سادہ لوح جس کو اہل باطن کے حالات سے پوری واقفی نہ ہو۔ شاید اس بیان سے خیال کرے کہ ہر مسلمان کو ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔

نہیں یہ حالات جو دل پر وارد ہوتے ہیں سالک کو ان باتوں پر مجبور کرتے ہیں۔ ورنہ مجبوری کے بروقت کے الگ الگ عمل ہیں ان کا لحاظ رکھنا ہر ایک آدمی کو ضروری ہے۔ اکثر غلط فہمیاں اسی سبب سے ہوئی ہیں کہ ناقصین نے اپنے آپ کو کالمین پر قیاس کیا۔ حالانکہ ہر ایک کا ان میں سے زمین و عرش کا فرق ہے۔ ہاں ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ محبت الہی اعلیٰ نعمت ہے جس قدر اس میں استغراق ہو سعادت بر سعادت ہے۔ جو امر سالک کو اس مستی کے خلاف معلوم ہو۔ اس سے احتراز کرنا عقلاً طبعاً شرعاً ضروری ہے۔ لیکن مخالف اور موافق میں تمیز کرنا اہل کشف کا کام ہے۔ مبتدی کو اس میں پیر کے ارشاد کی تعمیل کرنی چاہیے۔

بنابریں چونکہ خاکسار نابکار کو جب سے حضور قبلہ عالم سیالوی (روحی فداہ) کی خاکبوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ سو ملفوظات مشائخ و ذکر شیرین حضرت قبلہ عالم کوئی شغل باعث فرحت دل حزیں معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے مضامین نویسی و تقریر آرائی سے اکثر طبیعت مکرر ہو جاتی ہے۔ اور حتی الوسع ان سے طبعاً احتراز رہتا ہے۔ اب بارہا چونکہ جامع الشریعہ والطریقہ داعی الخلق الی الحق قیم طریقہ مجددیہ مکرمی محسنی حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب دام اللہ فیوضہم و برکاتہم نے بندہ کو فرط شفقت و عنایت سے فرمایا کہ اہل تصوف کے متعلق کچھ تحریر کرنا چاہیے۔ لہذا بندہ نے تعمیلاً ارادہ کیا ہے کہ چند مسائل تصوف از روئے عقل و شرع تحریر کیے جائیں جن سے عام خیالات کی اصلاح ہو۔ اور حتی الوسع ہر ایک مسئلہ کے متعلق اپنے مشائخ کبار کے ملفوظات میں سے کلمات مقدسہ لکھ کر خود محفوظ ہو کر ناظرین کو بھی اس حظ میں شریک کرنے کی کوشش کرے۔ گو مضمون پریشان عبارت میں ہوگا

لیکن امید ہے کہ اہل دل کو علاوہ فوائد علمی کے انفاس طیبہ مشائخ کی خوشبو سے معطر فرمائے گا۔
واللہ ولی التوفیق وبالعروج الی ذرۃ التحقیق۔

کیا ایمان و اسلام و اعمال صالحہ و مناہی سے پرہیز کے علاوہ بھی کوئی عمل ہے جو عند اللہ قرب کا باعث ہوتا ہے:

مخلوقات الہیہ میں فکر کرنے والوں کا اتفاق ہے کہ فطرتی لطیفے جو اجزائے عالم میں متفرق ہیں انسان میں بصورت مجموعی جلوہ گر ہیں۔ ہر ایک لطیفے کے کمالات کا جس قدر کامل ظہور ہوتا ہے انسان زیادہ کامل سمجھا جاتا ہے لیکن شرعاً اس میں دو قسم کے کمال معتبر ہیں۔ ظاہری و باطنی۔ دونوں پر قرآن و سنت اور عقل سلیم شاہد ہیں۔ پہلے ظاہری کمالات جن پر انسان کی اخروی نجات موقوف ہے اور وہ قرآن شریف اور حدیث سرور عالم ﷺ کے مطابق تمام شرعی امور کو تسلیم اور اعتقاد کرنا اور حسب ہدایت شرعی تمام فرائض سنن و مستحبات کو ادا کرنا اور تمام منہیات سے بچنا ہے۔

جیسا کہ سورہ الم کی ابتدائی آیات شریف میں انہیں کمالات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان پر بطور نتیجہ اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (وہی لوگ نجات پانے والے ہیں) مرتب ہوا ہے۔ دوسرے وہ کمالات ہیں جن سے اللہ جل شانہ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ سے ظاہر ہے۔ کیونکہ محسنین کے مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو کمالات نمبر اول کے علاوہ کسی خاص حالت کو حاصل کریں۔ جس کے باعث تمام اہل ایمان اور صالحین سے ممتاز ہوں اور خاص قرب کے خلعت سے خداوند عالم کی جناب سے مشرف ہوں۔ یہ دعویٰ طالب حق کے لیے مفصلہ ذیل دلائل سے واضح ہو سکتا ہے۔

پہلی دلیل:

صحیح بخاری میں (جو بعد از کتاب باری تمام کتب حدیث میں سے زیادہ صحیح مانی گئی ہے) حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک اجنبی آدمی نے حضرت رسول کریم ﷺ کی جناب میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا ”کلمہ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان اور حج بشرط قدرت۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اس سے تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ، کتاب اللہ، ملائکہ و رسل، روز قیامت کا ماننا اور تمام نیک و بد کا خالق اسی کو سمجھنا۔ اس نے عرض کیا کہ سچ فرمایا۔ اس نے پھر سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کی

اس طور عبادت کرنا کہ گویا خدا تعالیٰ کا دیدار ہو رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو اتنا خیال رکھنا کہ وہ دیکھ رہا ہے۔ آخر مجلس میں حضور نے فرمایا کہ یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تعلیم دینے آئے تھے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عقاید اور اعمال کے علاوہ ایک کمال ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ اس کا نام ولایت اور تصوف ہے کہ صوفی پر جب محبت الہی غالب ہوتی ہے (جس کو اصطلاح تصوف میں فناء القلب کہتے ہیں) اس کا دل محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ سوا ذات حق کے کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ کیا خوب کہا ہے اسیرؑ نے:

۷۹۱ اسیری عاشقان مست دیدار ز لذات دو عالم یاد نآرند

بظاہر کاروبار دنیاوی میں عام لوگوں کی مانند مشاغل معلوم ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ ملاقات کرتا ہے۔ مجلس میں مختلف امور کی نسبت تقریر کرتا ہے لیکن اندرون اس کا محبوب حقیقی کے سوا کسی بات پر متوجہ نہیں ہوتا۔ اس کی حالت بظاہر مشتبہ ہوتی ہے۔ ظاہر میں لوگ اس کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں اور اہل بصیرت جن کو اس کی روشنی سے ذرہ بھی پہنچ چکا ہے اس کی ہر حالت میں نور مشاہدہ محسوس کرتے ہیں اور حسب استعداد روحانی غذائیں پاتے ہیں۔

الحق خاکسار نے سیدی مرشدی حضور قبلہ عالم سیالوی ادا م اللہ برکاتہم و افاض علینا من نعمایہم کی مجلس مقدس میں پچشم خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات عام لوگوں سے آپ ان کی دنیاوی امور کی نسبت گفتگو فرماتے ہیں اور ایسی طرز سے تقریر ہوتی ہے کہ جس میں اہل ظاہری کو امتیاز نہیں ہوتا لیکن چہرہ مبارک کے محبوبانہ حرکات اور پرناز غمزے اور حق میں آنکھوں کی سرخی وغیرہ آثار نعمت باطنی طالبان حق کے لیے آئینہ حق نما کا کام دے رہے ہوتے ہیں۔ میرے ایک لائق نوجوان بی۔ اے دوست نے جب حضور کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو اتفاقاً حضور ب تکلف ظریفانہ گفتگو فرما رہے تھے۔ اس نے بعد اختتام مجلس خاکسار سے اپنے خیال کا اظہار کیا کہ جناب حضرت صاحب کی تقریر ایسی تھی کہ جس سے ظاہری خیال یہی ہو سکتا ہے کہ آپ اس وقت دنیاوی شغل میں مصروف ہیں۔ لیکن آپ کے چہرہ مبارک کے انوار نے مجھ جیسے نا آشنا کو بھی ثابت کر دیا ہے کہ آپ کا بال بال حق میں مستغرق ہے۔ الحق

۱۱۳۰ یار ماچوں آب در ہر رنگ شامل میشود

تشریح لفظ مشاہدہ:

مشاہدہ کے لفظی معنی دیکھنا ہے اور اہل تصوف کی اصطلاح میں وہ دل کی خاص حالت مراد ہے جس پر حدیث شریف میں احسان کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس حالت میں توجہ الی اللہ چونکہ دیکھنے کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے

عموماً اس کو دیدار یا مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: اجیعوا بطونکم دعوا الحرص و اعروا جسادکم و قصر و الامل و اظماء اکبادکم دعوا الدنیا لعلکم ترون اللہ بقلوبکم۔ ”یعنی اگر تم کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے متعلق حد اعتدال کو نگاہ رکھو اور حرص اور دنیا کی خواہشات رذیلہ کو چھوڑ دو تو امید ہے کہ تم اپنے دلوں کے آئینہ میں نور الہی دیکھنے لگو گے“۔

دوسری دلیل:

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدن انسان میں ایک پارہ گوشت ہے اگر وہ درست ہو جائے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور اگر فاسد ہو تو تمام بدن فاسد ہوتا ہے اور وہ دل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دل کی وہ خاص حالت جس کو صلاح بدن لازم ہے ایمان و اسلام اور اعمال صالحہ کے علاوہ ہے جسے اہل تصوف فناء قلب کہتے ہیں۔ اس سے تمام بدنی خباثتیں رفع ہو جاتی ہیں اور روحانی کمالات کے دروازے کھلتے ہیں۔ نفسانی کششیں جو کسی بزرگ نے اس شعر میں بیان فرمائی ہیں:

۱۰
خواہی کہ شود دل تو چو آئینہ
دہ چیز برون کن از درون سینہ
حرص و اہل و غضب و دروغ و غیبت
بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ

خود بخود زائل ہو جاتی ہیں اور اوصاف حمیدہ جن پر روحانی ترقی کی بنا ہے روشنی آفتاب کی طرح بے ساختہ پیدا ہوتی ہیں چنانچہ کسی بزرگ کا ارشاد ہے:

۹
خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
نہ چیز بنفس خویش فرما تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم و یقین
تفویض و توکل و رضا و تسلیم

پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوصاف حمیدہ صرف ایمان ہی سے (جو صرف مان لینا شریعت کا ہے) اور اعمال صالحہ وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ صرف ان اوصاف کو سمجھ لینا کافی ہے۔ بلکہ غلبہ محبت الہی اور روشنی جمال نامتناہی کا ظہور قلب کو ایسا پر کرے کہ ان اوصاف کے خلاف بری صفتوں کی جگہ نہ رہے۔ اس کی تشریح واضح طور پر یوں ہو سکتی ہے۔

تمام اوصاف حمیدہ کا جاننا اور ضروری العمل سمجھنا اور ان کا عمل میں لانا شریعت ہے۔ جیسا کہ تمام اسلامی دنیا اس کو سمجھ سکتی ہے اور بے تکلف بنانے کی کوشش کرنا طریقت ہے اور تمام بری حالتوں کا زائل ہونا اور

صفات حمیدہ کا بے تکلف موجود ہونا حقیقت ہے۔ مثلاً ایک شخص جھوٹ سے پرہیز کرے لیکن اس کے دل میں اس کی رغبت ہو تو وہ بظاہر شریعت کا پابند ہے اور اگر دل کی رغبت رفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ طریق الہی کا چلنے والا ہے اور جب جھوٹ سے اس کو ایسا پرہیز حاصل ہو کہ نہ اس کے دل میں رغبت رہے اور نہ اس کی زبان پر کسی حالت میں جاری ہو تو وہ صاحب حقیقت ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ تینوں درجات عام اہل ایمان کو جو اعمال صالحہ بھی کرتے ہیں حاصل نہیں ہیں بلکہ پہلا درجہ بھی بہت ہی کم افراد کو نصیب ہے پس وہ قلبی حالت جس سے بے تکلف یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے وہی فنا قلب ہے۔ جو اہل تصوف پیران عظام کے صدری انوار سے حاصل کرتے ہیں اور ان تمام اوصاف سے بے تکلف موصوف ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا نے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۶۹) ہر کہ را جامہ ز عشقش چاک شد اوز عیب و حرص کلی پاک شد

پیران عظام کی جناب میں نہ ظاہری وعظ ہوتا ہے اور نہ زبانی ترغیب، صرف دیدار سے ہی اہل سعادت جن کو ان کی روحانیت سے ازل میں مناسبت ہو چکی ہے تمام باطنی نعمتیں حاصل کرتے ہیں اور ارشاد سرور عالم ﷺ کے مطابق تمام صوفیہ کرام کی توجہ سب سے پہلے اسی حالت قلب کی اصلاح پر ہوتی ہے جس کے حاصل ہونے سے بدن کی حالت خود بخود درست ہوتی ہے۔ طالب حق اس کی شہادت مستفیضان صوفیہ کرام کے حالات سے لے سکتا ہے۔ صد ہا اوباش مزاج اشخاص کو ہم نے دیکھا ہے کہ جن کے قلب پر کسی صوفی صافی کی نظر عنایت ہوئی ہے خود بخود طبعاً تمام بری باتوں سے محترز ہو گیا۔ اور اعمال حسنہ میں شاعغل بنا۔

ایک انگریزی خواں نوجوان نے حافظ الشریعت والطریقہ حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ ادام اللہ برکاتہم کی بیعت کی۔ اور چند دن اس کے بعد ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھا جس کا ایک شعر جو مدعا مذکور کی کافی شہادت دیتا ہے اور اس سعادت مند کا سوز قلب جو اسے پیر کی عنایت سے حاصل ہوا، ظاہر کرتا ہے، ہدیہ ناظرین ہے:

۹۱ جانتا تھا کون شب بیداریاں دور کر دیں تو نے سب بیماریاں

اور حضور قبلہ عالم سیالوی (روحی فداہ) کی جناب پاک میں ہزار ہا ناخواندہ جاہل دہقان مزاج درشت طبع حاضر ہوئے ہیں۔ اور صرف دیدار پر انوار سے رنگ الہی میں رنگے گئے ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک دہقان چوری پیشہ کسی سخت مقدمہ میں مبتلا ہوا اور اس کی چارہ جوئی میں حضور کی قدم بوسی سے مشرف ہو کر زمرہ غلامان داخل ہوا۔

لیکن باعث ہیبت اصل غرض ظاہر نہ کر سکا۔ اور حضور نے بھی دریافت نہ فرمایا۔ دوبارہ اسی غرض سے حاضر ہوا۔ پھر بھی ویسا ہی دہشت مجلس مبارک کے باعث عرض نہ کر سکا۔ دو روز دربار عالی میں رہ کر چلا گیا۔ اب سہ بارہ مقدمہ کی ہولناک حالت دیکھ کر اور دنیاوی معاملات کی تنگی سے سوختہ جگر ہو کر جناب میں حاضر ہوا۔ اس دفعہ حضور نے اس سے کمال محبوبانہ انداز سے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو۔ اس دل جلے نے (جو کہ پہلے ہی سے مصیبت زدہ تھا اور ناز آمیز خطاب سے اور زیادہ جل گیا تھا) عرض کیا کہ ایک چوروں کا گاؤں ہے بندہ وہاں کاربنے والا ہے۔ حضور نے تبسم فرما کر پوچھا کہ کبھی تم نے بھی چوری کی ہے۔ اس نے چشم پر آب ہو کر عرض کیا کہ اس سارے علاقہ میں میرے جیسا کوئی بد معاش نہیں۔ حضور نے اس کی عاجز التماس کے جواب میں سہ مبارک بلا کر فرمایا کہ اللہ کرم کرے۔ بس یہی نظر عنایت اس کو کافی ہوگئی۔ اس کا مقدمہ حسب دلخواہ اس کے فیصل ہوا اور خود وہ تمام برے افعال سے تائب ہوا۔ تمام چوری کے مال اس نے واپس کر دیے اور اوراد و وظائف جس سے وہ کوسوں دور تھا پڑھنے شروع کیے۔ سبحان اللہ!

7 غمزدہ تو میفریبہد زاہد صد سالہ را
موی پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

تیسری دلیل:

اصحاب کہف کی تعریف میں قرآن شریف میں وارد ہے۔ "فَتِيَّةٌ" اَمَنُوا بِرَبِّهِمْ هُدًى وَ رَبَّنَا عَلِي قُلُوبِهِمْ۔ اس کی تفسیر میں حضرت شیخ علی مہمبھی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ جوان تھے جو اپنے پروردگار کے ساتھ ایمان لائے اور نور باطن کی ہدایت اس کے علاوہ ان کو عطا ہوئی اور ان کے دل مضبوط کیے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ ہدایت خاصہ جو ان کو علاوہ ایمان کے عطا ہوئی اعمال صالحہ وغیرہ کمالات ظاہریہ کے سوا ایک باطنی کمال ہے جسے ولایت اور فناء القلب وغیرہ الفاظ متعارف اہل تصوف سے تعبیر کرتے ہیں۔

چوتھی دلیل:

کلام الہی میں اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا"۔ اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ۔ یہ پیارا خطاب ثابت کر رہا ہے کہ مخاطبین کو شرعی ایمان جس پر نجات اخروی موقوف ہے اور بظاہر جس سے اسلامی احکام مرتب ہوتے ہیں حاصل تھا۔ بایں ہمہ ان کو ایک دوسرے ایمان کی تکلیف دی گئی جو زیادہ قرب الہی کا باعث ہے۔ طالب حق صاف سمجھ سکتا ہے کہ اس ایمان سے وہی باطنی حالت قلب مراد ہے جو اسلام اعمال صالحہ کے علاوہ اہل قرب کو حاصل ہوتی ہے۔

پانچویں دلیل:

احادیث صحیحہ اور اجماع امت اسلامیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا رتبہ باقی افراد امت سے بدرجہا برتر ہے۔ کوئی ولی خواہ کتنا ہی مقرب ہو صحابی کا ہمپایہ نہیں ہو سکتا۔ ان کے ایک عمل کا باقی امت کے بیسٹا اعمال مقابلہ نہیں کر سکتے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر دوسرا شخص جبل احد جتنا سونا خرچ کرے تو وہ اس جو کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو کہ صحابی نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تفاوت اعمال و ایمان میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف اسی نور باطن کے باعث ہے جو ان کو حضور سرور کائنات ﷺ کی صحبت سے حاصل ہوا۔ گو باقی اولیا کو بھی پیران عظام کے پاک سینوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے انوار صحبت ملے ہیں لیکن بالواسطہ اور بلاواسطہ میں فرق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سوا کمالات ظاہری ایک باطنی کمال بھی ہے جس کے درجات متفاوت ہیں۔

چھٹی دلیل:

انسانی فطرت شاہد ہے کہ کسی مسئلہ کا علم جیسا کہ عقل سلیم کے غور و فکر اور مشاہدہ صریح سے حاصل ہوتا ہے ایسا ہی خبر متواتر سے کہ جس کا عقلاً جھوٹا ہونا من قبیل محالات ہے، پختہ یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ پس جب کہ زمانہ رسالت سے آج تک گروہ عظیم کی شہادت چلی آتی ہے کہ ان کو پیران عظام کی صحبت میں علاوہ اعمال صالحہ یا تقویٰ وغیرہ کمالات کے جو ان کو پیشتر حاصل تھے ایک ایسی حالت باطنی نصیب ہوئی جس سے شریعت حقہ کے اسرار مکشوف ہوئے اور محبت الہی دوام ذکر و صفائی قلب نصیب ہوئی۔ اور ان تمام فاسد خیالات سے رہائی حاصل ہوئی جو عام اہل ایمان کے اوقات کو مشوش رکھتے ہیں۔ تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام و اعمال صالحہ کے علاوہ بھی باطنی کمال ہے جو اہل اللہ کی خدمت میں اہل سعادت کو نصیب ہوتا ہے۔

میرے شیخ صحبت و ارث نسبت مجددیہ مظہر انوار قیومیہ عمی و استاذی حضرت مولانا غلام محمد گوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایام طفولیت سے ذکر فکر کی طبیعت عادی ہے اور وظائف و اعمال میں مصروفیت رہی ہے۔ لیکن جب سے تاج الفقراء اکمل الکاملین حضرت بابا جی تیرا ہی لجانطوی سے شرف بیعت حاصل ہوا ہے تلاوت قرآن، نوافل وغیرہ وظائف میں نئی روشنی اور تازہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً درود شریف کی تعداد جو آپ نے فرمائی ہے اس میں جو حظ اور شوق حاصل ہوتا ہے، اس سے زیادہ پڑھنے میں محسوس نہیں ہوتا۔

قد وہ ارباب استقامت زبدۃ اصحاب کرامت سباح دریائے محبت سیاح بادئہ مؤدت فانی فی اللہ حضرت مولانا مولوی معظم الدین صاحب مروروی ادام اللہ برکاتہم نے (جو حضرت شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے

اعظم خلفاء میں سے اس تاریک زمانہ میں مشائخ سلف کی یادگار ہیں) خاکسار کو فرمایا کہ میں نے اٹھارہ سال کا عرصہ کمال عرق ریزی تحصیل علوم دینیہ میں صرف کیا اور اس قدر مطالعہ میں استغراق پیدا کیا کہ اخیر کے دو سال اکثر نماز عشاء کے بعد نماز صبح تک تمام رات مطالعہ میں گزر جاتی۔ اور لذت مطالعہ کے باعث ذرا سی دقت معلوم نہ ہوتی جس سے کہ اذان صبح سننے سے تعجب ہوتا کہ ابھی نماز عشاء پڑھی تھی اور ابھی صبح ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اس قدر استغراق سے دینی اسرار کس قدر ظاہر ہوتے ہوں گے۔ لیکن جب حضرت قبلہ عالم شمس العارفین کی بارگاہ عالی میں مشرف ہوا تو ایک لفظ کی صحبت سے جو کچھ حاصل ہوا اس کے مقابلہ میں ان تمام علوم کا ما حاصل بیچ معلوم ہوا۔

الغرض زمانہ رسالت سے آج تک ایک مقدس گروہ باطنی کمالات کا شاہد ہے جیسا کہ رشحات، نجات، تذکرۃ الاولیاء، ملفوظات خواجگان چشت کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ کمالات باطنی اور اہل باطن کی تعریف میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ علماء صوفیہ، حکماء، محدثین، فقہاء، متکلمین، تمام اہل کمال کے مانے ہوئے ہیں اور جن کی تحریریں آج تک ہدایت بخش خاص و عام ہیں اور زمانہ حال کے یورپین فلاسفہ نے بھی ان کے کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ اور وہ حضرت ابو محمد فارمدی کے مرید ہوئے ہیں) المتقذ من الضلال میں اپنے ابتدائی حالات بیان فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ مختلف خلوتوں میں مجھے اس قدر حالات منکشف ہوئے جو شمار میں نہیں آسکتے۔

مختصر یہ ہے کہ مجھے یقیناً معلوم ہوا کہ صوفیہ ہی ایک گروہ ہے جو خدا کی راہ کو طے کرتے ہیں۔ ان کی سیرت تمام سیرتوں سے بہتر اور ان کا طریقہ تمام طریقوں سے زیادہ درست۔ ان کے اخلاق تمام اخلاق سے پاکیزہ بلکہ اگر ہم تمام عقلمندوں کی عقل اور فلاسفہ کی حکمت اور تمام علماء شریعت کے علم جمع کریں اور ان کی سیرت اور خلق کے مقابلہ میں عمدہ سیرت اور خلق طلب کریں تو ہرگز نہیں ملے گی کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات ظاہری و باطنی نبوت کی روشنی سے لیے گئے ہیں۔ الغرض جس طریقہ میں دل کا تمام ماسواذات حق کے پاک کرنا پہلی شرط ہو اور ذکر الہی میں مستغرق ہونا اس کا ابتدا بجائے وضو کے ہو اور اللہ جل شانہ کی ذات میں بالکل فنا ہو جانا۔ اس کے ان مقامات کا جو بندہ کے کسب و اختیار کے ماتحت ہیں آخری مقام ہو۔ اس پر کیا کوئی اعتراض کر سکتا ہے، آگے آپ چند مقامات کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

”هذه حالة يتحققها بالذوق من سلك سبيلها فمن لم يرزق الذوق فاليقيل بالسامع ان اكثر مع اهل الذوق الصعبة حتى يفهم ذالك يقرائن الاحوال يقينا فمن جالسهم استفاد منهم هذا الايمان فهم القوم لا ليشقى جليسهم و من لم يرزق صحبتهم فليعلم امكان ذالك“۔ یعنی یہ

باطنی کمال ایک حالت ہے جسے سالک راہ خدا ذوقی طور پر معلوم کر لیتا ہے۔ اور جسے ذوق نہ ہو وہ سن کر قبول کرے اور اہل ذوق سے بہت صحبت رکھے تو خود ان کے حالات سے اسے یقیناً معلوم ہو جائے گا۔

آخر میں منکرین علم باطن کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں: ”وراء لهؤلاء قوم جهال هم المنكرون لاصل ذلك لتعجبون من هذا الكلام يسمعون و يسخرون و يقولون العجب انهم كيف يهدون و فيهم قال الله سبحانه و منهم من يستمع اليك حتى اذا اخرجوا من عندك قالوا الذين اوتوا العلم ما اذا قال انفا اولئك الذين طبع الله على قلوبهم و اتبعوا اهواءهم و الذين اهدوا زادهم هدى و اتهم تقوايهم“۔

مذکورہ دلائل طالب حق کے لیے کافی ہیں۔ اب آخر میں ہم تبرکاً اس مسئلہ کے متعلق اپنے حضرت خواجہ غریب نواز سیالوی ادام اللہ برکاتہم کا ملفوظ بیان کرتے ہیں:-

1321 ہجری مورخہ 5 شوال / 26 دسمبر 1903ء بمقرب عرس حضرت خواجہ عثمان برونی خاکسار حضرت قبلۃ السالکین کعبۃ العاشقین مرشدنا ادام اللہ برکاتہم کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ مقیمان آستان عالی شان اور مولانا قاضی محمد نوشیروی و مولانا مولوی احمد سہرالوی وغیرہ خلفاء و درویشان باصفا حاضر مجلس گرامی تھے۔ وقت بہت ہی باراحت تھا۔ عشاق حضور کے چہرہ مبارک سے جمال الہی اور کمال نامتناہی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ کی حق بین آنکھیں سوزش حقیقی میں سرور وصل کی صورت میں جلوہ گر تھیں۔ آپ نے چشم پر آب ہو کر قاضی محمد نوشیروی سے (جو علاقہ ضلع شاپور میں ایک جلیل القدر بتمخر فاضل ہیں) مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

ایمان سلامت بر کوئی آکھے عشق سلامت کوئی

بعد ازاں ایمان و عشق کی تشریح فرمائی کہ ایمان دل اور زبان سے اور عشق محبوب حقیقی کی محبت میں بیقرار رہنا ہے۔ شاید یہ ارشاد قاضی صاحب کے کسی خیال کا جواب ہوگا جو وہ خود ہی جانتے ہوں گے۔ لیکن یہ مختصر ارشاد ہمارے مضمون کو بخوبی حل کرتا ہے کیونکہ اعمال صالحہ اسلام و ایمان کی حقیقت میں (جو اہل شرع نے بیان کی ہے) سوزش حقیقی اور بیقراری داخل ہے۔ پس یہ ان کے علاوہ ایک کمال ثابت ہوا۔ جو اہل باطن کو پیران عظام کے سینہ سے بغیر ظاہری تقریر کے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر خاکسار کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مرشدنا قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ:

عشق در سینہ بود درسی نبود

محمد ذاکر بگوی

عرس مبارک:

1916ء میں وصال کے بعد سے ہر سال بھیرہ میں عرس منعقد ہوتا ہے۔ جس میں سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے علماء کو مدعو کیا جاتا ہے۔ ان کے مواعظ حسنہ کے علاوہ خوش الحان قاری، نعت خواں اور قوال بھی شریک ہوتے ہیں اور شرکاء مجلس کو محفوظ کرتے اور ان کے ایمان کو مضبوط بناتے ہیں۔ عرس مبارک کی تقریبات کا اہتمام مولانا محمد یحییٰ بگوی، مولانا نصیر الدین بگوی، مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا افتخار احمد بگوی، مولوی حکیم مختار احمد بگوی اور صاحبزادہ عبدالغفور بگوی کرتے رہے ہیں۔ ان میں حضرت مولانا بگوی کے مریدین، متوسلین اور معتقدین اور اب ان کی نیک سیرت اولادیں اور عوام شریک ہوتے ہیں۔

شمس الاسلام نومبر دسمبر 1926ء کے مطابق حضرت کے عرس مبارک کی تفصیل یہ ہے:

حضرت ثالث سیالوٹی کی عرس مبارک میں شرکت:

مورخہ 14-15 ربیع الاول 1345 ہجری مطابق 22-23 ستمبر 1926ء بمقام بھیرہ حضرت سلطان اعشقیں قدوة السالکین زبدۃ العارفین سیدنا وسندنا ومرشدنا قبلہ عالم مولانا خواجہ محمد ذاکر بگوی قدس سرہ العزیز کا عرس مبارک نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوا۔ مخدوم العالم، سید الاحرار، مجاہد اسلام، امام السالکین حضرت سجادہ نشین سیال شریف ادا م اللہ تعالیٰ برکاتہم مورخہ 14 ربیع الاول بروز چہار شنبہ صبح کی گاڑی سے بھیرہ رونق افروز ہوئے۔ نیشن پر استقبال کے لیے ہزاروں مشتاقین جمال کا جھوم تھا۔ حضور لامع النور شیشن سے اترتے ہی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں مولانا ظہور احمد بگوی کی طرف سے منظوم عرضیاں خوش الحانی کے ساتھ جناب محمد شریف نعت خواں نے کا کر پیش کیں۔ رات کو مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں علامہ محمد عبدالجواد مصری الازہری نے عربی میں زبردست تقریر و تردید عقاید نجدیہ پر فرمائی۔ جس کا مطلب جناب مولانا محمد حنیف ساکن کوٹ مومن نے اردو میں بیان کیا۔ علامہ ممدوح عربی کے زبردست فاضل اور جامعہ ازہر کے مستند ہیں۔ اور عرس کے موقع پر بھیرہ میں تشریف فرما تھے۔ دوسرے روز مولانا ظہور احمد بگوی نے ایک زبردست مدلل اور ولولہ انگیز تقریر کی جس میں عقائد و اعمال نجدیان پر پوری روشنی ڈالی اور ملک ہند میں نجدیوں کے خلاف موجودہ سرگرمیوں کی غرض و غایت بیان فرمائی۔ (ص 29)

صاحبزادہ حکیم مختار احمد بگوی مرحوم:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کے اکلوتے فرزند تھے جو ان کی پہلی بیوی محترمہ خدیجہ بی دختر مولانا غلام محمد بگوی سے تھے۔ 1897ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کچھ والد ماجد سے اور کچھ عم مکرّم سے حاصل کی۔ میٹرک

گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے کیا۔ پہلے مولوی کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد لاہور اور دیگر مقامات سے طب، دوا سازی اور کشتہ بنانے کا فن سیکھا۔ ایک عرصہ تک اسلامیہ نڈل سکول میلووال (بھلووال) ضلع شاہ پور میں عربی مدرس کے طور پر کام کیا۔ مولانا محمد ذاکر بگویی کی وفات کے بعد ان کی دو بیٹیوں اور اکلوتے بیٹے کی نگہداشت کی ذمہ داری مولانا محمد یحییٰ بگویی نے نبھائی۔ انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی محمودہ بیگم مرحومہ کا نکاح 1921ء میں صاحبزادہ حکیم مختار احمد سے کیا۔ اس شادی سے حکیم صاحب کا ایک بیٹا حکیم فیاض احمد بگویی اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

مولانا محمد یحییٰ بگویی کے سرگودھا تبادلے کے بعد حکیم مختار احمد بگویی تھوڑے عرصے کے لیے دارالعلوم عزیز یہ اور جامع مسجد بھیرہ کے کارمختار اور منتظم بھی رہے۔ سیلانی طبع، آزاد منش تھے اور مولانا محمد ذاکر بگویی کے ہزاروں مریدوں، شاگردوں اور معتقدوں کی آنکھوں کے تارے۔ صاحبزادگی اور شہزادگی میں چونکہ فرق تھوڑا ہی ہوتا ہے اگر کوئی اتالیق مسلسل نگاہ نہ رکھے۔ اس لیے صاحبزادہ حکیم مختار احمد بگویی زندگی بھر ذمہ داریوں سے آزاد ہی رہے۔ لاہور، سرگودھا اور بھیرہ میں معیاری مطب کھولے۔ بھیرہ میں تو ایسا شفا خانہ کھولا جہاں ہاتھ سے چلنے والی مختلف اقسام کی گولی ساز مشینیں نصب کیں۔ پورے علاقے میں اپنی طرز کی یہ ایک نئی کوشش تھی۔ مہنتی اور ذہین تھے اور جدید ٹیکنالوجی کے دلدادہ مگر استقامت نہ تھی۔ کچھ عرصہ وارنی بھی رہے اور اسی حوالے سے لاہور میں ٹھکانہ بھی بنا لیا تھا۔ ایک مدت تک لاہور کے ان گم شدہ اوقاف کا پیچھا کیا جو ان کے خیال میں اصلاً خاندان بگویی کی تولیت میں تھے۔

صاحبزادہ حکیم مختار احمد بگویی مختصر سی علالت کے بعد 25 جولائی 1968ء کو فوت ہوئے اور میانی صاحب قبرستان لاہور میں اپنے نانا مولانا غلام محمد بگویی کے مزار سے متصل دفن ہیں۔ ان کے لوح مزار پر تعارفی عبارت کندہ ہے۔ (بحوالہ خفتگان خاک لاہور۔ ص: 55)

محترمہ رابعہ بیگم مرحومہ:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی دوسری اہلیہ محترمہ بہشت بی دختر مولانا غلام محمد بگویی کی بڑی بیٹی تھیں۔ 1913ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم بھیرہ میں والدہ ماجدہ کے پاس اور کچھ سرگودھا میں اپنے عم مکرّم کے پاس مکمل کی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد بھیرہ میں ان کی رہائش محلہ خواجگان میں تھی جہاں ان کی والدہ کا بہت بڑا درس ناظرہ اور حفظ قرآن کا تھا۔ یہاں ان کی والدہ بچیوں کو ترجمہ قرآن بھی پڑھاتیں اور خانہ داری بھی سکھاتی ہیں۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بلاک نمبر 2 سرگودھا سے پاس کیا۔ ذہین اور مہنتی تھیں، شوق کے ساتھ گھر میں حوصلہ افزائی تھی۔ ہمت کر کے لاہور کالج فار ویمن میں داخلہ لے لیا۔ خاندان میں اور شہر میں بڑی مخالفت ہوئی مگر عم مکرّم اور محترمہ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ اس کے بعد لیڈی میکلیکن کالج لاہور میں تعلیم سے متعلق

سال بھر کا ڈپومہ کیا۔

25 مئی 1937ء کو بھیرہ میں اپنے عم زاد صاحبزادہ عبدالغفور گوی مرحوم کے ساتھ عقد نکاح ہوا۔
1937ء سے 1973ء تک محکمہ تعلیم میں خدمات سرانجام دیں اور صوبے کے مختلف مقامات پر تعینات رہیں۔ آج اس بات کا تصور بھی محال ہے کہ تمام تردینی حدود، شرعی اقدار اور خاندانی روایات کی مکمل پاسداری کے ساتھ مذمت کی جائے۔ مگر مرحومہ نے ایسا ہی کیا۔ ان کی ذات ان کی رفقاء اور ہزاروں شاگردوں کے لیے ہمیشہ روں ماؤں رہی۔ مزارع میں متانت، لباس میں نظافت، گفتگو میں حلاوت، رہن سہن میں طہارت، نسبت بدخون اور عیب جوئی سے احتراز۔ اپنے فرائض منصبی کا بھرپور احساس۔ بچوں کے ساتھ شفقت، رفقاء کے ساتھ ہمدردی، معمولات بڑے معین اور پابند نظم تھے۔

سیاں شریف میں حضرت خواجہ مولانا قمر الدین سیالوٹی سے بیعت تھیں۔ محترمہ حضرت سیالوٹی کی بہت معتقد تھیں مگر ان کے سامنے بھی پردے کی مکمل احتیاط کرتیں۔ حضرت مولانا محمد ذاکر گوی کے حوالے سے حضرت سیالوٹی آپ کا از حد احترام کرتے۔ بڑی تکریم سے پیش آتے۔ اٹھ کر خیر مقدم فرماتے اور خود دعا کی درخواست کرتے تھے۔ محترمہ کو نبی کریم ﷺ سے از حد محبت تھی۔ ایک دفعہ گرلز ہائی سکول بلاک نمبر 2 میں بچیوں کا داخلی امتحان ہوا تھا۔ پرچہ امتحان میں کسی میجر نے نبی ﷺ کے سانحہ وفات کے بارے میں کوئی سوال پوچھ لیا۔ محترمہ کی کلاس کی صحبت نے شور مچا دیا کہ انہیں تو اس سوال کا جواب ہی نہیں پڑھایا گیا۔ بات درست تھی۔ معذرت مستحسن کے پاس جا پہنچی۔ آپ نے جو جواب دیا وہ سنہری لفظوں میں لکھا جانے والا ہے:

”کون مسلمان ہے جو نبی کریم ﷺ کے سانحہ ارتحال کو اس طرح پڑھا سکتا ہے۔ مجھ میں اتنی سکت نہ تھی کہ میں اتنے غشیم سانحے کو دہرا سکتی۔ چنانچہ میں نے وصال کا باب نہیں پڑھایا!“

بے پایاں غنیمت اور بے مثال محبت کے اس لازوال جواب کے بعد ہر شخص چپ سا ہو کر رہ گیا اور بچیوں کو متبادل سوال دے دیا گیا۔

صوم و صوفا اور پردے کی سختی سے پابند۔ اوائل جوانی سے تہجد گزار۔ تلاوت اور مطالعہ کا شوق۔
محترمہ رابعہ بیگم نے 1964ء میں اپنی منہ بولی بہن محترمہ صالحہ بی (چاندی) شہیدہ کے ساتھ حج کی سعادت سے سرفراز ہوئیں۔ 19 جولائی 1973ء، 18 جمادی الثانی 1393ھ کو معمولی علالت کے بعد عارضہ دل سے اپنی خالق کے حضور جا پہنچیں۔

20۔ جولائی کو جنازہ ہوا اور بڑے قبرستان سرگودھا میں دفن ہوئیں۔

نسخہ متبرکہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ بگوییہ

ایک نسخہ عربی زبان میں ہے جس پر مولانا محمد یحییٰ بگویی نے نظر ثانی کی اور مولانا محمد ذاکر بگویی کے ایک انتہائی مخلص اور عقیدت مند مرید جناب الحاج شیخ علی بخش جالندھری مرحوم نے صوفی غلام یسین مرحوم خادم خانقاہ و گدائے آستانہ عالیہ بگوییہ بھیرہ کے ذریعے شائع کیا۔ سلسلے کے متعلقین اور مریدین اپنے اوراد و اشغال میں اس شجرہ کو ورد زبان کرتے اور معمول کا حصہ بناتے ہیں۔

سلسلہ خاندان چشت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ . وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهِ سِلْسِلَتِیْ مِنْ مَّشَائِخِیْ فِی طَرِیْقَةِ الْچِشْتِیَةِ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ .

(1) اِلٰہِی بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْکَوْنِیْنَ وَرَسُوْلِ الثَّقَلِیْنَ حَضْرَتِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُصْطَفٰی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

(2) اِلٰہِی بِحُرْمَةِ مَدِیْنَةِ الْعُلُوْمِ وَالْمَطَالِبِ اِمَامِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِمَامِ الْاَشْجَعِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ

(3) اِلٰہِی بِحُرْمَةِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ حَضْرَتِ خَوَاجَةِ اَبِی النُّصْرِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ

(4) اِلٰہِی بِحُرْمَةِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ حَضْرَتِ خَوَاجَةِ اَبِی الْفَضْلِ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ زَیْدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ

(5) اِلٰہِی بِحُرْمَةِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ حَضْرَتِ خَوَاجَةِ اَبِی الْفَضْلِ قَصِیْلِ ابْنِ عِیَاضٍ

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(6) الہی بحرمة شیخ المشائخ امان الارض حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن اذہم البلخی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(7) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ للرعشی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(8) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرة البصری

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(9) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت خواجہ ہمشاد علود یوری رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(10) الہی بحرمة شیخ المشائخ سر سلسلہ چشتیان خواجہ خواجگان حضرت خواجہ ابی

اسحاق شامی چشتی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(11) الہی بحرمة شیخ المشائخ قدوة الحق والدين حضرت خواجہ ابی احمد بن فرسنافة

الچشتی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(12) الہی بحرمة شیخ المشائخ قطب الحق والدين حضرت خواجہ ابی محمد بن احمد چشتی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(13) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت ناصر الحق والدين خواجہ ابی یوسف چشتی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(14) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت خواجہ قطب الحق والدين مودود چشتی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(15) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت خواجہ مخدوم حاجی شریف زندانی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(16) الہی بحرمة شیخ المشائخ مقتدا اهل عرفان حضرت خواجہ عثمان جونی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(17) إلهي بحرمه شيخ المشايخ قطب العارفين سند الموحدين حضرت خواجه بزرگ و معين

الحق والدين حسن سنجرى ثم اجميرى رحمه الله تعالى عليه

(18) إلهي بحرمه شيخ المشايخ برهان چشتيان شهيد المحبة حضرت خواجه قطب الحق

والدين بختيار اوشى كاكى رحمه الله تعالى عليه

(19) إلهي بحرمه شيخ المشايخ حريق المحبة امام العارفين سلطان الزاهدين حضرت خواجه

فريد الحق والدين گنج شكر الاجوهنى رحمه الله تعالى عليه

(20) إلهي بحرمه شيخ المشايخ سلطان العاشقين رحمة العالمين محبوب الهى حضرت

خواجه نظام الحق والدين محمد بن احمد بدوانى بخارى رحمه الله تعالى عليه

(21) إلهي بحرمه شيخ المشايخ مستغرق بحر شهود شمس العارفين حضرت خواجه

نصير الحق والدين محمود چراغ دهلى اودهى چشتى رحمه الله تعالى عليه

(22) إلهي بحرمه شيخ المشايخ حضرت خواجه شيخ كمال الحق والدين المشهور بعلامة

رحمة الله تعالى عليه

(23) إلهي بحرمه شيخ المشايخ حضرت خواجه شيخ سراج الحق رحمه الله تعالى عليه

(24) إلهي بحرمه شيخ المشايخ حضرت خواجه علم الحق والدين رحمه الله تعالى عليه

(25) إلهي بحرمه شيخ المشايخ حضرت شيخ محمود بعرف شيخ راجن رحمه الله تعالى عليه

(26) إلهي بحرمه شيخ المشايخ حضرت خواجه شيخ جمال الحق والدين بعرف شيخ جمن

رحمة الله تعالى عليه

(27) إلهي بحرمه شيخ المشايخ قطب الاولياء شيخ الاثقياء حضرت خواجه شيخ حسن محمد

رحمة الله تعالى عليه

(28) إلهي بحرمه شيخ المشايخ مظهر الله التام الصمد حضرت خواجه شيخ محمد

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(29) الہی بحرمة شیخ المشائخ فرد الحقیقة قطب المدینة الشریفة حضرت خواجه شیخ یحیی المدنی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(30) الہی بحرمة شیخ المشائخ المتخلق باخلاق اللہ والمتصف باوصاف اللہ فانی فی اللہ باقی باللہ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(31) الہی بحرمة شیخ المشائخ حضرت خواجه شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(32) الہی بحرمة شیخ المشائخ سراج الواصلین فخر العاشقین حضرت خواجه نظام الحق والذین اورنگ آبادی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(33) الہی بحرمة شیخ المشائخ فخر الاولین والآخرین محب النبی محبوب رب العلمین،

حضرت خواجه شیخ فخر الحق والذین محمد اورنگ آبادی ثم جہان آبادی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(34) الہی بحرمة شیخ المشائخ سراج السالکین شمس العارفين غریب نواز حضرت خواجه بزرگ نور محمد مهاوری رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(35) الہی بحرمة شیخ المشائخ سلطان العاشقین برهان المعشوقین خواجه خواجگان القائم مقام عبودیت قطب الزمان حضرت خواجه شیخ محمد سلیمان تونسوی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(36) الہی بحرمة شیخ المشائخ علم الحق والذین شمس العارفين والعاشقین محبوب رب العلمین کامل و مکمل حضرت خواجه شیخ شمس الحق والذین سیالوی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(37) الہی بحرمة شیخ المشائخ قطب الاقطاب فرد الاحباب زبدة العارفين قدوة السالکین مستغرق بحار المعرفة والیقین حضرت خواجه شیخ محمد دین رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(38) الہی بحرمة شیخ المشائخ رأس الصادقین رئیس الموحدين فريد المخلصین مربی

السالکین رئیس المجاہدین حجة الحق إلى الخلق حضرت خواجه شیخ مولانا محمد ضیاء

الْحَقِّ وَالِدِينَ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(39) إلهي بحرمته شيخ المشايخ سيد العاشقين سند السالكين محبوب رب العالمين حضرت شيخ

مولانا محمد ذاکر بگوی رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

(40) إلهي بحرمته شيخ المشايخ شيخ الإسلام والمسلمين قمر العارفين والعاشقين حضرت

خواجه قمر الدين سيالوي آيدہ، اللہ، بقوة المتين.

إلهي بحرمات آين خاندان عاليشان خاتمه آين غريب بخير گردان

و بمشاهده، خویش مشرف گردان. اللهم صلى على محمد كان عليا في

درجاته حسنا في صفاته واحدا في تجلياته ابا الفيض في افاضته ابراهيم في

تسليمه سديد الدين في محبته امين الدين في شريعة علو الدين في معارجه

ابا اسحاق قدوة الدين في ولايته ابا يوسف في وجاهته مودودا في خلقه

شريفيا في نسبه مقتدا آء اهل عرفان في معرفته معين الدين في حد ذاته قطب

الدين في احكامه فريد الدين في انواره نظام الدين في اسراره نصير الدين

في انصاره كمال الدين في تعظيمه سراج الدين في اضاءته علم الدين في

أتمه محمودا في سيرته جمال الدين في صورته حسنا في فعالة محمد في

أحواله يحيى في أحياء القلوب كليم الله في قلوب نظام الإسلام

والمسلمين في ارشاده فخر الدين في حبه و خلقه نور محمد في احبابه

سليمانا في سلطنته و ملكه شمساً في ضيائه و محمد دين في خلقه و انواره

و ضياء الدين في تجلياته ذاکر لذكره و عشقه و حبه و أن يجعلني الله في

محبتهم أجمعين و افاضني فيضا عظيما برحمتك يا أرحم الراحمين ۞

سلسلہ چشتیہ بہشتیہ

نظامیہ، سلیمانیہ، شمسیہ، بگوییہ

کسی شیخ یا پیر طریقت کے مرید اپنی التجا کی قبولیت کے لیے بارگاہ الہی میں اپنے سلسلہ عالیہ کے تمام مشائخ کے واسطے اور ویسے سے دست بدعا ہوتے ہیں۔ یہ شغل اور ذکر اردو، عربی، فارسی، پنجابی تمام زبانوں میں کیا جاتا ہے اور تصوف کے تمام سلسلوں میں بہت کامن اور یکساں مقبول و مروج ہے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی سلسلہ چشتیہ، نظامیہ، سلیمانیہ اور شمسیہ سیالویہ کے بلند پایہ شیخ اور ممتاز مرشد تھے۔ چنانچہ **جذبات سعید** میں مولانا محمد سعید زین پوری نے اردو میں درج ذیل شجرہ طیبہ نظم کیا ہے۔

حمد ہے سب اول و آخر خدا کے واسطے اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے

اہل بیت اصحاب و آل مجتبیٰ کے واسطے

در بدر پھرتی ہے خلقت التجا کے واسطے آسرا تیرا ہے پر مجھ بے نوا کے واسطے

رحم کر مجھ پر الہی اولیاء کے واسطے

آپڑا ہوں در تیرے پر ہر طرف سے ہو ملول کیجئے یہ عرض میری اپنی رحمت سے قبول

یا الہی اپنی ذات کبریا کے واسطے

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل و گلزار سے کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے

سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے

دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے رب

باب علم حق علیٰ مشکل کشا کے واسطے

کر عنایت مجھ کو توفیق حسن اے ذوالمنن تاکہ ہوں سب کام میرے تیری رحمت سے حسن

خواجہ بصری حسن شاہ ہدیٰ کے واسطے

کر مرے دل سے تو اے واحد دوئی کا وہم دور دل میں اور آنکھوں میں بھر دے نور وحدت کا سرور

شیخ عبدالواحد وحدت نما کے واسطے

آ پڑا ہوں تیرے در پر مس گنہگار و اشیم فنس کر مجھ پر الہی ات ذوالفصل اشیم
 شہ فضیل ابن عیاض ابن رسا کے واسطے
 نے صعب شامی کی خواہش گدائی کی مجھے بخش اپنے در تک عاقبت رسالی کی مجھے
 شوہ ابراہیم ابراہیم بادشاہ کے واسطے
 کر عنایت مجھ کو شوق اپنا ہاتھ مزید حذف کر اس دن سے دہم نیر کی سوسدیر
 شہ سعید الدین حذیفہ ہانڈا کے واسطے
 ڈر ہے قذاقوں کا منہں دور رہتے کھن کر کرم پیچھے م ہر وقت ہر من
 شہ میں الدین بھائی پیشوا کے واسطے
 شہ دوام کی مجھے آرزو کر اپنے درد و غم سے یارب اس میں کوشاں
 خوب ممتاز صوفی بوعلی کے واسطے
 حد سے گزرا ب تو رہی وقت کے پروردگار کر میں شام خوں و فنس سے نجات
 شیخ بو سحاق شامی خوش د کے واسطے
 صدقے تمہارے یہ ہے مید تیری ذات سے تو ہوں اب کامی سب غائب حسرت سے
 تم ہوں بخش ہر جا کے واسطے
 مست در تنہا بنا ہوئے تم سے مجھے خاسرانی بخش اب اب تم سے مجھے
 بو تم محترم شہ شہ اب کے واسطے
 تم کہ عجز کو اس را خدمت سے نای یوسف بن یوسف کو معرفت ہر صفت ہوں
 شوہ بو یوسف شہ شہ و آمد کے واسطے
 شہ شوق اس قدر میں مے جے دور ہر من موت مے لے تیرا نعت ہر
 خوبہ مورد بخش پروردگار کے واسطے
 دور کر مجھ سے غم موت و حیات مستور زندہ کو زکریا شریف پنا سے پروردگار
 شہ شریف زندی ہر جا کے واسطے
 بخش ہمت نس مرد کو جیتا ہر من ہر منی دنیو و میں ہر سے پتے ہر من

شیخ عثمان ہردنی اہل حیا کے واسطے
 آج میری دین و دنیا میں پناہ کوئی نہیں رحم کر اس بے کسی میں ہو مددگار و معین
 شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے
 عشق میں جوں بندگان حق ہوئے اکثر شہید خنجر تسلیم سے اپنی مجھے بھی کر شہید
 خواجہ قطب الدین مقتول ولا کے واسطے
 دے ملاحت مجھ کو تو نمکینی ایمان سے اور حلاوت بخش گنج شکر عرفاں سے
 شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
 قال ابتر حال ابتر سب میرے ابتر ہیں کام اپنے محبوبوں کے صدقے تو ہی بن میرا نظام
 شہ نظام الدین محبوب اولیا کے واسطے
 خانہ دل ظلمتوں سے ہو رہا ہے بے چراغ اپنے نور معرفت سے مجھ کو بھی دے اک چراغ
 شہ نصیر الدین چراغ ابتدا کے واسطے
 یا الہی دے میری چشم بصیرت کو کمال جس سے تیرے کاملوں کا دیکھ لوں حسن و جمال
 شہ کمال الدین کمال اصفیاء کے واسطے
 پاک کر ظلمات عصیاں سے الہی دل میرا کر منور نور عرفاں سے الہی دل میرا
 شہ سراج الدین سراج الاتقیاء کے واسطے
 سُرچہ میں ہوں غاصی و بدکار ظالم اور جہول صدقے اپنے عالموں کے کر دعا میری قبول
 شیخ علم الدین عالم باخدا کے واسطے
 کر کریم اس ملک دل میں خاص تیرا راج ہو دل بنے محمود سیر دل میرا معراج ہو
 حضرت محمود راجن مقتدا کے واسطے
 آریٹا میخانہ عرفاں سے وہ جام زلال ذرہ ذرہ میں دکھائی دے تیرا قدسی جمال
 شہ جمال الدین جمن پیر ہڈی کے واسطے
 میں آروں قرباں اس موت حسن پر لاکھ عید اپنے حسن و عشق میں کر لے اگر مجھ کو شہید
 حضرت خواجہ حسن ذوالاتقا کے واسطے

کر معطر روح دل لوئے محمدؐ سے مری اور منور چشم کر روئے محمدؐ سے مری
 خواجہ شیخ بو محمد رہنما کے واسطے
 دل سے پردہ ہستی موہوم کا معدوم کر اور حیات ابدی عطا یا حتی یا قیوم کر
 حضرت یحییٰ مدنی ذوالعطا کے واسطے
 میرا سر اور تیرے پیاروں کی سدا درگاہ ہو طور دل ان کا مری سیر کلیم اللہ ہو
 شہ کلیم اللہ نائب انبیاء کے واسطے
 عرش دل تیرے پیاروں کا تصور تیری یاد شہ نظام الدین کے جلووں سے جوں اورنگ آباد
 نور کا مطلع بنے ارض و سما کے واسطے
 چاہیے مجھ کو نہیں دنیا کا فخر و افتخار فخر کیا کم ہے بنوں گر تیری راہ کا خاکسار
 خواجہ فخر الدین فخر الاتقیا کے واسطے
 ہاتھ میں اپنی رضا کے رکھ مرے دل کی مہار نور عرفاں مہاراں سے بنا خورشید زار
 خواجہ نور محمد رہنمت کے واسطے
 مورِ دل میرے کو بخش اک ریزہ خواں ذوق سے جس کا مہماں ہو سلیمان تقدس شوق سے
 شہ سلیمان تونسوی غوث الوریٰ کے واسطے
 نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کا غرور لیکن اے اللہ بخش اک درد دل مجھ کو ضرور
 خواجہ اللہ بخش غوث دوسرا کے واسطے
 طور دل میرے پہ یارب اک تجلی خاص ڈال مثل موسیٰ دولت دیدار سے کر دے نہال
 حضرت موسیٰ شہ ملک رضا کے واسطے
 حامد و محمود کی وحدت کا وہ نقشہ دکھا ہو محمد کی حقیقت جلوہ ارض و سما
 خواجہ حامد کے خلوص اقتدا کے واسطے
 شمس رحمت سے ترے اس ذرہ کا ہے سوال سیلِ ظلمت سے پناہ میری بنا شاہ سیال
 خواجہ شمس الدین شمس چشتیا کے واسطے
 کر عطا شوق محمدؐ دین و دنیا میں مجھے حضرت ثانی محمد دین کے نام پاک سے

ملجا و ماویٰ میرے ہر مدعا کے واسطے
 حسن تیرا جلوہ گر ہے ان کی ذاتِ پاک پر اک جھلک ہو جائے نیز اس ذرہ خاشاک پر
 اور کیا چاہیے نعمت خاک پا کے واسطے
 فطرت قدسیہ لکھی ہے علی خلقِ عظیم طینتِ اعلیٰ کرم ہے۔ ہیں کریم ابن کریم
 آپ کا سایہ ہے ہم پر سدا کے واسطے
 ظلمت و اللیل سب چھائی ہوئی ہے دور تک کرم پہنچے یہ پروانہ ضیائے نور تک
 شہ ضیاء الدین نور و الضحیٰ کے واسطے
 ہاں میرے شمس و قمر تو ہی حقیقت اور مجاز جلوہ فرمائی کرو ذرہ پہ اے بندہ نواز
 نورِ شمسِ حق قمر دین پر ضیا کے واسطے
 دے بصیرت میں سمجھ لوں غیر کو موہوم چیز تیرا ہی ڈر دل اور تو کو ہی سمجھوں عزیز
 سیدی عبدالعزیز بے ریا کے واسطے
 رکھ اماں اپنی میں یارب مجھ کو ذکر غیر سے ذکر و فکر اپنے میں ہی رکھ محو اور فکر مجھے
 شہ محمد ذاکر صبح و مسا کے واسطے
 مہربانی سے دکھا اک جلوہ لطف و مہر کا مہرہ ناقص مرا مہر سلیمانی بنا
 خواجہ مہر علی شاہ گولڑا کے واسطے
 تیری درگاہ جلال اور اس پہ ہے یہ سر میرا نیک ہوں یا بد، تیرا ہوں اور یہی ہے در میرا
 پیر حیدر شاہ دلیل اہتدا کے واسطے
 باطن میں مرے عظمت کو اپنی یا عظیم رکھ معظم تاکہ ہو مردود شیطان رحیم
 شہ معظم الدین ہادی بے ریا کے واسطے
 مستوں کی نگاہ ناز کے اک جام سے کر دے اس مہجور کو مخمور فضل عام سے
 خواجہ فضل الدین مخمور ولا کے واسطے
 کیا عجب ہے گر کرے دارین میں مجھ کو سعید خاتمہ بالخیر ہو دے ذوق و شوق اپنا مزید
 خواجگانِ خاندانِ چشتیہ کے واسطے

حضرت مولانا الحاج

ابوالسعید محمد یحییٰ بگویی چشتی رحمۃ اللہ علیہ

1295ھ - 1377ھ

1878ء - 1957ء

تصویر مولانا محمد یحییٰ بکویؒ



ولادت:

مولانا محمد یحییٰ بگویی، حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ 1878ء/ 1295ھ میں فیملی کی رہائش گاہ حویلی پشاوریاں، متصل مسجد محلہ حکیمان بھیرہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم:

تعلیم کا آغاز حضرت والد ماجد سے کیا اور ابتدائی دینی اور صرف نحو کی کتابیں ان سے پڑھیں۔ ساتھ ہی مقامی گورنمنٹ سکول سے مدل تک تعلیم مکمل کی۔

لاہور میں اعلیٰ تعلیم:

اخ المکرم مولانا محمد ذاکر بگویی مزید تعلیم کے لیے اپنے ساتھ لاہور لے گئے۔ آپ کی ذاتی نگرانی میں مدرسہ حمیدیہ میں زیر تعلیم رہے۔ مئی 1898ء میں مولانا محمد سعید زین پوری کے ہمراہ مولوی فضل کی کلاس میں داخلہ لیا۔ چونکہ عربی زبان کی بنیاد گھر سے مضبوط تھی اس لیے ایک ماہ بعد مقامات حریری کے امتحان میں دوم رتبہ اور سرکاری وظیفہ مقرر ہوا۔ پورے دو سال تعلیم کے بعد 1900ء میں مولوی فضل کا امتحان دیا اور پنجاب نجر میں پانچویں نمبر پر رہے۔

ملازمت:

یکم ستمبر 1900ء کو گورنمنٹ ہائی سکول پسرور ضلع سیالکوٹ میں عارضی استاد تعینات ہوئے۔ شروع تنخواہ 16/- روپے ماہانہ تھی۔ فروری 1901ء میں مدرسہ حمیدیہ لاہور میں مدرس ثالث کی حیثیت میں حسب مشاہدہ 20/- روپے عارضی طور پر مقرر ہوئے۔ چھ ماہ بعد خلیفہ عماد الدین صاحب نے اسلامیہ ہائی سکول شیہ انوار ایٹ لاہور میں عربی مدرس کی عارضی اسامی پر تقرر کر دیا۔ دسمبر 1906ء تک یہاں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اپنے خودنوشت حالات میں ڈسپلن کے حوالے سے آپ نے ایک واقعہ لکھا ہے:

”کلاس کے لڑکے، پہلے عربی مدرس، مولوی نور حسین صاحب کو تنگ کیا کرتے تھے۔ جب میں جماعت ہشتم بی کے کمرہ میں پہلی بار داخل ہوا تو تمام جماعت نے کھڑے ہو کر زور سے اسلام علیکم کہا۔ جس سے کافی شور ہوا اور ایک لڑکا فقیر کے قریب آ گیا۔ میں نے اس کو ایک (زوردار) تھپڑ رسید کیا جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ یہ لڑکا خلیفہ عماد الدین کا بھتیجا تھا۔ باقی جماعت کو کھڑا

کر کے میں نے شرعی حوالے سے نصیحت کی۔ سارا سال جماعت میں خاموشی رہی۔“

اس کے بعد مولانا کی تقرری گورنمنٹ ہائی سکول منگمری (اب ساہیوال) میں ہو گئی۔ آپ کی خواہش تھی کہ تبادلہ بھیرہ ہو جائے تاکہ والد صاحب کے پاس رہ کر ان کی خدمت کی جائے۔ موسم گرما کی چھٹیوں میں مولانا محمد ذاکر بگویی، مولانا محمد یحییٰ بگویی، مولانا محمد سعید زین پورٹی اور ڈاکٹر فیروز الدین مرحوم بھیرہ میں حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تمام لوگ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کے ہمراہ مزار حضرت میراں صاحب محلہ پراچگان بھیرہ حاضر ہوئے۔ اس موقع پر تین سالوں نے اپنی درخواستیں پیش کیں۔

اس مکاشفے کی تفصیل مولانا عبدالعزیز بگویی کی کرامات کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

نیم جنوری 1908ء کو آپ نے گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں بطور مدرس عربی عہدے کا چارج سنبھالا۔ 1918ء تک یہاں کام کرتے رہے۔ پھر آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا میں ہو گیا۔ سرگودھا جانے کی ایک وجہ اپنے مرشد خانہ یعنی آستانہ سیال شریف کے قریب ہونا بھی تھا۔ چنانچہ مولانا کی ذاتی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تبادلے کے بعد آپ کے بھیرہ، لاہور اور سیال شریف کے اسفار بڑھ گئے تھے۔ 1928ء تک سرگودھا رہے پھر تبادلہ کے بعد بھیرہ آ گئے اور 1938ء میں، اپنی ریٹائرمنٹ تک یہیں خدمات سرانجام دیتے رہے۔

جامع مسجد بھیرہ کی تولیت:

21 جنوری 1908ء کو مولانا عبدالعزیز بگویی کا انتقال ہوا تو تین دن بعد 24 جنوری کو بروز قیل صبح کے وقت مجمع عام میں مولانا محمد ذاکر بگویی نے اعلان کیا:

”میرے والد ماجد بوقت وفات وصیت فرما گئے ہیں کہ میرا جانشین اور جامع مسجد کا متولی محمد یحییٰ ہوگا۔ لہذا والد ماجد کی وصیت کو تسلیم کرتے ہوئے میں مولانا محمد یحییٰ کی دستار بندی کرتا ہوں۔“

چنانچہ مولانا محمد یحییٰ بگویی کی دستار بندی ہوئی اور جانشینی کا اعلان عام ہوا۔

جامع مسجد اور ملحقہ زرعی اراضی کا انتقال بندوبست جو 1891-92ء سے مولانا عبدالعزیز کے نام تھا، مئی 1908ء کی جمع بندی میں، مولانا محمد یحییٰ کے نام درج اور تصدیق ہوا۔

جامع مسجد بھیرہ کی دیکھ بھال:

مولانا محمد یحییٰ بگویی کی عادات میں معاملات کو ضبط تحریر میں لانا اور حسابات کو لکھ کر واضح رکھنا بڑی قابل قدر اور منفرد خوبیاں تھیں۔ جامع مسجد کے مدخل اور مخارج کے لیے الگ سے رجسٹر تھا۔ ہر روز کے اور ہر ماہ کے

حسابات تاریخ وار اور صاف صاف درج کیے جاتے۔ تاہم Cross check کے لیے شہر کے درج ذیل معززین بطور خازن/خزانیہ/معاون کام کرتے رہے۔

☆ جناب خواجہ احمد دین چاندی مرحوم

☆ جناب خواجہ فضل دین گوڑ واڑہ مرحوم

☆ جناب خواجہ محمد صدیق گوڑ واڑہ مرحوم

☆ جناب میاں محمد عظیم پراچہ مرحوم

اپنی غیر حاضری میں خطابت، امامت اور عمومی ننگہ داشت کے لیے اکثر اپنے برادر خورد مولانا ظہور احمد گبوی اور کبھی اپنے برادرزادہ اور داماد مولوی حکیم مختار احمد گبوی مرحوم کو ذمہ داری سونپتے۔ بعض اوقات مدرسہ میں پڑھانے والے حافظ اور مدرس صاحبان بھی یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔

جامع مسجد میں تعمیرات:

آپ کے زمانہ تولیت میں مسجد کی مرمت اور توسیع کا سلسلہ جاری رہا اور درج ذیل تعمیرات ہوئیں:

☆ 1909ء میں مسجد کا ہشتی فرش بچھایا گیا اور محراب و بارہ دری تعمیر ہوئے۔

☆ 1914ء میں برآمدہ جنوبی اور چھوٹی مسجد جانب جنوب تعمیر ہوئے۔

☆ 1918ء میں برآمدہ شمالی تعمیر ہوا اور ڈائیس مسجد کے دروازے کی مع گنبد درمیانہ مع تمام چھت

☆ ڈیوڑھی مسجد اور اس پر ایک کمرہ تعمیر ہوا۔

ان تعمیرات میں درج ذیل کاریگر معمار شریک رہے:

☆ مستری محمد بخش جہاں آبادی ☆ نظام آبادی لوہار ☆ مستری حافظ فضل الہی

مسجد کے اوقاف کا تحفظ:

مولانا احمد الدین گبوی کے بعد 1869ء میں ان کے بھتیجے مولانا عبدالعزیز گبوی، جامع مسجد بھیرہ کے متولی مقرر ہوئے تھے۔ 20 اگست 1896ء کو غلام حیدر ولد غلام قادر خواجہ نے اپنی دوکان نمبر 7 واقع بھیرہ کے بارے میں وصیت کی کہ اس کی آمدنی جامع مسجد بھیرہ کی دیکھ بھال پر خرچ کی جائے۔ چیف کورٹ پنجاب نے ایک اپیل پر فیصلہ دیا کہ دوکان مذکورہ کے دو حصے وارثان بازگشت متوفی کے لیے اور ایک حصہ بنام جامع مسجد بھیرہ کے لیے ہوگا۔ مولانا عبدالعزیز گبوی کی وفات کے بعد 1908ء میں مولانا محمد یحییٰ گبوی متولی اور منتظم مقرر

ہوئے۔ مسجد کی مخدوش حالت اور توسیع کے لیے انہوں نے 24 جولائی 1924ء کو منادی عام کے ذریعے نیلامی مشتہر کی جو 25 جولائی 24ء کو بذریعہ خواجہ فضل کریم مین بازار بھیرہ میں منعقد ہوئی۔ اس کے تحت دکان مبلغ چھ صد روپوں میں محمد حیات ولد محمد دین نے خرید لی۔ فروخت کی رقم سے مسجد میں تعمیرات کا کام مکمل کیا گیا۔ شہر سے فضل کریم ولد حاجی غلام محمد خواجہ نے مولانا محمد یحییٰ بگویی اور مولانا ظہور احمد بگویی پر زبردفعہ 406/109 تعزیرات ہند عدالت اے ڈی ایم/تحصیلدار بھلوال استغاثہ دائر کر دیا۔ مستغیث کا دعویٰ تھا کہ فروخت، معطلی کی وصیت کے منافی ہے۔

12 نومبر 24ء کو تارا سنگھ مجسٹریٹ درجہ دوم نے مولانا محمد یحییٰ بگویی پر فرد جرم عائد کر دی البتہ مولانا ظہور احمد بگویی و بری قرار دیا۔ دراصل یہ مقامی معاندین کی شرارت تھی جسے بعض شیعہ سپورٹ کر رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ مساجد کی بہبود و ترقی اور اس ناطے مسلمانوں کے عمومی اتفاق و اتحاد اور خیر و فلاح کے عمل کو سبوتاژ کیا جاسکے۔ مسلمانوں کے مخالف عناصر خواہ داخلی ہوں یا خارجی، انہیں کھل کھیلنے کا موقع ملے۔

مقدمہ اپیل میں مختلف عدالتوں سے گزرتا بالا خر مولانا محمد یحییٰ بگویی کے حق میں فیصلہ ہوا۔ (فیصلہ مورخہ 19 مئی 1939ء از پنڈت اندرکشن ولی، بی اے ایل ایل بی۔ سینئر سب جج سرگودھا) کیونکہ فقہی اور شرعی اعتبار کے علاوہ وقف آمدن کے سارے مصارف صحیح اور صرف مسجد کی بہبود و ترقی پر خرچ ہوئے تھے۔ بطور امین اور متولی مخالفوں کو بھی مولانا پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

2 جولائی 1938ء کو نصیر الدین ولد حاجی قائم دین بھٹی سکنہ بھیرہ نے مولانا محمد یحییٰ بگویی پر مسجد اہلی والہ محلہ معماراں (پاکستانی) بھیرہ کے اوقاف کے حوالے سے دعویٰ تولیت کیا، اہالیان شہر نے بالعموم اور اہل محلہ نے بالخصوص اس باطل دعویٰ کی تکذیب کے لیے پوری کوششیں کیں۔ چنانچہ 18 فروری 1939ء زیر گوشوارہ نمبر 2377 دعویٰ خارج ہو گیا۔

دارالعلوم عزیز یہ:

جب تک بھیرہ میں قیام رہا مولانا محمد یحییٰ بگویی خود بھی طلباء کو مختلف اسباق پڑھاتے تھے۔ درسی کتابوں کے لیے مولانا غلام محمد بگویی کے ایک شاگرد مولانا محمد عبداللہ اور مولانا احمد صاحب اللہ والے مدرس تھے۔ شعبہ حفظ قرآن میں حافظ نظام الدین سرو بہ مرحوم 1918ء سے 1925ء تک تعلیم دیتے رہے۔ ان کی تنخواہ -/24 روپے ماہانہ تھی جو مولانا بگویی اپنی گھر سے ادا کرتے تھے۔ ان کے بعد حافظ اللہ دتہ صاحب پڑھاتے رہے ان کا مشاہرہ -/10 روپے ماہوار

تھا۔ 70-80 طلباء زیر تعلیم ہوتے تھے۔ دونوں حافظ صاحبان کے بھیرہ اور نواح میں کثیر شاگرد تھے۔

مسجد اہلی والہ کی تولیت:

اندرون شہر، محلہ معماراں بھیرہ میں یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس کا تذکرہ حضرت علامہ احمد الدین بگویی کی کتاب دلیل المشرکین (مصنفہ 1843ء) میں بھی ہے جہاں آپ نے بدھ کے روز ماہ شعبان 1259ھ میں اس کی آخری سطریں قلم بند کیں۔ غالباً جب سے حضرت علامہ نے اس محلہ میں سکونت اختیار کی ہے، مسجد اہلی والہ کی تولیت بگوییہ خاندان کے پاس ہے۔ مولانا محمد یحییٰ بگویی بطور متولی مسجد ہذا، اس کی دیکھ بھال، مرمت اور تعمیر میں بڑی دلچسپی لیتے رہے ہیں اور اس کی آبادی و ترقی کے لیے کوشاں رہے ہیں۔

مساجد اور مدرسے کی خدمت:

دونوں مساجد اور دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کی نگہداشت وقت اور محنت کی طالب ذمہ واری ہے۔ آپ سکول کی ملازمت سے وقت نکالتے اور پورے اخلاص کے ساتھ دین کے ان نشانوں کی سلامتی اور بہتری کے لیے برابر توجہ دیتے تھے۔ یہ سارے کام خالصۃ اللہ کے لیے تھے۔ ان کا کوئی معاوضہ نہ تھا۔

روشن خیال:

عورتوں کے حقوق وراثت اور ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں مولانا بڑے روشن خیال تھے۔ ان میں تنگ نظری بالکل نہ تھی۔ مولانا محمد ذاکر بگویی کی صاحبزادی جو بعد میں آپ کی بہو بنیں، انتہائی محنتی اور ذہین طالبہ تھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انہیں کالج میں داخل ہونا تھا۔ خاندان کے اندر اور باہر اس ارادے پر شدید مخالفت ہوئی مگر آپ نے پورے عزم اور استقامت سے بچیوں کی اعلیٰ تعلیم کی حمایت کی اور تمام شرعی حدود اور پردے کی قیود کے ساتھ اس فیصلے پر عمل کیا۔ اس اعتبار سے محترمہ خاندان اور علاقے کی مسلم خواتین میں پہلی تھیں جنہیں کالج میں تعلیم اور پروفیشنل تربیت کے بعد سروس کا موقع ملا۔

استفتاء:

ریفرنس اور درسی کتب کا آپ کے پاس خاصہ ذخیرہ تھا۔ علاقے بھر سے لوگ شرعی مسائل اور فقہی معاملات لاتے۔ آپ سے رہنمائی لیتے اور فتویٰ بھی حاصل کرتے تھے۔

عرس مبارک پر اہتمام:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کا عرس مبارک بڑی محبت اور خصوصی اہتمام سے منایا کرتے تھے۔ عرس پر زبردست رونق اور چہل پہل ہوتی تھی۔ معنوی عرس ظاہری طور پر بھی ایسا ہی دلکش اور مسرت بخش ہوتا تھا۔ جالندھر، ہوشیار پور، لاہور، بمبئی، کرتار پور، گورداس پور، بٹالہ، سرگودھا، کابل اور دوسرے کئی شہروں سے حضرت کے مریدین، معتقدین اور شاگرد شریک ہوا کرتے تھے۔ مسجد کے وسیع صحن میں روشنی کے لیے جا بجا گیس لیمپ روشن ہوتے۔ رنگ برنگی جھنڈیاں بھی ہوتیں۔ خانقاہ کے اندر دیواروں پر طرح طرح کے دلاویز اور خوبصورت لیمپ جل رہے ہوتے۔ چھت سے تین انتہائی خوبصورت فانوس لٹک رہے ہوتے تھے۔ مزارات پر رنگین غلاف بچھائے جاتے، عطر، لوبان اور اگر بتیوں کی نفیس خوشبو پھیلی ہوتی تھی۔ دور دور سے قوالوں اور نعت خوانوں کی ٹولیاں موجود ہوتیں۔ خاندان کے نوجوان، شہر کے رضا کاروں اور خادموں کے ساتھ مل کر مہمانوں کی خاطر داری کرتے تھے۔

شجرہ چشتیہ نظامیہ سیالویہ بگوییہ:

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کی اجازت خاص سے پہلے جناب شیخ علی بخش جالندھری مرحوم اور پھر ان کے فرزند شیخ اقبال محمد مرحوم جالندھری رنگ والے نے شجرہ شائع کیا۔ سلسلہ چشتیہ کے تمام اکابر کے بعد بغرض دعا و استعانت اپنے شیخ حضرت مولانا محمد یحییٰ بگویی کا واسطہ بھی مذکور ہے۔

شیخ عبدالرؤف لوٹھر کا قبول اسلام:

منشی رام ولد ایس گندامل ایک ہندو نوجوان تھے جو 1933-34ء میں صادق ایجرٹن (ایس۔ ای) کالج بہاول پور میں زیر تعلیم تھے۔ منشی رام ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ ان کا بڑا بھائی سول ہسپتال ڈسک میں ڈاکٹر تھا۔ اس دوران صاحبزادہ عبدالغفور بگویی بھی ایس ای کالج بہاول پور میں پڑھ رہے تھے۔ منشی رام کی ان کے ساتھ دوستی تھی۔ کالج کے فزکس کے پروفیسر محمد افضل صاحب خاندان بگوییہ سے بخوبی واقف اور اس کے معتقد تھے، وہ بورڈنگ ہاؤس میں آیا کرتے اور بعض مسلمان طلبہ کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ ان طلبہ میں صاحبزادہ عبدالغفور بگویی کے علاوہ منشی رام اور ایک ہندو لڑکا بھی شریک درس ہوتے تھے۔ کالج کے لڑکوں میں اس بات کا تذکرہ عام تھا اور خیال تھا کہ منشی رام مسلمان ہو جائے گا۔ اسلام قبول کرنے کے باقاعدہ اعلان سے پہلے صاحبزادہ عبدالغفور بگویی، منشی رام کو بھیڑہ ساتھ لائے تاکہ مولانا محمد یحییٰ بگویی سے مشورہ کیا جائے اور آئندہ کالائے عمل طے

کیا جائے۔ منشی رام نے صدق دل سے مولانا بگویی کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ ان کا اسلامی نام، مولانا کے مرحوم بیٹے (م: 1914ء) کے نام پر عبدالرؤف رکھا گیا۔ اس نام میں یہ اشارہ تھا کہ گویا مولانا کو منشی رام کی شکل میں اپنا بیٹا مل گیا ہے۔

قبول اسلام پر محاذ آرائی:

مسلمان ہونے کے بعد شیخ عبدالرؤف بجائے گھر جانے کے، صاحبزادہ عبدالغفور بگویی کے ہمراہ چھٹیوں میں بھیرہ آگئے اور مولانا محمد یحییٰ بگویی کے گھر، کنبے کے رکن کے طور پر رہنے لگے۔ ان کا والد ہندو وکیل بھی تھا اور اپنے علاقے میں کانگریس کا صدر بھی۔ وہ جامع مسجد بھیرہ میں مولانا ظہور احمد بگویی کے پاس آیا اور اپنے بیٹے سے ملنے کی درخواست کی۔ آپ نے اپنے برادر محترم سے بات کی اور باپ بیٹے کو علیحدگی میں ملاقات کی اجازت دے دی۔ تاہم ایک آدمی رکھوالی کے خیال سے موجود رہا تا کہ شیخ عبدالرؤف کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ باپ نے بڑی کوشش کی مگر شیخ عبدالرؤف اپنی بات پر قائم رہے۔ بعد میں والد نے ہندو اخبارات، ملاپ اور پرتاب میں خبریں چھپوائیں کہ اس کے بیٹے کا زبردستی مذہب تبدیل کروایا گیا ہے۔ صاحبزادہ عبدالغفور بگویی نے روزنامہ زمیندار اور سیاست لاہور میں اس الزام کا جواب شائع کیا اور صورت حال کی وضاحت کی۔ اخبارات اور دوسرے حلقوں میں یہ معاملہ کافی دیر تک زیر بحث رہا۔

شیخ عبدالرؤف کی تعلیم:

پریشان کن حالات کی بنا پر عبدالرؤف ایس ای کالج بہاول پور سے بی ایس سی نہ کر سکے۔ پھر اسلامیہ کالج لاہور میں صاحبزادہ عبدالغفور بگویی کے ساتھ بی اے میں داخلہ لیا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ جاندرہ میں ایک تعلیمی سوسائٹی تھی جو مسلمان طلباء کو ماہانہ وظائف دیتی تھی۔ اپنے تعلیمی اخراجات کے لیے عبدالرؤف نے قرض حسنہ لے لیا جس کے ضامن مولانا محمد یحییٰ بگویی تھے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شیخ عبدالرؤف کو ملازمت نہ مل سکی۔ چنانچہ سوسائٹی کے اصرار پر قرض کی تمام رقم مولانا نے اپنی جیب سے قسطوں میں ادا کی۔ 1939-40ء میں عبدالرؤف نے دوبارہ اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ اس وقت وہ لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ وہ انگریزی میں شعر کہتے تھے۔ اور صبیہ ہال میں لڑکے ان کے گرد جمع رہتے تھے۔

سیال شریف سے بیعت:

مولانا محمد یحییٰ بگویی، حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی سے مجاز تھے مگر خود بیعت نہ لیتے تھے اور طالبین کو سیال

شریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ شیخ عبدالرؤف کو بھی بیعت کے لیے سیال شریف لے گئے اور حضرت خواجہ سیالوئی کے ہاتھوں میں ان کا ہاتھ دے دیا۔ شیخ عبدالرؤف صاحب بھیرہ چھوڑ کر سیال شریف کے ہو رہے۔ کافی دیر آستانہ پر رہے اور حضرت سیالوئی کے اعتماد والے مقربین میں شمار ہونے لگے۔ صاحبزادہ صلاح الدین بگویی مرحوم، شیخ عبدالرؤف صاحب کی عقیدت کا حال بیان کرتے ہیں:-

”نصیر نام کے ایک صاحب تھے جو حضرت سیالوئی کے عقیدت مند اور مشہور شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی صاحب کے رشتہ دار تھے۔ لاہور میں کراؤن بس کے پرانے اڈے سے دیال سنگھ کالج کی طرف دل محمد روڈ جاتی ہے، اس کے شروع ہی میں گھائی پر واقع دکانوں کے اوپر رہائشی فلیٹ تھے۔ ایک کھڑکی کے ساتھ بورڈ پر لکھا تھا: ”نصیر بسیرہ“ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوئی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک رات انہیں بھی شیخ عبدالرؤف صاحب کے ہمراہ حاضری کا موقع ملا۔ رات کو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ عبدالرؤف صاحب، حضرت سیالوئی کی چار پائی کے پاس، ان کے پاؤں کے نزدیک سر رکھے آنکھیں بند کیے لیٹے ہوئے ہیں۔“

(مراسلہ از فیصل آباد)

شیخ عبدالرؤف لوتھر صاحب کی انگریزی شاعری اور نثر میں کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کچھ ہی عرصہ قبل لاہور میں وہ حالت سجدہ میں قتل ہو گئے تھے۔

خواجگان سیالوئیہ سے مولانا کا شرف بیعت:

مولانا محمد یحییٰ بگویی اوائل جوانی سے آستانہ عالیہ سیال شریف کے بڑے معتقد اور مخلص نیاز مند تھے۔ انہیں پہلی بیعت کی سعادت حضرت ثانی سیالوئی سے حاصل ہوئی۔ دوسری بیعت حضرت ثالث سیالوئی سے نصیب ہوئی۔ اور تیسری بیعت حضرت خواجہ مولانا قمر الدین رابع سیالوئی سے کی۔

اس طرح مولانا کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے سلسلہ عالیہ سیالوئیہ کے تین اکابر مشائخ کے دست حق پرست پر سمع و طاعت کی بیعت کی۔ سیال شریف کی بار بار حاضری آپ کا مرغوب مشغلہ تھا۔

خلافت:

سلسلہ چشتیہ میں سلوک کی منازل والد ماجد مولانا عبدالعزیز بگویی اور برادر محترم مولانا محمد ذاکر بگویی سے طے کیں۔ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوئی سے مجاز ہوئے۔ مگر جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے خود بیعت لینے سے احتراز

رتے تھے۔ کوشش فرماتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ بندگانِ خدا، درگاہِ سیالوی سے مستفیض ہوں اور دین و دنیا کی ح پائیں۔

۲۶۶

ملاق و اطوار:

آپ کی ذات گرامی اسلاف کی پارسائی، شرافت اور خداخونی کا نمونہ تھی۔ آپ سادہ مزاج، درویش اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ سکول میں بچوں کی تعلیم اور تربیت کو قومی فرض جان کر ادا کرتے۔ سکول سے ہول کی رخصت لینے سے بھی گریز کرتے مبادا بچوں کی تعلیم کا حرج ہو۔ وقت اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کرتے۔ اپنا عہد نبھاتے اور غلط بات نہیں کہتے تھے۔ لباس ہمیشہ سادہ مگر صاف ستھرا زیب تن فرماتے۔ سر پر پہلے کی ٹوپی، بعد میں قراقلی استعمال کرتے۔ گھر میں کپڑے کی ٹوپی یا رومال رکھتے۔ کبھی ننگے سر نہ رہتے۔ ہمیشہ با وضو رہتے۔ عام ساکلمین اور طالبین کے ساتھ رویہ بہت شفیقانہ اور مریبانہ ہوتا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد زیادہ وقت گھر پر گزارتے۔ تلاوت، نوافل، اذکار اور اشغال کرتے۔ نمازیں مسجد انبلی والہ میں ادا کرتے۔ البتہ دن میں ایک مرتبہ مع مسجد تشریف لے جاتے اور خانقاہ بگوییہ شریف پر اور ادو وظائف میں مصروف رہتے۔

ویذات:

مولانا محمد یحییٰ بگویی کو بعض عملیاتی امور میں مہارت حاصل تھی۔ ان میں تسخیر جنات، دفع جن، رد سحر، اولاد بینہ اور دیگر انسانی مسئلے اور ضروریات شامل تھیں۔ دور دور سے مرد اور خواتین اپنے مصائب اور مسائل کے حل کے لیے حاضر ہوتے۔ آپ انہیں تعویذات اور نقش کے علاوہ پابندیِ صلوٰۃ، صفائی اور پاکیزگی۔ ادائیگیِ حقوق اللہ اور حق العباد کی تلقین فرماتے اور غلط کاموں سے بچنے اور شریعت کی پابندی کی نصیحت کرتے تھے۔ ان روحانی خدمات کا کوئی صلہ مقرر تھا اور نہ معاوضہ۔ سب کچھ اللہ کی رضا اور مخلوق کی خدمت کے لیے تھا۔

ایات الجن وشرہم:

یہ مولانا کی ایک عربی تصنیف ہے جو 85 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں مندرج واقعات گویا آپ کے جس سے مولانا اور ان کا خاندان گزرا ہے۔ یہ تفصیلِ حکیم سے 28 جمادی الثانی 1347ھ مطابق 15 نومبر 1928ء کے متعلق ہے۔ موٹے نب کے ساتھ دو تین قسم کی سیاہی سے مولانا نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ یہ ایک سچے تحریر ہے جس پر کئی جہات سے تحقیقی کام کیا جاسکتا ہے۔ مولانا کی یہ تحریر ابھی تک غیر مطبوعہ اور غیر مترجمہ ہے۔

عکس تحریر رودستخط

وصلت مع ذب و سرب و عرف الی ہیرہ بیوم الاحد
 فی تاریخ ۳ جون ۱۹۲۸ء مطلقاً تالیف مشرفی ابو
 کاسعدیہ علیہ وسلم بیتنا کنا نبعت معی ب
 لدا صدمہ ہیرہ انا اسیل الی ہیرہ عرفانیت والوایۃ
 العالیہ و وقت فوج ہیرہ و تم علق برب
 کلام و جعلت یتکلن بکلام سرور
 باقر انوار - فرجعت الحاکمہ و فی سبیلہم
 سنہ ۱۹۲۸ء الاثنین مبارک و یقین التالیف ہذا

وتلیق بالذاتہ فالذہ حافلنا و نافرنا - قد ضاع الازل
 من الیولاد و اراج الیبار صوفیہ من
 شہ الزلی و لع المول و لم النصیر - و آخر دعوانا ان الہ
 لہم رب العالمین - لعم للعب فوف فی تاریخ ۳ جون
 بطانہ لہ سوال ۱۹۲۸ء مع ایما الی صک الہم ہیرہ
 فی کبیل سکرہ - ولین الذہب رب و رب و فالہو
 لطیف و سیدکم الی الہیرہ و لہم لکنون ہذا
 من ازمہ لکن ہذا - فالتذ خا و ط لہم و ما لہم
 ماضم التاب باسم اللہ الہم رب
 راجم انوار محمدی سول
 غناء

اولاد نرینہ کا فیض:

مولانا کے کاغذات میں ایک تحریر یہ بھی ہے:

”مردمان فہرست اولاد نرینہ وغیرہ بفضل الہی عطا شدہ“۔

اس فہرست میں 25 نام ہیں۔ اور آخری تاریخ 7 مئی 1952 لکھی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو اولاد نرینہ کی نعمت سے محروم تھے۔ حضرت نے توجہ فرمائی، دعا کی اور تعویذ دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان خاندانوں کو اولاد کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

سفر افغانستان:

حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے بعض معتقد اور مرید کابل افغانستان کی شاہی سروس میں ملازم تھے۔ ان میں ایک خداترس اور نیک فطرت ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب بھی تھے جو کسی ہسپتال کے انچارج تھے۔ یہ احباب پہلے لاہور حاضر ہوتے تھے۔ مولانا محمد ذاکر بگویی کے وصال کے بعد عرس مبارک پر بھیرہ تشریف لاتے رہے۔ ایک بار مولانا محمد یحییٰ بگویی ان احباب کے اصرار پر افغانستان تشریف لے گئے۔ آپ نے کچھ عرصہ کابل میں قیام کیا اور وہاں سلوک و معرفت کی مجلسیں برپا کیں۔ انگریز سرکار افغانستان کے لیے باقاعدہ پاسپورٹ جاری کرتی تھی جس پر مسافر کی تصویر اور کوائف مندرج ہوتے تھے۔ یہ سفر غالباً سکول کی گرمائی چھٹیوں میں کیا گیا تھا۔

تحریری اور علمی مصروفیات:

مولانا محمد یحییٰ بگویی کو لکھنے کا شوق تھا۔ ذریعہ اظہار عموماً عربی اور کبھی اردو یا فارسی ہوتا۔ دوران اور

بعد ملازمت ان کی تحریریں درج ذیل موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں:-

- 1۔ جماعتوں کا نصاب اور بطور مدرس کارگزاری
- 2۔ مختلف جماعتوں کے طلبہ کے بارے میں مشاہدات کار
- 3۔ اہم واقعات کی رقعہ نویسی اور ڈائری نویسی
- 4۔ اپنی تقاریر اور مواعظ کے مدلل نوٹ
- 5۔ زیر مطالعہ کتابوں کا قابل ذکر حاصل مطالعہ
- 6۔ مساجد اور مدارس کے معاملات اور حسابات
- 7۔ سائلین کے مراسلات اور طالبین کے استفسارات کے جوابات
- 8۔ حل مسائل اور فتاویٰ
- 9۔ تعویذ نویسی
- 10۔ خانگی سرگرمیوں اور ذاتی مصروفیات کا ریکارڈ

خانگی نزاع:

1916ء میں مولانا محمد ذاکر بگویی کی وفات اور پھر 1918ء میں مولانا محمد یحییٰ بگویی کے سرگودھا تباد لے تک جامع مسجد اور دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کے معاملات خوش اسلوبی سے چلتے رہے۔ تباد لے کے بعد انتظام و انصرام کی صورت وہ نہ رہی جو ان کی موجودگی میں نظر آتی تھی۔ اس اثنا میں مولانا ظہور احمد بگویی کالج کی تعلیم اذتوری چھوڑ کر بھیرہ لوٹ آئے۔ ان کی تگ و تاز کا ذکر ان کے سوانح میں آئے گا۔ وہ بھیرہ، سیال شریف، سرگودھا اور پھر بھیرہ میں تلاش منزل کے لیے سرگرداں رہے۔ بالآخر انہوں نے دیکھا کہ ملت اسلامیہ کی بہتری اسی میں ہے کہ خاندان بگوییہ کے دینی اور علمی اداروں کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر انہوں نے بھیرہ میں ڈیے ڈال دیئے۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ بگویی تباد لے کے بعد سرگودھا میں مقیم تھے اور سرکاری خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

مولانا ظہور احمد بگویی نے جو فوری اور دیر پا اقدامات کیے ان میں یہ ادارے شامل تھے:

- (1) دارالعلوم عزیز یہ کا احیاء
- (2) حزب الانصار کا قیام
- (3) سالانہ جلسہ کا آغاز
- (4) ماہانہ شمس الاسلام کا اجرا
- (5) دارالمبلغین اور تبلیغی دورے
- (6) جامع مسجد بھیرہ کی نگہداشت

جوں جوں ادارے مستحکم ہوتے چلے گئے، مسلمانوں کی شوکت رفتہ رفتہ لوٹنے لگی۔ معاندین اور حاسدین کے دلوں کی بیماری بھی بڑھتی گئی۔ دونوں بھائیوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کی گئی اور ایسے حالات کھڑے کر دیے گئے کہ دونوں قوتیں مل کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے متحدہ خدمات سرانجام نہ دے سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں جانب ذاتی منفعت یا دنیوی لالچ نہ تھا۔ مسلمانوں کی خیر خواہی اور دین کی سربلندی مقصود تھی۔ چنانچہ جب نوبت بیان بازی، اشتہار بازی، پارٹی بازی، مقدمہ بازی وغیرہ تک پہنچ گئی تو جانبین کے بھی خواہ علماء اور مشائخ ان حالات پر سخت پریشان اور دلگیر ہوئے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اصحاب نے مفاہمت اور مصالحت کی مخلصانہ کوششیں کیں:

- (1) حضرت خواجہ مولانا قمر الدین سیالوی
- (2) حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری
- (3) شیخ الحدیث مولانا غلام محمد گھوٹوی
- (4) حضرت مولانا محمد حنیف سجادہ نشین کوٹ مومن
- (5) حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان کھولہ شریف
- (6) صاحبزادہ محمد سعد اللہ سیالوی
- (7) حضرت پیر حیات شاہ قریشی
- (8) جناب محمد عظیم پراچہ مرحوم

(9) حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے مریدین اور معتقدین (10) دیگر مقامی اور علاقائی علماء و مشائخ و معززین جھکڑے کا انجام:

شدید مخالفت اور مخالفت کے بعد بالآخر فیصلہ وہی ہوا جو عملاً بھیرہ میں ہو رہا تھا۔ حسب دستور سابق خاندان کے سرپرست اعلیٰ مولانا محمد یحییٰ بگویی تھے۔ جامع مسجد کی تولیت اور خانقاہ بگوییہ کی سجادہ نشینی ان کے پاس رہی۔ مولانا ظہور احمد بگویی نے جو ادارے قائم کیے تھے یا جن اداروں کو صحیح بنیادوں پر استوار کیا تھا وہ بدستوران کے انتظام و اہتمام میں رہے۔

سرپرستی:

1945ء میں حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی اچانک جو انامرگ سے زبردست بحران کا خطرہ پیدا ہوا تھا کہ دین کے اس وسیع خدمتی نظام کو اب کون چلائے گا۔ سینئر اور دردمند احباب نے خدمت کا قریباً تمام خزانہ مولانا افتخار احمد بگویی کے نام نکالا۔ دستار بندی اور جانشینی کے موقع پر حضرت مولانا محمد یحییٰ بگویی خود آگے بڑھے۔ اپنے بھتیجے کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور حمایت و نصرت میں زبردست تائیدی تقریر فرمائی۔ اس موقع پر کیم اپریل 1945ء کو مولانا محمد بہاء الحق قاسمی نے مولانا محمد یحییٰ بگویی کو درج ذیل عریضہ لکھا:

”جناب مولانا المکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا ظہور احمد بگویی نور اللہ مرقدہ کے انتقال سے جو صدمہ آپ کو ہوگا۔ اس کا اندازہ کوئی اور شخص نہیں لگا سکتا۔ مولانا کا انتقال ایک قومی صدمہ ہے۔ (مسلمان) قوم کا ایک پر جوش مبلغ دنیا سے اٹھ گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ میں اس حادثہ فاجعہ پر آپ سے اور تمام خاندان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اقبال عالیہ پر فائز کرے اور آپ حضرات کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے اگرچہ آپ سے نیاز حاصل کرنے کا کبھی شرف حاصل نہیں ہوا لیکن میں آپ سے مولانا ظہور احمد کے برادر اکبر ہونے کی حیثیت سے فائز ہونا متعارف ہوں۔ امید ہے کہ اب آپ اپنے برادر زادہ مولانا افتخار احمد بگویی اور عزیز برکات احمد اور اپنی بیوہ بھابھی صاحبہ کو بزرگانہ سرپرستی سے ان کی ڈھارس بندھاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام مع الاکرام

شریک غم: پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی از امرتسر۔“

حج بیت اللہ:

آپ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ غالباً یہ وہی موقع ہے جب حضرت صاحب ثانی سیالوی مع اپنے خلفاء حج پر تشریف لے گئے تھے۔ **جذبات سعید** کے حوالے سے کچھ ذکر مولانا محمد ذاکر بگویی کے سوانح کے تحت نثر چکا ہے۔ سال 1911ء میں یوم الحج (1329ھ) 12 اکتوبر کو تھا۔ مولانا محمد ذاکر بگویی کی ایک ڈائری کے مطابق، ان کے گروپ میں درج ذیل اصحاب شامل تھے جنہوں نے ڈیک کے ذریعے بحری سفر کیا تھا۔

(1) مولانا محمد ذاکر بگویی

(2) مولانا محمد یحییٰ بگویی

(3) مولانا محمد سعید زین پوری مرحوم

(4) جناب میاں اشرف علی مرحوم (لاہور)

(5) جناب تاج الدین احمد مرحوم

(6) جناب ظفر احمد مرحوم

(7) جناب امام الدین مرحوم

(8) جناب شاہ محمد مرحوم

حج کے ایام کی ڈائری سے سفر کے رفقاء، ذرائع سفر، اخراجات، ضروریات اور ان کی کفالت، اشیا اور ان کے دام، نفوف الحجاج۔ سفر کی منجملہ امراض کے لیے جامع تریاق اور دیگر بے شمار پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

وفات:

24 اگست 1957ء مطابق 27 محرم الحرام 1377ھ اتوار کی رات معمول کے مطابق نوافل میں مشغول رہے۔ اگلے روز 25 اگست کو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد انبلی والہ میں ادا کی۔ پھر گھر تشریف لائے اور نماز چاشت سے پہلے روزمرہ کے اوراد و وظائف ختم کیے۔ پھر آپ نے غسل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ غسل فرما کر تلاوت قرآن مجید میں مصروف ہو گئے۔ دن کا پہلا حصہ زیادہ تر خاموشی میں گزارا مگر یہ خاموشی اصل میں فراق کی ملامت تھی۔ اچانک دل کے پاس شدید درد محسوس ہوا۔ اطلاع ملنے پر حکیم برکات احمد بگویی مرحوم حاضر ہوئے۔ انہوں نے معائنے کے بعد نسخہ تجویز کیا اور لوٹ کر اپنے مطب سے دوا بھجوائی۔ دوا دیکھ کر مسکرائے اور کہا:

”رکھ دو۔ نماز کا وقت قریب ہے۔ پہلے نماز پڑھ لوں۔“

وضو کر کے نماز پڑھی اور بستر پر لیٹ گئے۔ اہلیہ محترمہ نے پوچھا کہ طبیعت کیسی ہے؟ فرمایا کہ درد کی شدت ہے۔ مگر آپ نے اپنی زبان سے ہائے وائے نہیں کہا۔ خاموش رہے۔ محترمہ نے مناسب سمجھا کہ مالش کی جائے کہ اچانک مولانا نے بلند آواز سے کہا: ”اللہ“

وہ تیزی سے پلٹیں تو دوسری مرتبہ اللہ کہا۔

تیسری مرتبہ زبان سے اللہ کہا اور جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔

جنازہ:

اگلے روز جنازہ میں گردونواح سے ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ نماز جنازہ، جامع مسجد بھیرہ کے وسیع صحن میں حضرت خواجہ مولانا قمر الدین سیالوی سجادہ نشین سیال شریف نے پڑھائی۔

تدفین:

26 اگست 1957ء کو خانقاہ بگویہ بھیرہ میں دفن ہوئے۔

تاریخ وفات:

1377ھ	1957ء	1957ء
زاہد ذی احترام	صاحب عظمت و دولت	مخدوم غربان نواز

تاریخ وفات حسرت آیات مولانا الحاج محمد یحییٰ صاحب بگوی قدس سرہ العزیز

سجادہ نشین دربار عالیہ بگویہ بھیرہ

صحن گلشن میں بصد رنج و عنایا
 بلبل مسکین ہوئی نغمہ سرا
 حسرتا، و احسرتا، یا دیتنا
 ہو گیا مجھ سے گل رعنا جدا
 باد صرصر سے ہوا ویراں چمن
 ہیں گریباں چاک نسرین و سمن
 چشم زگس اشک آلودہ ہے آج
 ہو گیا رخصت ہمارے سر کا تاج
 غنچہ سیمین ذقن مدہوش ہے
 خندہ پر کیف سے خاموش ہے
 فاختہ گوگو کناں ہے سوبو
 آج اس کو ہے کسی کی جستجو
 اے دریغائے دریغائے دریغ
 ہو گیا وہ ماہ تاباں زیر میغ
 الفراق اے فارس میدان دین
 الوداع اے حامل جبل الہمتیں
 الفراق اے پیشواے شاہرہ
 الوداع اے چشم و چراغ بگویہ
 الفراق اے زینت محراب ما
 الوداع اے زیب ممبر مصطفیٰ
 الفراق اے جامعہ مارا خطیب
 الوداع اے درد دلہارا طیب

الفراق اے عندلیب نغمہ زن الوداع اے آہوئے دشت ختن
 نام شان یحییٰ محمد ذوالکرام شد وجودش مظہر یحییٰ العظام
 بست و ہشتم از محرم محترم در دوشنبہ رفت کوئے عدم
 داد با پیک اجل حق این پیام بود مردزاہد ذی احترام 1377ھ
 روح شاہ در صدر جنت شاد باد این دعا از حافظ آزاد باد

■ مولانا الحاج فضل کریم گوندل بہیروی

قطعہ وفات:

بخدا اعلیٰ سے اعلیٰ تھی وہ شان بگویی
 اوج پر تھا آفتاب آسمان بگویی
 وہ مبارک بستیاں جب کر گئیں سونا جہاں
 یادگار ان کی تھے صاحبزادگان بگویی
 چل بے ناگاہ مولانا محمد یحییٰ
 بچھ گئی شمع شبستان شہان بگویی
 سوچ میں تھا بولا ہاتھ کہدے باک اے سعید
 سال رحلت ناخدا و خاندان بگویی
 (1400-23=1377)

■ مولانا محمد سعید مرحوم زین پوری

مرثیہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب بگویی طالب اللہ شاہ
 حسرتا طوفان غم شد آشکار خاک آتش خیز، و گردوں برق بار
 حسرت و درد و الم رنج و بلا اہل عالم خاک برسر دل فگار
 آفتاب علم و عرفاں شد غروب ظلمت جانسوز و کرب و اضطراب
 وا محمد یحییٰ ، عالی مقام قبلہ آفاق ہا فرخ تبار

مفتی دوراں فضیلت انتساب
مہبط انوار ہائے کبریا
گلشن اخلاق احسن سر بسر
از غم فرقت دل عالم بسوخت
رنگ دنیاے دنی بے رنگ دید
بست و پنجم بود از ماہ اگست
روز یک شنبہ محرم بست و ہفت
در تلاش آن گل رنگین نسیم

معرفت را بحرنا پیدا کنار
مخزن اسرار ہائے کردگار
چنت الفردوس را رنگین بہار
ساخت قلب مضطرب را داغدار
بے درنگ شد جانب دارالقرار
ہفت و پنجاہ نوزدہ صد بر شمار
ہفت و ہفتاد و سہ صد بر یک ہزار
کوبکو آوارہ و زاروزار

■ جناب مولوی محمد زبیر نسیم

اولاد:

آپ کی شادی مولانا غلام محمد بگویی کی صاحبزادی محترمہ سعادت بی مرحومہ کے ساتھ ہوئی۔ آپ کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ ساری اولاد اپنے والدین کریمین کی زندگی میں حیات تھی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال جولائی 1960ء میں ہوا اور خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں دفن ہوئیں۔

آپ کی اولاد کے احوال درج ذیل ہیں:

مولوی رشید احمد بگویی مرحوم

1905ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے پاس کیا۔ منشی فاضل کی تیاری کی اور کامیاب رہے۔

والد ماجد کی حیات تک بگہ شریف میں رہے اور آبائی زمینوں کی دیکھ بھال کی۔ اس دوران وہاں کی مسجد اور مدرسہ کی نگہداشت بھی کرتے رہے۔ 1951ء کی پہلی مردم شماری میں بگہ شریف میں سرکاری کارندوں کی مددگی اور سند تحسین ملی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد فیملی کے ساتھ بھیرہ منتقل ہو گئے۔ اور اندرون شہر آبائی مکان محلہ پاکستانی میں رہائش رکھ لی۔

متین، سادہ مزاج اور درویش منش تھے۔ مطالعے کا بہت شوق تھا چنانچہ کتابوں کے ساتھ تعلق دم آخر تک قائم رہا۔ شہر سے سائل آتے اور اپنے اپنے مسائل اور مشکلات بیان کرتے۔ آپ انہیں صائب مشوروں سے نوازتے۔ دعا کرتے اور تعویذات دیتے تھے۔

مختلف عدالتی اور زمینی امور میں والد صاحب اور بھائیوں بہن کی جانب سے مختار عام بھی رہے۔ بزرگوں کے معمولات اور عادات سے خوب واقف تھے۔ خاندان کے شاگردوں، متوسلین اور معتقدین کے ساتھ رابطہ رکھتے اور عرائس میں ان کی شمولیت کو آسان بناتے۔ حضرت خواجہ مولانا قمر الدین سیالوی سے بیعت تھے۔ پہلی شادی حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی دختر زبیدہ بیگم مرحومہ سے ہوئی۔ ایک بیٹی کی ولادت کے بعد وہ جنوری 1938ء میں فوت ہو گئیں۔ دوسری شادی کسوال (جہلم) کے ایک دیندار گھرانے کی جنت خاتون مرحومہ سے ہوئی۔ انہوں نے بھیرہ پہنچ کر آبائی درس قرآن اور جمعہ کے وعظ کو سنبھالا۔ کثیر مستورات ان کی خدمات سے مستفیض ہوئیں۔ مرحومہ نے علالت کے بعد 15 دسمبر 1991ء کو وفات پائی اور خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں دفن ہوئیں۔ مولوی رشید احمد بگویی مرحوم کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے خورشید الحسن بگویی لوکسٹ آفیسر کے طور پر ریٹائرڈ ہو کر بھلوال میں آباد ہیں۔ دوسرے ریاض الحسن بگویی، اسلامیہ ہائی سکول بھیرہ میں سینئر ٹیچر رہے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھلوال میں بزنس کرتے ہیں۔ سب سے چھوٹے نعیم الحسن بگویی بھیرہ میں اپنا بزنس کرتے ہیں۔ ان کی شادی حکیم غلام محی الدین بگویی بن مولوی مشتاق احمد بگویی مرحوم کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ آبائی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔

مولوی رشید احمد بگویی مرحوم کو آخری عمر میں فالج ہو گیا تھا۔ 11 جون 1981ء / شعبان 1301ھ کو طویل علالت کے بعد فوت ہو گئے۔ جنازہ مولانا حکیم برکات احمد بگویی مرحوم نے پڑھایا۔ خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں آسودہ خاک ہیں۔

مولوی حافظ سعید احمد بگویی مرحوم

1906ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید، دارالعلوم عزیز یہ سے ختم کیا۔ غالباً دو ایک بار مصلی بھی سنایا۔ ابتدائی درسی اور دینی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ اور سرگودھا میں حاصل کی۔ پھر مولانا محمد نصیر الدین بگویی اپنے ساتھ موروثی پور ضلع لائل پور لے گئے اور تعلیم و تربیت دی۔ 1928ء میں مولانا محمد نصیر الدین بگویی کی بیٹی محترمہ غلام فاطمہ کے ساتھ شادی ہوئی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ میں قرآن مجید کی تعلیم کے مدرس بھی رہے۔ بڑے ذہین مگر کم گو اور کم آمیز تھے۔ مزاجاً مرنجاں مرنج۔ قانع، درویش صفت، سادہ مزاج اور سادہ لباس۔ خودداری سے اپنی دنیا میں مگن رہتے تھے۔ کسی کے معاملے میں دخل دیا اور نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ زندگی میں مختلف کاروبار کیے مگر کامیاب نہ رہے۔

کسی علالت کے بغیر 26 نومبر 1980ء کو سرگودھا میں انتقال ہوا اور بڑے قبرستان میں دفن ہوئے۔

صاحبزادہ مولوی عبدالغفور بگویی مرحوم

1912ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر پر والد ماجد سے حاصل کی اور ناظرہ قرآن حکیم مسجد اہلی والا میں پڑھا۔ میٹرک 1931ء میں گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے کیا جہاں والد ماجد عربی کے استاد تھے۔ جناب بھگوان داس ہیڈ ماسٹر نے ان کے کردار، رویے اور خاندانیت کا بہت اچھا ذکر اپنے جاری کردہ شوقلیٹ مورخہ 22 مئی 1931ء میں کیا ہے۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوئی اور پروفیسر محمد افضل مرحوم بہاول پور میں تعینات تھے جو آستانہ عالیہ سیال شریف کے نیاز مند، حضرت ثالث سیالوئی کے معتقد اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے مداح تھے۔ آپ کے ہمراہ عم زاد مولانا افتخار احمد بگویی اور برادر خورد صاحبزادہ صلاح الدین بگویی مرحوم بھی بہاول پور گئے۔ خود ایس ای کالج میں داخل ہو گئے اور باقی دونوں جامعہ اسلامیہ عباسیہ میں۔ قیام ہاسٹل میں تھا۔ اسی دوران شیخ عبدالرؤف لوہر کے اسلام لانے کا واقعہ ہوا۔ آپ نے بڑی جرأت، حمیت اور ایثار کا ثبوت دیا۔ نو مسلم طالب علم کو ہاسٹل اور کالج میں مکمل تحفظ فراہم کیا۔ مالی امداد دی اور اخلاقی اور روحانی سرپرستی کے لیے اپنے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ بگویی کے پاس بھیرہ لے گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت مولانا نے شیخ عبدالرؤف کو اپنا بیٹا بنایا۔ اسی طرح صاحبزادہ عبدالغفور بگویی مرحوم نے انہیں اپنا بھائی اور دوست قرار دیا۔ اور اس سارے معاملے میں جذبہ ایمانی کے ساتھ ڈٹ کر ساتھ دیا۔

شیخ عبدالرؤف لوہر صاحب کے قبول اسلام، ان کی سرپرستی اور مسلسل اعانت کی تفصیل پیچھے نزر چبی ہے۔ دوران تعلیم ہاسٹل میں، معروف شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی آپ کے ساتھی تھے۔ ان کے ساتھ دوستانہ روابط رہے اور مراسلت بھی ہوتی رہی۔ کالج کی تعلیم اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے مکمل کی۔ 1936ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ 25-26 مئی 1937ء میں محترمہ رابعہ بیگم دختر مولانا محمد ذاکر بگویی سے بھیرہ میں شادی ہوئی۔ دور دراز اور علاقے سے کثیر تعداد میں مہمان شریک ہوئے۔

شمس الاسلام جون 1937ء (ص 26) کے مطابق شادی کی تقریبات میں حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوئی اور حضرت حافظ محمد فخر الدین سیالوئی بھی شامل ہوئے۔

1938ء سے 1972ء تک میونسپل کمیٹی سرگودھا میں محکمہ لوکل گورنمنٹ کے ملازم رہے اور سپرنٹنڈنٹ

شعبہ چونگیاات کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

صاحبزادہ صاحب نے اپنے والدین کی بڑی خدمت کی۔ ان کی خواہشوں اور ضرورتوں کا خیال رکھتے۔

انہیں اپنے پاس رکھتے یا خود خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان کے سامنے بہت مودب اور ہمہ تن متوجہ رہتے۔

والدین ان کی خدمت اور توجہ سے ہمیشہ مطمئن اور مسرور رہے۔ اسی حوالے سے انہوں نے اپنے بھائیوں اور بہن

کا بھی بہت خیال رکھا۔ ان سے محبت کرتے اور ان کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ سمجھتے اور ہمیشہ مدد فرماتے۔ اور صائب مشوروں سے نوازتے۔ بھائی بھی انہیں باپ جیسا مقام دیتے اور ان کے سامنے مؤدب اور متوجہ رہتے۔

ملازمت بڑی وضع داری اور طرح داری سے کی۔ اسے نوکری نہیں بننے دیا۔ عزت سب کی کی مگر سر کبھی نہ جھکایا۔ پبلک ڈیلنگ باوقار انداز میں کی۔ سرکاری خزانے کو خدا کی دی ہوئی امانت جانا۔ رزق حلال ہی ذریعہ آمدن رہا اور محنت و خدمت شعار۔ غرباء خصوصاً بھیرہ کے لوگوں کے لیے بہت شفیق اور ہمدرد تھے۔ بہت سارے لڑکے ان کے توسط سے سرگودھا میونسپلٹی اور دیگر سرکاری اور نجی اداروں میں ملازم ہوئے۔ بھرتی کروانے کے بعد بھی دلجوئی کرتے اور سرپرستی قائم رکھتے۔

جامع مسجد، دارالعلوم، جلسہ سالانہ اور رسالہ شمس الاسلام کے لیے خصوصی التفات کرتے۔ ترقی میں دلچسپی لیتے اور مالی امداد کے لیے بھرپور تعاون کرتے۔

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوٹی سے بیعت تھے اور بڑی عقیدت اور محبت سے اس قدیمی تعلق کو نبھاتے تھے۔ حضرت سیالوٹی اس اعتبار سے بھی ان کی عزت اور ان سے محبت کرتے تھے کہ ان کی اہلیہ آستانہ عالیہ سیال شریف کے نامور مرید اور مراد، حضرت ثانی اور حضرت ثالث سیالوٹی کے محبوب خاص اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی صاحبزادی تھیں۔

مطالعے کا شوق آخر تک باقی رہا۔ خوش طبع اور ملنسار، صوم و صلوة کے پابند، وعدے کے پکے، لباس سادہ مگر باوقار۔ اپنا کام ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کرتے۔ خاندانی تعلقات کی قدر کرتے اور انہیں قائم رکھتے۔ شروع میں کلاہ زیب سر کرتے بعد میں لیاقت کیپ۔ معاملات کے کھرے اور حساب کتاب کے بڑے صاف تھے۔ سیاست سے گریزاں رہے۔ خانقاہ بگوییہ میں مزارات پر حاضری دیتے وقت ان پر کیف اور وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

1973ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

22 دسمبر 1974ء / 7 ذوالحجہ 1394ھ بروز اتوار شام 8:30 بجے دل کے دورہ سے انتقال فرما گئے۔

انگلے روز جنازہ ہوا اور بڑے قبرستان سرگودھا میں دفن ہوئے۔

آپ کی اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

مولوی صلاح الدین بگویی مرحوم

مولانا محمد یحییٰ بگویی کے چوتھے اور آخری فرزند تھے۔ 21 فروری 1919ء کو بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ 1937ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک درجہ اول میں پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے سٹریٹجیٹ لیا۔ سکول کی تعلیم کے دوران، بالکل نوعمری میں اپنے برادر بزرگ صاحبزادہ

عبدالغفور بگویی اور عم زاد مولانا افتخار احمد بگویی کے ہمراہ بہاول پور گئے۔ بڑے بھائی تو ایس ای کالج میں داخل ہو گئے۔ صلاح الدین بگویی اپنے عم زاد کے ساتھ جامعہ عباسیہ بہاول پور میں چلے گئے۔ دراصل مولانا افتخار احمد بگویی نے اپنے والد ماجد کی ناگہاں شہادت کے بعد، اپنے عم مکرم مولانا ظہور احمد بگویی کی تحریک پر سکول کی تعلیم کو خیر باد کہہ کر دینی تعلیم و تربیت کو اپنالیا۔ اس نیک مقصد میں مولانا محمد یحییٰ بگویی نے ایک تو اپنے بیٹے کو دینی تعلیم کی اس آبائی راہ پر لگانا چاہا اور دوسرا اپنے نوجوان بھتیجے کو بھائی کی صورت میں ساتھی بھی ہمراہ کر دیا۔ اس کوشش کے محرک جامعہ عباسیہ کے شیخ اور معروف عالم دین حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوئی تھے۔ جو آستانہ عالیہ سیال شریف اور گولڑہ شریف سے وابستہ اور بزرگ بگویی مشائخ کے قریبی رفقاء میں سے تھے۔ صلاح الدین بگویی اپنی کم سنی اور گھر سے دوری کے سبب بیمار ہو کر جلد بھیرہ لوٹ آئے اور صحت یاب ہو کر پھر سکولی تعلیم کی طرف چل پڑے۔ بہاول پور کے قیام کے دوران علامہ رحمت اللہ ارشد مرحوم اور دیگر اکابرین سے رابطہ ہوا۔

ابتدائی دینی کتابیں والد ماجد سے اور دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ میں پڑھیں۔ ایف ایس سی گورنمنٹ کالج لاہور سے کی۔ دوران تعلیم طلبا کی سیاسی سرگرمیوں میں شوق سے حصہ لیتے تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم و تحریک پاکستان کے جلسے جلوسوں میں قریب سے دیکھا۔ ان کی صاف ستھری، باوقار اور منفرد شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ مسلم لیگ کی طرف سے مسلم فیڈریشن کے طلبہ کے جتنے بھی جلوس نکلتے ان میں بڑے جذبہ و جوش کے ساتھ شامل ہوتے۔ جب علامہ مشرقی مرحوم لاہور میں خاکسار تحریک کا جلوس نکال رہے تھے تو برستی گولیوں سے گزر کر طلباء کے جلوس میں شامل ہوئے۔ ”مسجد شب بھر“ کا واقعہ بڑے جذبے سے سنایا کرتے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

مسجد تو بنا دی پل بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

سائنس کا طالب علم ہونے کے باوجود تاریخ سے بہت دلچسپی تھی۔ علامہ اقبال کے کلام سے بہت متاثر تھے۔ آغا شہر کا شمیری کی مناجات کا یہ شعر اکثر گنگنایا کرتے تھے:

۔۔۔ رحم کر، نہ اپنے کرم کو بھول جا

ہم تو بھولے ہیں تجھے تو نہ ہم کو بھول جا

تعلیم کے بعد پہلے محکمہ نوڈ میں ملازمت اختیار کی۔ پھر کچھ عرصہ بعد محکمہ ایکسائز و کشم میں ملازمت کر لی۔ دوران سروس مختلف جگہوں پر تعینات رہے۔ 1975ء میں ریٹائر ہوئے اور فیصل آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

آپ کی شادی 1944ء میں لاہور کے ایک معزز عالم دین کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے سر حضرت مولانا

عبدالعزیز قریشی جامع مسجد مزنگ لاہور کے خطیب و امام رہے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر کثیر رسائل تحریر

کیے۔ ساری عمر اصلاح رسوم معاشرہ اور تبلیغ دین میں گزاری۔

مرحوم صاحبزادہ صلاح الدین بگویی ایک باغ و بہار شخصیت تھے۔ بہت خوش مزاج اور زندہ دل، حسن اخلاق اور ملساری کا نمونہ۔ وہ ہر ایک سے پیار کرتے اور محبت سے پیش آتے تھے۔ ان کے بچوں کے مطابق ”وہ باپ سے زیادہ اپنی اولاد کے دوست تھے“۔ بچے اپنی ہر بات، ہر مسئلہ ان کے ساتھ کھلے دل سے بیان کرتے تھے اور مرحوم عام مسئلے بڑی خندہ پیشانی سے سنتے، حوصلہ دلاتے اور صائب مشوروں سے نوازتے تھے۔ میاں بیوی کی رفاقت بھی مثالی تھی۔ مرحوم اپنے مذہبی فرائض بڑی پابندی اور احتیاط سے ادا کرتے۔ آخری عمر میں چلنے پھرنے میں دشواری تھی لیکن جمعہ کی نماز ہر حالت میں مسجد ہی میں ادا کرتے۔ آدھا سپارہ مع ترجمہ ہر روز یوں تلاوت کرتے کہ دو ماہ میں پورا قرآن پاک ختم کر لیتے۔ برسوں سے یہ ان کا معمول تھا۔ ہر وقت با وضو رہتے اور درود پاک پڑھتے۔ اکثر صلوٰۃ تسبیح پڑھتے۔ گھر سے کوئی سوالی کبھی خالی ہاتھ نہ گیا۔ غریب کی مدد اس طرح کرتے کہ ایک ہاتھ کی خبر، دوسرے ہاتھ کو نہ ہوتی۔

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوئی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے اور بزرگوں کے بہت معتقد تھے۔

26 ستمبر 2002ء کو مختصر علالت کے بعد بعارضہ دل فوت ہوئے۔

ان کی تدفین پیپلز کالونی، غلام محمد آباد، فیصل آباد کے قبرستان میں ہوئی۔

مولوی صلاح الدین بگویی مرحوم کے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے شاہد احمد بگویی پیشے کے اعتبار سے کیمیکل انجینئر ہیں۔ پہلے آئی سی آئی کھیوڑہ میں ملازمت کرتے تھے اب کہیں اور کام کرتے ہیں۔ آپ صاحبزادہ عبدالغفور بگویی کے داماد ہیں۔ مستقل رہائش راولپنڈی میں ہے۔

محمودہ بیگم مرحومہ:

مولانا محمد یحییٰ بگویی کی ایک ہی بیٹی محمودہ بیگم مرحومہ تھیں۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی وفات کے بعد خاندان کے وہی سرپرست اعلیٰ تھے۔ 1921ء میں آپ نے اپنی بیٹی کا رشتہ، حضرت کے اکلوتے فرزند صاحبزادہ حکیم مختار احمد بگویی سے کر دیا۔

مرحومہ بہت نیک، سادہ دل، پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ وہ ہر حال میں صابر و شاکر رہیں۔ اور ہر ایک کے لیے نیک جذبات رکھتیں اور سب کے لیے دعا گورہتیں۔ زیادہ وقت تلاوت اور نوافل میں گزارتا تھا۔ 1985ء میں مختصر علالت کے بعد انتقال ہوا اور سرگودھا کے بڑے قبرستان میں دفن ہوئیں۔

حضرت مولانا الحاج ابوالافتخار

محمد نصیر الدین بگویی شہید
قدس سرہ العزیز

1311ھ - 1352ھ

1892ء - 1934ء

تصویر مولانا محمد نصیر الدین بگوئی



ولادت:

آپ حضرت الاستاذ مولانا عبدالعزیز بگوی کے تیسرے فرزند تھے جو بمطابق خاندانی ریکارڈ 11 شعبان 1311ھ اور حسب اسناد 18 فروری 1892ء کو بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد نصیر رکھا گیا۔ آپ کے برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر بگوی نے آپ کو نصیر الدین کا خطاب دیا۔ یوں آپ کا پورا نام محمد نصیر الدین ہوا۔
(شمس الاسلام اپریل 1934ء، ص 43)

تعلیم و تربیت:

تعلیم کا آغاز والد ماجد سے کیا۔ انہیں آپ سے بہت محبت تھی۔ انہی کی توجہ اور عنایت سے اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد نصیر الدین بگوی کو عالی مناصب تک پہنچایا اور علوم و اسرار کے دروازے کھول دیئے۔ والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر 14 یا 16 سال تھی۔

صرف و نحو کی کتابیں مولانا محمد یحییٰ بگوی سے پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لیے سیال شریف تشریف لے گئے۔ دارالعلوم شمس الاسلام کا باقاعدہ قیام حضرت ثانی خواجہ محمد الدین سیالوئی کے عہد مبارک میں ہوا جس کے موبد مولانا محمد ذاکر بگوی بھی تھے۔ (بحوالہ روئداد 1917ء، ص 5) اس وقت مولانا غلام محمد للہی (ملوئی) مدرس تھے جو زندگی بھر آستانہ سیال شریف پر رہے اور لنگر کی خدمت بھی سرانجام دیتے رہے۔ ان سے مولانا بگوی نے عربی کی درسی کتابیں پڑھیں۔ مولانا للہی کے نامور تلامذہ یہ ہیں:

1- حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوئی

2- حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگوی

3- مولانا فضل حسین للہی خلیفہ حضرت خواجہ محمود تونسوی

4- مولانا قاری غلام نبی للہی خلیفہ سید غلام رسول شاہ بخاری شکر مد شریف

(فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ص 463)

سفر گیا (بہار):

ازاں بعد مزید تحصیل علم کے لیے مولانا بگوی گیا (صوبہ بہار) تشریف لے گئے۔ وہاں ایک تبحر عالم دین تھے جو غالباً حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کے شاگرد اور مرید تھے۔ ان کی تحریک پر آپ نے مختلف اساتذہ سے علوم و فنون میں تکمیل کی اور اپنی علمی استعداد کو اجاگر کیا۔

سفر لاہور:

وسطی ہندوستان میں قیام کے بعد آپ لاہور آئے اور مولانا محمد ذاکر بگوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لاہور کے تین سالہ قیام میں آپ نے حضرت مولانا سے تفسیر، ادب اور تصوف کی کتابیں پڑھیں اور دورہ کے بعد

حدیث میں سند حاصل کی۔ اس دوران مدرسہ حمید یہ میں مولوی فاضل کی تیاری کی اور اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں نہایت اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔

سند الفراع:

تعلیم کی تکمیل کے بعد، حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی نے اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے مولانا محمد نصیر الدین بگویی کو سند فراع عطا کی اور علوم و فنون میں ان کی استعداد اور صلاحیت کی توثیق کی۔

درس نظامی کے ساتھ مولوی فاضل:

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں کے اوائل میں دینی گھرانے بدستور پرانی روش پر گامزن تھے۔ ان کی اور معمول کا درس نظامی مکمل کرتی اور رواجی مسند تدریس یا سجادہ ارشاد سنبھال لیتی۔ اس روش اور معمول سے خائف ناندان بگوییہ میں نظر آتا ہے جس کا آغاز حضرت مولانا غلام محمد بگویی نے کیا اور اس فکر کو حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی نے مضبوط اور مبسوط بنایا۔ خاندان بگوییہ کے پہلے مولوی فاضل جنہوں نے اورنٹیل کالج لاہور کے توسط سے سند لی وہ خود مولانا محمد ذاکر بگویی تھے۔ ان کے بعد مولانا محمد شفیق بگویی، مولانا محمد یحییٰ بگویی، اور پھر مولانا نصیر الدین بگویی تھے۔ لیکن ان سب حضرات نے پہلے مروجہ درس نظامی مکمل کیا۔ مختلف مدارس میں کئی اساتذہ سے کسب فیض کیا اور تکمیل کے بعد سند حدیث لی۔ اس تیاری کے بعد پھر مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔

یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔

ملازمت۔ ضرورت اور تصور:

مولانا غلام محمد بگویی اور مولانا محمد ذاکر بگویی نے دو صدیوں کے سنگم پر جو مذہبی، تعلیمی اور سماجی منظر دیکھا، معلوم ہوتا ہے اس نے احساس دلایا کہ عالم اور صوفی کو اپنے معاش کے لیے کوئی ایسی راہ ڈھونڈنی چاہیے جہاں معاشی آزادی ہو، عزت نفس ہو، خدمت خلق ہو اور علمی و دینی کاموں کے لیے خارجی دباؤ نہ ہو۔ آمدن نہ اتنی زیادہ ہو کہ خدا بھول جائے اور نہ اتنی قلیل کہ بس دنیا ہی یاد رہے! یہی وجہ ہے کہ محکموں میں محکمہ تعلیم اور ملازمتوں میں عربی یا علوم شرقیہ کی تدریس اس فکر کی تکمیل اور ترمیم کے لیے موزوں ثابت ہوئے۔ حالات شاہد ہیں کہ خاندان کے جو علماء جدید و قدیم کے اس امتزاج کے ساتھ چلے وہ دین اور دنیا میں سرخو رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس انداز نے خاندان بگوییہ کے اندر دین کے ساتھ گہرے اور مخلصانہ ربط و تعلق کو مسلسل زندہ رکھا۔

(نوٹو کاپی سند الفراع)

حاجو او وصیاً

میں لقصیدتہ آتا ہوں (۱) مولوی گلبرگ عبدالہدی مدرسہ حمیدیہ لاہور میں تھوڑے سال کا وقت
میں تعلیم پاتے رہے ہیں اور علوم عربیہ منقول و معقول کی تکمیل کر چکے ہیں اور
مولوی فاضل کی مقدم کتب کے علاوہ فنون عالیہ کی راجی کتب نہایت لیاقت اور لگاؤ
سے ختم کرنا ہر سالانہ امتحان مدرسہ میں قابل تعریف کامیابی پر فائز ہونے۔
زور زمانہ طالب علم میں بلحاظ ذہانت و شرافت و اخلاص و کثرت تدریس کی نظر میں ممتاز رہے
اور معاشرت و چال چلن ان کا بہت اچھا ہے اور خوشنویس ہیں۔
لکھنؤ میں کہہ سکتا ہوں (۲) جو خدمت تدریس ان کے سپرد ہوگی بوجہ حسن انکسواد ان کے
اور اپنی شرافت و حسن کارگزاری باعث خوشنودی و سزین ہونگے۔

نقط

گلبرگ عبدالہدی
مدرسہ انجمن مدرسہ لاہور
۹ جون ۱۹۰۹ء

ملازمت:

1916ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ لائل پور (اب فیصل آباد) میں بطور مدرس تعینات ہوئے پھر ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول نوبہ ٹیک سنگھ میں تقرری ہوئی۔ دو سال بعد 1918ء میں لائل پور تبادلہ ہو گیا۔ ڈھائی سال بعد 1920ء میں آپ جڑانوالہ تعینات ہوئے۔ 1924ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول موروثی پور میں تبادلہ ہو گیا۔ آخر میں 1927ء میں ڈی۔ بی ہائی سکول سمندری میں علوم شرقیہ اور عربی کی تدریس پر مامور ہوئے۔

خصوصی تربیت:

1925-26ء میں آپ نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے تدریس کی ایک سالہ خصوصی تربیت مکمل کی جس کے تحت اینگلو ورنیکلر یا ورنیکلر ہائی سکول میں عربی کی تدریس کے لیے کوالی فائڈ ٹیچر قرار پائے۔ واضح رہے کہ عام ہندوستانی رعایا کے لیے انگریزوں نے دو طرح کے سکول قائم کیے تھے۔ ایک سسٹم میں انگریزی اضافی مضمون کے طور پر شامل ہوتی تھی اور دوسرے سسٹم میں مضامین اردو میں ہوتے تھے اور انگریزی شامل نصاب نہ تھی۔ اور نیشنل ٹیچنگ نڈل اور ہائی سکولوں میں عربی، فارسی کے علاوہ اردو کا مضمون بھی پڑھاتے تھے۔

اصول تعلیم و تربیت:

مولانا محمد نصیر الدین گبوی عالم دین اور مبلغ اسلام ہی نہ تھے بلکہ صاحب طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم استاد بھی تھے۔ انہوں نے درسی مضامین کی تعلیم و تدریس اور زیر تعلیم طلبہ کی علمی استعداد بڑھانے کے لیے جدید نظریات تعلیم اور اصول تربیت سے استفادہ کیا۔ ہربرٹ سپنسر (Hubert Spencer 1820-1903) ایک مشہور برطانوی فلسفی اور ماہر تعلیم تھا جس نے ستمبر 1878ء میں Education کے عنوان سے ایک جامع اور بلند پایہ کتاب لکھی جسے مولوی خواجہ غلام الحسین پانی پتی نے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) کے لیے اردو میں مع حواشی کثیرہ مرتب کیا۔ مولانا نے کتاب کا ذاتی نسخہ 21 اکتوبر 1925ء کو خریدا اور اسے بلاستیعاب پڑھا۔ اس نسخے پر مولانا کے اپنے نوٹ بھی ہیں۔ کہیں کہیں اس اعلیٰ ترجمے کی بہت خوبصورت اصلاح بھی کی ہے۔ اکثر مقامات پر اہم مضامین نشان زدہ ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بیکن کے مطابق کتاب صحیح معنوں میں ہضم (Digest) کی گئی ہے۔ آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ مولانا نے ہربرٹ سپنسر کے اعلیٰ، پاکیزہ اور اخلاقی اصول ہائے تعلیم کو اپنی تدریسی زندگی میں عملی طور پر اپنایا اور نافذ کیا ہے۔ یاد رہے کہ انیسویں صدی کے یورپی اور مغربی فلاسفہ میں ہیو برٹ سپنسر کا شمار خدا کو اور مذہب کو ماننے والے حکماء میں ہوتا ہے۔ برٹنڈرسل کے برخلاف یہ حکیم زندگی کو اخلاقی اصولوں کے

مطابق بسر کرنے کے حامی ہیں۔

کتاب 'ایجوکیشن' کے اہم مضامین یہ ہیں:

کون سا علم سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ تعلیم کی علت نمائی۔ زندگی کے مشاغل کی تقسیم و ترتیب۔ حفاظت نفس۔ فرائض والدین۔ ملکی و تمدنی فرائض۔ شخصی تفریح اور حظ نفس کا درجہ سب سے موخر ہے۔ علم معاش کی عظمت مسلم۔ سائنس اور ریاضی کی ضرورت۔ مختلف علوم و فنون کی اہمیت اور زندگی پر اثرات۔ تربیت اولاد کا علم۔ بچوں کی اخلاقی اور جسمانی تربیت و حفاظت۔ والدین اور اساتذہ کی ذمہ داریاں۔ تاریخی کتابوں میں کس قسم کے واقعات درج ہونے چاہئیں۔ تربیت کے اعتبار سے مختلف علوم کی اضافی قدر و قیمت۔ سائنس کی تعلیم سے قوت فیصد کو ترقی ہوتی ہے۔ سائنس کی تعلیم سے مذہبی تعلیم بھی حاصل ہوتی ہے۔ سائنس اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ خدا کی حقیقت کو سمجھنا نہ صرف عقل انسانی بلکہ خیال و قیاس سے بھی بالاتر ہے۔ مدارج تعلیم اور معاشرتی حالتیں۔ تحصیل علم بچوں کے لیے باعث فرحت ہو۔ مضمون کی ترتیب اور تعلیم کا طریقہ۔ عقلی ارتقاء کے ساتھ اصول۔ شعبہ تعلیم میں عملی علم سے عقلی علم تک۔ تعلیم اسباق الاشیاء۔ والدین کا عام رویہ اور اولاد کے ساتھ ان کا سخت برتاؤ۔ اخلاقی تعلیم کے عام اصول اور تربیت اولاد کے صحیح طریقے۔ جسمانی خطاؤں پر قدرتی سزا ضرور ملتی ہے۔ قدرتی طریقہ تربیت۔ سخت شرائط کی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ قدرتی طریقہ تربیت سے والدین اور اولاد کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم رہتے ہیں۔ والدین کا عام برتاؤ اور ان کے متناقض خصائل کا اثر اولاد پر۔ سخت گیری کے مضر نتائج۔ جسمانی تربیت کا انتظام سائنس کے حقائق مسلمہ کے موافق ہونا چاہیے۔ بچوں کی غذا۔ بچوں پر موسم کے اثرات اور ان کا بچاؤ۔ کثرت مطالعہ کے مضر اثرات۔ طوطے کی طرح بے سوچے سمجھے حفظ کرنے کے نقصانات۔

ڈائری متعلقہ امور تدریس:

مولانا گبوی کی 1933-34ء کی ڈائری میں ذیل کی معلومات درج ہیں:

سلیپس مضمون عربی۔ جماعت ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں۔ سال 1931-32ء۔

تہائیوں (Quarters) کے مطابق۔

اسماء طلباء۔ نتائج امتحان اول و ثانی مع ریمارکس بابت کیفیت، حاضری، شوق وغیرہ۔

اردو کے مضمون میں مسلمانوں کے ساتھ سکھ اور ہندو طالب علم بچوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

جماعت ہفتم کے سالانہ امتحان کے اردو پرچے دیکھنے کے بعد عمومی حالت تسلی بخش قرار دی ہے۔

تاہم آپ نے چند کمزور پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

◀ جلدی اور بے پرواہی خط خراب کرتی ہے۔

◀ لوہے کی نب سے خط اچھا نہیں رہتا۔

◀ اچھی تحریر کے لیے کالی سیاہی ضروری ہے۔

◀ جواب مضمون میں خیالات کو حصوں میں تقسیم کر کے پیرا گراف ضروری ہیں۔

◀ اردو میں پنجابی اور انگریزی الفاظ کا استعمال قابل اصلاح ہے۔

◀ سلیبس اردو بنانے کا صحیح مفہوم اور ادا کرنے کا طریقہ واضح طور پر بتانا چاہیے۔

◀ تشریح اشعار۔ مختصر اور سادہ عبارت میں ہونا چاہیے۔

◀ مدرس کے لیے پڑھانے کا مدعا (Objectives):

◀ پرائمری جماعت کے لیے پڑھنا لکھنا۔

◀ مدال جماعت کے لیے بولنا، لکھنا، معلومات عامہ اور خط و کتابت۔

◀ ہائی کلاسز کے لیے علاوہ درج بالا، ادبی پہلو اور ذوق سلیم۔ تاریخ اور زبان سے واقفیت، تحریر و تقریر

اور کمپوزیشن (انشا پر دازی)

◀ سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ کلاس میں اچھے ٹیچر ہونے چاہئیں۔

◀ ان ٹرینڈ ٹیچروں کا جہاں تک ممکن ہو، جلد خاتمہ ہونا چاہیے۔

◀ نقائص عام طریقہ تعلیم: مدرس کا کوئی مدعا نہیں ہوتا۔ عملی کام کم ہوتا ہے اور تحریری خراب۔

نقائص قرأت: تلفظ اور لہجے کا خیال۔

نقائص کمپوزیشن (تحریر): مدرس کے پاس کوئی سلیبس یا خاکہ نہیں ہوتا جس کے مطابق کام ہو۔

نقائص کمپوزیشن (تقریر): آغاز چھوٹی جماعت سے ہو۔ لڑکوں کو آپس میں سوال و جواب کرنے

چاہئیں۔

خوش خطی: طلبہ کی نشست اور سامان نوشت۔ سپروژن

نقائص گرائمر:

◀ نوٹ تاریخ ادبیات اردو

• نوٹ تاریخ ادبیات عرب و ایران

• نوٹ شعر و شاعری در مملکت

تقسیم اوقات جماعات اور روزنامہ تدریس:

یہ ایک خصوصی رجسٹر پر ہے جس پر مولانا کے دستخط کے ساتھ 7 اپریل 1932ء کی تاریخ ثبت ہے۔ اس میں ڈی بی ہائی سکول سمندری کی عربی اور اردو کلاسوں کا تفصیلی ٹائم ٹیبل ہے۔ ایک صفحے پر 27 کتابوں کے ساتھ 16 طلبہ کی فہرست ہے اور ان کتابوں پر نشان لگایا ہے، کوئی طالب علم جو پڑھ چکا ہے۔ ان کتابوں میں کلیات مومن سے کلیات شبلی تک نظم، نثر اور تاریخ کے موضوع شامل ہیں۔ استاد کو اندازہ ہوتا ہے کہ طلبہ کا رجحان کیا ہے۔ اور مطالعے کے بعد کس طالب علم کی کیا استعداد ہونی چاہیے۔ استفادہ کرنے والے 16 طلباء میں مسلمان طلبہ صرف تین ہیں۔ یکم اپریل 1932ء سے جب تعلیمی سال کا آغاز ہوا، 13 فروری 1933ء تک تاریخ وار وہ تفصیل درج ہے جو استاد نے کلاس روم میں پڑھانی ہے۔ صفحے کے ایک جانب ان طلباء کے نام ہیں جو اس روز کے سبق سے کسی وجہ سے غیر حاضر تھے۔ تاکہ استاد، بچوں کی کمزوری کو ملحوظ رکھے اور بعد ازاں تلافی کر لے۔ ایک صفحے پر جماعت ہفتہ ہفتہ اور نمبر کے طلبہ کے نام ہیں۔ آگے امتحان اول اور دوم کے نمبر درج ہیں اور آخر میں ہر طالب علم کے بارے میں چار جہات سے بڑی واضح رائے لکھی ہے:

☆ حاضری ☆ شوق (تعلیم) ☆ ذہانت ☆ شرافت

جدید اصول تعلیم پر عمل:

پچھلے تجربے کردہ اقتباسات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیسے مولانا نے جدید نظریات تعلیم اور اصول تعلیم کو سمجھا اور اپنے طلبہ پر اطلاق کیا۔ وہ استاد جو اپنے منصب اور ادارہ کے تفویض کردہ فرائض سے باخبر ہے، زیادہ احسن اور موثر طور پر طلبہ کو تعلیم دے سکتا ہے اور ان کی صحیح تربیت کر سکتا ہے۔ اگرچہ آپ کے ہر کام میں سلیقہ اور قریب نظر آتا ہے مگر یہ خوبیاں تعلیم اور اس کے متعلقات میں زیادہ واضح ہیں۔

انتظامی مہارت اور لیڈر شپ:

کسی بھی کام کو سرانجام دینے کے لیے جدید انتظامی اصطلاحات میں درج ذیل خوبیاں ضروری ہیں جو کسی منصوبے یا پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں۔

● تجربے کی صلاحیت

- مقاصد اور اہداف کا تعین
- انتظامی مہارت اور لیاقت کار
- ہدایت و رہنمائی (لیڈرشپ)
- نگرانی و نگہداشت (سپر ویشن)

تعلیم و تدریس، تبلیغ و تنظیم اور دیگر کاموں کے لیے حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویی کو اللہ تعالیٰ نے درج بالا ان تمام قائدانہ خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا جن کی بنا پر اعلیٰ مقاصد کا حصول ممکن ہے۔
انجمن اسلامیہ سمندری:

تعلیمی اور تدریسی کام جب ایک مخلص اور محنتی ماہر تعلیم کے ہاتھوں سرانجام پائیں تو وہ بجائے خود ایک تحریک ہوتے ہیں جن سے سارا معاشرہ اور علاقہ فیض یاب ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویی نے مسلمانوں کے اجتماعی فلاح اور عمومی بہتری کے لیے انجمن اسلامیہ سمندری تشکیل دی۔ اتفاق سے تیسرے سالانہ عظیم الشان دینی جلسہ کے عنوان سے شائع شدہ اشتہار کا کچھ حصہ محفوظ ہے۔

سناد و مشردہ اے باد صبا خدام احمد کو یہاں خیر الوری کے کچھ فضائل کا بیان ہوگا

اور ولتكن منكم امة ۱۰ یدعوا الی الخیر و یأمرون بالمعروف کے بعد اغراض جلسہ یہ ہیں:-

- 1- اشاعت توحید و سنت
- 2- اتفاق و اتحاد بین المسلمین
- 3- اصلاح رسوم
- 4- تعلیمی، دینی، دنیوی، اخلاقی کمزوریوں کا اندفاع

4-5-6 مارچ 1932ء مطابق 25-26-27 شوال 1350ھ بروز جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار کو یہ جلسہ روزانہ چار نشستوں کے ساتھ کمیٹی باغ سمندری میں منعقد ہوا۔ چند اجلاسوں کے موضوعات اور مقررین یہ ہیں:-

- | | |
|---------------------------------------|-------------------------|
| مولانا حاجی محمد نصیر الدین بگویی | دینی ضرورت |
| مولانا جان محمد وکیل سمندری | مسلمانوں کی موجودہ حالت |
| مولوی پیر عبد اللہ شاہ ملکانی | اصلاح رسوم |
| مولوی محمد سعید شاہ نندوالی | اتباع شریعت |
| مولوی عبد العزیز جامع مسجد کینٹ لاہور | ضرورت مذہب |
| مولوی نور الحق چنیوٹی | دینی تعلیم کی ضرورت |
| مولوی نور شاہ سالگادی | قرآن کی طرف رجوع |

دیگر موضوعات جلسہ درج ذیل ہوتے تھے:

فضائل و سیرت نبی کریم ﷺ۔ فضائل علم و علماء۔ اسلام اور دورِ حاضرہ۔ ضرورتِ مذہب۔ فضائل ائمہ دین۔ اسوہ صحابہ۔ اجتہاد اور امامِ اعظم۔ اسلام غیر مسلموں کی نظر میں۔ اسلام اور غیر مذاہب۔ فتنہ مرزائیت۔ ختم نبوت۔ کذب مرزا۔ حقانیت مذاہب اور اصلاحِ رسوم باجہ، آتشبازی وغیرہ۔ فضائل خلفائے راشدین۔ حدیث اور فقہ۔ اسلام کی سچی تعلیم۔

معلوم ہوتا ہے انجمنِ اسلامیہ سمندری کا جلسہ سالانہ ایک اہم اور ممتاز علاقائی تقریب تھی جو مسلمانوں کی عمومی بیداری، باہمی اخوت اور دینِ اسلام سے محبت کا مظہر تھی۔ مولانا اس انجمن کے بانی اور روحِ رواں تھے۔ آپ ہر مکتب فکر کے علماء اور خواص کو مدعو کرتے اور علاقے کے لیے مختلف تعلیمی اور دینی کاموں میں رہنمائی کرتے۔ وفات کے دنوں میں آپ چوتھے سالانہ جلسہ کا اہتمام فرما رہے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بقول تذکرہ مشائخ بگویہ:

”چوتھا سالانہ جلسہ آپ کے وصال کے بعد 16-17-18 مارچ 1932ء کو سمندری میں منعقد

ہوا۔ جلسہ کے اندر حضرت شہید کی پیدا کردہ روح کام کر رہی تھی۔ ورنہ آپ کی (سمندری

میں) تشریف آوری سے پہلے (یہ) تمام علاقہ اسلامی اجتماعات سے نا آشنا تھا“۔ (ص 47)

جلسہ کی تیاری بڑے غور و فکر اور جوش و جذبے کے ساتھ کی جاتی تھی۔ علماء کے استقبال، ان کی رہائش اور جلسہ گاہ کی تزئین و ترتیب کا کام۔ آنے والے مہمانوں کے لیے مطبخ اور لنگر کا اہتمام۔ غرض جلسہ سے متعلق تمام انتظامی امور پر بڑی باریکی کے ساتھ اور لکھ کر ڈیوٹیاں طے ہوتیں اور ان کی مسلسل نگہداشت (Supervision) کی جاتی تھی۔

یہ سب تفصیلات حضرت مولانا کے اپنے قلم سے ایک رجسٹر میں مندرج ہیں۔

مدرسہ نعمانیہ سمندری:

نعمانیہ کا نام مسلمانان پنجاب اور خاندان بگویہ کے لیے مانوس اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی لاہور کا وہ قدیمی تعلیمی ادارہ ہے جہاں حضرت مولانا غلام محمد بگویہ اور مولانا محمد ذاکر بگویہ تدریس و تحقیق کے ساتھ وابستہ رہے۔ اسی حوالے سے حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویہ نے انجمنِ اسلامیہ سمندری کے تعاون سے مدرسہ نعمانیہ سمندری قائم کیا۔

مدرسہ کے قواعد و ضوابط، حساب آمد و خرچ، تفصیل مطبخ و تعداد طلباء، مستفیضہ۔ طلباء، خارجی مقیمات، مولانا کے پاس آمد اشیا، اندراج اور مصرف، اسماء طلباء مع ولدیت و پتہ۔ فہرست کتب و اشیا مدرسہ۔ فہرست روئی

دبندگان از شہر۔ تقسیم باری باطباخت نان۔ تقسیم اوقات اسباق طلباء۔

یہ ساری تفصیلات حضرت مولانا کے اپنے قلم سے ایک رجسٹر میں موجود ہیں۔ جس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مدرسہ کے قیام، اہتمام اور باضابطہ بنانے کے لیے ساری کوششیں آپ کی ہیں اور آپ ہی نے اس ادارے کو جدید خطوط پر منظم فرمایا تھا۔

قواعد و ضوابط کے تحت درج ہے:

- + نماز پنجگانہ حتی الامکان باجماعت
- + ظاہری اور باطنی حالت اور وضع شریعت کے مطابق
- + بغیر اطلاع و بغیر اجازت مدرسہ سے باہر نہ جانا
- + گھر جاتے ہوئے مدرسہ کی اشیاء منتظم کے حوالے
- + گھر جانے کے لیے باقاعدہ رخصت لینا
- + غیر ضروری جگہوں پر بلا ضرورت جانے سے اجتناب
- + اپنی باری پروٹیاں تنور سے لگوانا
- + سبق و حفظ و مطالعہ میں پوری توجہ اور سعی
- + اپنے اپنے مقررہ وقتوں میں اسباق حاصل کرنا
- + اتفاق و محبت سے رہنا اور اخوت اسلامی کا ثبوت دینا

اس ضمن میں مدرسہ نعمانیہ سمندری کا دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کے ساتھ مسلسل رابطہ تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”کیمراگست سے 11 ستمبر 1932ء تک طلبا میرے ہمراہ 11 گس بھیرہ گئے کل سولہ طلبا میں سے پانچ نہیں اپنے چکوں میں چلے گئے۔ اور اس عرصہ میں نان وغیرہ انہیں مولوی ظہور احمد صاحب کے مدرسہ عزیز یہ سے ملتا رہا“۔ (رجسٹر مدرسہ نعمانیہ سمندری)

سمندری سے طلبہ کا بھیرہ جانا اور وہاں جامع مسجد میں رہ کر تعلیمی سرگرمیوں میں شریک ہونا، ایک بہت مفید اور یادگار تجربہ ہے۔ عام دینی اداروں میں اس نوع کے مطالعاتی اور تعلیمی دوروں کا ابھی تک کوئی رواج نہیں ہے۔

مدرسہ نعمانیہ میں جو بچے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوتے ان کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کے دروازے واہوتے۔ ایسے بچوں اور ان کے والدین کو حضرت خود رہنمائی فرماتے تاکہ ان کو جلائے کا موقع ملے اور مذہب کو سلجھے ہوئے اور ذہین علماء فراہم ہوتے رہیں۔

سعادت حج بیت اللہ:

مولانا جز انوالہ میں تعینات تھے جب اللہ تعالیٰ نے 1920ء میں انہیں حج کی سعادت سے نوازا۔ اس مبارک سفر کی تحریک آپ کی اہلیہ محترمہ کی طرف سے تھی جو خود اور ان کی گود میں شیر خوار بیٹا افتخار احمد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ 1338ھ/1920ء کا حج 20 اگست کو تھا۔ ذریعہ سفر بحری دہانی جہاز تھا۔ بمبئی سے مولانا محمد یحییٰ بگویی

کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

”ٹکٹ جہاز سیالہ کالے لیا گیا ہے۔ 27 کو روانگی کی افواہ ہے۔ آپ کا نوازش نامہ نہ آنے سے سخت اضطراب ہے۔ عزیز ظہور احمد کی منشا تو لاہور سے دہلی تک اپنے معلومات وسیع کرنے اور تبادلہ خیالات بہ خواجہ حسن نظامی صاحب کرنے کی تھی مگر حالات دیکھ کر خاکسار نے اسے یہاں تک آنے پر مجبور کیا۔ اب آگے کے حالات سن کر اور دیکھ کر آگے (سفر حج پر) ہمراہ لے جانے کی منشا ہے۔ امید ہے آپ بخوشی اسے ہمراہ جانے کی اجازت بخشیں گے۔“

والدہ افتخار اور عزیز بردو (حفاظتی) نیکہ کرانے سے بعارضہ بخار بیمار ہیں۔ دعا فرمادیں۔ جہاز کو (سعودی عرب میں) قرنطینہ نہ پڑے کیونکہ 27 جولائی روانہ ہوگا اور اس روز 10 ذوالقعد ہوگی۔ عزیز (ظہور احمد) کا بھی کچھ خیال ہوا کہ میں بھی ساتھ جاؤں۔ اس واسطے اور حالات عجیبہ سن کر ساتھ لے جانے کا خیال ہو گیا۔ آج امام دین لوہار و رمضان وغیرہ پہنچ گئے ہیں۔ فی کس ہمارا ماضی 150 روپیہ کرایہ جہاز واپسی خرچ ہوا ہے۔ اور دن بدن بڑھ رہا ہے۔“ (مراسلہ از مولانا محمد نصیر الدین گکوئی)

چنانچہ اس سفر حج میں مولانا ظہور احمد گکوئی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر کی واردات کا ذکر مولانا کے حالات کے تحت آگے آئے گا۔

مکہ معظمہ میں قیام:

مکہ معظمہ میں حجاج کا قیام خاصہ طویل ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے حدیث کی صحاح ستہ اور دیگر کتابوں کی

سند مولانا شاہ بدر الدین سے حاصل کی۔ (تذکرہ، ص 44)

انگریزوں کی اعانت اور ان کی سرپرستی میں شریف حسین کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور عثمانیہ دور ختم ہو چکا تھا۔ ملک بھر میں امن و امان مفقود تھا۔ حاجی بھی خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ مگر تمام بدوی اور قافلے والے آپ کا احترام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اونچا اونچا بولنے والے بدوی، آپ کے اونٹ کے قریب آہستہ اور ادب سے بات کرتے تھے۔ دراصل یہ خدا اور عرب اور احترام تھا جو اللہ تعالیٰ نے اجنبیوں کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔

مدینہ منورہ میں قیام:

یہاں آپ کا قیام 24 روز رہا۔ حرم کے قریب ہی ایک ایسا مکان مل گیا تھا جو حضرت ابو ایوب انصاری

سے منسوب تھا۔ آپ نے تین راتیں مسجد نبوی کے اندر روضہ مبارک کے قریب عبادت اور تلاوت میں گزاریں۔

اور سرور دو عالم ﷺ کے الطاف و اکرام سے مالا مال ہوئے۔

حریمین کے علماء کے ساتھ:

بلاد اسلامیہ خصوصاً ہندوستان سے علماء کی ایک بڑی تعداد حریمین شریفین میں مقیم رہتی رہی ہے۔ یہاں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ دونوں مقامات پر جمید علماء اور مشائخ سے ملنے کا موقع ملا۔ ان کے ساتھ علمی اور روحانی مجالس اور مصاحبت رہی۔

خدمت کے لیے وقف:

آپ کی حیات مختصر کے 16 سال فیصل آباد میں گزرے۔ آپ جہاں بھی رہے اپنی دینی، تعلیمی اور اصلاحی ذمہ داریوں کے ساتھ پوری طرح مخلص اور فعال رہے۔ وہاں کے مسلمانوں کے اندر عظیم الشان بیداری اور تمہیلی جدوجہد کے جذبات پیدا کر دیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے وقف تھا۔

تبلیغی سرگرمیاں:

ضلع فیصل آباد آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ ہزار ہا مسلمان دینی تعلیمات سے باخبر ہوئے اور انہوں نے مساجد اور علماء سے رجوع کیا۔ فاسق و فاجر آپ کی توجہ اور تعلیمات سے عابد و زاہد بن گئے۔ ویران مساجد نمازیوں سے بھر گئیں۔ اپنے عقائد اور نظریات میں مولانا بڑے واضح اور غیر مصالحانہ تھے لیکن حسن اخلاق، خندہ روئی اور شہسوں کلامی ایسی تھی کہ تمام اسلامی فرقوں کے پیروکار آپ کے مداح اور احترام کرتے تھے۔ ہندو اور سیکھ بھی اسی طرح آپ کی عزت کرتے اور بڑی تکریم سے پیش آتے تھے۔ آپ کا طرز تبلیغ ناصحانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا۔ اختلاف عقائد کی بنا پر کسی کی دلازاری گوارا نہ کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کو مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور اسلام کی خدمت و تبلیغ کا شوق، عشق اور جنون کی حد کو پہنچا ہوا تھا۔

گاؤں گاؤں و عظ:

رخصتوں کے ایام میں اکثر دیہات میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اپنی عمر کے آخری سالوں میں قریبی دیہات کا روزانہ تبلیغی دورہ آپ کا معمول بن گیا تھا۔ لاکل پور بالخصوص سمندری کے علاقے میں سکھ آباد کاروں اور زمین داروں کا زور تھا۔ دیہات میں اسلامی حمیت اور دین سے محبت مفقود تھی۔ نماز ظہر کے بعد گھستے کھانا کھا کر اپنے گھوڑے پر نکلتے۔ گاؤں گاؤں و عظ و نصیحت فرماتے۔ نماز عصر ایک گاؤں میں، نماز مغرب

دوسرے گاؤں میں اور عشا کی تیسرے چک میں ادا کرتے۔ تبلیغ الہی اور اصلاح بندگان کے بعد رات گئے گھر لوٹے۔ آپ کا یہ تبلیغی سفر گھوڑے کی پشت پر بعض اوقات 30 میل سے بھی زیادہ ہو جاتا۔ مگر اللہ کے دین کا یہ مجاہد تھوڑی دیر آرام کرتا۔ پھر سحر کے وقت عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ تبلیغ پر نکلتے وقت گوارا نہ تھا کہ راستے میں کسی کے ہاں کھانا کھائیں تاکہ آپ کا اخلاص اور وقت دونوں محفوظ رہیں۔

مساجد کی آباد کاری:

علاقے کی مساجد کی آباد کاری ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ پہلے لوگوں کے اذہان اور قلوب بدلیں پھر خانہ خدا کی حالت بدل سکتی تھی۔ مولانا ظہور احمد بگوئی بیان کرتے ہیں:

”خاکسار ایک دفعہ سمندری میں حاضر ہوا۔ مجھے دیہات میں اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک گاؤں میں مسجد بالکل ویران پڑی تھی۔ نمازی ایک بھی نہ تھا۔ مسجد کے اندر بھوسہ پڑا ہوا تھا جس میں سے تعفن کی وجہ سے سخت بو آ رہی تھی۔ دوسرے سال دوبارہ مجھے آپ کے ہمراہ وہاں جانے کا موقع ملا۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ عمدہ چٹائیاں بچھی ہوئی اور پانی کا اعلیٰ انتظام دیکھ کر میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ مجھے حیران دیکھ کر مسکرائے۔ فرمایا:

”یہ میری ایک سال کی محنت کا ثمرہ ہے۔“ (تذکرہ، ص 47)

تبلیغ بذریعہ ملازمت:

ملازمت کو آپ نے ایک فرض سمجھ کر گزارا۔ ایک طرف طلباء تھے جن کی تعلیمی کفالت، اخلاقی تربیت اور درسی بہتری مقصود تھی۔ دوسری جانب لائل پور کے چکوک اور قصبات کے وہ ان پڑھ اور دین سے بے بہرہ مسلمان تھے جنہیں ہدایت کی روشنی درکار تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے:

”میں نے ملازمت کو تبلیغ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ملازمت کی وجہ سے فکر معاش سے آزاد رہتا ہوں اور لوگوں کے جو دعوے عطا سے بے نیاز ہو کر شب و روز خدمت دینی میں مستغرق ہوں۔ ایک علاقہ کے لوگوں کی جب اصلاح ہو جاتی ہے تو خداوند کریم کے حکم سے میرا تبادلہ کسی دوسری جگہ ہو جاتا ہے۔ دراصل خداوند کریم مجھ سے ہر جگہ کام لینا چاہتا ہے۔“

(تذکرہ، ص 47)

روحانی تربیت:

آپ کی روحانی تربیت، منازل سلوک اور کتب تصوف کے مطالعہ میں چار حضرات کا خصوصی حصہ ہے۔

اولاً: والد ماجد مولانا عبدالعزیز بگویی۔

ثانیاً: مولانا محمد ذاکر بگویی۔

ثالثاً: حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوئی۔

رابعاً: حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان نقشبندی۔

آپ سیال شریف میں پہلے حضرت ثالث سیالوئی اور پھر خواجہ قمر الدین سیالوئی سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت تھے۔ ازاں بعد آپ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں ان سے منازل سلوک و عرفان طے کیے۔

منتخب راستہ:

حضرت مولانا کو خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ سراجیہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ جب بھی موقع ملتا وہ سفر اور موسم کی صعوبتیں اٹھا کر حاضر ہوتے اور کھولہ شریف ضلع میانوالی میں قیام کر کے سلوک و معرفت کے مراتب اور منازل طے کرتے۔ وہ اپنی اولاد کے لیے بھی چاہتے تھے کہ وہ اسی راستے پر گامزن رہے جو انہوں نے اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد شمس الدین مجددی (درویش ضلع ہزارہ) اپنے ایک مکتوب مورخہ 11 جون 1982ء میں رقمطراز ہیں:

”ایک دفعہ آپ کے جد امجد مولانا محمد نصیر الدین شہید اپنے دونوں بیٹوں حاجی افتخار احمد صاحب اور حکیم برکات احمد صاحب کو ان کی بہت چھوٹی عمر میں خانقاہ شریف سراجیہ لے گئے۔ کسی نے پوچھا:

’حضرت اتنے چھوٹے بچوں کو ساتھ لے آئے؟‘

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”میں ان بچوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرا راستہ یہی ہے۔ میرے بعد تم بھی اس راستہ کو قابو رکھنا۔“

تزکیہ و تصوف:

حضرت مولانا کو اپنے مرشد محترم سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ بندگان خدا و اس در تک لے آئیں جہاں سے انہیں معرفت اور یقین کی دولت حاصل ہوئی تھی۔ مولانا عرشی یہ واقعہ لکھتے ہیں:

”مولانا محمد نصیر الدین بگوی مدرس عربی بائی سکول سمندری بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے سکول کے ایک ماسٹر چودھری نصرت حسین صاحب بی اے۔ بی ٹی ایک باوجاہت خاندان کے رکن تھے۔ دنیا دارانہ پرورش پانے کے باعث دینی شعار سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ صوم و صلوة کے نام سے بھی نفرت تھی۔ مئی 1931ء میں حضرت قبلہ سمندری تشریف لے گئے تو واپسی میں اتفاق سے آپ کو موٹر کی اگلی سیٹ پر چودھری صاحب موصوف کے دوش بدوش بیٹھنا پڑا جو انگریزی سوٹ میں ملبوس اپنے سگریٹ کے دھوئیں اڑاتے جاتے تھے۔ مگر ایک طرف سے دھوئیں کی ظاہری آوارہ روی مخل جمعیت تھی تو دوسری طرف سے اس گھڑی بھر کی صحبت کا باطنی اثر اپنا کام کر رہا تھا:

دز ساغر چشم تو ندانم چہ شراب ست

برہر کہ نظرے ننگنی مست و خراب ست

چنانچہ چودھری صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ اس وقت ان کے دل میں صوفیہ کی عظمت و وقعت کا سکہ بیٹھتا جا رہا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ آج دنیا میں اُروائی جماعت صحیح معنی میں قابل تعظیم ہے تو یہ ہے۔ صلاح و تقویٰ کی عمارت کا یہ سنگ بنیاد تھا جو چودھری صاحب کے دل میں جمایا گیا۔ اب دیکھیے قدرت اس عمارت کی تکمیل کے لیے کیا انوکھے اور غیر معمولی سامان کرتی ہے۔ کچھ مدت بعد چودھری صاحب و ایک کتے نے کانٹا، جو نہ کٹکھنا تھا اور نہ دیوانہ۔ وہ کبھی بھی کسی یگانہ و بیگانہ پر حملہ آور نہیں ہوا تھا۔ نہ اس کے بعد کبھی ہوا۔ تاہم چودھری صاحب نے احتیاطاً کسولی جا کر علاج کرایا۔ جہاں ڈاکٹر نے شہادت دی کہ یہ سگ دیوانہ کا زخم نہیں مگر ساتھ ہی علاج بھی کر دیا۔ واپس آئے تو ہر طرف سے اطمینان دایا گیا کہ کتا تندرست ہے۔ مگر بار بار کی تسلی اور کافی علاج کے باوجود بھی چودھری صاحب کے دل میں پے پے ایک اضطراب انگیز کھٹک پیدا ہوتی تھی کہ ابھی تھوڑی

دیر میں مرض کا دورہ ہونے والا ہے جس کا علاج نہ کسی ڈاکٹر کے پاس ہے نہ حکیم کے پاس بلکہ کوئی شیخ طریقت ہی اس کا تدارک کر سکتا ہے۔

مولانا نصیر الدین گبوی نے مشورہ دیا کہ اس مرض کے علاج کے لیے ہمارے حضرت کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دارالشفاء نہیں۔ چنانچہ چودھری صاحب مولانا موصوف اور ڈاکٹر محمد شریف صاحب کے ساتھ خانقاہ پہنچے۔ وضو کر کے حضرت کے حلقہ میں بیٹھے۔ یہاں آ کر پہلی مرتبہ نماز پڑھی اور رفتہ رفتہ ہمیشہ کے لیے پکے نمازی بلکہ تہجد گزار بن گئے۔ طبیعت کی تمام کلفت، وحشت اور پریشانی رفع ہو گئی۔ مرض کا وہم جاتا رہا۔

ازیں سیاہ در و ناں بابل دل بگریز

کہ کعبہ چارہ اصحاب فیل میدان

آن وہی چودھری صاحب جو نماز کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے۔ مسجد کے اندر انتظار جماعت میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ راگ باجاسنے کا بڑا شوق تھا۔ اور زر کثیر صرف کر کے مختلف بابے خریدے تھے۔ مولانا نصیر الدین گبوی نے حضور کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا۔ خیر ترک کر دیں گے۔ چند روز گزرے تھے کہ چودھری صاحب کو ان مشاغل سے یک دم نفرت ہو گئی۔ (تحفہ سعدیہ، ص 49-248)

انوار الہی کا مشاہدہ:

حضرت مولانا گبوی اپنے برادر خورد مولانا ظہور احمد گبوی صاحب کو لے کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت اس وقت تسبیح خانہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے دست مبارک میں ایک تسبیح تھی۔ مولانا نصیر الدین صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو انہیں تسبیح کی کیا حاجت ہے؟ آپ نے اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”مولانا! یہ تو یاری لگانے کی نشانی ہے“۔ پھر مولانا موصوف نے خیال کیا کہ اگر یاری لگانا مقصود ہے تو پھر تعداد کی کیا ضرورت؟ حضرت اعلیٰ نے ایک دانہ پکڑا اور اسے نیچے گرا کر فرمایا ”حضرت! چوبیس ہزار ہو گیا۔ یہاں تھکاوٹ اور گنتی نہیں ہے“۔

مولانا موصوف نے انوار الہیہ کی اس بارش کو جو حضرت اعلیٰ پر ہو رہی تھی، مشاہدہ کیا

اور طریقہ پاک میں داخل ہو گئے۔ (تحفہ سعدیہ، ص 3-132)

مجاز طریقت:

مولانا عبدالکریم عرشی (متوفی 1947ء) حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان مجددی قدس سرہ العزیز کے حالات اور ملفوظات کی کتاب تحفہ سعدیہ میں رقم طراز ہیں:-

”حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگوئی نہایت جید عالم تھے۔ شغل درس و تدریس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں باطنی معارف سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی طرف سے مجاز طریقت ہوئے۔“ (ص 157)

آپ کے مریدین بھیرہ، فیصل آباد، شیخوپورہ اور لاہور سے تعلق رکھتے ہیں۔

تحریر و تالیف:

پہلے اشارہ گزر چکا ہے کہ مولانا اپنے تمام کاموں اور مصروفیتوں کو ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ یہ باتیں آپ اپنی ڈائری، خطوط، رجسٹر، کاپیوں، بیاض، نوٹ میں لکھتے تھے۔ شومی قسمت سے 3، 4 بار ریکارڈ کی منتقلی اور دیمک کی وجہ سے یہ قیمتی اثاثہ ضائع ہو چکا ہے۔ البتہ آپ کے بعض مواعظ، حاصل مطالعہ، حاشیے اور بیاضات موجود ہیں جن پر تحقیقی کام کی بڑی گنجائش ہے۔

تعویذ نویسی:

آپ کو عملیات اور تعویذات میں خاص دلچسپی تھی۔ حضرت مولانا محمد ذاکر بگوئی نے آپ کو اپنے تمام وظائف، اعمال اور تعویذات کی اجازت دے دی تھی۔ لاہور میں قیام کے دوران ان کی تعویذ نویسی، مولانا کے سپرد تھی۔ دراصل آپ نے تعویذ نویسی کو، اپنے بزرگوں کی طرح خدمت اور تبلیغ کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ اس کام سے آپ کا کوئی مفاد وابستہ نہ تھا۔ صاحب تذکرہ مشائخ بگوئی نے اصلاح نفس کا یہ واقعہ لکھا ہے:

”ایک تحصیل دار صاحب گیا (بہار) میں حب کا تعویذ لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ تعویذ دیتے وقت آپ نے فرمایا:

’تعویذ کا فائدہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ آپ شراب کے استعمال اور زنا سے بچیں۔
داڑھی کو منڈوانا چھوڑ دیں اور مونچھیں ترشوائیں۔‘

تحصیل دار صاحب مرض عشق میں مبتلا تھے۔ ایک ماہ باقاعدہ حاضر ہوتے رہے۔ آہستہ آہستہ

وہ مرد صالح اور شریعت اسلام کے پابند بن گئے۔ اور جس بازاری عورت پر وہ عاشق تھے وہ

اپنے تئیں ہمیشہ کے لیے تائب ہو کر ان کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند ہو گئی۔ (ص 44)

آپ کی تعویذات کی بیاض بڑی جامع اور وسیع مسائل کا احاطہ کرتی ہے اور اس میں تعویذات کا بڑا نادرا، مجرب اور مفید ذخیرہ ہے۔

طب:

آپ نے طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ قیام لاکل پور میں ہر طبقے اور ہر مذہب کے مریض مشورے اور علاج کے لیے آتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا حکیم برکات احمد بگوئی نے اپنی مطہی پریکٹس میں حضرت کے نایاب اور مجرب نسخوں سے بڑا استفادہ کیا۔ یہ نسخے الگ سے ایک قلمی بیاض میں جلد بند ہیں۔

رہائش:

سمندری میں آپ کی رہائش کرایے کے مکان میں تھی۔ آپ نے کسی پر بار بننا پسند نہ کیا۔ دسمبر 1929ء سے نومبر 1933ء کی رسیدات کرایے کے مطابق آپ شیخ مولا بخش محمد حسین جنرل مرچنٹ سمندری کے مکان میں بطور کرایے دار مقیم رہے۔ ماہانہ کرایہ سات روپے تھا جو ہر ماہ کے وسط تک نقد ادا ہوتا اور اس کے عوض باقاعدہ رسید جاری ہوتی تھی۔

نصیحت میں خیر خواہی:

آپ کے دل میں بچپن ہی سے اسلام کی خدمت اور مسلمانوں میں تبلیغ کا جذبہ موجود تھا۔ چنانچہ آپ چھوٹی عمر میں ہی وعظ فرمایا کرتے تھے۔ صوبہ بہار کے قیام کے دوران آپ کے مواعظ حسنہ اور دل نشین طرز تبلیغ خاصہ مقبول تھا۔ عوام کی ایک بڑی تعداد آپ کے فرمودات سے فیض یاب ہوئی۔ آپ کا وعظ نہایت مؤثر اور دل نشین ہوتا تھا۔ بعض اوقات مسلسل سات سات گھنٹے تقریر کیا کرتے تھے۔ مجمع تھا کہ گویا زمین کے ساتھ پیوست ہو جاتا تھا۔ آواز نہایت بلند اور صاف ہوتی تھی۔ خوش آواز ایسے تھے کہ خطبہ سن کر حاضرین پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اکثر ضعف و ماغ کی شکایت کیا کرتے تھے۔ مگر مسلمانوں کی حالت زار سے نچنت نہ رہ سکتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا نلبورا احمد بگوئی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:-

”ایک دفعہ مسلسل چھ گھنٹہ تقریر کے بعد مکان پر تشریف لائے اور سر میں درد کی شکایت کرنے

لے اور کہنے لگے کہ اب دماغ ضعیف ہو گیا ہے۔ زیادہ دیر تقریر کرنے سے سر میں درد ہوتا

ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ چھ گھنٹے نہایت بلند آواز سے ہزار ہا کے مجمع میں تقریر کرنے کے بعد سر درد کا ہونا لازمی ہے۔ اس میں دماغ کا کیا قصور ہے۔ آپ اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے زیادہ دیر تقریر نہ فرمایا کریں (پھر) اتنی لمبی تقریر کی ضرورت بھی کیا ہے۔
جواب میں فرمایا:

”عزیز من! اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کو دیکھ کر میرے دل میں ولولہ تبلیغ پیدا ہوتا ہے۔ دل میں خیال آتا ہے کہ شاید زندگی میں ایسا موقع دوبارہ نہ ملے اور شاید حاضرین کو پھر وعظ سننے کا موقع نہ ملے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ امور ان کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مجھے توقع ہوتی ہے کہ جس قدر زیادہ مسائل بیان ہوں گے اسی قدر زیادہ تعداد میں حاضرین کے دماغوں میں محفوظ رہیں گے۔ بیس مسائل میں سے اگر تین یا درہا سکتے ہیں تو یقیناً دو سو مسائل میں سے کم از کم بیس وہ ضرور یاد رکھیں گے۔“ (تذکرہ، ص 45-46)

آپ کی تبلیغ صرف منبر کے وعظ تک محدود نہ تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک ایسے جلیل القدر مبلغ تھے جو چلتے پھرتے، پڑھتے لکھتے اور اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور اسلام کی تبلیغ کی دھن میں مستغرق رہتے تھے اور ”الدین نصیحہ“ کی عملی تصویر تھے۔

اخلاق و اطوار:

سیرت اور صورت میں لاثانی تھے۔ نہایت وجیبہ، خلیق اور شیریں کلام تھے۔ آپ کے اخلاق حسنہ کا ایک عالم آرویدہ تھا۔ رفتار نہایت باوقار اور گفتار بہت پر متانت۔ لباس ہمیشہ اچھا اور صاف پہنتے۔ گھوڑے کی سواری بہت مرغوب تھی۔ جانور شوق سے پالتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی سچی تڑپ دل میں موجزن تھی۔ تبلیغ کے لیے ہمہ وقت خود کو تیار رکھتے تھے۔ مطالعہ کتب آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ سفر و حضر میں کتابیں ساتھ رکھتے تھے۔ ناز و نعم میں زندگی بسر کرنے کے باوجود خدمت دین کے لیے آپ ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ جفاکشی اور محنت کوشی گویا فطرت ثانیہ تھی۔ ہر طبقہ خیال اور ہر مذہب کے لوگوں میں یکساں مقبول تھے۔ آپ حنفی العقیدہ عالم اور صوفی المشرّب معلم تھے۔

مزاج:

آپ رقیق القلب، منکسر مزاج اور نہایت رحم دل واقع ہوئے تھے۔ سخت غصے کی حالت میں چہرہ اور پیشانی پر ہلکا سا غبار آ جاتا تھا۔ بعض اوقات اپنے خاص خدام پر زور دار الفاظ میں غصے کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔

مگر یہ غصہ انتہائی طور پر نصف منٹ سے زیادہ نہ ہوتا۔ ایک منٹ کے بعد غصے کی بجائے لطف و کرم کا اظہار فرماتے۔ آپ کا غصہ خدام کے لیے مفید ثابت ہوتا کیونکہ ان پر نظر عنایت بڑھ جاتی تھی۔

درس قرآن حکیم:

بعد نماز فجر قرآن حکیم کا درس دیتے۔ جس میں آیات کے مطالب و معانی، حقائق و اسرار، بصائر و حکم اور ربط آیات اس خوبی اور شرح و بسط کے بیان فرمایا کرتے کہ حق کے طالب مطمئن ہو جاتے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نوبہ ٹیک سنگھ، لائل پور، جڑانوالہ، موروثی پور اور سمندری کے لوگوں میں قرآن مجید کے مطالعے کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ شروع شروع میں لوگ آپ کی ناراضگی کے اندیشے سے شریک درس ہوتے تھے۔ جلد ہی حضرت کا انداز بیان اور قرآنی معارف کی حلاوت انہیں درس کا گویا عادی بنا دیتی تھی۔

معمولات:

سفر اور قیام میں رات کے پچھلے پہر میں بیدار ہو جاتے۔ نوافل تہجد کے بعد ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی طلوع فجر سے پہلے کتب تفسیر اور حدیث کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ اور کبھی تھوڑی دیر کے لیے آرام کرتے تھے۔ درس قرآن کے بعد طالبان علوم دین کو فقہ حدیث وغیرہ کے اسباق پڑھاتے تھے۔ بعد ازاں ہائی سکول تشریف لے جاتے تھے۔ سکول سے فارغ ہو کر گردونواح میں تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ورنہ نماز ظہر کے بعد حدیث شریف کا درس ہوتا تھا۔ اس کے بعد مدرسہ کے طلباء کو کتابوں کے اسباق پڑھاتے تھے۔

بھیرہ سے تعلق:

اگرچہ ملازمت کے سلسلے میں بھیرہ سے دور تعینات تھے مگر ان کا دل اس شہر کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ یہاں ان کے دو بھائیوں کے علاوہ والدہ ماجدہ کا وجود باسعود تھا۔ مولانا ظہور احمد گبوی کے ساتھ تو خاص انس تھا۔ مولانا جب بھی بیرون پنجاب سفر پر نکلتے یا بھیرہ سے باہر جاتے تو التزاماً اپنے برادر محترم کے پاس جاتے۔ قیام کرتے اور ان کے ساتھ تمام معاملات اور حالات پر گھنٹوں بات چیت کرتے تھے۔

مولانا ظہور احمد گبوی کو اپنے تمام کاموں، سرگرمیوں اور مصروفیتوں میں مولانا محمد نصیر الدین گبوی کی مکمل تائید اور اعانت حاصل ہوتی تھی۔ دونوں بھائیوں میں یہ تعلق مثالی تھا۔ تعطیلات کے دنوں میں جامع مسجد بھیرہ میں خاص چہل پہل ہوتی تھی۔ سمندری سے مدرسہ نعمانیہ کے طلباء کو ہمراہ لایا کرتے تھے۔ ان کا کرایہ ریلوے اپنی جیب سے ادا کیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ طلبہ ایک بڑے اور کھلے ماحول میں زیادہ بہتر عالم دین بنیں۔ دارالعلوم

عزیز یہ بھیرہ کے طلبا کی تعلیم و تربیت، دارالعلوم کے انتظامات کی درستی اور بہتری اور طلبا کو پند و نصیحت کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ جامع مسجد بھیرہ میں روزانہ صبح کے وقت قرآن حکیم کا درس دیا کرتے تھے۔

بچوں کا اجتماع:

کسی خاندان کے مختلف گھرانوں کے بچے بالعموم فراوانی اور آسانی سے مل نہیں پاتے اس لیے اکثر آپس میں اجنبی رہتے ہیں۔ گرمی کی چھٹیوں میں آپ اہتمام فرماتے کہ تمام ہم عمر بچے اور بچیاں سمندری میں اکٹھے ہوں، مل جل کر کام کریں اور چند دن ایک ساتھ رہیں۔ یہ ایک منفرد سوچ ہے اور آج تو اس کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

جامع الصفات:

آپ کے اثر صحبت سے گنوار شائستہ اور ان پڑھ عالم فاضل بن گئے۔ آپ فیض و کرم کا بے پایاں دریا تھے اور علم و معرفت کا ایسا چشمہ جس سے تشنگان علوم و ہدایت سیراب ہوتے۔ مولانا ظہور احمد بگوئی لکھتے ہیں:-
 ”آپ کی ہستی دور قحط الرجال میں مسلمانوں کے لیے بے حد غنیمت تھی۔ آپ اسلاف کرام کے سچے جانشین، العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق اور انما تنحشی اللہ من عبادہ العلماء کے مطابق تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے۔ خاکسار نے اپنی زندگی میں ایسا مجاہد اسلام اور دین محمدی کا جانبا ز خادم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا جس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ خدمت خلق کے لیے وقف کر رکھا ہو۔“ (تذکرہ، ص 48)

حالات سے کبھی پریشان یا خوف زدہ نہ ہوتے تھے۔ نازک حالات میں بھی حواس اور حوصلہ قائم رکھتے تھے۔ جہاں آپ میں مخدومیت تھی وہاں خادمیت بھی پوری شان کے ساتھ موجود تھی۔ آپ فی الواقع جامع الصفات تھے۔ عالم اور فاضل کے ساتھ عارف اور زاہد بھی۔ مبلغ اور مصلح کے ساتھ طبیب حاذق بھی۔ کپڑے اپنے ہاتھ سے ہی لیتے تھے۔ نفیس لباس کے شائق ہونے کے باوجود اپنے کپڑوں میں پیوند بھی لگا لیا کرتے تھے۔ چار پائی خود بن لیتے اور کس لیتے تھے۔ مدرسہ کے طالب علموں کے لیے صابن اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے تھے۔ گھر پر چھوٹی موٹی مرمیتوں کے لیے سامان موجود ہوتا تھا۔ کبھی کبھار اپنے جوتے تک خود مرمیت کر لیتے تھے۔ بھینس کا دودھ اپنے ہاتھوں سے نکالتے۔ اپنے خادموں کے ادنیٰ کام بھی اپنے ہاتھ سے سرانجام دینے میں عار نہ سمجھتے تھے۔ سفر حج میں اگرچہ ایک خادم ہمراہ تھا مگر اکثر اپنے ہاتھ سے پانی کا مشکیزہ بھر کر لاتے اور اپنے رفقاء سفر کی خدمت کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے تھے۔

شجرہ نصیریہ مجددیہ نقشبندیہ بگوییہ

مع ظہور نامہ

حسب الارشاد پیر طریقت عالی جناب قبلہ عالم سجادہ نشین الحاج افتخار احمد بگویی بھیروی

خداوندا بحق سرور دین	محمد مصطفیٰ با عجز و تمکین
بحق حضرت ابوبکر صدیق	بہ سلمان فارسی اہل توفیق
بحق قاسم عالی مقامے	بحق جعفر صادق امامے
بحق بایزید شاہ بسطام	بحق ابوالحسن فرخندہ فرجام
بحق بو علی اہل عرفان	بحق خواجہ بو یوسف زہمدان
بحق عبد خالق غجدوانی	بخواجہ عارف فی اللہ فانی
بحق خواجہ محمود الخیر	بحق آں عزیزاں علی پیر
بحق خواجہ بابائے ساس	باں مہر کلال پاک انفاس
بحق آح بہاؤ الدین ذی شان	جناب نقشبند شاہ شاہاں
بحق آں علاؤ الدین عطار	باں یعقوب چرخ پر انوار
بحق شہ عبید اللہ احرار	بحق حضرت زاہد آں ابر و گہر بار
بحق خواجہ درویش محمد	بحق خواجگی املنگی امجد
بحق مرشد کل باقی باللہ	باں حضرت مجدد صاحب جاہ
بحق عرۃ الوثقائے معصوم	بحق شیخ سیف الدین قیوم
بحق سید نور محمد	بہ مرزا جان جاناں ماہ مشہد
بحق شہ غلام علی ذیشان	بہشاہ بو سعید اہل عرفان
بہ شہ احمد سعید صاحب تاج	بہ دوست محمد سرخیل حجاج
بہ حضرت خواجہ عثمان صاحب دل	باں حاجی سراج الدین کامل

بہ حضرت سیدی غوثی بوسعید احمد
دل کو روشن کر نصیر الدین با وفا کے واسطے
دعا کرتا ہے برکات احمد احقر
میرے دل میں اپنی محبت بھر دے
میں پاؤں دین و دنیا میں بھلائی
ہو آساں مجھ پہ وقت نزع و سکر ات
خطر کا وقت ہو جب روز محشر
شفاعت سے مجھے محفوظ فرما
الہی ہو ہمیشہ فتح اسلام
میرے احباب اور خویش برادر
میرے مرشد جو ہیں اک شیخ اکبر
سدا پنچے مجھے فیضان ان کا
ملازی نیتی کہنی ہماری
اور ظہور احمد صاحب صفا کے واسطے
الہی مجھ پر رحمت کی نظر کر
منور معرفت سے اس کو کر دے
نہ تجھ سے دل کو ہواک دم جدائی
نہ دکھ دیں قبر کی اندر کی آفات
کرم کر مجھ پہ یا اللہ کرم کر
عذاب نار سے محفوظ فرما
رہے ہر دم دشمن اسلام ناکام
رہیں قائم ہمیشہ راہ حق پر
رہیں مجھ پر ہمیشہ سایہ گستر
میں ہوں گرویدہ احسان ان کا

● مولوی برکات احمد مطبوعہ دارالعلوم شرقیہ بھڑتھ تحصیل فیروزوالہ ضلع شیخوپورہ

شادی اور اولاد:

آپ کی پہلی شادی ممتاز عالم دین مولانا غلام رسول چاوی کی اکلوتی بیٹی محترمہ جمال بی سے غالباً 1912ء میں ہوئی۔ اس شادی سے چار بچے ہوئے۔ 1934ء میں آپ کی شہادت کے وقت دو بچے موجود تھے۔ افتخار احمد بھر 16 سال، بیٹی غلام فاطمہ کی شادی ہو چکی تھی۔

دوسری شادی بھیرہ میں مولوی گل محمد قریشی صاحب کی دختر غلام زہریٰ مرحومہ کے ساتھ 1924ء میں ہوئی۔ اس شادی سے چار بچے ہوئے۔ کم سن ریاض احمد اور حسنا احمد بس کے حادثہ میں جاں بحق ہوئے۔ شہادت کے وقت برکات احمد کی عمر چھ سال اور ذکیہ خانم کی 8 سال تھی۔

وفات:

صرف 41 سال کی عمر میں 22 فروری 1934ء / 7 ذی قعد 1352ھ بس کے حادثے میں اپنی اہلیہ محترمہ اور دو کم سن بچوں کے ساتھ راہی ملک بقا ہوئے۔

مدفن:

23 فروری کو تکفین کے بعد سمندری میں جنازہ پڑھا گیا۔ اسی روز بھیرہ میں پہنچ کر شہدا کا جنازہ ہوا اور خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں دفن ہوئے۔

شہادت کا دردناک واقعہ

حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویی اور آپ کا خانوادہ سڑک کے الم ناک حادثے سے دوچار ہوا۔ اس میں حضرت مولانا، آپ کی اہلیہ محترمہ اور دو کم سن بیٹے شہید ہو گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل تذکرہ مشائخ و علماء بگوییہ سے ملاحظہ فرمائیے۔

18 فروری 1934ء مطابق 3 ذی قعد 1352ھ صبح صادق کے وقت آپ کی والدہ محترمہ کا بھیرہ میں انتقال ہوا۔ بھیرہ سے تار کے ذریعہ آپ کو اس حادثہ کی اطلاع ملی۔ اس روز یک شنبہ کی وجہ سے ہائی سکول سمندری میں تعطیل تھی۔ اس لیے آپ دیہات میں تبلیغی دورہ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ بوقت عصر 35 میل کا سفر کر کے واپس تشریف لائے۔ تار پڑھ کر نہایت ہی غمگین ہوئے اور اپنی اہلیہ محترمہ اور دو کم سن بچوں کو لے کر اسی وقت بذریعہ موٹر لاری بھیرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنے چھوٹے لڑکے برکات احمد اور چھوٹی لڑکی کو وہیں چھوڑ آئے۔ 19 فروری 1934ء کو آپ دوپہر کے وقت بھیرہ پہنچے۔ بھیرہ میں دو دن قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ اکثر خاموش، متفکر اور مغموم رہے۔ 21 فروری کی رات کو حسب معمول رات کے 2 بجے اٹھ کر نوافل تہجد سے فارغ ہو کر ذرا الہی میں مشغول رہے۔ رات کے چار بجے خاکسار کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور محبت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ ذیادہ گھنٹہ تک مسلسل وصایا فرماتے رہے۔ میں آپ کے طرز گفتگو سے حیران ہو رہا تھا۔ میں نے سلسلہ کلام کو بدلنا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا:

”زندگی کا بھروسہ نہیں، میری عمر 41 سال ہو چکی ہے۔ بڑے بھائی صاحب (مولانا محمد ذاکر) کی عمر بھی اسی قدر تھی۔ میری وفات کے بعد میری قبر والدہ ماجدہ کی قبر کے ساتھ بنائی جائے۔ اور اگر کوئی اور شخص ہمارے خاندان سے فوت ہو تو اسے موجودہ احاطہ سے جانب غرب دفن کیا جائے۔ اور بعد ازاں دیوار کھینچ کر وہاں احاطہ بنا لیا جائے۔ میں نے اپنے بچوں

کو تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ ان کی نیکی و بھلائی کے تم ذمہ دار ہو گے۔“

خاکسار نے ہر چند مختلف معاملات پر گفتگو کر کے آپ کے خیالات کو بدلنا چاہا مگر آپ نے صبح کی اذان تک اپنے وصایا کا سلسلہ جاری رکھا۔ نماز فجر کی امامت آپ نے ہی کرائی۔ آپ کی بلند آواز سے مسجد کے درود یوار گونج رہے تھے۔ نماز کے بعد آپ دیر تک مراقبہ میں رہے اور بعد ازاں اپنے احباب سے الوداعی گفتگو فرماتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری ڈاڑھی کے کچھ بال سفید ہو گئے ہیں۔ مگر مجھے خضاب لگانے سے نفرت ہے۔ مجھے خضاب لگانے کی ضرورت بھی نہیں۔ مولوی عبدالرحمن صاحب میانوی نے عرض کیا کہ آپ مہندی اور وسہ کا خضاب استعمال کیا کریں۔ فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا کہ محکمہ تعلیم اب مجھے بوزھا سمجھ کر ملازمت سے برطرف کر دے گا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ 55 سال سے زائد عمر والے برطرف کیے جاتے ہیں۔ آپ کی عمر 41 سال سے زیادہ نہیں۔ آپ کو اس کی کیا فکر ہے۔ فرمایا تمہیں حالات موجودہ کا علم نہیں۔ میری عمر کافی ہو چکی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد دن کے ایک بجے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے فرزند ریاض احمد (عمر 4 سال) و حسنا احمد (عمر 3 سال) کے ہمراہ ٹانگہ پر سوار ہو کر ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ آہ! کون جانتا تھا کہ یہ جدائی دائمی ثابت ہوگی اور ایسے خادم دین محمدی، پیکر ایثار و استقامت، غمخوار ملت کے فراق میں ہمیشہ آنکھیں اشکبار اور دل بیقرار رہے گا۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید

ز جام دبر مئے کل من علیھا فان

رات کے دس بجے آپ لائل پور پہنچے۔ شب بھر وہیں قیام کیا۔ بوقت صبح لائل پور کے احباب سے آخری ملاقاتیں کر کے دن کے گیارہ بجے لاری پر سوار ہوئے۔ ڈرائیور کی نشست سے ملحق ایک خانہ آپ نے ریزور کر لیا تھا۔ لاری کے سکھ ڈرائیور نے 60 میل فی گھنٹہ کی رفتار پر لاری کو چھوڑ دیا۔ لائل پور سے 14 میل کے فاصلہ پر ایک اور لاری آگے جا رہی تھی۔ اس سے آگے گزرنے کے لیے ڈرائیور نے لاری کو پختہ سڑک سے نیچے کچی سڑک پر اتار لیا۔ حضرت نصیر الملت نہایت خاموش، ہاتھ میں تسبیح لیے ذکر خدا میں مشغول تھے۔ حادثہ سے چند منٹ پہلے آپ کے دو آنسو آنکھوں سے بہ نکلے۔ آپ کے عزیز بچے ریاض احمد نے آپ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا اور رو کر کہا:

”اباجی روتے کیوں ہو؟“

آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور ریاض احمد کو اپنی گود میں بٹھا کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ بچے کو پیار کیا۔ لاری نہایت تیزی سے جا رہی تھی۔ معا ایک کیکر کا درخت سامنے آ گیا۔ ڈرائیور نے لاری کو تصادم سے بچانے کے لیے

یک دم موڑ لیا۔ مگر تیز رفتاری کی وجہ سے فوراً موڑنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاری الٹ کر درخت پر جا پڑی۔ حضرت نصیب املت کا سر مبارک درخت سے ٹکرایا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ ریاض احمد کا سر پھٹ گیا اور اس نے اپنے والدین گود میں ہی جان دے دی۔ حسنا احمد اپنی والدہ کی گود سے اچھل کر سڑک پر گرا اور وہیں جاں بحق ہو گیا۔ لاری کی دوسری سواریوں کو بھی چومیں آئیں اور اکثر اشخاص بری طرح مجروح ہوئے۔ سمندری و گردنواح کے علاقہ میں یہ خیر بھگلی کی طرح پھیل گئی۔ صد ہا اشخاص دیدہ گریاں و سینہ بریاں حادثہ کے موقع پر پہنچ گئے۔ علاقہ کے ہندو، سکھ اور مسلم دوکانداروں نے کاروبار معطل کر دیا۔ بازار بند ہو گئے۔ شہداء کے جسم سمندری لائے گئے۔ حضرت نصیب امت کی اہلیہ محترمہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ہسپتال میں انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ میرے بچے کہاں ہیں۔ کسی نے جواب دیا کہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ ماما کی ماری غریب ماں نے دو دفعہ پھڑک پھڑک کر جان دے دی۔ اور چوتھی غرض بھی سمندری میں پہنچ گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حیف در چشم زدن صحبت یار آ خر شد

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آ خر شد

سمندری سے اتنی روز بذرِ بقیہ ترقی اطلاع منے پر خاکسار، مولوی عبدالرحمن صاحب میانوی، حافظ سعید احمد بگوی اور فیض محمد اسم کے ہمراہ انتہائی رنج و الم کے عالم میں روانہ ہو پڑا۔ دوسرے دن 23 فروری 1934ء صبح 7 بجے سمندری میں پہنچ کر دردن کا منظرہ کا اپنی بدنصیب آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

میرا شبید و بہادر مجاہد اسلام بھائی اپنے مکان کے صحن میں سفید چادر اوڑھ کر اہل و عیال کے ہمراہ چارپائیوں پر سویا ہوا تھا۔ ہزار ہا مردوزن گریاں کناں اور نالہ کناں تھے۔ مخلوق خدا کا کثیر اثر و حام تھا۔ اپنے محبوب رہنما کی جدائی پر لوگ زار و زار رو رہے تھے۔ بعض لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ الہی ہم اپنی جانیں پیش کرتے ہیں۔ اس خادِمِ دین کی زندگی کے بدلے اگر تو منظور کر لے تو ہم قربان ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اس وقت کی حالت بیان کرنے سے زبان و قلم قاصر ہے۔ شبید مرحوم کا پیارا چھوٹا بچہ برکات احمد اپنے ابا کے سر ہانے کھڑا ہوا تھا۔ اور تین سے نووں کے چہروں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ موت حیات کی حقیقت سے ناواقف تھا۔ صبح کے وقت اپنے باپ کو دست سے بیدار کرنا چاہتا تھا۔ مگر آہ! معصوم بچے کو اس عظیم الشان تباہی و بربادی کا علم نہ تھا۔ جو نہ صرف اس پر ہوا مسلمانان پنجاب پر نازل ہو چکی تھی۔

نماز جنازہ کے بعد شہداء کے اجسامِ مصند و قنوں میں بند کر کے لاری میں رکھے گئے اور اسی دن لاری شام کو

بھیرہ پہنچ گئی۔ محبوب آقا جو ایک دن پہلے اپنے اعزہ و احباب اور خدام سے رخصت لے کر بخیر و عافیت روانہ ہوا تھا۔ اس کی خون آلود نعش صندوق میں رکھی ہوئی دیکھ کر کئی اشخاص فرط غم سے بے ہوش ہو گئے۔ علاقہ و مضافات کے کم و بیش دس ہزار آدمیوں نے دوبارہ جنازہ میں شرکت کی اور شنبہ کی شب کورات کے 2 بجے شہدائے اجسام کو دفن کر دیا گیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

بیٹے کو نصیحت:

حضرت نصیر الملت مرحوم نے اپنی وفات سے ایک ہفتہ پہلے اپنے بڑے لڑکے افتخار احمد کو تحریر فرمایا: ”تم کو علم صرف رضائے الہی اور خدمت دین کی غرض سے حاصل کرنا ہوگا۔ خبردار، اپنے دل میں کبھی حب جاہ کو دخل نہ دینا۔ تم اگر خدا کی رضا حاصل کر لو گے اور اپنے ارادہ و نیت کو رضائے الہی کے تابع رکھو گے تو انشاء اللہ زندگی بھر فکر معاش سے آزاد رہو گے۔ علوم دینیہ کو ذریعہ معاش قرار دینا گناہ عظیم ہے۔ نیت صاف رکھو۔ مجھے اگر خوش رکھنا چاہتے ہو تو خادم اسلام بن کر دکھاؤ۔ تمہاری زندگی اور تمہارا ہر کام دین کے لیے اور خلوص نیت سے ہونا چاہیے۔ خدا کا ارشاد ہے:

من يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحتسب

اس آیت کو ہمیشہ سامنے رکھو۔“

موت العالم موت العالم

ملک کے طول و عرض میں ماتم

حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر تمام اقطاع ملک میں رنج و غم محسوس ہوا۔ جسے ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنے محبوب قائد کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ اخبارات و رسائل میں سے سیاست، آزاد، النجم، الفقیر، المنیر، الجمعیت، مدینہ، انوار الصوفیہ، روحانی دنیا، العدل اور میسوں رسائل نے اس حادثہ پر رنج و الم کا اظہار کیا۔ تعزیت کے صد با خطوط میں سے چند خطوط کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1- حضرت مخدوم العالم مولانا حافظ محمد قمر الدین سیالوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف
”اس صدمہ کے نزول پر بجز تائید ایزد و الجلال و الامرام صبر و شکیبائی دشوار بندہ محال ہے۔ یہ عرض کروں۔“

کے لیے موجب غم و حزن ہے۔ قرآن مجید کا ختم کرا کر ایصالِ ثواب کیا گیا۔ انشاء اللہ ہمیشہ اپنے بزرگوں کے ساتھ مرحوم کو دعائیں یاد کیا کروں گا۔“

6۔ بابو اللہ دتہ صاحب اور سیر برہما حال ضلع جالندھر

”ہائے افسوس! دل میں کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ 1917ء کے بعد سترہ سال کا عرصہ گزرنے پر امید تھی کہ اب ملاقات ہو جائے گی مگر

قسمت کی بد نصیبی کہاں ٹوٹی ہے کند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

اس پاک جمال کی زیارت سے محرومی قسمت میں لکھی تھی۔ ایک آن کی آن میں نقشہ بدل گیا۔ فلک کج رفتار نے جدائی کا تیرا ایسا جوڑ کر مارا کہ دل پاش پاش ہو گیا۔ مرحومین کی ارواح کے واسطے قرآن شریف کے ختم کرا کر حاضر پر فاتحہ خوانی کر کے ایصالِ ثواب کیا گیا۔“

7۔ مولانا حافظ محمد رفیق امام مسجد گیا صوبہ بہار

”ایک سکتے کی حالت مجھ پر طاری ہے اور میں نہیں سمجھ رہا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے فوراً خبر دیجئے کہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ یہ سب صدمے قسمت میں لکھے تھے۔ صدمہ بیان سے باہر ہے۔ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ اب تو زندگی تلخ ہو گئی اور کمر ٹوٹ گئی۔ اے فانی دنیا تجھ پر لعنت۔“

8۔ مولانا سید ولایت شاہ، سرگودھا

”لکھوں تو کیا لکھوں۔ مولانا کی اچانک موت نے اپنے خویش واقارب کیا ہریگانہ و بیگانہ کے دل پر ایک غیر فانی داغ لگایا ہے۔ ان کا وجود مسعود دنیا اور دین کے لیے باعثِ رحمت تھا۔ لیکن افسوس چشمِ فلک نہ دیکھ سکی اور دنیا کو ہمیشہ کے لیے ان کے فیضان سے محروم کر دیا۔ اس کے احساس سے بدن کے روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے ہمارے پیارے مخدوم! تو نے کس بے بسی کے عالم میں غربت میں جان دی ہوگی۔ ہم بد قسمتوں کے لیے کس قدر جانکاہ صدمہ ہے جس کے برداشت کرنے کے لیے پتھر کا سینہ ہونا چاہیے۔“

9۔ مولانا خیر محمد، مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر

”بے حد صدمہ ہوا۔ مرحوم کی صورت و سیرت کا نقشہ اکثر اوقات مستحضر رہ کر رقت کا عالم طاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور مقامِ قرب خاص اور رضا میں جگہ دے۔ ختم قرآن مجید کے ذریعہ ایصالِ ثواب کیا گیا اور اکثر اذعیہ خاص میں دعائے مغفرت سے یاد کیا جاتا ہے۔“

10 - مولانا محمد مسعود الہڑوی، مناظر اسلام
 ”مولانا کی وہ بھولی بھالی درویشانہ صورت اور اخلاق نبوی کی سیرت کسی وقت آنکھوں سے علیحدہ نہیں
 ہوتی۔ یہ صدمہ تازیت رہے گا۔ سچ ہے موت العالم موت العالم۔ دل میں سخت بے قراری ہے اس لیے
 زیادہ لکھا نہیں جاتا۔“

11 - مولوی تسخیر احمد صاحب، کمرچ ملک انگلستان
 ”سچ و قنق کی کوئی حد نہیں۔ اس واقعہ سے تمام اسلامی پنجاب کو نقصان عظیم ہوا ہے اور یہ قومی صدمہ ہے۔
 جس کی سماجی مجال ہے۔“

12 - حافظ احمد دین صاحب، بجا روالا ضلع منٹگمری
 ”مولانا کی شہادت کی خبر سن کر تمام اہل مجلس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سب نے مل کر کلام مجید
 پڑھا اور ایسا سالِ ثواب آیا۔ جملہ اساتذہ و طلباء مدرسہ دینیہ نے جلسہ تعزیت میں شرکت کی۔“

13 - مولانا محمد شاہ کمر، پرفیسر صادق کالج و مولانا محمد صادق، پروفیسر جامعہ عباسیہ بہاول پور
 ”دنیا کے حوادث و آلام میں روح فرسا ہوش ربا مصیبت اعزہ کی دائمی مفارقت ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رندوچ ! شینان لو بکت الدماء علیہما
 فقد الشباب و فرقة الاحباب

جناب کے برادر محترم صاحب صدق و صفا حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے
 حرم محترم اور دونوں نہال بیوند دل بچوں کی وفات حسرت آیات کا حادثہ فاجعہ سن کر نہایت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ
 مرحومین کو جو اررحمت مرحمت فرمائے۔ راج و ریحان و جنات نعیم۔ مولانا! سچ عرض ہے کہ جس وقت اس
 حادثہ جانگداز کا تخمیل سامنے آتا ہے تو جگر پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ غالب ہے۔ یفعل اللہ
 ما یرید۔“

14 - مولانا حکیم سید قلندر پیران قادری زہیر عاقل شاہی، ریاست میسور
 ”جی بے اختیار ہو گیا۔ شہداء کی دردناک حالت کا نظارہ نگاہوں میں پھر گیا جس نے سنا بے تاب ہو گیا۔ آہ!
 کیا قیامت خیز منظر تھا۔ یہ ایسا صدمہ نہیں جو برسوں خون نہ رلائے۔“

فصل گل میں جل گیا گلزار کیا آئی خزاں
 عندلیب زار کے نالوں سے جھڑتے ہیں شرر

اف کیا ہوش رہا سانحہ پنجاب کی سرزمین میں گزرا۔ اور کیا ناقابل فراموش صدمہ آپ کے خاندان پر نوتا۔ جس کے تصور سے بھی بدن میں لرزہ پڑ جاتا ہے۔

ہول پر ہول گرے نذر خزاں ہو ہو کر
داغ پر داغ اٹھانے کو میں گلشن پر رہا

کیا عرض کروں:

آہ! دنیا کی بات کیا کہیے
آنکھ میں پر بہار ہے دنیا
اس کے ہر عیون میں ہیں لاکھوں خار
داغ دیتی ہے خوں رلاتی ہے
چشم ظاہر کو ایک دھوکہ ہے
ناز بیجا ہے زندگانی پر
زیر گردوں مئے مکاں کیسے
چاند کیا کیا چھپے نگاہوں سے
روز بلبل چمن میں روتی ہے
مرثیہ خواں ہیں طائران چمن
چھین لیتا ہے آفتابوں کو
ہاں جو راہ خدا میں جاتا ہے

۲۵۹
۲۶۰
۶۸۲

15- مولانا محمد ذاکر جامعہ محمدی، ضلع جھنگ

”خبر پڑھتے ہی سر اسیٹگی چھا گئی۔ دل کو پاش پاش کر دیا۔ ان کی رخصت دنیا سے اسی شان سے ہونی مومن کو منظور ہوگی۔ اس خبر وحشت اثر کو سنتے ہی فوراً مدرسہ عربیہ میں سبق بند کیے گئے۔ نماز عصر تک قرآن مجید کے دو ختم کرائے گئے اور مرحومین کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔“

16- حضرت مولانا سید مغیث الدین شاہ، ملک ایران

”شہادت کا حال پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا۔ اجقر کچھ لکھنا چاہتا تھا لیکن طبیعت کو بے حد قلق دامن یہ ہے اس لیے قلم نہیں چلتا۔“

17- مولانا شیر نواب، مبلغ اسلام قصور

”حضور قبلہ عالم علی پوری (حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب) نے اس صدمہ کو زبردست محسوس کیا

اور دعاء مغفرت فرمائی۔ اس اندوہ ناک واقعہ کا صدمہ نہایت سخت ہے۔“

18- خواجہ غلام جیلانی صاحب فاضل کا

”اس حادثہ فاجعہ کے پڑھتے ہی آنکھیں اشکبار، دل بیقرار اور طبیعت مضطرب ہو گئی۔ مولانا مرحوم کا وجود ملت اسلامیہ کے لیے بسا غنیمت تھا۔ اس دور قحط الرجال میں ایسی پاک باز، متقی، خادم اسلام و مسلمین اور کرامی قدر ہستیوں کا غائب ہو جانا مسلمانوں کی انتہائی بد قسمتی کی دلیل ہے۔ مولانا نے مغفورگی و وفات حسرت آیات سے جو صدمہ اور نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔“

19- حافظ فضل کریم صاحب، مڈھ رانجھ

”حضرت مرحوم کا وجود مبارک موجودہ زمانہ میں بے نظیر تھا۔ یہ صدمہ جناب پر ہی نہیں بلکہ جس نے بھی ایک دفعہ زیارت کی ہے وہ عمر بھر اس حادثہ کی یاد سے بے چین و مضطرب رہے گا۔“

20- مولوی محمد رحمۃ اللہ صاحب ارشد، بہاول پور

”حضرت! جس قدر افسوس مولانا صاحب شہید کا آپ کو اور ان کے اقربا و احباب کو ہوا ہو گا وہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جس شخص کے اندر نور ایمان کا ذرہ ہے اس کے لیے بھی کچھ کم مصیبت نہیں۔“

21- اراکین انجمن سیف الاسلام ملتان

”خبر پڑھ کر جو حالت اراکین انجمن پر گزری، خدا بہتر جانتا ہے۔ آج قرآن شریف کا ختم کرا کر مرحوم کی روح کو ثواب پہنچایا جائے گا۔“

22- مولانا سید غلام جعفر شاہ بخاری، خطیب مسجد جامع بھکر

”درد ناک شہادت کا حال پڑھ کر از حد رنج و قلق ہوا۔ بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ شہیدوں کی موت اگرچہ موت نہیں حیات ابدی ہے تا حال دل دہل گیا اور بدن کانپ گیا۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولی۔ خاکسار اور جمیع اراکین سلسلہ سلطانیہ بھکر کو جملہ اراکین خاندان عالی شان گویہ کے ساتھ اس صدمہ جانکاہ اور حادثہ ہوشربا میں دلی ہمدردی ہے۔ آج جامع مسجد کلاں بھکر میں حاضرین نے سورہ ملک و آیات کا ختم پڑھ کر مرحوم کی خدمت میں ایصال ثواب کیا۔ نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجع۔“

23- حضرت مولانا سید ولایت حسین شاہ، دیوری گیا صوبہ بہار

”حادثہ کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ آپ کو اور کیا عرض کریں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔“

24- مولانا ابو یوسف محمد شریف، محدث کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ
 ”شہادت کی خبر پڑھ کر دل کو سخت صدمہ ہوا۔ بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ مرحوم کی محبت اور مذہبی خدمت
 کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ نماز جمعہ پر ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ اس قدر صدمہ پہنچا ہے کہ
 بیان نہیں ہو سکتا۔“

25- مولانا ابو القاسم محمد حسین مولوی فاضل، کولوتارڑ گجرات
 ”افواہا پہلے بھی سنا تھا۔ لیکن دل چاہتا تھا کہ خداوند ایہ جھوٹ ہی ہو۔ لیکن حکم
 طوی الجزيرة حتى جاءني خبر
 فزعت فيه باماني الى الكذب
 آہ! پرچہ شمس الاسلام اور مختلف خبروں نے امانی کو جھوٹا ثابت کر دیا۔ مرحوم کی جسمانی اور اخلاقی تصویر اس
 وقت آنکھوں کے سامنے ہے۔ وانا بفراقه لمحزونون۔ وانا لله وانا اليه راجعون۔“

26- حضرت مخدوم علامہ سید محمد علی شاہ، عثمان پور شریف ریاست بہاول پور
 ”خبر پڑھ کر نہایت پریشانی اور اضطراب لاحق ہوا۔ حضرت مرحوم سے آپ کا رشتہ اخوت تھا۔ لہذا جس
 قدر اس کا احساس آپ کی ذات والاصفات کو ہوگا اس کا اندازہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مگر مولانا کی وفات تمام
 مسلمانوں کے لیے عموماً اور پنجاب کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً نہایت ہی شدید مصیبت ہے۔ دارالعلوم
 بند کر دیا گیا اور تمام مدرسین اور طلبہ نے قرآن مجید کی تلاوت کر کے مولانا کی روح مقدس کو ایصالِ ثواب
 کیا۔ دوسرے روز دارالعلوم عثمانیہ میں ایک یوم کی تعطیل کی گئی۔“

27- حضرت مولانا محمد عبدالخالق، صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان
 ”خبر وفات نے دل کے آئینہ کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ غم و الم کا اندازہ تحریر میں نہیں ہو سکتا۔“

28- جناب غلام دستگیر خاں بیخود، دھوگرڑی ضلع جالندھر
 ”اس حادثہ جانکاہ کو پڑھ کر تین روز برابر صاحب فراش رہا۔ یہ صدمہ واقعی سخت ہے۔ آہ! مولانا محمد
 نصیر الدین اب آپ مرحوم ہو گئے اور اپنی قبر اور یاد ہمارے سینوں میں بنا گئے۔“

ازما رمیدہ بہ لحد آرمیدہ
 خواب تو خوش کہ ماتم یاراں ندیدہ

مولانا زندہ ہو گئے اور ہم بے چین رہ گئے۔ وہ مذہبی و قومی کام میں ہر وقت منہمک رہتے تھے۔

- 29- مولانا سلطان احمد، امام مسجد جامع گوجرہ ضلع لائل پور
- ”اس جگر پاش حادثہ سے تمام علاقہ گریاں ہے۔ آٹھ یوم تک بندہ حیرانی سے حواس باختہ رہا۔ جمعہ کے دن جامع مسجد گوجرہ میں دعائے خیر کرائی گئی اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔“
- 30- حضرت مولانا محمد عالم آسی، امرتسر
- ”مولانا مرحوم کے انتقال پر ملال مع اہل و عیال پر قلق کمال ہوا ہے۔ اللہم اجعل هؤلاء الشهداء ذفران یوم القیمۃ و اجر الاقارب و الاحباب الذین قد انشقت صدورہم بہذہ الداہیہ۔ آمین۔“
- 31- حافظ مولانا محمد شفیع سنکھتروی مبلغ و مناظر الاسلام
- ”مرحوم کے مرگ مفاجات کی کیفیت سن کر دل کو سخت صدمہ پہنچا۔۔۔۔۔ جب میں تصور کرتا ہوں تو دیر تک دم بخود و محو حیرت رہتا ہوں۔“
- 32- عبداللطیف شمیم، ضلع نواکھالی بنگال
- ”ایسے بزرگ عالم کا اٹھ جانا امت مرحومہ کی بد قسمتی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ جو اہر رفتہ رفتہ پنہاں ہو رہے ہیں اور سنگریزے افزونی پر۔ اس قحط الرجال میں ایسی نیک طینت ہستیوں کا وداع حد درجہ جگہ گداز ہے۔“
- 33- حضرت حافظ مولانا محمد حسین، سجادہ نشین مروہ شریف
- ”جگر پاش پاش ہو گیا۔ صدمہ ناقابل برداشت ہے۔۔۔۔۔“
- 34- حضرت صاحبزادہ حافظ مولانا محمد حسین، علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ
- ”وفات کی خبر پڑھ کر سخت افسوس ہوا۔ مولیٰ کریم کو اسی طرح منظور تھا۔ مجھے اس صدمہ میں آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔“
- 35- خواجہ عبدالمجید صاحب، سب ڈویژنل آفیسر فاضلکا
- ”اگر یہ خبر صحیح ہے تو سخت قلق ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا سرائے فانی ہے۔ سوائے صبر کے چارہ نہیں۔“
- 36- ڈاکٹر فیروز الدین صاحب، لدھیانہ
- ”اس اندوہناک واقعہ سے جو اضطراب اور قلق ہے وہ کسی طرح تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ میرے پیرزادہ کا اس طرح مع اہل بیت پاک شہادت پا جانا ایک راز سر بستہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ جانکاہ صدمہ نہایت ہی رنج و غم کا باعث ہو رہا ہے۔“

- 37- مولانا پیرزادہ محمد بہاؤ الحق قاسمی، امرتسر
 ”سخت قلق اور صدمہ ہوا۔ مولانا مرحوم کا اخلاص، تدین، شرافت نفسی، جذبہ خدمت دین، غرض ان کا ہر وصف معتنات روزگار سے تھا۔ ایسے باعمل عالم کا دنیا سے اٹھ جانا قیامت ہے۔“
- 38- خواجہ فضل الہی، کرم الہی، کمیشن ایجنٹس کھارادر کراچی شہر
 ”اس خبر سے از حد قلبی صدمہ ہوا۔ خداوند کریم ان کو جنت الفردوس نصیب کرے۔ یہ اس قدر صدمہ پہنچا ہے جس کے لیے قلم کچھ لکھ نہیں سکتا۔ ہمیشہ ایسی تکلیفیں اللہ کے خاص لوگوں پر نازل ہوتی ہیں۔ جس سے قدرت ان کی آزمائش کرتی ہے۔ بغیر صبر کے چارہ نہیں۔“
- 39- سیٹھ غلام صدیقی صاحب، تاجر دہلی
 ”یہ خبر سن کر دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ اور گہرا دلی رنج ہوا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کن الفاظ میں افسوس کا اظہار کروں۔ مرحوم مرنج و مرنجاں طبیعت رکھتے تھے۔ اور بہت سی خوبیوں کے سرمایہ دار تھے۔ مجھے اس حادثہ جانکاہ پر آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔“
- 40- حضرت مولانا صاحبزادہ خواجہ محمد عبدالعزیز، سجادہ نشین چاچڑ شریف
 ”خبر پڑھتے دل پڑ مردہ پاش پاش ہو گیا۔ اس وقت بندہ بے ہوش ہو گیا۔ اپنی حالت کیا لکھوں۔ دل من ماند من دانم۔ ہائے افسوس! کربلا کا میدان میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ گویا حشر برپا ہو گیا۔ بجز صبر چارہ نہیں مگر دل پڑ مردہ حیران و پریشان ہے۔“
- 41- مولانا نور الحق چنیوٹی
 (38) ”اری الدنيا ستؤذن بالطلاق
 مثمرة علی قدم وساق
 فلا الدنيا بباقيته لحي
 ولا حي علی الدنيا بباقي
 آہ! مولانا نصیر الدین۔ صداقت اور دینداری کا مجسمہ اور اخلاق حسنہ کا پیکر گیا اور معاہل و عیال گیا۔ فتد
 وقع اجرهم علی اللہ
- شہید تیر قضا مولوی نصیر الدین
 حیات او معمہ تفسیر سعی و عمل
 قسم محضرت ایزد کہ بود چشمہ علم
 ہزار حیف ز موثر بسوئے باغ جناں
 کہ بد مجاہد ملت فدائے دین متین
 دلش ز پستی قوم خودش ملول و حزین
 بہر کجا کہ رسید اور رساند قول امیں
 بہم بہر دحرم ہم دو پچگان حسین

-42-

مولوی محمد منظور صاحب ہیڈ ماسٹر چک نمبر 162

”بھلوال سے ایک خط پہنچا۔ چٹھی کیا تھی۔ مصیبت درد و الم۔ رنج و محن۔ حزن و غم۔ افسوس و ابتلا۔ حسرت و فریاد کی تصویر تھی۔ خط دیکھتے ہی سارا جسم سن ہو گیا۔ احساسات و جذبات پر ایسا سخت صدمہ ہوا کہ ہوش و حواس بجانہ رہے۔ درد بھری آہیں متواتر نکل رہی تھیں۔ دل و دماغ لرزنے لگے۔ آنکھوں میں دنیا و مافیہا تاریک نظر آنے لگی۔ وہ نورانی صورت دنیا سے ناپید ہو گئی۔ بھلا اس سے زیادہ بھی مصیبت کا منظر ہو سکتا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے حضرت مولانا کی تصویر، پر رونق و متبرک چہرہ تھا۔ مجھے اس صدمہ کی تاب نہ رہی اور بے ہوش سا ہو گیا۔ بالآخر اپنے آپ کو صبر کی طرف متوجہ کیا اور ان اللہ مع الصابرين پڑھنے لگا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ حضرت مرحوم و معفور اس علاقہ کے لیے باعث رحمت تھے۔ اور اس ضلع کے لیے کیا بلکہ پنجاب کے لیے موجب فخر۔ آپ ناموس اسلام کے جان نثار تھے۔ مولانا کی زندگی اسلامی عمل کی مجسمہ تھی۔ وہ منور قمر اسلام تھے۔ اپنی نورانی شعاعوں کے انوار سے سمندری کے علاقہ کو روشن کر رکھا تھا۔ بھلا بے شمار اشخاص کو روزانہ تفسیر قرآن مجید کے رموز و نکات بلا صلہ سمجھانا معمولی بات نہیں۔ آں جناب کے سینہ میں اسلامی تڑپ تھی۔ اسلامی جوش تھا۔ مجاہدانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی حیات اسلام کے لیے تھی۔ آپ کی وفات نے اسلام اور اسلامیوں کو بہت خسارہ میں ڈال دیا۔ آں جناب اسلام کے بیشہ کے شیر تھے۔ آپ جنت الفردوس سدھارے اور ابدی و دائمی خوشی و مسرت میں مسرور ہوئے۔ مگر ہم لوگوں کو ابدی نعمی میں چھوڑ گئے۔ آپ کی شریفانہ طبع اور نورانی اخلاق ہر مسلم کے لیے قابل تقلید تھے۔

ترا چنانکہ توئی ہر کسے کجا داند بقدر طاقت خود میکند استدراک
عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن اڑ گئے ڈالیوں سے زمزہ پرواز چمن
ان کی زبان مثل خامہ معجز رقم شیشہ دل تھا مثال جام جم
پاک تھی زبان تلمیذ قرآنی سے اسی لیے شاگرد تھے ان کے بوالفہم

سونے والوں کو جگاتے تھے قرآن اعجاز سے

خرمن باطل جلاتے تھے شعلہ آواز سے

اس مادیت کے دور میں اسلام کی خاطر اس قدر محنت و کاوش آپ کا ہی حصہ تھا۔ حقیقت میں آپ کو مجاہد اسلام کہنا صحیح ہے۔ آپ جہاد نفس میں مشتاق تھے۔ آپ کی ملازمت بھی اسلام کی خاطر تھی۔ اس زمانہ میں بہت سے اشخاص اپنی شخصیت و شہرت کو فروغ دینے کی خاطر کام کیا کرتے ہیں۔ گویا مولانا صاحب نے کوئی ایک بھی ایسا کام نہیں کیا جو محض باعث شہرت ہو۔ آپ نے جس قدر کام کیا، نہایت خلوص اور ایثار سے کیا۔ سبحان اللہ۔ ایسے اعلیٰ اخلاق والوں کی عمر بھی کم ہوتی ہے۔ آپ کا عین شباب میں کلچین اجل نے

ہمارے گلشن اسلام کے گل گلاب کو توڑنے میں اس قدر عجلت برتی کہ اس کا دل بھی لرز گیا ہو گیا۔

دیگر:

- | | |
|--|---|
| ✽ محمد صدیق صاحب جہلم | ✽ مخدوم محمد امین صاحب ساکن چک مجاہد |
| ✽ مولانا محمد رفیق کوٹ مومن | ✽ مولانا فتح الدین چک 51 |
| ✽ سید رفیع الدین شاہ خطیب جامع مسجد چوہا سیدان شاہ | ✽ حضرت قیوم زماں مولانا ابوالسعد احمد خاں |
| ✽ شیخ غلام حسین مراد آباد | ✽ خواجہ محمد صادق چنیوٹی کلکتہ |
| ✽ جناب بشیر عالم گجوئی | ✽ مستری فیض محمد جزانوالہ |
| ✽ حکیم حافظ چن پیر احمد خوشاب | ✽ مولانا حکیم عبدالرسول بکھروی |
| ✽ ڈاکٹر صالح محمد مولوی نصیر احمد خوشاب | ✽ مولانا ابو وحید محمد شفیع مہتمم سراج العلوم خوشاب |
| ✽ حافظ خدا بخش صغیر چنیوٹ | ✽ مفتی احمد دین جزانوالہ |
| ✽ عالی جناب حضرت سید مہر شاہ بادشاہ پوری | ✽ مفتی غلام زین العابدین دہلی |
| ✽ مولانا نجم الدین پروفیسر اور ٹیبل کالج لاہور | ✽ ملک نیاز علی نمبردار جالندھر |
| ✽ خازن زادہ غلام احمد خان بگلش | ✽ فیض محمد صاحب لغاری از سندھ |
| ✽ ابوالاختر حکیم علی محمد دہلوی | ✽ مولانا احمد دین صاحب گانگوی میانوالی |
| ✽ حضرت سید گل حسن شاہ آبادان ملک ایران | ✽ مولانا پیر قطبی شاہ ملتانی |
| ✽ جناب احمد خان پتافی جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان | ✽ قاضی محمد امین شجاع آبادی |
| ✽ قاضی محمد نذیر صاحب انسپکٹر تعلیم جہلم | ✽ مولوی منیر شاہ واعظ الاسلام خوشاب |
| ✽ صوفی نور محمد چشتی انوکھروال ضلع جالندھر | ✽ مولوی غلام حسن ٹھٹھہ چک نمبر 31 گب |
| ✽ میاں عبدالغفور صاحب لائل پور | ✽ چوہدری فتح محمد صاحب بٹالہ |
| ✽ حاجی میاں محمد سعید تاجر چرم خان پور ریاست بہاول پور | ✽ شیخ عبدالحق صاحب جالندھر |
| ✽ ملک محمد حبیب صاحب اٹاری | ✽ مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین رئیس بھیں |
| ✽ شیخ فضل حق پراچہ صاحب ممبر لیجسلیٹو اسمبلی پنجاب | ✽ مولانا سید حبیب شاہ مالک اخبار ریاست لاہور |
| ✽ احمد الدین صاحب کرنال شاپ لاہور | ✽ جناب پیر بخش دھونکل |
| ✽ جناب پروفیسر محمد افضل صادق کالج بہاول پور | ✽ خواجہ عبدالمجید صاحب ساہیوال |

- ✽ منشی خوشی محمد صاحب چک نمبر 258 گ۔ ب
- ✽ خدا بخش صاحب باغبان پورہ
- ✽ منشی خلیل الرحمن صاحب کراچی
- ✽ منشی علی بخش صاحب لکھن وال
- ✽ جناب مولوی دین محمد متعلم ثانیہ علامہ بہاول پور
- ✽ میاں سلطان علی صاحب رئیس میانہ ہزارہ
- ✽ منشی عبدالوحید صاحب گیا صوبہ بہار
- ✽ مولوی عطا محمد صاحب جھاریاں
- ✽ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب آفیسر کابل افغانستان
- ✽ مولوی ثیر محمد صاحب کوئٹہ
- ✽ میاں تاج محمود صاحب جنرل مرچنٹ کلکتہ
- ✽ سعد الدین صاحب شمال مرچنٹ کلکتہ
- ✽ میر احمد صاحب جنرل مرچنٹ کلکتہ
- ✽ حاتی سعید احمد صاحب شمال مرچنٹ کلکتہ
- ✽ چوہدری علی احمد صاحب شمال مرچنٹ
- ✽ غلام رسول صاحب ساول پراچہ شمال مرچنٹ کلکتہ
- ✽ ملا عبدالکریم و فضل محمود شمال مرچنٹ کلکتہ
- ✽ مولوی فتح محمد صاحب پراچہ شمال مرچنٹ
- ✽ محمد حیات صاحب تاجر
- ✽ محمد اقبال صاحب تاجر
- ✽ محمد عبداللہ عبدالکریم شمال مرچنٹ
- ✽ محمد یعقوب صاحب تاجر
- ✽ میر احمد صاحب فیضانہ تاجر
- ✽ محمد امین آفتاب احمد تاجران
- ✽ محمد بخش محمد اقبال تاجران
- ✽ جناب محمد امین سیکنڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب
- ✽ خان بہادر شیخ فضل الہی پراچہ ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات لاہور
- اور دیگر احباب و رفقاء کی جانب سے تعزیت نامے وصول ہوئے۔
- علاوہ ازیں ہزاروں احباب و معززین فاتحہ خوانی کے لیے بھیرہ میں تشریف لائے۔ چالیس روز متواتر احباب کی آمد و رفت جاری رہی۔

ایں ماتم سخت است کہ گوئند جوان مرد

قطعه

مرد کامل، عالم و فاضل کہ از انوار علم کرد حق روشن بہ ظلمت خانہ بے خوف و ہراس

1352ھ

شد شبید و جملہ گوئند قدسیاں چہ خاکیاں آہ مولانا نصیر الدین مردے حق شناس

● سید ولایت حسین شاہ اصغر (سرگودھا)

دیگر:

جب سنا افضل کہ مولانا نصیر شرع دیں
غم سے ملہم نے کہی تاریخ اس کو فی البدیہہ
ناگہاں اس دار فانی سے ہوئے رحلت گزریں
کہہ دو ہے اب موت کے عالم کی موت عالمین

1352ھ

● جناب محمد افضل بکھروی

طوفان غم

حسرتا طوفان غم شد آشکار
عالم دین متین مصطفیٰ
دید دنیا کے دنی را بے ثبات
بادو نور دیدہ و اہل حرم
آں نصیر الدین احمد کاشکے
صدمہ موثر دل عالم شکست
درد جان فرساؤ کرب و اضطراب
خوش لقا شیریں سخن اہل وقار
بست رختے ہستی ناپائدار
جانب فردوس شد فرخ تیار
ساخت قلب مضطرب را اعداد
عالمے مضطرز فوت ہر چہار

پنج شبہ ہفتیمیں دیقعد را
شد شبہ غم اے نسیم ولفکار
1352ھ

● مولانا محمد زبیر نسیم سرگودھا

مرثیہ سانحہ جانگزا و حادثہ ہوشربا

شہادت

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب بگوی غفر اللہ لہ و نور مرقدہ
اے نصیر دین و ملت، نجل اسلاف کرام
حادثے نے تیرے کردی تازہ یاد کربلا
سانحہ تیرا ہے وہ درد و الم کی داستان
اے شہید دشت غربت، تیرا جنت ہو مقام
جس میں تیرا سارا کلشن لٹ گیا مثل امام
جس کو سن کر تھام لیتے ہیں کلیجہ خاص و عام

اک طرف بیوی کا لاشہ دوسری جانب ترا
 آہ! خاک و خون میں غلطاں ہو گیا تیرا وجود
 حیف! کیا تقدیر لکھی تھی عقیفہ کے لیے
 ہائے! جن بچوں پہ برگ گل بھی تھا بارگراں
 کیسا پر غم واقعہ ہے اور سنگیں حادثہ
 تیرے اوصاف جمیلہ تھے بہت بیشک و ریب
 اپنے لائق بھائی کی اک قوت بازو تھا تو
 شمس اسلامی کو تیری موت ہے گویا کسوف
 قدرت حق کے لیے سب مشکلیں آسان ہیں
 تیری رحلت نے سمندری میں جو کی خالی جگہ
 کس میں ہے وہ غیرت اسلام اور وہ جوش دیں
 کس کی مٹھی میں ہیں اسلامی جماعت کے قلوب
 کس کے دل میں دین و ملت کا وہ سچا درد ہے
 کون پھونکے گا مسلمانوں میں روح اتفاق
 کون دے گا یہاں مسلمانوں کو اسلامی سبق
 کون تبلیغی محافل اب کرے گا منعقد
 کون ہے جو اب کرے قائم مجالس بحث کی
 کون یہاں حضرت کی تشریف آوری کا ہو سبب
 یاد آئیں گے ہمیں تیرے وہ اخلاق بلند
 ماہ ذیقعد اور سنہ تیرہ سو باون سال تھا
 یا خدا مرحوم کے پسماندگان کو صبر دے
 رحمیو مولانا ظہور احمد کو شاد و بامراد

● مولانا میرزا محمد نذیر عرشی،

مصنف مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم

دھنولہ ریاست ناہد

نوحہ دلگداز

بر شہادت نصیر المملت والدین مولینا محمد نصیر الدین بگوی صاحب نور اللہ مرقدہ

گلشن عالم میں ہے کیسی خزاں آئی ہوئی پتی پتی رہ گئی شاخوں میں مرجھائی ہوئی

آہ! کیا باد صبا چلتی ہے گرمائی ہوئی سر پہ حرمان و الم کی ہے گھٹا چھائی ہوئی

مرثیہ خواں ہیں چمن میں نغمہ سخن طرب

کل ترانے تھے جہاں واں مجلس ماتم ہے اب

آج گلشن میں وہ سرسبزی و رنگ و بو کہاں سرو گلشن کا وہ جو بن وہ قد دلجو کہاں

وہ پرندوں کی چمک وہ قمری خوشگو کہاں وہ سریلی روح پرور نغمہ گوگو کہاں

سچ بتا زگس تری آنکھیں ہیں کیوں پتھرا گئیں

اس پھلے پھولے چمن کو کس کی نظریں کھا گئیں

تھے نصیر الدین بگوی جس چمن کے باغبان فاضل و عالم ادیب و عارف حق خوش بیاں

ہو گئے قربان خود بھی دیکھ گلشن کا سماں چھوڑ دنیائے دنی پائی حیات جاوداں

اہلیہ کے ساتھ دو معصوم مہر و ماہ سے

داخل فردوس ہوتے ہیں شہادت گاہ سے

آہ! کل گھر سے چلے تھے دوستوں سے بوجدا پیار کرتے تھے عزیزوں کو کھجے سے لگا

تھی نصیحت میں وصیت لب پہ جاری تھی دعا آہ ہمراہ سفر چلتی تھی لاری میں قضا

دوسرے دن راہ میں ہی داغ حسرت دے گئے

پھول چننے خلد میں بچوں کو اپنے لے گئے

شکر حق میں ہیں وہاں وہ اذہب عنا الحزن ہجر میں نالاں یہاں ہیں رات دن اہل وطن

دست حسرت مل رہے ہیں بزم میں ارباب فن آہ ہم سے چھن گیا اک فاضل شیریں سخن

آہ! کیا مجموعہ اوصاف دنیا سے چلا!
 اٹھ گیا پنجاب سے اک مرد حق و احسرتا!
 تھی نفیست آپ کی ذات گرامی سر بسر سایہ ابر کرم تھی قطعاً پنجاب پر
 نور حق سے دل منور آپ کا شام و سحر خدمت اسلام میں مصروف تھے آٹھوں پہر
 آہ! کیا مرد مجاہد چھن گیا پنجاب سے
 اہل دیں کیوں خوں نہ روئیں دیدہ خوناب سے
 مورد انوار و رحمت آپ سے پنجاب تھا ذرہ ذرہ جس سے رشک مہر عالمتاب تھا
 تشنہ تھی آپ کے فیضان سے سیراب تھا کھو گیا جو ہند سے اک گوہر نایاب تھا
 شمع بزم علم و عرفان دفعۃً گل ہو گئی!!
 روح جب مرحوم کی طوبیٰ کی بلبل ہو گئی!!
 اے نصیر دین و ملت عازم ملک بقا اے شہید دشت غربت تجھ پہ رحمت ہو سدا
 درگاہ حق میں طفیل مصطفیٰ اب کر دعا تیرے پس ماندوں کو اب صبر و تحمل ہو عطا
 اب ظہور احمد تیرا مخلص علمبردار ہو
 بہر دیں یہ سر بہتیلی میں لیے تیار ہو
 یا الہ العالمین عرض زہیر اب کر قبول ان شہیدوں پر ترے طبقات رحمت کرنزول
 روضۂ خلد بریں میں قرب حضرت ہو حصول ان کی تربت پر سدا برسا کریں رحمت کے پھول
 اور پسماندوں کو اب صبر و تحمل کر عطا
 جانشین ہو باپ کا بیٹا نصیر الدین کا

● مولانا زہیر

عاقل شاہی میسور

ماہتاب شرع ملت

اے نصیر الدین گرامی وہ ترا علم و کمال
 وہ تیری ذات انور وہ تیرا حسن و جمال
 ماہتاب شرع ملت تھا ترا اطہر وجود
 یہ وجود آفاق میں تھا چشمہ فیضانِ جود
 مال و جان اپنا کیا قربان دین اسلام پر
 زندگی اپنی گزاری سب کی سب اس کام پر
 خاندان اپنے کو سارے جگ میں روشن کر دیا
 گرچہ نوری خاندان تھا نور سے پھر بھر دیا
 علم و حلم و معرفت نازاں تھے تیری ذات سے
 آفرین آتی تھی انس و ملک جنات سے
 حیف دنیا سے تیری جد کر دی ناگہاں
 فیضِ یابوں کو کیا حیران و نمائیں ناتوان
 عالم بالا کے جدی ہو گئے شائق جناب
 ہو گئے احباب حیراں دیکھ کر رحمت مآب
 سیر ہو کر گل کو بلبل نے نہ دیکھا تھا ابھی
 شائق دیدار انور تو پیوسا تھا ابھی
 مردے شامد ہو گئے شائق زیارت کے کمال
 حق نے دکھلانا تھا ان کو آپ کا جلوہ کمال
 عالم فانی ہے گرچہ اہل حق کو ناپسند
 تیرہ ہے وہ گر نہ ہو ان کا وجود ارجمند
 یا الہی ہو بزرگوں کی حیاتی نوح کی
 فیضِ خلقت کو ملے سب ان کے جسم و روح کی

اب دعا کرتا ہوں حضرت قبلہ کے غفران کی
 ان کے مرقد پر ہو بارش رحمت رحمن کی
 روح علیین میں ہو با عزت و فرح سرور
 جسم پر فردوس سے انواع رحمت کا ورود
 غم کی کوئی حد نہیں پسماندگاں بیتاب ہیں
 لیک چونکہ نعمتیں ایماں سے سب سیراب ہیں
 عبرتِ جمع اس مصیبت پر سبھوں کا کام ہے
 یہ مصیبت گرچہ سخت از صدمہ ایام ہے
 یا الہی کر عطا صبر و جمیل احباب کو
 کر غریق بحر رحمت خادم اقطاب کو

● حضرت مولانا حکیم عبدالرسول بکھرویؒ

مایہ صد افتخار

باد صہ آہ و زید و ختم شد فصل بہار
 زرد شد روئی چمن از لطمہ باد خزاں
 خار حزن و غم خلیدہ در دل مجروح گل
 رعد سے غزید و مے خندید برق
 ابر سرگردان و حیراں بر سر اسپ ہوا
 آہ نصیر الدین محمد صاحب گبوی نژاد
 با رفیق زندگی ہم با دو نورالعین خود
 کو نیابد چار قلب را یکے روح و رواں
 حیف! طوفان بلا چوں در سمندری شد پیا
 چوں نظر افتاد بر تابوت ہائے نعش و
 محو نالہ شد عنادل از فراق گلغدار
 دست حسرت میزند ہر برگ و بر شاخسار
 زمیں جہت برتن دریدہ پیر بن را پود و تار
 بر جفائے چرخ گرداں بر وفائے روزگار
 اشک حسرت میفشاند بر مزار ہر چہار
 کوس رحلت چوں زدہ شد بر سر موتر سوار
 زیں سرا بر بست رخت ہستی آن والا تبار
 جاں چو بالا رفت و شد پس چار عنصر تار و مار
 گشت عالم درد و چشم جملہ مردم تنگ و تار
 مردوزن نالاں شدہ چوں ابر نیساں در بہار

آہ تزلزل شد پنا در خاندانِ گویہ
بر سر ممبرِ ظہور احمد چو شد جلوہ نما
خانمانِ گویہ را یا الہ آباد دار
آں شبیدائیکہ کردند در رہ حق جاں نثار
آنکہ اہل بھیر راہ بد مایہ صد افتخار
شجر بدعت سے بلرزد برتن خود بید وار
تا عناد دل سے سراید بر سر ہر شاخسار
ابر رحمت بر مزار شاں بماند اشہار
پنجشنبہ ہفتگی ذیقعد حافظ یاد دار
سینزدہ صد بود و ہم پنجاہ و دو

● مولانا حافظ فضل کریم گوندل بھیرہ

☆☆☆☆☆

ان سب اب ہمیں کیسے ملے

اے مرے آفت رسیدہ یار جانِ افتخار
چل بسا دنیا سے تیرا وقت ناز و افتخار
دولت و اقبال تجھ کو چل بے کہ کر سلام
ہو گیا آفت کدہ تیرا وہ خوشیوں کا مقام
سایہ پرہمانی سر سے تیرے دور اب
بے گم رونا تیرا تقدیر کو منظور اب
باپ کا سایہ اچانک سر سے اٹھ گیا
ایک پل میں کچھ سے کچھ کر کے دکھائی ہے قضا
گلشنِ بھیرہ پہ کیسی چل گئی بادِ خزاں
ایک پل میں ہو گیا ویران تیرا گلستان
آنے والے تھے بہارِ جانفزا کے روز اب
پڑ گیا لیکن تری قسمت میں درد و سوز اب
چل بسا دنیا سے بوالہبکات وہ والا مآب
جس کے دم سے لاکھ مسلم ہو چکے تھے فیضیاب

عالم علم و بلاغت کا پیارا تاجدار
 آج دنیا سے روانہ ہو گیا با صد وقار
 شربت شہد شہادت پی کے دنیا چھوڑ دی
 بادۂ جام صداقت پی کے دنیا چھوڑ دی
 آپ تو ہم ساغروں کے ساتھ جنت میں بے
 نصیر الدینؒ ان سا اب ہمیں کیسے ملے
 ان کی سی تقریر پر تاثیر کون آ کر کرے
 درد ملت کا بھلا اب کون آ کر دم بھرے
 اب پکارے گا کسے برکات ابا جان سے
 اس کی ننھی جان پر ہیں تیرا اس ارمان کے
 کس کو تھا یہ وہم یہ تقدیر میں ہو گا لکھا
 آہ! بچے نے یہ سن کر کیا کہا ہو گا بھلا
 اب تو ہے ہر وقت سوز و درد سے میری دعا
 افتخار ملت و برکات ہوں یہ دوسرا
 ہو سدا ان پہ خدایا تیری رحمت کی نظر
 آ گئی جن پر یتیمی چل بسا جن کا پدر
 جانشین والد ذی شان ہوں ہر کام میں
 اور اس کے نام کو دنیا پہ روشن یہ کریں
 بس ضیائی کا خدایا مان لے یہ اک سوال
 قوم کے دردی بنا دے یہ نصیر الدین کے لال

● حافظ ضیائی

متعلم جامعہ عباسیہ بہاول پور

شمع ایوانِ ہدایت

تاریخ وفات حسرت آیات عالم اجل فاضل بے بدل حضرت مولانا محمد نصیر الدین گوی شہید طاب ثراہ

اللہ غفور

مزار شہید مولانا مولوی محمد نصیر الدین وحید

1352ھ

اے فلک تا چند باما میکنی جو رستم
تا کجا داری بکف تیغ و تبر تیر و سناں
نیست جائز با مہاں این چنین کردن فریب
با رفیقاں تند خوئی با عزیزاں این زیاں
ہائے ہائے عالم و فاضل محقق بے نظیر!
زیب بخش مجلس یاران یکدل یک زبان
مرد میدان فصاحت شیر غازی صف شکن
زینت محراب و منبر واعظ شیریں بیاں
سروستان مروت گلبن باغ وفا!
شمع ایوان ہدایت ماہتاب دوستاں
ہائے مولانا نصیر الدین با اہل و عیال
طعمہ مرغ اجل گردید ناگہ این زماں
سینہ مالا مال درد است و دریغا حسرتا
گلشن علم و فضیلت گشت پا مال خزاں
گلبن و گل رفت بیگہ سرنگوں سرو سہی
غارت باد خزاں گردید باغ و بوستاں
تیر مرگ او نخواہد رفت از سینہ برون!
بہ نخواہد گشت زخم جانخراش آں جوان
چشم یاراں از وفاتش گشت بچوں رود نیل
سنگدل چون موم گشتہ باز شد راہ نغاں

ہفتہمیں ذیقعد از موثر بیفتاد و بخت
 کاشکے این موت را بودے دوا اے ہدماں
 حاضر و ناظر ہمہ صحرا پر از وحش و طیور
 اشک ریزاں سینہ ریشاں سر بسر نالہ کنناں
 ہر کے بشنید مرگ او شدہ پر درد و غم
 دوست و دشمن و لیکن نیست چارہ اندراں
 جملہ دانایان حکمت ماہران علم و فن
 موت را چارہ ندانستند در جملہ جہاں
 جز صبوری نیست چارہ در ہمہ اوراق طب
 نے دروغے نے خلائی اے مکرم مہرباں
 شائق غمناک در سال وصالش زد رقم

1352ھ

رفت مولانا نصیر الدین بیکدم بے گماں
 داغ مرگ پاک دیں دیگر بگفتم ابجناب
 تاکہ ماند یاد گار دوستان رفتگان

1934ء

1352ھ

بخشش حق شد نصیب آں جوان پاک دل
 بست و دوئم فروری تاریخ بودے نکتہ داں
 مولوی صاحب ظہور احمد زمرگش درد مند
 دیدہ گریاں سینہ بریاں ہچھو بسکل نیم جاں
 رحم فرمائد خدا بر حال آں خستہ جگر
 بازوئے او شد بریدہ رفت از سر سائبان
 از پئے پسماندگان بخشد خدا صبر و شکیب
 بالخصوص از بہر فرزندان معصومان آں

● اندوہ گین دعاگو (مولانا) محمد سلام اللہ شائق

ساکن چک عمر علاقہ لالہ موسیٰ، گجرات

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات حضرت نصیر المملتؒ

شاہد مہ لقا نصیر الدین عالم با خدا نصیر الدین
 قدوہ اتقیا نصیر الدین زبدۂ اولیاء نصیر الدین
 زینت خاندان بگہ شریف صفوۃ الاصفیا نصیر الدین
 سمندری بمسجد و مکتب داد رس ہدای نصیر الدین
 کرد تبلیغ زنگ کفر زدود از دل اشقیاء نصیر الدین
 ظل یزداں نصیر بود امش بر سر چوں ہما نصیر الدین
 در جناں رفت زین غرفہ شد تا کند اقتدا نصیر الدین
 بود یوم الاحد چو یوم احد شد بغم مبتلا نصیر الدین
 عازم بحیرہ شد بغاتحہ ش ہم چو اہل وفا نصیر الدین
 فاتحہ خواند دل بہ دہر داد شد بظہر جدا نصیر الدین
 رفت در لاری ز لاکپور سالک بے ریا نصیر الدین
 نزد چکوٹ ناگہاں برداشت صدمہ جاگزا نصیر الدین
 شاہد حق شد و شہادت یافت بازن و بچہ با نصیر الدین
 سجدہ در دست و دل بیاد خدا شد رفیق علی نصیر الدین
 ملاء اعلیٰ بخیر مقدم گفت مرحبا مرحبا نصیر الدین
 بود پنجشنبہ ہفتم ذیقعد کہ زما شد جدا نصیر الدین
 سال رحلت سعیدمے جستم گفت ہاتف خوشا نصیر الدین

● مولانا محمد سعید زین پوری

رفاقت شعار

وہ مولانا بگوی محمد نصیر تھے ساتھ ان کے دو بچے اور اک حرم
 وہ لاری ہوئے جس میں چاروں سوار اڑی جاتی تھی سر پہ رکھ کر قدم
 یکایک تصادم ہوا پیڑ سے وہیں چل بے سوئے ملک عدم
 رفاقت شعار اور ہم آغوش تھے تھے فخر سرا پردہ چاروں بہم 1352
 ہر اک وصف ہے ان کا سال سعید ہوئے ہیں شہادت سے جب محترم

قطعہ

محمد نصیر الدین جنت مکاں کہ جنت ہی ان کا بنا آشیاں
 سعید ان کا نام اس صفت میں ملا کہ ہو جائے سال شہادت عیاں

محمد نصیر الدین جنت آشیان

دیگر تاریخی مادے مفصلہ ذیل ہیں

1352ھ	1352ھ	1352ھ	1352ھ
استقامت نصیر	بخشش سلطان	بخت نصیر	شہید خوب کردار
1352ھ	1352ھ	1352ھ	1352ھ
توجہات محمد نصیر الدین	صاحب ذوق نصیر الدین	زینب کیتی نصیر الدین	چشم خوباں نصیر
1352ھ	1352ھ	1352ھ	1352ھ
جنت مقام نصیر الدین شد	جان نثار آقا نصیر الدین	جان نثار آقا نصیر الدین	رخ حبیب محمد نصیر الدین

● مولانا محمد سعید زین پوری

صدمہ ناگہانی

الہی کیا ہے یہ سر نہانی
تزلزل پڑ گیا ہے اک جہاں میں
پا ہے ہر طرف شور قیامت
دلوں میں حسرت و سوز و الم ہے
زبانوں پر اگر آہ و بکا ہے
یہ کیا اندھیر ہے کیا ماجرا ہے
کہ مولانا نصیر الدین گبوی
شریف الطبع نیک اخلاق و خوشرو
جواں بخت از جواں بختان عالم
بہ اہل و عیال لاری کے سفر میں
نہ پہنچے تھے ابھی منزل پہ جا کر
ادھر صدمہ تھا اپنی والدہ کا
پڑی لاری یکا یک اک شجر پر
نہ بچے بچ سکے ان کے نہ بی بی
اکٹھے چل بسے چاروں کے چاروں
لگایا دور دورہ وہ قضا نے
مقدر میں لکھا یہ حادثہ تھا
خزاں کے ایک ہی جھونکے نے آ کر
نظر آتا نہیں کچھ بلبلوں کو
چمن سے رہ گیا اک پھول باقی
الہی عمر او صد سال بادا

کہ دنیا کوچ پر ہے ناگہانی
خמוש ہو گئی ہے زندگانی
ہے مرجھایا ہوا باغ جہانی
قوائے پر چھا رہی ہے ناتوانی
تو آنکھیں کر رہی ہیں خوں فشانہ
سنا جاتا ہے لوگوں کی زبانی
بہ علم و فضل عالم خاندانی
معلم ماہر بحر معانی
کہ عاشق تھی ابھی جن پر جوانی
چلے جاتے تھے محبوب زمانی
کہ آ پہنچے اجل کے کاروانی
ادھر یہ آ گیا امر حقانی
وہیں ختم ہو گئی ساری کہانی
نہ اپنی کر سکے کچھ نگہبانی
تڑپتی رہ گئی دنیائے فانی
کہ لے پہنچی بہ ملک جاودانی!
نہیں ملتی قضاے آسمانی
بدل دی سب بہار بوستانی
نہ گلشن ہے نہ رونق گلستانی
یہ بھی اک ہے خدا کی مہربانی
کہ پیارے باپ کی ہے یہ نشانی

دکھا اک بار پھر یہ باغ شگنفاں
تو ہے قادر تجھے ہے ساری قدرت
عطا کر صبر سب پیمانگان کو
ردائے مغفرت ہو رفتگاں پر
رہیں فردوس میں وہ سب اکٹھے
رسول پاک کا ہو ان پہ سایہ
فرب اغفرلہم ولوالدیہم
تقبل یا الہی ایں دعا را

بہار آجائے اس میں بارشانی
ہمہ قدرت ہمہ حکمت تو دانی
کہاں تک یہ کریں گے نوحہ خوانی
نہ دیکھیں حشر تک کچھ بھی گرانی
یہ ہو تیری طرف سے میہمانی!
ملائک کر رہے ہوں میزبانی
وَادْخِلْہُمْ بْجَنَاتِ الْاَمَانِ
طفیل جلوۂ ماہ میمانی

1352ھ

پذیر بھیروی نے سال رحلت کہا دو سخت صدمہ نا گہانی

● مولوی محمد دلپذیر بھیروی

مرد حلیم

حسرتا در وا دریغا وائے دل گشتہ دو نیم
از پیا پے صدمہ ہائے دل فگار وہم الیم
کاروانان عدم رفتند بر سفر عظیم
رحم کن بر حال ایشاں یا رحیم و یا کریم
چشم بر بستند و برسیدند در ملک قدیم
اللہ اللہ ایں چہ آساں است راہ مستقیم
بود مولینا نصیر الدین یک مرد حلیم
نصرتت بادا بہ ایشاں یا نصیر و یا علیم
اے رفیق ہم زمانم کوش با قلب سلیم
نابہ کے باشی دریں دنیائے فانی تو مقیم

پند گیر از رفتن احباب اے مرد فہیم
ہست در پشت ہمیں سفر دراز پر زہیم
سال رحلت رفتگان سوئے جنت النعیم

از سر طوبے بگوئم ذالک الفوز العظیم
1352ھ

● مولوی محمد دلپیر بھیروی

سراج دین ملت

ظہیر الحق نصیر الدین کامل وسیع العلم ہم بر علم عامل
بہ بگوی خانوادہ زیب وزینت رفیع المنزلات با پاک طینت
محیط و جامع جملہ فضائل سرعت تیزرو اندر فواضل
دریغاً از وفات ناگہانی بہ بستہ رخت از دنیا کے فانی
ولے احباب اندر نار فرقت خراماں روح او در روح و جنت
ز مرکب ناری ^(دری) از تقدیر ریزد بخت رفت خفتاں زیر مرقد
بعالم ظلمت از فقدش بیفزود سراج دین و ملت در جہاں بود
چو عبد اس صدمہ ناگاہ بشنید دلش از حزن و غم صد پارہ گردید
ولیکن حکم صبر آمد ز ایزد بجز ترجیع اوازے نخیزد
بتاریخ وفاتش فکر بنمود! وجودش چوں سراسر فیض بود
بجز واحد دلے محزون ندارد بگو فخر و نصیر دین احمد

1352ھ

ماہ صدق و صفا

نصیر حق و دین اہل ہدیٰ چو رحلت نمودہ مدار فنا
 از او پوشیش تیرہ آفاق شد کہ بود اختر ماہ صدق و صفا
 بعلم و عمل بے عدیل جہاں یگانہ بتقویٰ و ورع و وفا
 بخدمت شریعت کمر بستہ بود بنور طریقت کثیر العطاء
 مکرم ز حضرات بگہ شریف پتے خانوادہ ضیاء بر ضیاء
 زلاری ناری بہ بعض ایصال بیفتاد و گردید محشر پیا
 بحق جملہ کردند تسلیم جاں رضا جوئی ایزد بحکم قضا
 ازیں صدمہ عالم پر از رخ گشت کہ اندر جہاں بود نور الہدیٰ
 رسید این خبر چوں بہ عبدالرسول شدہ بیقرار و بہ غم مبتلا

1352ھ

بلفتمہ نصیر شریعت زہی بتاریخ فوت آں ولی خدا

● حضرت مولانا حکیم عبدالرسول نقشبندی

بکھربار (شاہ پور)

انظم فراقیہ:

پل میں جدائی ہو گئی

بروفات حضرت مولینا محمد نصیر الدین صاحب گبوی نور اللہ تربتہ

اس آسمان پر جفا تو نے غضب ڈھایا یہ کیا اک حشر برپا کر دیا پل میں جدائی ہو گئی
 ایسی چلی باد خزاں ویراں ہوا سب گلستاں بلبل کی لب پر ہے فغاں پل میں جدائی ہو گئی
 وہ گم ہوں کے رہنما وہ اہل دل کے پیشوا ہم سے چھپے و احسرتا پل میں جدائی ہو گئی
 حضرت نصیر الدین ولی ہم سے ہوئے مخفی خفی دارالبقا کی راہ لی پل میں جدائی ہو گئی
 وہ فاضل مرد خدا وہ صاحب صدق و صفا وہ جانِ جان اقربا پل میں جدائی ہو گئی

وہ دیں میں اشہر اور علم وہ عاشق شاہ ام پنپے جنان میں محترم پل میں جدائی ہو گئی
 سلک عزیز یہ کے در وہ نور ربانی سے پر پنہاں ہوئے مانند خور پل میں جدائی ہو گئی
 وہ ماہ عرفاں چل بے وہ بحر فیضاں چل بے مقبول یزداں چل بے پل میں جدائی ہو گئی
 خود، زوجہ دو لخت جگر سب ہو کے مجبور قدر یوں کر گئے ناگاہ سفر پل میں جدائی ہو گئی
 امر خداوند متین ہرگز کبھی ملتا نہیں ہو خوش کوئی یا ہو حزیں پل میں جدائی ہو گئی
 میں رنج دل کس سے ہوں اور ذکر غم کس سے کروں حیران ہوں دلگیر ہوں پل میں جدائی ہو گئی
 ہے آتش غم مشتعل بریاں جگر ہے اور دل بے جاں فسرودہ مضحک پل میں جدائی ہو گئی
 لکھتا ہوں جب احوال غم جلتی ہے تابش سے قلم جاری ہیں آنسو دمدم پل میں جدائی ہو گئی
 یہ حادثہ ہے جان کاہ دل میں چھجے صبح و پگاہ افسوس صد افسوس آہ پل میں جدائی ہو گئی
 دل درد و غم سے چور ہے فرقت سے جاں رنجور ہے تاریخ وہ مغفور ہے پل میں جدائی ہو گئی
 رحمت ہو مرحومین پر!! نازل الی یوم الحشر بخشے خدا ہم کو عبرت پل میں جدائی ہو گئی
 عبدالمجید بے نوا اس خاندان کا بے گدا کہتا ہے با درد و بکا پل میں جدائی ہو گئی

● مولوی عبدالمجید بھیروی

قصیدہ

رثائے علی لسان مولانا ظہور احمد بگوتی مدظلہ العالی

الا ان حیا فی البلاء کبید
 اشد ابتلاء فی الحیوة امثال
 یقولون نحن الاولون زہادہ
 ومن ذا قتیل الحب فی اللہ شاہدا
 سہام الدواہی کرة بعد کرة
 ولکن اذا ما انصب سوط مصائب
 سواء علیہ شیخنا و ولید
 ور غائب ریحان الجنات عتید
 ولکن مقاساة البلاء شدید
 ومن کاخی فی النائبات شہید؟
 مجاملہا من العید حمید
 یسئل بہا نفس فیان تجید؟

رايت المنانا فاتكات نفوسنا
 الم تره اذ كان فى السفر سائرا
 يسافر فيها اهله و عياله
 يزور باوطان معارف جيله
 نجا من سمندرى نجاسميدع
 وماحت به امراه ريب تصادما
 تدكدكت الانواح الواح مركب
 تراه و فى ايديه تذكار سبحة
 له ولداه حوله و بحجره
 و امهما تفدى بروح عليهما
 ايا جذع ارض الغول مالک فاتكا
 قتلت فقيها بارعا متبحرا
 فى اريحيا المعيا مبارزا
 فياليتنى قدمت قبلك يا اخى
 ولما سمعنا ان حبر انزا كمت
 عرفا بان الشمس ساخت بنورها
 ففى القلب منى الوجد والعين دمعة
 وفى الحاق منى عفة الشرق والنوى
 لسانى صموت والهواجس جمعة
 يقولون هلا قلت فيه مراثيا
 فقلت اذا ما اكرهونى مودخا
 فلا كاخى فى فتكهن جليد
 بسيارة والركب فيه عديد
 قرينة و ابناه و هو يُريد
 بهيرة لقياه اذا الجديد
 اذا بجار الريب فيه تميد
 فضاغ له ما يحتويه و صيد
 و بار بهذا طارف تليد
 و فى الصدر و جد يتمى و يزيد
 يقولان ناذرع و ذاك حصيد
 تحاذر لا يرئوالى بليد
 اخى نصير الدين انت مرید
 وليس له فى المكرمات نديد
 لاعداء دين الله وهو جليد
 ولم ارنى فرداً نعاه يريد
 عليه سهام الموت وهى نضيد
 او انكسفت ثم الظلام يزيد
 و فى كبدى حر الفراق مزيد
 و نفسى عليها زاهق و شريد
 ولا تجليها فى البيان قصيد
 الم يعلموا لا يطريه نشيد
 اقول الى اخى النصير شهيد

● حضرت مولانا محمد عالم آسى

(امر تسر)

طوفانِ غم

اثر خامہ: غمزہ حاجی فضل الہی چٹھی رساں بھیروی

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس مالکِ نونِ سجدہ کرے جس دی ذات نیاری
خالقِ رازقِ مالکِ ہر دا روزی نت پوچاوی
صفتِ تیری دا انت نہ کوئی دھن توں بار خدایا
برساعتِ دل ڈردا تیں تھیں غضب تیرے نے بھارے
تینوں کچھ پرواہ نہ ہرگز جو چاہیں توں کردا
آدم تائیں کڈھ بیشتوں جنگل وچ وگایا
زریا دی کر آزمائش آری بیٹھ چرایا
تحت اڈاون پریاں جیندا غضب جاں اس تے آیا
حضرتِ یوسف کڈھ کنعانوں اندر چاہ سٹایا
بدنن نوں وچ پیٹ مچھی دے امن امان ٹھرایا
شاہِ حسین جیویں کرہل وچ خاک اوتے تڑفایا
غوثیاں قشباں ولیاں غضبوں ڈردیاں جھٹ نہ ٹہریا
شاہِ شمس دی کھل لہا کے شہروں باہر کڈھایا
بے پرواہی تیری اے کون کوئی دم مارے
کس نوں طاقت تیرے در تھیں غیراں دیول جاوے
کرنِ ہدایت عاصیاں خاطر بھیا جیانی یگانا
جس دن سرور پیدا ہوئے بتاں سیس نوائے
چارے یار رسول اللہ دے چوہاں شانِ سواہ

جیا جون پیدائش کر کے دی قدرت ساری
قبضے دے وچ ہر شے اسد مارے اتے جواوی
آدم جن ملائک ہر نے درتے کیس جھپو
چڑیاں تھیں چا باز کوہاویں بہت بٹوب نیارے
تیری بے پرواہی کووں رات دن ڈردا
آدم تے ماں حوا اندر سخت وچھوڑا پیا
بادشاہاں نوں تختوں سٹے کے گئی گئی پیوی
حال ونجیا آن رنایا آخر بیٹ جھپو
یعقوب نوں وچ فراقے چلی سوں رنایا
بدنن دا تن کرہاں کووں زخمی کھل کرہا
پانی بند کرہاں سدا نال تے چھوڑو
کوئی نہ بیٹھے ہوڑے اس نوں ب پروہا
ترس نہ آیا گوشت اس دا کر پڑے سنو
کھا کے خوف تیرے تھیں نا کھاں چاچھپے وچ مارے
دھکے کھاوے دوزخ جاوے ناں تینوں اوہ جاوے
سدھے رستیوں بھسن ناہیں ہووی نفضل رہا
کنہ شکر تھیں دور بٹائے جیہڑے بھٹے تے
حکمِ نبی دا قائم کر کے ہر جا دین پھیرا

ہن تک چشمے جاری رہن ایسا فیض لگایا
فیض رسان گھرانہ عالی لاکھاں نظریں تارے
کیتا آن قیام بزرگاں روشن ہو گئیاں تھائیں
شوق انہانوں علم پڑھندا عالم ڈھونڈ بہتیرے
خدمت وچہ انہاندے جا کے کھلسن عقدے سارے
دانشخانوں پنڈو لہندے چمکے شمس نورانی
کر کے عرض بزرگاں اگے بھیرے جلد لیاون
آ لگا رنگ بھیرے تائیں علم آداب سکھائے
علم پڑھاون وعظ سناون رستے سدھے لایا
ولی اللہ دے ظاہر باطن کوشش کر دکھائی
یاد اللہ دے اندر اپنی کیتی عمر تمام
ہور طریقت اتے حقیقت واضح کر سمجھایا
عبدالعزیز جو قبلہ عالم بھیرے حضرت لیائے
شاہی مسجد وچ لاہورے ملتی جا کے مسند
ناں سی کوئی اولاد انہاندی کر مالک بٹھلانڈے
ملی خلافت حضرت شمسوں واہ واہ سوہنی بیٹی
انشاء اللہ لکھ تمامی نظر کریاں بھائیاں
عالم فاضل چارے بھائی اللہ پاک سمہالے
ایہہ افسوس نہ جاسی ہرگز پرجیوں مولا چاہے
علم پڑھاون ادب سکھاون ہر منزل دے تارے
اگے ذکر شہادت والا ظاہر کرساں بھائی
اج کل مسجد جامع اندر خاص خطیب گرامی
وچ عبادت چارے بھائیاں سوہنی عمر گزاری

وارو واری تخت نبی تے چوہاں عدل کمایا
حضرت خواجہ شمس سیالی روشن جگ وچ سارے
ایڈا کرم کریم کمایا شہر بھرے دیتائیں
شیخ غلام حسن ہک نامی حاکم سن وچ بھیرے
لوکاں دسیا شیخ صاحب نوں جگے عالم بھارے
اصلی بگا وطن بزرگاں جہلم ضلع پچھانی
شیخ صاحب دے آکھن موجب جگے بندے جاون
مولوی احمد دین صاحب نوں خوشیاں نال لیائے
وچ محلے شیخاں والے آول ڈیرا لایا
جامع مسجد بھیرے والی خود حضرت بنوئی
احمد دین صاحب تھیں وڈے غلام محی الدین گرامی
چھوٹے بھائی تائیں حضرت علم حدیث پڑھایا
انہاں تھیں دو لال عجائب رب عطا فرمائے
انہاں تھیں جو وڈے حضرت مولوی غلام محمد
چھوٹے حضرت قبلہ کعبہ کیونکر بھیرے آندے
حضرت عبدالعزیز صاحب نے بہت ہدایت کیتی
کراماتاں وادانت نہ کوئی جو جو انہاں دکھائیاں
چارے بیٹے مولوی صاحب یمن برکت والے
وڈے حضرت محمد ذاکر جگ تھیں لد سدھائے
حضرت محمد یحییٰ چھوٹے ولی اللہ دے بھارے
تیجے نصیر الدین پیارے جہاں شہادت پائی
بہ تھیں چھوٹے مولوی صاحب ظہور احمد ہیں نامی
چارے بھائیاں حج مبارک کیتاوارو واری

ذکر شہادت

وچ سمندری مکتب اندر جا کے رونق الائی
رحمت دا دریا چلا کے مولیٰ رحم کنیا
جس دن تھیں تشریف گئے لے جاہل کرن بہاراں
ذات اللہ دی وچ عبادت صرف کرن من مارن
اوہ بھی ذکر الہی جاری ہر دم رہندے پڑھدے
فارغ ہو نماز فجر تھیں کرن تلاوت بھائی
حرف حرف بتلاون ایسا ہر کوئی سمجھ پکاؤن
عربی سبق دیون طلبا واں معنی خوب سکھاندے
مسجد دیوچہ درس حدیثوں بعد ظہر دے دیندے
ہو اسوار گھوڑی دے اتے جا کردے دلجوئی
کسے جگہ تے عصر گزارن کر کر وعظ سناون
لوکاں نوں سمجھاؤن کارن کر کے جان تیری
کھول سناون حکم اللہ دے کامل بوہت دیندے
سکھاندے اوہ کل علاقہ جاہل نظری آون
نال تعلیم منور کر کے کفریوں دور ہٹا
ہر جاتے تبلیغ مبارک نرمی نال دیندے
کھاؤن پیون خرچ شاگرداں ہور اشیا جو ساری
شاگرداں تے مہماناں نوں روٹی گھر تھیں دیندے
خندہ روتے خوش مزاجی شکل عجیب آہی
گج کے بولن وانگوں شیراں تھکن نہیں زبانی
سن سن لوگ خدا دے خوفوں رو رو آہیں مارن
رحمت رب دی ناول ہو کے عیب تمامی دھوے

لائل پورا ضلع بتلاون تحصیل سمندری بھائی
مولوی نصیر الدین صاحب نے اتھے ڈیرا لایا
جاہل پاسا بے علماندا نہ کجھ خبر نہ ساراں
وقت تمام انہاندے جہڑے خدمت دین گزارن
دو گھنٹے تھیں ذرا زیادہ رات آرام نہ کر دے
تجد اتے نوافل بعدوں شاعل یاد الہی
دیون درس قرآن شریفوں تے تفسیر پڑھاؤن
اس تھیں کچھے ہائی سکولے وقت اتے سن جاندے
جہڑا پھیر دوبارا کچھے نرمی نال دیندے
خدمت دین کرن دی خاطر گھوڑی رکھی ہوئی
دورہ وچ گراواں رکھن وارو واری جاؤن
دو بجے گاؤں مغرب پڑھ کے کرن نصیحت بھاری
وقت عشاء دے ہو ری جاگہ جا کر وعظ کریندے
رات پوے تاں واپس گھرنوں چا تشریف لیاؤن
کل آبادی اندر جھنڈا چا اسلامی لایا
رات دے وچ خدمت دینی وقت اصراف کریندے
مخنی بھی ایسے دل دے آہے رہے لنگرنت جاری
کسے نوں تکلیف نہ دیون پلیوں خرچ کریندے
عالم اکمل خوش تقریراں عمدہ سیرت بھائی
ہر صفتوں موصوف پیارے با ہیبت لاثانی
ست ست گھنٹے وچ تقریراں کھلیاں چا گزارن
دل دے وچ محبت دینی پیدا جلدی ہووے

والدہ صاحبہ کے فوت ہونے پر بھیرہ میں ماتم پرسی پر آنا

بھیرے وچوں مولوی صاحب تار سمندری پائی
 اہلیہ تے صاحبزادے بھیرے کران تیاری
 حضرت بولے وقت اخیری نہیں زیارت پائی
 ماواں باجھ ونڈے دکھ کیہڑا ہوندے ہور سیاپے
 تربت پاس مائی دے جا کے کردے رہن پابوسی
 بھائی ظہور احمد دیتائیں ایہہ فرمان زبانی
 ایہو وصیت کراں تسانوں دل تھیں نہیں بھلانی
 بھائی محمد ذاکر دی بھی ایہو عمر سی آہی
 آیا ساہ نہ آیا بھائی خاک اندر ہو واسا
 اسے حاٹے غربی طرفے دفن کرایا جاوے
 ٹال دتا ایہہ کرن نہ باتاں ہور خیالیں لایا
 آخر دا دیدار اسانوں نالے نیک صلاحیں
 مٹھیاں باتاں آخر والیاں گئے سانوں سمجھائی
 ملکہ بھائیاں تائیں بھائی کردے ریل سواری
 لائل پورے جا صبح سویرے ڈیرہ چا جمایا
 دن دا ہک وجیا تاں اتھوں چا اٹھایا ڈیرا
 ہوئے سوار خانے وچ چارے ربا نام الایا
 مولوی صاحب دی لاری سندا کچھے ٹائم آیا
 ملنے پہلی لاری کارن لاری تیز چلائی
 بے وس لاری اس تھیں ہوگئی دیکھ مولادے بھانے
 مقتل گاہ شہیداں سندا نظر اچانک آیا
 توہاں قائم دائم مولا تیری ہر جا شاہی

تن ذیقعد بونجہ جبری فوت ہوئی سی مائی
 تارقی جس ویلے غم دی بہت کریندے زاری
 گھر اندر تشریف لیائے مائی نظر نہ آئی
 من نہ مانواں مسکیناں دیاں بچے پالن آپے
 دو تن دن رہے جاں گھر وچ نال حالت خاموشی
 وقت روانہ طرف سمندری طبع اندر حیرانی
 میرے مرنے بعد قبر جو بھائی مائی پاس بنانی
 پچیس کہیا جو عمر اساڈی سال بتائی (42) بھائی
 زندگی دا اعتبار نہ کوئی کی اسدا بھروسہ
 پیر فرمایا ساڈے وچوں ہور میت کوئی آوے
 ظہور احمد صاحب نے سن کے دل وچ فکر دوڑایا
 معم نہ ایہہ کرن وصیت آخر ساڈے تائیں
 اوہ دہسن تے خوبیاں والے دیسن داغ جدائی
 دو تن روز گزار گھر یوچ آخر کرن تیاری
 دو ٹرکے تے اہلیہ صاحبہ نال ہمراہ زلایا
 کرن قیام سٹیشن اتے سردی اتے اندھیرا
 زری دا ہک خانہ پورا کر دے چا کرایہ
 بو پہلوں لاری چلیاں بہتا وقت وھایا
 اتمق سمکھ ڈریور ہوون ضد دلیوچہ آئی
 انہاں آ تقدیرے کیتا ہوش نہ رہی ٹھکانے
 اوہ جو وقت شہادت والا بہت قریب دکھایا
 حضرت دے ہتھ تسبیح آہی دل وچ یاد الہی!

سر دتیاں سر ملدا سستا تاہیوں منزل پاؤں
 ابا جی کیوں روندے تسیں کیہڑی چیز گنوائی
 گویا اپنے مولا تائیں اپنا آپ وھایا
 جس گلوں توں راضی ہوویں اے صاحب سبحانی
 جو چاہیں توں کر دکھلاویں ذمے کسے نہ لاویں
 کر تسلیم جھوکایا سر نوں مولا تیری یاری
 لگی ضرب دماغے اوپر مارے جند اڑاری!
 ایہہ اوہ سرنٹ جھک جھک جیہڑا ہوندا مودبانہ
 کے طاقت سی درخت بچارے ٹکر تیز لگائے
 کئی غلام غریب مساکیں غم وچ ہوئے بے حالے
 گود اندر معصوم بچارے ریاض شہادت پائی
 فانی دنیا رہن نہ دیوے ہر بک نوں پئی سے
 ظالم موت نہ چھوڑے ہرگز ننٹن پیٹھن والے
 ایسے فیض رساں عالم نوں ہرگز نہ چھڑیندی
 ایہہ جو واقعہ گزریا اوتھے من تقدیر ربانی
 ڈچکوٹ ہک گاؤں پرانا ایہو قریب سداں
 باجوں ذات خداوند صاحب کس نوں حال سداں
 ایہہ بھی کم نہ واقعہ ہويا ویکھن اندر آیا
 جدوں ڈٹھا ایہہ حال انہاں تے لاری چاھلوائی
 بہت کرن افسوس دلیوچہ رورو ہوئے بے حالے
 تنے اوہ شبید بچارے وچ سمندری لیائے
 مچ گیا تھر تھل سمندری خلقت بھج بھج آوے
 پچھن لڑکے کتھے ساڈے جلد ویکھا دیو بہانی

آنسو جاری دو تن ہوئیاں صبر کرن سمجھاؤں
 بچے خورد ریاض احمد نے ہتھ بنھ عرض سنائی
 چا کے لڑکے نوں وچ گودے اپنے کول بہایا
 میں حاضر تے بچے دونویں پیش ہوئے قربانی
 راضی نامہ تیرا لوڑاں حکم جیہڑا فرماویں
 مائی صاحب دے ملنے کارن جنت کرن تیاری
 نال درختے ٹکر کھا کے الٹ گئی اوہ لاری
 اوہ دماغ جو علم معارف سندا آہا خزانہ
 ایہہ سر کرن عبادت والا ذرہ تاب نہ لائے
 اوہ چہرا انوار مبارک خلقت جس نوں بھالے
 ضربوں خون آلودہ ہويا قدرت کھیل دکھائی
 ترف ترف کے اوہ بھی دونویں سنگ والد دے رلے
 ملے نہ ہرگز کسے نالوں لاکھاں دے گھر گالے
 جیکر رحم ہوندا دل اس دے ایہہ چا معاف کریندی
 ست ذیقعد بونجہ ہجری روز ویر دا جانی
 لائل پورے تھیں چوداں میلاں فیصلہ کل بتلاؤں
 ہر بتیرے زخمی جہڑے روون تے کرلاؤں
 جیونکر واقعہ کربل اندر نال شبیر وھایا
 ہور لاری ہک لائل پور تھیں دیر پچھوں سی آئی
 کرن شناخت مولوی صاحب ہین سمندری والے
 آخر چک شہیداں تائیں لاری دیوچہ پائے
 جس نے ڈٹھا حضرت تائیں اوہ بے ہوش ہو جاوے
 بی بی صاحبہ نوں کچھ قدرے ہوش ٹھکانے آئی

مائی صاحب پھیر نہ بولے نیکاں دی ایہہ عادت
 مولوی ظہور احمد صاحب نوں آ گیا لوہڑ جدائی
 جس نے تینوں ہوش حواسوں وحشیاں وانگ بنایا
 مولوی ظہور احمد صاحب نوں تار سمندریوں آئی
 شالا کوئی نہ دیکھے ایسا ہوش عقل گم گیا
 نصیر احمد پا گئے شہادت پہنچو جلد اتھائیں
 جسدا عالم فاضل بھائی جگ تھیں لد سدھایا
 روون تے کرلاون ہر جا غم تھیں مارن ڈھائیں
 نال خلیفے دو تن لے کے کردے ریل سواری
 اگوں درد منداں نوں ملدے دردی خادم جیہڑے
 اتھوں رتہ موٹر لاری نوبت جس تھیں آئی
 اوہ کوئی وقت اجیہا آہا جس نے ہوش گنوائی
 بھائیاں باجہ دے ویرانی نظری نہ کجھ آندا
 دو قالب یک جان برابر وچ میدان کھلوون
 لائق تے مشہور جگت وچ فوقیت جس پائی
 کر کر یادا نہاں دیاں سخاں ڈیکاں نکل جاون
 اُس مظلوم شہید پیارے تائیں خبر نہ کائی
 اپنے خاص مکان صحن وچ تے پا کر جا میں
 ظہور احمد نوں گلے لگایو ہے ایہہ ماں پیو جایا
 بیکسی دی حالت اندر کے کس تھیں ہووے
 ہو دل غم الم تھیں پرزے جگر بھی باہر آدے
 ذرہ ذرہ سمندری والا کھاون ڈھکا سوئی
 کس نوں سی ایہہ معلم صدمہ ہوسی جان اذائیں

لوکاں کہیا اوہ تاں لڑکے گئے پا شہادت
 تاں اتھوں دیاں لوکاں رل کے تار ضروری پائی
 آکھ دلا کیوں تیرے تائیں درد اجیہا آیا
 ایسا شور پیا وچہ بھیرے گلی گلی ہر جائی
 کے کجھ غم دا حال سائیں ڈٹھا وقت اجیہا
 صدمہ سخت اچانک آیا مولوی صاحب تائیں
 مولوی صاحب اتے ایسا نازک ویلا آیا
 مچ گیا کراٹ اجیہا اندر شہر گرائیں
 مولوی صاحب غم دے مارے کردے جلد تیاری
 جس دم مولوی صاحب اترے لائل پورے سویرے
 جو کجھ گزری حال حقیقت ساری کھول سنائی
 ہو جیہ ان سمندری پہنچے دیکھیا جا کر بھائی
 مرن نہ بھائی سنگ نہ ترے بھارا سیک انہاندا
 ویر جہڑے نکڑے ہوندے جاں ملدے خوش ہوون
 ہو جاون حیران بچارے مرن جہاندے بھائی!
 ایسے لائق عالم فاضل بھائی نظر نہ آون
 جا کر جدوں ظہور مہجورے ڈٹھا اپنا بھائی
 اوہ جانناز مجاہد خادم وچ پورا اسلامیں
 کے غم تھیں آکھ سنایا پیارا بھائی آیا
 بوسہ دے پیشانی اوپر ظہور احمد بہہ رووے
 بے پرواہی وکھ مولا دی نہ کجھ آوے جاوے
 اپے صبر بغیر نہ چارا چلدا ساڈا کوئی
 وحشت ناک نظر سبھ آون جیہڑیاں اتھے جائیں

اج اوہ خون تے مٹی بھریا سمندری پہنچیا بھائی
 ہر ہک نون اوہ نال خوشی دے ملدے چاہیں چاہیں
 اس دے نال نہ زور کسے دا ہٹک ہوڑ نہ کائی
 اٹھ کے گل کرو چا دلدی ایہہ کے حال بنایا
 مولوی صاحب اتے معصوماں ہتھیں غسل دلائے
 روندیاں روندیاں بس نہ کردے جاں جاں ویکھن حال
 پاک شہادت خوب شہادت واہ واہ نیک سعادت
 سینہ بریاں دیدہ گریاں آ گئے بنھ قطاراں
 ہندو اتے سکھ ہزاراں کردے ماتم بھارا
 ہوش حواسوں ہو گئے خالی بھلیا پینا کھاناں
 اس تقدیر مولیٰ دی اگے پیش نہیں کجھ جانندی
 نال محبت شفقت کر کے کیہڑا سبق پڑھاسی
 آ اسلام سکھایا سانوں قطرے خوب نتارے
 خلقت بے اندازہ رل کے کر دی گریہ زاری
 وچہ صندوقاں جسم مبارک داخل کر لئے بھائی
 دفن کرانگے ایسے جائی ایہہ رل متا پکاون

مسلماناں دارہبر پیارا عاشق خاص الہی
 ٹر کے خلقت کرے سلامی سالک پیارے تائیں
 ہوئے اج محتاج بولن تھیں رب دی بے پرواہی
 اے بھائی کل مل کے آئے اج کے لوہڑ وسایا
 بھائی پھوپھیرے فیض محمد لائل پورے تھیں آئے
 سن کے پہنچ گئے اوہ پہلے حال شہادت والا
 بعد غسل تھیں پاکفن پہناون کلمہ لکھ شہادت
 سمندری اتے گرد و نواح دے مسلمان ہزاراں
 اس تمام علاقے اندر پے گیا شور ککارا!!!
 کاروبار معطل کر کے بند بازار دوکاناں
 بہت مرید شاگرد بچارے روون بیٹھ سراندی
 ایڈا فیض رسان معظم کتھو نظری آسی
 کون کریسی آ تبلیغاں فکر دلاں وچہ بھارے
 جدوں ظہور احمد صاحب نے نظر چوہیرے ماری
 مشکل نال نماز جنازہ کرن ادا اس جائی
 کر کے لوگ صلاح تمامی ہتھ بنھ عرض سناون

محترمہ جمال بی

حضرت مولانا غلام رسول چاوتی کی تیسری اہلیہ سے اکلوتی اولاد تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق 1895ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئیں۔ ابھی چھوٹی ہی تھیں کہ والدہ کی شفقت سے محروم ہو گئیں۔ چنانچہ آپ کی پرورش میں پراچہ خاندان کی دردمند، دیندار اور نیک خواتین کا بھی حصہ ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ والد ماجد سے عربی اور فارسی کے مروجہ درسی رسائل اور کتابچے پڑھے۔ اس کے بعد ان سے عقائد، عبادات اور معاملات میں فقہ کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔ چنانچہ لکھنے پڑھنے اور بولنے کی عمدہ مشق اور مہارت حاصل ہو گئی۔

1912ء میں مولانا محمد نصیر الدین بگوتی کے ساتھ رشتہ ازدواج طے ہوا۔ اس شادی کی تیاری میں جو ایک روایت کے مطابق دنوں ہفتوں میں نہیں، گھنٹوں میں ہوئی تھی، پراچہ خاندان کی مستورات کا زبردست عمل دخل اور

اور بھر پور شمولیت تھی۔ نکاح اور رخصتی کے سلسلے میں انہوں نے انتہائی محبت، عقیدت اور ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ بیٹی کے جینے کے ساتھ بارات کے خیر مقدم اور تواضع کی تیاری کی گئی۔ چنانچہ سارے مرحلے مل جل کر اتفاق اور ایثار سے سرانجام پائے۔ ان خواتین میں محترمہ جنت خاتون (ماسی جنتی) زوجہ چوہدری فضل احمد پراچہ مرحوم، محترمہ عائشہ بی بی زوجہ حافظ محمد پراچہ مرحوم، والدہ زینب مرحومہ اور دیگر پراچہ مستورات شامل تھیں۔

محترمہ جمال بی بی عالمہ باعمل تھیں۔ متقی، پرہیزگار اور خدا ترس۔ طہارت اور پاکیزگی کا بہت خیال رکھتیں۔ نماز، نوافل اور تلاوت کی سختی سے پابند تھیں۔ ہر جمعہ کو گھر میں خواتین کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ اس میں آپ وہنوفر مائیں۔ محلہ پراچگان، محلہ خواجگان، محلہ پیر اعظم شاہ اور شہر کے دیگر محلوں سے مستورات شریک ہوتیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ تعداد بعض اوقات دو صد سے بھی متجاوز ہو جاتی اور پردے کا خصوصی اہتمام کرنا پڑتا۔ محترمہ جمال بی بی کا وعظ انتہائی سادہ، عام فہم اور دل نشین ہوتا۔ آیات و احادیث، سلف صالحین کے واقعات اور اردو پنجابی کے اشعار سے مزین ہوتا۔ آپ روزمرہ کے مسائل میں عقائد، عبادات اور معاملات کو موضوع بنا تیں تاکہ خواتین نیک انسان اور اچھی مسلمان ثابت ہوں۔ ہر سال التزام سے میلاد النبی ﷺ کی خوبصورت تقریب برپا کی جاتی جس کے لیے خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔

جمعہ کے اجتماع کے بعد خواتین اپنے پیش آمدہ مسائل دریافت کرتیں اور بعض ضروری امور میں فتوے بھی جیتی تھیں۔ محترمہ جمال بی بی کو مطالعے کا شوق تھا۔ پہلے والد ماجد پھر ان کے شوہر اس جذبے کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ 1920ء میں حج پر تشریف لے گئیں۔ اکلوتے فرزند گود میں تھے۔ بیٹے سے زبردست محبت تھی۔ وہاں بیمار پڑ گئیں۔ کہا کرتیں:

”صدقے کہتا۔ میری تے ایہ کئی وریاں دی کھٹی اے۔“

فوت ہونے سے پہلے چند مرلے کا پلاٹ اپنے بیٹے کے نام کرتے ہوئے تصریح کی کہ یہ کلیتہً افتخار احمد کا ہے۔ اگر میرا دونوں اور میں بھی ہوا تو اس کو بھی اس قطعہ زمین میں سے کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ شاید انہیں اشارہ ہوگا کہ یہ بچہ بہت بعد ان کی محبتوں سے محروم ہو جائے گا۔ آپ کے چار بچے ہوئے۔ مبارک احمد اور غلام زہری بچپن میں فوت ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق حج کے بعد ایک ڈیڑھ سال کے اندر آخری سفر پر روانہ ہو گئیں اور 28 رمضان مبارک 1339ھ 1921ء کو وفات پائی۔ مزار محلہ درویشانہ، حفظانہ کھوہ بھیرہ میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہیں۔

آپ کی وفات کے وقت آپ کے بیٹے افتخار احمد کی عمر قریباً ڈھائی سال اور غلام فاطمہ 6 سال کی تھیں۔

سعادت نصیب ہوئی اور 1995ء میں بھتیجے صاحبزادہ محمد ابو بکر گبوی کے ہمراہ عمرے کی سعادت حاصل ہوئی۔
سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا احمد خاں کھولہ شریف (کنڈیاں) سے بیعت ہوئی۔ حضرت
مرحوم موجودہ سجادہ نشین اور عالمی تحریک ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا خان محمد مدظلہ کے مرشد اور سر تھے۔ اب یہ
گدی کنڈیاں شریف کے نام سے مشہور ہے۔

اپنی والدہ ماجدہ اور نانا کی وفات کے بعد محترمہ کے وعظ و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کا مرکز وہی آبائی مکان
رہا جو محلہ پراچگان بھیرہ میں اڑھائی مرلے پر محیط تھا۔ آپ 1964ء تک بھیرہ قیام پذیر رہیں۔ پھر اپنے داماد
حافظ غلیل الرحمن مرحوم کی جواں سال رحلت کے بعد ان کے بچوں کی نگہداشت کے لیے مجبوراً سرگودھا منتقل ہو
گئیں۔ جہاں انہیں اپنے تایا زاد صاحبزادہ عبدالغفور گبوی مرحوم کا مسلسل تعاون اور اعانت حاصل رہی۔

اس طرح تقریباً 36 سال بھیرہ میں اور 36 سال سرگودھا میں حلقہ وعظ و ارشاد اور مسند درس و تدریس
قائم دائم رہے۔ یہاں سے سینکڑوں خاندان اور ہر طبقہ خیال کی ہزاروں خواتین نے اپنے اپنے ظرف اور ضرورت
کے مطابق کسب فیض کیا۔ محترمہ نے ان تشنگان ہدایت کو قرآن و سنت اور اسوہ مبارک کے مطابق رہنمائی دی اور
صحیح دینی فکر سے آگاہ کیا۔

رہنمائی اور فکری امداد دینے کے دو طریقے تھے۔ ایک تو جمعہ کا باقاعدہ اور باضابطہ اجتماع تھا۔ محلے، شہر اور
گرد و نواح سے خواندہ اور نیم خواندہ خواتین کی ایک کثیر تعداد شریک ہوتی تھی۔ اڑھائی مرلہ کے چھوٹے سے مکان
کی تین منزلیں خیر و برکت اور علم و عرفان کے لیے تنگ پڑ جاتی تھیں۔ بعض اوقات خواتین پوری آواز سننے کے لیے
بیٹھیوں میں بیٹھ جاتی تھیں۔ اس موقع پر انتہائی پر اثر وعظ جو آیات قرآنی، اقوال نبویہ، کردار صحابیات اور فارسی
ابیات، حکایات صحیحہ اور برجستہ کلام سے آراستہ ہوتا تھا، فرماتیں۔ نماز ظہر ادا ہوتی اور خواتین کے سوالوں کے
جوابات دیے جاتے۔

جمعہ کے اجتماع کا شدت سے انتظار ہوتا تھا۔ اس میں مختلف پرانے خاندانوں مثلاً پراچگان، خواجگان کے
ملاوہ دیگر گھرانوں سے بھی خواتین شرکت کرتی تھیں۔ چونکہ یہ اجتماع منفرد اور نمائندہ حیثیت رکھتا تھا اس لیے دینی
اور روحانی خاندانوں کی مستورات بھی شامل ہوتی تھیں۔ مشہور عالم اور مفسر حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی والدہ
ماجدہ اور ان کی اہلیہ بھی شریک ہوتی تھیں۔

دوسرے اجتماع نسبتاً غیر رواجی تھے۔ کبھی نماز تسبیح کے لیے، کبھی میلاد النبی ﷺ کے لیے۔ ایک طریقہ
انفرادی اور افراد خانہ کے ساتھ ملاقات تھا جہاں پند و نصیحت کے ساتھ مسائل میں مشاورت، رہنمائی اور سوالات
کے جوابات دیئے جاتے تھے۔

دینی کاموں کے لیے یا سماجی تقاریب میں شرکت کے لیے وہ اپنے گھر سے باہر نہیں جایا کرتی تھیں۔ یہی معمول ان کی والدہ ماجدہ اور دیگر بزرگ خواتین کا تھا۔ اسی طرح دینی کاموں اور تبلیغی خدمات کے لیے انہوں نے کبھی معاوضہ لیا اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کی تقریر میں علمیت ہوتی تھی اور للہیت بھی۔ ان کے الفاظ نے تلے، اظہار متوازن اور انداز دل میں اترنے والا تھا۔ وہ کسی جماعت، فرقے یا فرد کی دلا زاری کے خلاف تھیں۔ حقیقت ہے کہ محترمہ کا مسلک اعتدال و اصلاح اور صلح بین المسلمین تھا۔ یہی مسلک پچھلے اڑھائی سالوں سے خاندان گبویہ کا اور 75 سالوں سے مجلس حزب الانصار کا ہے۔ وہ سمجھتی تھیں کہ دین کا مخاطب فرد ہے جب تک یہ اصلاح پذیر نہ ہوگا، معاشرے میں ملک میں کوئی تبدیلی نہ آسکے گی۔ اور اس اصلاحی تبدیلی کا، ان کے نزدیک مخاطب خاص خاتون خانہ ہے جو مردوں کی تخلیق، تشکیل اور تکمیل کرتی ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ دین نام ہے نصیحت کا (الدین نصیحت) خواتین خصوصاً نوجوان نسل کے ساتھ ان کا خاص رپو (Rappo) تھا۔ وہ ان کی سطح پر آ کر بات کرتیں۔ وہ ماڈرن لڑکیوں کے ساتھ دین کی بات اس طرح کرتیں کہ انہیں سنتے ہی بنتی اور پھر وہ بات ان کے دل میں اترتی چلی جاتی۔ وہ ظواہر سے زیادہ عقیدے کی اصلاح پر زور دیتیں۔ ان کی عام گفتگو میں نماز کی پابندی، ایفائے عہد اور رزق حلال پر خصوصی زور دیا جاتا۔ واقعہ ہے کہ اگر کسی بات میں روئے سخن بنیادی باتوں کی اصلاح کی بجائے ظاہر پرکڑی تنقید ہو جائے تو مخاطب اور سامع تقریر سننا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ علامہ اقبال مرحوم اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے درمیان پہلی ملاقات صرف اسی بنا پر آخری ملاقات ثابت ہوئی ورنہ یہ اتحاد و اتصال مسلمانوں کے لیے نجانے کتنا بابرکت اور نافع ثابت ہوتا۔

مرحومہ کو اپنے اسلاف کے علم اور تقویٰ اور مخلوق خدا کے لیے خدمات پر بڑا فخر تھا۔ خاندان کے دینی اداروں بالخصوص جامع مسجد، دارالعلوم عزیزیہ اور ماہنامہ شمس الاسلام کے ساتھ خصوصی انس تھا۔ زندگی کے آخری سانسوں تک ان اداروں کی بہتری اور مضبوطی کے لیے فکر دامن گیر رہی۔ اپنے ملنے والی مستورات کو اعانت کے لیے توجہ دلاتیں اور بڑے اہتمام سے ان عطیات کو مختلف مدات یعنی زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، امداد کو الگ الگ رکھتیں تاکہ مصرف صحیح اور درست ہو۔ بھیرہ سے مد کے مطابق رسید کٹواتیں اور معطلی کو خود ارسال کرتیں۔ یہ مسئولیت اور بار امانت کا احساس ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک اور اس کی مخلوق کے نزدیک سرخرو ہوں اور ایسے کاموں میں کوئی امکانی غلطی نہ ہو پائے جو دین کے تقاضوں اور اللہ کے حکم کے منافی ہے۔

مولانا صاحبزادہ ابرار احمد گبوی کی صحت اور مصروفیات کا التزام سے پوچھتیں، ان کی کامیابی پر خوش ہوتیں اور ہاتھ اٹھا کر ان کی سلامتی، صحت اور ترقی درجات کے لیے دعا کرتیں۔ مسجد کے تعمیراتی کاموں کا سن کر ان کا چہرہ خوشی سے تہمتا جاتا۔

ان کی ذات، خیر اور محبت کا صافی اور رواں چشمہ تھا، جو نزدیک آیا وہ پئے بغیر رہ سکا اور نہ ہی تشنہ رہا۔ مخاطب ان کے التفات اور شفقت کی شرنی سے گھل گھل جاتا۔ اسے سنے بغیر مانے بغیر مفر نہ تھا۔ اس وصف کو محترمہ نے دلوں کو جوڑنے، خاندانوں کو ملانے اور دین کی باتیں دلوں میں بٹھانے کے لیے استعمال کیا۔

بھائیوں بہن کے ساتھ ان کی محبت زندگی کے آخری تار تک برقرار رہی۔ وقت اور فاصلے کبھی اس راہ پر حائل نہ ہو سکے۔ مولانا افتخار احمد کی علالت، مولانا برکات احمد کا فالج اور زوجہ صاحبزادہ محبوب الرسول للہی کی رحلت نے انہیں بہت آزر دہ کیا۔ گزشتہ ماہ جنوری 2001ء میں فون پر میں نے مبارک دی کہ اللہ نے اپنی رحمت سے انہیں نئی صدی اور نئے ہزارے میں صحت و حیات بخشی ہے۔ ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں:

”میرے لیے اس میں کیا خوشی ہے کہ اتنا جیا۔ مجھ نصیبوں جلی نے تو اتنے پیاروں کو ان ہاتھوں سے دُفن کیا ہے۔ ان کی جدائی کے صدمے سہے ہیں، میں تو ان محرومیوں کا شکار ہوں۔“

آخری نم میں نقاہت بڑھ گئی تھی مگر نماز و تلاوت اور اوراد و وظائف کے معمولات بڑی پابندی سے برقرار رہے۔ آخری سال تو روزے نہیں رکھ سکے لیکن ہر بار اصرار کرتے کہ وہ اس نعمت سے محروم نہیں ہونا چاہتیں۔ آخر میں سماعت بہت متاثر ہو گئی تھی۔ مگر چہرہ دیکھتے ہی گویا حافظے کا کمپیوٹر کلک ہو جاتا۔ برسوں کے واقعات، وعظ و نصیحت ان باتیں، ماضی کے قصے، مگر مخاطب سے متعلق اور موقع کے مطابق گویا روانی آ جاتی۔ کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتے۔ پریشان حالی میں دیکھ کر خود مضطرب ہو جاتے۔ ہمدردی اور دل جوئی کے لیے پوری مدد کرتے۔

محترمہ کم خوراک، خوش لباس، خوش گفتار اور دوسروں کے لیے شاہ خرچ تھیں۔ لباس ہمیشہ صاف، پاک، بے داغ اور بے شکن، کھانا پینا بہت قلیل، دوسروں پر خرچ کر کے خوش، فیاضی، ہمدردی، داد و دہش، خلق و مروت ان کے معمول۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ان کے ہاں پہنچے اور ان کی دریا دلی اور مہمان نوازی سے مستفیض نہ ہو۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان کا خوانِ نعمت کبھی خالی نہ ہوتا۔

26 جنوری 1995ء کو راقم کی بیٹی مریم منزہ سلمہا کی شادی کے موقع پر علالت اور نقاہت کے باوجود لاہور پہنچے اور کئی روز میرے ہاں قیام کیا۔ یہ ایک ایسا قرآن السعدین تھا کہ مولانا حکیم برکات احمد گبوی اور محترمہ کی ہمیشہ اہلیہ حضرتہ صاحبزادہ محبوب الرسول للہی بھی شریک تقریبات تھے۔ ساری زندگی پابند صوم و صلوة رہیں۔ تلاوت، نوافل تہجد، اشراق اور اوامین، اوراد و وظائف روزانہ کا معمول۔ ہمیشہ اول وقت میں نماز ادا کرتیں۔ پورے نشوع و خضوع کے ساتھ وضو اور نماز میں تمام فقہی جزئیات اور ہدایات پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتیں۔

اس مرتبے کی خواتین بیرونی دنیا سے زیادہ باخبر نہیں ہوتیں مگر محترمہ اخبار ضرور دیکھتیں۔ ملکی حالات اور ارد گرد کے مسائل سے باخبر رہتیں۔ بے نظیر بھٹو کے مقابلے میں میاں نواز شریف کی مداح تھیں۔ محترمہ عمرے کے

لیے سعودی عرب جا رہی تھیں کہ اتفاق سے میاں صاحب کراچی ایئر پورٹ پر اترے اور محترمہ کو دیکھ کر بے ساختہ ان کی طرف لپکے۔ قریب پہنچ کر ایک سعادت مند بیٹی کی طرح سران کے سامنے جھکا دیا۔ مرحومہ نے میاں صاحب کے شانے تھپتھپائے، دعائیں دیں اور عدل و انصاف اور غریب پروری کی تلقین کی۔

ملنے والوں کو ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتیں۔ وضع داری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے قرض مانگا اور نہ کسی کے سامنے اپنی حاجات کے لیے دست سوال دراز کیا۔ اپنا بھرم اور وقار قائم رکھا۔ محرم اور پردے کا بہت لحاظ تھا، ان کی خواہش تھی کہ بعد از مرگ ان کے جسد کو صرف بھانجے بھتیجے ہی ہاتھ لگائیں اور دفن کریں، کوئی نامحرم نزدیک نہ آئے۔

خواتین کی اکثریت لاعلمی اور بے خبری کے سبب اپنے مصائب اور مسائل کے لیے ایسے روحانی شارٹ کٹ کی متلاشی ہوتی ہے جن کا تانا کلام الہی سے ملتا ہو۔ محترمہ نے اس انسانی طلب کو رب کی رضا اور دین کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے لیے استعمال کیا۔ وہ اکثر خواتین کو قرآنی آیات اور مسنون دعائیں ورد کرنے کا مشورہ دیتیں۔ مال کی پاکیزگی کے لیے زکوٰۃ، خیرات پر زور دیتیں اور نیک اعمال کی تربیت اور خود کو دین کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے تلقین کرتیں۔

راقم نے 1985ء میں بھیرہ میں مجلس حزب الانصار کے تحت پہلا فری آئی اور جنرل میڈیکل کیمپ منعقد کیا۔ سرگودھا سے بہت سارے ڈاکٹر شامل ہوئے۔ تب محترمہ نے ایک خواب دیکھا جو جامع مسجد بگوییہ سے ایک نہر رواں ہے جس سے تشنہ لب سیراب ہو رہے ہیں۔ اب سالانہ آئی کیمپ ایک مستقل فچر بن چکا ہے جس سے ہر سال سینکڑوں مریض فیض یاب ہو رہے ہیں اور یوں مرحومہ کا خواب حقیقت بن چکا ہے۔

2 فروری 2001ء کو جمعہ کا مبارک دن تھا۔ مرحومہ اپنے برسوں کے معمول کے مطابق صبح اٹھیں۔ نماز فجر ادا کی، پھر روز کے اوراد و وظائف کیے۔ بلکے ناشتے کے بعد درود شریف کا ورد شروع کیا اور ہزار دانوں کی بڑی تسبیح پر مکمل کیا۔ جمعہ کی پہلی اذان سے قبل اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ غسل کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ان کی بیٹی اور نواسی نے مل کر یہ سعادت حاصل کی، پھر انہوں نے پاک صاف جوڑا زیب تن فرمایا اور ظہر کی نماز کا پوچھا۔ اس دوران درود شریف، کلمہ ہائے استغفار اور شہادت ورد زبان رہے۔ قریباً 2 بجے بعد دو پہر اچانک ان کی آواز آنا بند ہو گئی اور وہ ساکت ہو کر اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔ اور جان عزیز سے روح پرواز کر گئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ .

اپنے برادر عزیز مولانا افتخار احمد بگویی کی طرح ہمیشہ دعا گورہتے تھے کہ

”مولا زندگی دے تو شان سے دے، کسی کا محتاج نہ کر۔ موت دے تو ایمان پردے۔ اپنی

رحمت سے محروم نہ کر۔“

وہ تادم آخر کسی کے محتاج نہ ہوئے۔ چال میں لڑکھڑاہٹ آگئی تھی۔ مگر کوشش کرتے کہ کسی کا سہارا لیے بغیر اپنے کام خود کریں۔ نفاست کا یہ عالم کہ وقت رخصت صاف لباس پہن رکھا تھا۔ طہارت کا یہ حال کہ خدا کے ہاں حاضری کے وقت جسم اور لباس پاک تھے اور وہ با وضو تھیں۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارجعي إلى ربِّك راضيةً مرضيةً. فادخلي في عبادي وادخلي جنتي.

اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ (تفہیم القرآن)

وفات کے وقت مرحومہ کا کوئی اثاثہ نہ تھا۔ پلاٹ نہ بنک اکاؤنٹ۔ مگر تیاری کا یہ عالم تھا کہ کفن کے تمام لوازمات مکمل اور تیار تھے۔ تدفین و تکفین کے لیے ایک ہزار روپیہ الگ سے باندھ رکھا تھا۔ ایک نماز جنازہ جمعہ کی شام سرگودھا میں ان کے رہائش کے سامنے سکول کے گراؤنڈ میں ادا ہوئی۔ پھر جسد خاکی بھیرہ روانہ ہوا۔ جہاں دوسرا جنازہ جامع مسجد بگویہ کے وسیع صحن میں ادا ہوا جس کی اقتدا مولانا صاحبزادہ امین الحسنات سجادہ نشین بھیرہ نے کی۔ جس میں شہر سے سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔

رات 10:30 بجے خانقاہ بگویہ میں لحد میں اتارا گیا۔

3 فروری بروز ہفتہ بھیرہ میں قل کے موقع پر اجتماعی دعاء مغفرت ہوئی۔

تقریب سے مولانا صاحبزادہ امین الحسنات پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ و سجادہ نشین بھیرہ اور مولانا صاحبزادہ ابرار احمد بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ نے خطاب کیا اور مرحومہ کو ان کی دینی، اصلاحی اور تبلیغی خدمات پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

(ایک صدی کی امین، از صاحبزادہ انوار احمد بگوی، مطبوعہ شمس الاسلام بھیرہ)

مولانا محمد نصیر الدین بگوی کی دوسری بیٹی ذکیہ خانم مرحومہ کی پرورش اور تربیت مولانا ظہور احمد بگوی اور ان کی اہلیہ محترمہ نے کی۔ آپ کی شادی 1939ء میں حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للہی سجادہ نشین آستانہ نقشبندیہ مجددیہ للہ شریف کے ساتھ ہوئی۔ بعارضہ قلب 1996ء میں انتقال ہوا اور للہ شریف میں دفن ہوئیں۔ 7/11

آپ کی اولاد میں 4 بیٹیاں اور 3 بیٹے ہیں۔ بڑے لڑکے صاحبزادہ محمود الرسول گورنمنٹ کالج یونیورسٹی سرگودھا میں سوشل ورک کے پروفیسر ہیں۔ بچھے لڑکے صاحبزادہ حسنا الرسول آستانہ للہ شریف کے سجادہ نشین ہیں اور چھوٹے لڑکے صاحبزادہ عرفان الرسول ایک بنک کے سینئر آفیسر ہیں۔

مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج

ابوالخیر ظہور احمد بگویی نور اللہ مرفدہ

1318ھ - 1364ھ

1900ء - 1945ء

(عکس تحریر)

مکتوب قلمی مولانا ظہور احمد بگویی

مجلس مرکزی حزب الانصار بھنگر
 لاہور
 مورخہ ۱۳۰۱ھ
 ۲۰۱۲

کہ پتہ نہایت اہم و عزیز ہے قاریوں کے لئے اور یہ

اس سلسلے میں اتنی ہی۔

اس خط میں مولانا نے اپنے دوستوں اور معتمدین کے لئے دعا کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔

اس سلسلے میں اتنی ہی۔
 مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔

۵۰۸
 مولانا ظہور احمد بگویی

میں نے مولانا سے ملنے کا موقع ملا اور ان سے کچھ بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔ مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں کامیاب کرے۔

مولانا ظہور احمد بگویی

حالات

پیدائش:

خاندان بگوییہ کے نامور فرزند اور قافلہ آزادی کے بے باک حدی خواں مولانا ظہور احمد بگویی، اعلیٰ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ 1900ء مطابق 1318ھ میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد ذاکر بگویی سے روایت ہے:

”ایک دفعہ وہ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ ایک صاحب باطن بزرگ نے (جو درگاہ اجمیر شریف پر معتکف تھے) آپ سے فرمایا کہ آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا ہے۔ حقیقت معلوم ہونے پر انہوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ آپ کے والد ماجد اپنے چھوٹے بچے کو لیے ہوئے ایک رات خواجہ اجمیری کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ خواجہ بزرگ اجمیری نے فرمایا۔ ”مولوی صاحب خیریت سے آئے کیا حال ہے“۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ ”اور کچھ فکر نہیں اس چھوٹے لڑکے کو چھوڑنے آیا ہوں۔ اس کی تربیت کا فکر ہے“۔ اس پر خواجہ ممدوح نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مولانا موصوف کے استفسار پر جو حلیہ لڑکے کا صاحب مذکور نے بیان کیا وہ بقول مولانا مرحوم، مولوی ظہور احمد صاحب سے ملتا تھا“۔

(مولانا ضیائی۔ شمس الاسلام، جولائی 1945ء، ص 25)

آخر آمد:

مولانا ظہور احمد بگویی کی پیدائش کے وقت مولانا محمد ذاکر بگویی برائے تدریس اور ان کے ساتھ مولانا محمد یحییٰ بگویی برائے تعلیم لاہور میں مقیم تھے۔ ان کے والد اعلیٰ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی نے دونوں بیٹوں کو ولادت کی اطلاع دی اور ظہور احمد نام تجویز کرتے وقت مکتوب کے آخر میں لکھا:

آخر آمد بود فخر الاولین

ابتدائی سرپرستی:

تعلیم کا آغاز والد ماجد سے بھیرہ میں کیا۔ 1908ء / 1325ھ میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اس سے کچھ ہی دیر قبل مولانا محمد یحییٰ بگویی گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں تعینات ہو چکے تھے۔ گو مولانا محمد ذاکر بگویی باقاعدگی

سے بھیرہ حاضری دیتے رہتے تھے مگر اب انہوں نے زیادہ التزام سے ذمہ داری کو نبھایا، کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ اور چھوٹے بھائی بھیرہ میں محلہ اہلی والہ میں قیام پذیر تھے۔ اس طرح والد ماجد کی رحلت کے بعد مولانا ظہور احمد بگویی کو دونوں بزرگ بھائیوں کی سرپرستی اور ابتدائی تعلیم میں رہنمائی حاصل رہی۔

آغاز تعلیم:

مولانا ظہور احمد بگویی نے بنیادی دینی تعلیم اور ابتدائی درسی کتابوں کا آغاز مولانا محمد ذاکر بگویی سے کیا۔

گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ و سرگودھا:

غالباً والد ماجد کی وفات کے بعد مولانا نے سکولی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس دوران دینی تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ کبھی سکول کی تعلیم کے ساتھ مقامی طور پر اور کبھی اس سے الگ بیرونی طور پر اکتساب علم کا عمل برابر چلتا رہا۔ نیم تک مولانا گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں رہے۔ آپ نے گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے میٹرک کا امتحان دیا اور پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی حیثیت میں مارچ 1919ء میں پاس کیا۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ بگویی بھیرہ سے تبدیل ہو کر سرگودھا میں بطور عربی ٹیچر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

اسلامیہ کالج لاہور:

اگست 1919ء میں حضرت حکیم محمد اکرم مرحوم (خلیفہ حضرت ثالث سیالوی) کے ذریعے پہلے صادق ایجنٹ کالج بہاول پور میں داخلے کی کوشش کی مگر وہاں داخلہ بند ہو چکا تھا، پھر بہاول پور کے ایک نواب صاحب کے حوالے سے اور سرمیاں فضل حسین صاحب سیکرٹری کالج کمیٹی انجمن حمایت اسلام لاہور کے خصوصی تعاون سے 7 ستمبر 1919ء کو ایف اے سال اول میں داخلہ لیا۔ یہ اسلامیہ کالج لاہور کا تعلیمی سیشن 1919-21ء تھا۔ اس اثنا میں آپ کا قیام برمکان مفتی مظفر الدین صاحب کوچہ سراج الدین بازار کشمیری لاہور جو حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے شاگرد اور مرید تھے، رہا۔ کالج میں داخلے اور اخراجات کے سلسلے میں اعانت و رہنمائی کے امور (مولانا کے مکتوب مورخہ 3 ستمبر 1919ء کے حوالے سے) حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوی کے علم میں تھے۔

اجراء ماہنامہ ضیاء حقیقت بھیرہ:

ابھی تعلیم ادھوری تھی کہ آپ نے صحافت کو اپنے لیے پسند کیا اور مولانا محمد نصیر الدین بگویی کے مشورے اور

اعانت سے نومبر 1920ء میں رجسٹرڈ ایل نمبر 1256 کے تحت ماہنامہ ضیاء حقیقت بھیرہ کا اجرا کیا۔

تفصیل دیکھئے باب ”شمس الاسلام“ دور اول کے تحت۔

تشکیل مجلس خلافت بھیرہ ضلع شاہ پور:

قیام جون 1920ء۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے زیر باب ”تحریک خلافت“۔

پہلا حج بیت اللہ:

برادر بزرگ مولانا محمد نصیر الدین گوی، ان کی اہلیہ اور ان کے پہلے شیر خوار بیٹے افتخار احمد کے ساتھ بھیرہ سے روانہ ہوئے۔ بمبئی پہنچ کر اپنے مکتوب مورخہ 15 جولائی 1920ء میں جناب سیٹھ عبدالرشید صدر مجلس خلافت بھیرہ کے نام لکھتے ہیں:

”راستہ کی تکلیف، شریف مکہ کے (حاجیوں سے زبردستی) بیعت لینے کا خوف، سمندر کا متلاطم ہونا، غرض تمام رکاوٹوں پر میرا جوش قلب غالب آیا۔ اب اعلاء کلمۃ الحق اور اظہار حق سے نہ جھکنے کا ارادہ مصمم کرتے ہوئے بندہ عازم حجاز ہوتا ہے۔ آپ کی ذات سے بندہ کو پختہ امید ہے کہ آپ خلافت کمیٹی بھیرہ کو قائم رکھیں گے۔ سیکرٹری میرے خیال میں خواجہ عبدالحمید حکیم یا شیخ غلام احمد منیجر رسالہ ضیاء حقیقت میں سے کوئی ایک (قائم مقام) سیکرٹری تجویز کر لیا جائے۔“

بمبئی سے حجاج کے جہاز ”سیال“ نے 24 جولائی 1920ء کو روانہ ہونا تھا۔

جذبہ اظہار حق:

مولانا مزید لکھتے ہیں:-

”ارادہ ہے کہ اگر شریف (مکہ) کی بیعت کا معاملہ حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو یا تو اپنا ایمان سلامت لے کر مالٹا یا عدم سدھاروں گا یا انشاء اللہ سینکڑوں حاجیوں کو بے ایمان بننے سے بچالیا جائے گا اور شریف (مکہ) کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے گا۔ سب سے زیادہ میری خواہش جو مجھے دیا محبوب کی طرف کھینچنے لگے جارہی ہے وہ سبز گنبد والے شہنشاہ، ہمارے مامن و مملکت، کشتی اسلام کو بھنور سے نکالنے والے ناخدا، حضور سرور کائنات ﷺ کے آستان اقدس کی جہہ سائی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ وہاں حاضر ہو کر روضہ اقدس کی جالی پکڑ کر جو دل میں آئے کہہ ڈالوں۔ دل کا ابال اور جوش نکل جائے۔ تمام فریادیں عرض کر دوں۔“

”اس مصیبت میں اگر تو بھی ہماری نہ سنے
اور ہم کس سے کہیں جا کے فسانہ اپنا
اور جو طوفان حوادث میں ہے بیڑا آیا
ڈھونڈتا پھرتا رہے تجھے دل شیدا اپنا“

ایک نو عمر اور نوجوان کا لہجی نوجوان کے جذبات دیکھتے جو وہ امت مسلمہ کی زبوں حالی اور غلامی سے بے تاب ہو کر بے
ساختہ کہہ رہا ہے۔ اسے اپنے جوش کے اظہار اور امت کی نصرت و اعانت کے لیے اہم موقع مل رہا ہے۔

ضبط فعال:

مزید لکھتے ہیں:

”غرض سب کچھ عرض کروں گا اور روضہ اقدس کے گرد پھر پھر کر اور چمٹ چمٹ کر، گستاخانہ
اور جہالت اور بے ادبی سے اپنے دل زار کا نقشہ کھینچ دوں گا:

یوں تو معلوم ہے سب تجھ کو ہماری حالت
لیک، اب ہم سے کبھی ضبط فعال ہو نہیں سکتا
کیا کروں؟ کیا کہوں! قلب و جگر کی کیا حالت ہے.....“

منفرد تجربہ:

1338ھ / 1920ء میں 26 اگست / 10 ذوالحجہ کو حج ادا ہوا تھا۔

مولانا کے پہلے سفر حج کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ مگر ایک بات واضح ہے کہ اس
سفر پر روانہ ہوتے وقت ان کے قلب و نظر پر عالم اسلام اور مسلمانوں کی عمومی حالت اور غلامی کا گہرا اثر تھا۔ تحریک
خلافت نے شریف مکہ اور انگریزوں کے خلاف جذبات کو مزید برانگیخت کر دیا تھا۔ ان کیفیات میں ان کا سفر حج
بلاشبہ قلبی اور روحانی تربیت کا مفرد تجربہ تھا۔

شادی:

مولانا محمد شفیق بگویی بن مولانا غلام محمد بگویی، بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب اور چیفس کالج لاہور میں علوم
اسلامی کے پروفیسر تھے۔ ان کی صاحبزادی محترمہ صفیہ بیگم کے ساتھ مولانا کی شادی 1923ء میں ہوئی۔ نکاح کے
بعد دلہن آبائی مکان بگوییہ منزل محلہ اہلی والہ بھیرہ میں اتری۔ انہوں نے تمام زندگی قرآن پڑھانے اور دین

سکھانے میں صرف کی۔ ان کی زندگی میں ان کا درس قرآن شہر کے بڑے اور ممتاز دروس میں شامل تھا۔ یہاں سے ہزار ہا بچیوں نے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کی اور ان کی حیات طیبہ سے اعلیٰ اخلاقی قدروں کا سبق لیا۔ وہ سراپا شفقت و محبت اور اپنی شاگردوں کے لیے ایک مثالی شخصیت تھیں۔ ان کا انتقال بعارضہ سرطان جگر 10 ستمبر 1967ء بروز اتوار ہوا اور خانقاہ بگوییہ بھیرہ میں آسودہ خاک ہیں۔

اولاد:

مولانا اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ مگر اہلیہ کے ایثار اور خدمت کی بنا پر دوسری شادی نہ کی۔

مجلس خلافت ضلع شاہ پور، سرگودھا:

تفصیل دیکھئے "تحریک خلافت" کے تحت، خدمات کے باب میں

جیل میں قید:

15 مارچ 1922ء سے آخر 1923ء تک مولانا بگویی خلافت اور ترک موالات کی ملک گیر تحریک کے نتیجے میں تعزیرات ہند کے تحت ضلع شاہ پور کے پہلے سیاسی قیدی بنے۔ اس دوران آپ جہلم اور راولپنڈی کی جیلوں میں مقید رہے۔ سی کلاس کے قیدی کے طور پر قید کی تمام مشقتیں خوشدلی اور استقامت سے نبھائیں۔

جیل میں دینی تعلیم:

مولانا محمد حسین دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کے استاد اور صدر مدرس تھے۔ آپ مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد اور حضرت ثالث سیالوئی کے مرید تھے۔ اور انہیں کے ارشاد پر مجلس خلافت ضلع شاہ پور سرگودھا کے غالباً دوسرے ضلعی صدر بنے۔ مولانا ظہور احمد بگویی ان کے شاگرد اور ان کے ساتھ مجلس خلافت ضلع شاہ پور کے معتمد تھے۔ دونوں استاد شاگرد ایک ساتھ تحریک خلافت میں اسیر فرنگ رہے۔ اسی طرح گہری علمی اور دینی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ دوران اسیری، مولانا سے سبقاً سبقاً دینی کتابیں پڑھیں۔ ان میں تفسیر، حدیث، فقہ اور معانی کے مضامین شامل تھے۔

جیل میں تربیت:

انگریز کے خلاف جدوجہد آزادی میں جیل جانا سیاسی اور دینی کارکنوں کے لیے گویا ایک معمول تھا جس کے لیے وہ ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ انگریز کی جیل آج کی جیلوں سے بہت مختلف تھی۔ مگر تمام تر مشقتوں اور

غلاظتوں کے باوجود، کارکنوں اور رہنماؤں کے لیے یہ ایک ایسی بھٹی تھی کہ جو اس میں گیا وہ کند بن کر نکلا۔ تعمیر سیرت اور تکمیل شخصیت کے لیے تین چیزیں اہم ہیں اور یہ جیل میں فراوانی سے دستیاب تھیں:

- ا۔ مطالعہ کتب
- ب۔ علماء و صلحاء کی صحبت و رفاقت
- ج۔ تزکیہ نفس اور تحلیل نفسی کے لیے عبادت اور تخلیہ

جیل کا مکتب:

مولانا ضیائی (شمس الاسلام، جولائی 1945ء) لکھتے ہیں:

”اس زمانہ قید فرنگ میں جہلم اور راولپنڈی کی جیلیں آپ کے لیے مکتب معلومات مذہبی بن گئیں۔ تاریخ اسلام کا بہترین مطالعہ کیا۔ اور سیرت نبویہ کو صحیح طور پر صرف دماغ میں محفوظ ہی نہ کیا بلکہ عشق و محبت کی سرشاری سے شان رسالت کے موضوع پر اپنی بساط کے مطابق عبور حاصل کیا۔ اس طرح علوم و فنون کے دروازے وا ہو گئے۔“ (ص 26)

اعلیٰ دینی تعلیم:

بیسویں صدی کی تیسری دہائی کا آغاز مولانا گوی کا اوائل جوانی تھا۔ تحریک خلافت و ترک موالات اور چہرہ جمعیۃ تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور میں زبردست خدمات کے دوران مولانا نے محسوس کیا کہ انہیں اعلیٰ دینی تعلیم کا منتقل سلسلہ پھر سے شروع کرنا چاہیے۔ چنانچہ جیل سے رہائی کے بعد حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی کے مشورے اور رہنمائی سے آپ سیال شریف تشریف لے گئے اور حضرت مولانا معین الدین اجمیری سے تکمیل تعلیم دی۔ جو دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں مقیم تھے اور مدرس اعلیٰ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

مولانا اجمیری کا تعلق علماء کے معروف سلسلہ خیر آبادی سے تھا، جنہوں نے انگریزوں کے خلاف زبردست جدوجہد کی تھی۔ آپ دیوبند سے فارغ التحصیل اور حضرت خواجہ ضیاء الدین ثالث سیالوی کے مرید تھے۔ مولانا جمعیت علمائے ہند کے نائب امیر، مجلس احرار اسلام ہند کے نائب صدر اور احرار کی کشمیر موومنٹ کے ناظم رہ چکے تھے۔ (ش 1، اپریل 2001ء، ص 7) اپنے دور کے بعض انگریز پسند علماء پر آپ کی علمی تنقید ایک شاہکار خدمت ہے۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین رابع سیالوی مولانا اجمیری کے شاگرد تھے وہ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کے مدرس اعلیٰ اور تعلیمی سرگرمیوں کے نگران رہے۔

مقدمہ پتھر والہ موضع سرکی (سون سکیسر):

مولانا 1924ء میں حضرت خواجہ ثالث سیالوی کے ہمراہ خلافت کے تبلیغی دورے پر تھے۔ وادی سون سکیسر میں مولانا ظہور احمد بگویی نے انگریزوں کی چیرہ دستیوں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے حوالے سے ایک زبردست تقریر کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی لوگ تقریر سے بہت متاثر ہوئے۔ بعض نوجوانوں نے مشتعل ہو کر موضع سرکی کے اس پتھر کو پاش پاش کر دیا جس پر انگریزوں کی مدد کرنے والے مقامی افراد کے نام کندہ تھے۔ پولیس اور سی آئی ڈی کے اہلکاروں نے تقریر اور اس کے اثرات کو حکومت کی مرضی کے مطابق بڑھا چڑھا کر رپورٹ کیا۔ تقریر کو اشتعال انگیز اور باغیانہ قرار دیا۔ چنانچہ حکومت نے فوجداری تعزیرات کے تحت مقدمہ چلایا جو ایس ڈی ایم (سب ڈویژنل مجسٹریٹ) چنیوٹ/خوشاب کے پاس زیر سماعت رہا۔ مختصر سے ریکارڈ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بگویی کی صفائی اور ضمانت کے لیے ان کے برادر زادہ مولوی رشید احمد بگویی مرحوم کے ہمراہ درج ذیل تین نیم سرکاری اہل کار بھیرہ سے شاہ پور گئے:

(1) جلال نمبردار ودھن (2) جعفر نمبردار حضور پور (3) فضل احمد قریشی نمبردار پنڈی کوٹ

زبان بندی:

مولانا کو جیل کی سزا تو نہ ہوئی، البتہ کچھ عرصے کے لیے تقریر کرنے پر پابندی لگ گئی۔

جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام شاہ پور، سرگودھا:

جیل سے رہائی اور زبان بندی کے دوران گو معتمد مجلس خلافت شاہ پور سرگودھا کا عہدہ آپ کے پاس رہا۔ تاہم سرکاری پابندی کے سبب اور ہندوؤں کی طرف سے ارتداد کی شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے جواب میں، آپ نے اپنی توجہ اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی تعلیم پر مرکوز کر دی۔ ادھر کمال اتاترک نے خلافت ختم کر کے ملک میں اپنی آمریت قائم کر لی تو خلافت کارہا سہا کام بھی ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ جمعیت کی تفصیل دیکھنے خدمات کے باب کے تحت۔

اجراء ماہنامہ شمس الاسلام سرگودھا:

تحریک خلافت میں قید کاٹنے کے جرم میں اور باغیانہ تقریروں کے الزام پر انگریزی حکومت کے کاغذات میں مولانا ظہور احمد بگویی اب سرکاری طور پر مجرم اور ریاست و حکومت کے مخالف قرار پائے تھے۔ چنانچہ جب آپ

نے پہلی بار شمس الاسلام کے ڈیکلریشن کے لیے کاغذات جمع کرائے تو پولیس رپورٹس کی بنا پر حکومت پنجاب نے ڈیکلریشن دینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ڈیکلریشن کی منظوری کی دوبارہ کوشش کی اور درخواست مولانا محمد ذاکر گبوی کے پرانے مرید اور اپنے دوست شیخ عبدالعزیز واحدی گھڑی ساز سرگودھا کی طرف سے دائر کی اور اعلان کیا:

”..... اسلام کی سب سے بڑی خدمت ایسے رسائل و اخبارات کے اجراء سے ہو سکتی ہے جو اصلی اور سچے اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور گمراہ کن تبلیغ اور اعتراضات کا مہذبانہ پیرایہ میں جواب دے کر اتحاد کی طرف تمام مسلمانوں کو دعوت دیں۔“

(شمس الاسلام، جون 1925ء، ص 4)

رسالہ رجسٹر ڈائل نمبر 1855 کے تحت اختر پریس سرگودھا سے چھپنا شروع ہوا۔

تفصیل پڑھئے باب ”شمس الاسلام دور ثانی“ کے تحت۔

اس دور میں قومی اور سیاسی امور پر تبصرے، دیگر مضامین کی طرح آپ کے قلم سے تحریر ہوتے تھے۔ مگر مروجہ پریس ضابطوں کی بنا پر ان سب پر جناب عبدالعزیز گھڑی ساز کا نام لکھا جاتا تھا۔ دور ثانی میں اخلاق کی اصلاح کے لیے تصوف اور اہل تصوف کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

شمس الاسلام کے اجراء میں چونکہ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوی کی تائید و اعانت شامل تھی اس لیے دربار عالیہ سیال شریف اور حضرت سجادہ نشین کے احوال و واقعات کا تذکرہ ضرور شامل اشاعت ہوتا تھا۔

ترک سکونت:

سرگودھا سے گوماہنامہ ”شمس الاسلام“ کا اجراء حضرت مولانا محمد ذاکر گبوی کی یاد میں تھا تاہم سرورق پر حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف کی سرپرستی اور نگرانی بھی مرقوم تھی۔

”خلاصہ اخبار“ کے تحت شمارہ جون 1925ء میں تحریر ہے:

مقامی حالات:

”مسجد جامع کی مرمت مکمل ہو چکی ہے۔ مدرسہ اسلامیہ کامیابی سے جاری ہے۔ شہر سرگودھا کے مشہور خادم اسلام مولانا ظہور احمد گبوی سیال شریف چلے گئے ہیں اور انہوں نے سرگودھا کی رہائش ترک کر دی ہے۔ لہذا ضلع خلافت کمیٹی مردہ ہو چکی ہے۔“ (شمس الاسلام، ص 40)

قیام سیال شریف:

کل مدت کا تو صحیح علم نہیں ہے تاہم قیام سیال شریف کے دوران مولانا ظہور احمد بگویی نے درج ذیل امور سرانجام دیئے:-

- ا۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوی کی معیت اور مجالست
- ب۔ حضرت کی سرپرستی میں روحانی اور دینی اسفار اور مجالس علمی میں شرکت۔
- ج۔ حضرت ثالث سیالوی کی طرف سے تقاریر اور خصوصی اعلانات بطور نقیب و سیکرٹری
- د۔ ماہنامہ شمس الاسلام کی ادارت اور طباعت
- س۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیری اور حضرت مولانا محمد حسین صدر مدرس دارالعلوم سیال شریف کے پاس تکمیل کتب اسلامی اور دورہ حدیث۔

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی دارالعلوم دیوبند میں:

حضرت خواجہ ثالث سیالوی خود عالم دین تھے، علم سے محبت کرتے تھے اور علمائے دین کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ ضلع شاہ پور خصوصاً اور پنجاب میں عموماً تحریک خلافت میں حضرت سیالوی کی بہت خدمات ہیں۔ 1926ء میں آپ وسطی ہندوستان کے دورے میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق دیوبند تشریف لے گئے۔ دارالعلوم کے اکابرین، اساتذہ اور طلبہ نے حضرت کا پر جوش استقبال کیا۔ ”ضرب شمشیر“ میں مولانا غریب اللہ ناظم دارالعلوم مجددیہ موضع مانکی تحصیل صوابی ضلع مردان سے مختصر تذکرہ سنئے:

”حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی (والد مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی) 1927ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت خواجہ صاحب کا شاہانہ استقبال کیا گیا اور ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں سہارن پور میرٹھ تک احباب آئے۔ خود حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری نے سپانامہ پیش کیا۔ حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے ان کے خادم خاص مولانا ظہور احمد بگویی نے جوابی تقریر کی۔ اور بڑی عزت و احترام سے حضرت خواجہ صاحب تین دن دارالعلوم دیوبند میں قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لائے۔“ (ص 60)

1926ء میں، مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف جھنگ، دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے۔ حضرت

سیالوئی کی دیوبند تشریف آوری کے بارے میں یہ تفصیل ذکر ذاکر کے مصنف نصرت علی اشیر چہ (ص: 43-44) بیان کرتے ہیں:

”26 اکتوبر 1926ء کو مولانا مغیث کو حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوئی کو دیوبند لانے کے لیے بھیجا گیا تو واپسی پر انہوں نے بتایا کہ حضرت بروز شنبہ 24 ربیع الثانی تشریف لائیں گے۔ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری اور مہتمم صاحب دعوت کی منظوری پا کر بہت خوش تھے۔ 30 اکتوبر کو حضرت خواجہ سیالوئی 12 بجے تشریف لائے۔ حضرت مہتمم صاحب اور دیگر اساتذہ کے ساتھ طلبہ کی کثیر تعداد نے استقبال کیا۔ مولانا ظہور احمد بگویی، حافظ نصیر الدین اور میاں اللہ داد خادم خاص ساتھ تھے۔ آپ کا اوپر کی درس گاہ میں قیام ہوا۔ شام کو مولانا محمد ذاکر نے (اپنے) کمرہ نمبر 14 میں فرنی اور شکر قندی کی دعوت غریبانہ پیش کی۔ شام کو حضرت آپ کے کمرہ میں تشریف لائے اور مولانا کی فرنی اور شکر قندی کی دعوت کو قبولیت بخشی۔ مولانا محمد ذاکر فرماتے ہیں یہ لمحہ ان کے لیے نہایت سعید تھا۔

31 اکتوبر کو دارالعلوم دیوبند میں عام چھٹی کردی گئی اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوئی کے اعزاز میں ایک جلسہ استقبالیہ ہوا جس میں مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور استاد سید انور شاہ کشمیری نے تصوف پر عالمانہ تقریریں فرمائیں۔ مولانا ظہور احمد بگویی نے (جوابی تقریر کی اور) حضرت سیالوئی کی طرف سے شکر یہ ادا کیا۔ آپ نے فرمایا:

”ہم بھی اپنی جگہ حنفی ہیں لیکن صحیح اور اصلی حنفیت ہم نے یہاں آ کر دیکھی ہے“

کلمہ نمبر کو آپ (حضرت سیالوئی دیوبند سے) کلیر شریف روانہ ہو گئے۔

اس موقع پر مولانا اعزاز علی نے اپنی تصانیف دستخطوں کے ساتھ مولانا بگویی کو تحفہ دیں۔

نئی جہتیں، نئی سوچیں:

1919ء سے 1925ء تک مولانا ظہور احمد بگویی کی تعلیمی مصروفیتوں اور ادارتی، سیاسی اور دینی سرگرمیوں کا اجمالی تذکرہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ دیکھنے اور سیکھنے والوں کے لیے دنیا میں ہر دن ایک نیا تجربہ اور ہر مرحلہ ایک نئی جہت ثابت ہوتا ہے۔ تحریک خلافت برصغیر کے علماء و مشائخ اور مسلمانوں کی منفرد متحدہ اور متفقہ جدوجہد تھی۔ جسے آل انڈیا نیشنل کانگریس، جمعیت علماء ہند اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ تمام قابل ذکر علماء، علمی حلقوں اور

سجادہ نشینوں کی حمایت حاصل تھی۔ ادھر ترک موالات گویا سیاسی رخ لے چکی تھی مگر عدم تشدد کے ساتھ یہ بھی واحد تحریک تھی جب ہندو مسلم، سکھ اور دیگر تمام ہندوستانی اقلیتیں متفق اور متحد تھیں۔ مگر جنگ عظیم اول کے بعد عالمی استعمار کا پنجہ استبداد اور مضبوط ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا کلبت و ادبار زیادہ اور ان کے مصنوعی حکمرانوں کی بزدلی، عیاری اور ملت فروشی بڑھ چکی تھی۔ 1925-27ء تک کا عرصہ مولانا بگویی نے زیادہ تر سیال شریف گزارا مگر ان کا بھیرہ سے تعلق اور قیام بڑھتا چلا گیا۔ حضرت خواجہ ثالث سیالوی کے قریبی توجہ و تعلق نے مولانا کی دینی اور روحانی صلاحیتوں کو نکھارا اور آپ کی رفاقت و نیابت نے مولانا کو نئی جہتوں سے روشناس کیا۔ اب مولانا نئے عزائم اور پُر جوش ولولوں سے لبریز تھے۔ ان کی نظریں بہت آگے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی تگ و تاز کوئی اور وسیع جولان گاہ درکار تھی۔

بھیرہ مراجعت:

مولانا محمد یحییٰ بگویی کریم النفس اور عبادت گزار استاد تھے۔ نظم و نسق مختلف مزاج چاہتا ہے۔ ان کے قائم مقام صاحبزادہ حکیم مختار احمد بگویی درویش منش اور سیلانی الطبع نوجوان تھے۔ چنانچہ مولانا محمد یحییٰ بگویی کی عدم موجودگی، ان کی تدریسی اور روحانی مصروفیات اور مستقل آمدن نہ ہونے کی وجہ سے مسجد اور مدرسہ دونوں کے انتظامی امور متاثر ہوئے اور احسن طور پر برقرار نہ رہ سکے۔

دین کے یہ ادارے اپنی نشاط ثانیہ کے لیے مولانا بگویی کے منتظر تھے۔

1927ء میں مولانا ظہور احمد بگویی مستقل طور پر بھیرہ منتقل ہو گئے۔

1928ء میں مولانا نے اپنی رہائش اندرون شہر کے آبائی مکان سے جامع مسجد بھیرہ کی نامکمل ڈیوڑھی پر

منتقل کر لی۔ گویا بے سروسامانی کے عالم میں شہر سے باہر ویرانے میں نئے سفر کا آغاز کر دیا۔

مسجد اور مدرسہ کا انتظام:

اعلیٰ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کی رحلت تک دونوں جامع مسجد اور دارالعلوم کا انتظام و انصرام بڑی خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ ان کی خدمات کا تذکرہ، اعلیٰ حضرت کے حالات زندگی کے تحت گزر چکا ہے۔ 1908ء میں ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کی مسلسل توجہ اور ذاتی نگرانی میں مولانا محمد یحییٰ بگویی ٹلمبداشت کرتے رہے۔ 1916ء میں مولانا محمد ذاکر بگویی کی وفات سے 1918ء میں مولانا محمد یحییٰ بگویی کے سرگودھا تبادلے تک آخر الذکر ذاتی توجہ سے برابر نگرانی کرتے رہے۔ مسجد اور مدرسہ کی خدمات کا ذکر، ان دونوں بزرگوں کے سوانح کے تحت پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ اپنی غیر حاضری میں مولانا محمد یحییٰ بگویی نے اپنے برادر زادہ

صاحبزادہ حکیم مختار احمد بگوی بن مولانا محمد ذاکر بگوی کو اپنی جگہ قائم مقام اور مختار نامزد کیا۔ خود ہفتہ وار تشریف لاتے۔ نمازیں اور جمعہ مولوی مختار احمد بگوی اور حافظ نظام دین سرو بہ مرحوم پڑھاتے تھے۔ یوں گو قدرے غیر مضبوط اور غیر منظم مگر تو لیت، اہتمام اور دیکھ بھال کا سلسلہ بہر حال قائم رہا۔

درپیش چیلنج:

مولانا بگوی کثیر المطالعہ، وسیع المشرّب اور تعمیری افکار سے بہرور تھے۔ خلافت کے دوران، پھر اس کے بعد اکیلے اور آخر میں حضرت خواجہ ثالث سیالوی کے ہمراہ ہر طبقے کے اشخاص، علماء اور مشائخ سے مل چکے تھے۔ چنانچہ آپ کے نزدیک ملت اسلامیہ کو درج ذیل چیلنج (Challenges) درپیش تھے:

- 1- اتحاد علماء و مشائخ
- 2- مسلک اعتدال و اصلاح کی ترویج
- 3- فرقہ ہائے باطلہ کا تعاقب، تردید اور ان کا تدارک
- 4- علوم دینیہ کی اشاعت، نصاب کی تجدید نئے علوم و فنون کے ساتھ
- 5- تبلیغ و اشاعت کے لیے باقاعدہ ماہنامہ رسالے کا اجراء
- 6- تبلیغی، اصلاحی، تعلیمی اور دینی خدمات کے لیے ایک مرکزی تنظیم کا قیام
- 7- تحقیق و افتاء اور ریفرنس کے لیے کثیر المقاصد اور وسیع البیاد لائبریری
- 8- علاقائی اور ملکی امور پر وحدت فکر اور مشترکہ لائحہ عمل کے لیے سالانہ جلسے۔
- 9- کارکنوں کی تربیت کے لیے اجتماعات / مذاکرے۔
- 10- جامع مسجد بھیرہ کی تعمیراتی دیکھ بھال اور مرکزیت کے لیے اقدامات
- 11- عورتوں اور بچیوں کی تعلیم اور تربیت
- 12- معاشرے کے عمومی بگاڑ اور نقصان دہ رسومات کی اصلاح
- 13- دارالاشاعت۔ دینی اور سماجی مسائل پر رہنمائی کے لیے اشاعت کتب و رسائل
- 14- نوجوان عالموں کو فن تبلیغ و تقریر سے روشناس کروانے کے لیے اکیڈمی کا قیام
- 15- علاقے کی مساجد اور آئمہ کی حالت بہتر بنانے کے لیے کوششیں
- 16- برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی اور عمرانی حقوق کے لیے جدوجہد

انگریزوں کی چالیں:

واقعہ یہ ہے کہ تحریک خلافت نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے تمام فرقوں اور جماعتوں کو اور ہندوستان کے تمام لسانی گروپوں اور سیاسی پارٹیوں کو متحد و متفق کر دیا تھا۔ اس تحریک نے ہندوستانیوں کو ترک موالات کے ذریعے سول نافرمانی کا حوصلہ دیا اور عدم تشدد کے ذریعے بنیادی حقوق کی بازیابی کے لیے واضح اہداف بتائے۔ انگریزی اقتدار کے لیے یہ سب ناپسندیدہ اور خطرناک تھا۔ اس بے مثال اتحاد کو پائمال کرنے کے لیے انگریز نے دو چالیں چلیں۔

ا۔ مسلمانوں کے اندر فرقہ واریت کی حوصلہ افزائی۔ خصوصاً قادیانیت کی پشت پناہی

اور عیسائی مشنری سرگرمیوں کی باضابطہ سرپرستی۔

ب۔ ہندوستانیوں کو باہم دگرگڑانے کے لیے ہندو مسلم اختلافات اور جگہ جگہ فرقہ وارانہ فسادات کی

درپردہ حمایت۔

مذہب باطلہ کی یلغاروں کا مقابلہ:

تحریک خلافت کے بعد ہندوستان کے مذہبی افق پر جو منظر نظر آ رہا تھا اس میں سب سے پہلے شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا آغاز تھا۔ ہندو انتہا پسندوں کا خیال تھا کہ صدیوں پہلے جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے انہوں نے یہ کام مسلمان حکمرانوں کے جبر کے تحت اور مجبوراً کیا تھا۔ اب انہیں لوٹ کر ہندومت اپنانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی قادیانیت پورے جوش اور منظم ارادوں کے ساتھ ارتداد پر تل گئی۔ عیسائی مشنریوں نے تعلیم اور صحت کی آڑ میں میدان خالی پا کر اپنی تبلیغ تیز کر دی۔ شیعہ مذہب جو صدیوں سے سنی مذہب کا ہمسایہ ہے، عصمت انبیاء اور عظمت صحابہ کے بارے میں کھلے عام قرآن و سنت سے متعارض ہونے لگا۔ مولانا گبوئی، ملت اسلامیہ کے ان چند زعماء میں سے ہیں جنہوں نے مسائل کی سنگینی کا ادراک کیا اور زبردست عملی اقدامات پر کمر بستہ ہو گئے۔ مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل لکھتے ہیں:

”یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم نے باطل فرقوں کے مقابلہ میں حمایت حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر جس بے جگری اور جرأت و ہمت سے کام لے کر جہاد شروع کر رکھا تھا۔ اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے۔ تمام ہندوستان میں آپ نے دورہ کر کے مرزائیت و شیعیت کے خلاف وہ کامیاب تقریریں کیں جن سے ان باطل گروہوں کے تمام مساعی اور

پھیلائے ہوئے جال بے کار ہو گئے۔ یوں تو تمام پنجاب کے مسلمانوں کو آپ نے پیغام حق پہنچا پہنچا کر ان کے مردہ قلوب میں زندگی کی لہر دوڑادی تھی لیکن خصوصاً شمال مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو مرزائیت، شیعیت اور دوسرے فتنوں اور گمراہیوں سے بچانے اور شب و روز مسلسل سفروں کی صعوبتیں برداشت کر کے اور ہر معرکہ میں پہنچ کر اور اپنی جادو بیانی اور فصیح اللسانی کے آب حیات سے مردہ دیہاتیوں میں نئی زندگی پیدا کر کے ان کو بیدار رکھنے کا جو کارنامہ آپ نے کر دکھایا ہے وہ ایک ایسا جہاد اکبر ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان علاقوں کی حالت اور مولانا مرحوم کی جدوجہد کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ:

شورشِ عندیب نے روح چمن میں ڈال دی
ورنہ کلی کلی یہاں مست تھی خواب ناز میں

(شمس الاسلام، مئی 1945ء۔ ص 36)

تشکیل حزب الانصار:

5 نومبر 1929ء کو آپ نے شہر کے مختلف محلوں اور خاندانوں سے چیدہ چیدہ اصحاب کو دعوت دی۔ جامع مسجد بھیرہ میں اجتماع ہوا۔ آپ نے سب کے سامنے ملک کے عام حالات اور خصوصیت سے مسلمانوں کی حالت زار بیان کی۔ بھیرہ کے حوالے سے پیش منظر کا جائزہ لیا۔ بحث و تمحیص کے بعد سب نے متفقہ طور پر **کل ہند مجلس مرکزیہ حزب الانصار** کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نئی جماعت کے امیر قرار پائے۔ 1929ء سے 1945ء تک مجلس حزب الانصار کے تحت مولانا نے درج ذیل ادارے اور شعبے قائم کیے۔

- 1- مرکزی حزب الانصار کا سیکرٹریٹ۔
- 2- ماہنامہ شمس الاسلام کا باقاعدہ اجرا۔
- 3- دارالعلوم عزیز یہ کی تنظیم نو اور فعال انتظام۔
- 4- جامع مسجد بھیرہ کی بحالی اور بہتری۔
- 5- تولیت اور خطابت مسجد کا باضابطہ نظم اور انصرام۔
- 6- بھیرہ میں سالانہ جلسہ کا اہتمام۔
- 7- علاقے اور ملک بھر میں تبلیغی دورے اور جلسے۔

- 8- اصلاح رسوم اور اصلاح کے لیے کوششیں۔
 - 9- تردید مذاہب کے لیے کتابوں کی تالیف و اشاعت۔
 - 10- عورتوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مساعی۔
 - 11- افتاء اور تحقیق مسائل کے لیے مرکز۔
 - 12- عام تعلیم کا فروغ۔
 - 13- ائمہ مساجد اور کارکنوں کی تربیت اور دارالمبلغین کا آغاز۔
 - 14- اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے تحریکوں میں شمولیت۔
 - 15- جدید اور قدیم کتابوں سے آراستہ شاندار **عزیزہ لائبریری** کا قیام۔
- حزب الانصار کے عنوان کے تحت درج بالا اداروں اور شعبوں میں حضرت مولانا ظہور احمد بگویہ کی شاندار اور بے شمار خدمات کی تفصیل آگے آئے گی۔

تشکیل مسلم لیگ بھیرہ:

حضرت مولانا بگویہ کانگریس کے مسلم بیزار رویوں اور ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری سے نالاں رہے۔ چنانچہ 1930ء میں آپ نے بھیرہ بلکہ پورے ضلع شاہ پور میں پہلی بار آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ قائم کی۔ مقامی احباب اور رفقاء نے آپ کو بطور داعی پارٹی کا مستقل صدر منتخب کیا۔ تفصیل تحریک پاکستان کے عنوان کے تحت آگے پیش ہوگی۔

روانگی حج بیت اللہ:

اللہ تعالیٰ نے مولانا بگویہ کو دوسری بار حج کی سعادت عطا کی۔ چنانچہ آپ مع اہل و عیال 13 فروری 1936ء کو کراچی سے اسلامی جہاز کے ذریعے عازم حجاز ہوئے۔ اس سفر میں بھیرہ اور نواح کے بہت سارے معتقد اور رفقاء کے علاوہ آپ کی اہلیہ محترمہ، بعض پراچہ خاندان بشمول اہلیہ چودھری فضل احمد پراچہ مرحوم اور مولانا افتخار احمد بگویہ بھی شریک سفر تھے۔

علامہ رحمت اللہ ارشد معاون مدیر شمس الاسلام فروری 1936ء کے شمارے میں لکھتے ہیں:

”..... بہت سے اہالیان بھیرہ نے محض آپ کی رفاقت کو مد نظر رکھتے ہوئے حج مبارک کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ حضرت ممدوح کی تین چار ماہ مرکز میں عدم موجودگی تمام عملہ اور کارکنان کے

لئے یقیناً پریشان کن ہے۔ بہر حال ہم آپ کی خدمت میں نہایت ہی مخلصانہ ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔“ (ص 53)

سفر حج سے واپسی:

13 اپریل 1936ء کو حضرت مولانا گویٰ حج سے لوٹے۔ 13 اپریل کو ملک وال جنکشن، میانی، حضور پور اور بھیرہ کے ریلوے سٹیشنوں پر عوام کا زبردست اژدحام تھا۔ اہالیان بھیرہ جو آپ کے ساتھ والہانہ جذبات اور محبت سے غرق تھے، یہ اس کا نتیجہ تھا کہ لوگ اپنے مذہبی قائد کی زیارت کے لیے بے تاب نظر آتے تھے۔ مددِ رحمت اللہ ارشد مدیر معاون اور ناظم دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ نے ہدیہ تبریک کے تحت اس کی تفصیل شمس الاسلام، جون 1936ء، ص 30-31 میں بیان کی ہے۔

بیعت:

آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سراجیہ میں کھولہ شریف ضلع میانوالی کے بانی خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا بسعد احمد خان نقشبندی مجددی سے بیعت تھے۔

شاہ ولی کے لیے دعا:

حضرت مولانا خان محمد سجاد و نشین خانقاہ سراجیہ کنڈیاں شریف راوی ہیں:

”حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری راوی پندھی جیل میں اسیر تھے۔ وہاں مولانا ظہور احمد گوی بھیس وئی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ ولی نے مولانا کے ہاتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ ”آپ زندہ ہوں، اور میں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند ہوں۔ یہ بات مناسب نظر نہیں آتی“۔ مقصود رہائی کے لیے دعا کی درخواست تھی۔ مولانا خان محمد نے فرمایا کہ میں ان دنوں بھیرہ میں درسیات عربیہ کا طالب علم تھا۔ مولانا گوی نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ ولی کا پیغام دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا: ”اگر عدالت طبعی حاکم نہ ہوتی تو میں شاہ ولی کو ایک دن بھی جیل میں نہ رہنے دیتا۔“

(تختہ سعدیہ، ص 117)

وصیت شیخ کا اعلان:

حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان نے اپنی وفات سے آٹھ ماہ قبل ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا اور اپنے پس ماندگان، مریدین اور احباب سلسلہ کے لیے ہدایات فرمائی تھیں۔ آپ کی نماز جنازہ کے بعد کتبہ شریف نصحیہ میں نوان کے ایک بڑے اجتماع میں مولانا ظہور احمد جگونی نے وہ وصیت نامہ باواز بند پڑت کرنا دیا۔ اس وصیت نامے پر عمل درآمد کے لیے مولانا جگونی نے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں اور احباب سلسلہ خصوصاً حکیم عبدالحمید احمد سینھی مرحوم کے قاون سے تمام مشقوں اور قیادت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا۔ اس وصیت نامے کے اہم حصے پیش خدمت ہیں۔

وصیت نامہ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہ العزیز:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بعد حمد و عسوقہ تمام اقرب و احباب کی خدمت میں اتم اس ہے کہ چونکہ فقہ کے

حدیث منقول صحیحہ حقیقی امریٰ مسلمہ نہ شے یو صی فیہ یبینه لیبتین لا وہ صیہ مکتوبہ عدوہ

مسلمان پر لازم ہے کہ بہ شمر احتیاطاً تمام امور قابل وصیت و حیرت تحریر میں رکھے۔ اس لیے فقہی و سنی احکامات

میں جبکہ اس کے ہوش و حواس بجا اور قوائے عقلیہ و ذہنیہ درست ہیں اور جب کہ بحکم شریف شریف قرآن مجید و

معتقہ ہے۔ چند وصیہ اپنے اقرب و متعلقین اور احباب و متوسلین کی اصلاح کے لیے تحریر میں لکھنے تاکہ فقہ کے

بعد کوئی امر موجب خیر اور باعث نفع باقی نہ رہے۔ تمام اصحاب سے سمجھنا ہے کہ وہ ان تمام امور و مشور

بجواب ہونے کے متعلق اپنا حلیہ بیان کرے اور اس کو باعث خیر و نفع نہ ہونے میں اس

ریک لا اصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا اللہ علیہ و توکلت علیہ

فقہی کی وفات کے بعد تجزیہ و تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر و تفسیر

جمعیں۔ نماز جنازہ و جمعیت کثیر کے ساتھ مولانا عبد اللہ صاحب کی قبر میں لکھی جائے۔ بول کہ مولانا

عبدالحمید و غیریہ و غیریہ لکھی جائے۔ تم میں روزیہ چوہہ نوحہ کرنا حرام ہے۔ اس سے نفعی پارہا نہ رہے۔ اور

بانی مذکور اس قسم کی رسوم کے مرتکب ہو نہ ہوں گے۔ اور ایک ہفتہ تک فقہی کی قبر پر وضو نہ کرنا اور شریف

مستغفر و درخت قرآن کے ساتھ شوبہ بخشتا جائے۔ اس کے بعد اولیٰ اولیٰ خیرات اور ان کے ساتھ جمع ان میں

نمائش و تقدیر کا شائبہ نہ ہو۔ یہاں شوبہ لکھی جائے۔

فقہی اپنی خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین مولانا محمد عبداللہ صاحب مدنیوں و مقربوں کی وصیتوں کے مطابق اور

وردی سوزنی سے تقسیم ہو کر دیا ہے۔ وہ اس خلیفہ شریف میں جس بار منگنا وہاں یہاں پہنچے۔

رہ کر ترویج سلوک اور توسیع سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا۔ خانقاہ کے ملحقہ مکانات جن میں کتب خانہ، تسبیح خانہ، مہمان خانہ، غسل خانہ، اور پانچ کمرے درویشوں کے قیام کے لیے ہیں، سب مولوی صاحب کی تفویض و تولیت میں رہیں گے۔ وہ حسب ضرورت و مصلحت ان کو زیر استعمال رکھیں گے۔ کوئی دوسرا شخص ان کے تصرف و استعمال میں مزاحم ہونے کا مجاز نہ ہوگا۔

مسجد کے امام مولوی عبداللہ صاحب سجادہ نشین ہوں گے۔ وہی خانقاہ کے متولی ہوں گے۔ دونوں کی حفاظت و عمارت ان کی سپردگی میں رہے گی۔ امام ہمیشہ مولوی عبداللہ رہیں گے۔ یہ منصب بھی سجادہ نشینی کے ساتھ دوام مولوی عبداللہ کے لیے مخصوص رہے گا۔

خانقاہ کا کتب خانہ بفضلہ تعالیٰ اپنی وسعت اور کتابوں کی کثرت و نفاست کے لحاظ سے پنجاب کا ایک بے مثال مہذب بن گیا ہے۔ اس کی شان رفعت کو برقرار رکھنے کے لیے اس کی تمام الماریوں اور کمرے سمیت وقف کیا جاتا ہے۔ اس کے متولی بھی مولوی محمد عبداللہ صاحب مذکور ہوں گے۔ اب اس کتب خانہ اور اس کے متعلق سامان اور کتابوں میں تواریث و تملیک اور تقسیم جاری نہ ہوگی۔

مدرسہ تعلیم القرآن جو خانقاہ شریف میں قائم ہے اور اس کے مصارف بعض مخیر اصحاب کی ہمت سے چل رہے ہیں۔ اس کے متولی اور مہتمم بھی مولوی محمد عبداللہ ہوں گے۔ حتی الوسع اس مدرسہ کے قیام و بقا بلکہ توسیع و ترقی کی کوشش کی جائے۔

تمام برادران سے استدعا ہے کہ وہ اشاعت سلسلہ اور ترویج سلوک میں سعی بلوغ کرنا لازم سمجھیں۔ اتباع سنت کی شاہراہ سے سرمؤخراف نہ کریں اور بدعات سے محترز رہنا اہم واجبات سے تصور کریں۔ آخر میں خاص مولوی محمد عبداللہ صاحب کے لیے یہ وصیت ہے کہ:-

اول: وہ بحیثیت سجادہ نشین توسیع سلسلہ و ترویج سلوک میں پوری توجہ اور انہماک لگے ساتھ ساعی رہیں۔

دوم: طہریقت کے آداب و شرائط کا پورا لحاظ رکھیں۔

سوم: اتباع سنت و اجتناب عن البدعت کو اپنا فرض سمجھیں۔

چہرہ دنیا دار، امراء و رؤساء کے دروازے پر جانے سے پرہیز کریں۔

پنجم: اپنے برادران سلسلہ کے ساتھ خلق و مروت، تواضع و انکسار اور اخوت و مساوات کا سلوک رکھیں۔ ترفع و تعلیٰ

کے خیال سے مجتنب رہیں۔

ششم: اپنے شیخ کی اولاد کی خدمت و خیر خواہی لازم سمجھیں۔

فقط۔ وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

(بحوالہ ضمیرہ شمس الاسلام بھیرہ۔ اپریل 1941ء)

خاندانی نزاع: 336

مولانا محمد یحییٰ بگٹی کے حالات کے تحت اس ناخوشگوار خاندانی جھگڑے کا ذکر گزر چکا ہے جب دونوں بھائیوں کے درمیان شاہی جامع مسجد بھیرہ کی تولیت اور خطابت کے حوالے سے اختلاف پیدا ہوا۔ ابتدا میں چند انتہائی امور پر اختلافات پیدا ہوئے جب مولانا محمد یحییٰ بگٹی نے بگٹی کے ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور ان کی قوجہ بھیرہ کے دینی اداروں پر مرکوز ہوئی۔ بعد ازاں مقامی مفسدین اور منافقین کی گائی بھگٹی سے صورت حال بگڑنے لگی۔ تب شہر اور علاقے بھد صوبے کے علماء اور زعماء نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا۔ اس انتہائی خوشگوار واقعہ کے بارے میں مولانا محمد سعید الرحمن علوی بن مولانا محمد رمضان علوی خسیب جامع مسجد شادان کا بگٹی نے ہوا اپنے مضمون ”شاہی کے علمی امتیازات“ کے تحت رقمطراز ہیں:-

”مولانا ظہور احمد بگٹی نے اپنا ثابت شاہی (مولانا سید عتہ اللہ شاہ بخاری) کو تجویز کیا تو مولانا محمد یحییٰ بگٹی نے معروف چشتی خانقاہی سیال شریف کے سجادہ نشین خواجہ قمر الدین کو خواجہ قمر الدین اس وقت کے نشین پنجاب میں سب سے بڑے نام تھے۔ جنہیں سندھی آباد کے بزرگ عالم مولانا معین الدین اجمیری کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ ویسے خواجہ صاحب اپنی علمی سند کے حوالے سے بڑے فخر سے فرماتے کہ میری سند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کا اسم گرامی ہے جنہوں نے پیغمبر اسلام کی تعریف میں وہ نکات بیان کیے کہ مولانا کے بڑے بڑے نکتہ چینیوں کی فہرست کے گرداگرد نہیں پہنچ سکتی۔

میرے والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی کے بقول اس نزاع کے فیصلہ کے لیے سرگودھا شہر کی جامع مسجد میں اجلاس ہوا۔ نفع شاہ پور (اب سرگودھا) کے عارف و عالم کے مقامات کے جید علماء اور فقیہین کے ہمراہ بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مسند اس قسم بات کہ فقہی سرمایہ پر عبور رکھنے والے شخص ہی اس میں عبور رکھتا تھا۔ جبہ شاہی کے متعلق ایک

فقید المثل خطیب کی شہرت تھی لیکن مولانا ظہور احمد بگویی جیسے ذہین شخص نے اپنے شیخ طریقت مولانا احمد خان نقشبندی مجددی کے اشارہ سے شاہ جی کا جو انتخاب کیا تھا وہ بلاوجہ نہ تھا۔ ہمیں اعتراف ہیں کہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی ایک بہت پختہ کار اور جید عالم تھے لیکن یہ بات تاریخ میں محفوظ ہے کہ شاہ جی نے کتب فقہ و فتاویٰ کی روشنی میں اپنے موکل کا مقدمہ اتنی خوبصورتی سے لڑا کہ فیصلہ مولانا ظہور احمد بگویی کے حق میں ہوا اور پھر مولانا ظہور احمد بگویی اپنی ساری زندگی شیر شاہی مسجد بھیرہ کے متولی اور خطیب رہے۔ چونکہ وہ خود اولاد سے محروم تھے اس لیے ان کے بعد ان کے برادر بزرگ مولانا نصیر الدین بگویی کے فرزند مولانا افتخار احمد بگویی جانشین ہوئے۔ اور اب ان کے فرزند برادر عزیز ابرار احمد بگویی اس منصب پر فائز ہیں۔ اس فیصلہ کے نتیجہ میں شاہ جی کی علمی دھاک بیٹھ گئی اور بالخصوص شمالی پنجاب میں اس فیصلہ اور شاہ جی کے علمی دلائل کا زبردست چرچا ہوا۔

(امیر شریعت نمبر۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان۔ حصہ دوم۔ ص 333-4)

بھیرہ میں چائے کا رواج:

بیسویں صدی کی تیسری دہائی تک بھیرہ میں چائے کا اتنا رواج نہ تھا اور کھاتے پیتے گھروں میں یہ کوئی معتاد مشروب نہ تھا۔ بعض خواجہ فیملی میں البتہ قہوے کا رواج تھا کیونکہ یہ روایت ان کے تاجر لوگ سنٹرل ایشیا اور افغانستان سے لائے تھے۔ مولانا بگویی کا بمبئی، کلکتہ، لاہور اور دہلی کے ساتھ مسلسل رابطہ تھا اور وہاں وہ کئی کئی ہفتے قیام کرتے اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ خاندان بگوییہ اور بعض قریبی حلقوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ بھیرہ میں چائے کا ذوق مولانا ظہور احمد بگویی لائے اور ان کے ذریعے یہ رواجی مشروب بنا۔ جب آپ طویل سفر پر جاتے تھے تو دیگر سامان کے ساتھ ایک چوبی صندوق بھی ہمراہ ہوتا تھا۔ اس میں چائے کی چینک، پیالیوں اور دیگر برتنوں اور لوازمات کے لیے الگ الگ خانے بنے ہوئے تھے۔ خادم کو چائے بنانے کی خصوصی مہارت اور مستعدی حاصل ہوتی تھی جو ایک سلیقے کے ساتھ قہوے کو دم دیتا اور گرم کردہ پیالیوں میں چائے بناتا تھا۔ نین کے سبز ڈبے میں سر بند دار جیلنگ چائے اور تازہ دودھ استعمال ہوتے تھے۔

بیاریاں:

عمومی طور پر مولانا ظہور احمد بگویی اچھی صحت کے مالک رہے۔ اتنی ذمہ داریوں، بے پناہ مصروفیتوں اور

کثیر سفروں کے باوجود وہ بیماریوں سے بچے رہے۔ تاہم بوا سیر اور نوا سیر کے علاوہ معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں ذیابیطس بھی لاحق ہو گئی تھی۔ علاج معالجے میں ان کے ہاں تعصب نہیں تھا۔ طبی مشوروں کے علاوہ وہ ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی سے بھی استفادہ کرتے تھے۔

آستانہ سیال شریف سے تعلق اور عقیدت:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کا آستانہ سیال شریف کے ساتھ نہایت گہرا اور مخلصانہ تعلق رہا۔ اس تعلق کی بنیادیں گہری اور بوجہ ذیل مضبوط تھیں:

- 1- والد ماجد مولانا عبدالعزیز بگویی بانی سلسلہ سیال شریف حضرت اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالوی کے مرید اور مجاز خلیفہ تھے۔ یہی شرف اور امتیاز ان کو حضرت خواجہ محمد دین ثانی سیالوی سے بھی حاصل تھا۔
- 2- برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر بگویی، حضرت ثانی سیالوی اور حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ثالث سیالوی کے مرید اور مجاز خلیفہ تھے۔ بلکہ بقول مولانا بخود جالندھری:
- 3- مولانا محمد ذاکر بگویی آستانہ سیال شریف کے نہ صرف مرید تھے بلکہ اپنے جلیل القدر مرشد کی مراد بھی تھے۔ حضرت ثالث سیالوی کی قیادت اور سیادت میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں بھرپور شرکت اور پھر ڈیڑھ سالہ قید فرنگ کا اعزاز۔
- 4- سیال شریف میں قیام، حصول تعلیم اور تکمیل سلوک۔
- 5- حضرت ثالث سیالوی کے ساتھ مختلف علمی اور دینی سرگرمیوں میں شرکت اور بطور معتمد خاص پورے ہندوستان میں مسلسل رفاقت و معیت۔
- 6- سیال شریف کے دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام اور جمعیت ضیاء الاسلام کی تشکیل، تنظیم اور دیگر امور علمی و انتظامی میں برابر مشاورت اور اعانت۔

اس تعلق اور عقیدت کی تفصیلات رسالہ **ضیاء حقیقت اور شمس الاسلام** میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ ذیل میں دو مبارک تقریبات کی تفصیل پیش خدمت ہے جس میں مختلف اکابر اور خلفاء موجود تھے اور ہزاروں کی تعداد میں سیال شریف کے مریدین اور معتقدین بھی حاضر تھے۔ ان موقعوں پر حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نے آستانہ سیال شریف کی بڑی موثر اور بھرپور نمائندگی کا حق ادا کیا۔

عرس حضرت اعلیٰ سیالوی:

11 تا 13 ستمبر 1925ء مطابق 22 تا 24 صفر 1344ھ بمقام سیال شریف یہ تقریب عرس مبارک اعلیٰ حضرت محبوب رب العالمین شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ العزیز ہزار ہا انسانوں کا اجتماع ہوا۔ علماء، مشائخ، امراء، عوام الناس غرض ہر طبقہ کے افراد کا ایک عظیم الشان گروہ خلوص نیت کے ساتھ فیوضات باطنی حاصل کرنے کی غرض سے جمع تھا۔ نماز ادا کرنے کے لیے بعض اوقات جگہ حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ مسجد کا صحن، مجلس خانہ اور اس کا صحن سب بھر جاتے تھے۔ صبح و شام کئی واعظوں نے اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفیض کیا۔ سلطان الواعظین مولانا محمود گنجوی، مولوی سید عبداللہ شاہ ملاکونوی، مولوی غلام محمد سرسی، مولوی امام الدین کندوالی، مولوی منیر شاہ واعظ خوشابی اور کئی خوش بیان مقررین کی تقاریر کو لوگوں نے دلچسپی سے سنا۔ حضرات خلفاء و مشائخ میں سے مولانا محمد عبدالعزیز چاچڑوئی، مولانا محمد حسین مرولوی، ابوالبرکات مولانا سید محمد فضل شاہ جلال پوری، سید نوٹ محمد شاہ صاحب و دیگر اکابرین ملت موجود تھے۔ طبقہ امراء سے نواب سرملک خدا بخش خاں ٹوانہ بالقابہ رئیس اعظم خواجہ آباد۔ خاں بہادر قریشی میاں محمد حیات سی آئی ای۔ نواب زادہ ملک اللہ بخش خاں ٹوانہ، نواب سید محمد مہر شاہ جلال پوری۔ میاں صالح محمد کلیار قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر شیخ محمد حسین صاحب جو مکہ معظمہ میں پنجاب و سندھ کے تاج کے معلم و مطوف مقرر ہیں، تشریف لائے ہوئے تھے۔ جن کی امداد کے لیے حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ کی طرف سے مبلغ چار سو روپیہ پیش کیا گیا۔

اس دفعہ عرس مبارک پر سب سے بڑا رنجیدہ معاملہ جو درپیش تھا وہ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کی مالی حالت کی نزاکت کا مسئلہ تھا۔ اس دفعہ قریباً 261 روپیہ نقد چندہ برائے مدرسہ جمع ہوا۔ مدرسہ کا سالانہ خرچ دو ہزار روپیہ سے زائد ہے اور چندہ کی موجودہ رفتار کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ماہ بھی مدرسہ کا چلنا مشکل نظر آ رہا ہے۔ مورخہ 23 صفر کو مولانا محمد حسین مدرس دارالعلوم نے ایک سخت دردناک تقریر مجلس میں فرمائی جس میں مسلمانوں کی دینی حالت کا مرقع پیش کرتے ہوئے دینی علوم کی تعلیم و تدریس کی اہمیت ظاہر کی۔ اور مدرسہ کی موجودہ نازک حالت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ بحالت موجودہ مزید طلباء کا داخلہ بوجہ کمی گنجائش بند ہے۔ دور دور سے طلباء آتے ہیں اور اس چشمہ فیض سے محروم واپس چلے جاتے ہیں۔ صرف سے لے کر علوم معقول و منقول مثلاً حدیث شریف وغیرہ تک کی تعلیم کے لیے ایک مدرس کافی نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں مولانا ممدوح نے اعلیٰ حضرت سجادہ نشین صاحب کی طرف سے اعلان کیا کہ آئندہ کوئی جلسہ برائے فراہمی سرمایہ کسی عرس پر بھی نہ کیا جائے گا۔ مدرسہ اگر چل

سکا تو لنگر اسے چلائے گا ورنہ بحالت مجبوری اسے بند کر دیا جائے گا۔

اگلے روز حسب معمول 12 بجے دن مجلس عرس منعقد ہوئی۔ ختم شریف کے بعد نعت خوانی وغیرہ ایک گھنٹہ تک ہوتی رہی۔ دوسرے دن مجلس میں مدرسہ کے لیے چندہ کی تحریک مولانا محمود گنجوی نے پیش کی۔ بعد ازاں مولانا فضل کریم مولوی فاضل ساکن چکوال نے مندرجہ ذیل قرارداد بائیماعلیٰ حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ پیش کرتے ہوئے قریباً آدھ گھنٹہ تقریر کی۔

”عرس سیال شریف کا یہ اجتماع عظیم آریزش نجد و حجاز کے متعلق مختلف ذرائع سے موصول شدہ اطلاعات کی نسبت سخت رنج و اضطراب کا اظہار کرتا ہے اور ابن سعود کے افعال مثلاً مکہ معظمہ میں قبوں کے انہدام کو تحقیر اسلام سمجھتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ نیز مدینہ منورہ میں روضہ نبوی اور مزار سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گولہ باری کی افواہوں کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر ان واقعات کی تصدیق معتبر ذرائع سے ہو جائے تو نجد یوں کا یہ فعل سخت قابل ملامت ہے اور ایسی صورت میں تمام دنیائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کریں کہ ابن سعود کا اقتدار جزیرۃ العرب اور بالخصوص حرمین شریفین پر قائم نہ رہے اور اس کی جگہ ایک آزاد جمہوری حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں تمام عالم اسلامی کے نمائندے شریک ہوں جو حرمین شریفین کی پوری نگہداشت و حفاظت کر سکے اور کسی غیر اسلامی حکومت کے زیر اثر نہ ہو۔ ساتھ ہی اس موقع پر مسلمانان ہندوستان کے اس معاملہ میں باہمی اختلاف اور قومی اخبارات کی چیقلش کو ہم بدیں وجہ بہ نظر استحسان نہیں دیکھتے کہ اس سے شیرازہ اسلامی کے درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔“

اس ریزولیشن کی تائید میں **مولانا ظہور احمد بگوی** نے اپنی تقریر میں ریزولیشن کی اہمیت، ضرورت اور مقاصد کی وضاحت کی اور بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ کی ذات ستودہ صفات نے ہر موقع پر لاکھوں معتقدین کی صحیح راہنمائی کی ہے۔ لہذا ایسے موقع پر حضور کی طرف سے ایسی قرارداد کا پیش ہونا نہایت ضروری تھا۔ تاکہ مسلمانوں کو ایسی برگزیدہ اور فخر اسلام ہستی کے خیالات معلوم ہو سکیں۔ مرکزی خلافت کمیٹی کی مساعی جلیلہ کے حضور مداح ہیں اور جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر و اقتدار سے آزاد رکھنے کے لیے بدستور خدام خلافت کے ساتھ سرگرم عمل ہونے کو تیار ہیں۔ مگر ایسی جماعت یا افراد کی جو دنیائے اسلام میں تفرقہ ڈال دیں اور جن کے افعال کا نتیجہ ہر جگہ قتال بین المسلمین کی صورت میں ظاہر ہوتا سید کرنے پر آپ ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتے۔ دنیا اسلام کو اس وقت متحد ہو کر اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اور باہمی افتراق و تشنت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(بحوالہ خمس الاسلام اکتوبر 1925ء، ص 29-31)

اہم اجلاس بابت قیام جامعہ اسلامیہ سیال شریف:

5 شوال 1353ھ/12 جنوری 1935ء بروز جمعہ زیر صدارت حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالو آستانہ سیال شریف کے متوسلین اور خصوصی معاونین کا خصوصی اجلاس بمقام سیال شریف منعقد ہوا۔ تفصیل از قلم مولوی غلام مصطفیٰ "شمس الاسلام" فروری 1935ء، ص 34-38 سے پیش خدمت ہے:

بعض شرکاء حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں۔ حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری مدظلہ العالی، مولانا حاجی ابوالبرکات سید فضل شاہ سجادہ نشین جلال پور شریف۔ مولانا سید حبیب شاہ مالک جریدہ سیاست لاہور۔ مولانا حسین سجادہ نشین مروا شریف۔ پیر محمد شاہ سجادہ نشین بھیرہ و امیر جند اللہ۔ **مولانا ظہور احمد بگوی** و امیر حزب الانصار۔ نواب قریشی محمد حیات سی۔ آئی۔ ای۔ ایم۔ ایل۔ سی رئیس اعظم صابو وال، حکیم علی محمد خان دہلوی۔ سب سے پہلے حضرت سجادہ نشین سیال شریف کا خطبہ صدارت مولانا ظہور احمد بگوی نے کھڑے ہو کر سنایا۔ اس کے بعد مولانا سید حاجی محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف نے ایک زبردست تقریر فرمائی۔ جامعہ اسلامیہ کی ضرورت اور اس کی کامیابی کے وسائل بیان فرماتے ہوئے اپنی غیر معمولی خدمات پیش کیں۔ آپ کے بعد حضرت علامہ اجمیری نے اپنے مخصوص انداز میں معرکہ الآراء تقریر فرما کر حاضرین کو دعوت عمل دی اور خطبہ صدارت کی وضاحت اور بعض جگہ ضروری تشریح سے حاضرین کو محفوظ فرمایا۔ اس کے بعد مولانا سید حبیب شاہ نے اپنی پر مغز تقریر سے حاضرین میں عملی جوش پیدا کیا۔ اور جامعہ اسلامیہ کے لیے ایک سو روپیہ کی غیر معمولی تعداد میں نہایت قیمتی کتابیں دینے کا عہد کیا۔ اس کے بعد مولانا ظہور احمد صاحب نے حاضرین سے مستقل اعانت کے وعدے لیے اور اعلان کیا کہ بتاریخ 15 شوال 1353ھ جامعہ اسلامیہ کی طرف سے امت مرحومہ کے نوخیز غنچوں کی روحانی و مذہبی دینی و دنیوی ارتقاء کے لیے موثر ترین خدمات شروع ہو جائیں گی۔ بعد ازاں یہ بے نظیر جلسہ اس دعائے خیر پر ختم ہوا کہ رب العزت جل مجدہ اس خدمت اسلامیہ کی توفیق تمام مسلمانوں کو عطا فرمائے۔ (آمین)

خطبہ صدارت:

اس مبارک اجتماع میں حضرت مولانا حافظ خواجہ قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف کی طرف سے درج ذیل تقریر **مولانا ظہور احمد بگوی** نے پڑھ کر سنائی:-

معزز حاضرین! یہ امر سب پر عیاں ہے کہ اس عہد میں زندقہ و الحاد پورے اوج و شباب پر ہے۔ یہ تیز تند سیلاب تمام مذاہب کو یکساں طور پر بہائے لیے جا رہا ہے۔ وہ اپنے بے شمار اسباب و آلات کے ساتھ آراستہ،

کر تمام مذاہب کے فنا کرنے پر تل چکا ہے۔ اس کے پاس لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کے صد ہا کتب خانے اور لائبریریاں ہیں جن سے وہ مذہبیت کی روح فنا کرنے کا کام لے رہا ہے۔ اس کی جانب سے ہزاروں کی تعداد میں نہایت قابلانہ اور دلچسپ تصانیف و آرگن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا مقصد وحید صرف استیصال مذہب ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی ہر ایک تان مذہبیت کے استیصال پر ٹوٹی ہے۔ فلسفہ ہو یا تاریخ سب سے وہ ایک نتیجہ نکال رہا ہے۔ اگر وہ مذہبی عمارت کی تخریب کے لیے اپنے پاس فلسفہ و تاریخ وغیرہ کی بے شمار کتابیں رکھتا ہے تو اسی طرح قصر دین و ملت کے ڈھادینے کی خاطر قرآن کریم و حدیث نبوی اور ان کے تراجم و متعلقات کا کافی ذخیرہ اپنے پاس بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ مذہب کو مذہبی ہتھیار سے شکست دینا چاہتا ہے۔ ان تمام اسباب و آلات و سرمایہ کے باوصف قابل ترین ارباب قلم کی بھی ایک فوج اس کے پاس موجود ہے۔ جو اپنی تقریر و تحریر کی سحر آمیز یوں اور جادو نگاریوں کی بدولت جذب مقناطیس کا حکم رکھتی ہے۔ اور نہ صرف سیدھی سادھی بھولی بھالی مخلوق کو بلکہ نہایت دانشمند اور عقلائے روزگار تک کو اپنے مذہب الحاد کی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ فوج درحقیقت تمام ارباب مذاہب میں پیدا کی گئی ہے۔ اور کثرت کے ساتھ ہر ایک مذہب میں موجود ہے۔ اس کا ظاہر مذہب ہے اور باطن سراسر دہریت ہے بلکہ مسلمانوں میں جو اس کے افراد ہیں وہ تقریباً مذہب کی تمام ظاہری پابندیوں سے بھی آزاد ہو چکے ہیں۔ صرف مسلمانوں کے پھانسنے کے لیے ایک نام اسلام کا تسمہ لگا رکھا ہے۔ جس سے وہ بہت ناجائز فائدے اٹھاتے رہتے ہیں۔ یہ ناجائز فائدے ان کو بھی میسر نہ ہوتے اگر نام کا تسمہ بھی کٹ چکا ہوتا۔ اس وجہ سے اس تسمہ کو باقی رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ورنہ ان کا ظاہر و باطن پوری زندگی اور ہر ایک ادا افرنجیانہ اور دہریانہ ہے۔ اور ان کا ہر ایک طرز عمل الحاد و زندقہ اور تمام شعائر اسلام سے نفرت کی دعوت دے رہا ہے۔ یوں تو تمام مذاہب اس دہریہ جماعت اور ولد ادگان تہذیب جدید کے تحت مشق ستم ہیں اور جمیع انبیاء علیہم السلام کا دین شریعت دنیا سے ناپید کرنا ان کا نصب العین ہے۔ لیکن مذہب اسلام پر خصوصیت کے ساتھ ان کی نظر کرم ہے۔ جو تیران کے ترکش سے نکلتا ہے اس کی زد اسلام پر پڑتی ہے۔

ہر بلائے کز آسمان آید خانہ انوری ہمیں پرسد

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دین اور جملہ صداقتوں کا حامل صرف اسلام ہے۔ آج نہ کوئی خالص ابراہیمی ہے نہ اسمعیلی۔ نہ موسوی ہے نہ عیسوی۔ بلکہ حقیقی طور پر سب کے سب محمدی ہیں۔ جو محمدی ہے وہ ابراہیمی و اسمعیلی بھی ہے۔ موسوی اور عیسوی بھی ہے۔ اور جو محمدی نہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے دین سے علیحدہ اور خارج ہے۔

نام احمد نام جملہ انبیاء است

چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست

آخر جبکہ دین اور بے دینی میں جنگ ہے اور دونوں حریف نبرد آزما ہو چکے ہیں۔ تو بے دینی کے تیر کا ہدف صرف اسلام ہوگا کہ یہی جملہ ادیان کا حامل ہے۔ پس بے دینی جہاں کہیں بھی ابھرے گی اس کی پہلی زد اسلام پر پڑے گی۔ اس واسطے اسلام اور بے دینی کی جنگ یا حق و باطل کی جنگ درحقیقت محمدی اور لاکھڑی کی جنگ ہے۔ آج باطل نام بے لاکھڑی کا اور حق نام بے صرف محمدی کا۔ لاکھڑی کا اصلی حریف صرف محمدی ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے تمام ارباب باطل کے حمسے جب ہوتے ہیں تو اسلام ہی پر ہوتے ہیں اور اسلام سب ادیان باطلہ کے مقابلہ میں صرف یکسر و تنہا سب ہمسوں کو روکنے والا ہے۔

تنہا تیرے اقبال سے شمشیر بکف ہوں

سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

آج اسلام کا حریف انتہائی عروج پر پہنچ چکا ہے اور وہ اپنے پر رعب ساز و سامان سے اسلام کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں ایسی قوت و اتفاق کے ساتھ اسلام کو بھی میدان میں اترنا چاہیے۔ موجودہ اسلامی پراگندہ اور منتشر ادارے اس زبردست حمسہ کا جواب نہیں ہو سکتے۔

واں جنگ میں درکار ہیں اب جوش نختیاں

دریائے پر آشوب ہے اب بیچ میں حائل

اس کے لیے ضرورت ہے کہ ایک عظیم الشان جامع مرکزی ادارہ قائم کیا جائے کہ جو تبلیغ اور محافظت دین کے تمام ضروریات پر مشتمل ہو اور اسکے چلانے کے لیے قابل ترین علماء و ارباب قلم کی ایک جماعت مہیا ہو۔ تب کہیں بمشکل یہ کام اتمام کو پہنچ سکے۔

ایک عمر چاہیے کہ گوارا ہونیش عشق

رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں

جب حکومت نہیں اور اس قدر زرد دولت نہیں جو اسلام کے حریف (الحاد و دہریت) کے پاس ہے۔ تو اس کا اسی شان کے ساتھ مقابلہ غیر ممکن یا کم از کم دشوار اور بہت دشوار ہے اور اس کا ارادہ تمام لوگوں کی نظروں میں ایک خیال خام ورتصور۔ یعنی سے کم نہیں۔ لیکن باوصف اس کے آپ حضرات کے سامنے نہایت جرأت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں نے اندھنوں پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ایک جامعہ اسلامیہ کا قیام دربار سیال شریف میں

ہونا چاہیے کہ جو تبلیغی مہم اور محافظت دین کو اتمام تک پہنچائے۔ اور اشاعت اسلام کے لیے وہی تمام وسائل عمل میں لائے جو حریف اسلام (دہریت والحاد) اپنی اشاعت میں اختیار کیے ہوئے ہے۔ عزم راسخ اور اس پر توکل علی اللہ سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے۔ یہ دولت اگر حاصل ہوگئی تو سمجھئے کہ تمام وسائل مہیا ہو گئے۔ پھر مایوسی کی کوئی وجہ ہے؟ قرآن کریم کی رو سے مایوسی کفر ہے۔ لایئیس من دون اللہ الا القوم الکفرون عزم بالجزم کے متعلق قرآن کریم کا یہ فیصلہ ہے کہ اذا عزمتم فتوکل علی اللہ۔ دیکھئے عزم کے متعلق حق تعالیٰ پر بھروسہ کی تعلیم دی گئی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عزم کے جملہ مشکلات دور کرنے کے لیے اعتماد الہی کافی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جو نیک کام اس کے ماتحت ہوگا اس میں کامیابی کی امید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام تذبذب و مایوسی کی تعلیم نہیں دیتا ہے بلکہ اس کو کفر قرار دیتا ہے اور دشوار سے دشوار امر پر عزم کرنے سے نہیں روکتا بلکہ توکل کی تعلیم دے کر اس کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ آج وبال الحاد جب اس ساز و سامان کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہے تو اسلام ہی کی تعلیم کے ماتحت اسی شان و ساز و سامان کے ساتھ، اس کے مقابلہ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے عزم بالجزم کرتے ہیں۔ ہمارا کام صرف عزم کرنا ہے۔ اس کو کامیاب بنا نا خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم کو صرف وہ انجام دینا ہے جو ہمارا فرض منصبی ہے اور اس کے متعلق کامیابی کی امید رکھنا ہے۔ اس کے اتمام کے متعلق گفتگو اور بحث و تمحیص میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہیے۔ کہ اتمام خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔ اس میں مداخلت ہمارا فرض منصبی نہیں ہے۔ ہم دعویٰ اتمام نہیں کر سکتے لیکن ہمت و حوصلہ کے ساتھ کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ نے چاہا تو سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔

سرور و نور و جدو حال ہو جائے گا سب پیدا

مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

اگر دنیا میں کوئی عقدہ و مشکل ہے تو وہ صرف مایوسی و پست ہمتی ہے۔ ورنہ ہمت اور عقدہ دو متضاد چیزیں

ہیں:

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

وہ کون سا عقدہ ہے کہ جو وا ہو نہیں سکتا

اگر آج ہم تمسک بحبل اللہ اور اتفاق و اتحاد کو اپنا شعار بنالیں تو تمام مشکلات کا خود بخود خاتمہ ہو جائے۔ جن اوصاف نے قرن اول (عہد صحابہ) کو کامیاب بنایا۔ اگر وہی ہم اختیار کریں تو وہی کامیابی پھر عود کر آئے گی۔ حق تعالیٰ

وہی ہے اور اس کا در فیض جس طرح پہلے کشادہ تھا اسی طرح اب بھی کشادہ ہے۔ لیکن ان اوصاف کے فقدان کی بدولت ہم میں قبول فیض کی صلاحیت نہیں رہی۔ پہلے اتفاق و اتحاد تھا، ہمدردی و غمخواری تھی۔ تمسک بحبل اللہ تھا۔ غیرت دینی و مذہبی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے بموجب تمام قوم تمام قوم کی مددگار تھی۔ اس کا ایک مشترک بیت المال تھا جو سب کی دینی و دنیوی ضروریات کا کفیل تھا۔ اسلام پر حملہ کے وقت کام آتا تو بیت المال، ضرورت پر قرض لیا جاتا تو بیت المال سے۔ مسکین و یتیم و بیوہ اپنا جج کا سہارا تھا تو بیت المال۔ اور جب کہ وہ سب کی ضروریات میں کام آتا تھا تو سب اپنے صدقات و خیرات و عطیات اور مال غنیمت کا خمس و پیداوار زمین کا عشر اسی میں جمع کر دیتے تھے۔ اس تنظیم و باہمی معاونت و ہمدردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ثروت و دولت مسلمانوں کے قدم چومنے لگی اور ان کے آق رسول اکرم ﷺ نے بیک وقت جنگ حنین میں اس قدر دولت تقسیم کی جس کا تخمینہ ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ ران اوقاف کیا گیا ہے۔ اور ہجرت سے بائیس سال بعد قیصر و کسری کی دو عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا۔ جب تنظیم و اتفاق اور اقامت بیت المال ایسے عظیم الشان نتائج پیدا کر سکتی ہے تو جو مقصد پیش نظر ہے وہ ان نتائج سے بدرجہا پست و کمتر ہے۔ وہ کیونکہ تنظیم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ آج مسلمانوں سے نعمت اتفاق سلب ہو گئی ہے۔ اتحاد شقاق و غفاق کی مصیبت برپا ہے۔ کثرت سے فرقہ بندیوں ہو گئی ہیں۔ ایسے حالات میں تنظیم کی کیا امید ہے۔ لیکن تمام مسلمانوں کی تنظیم اور ان کا باہمی اتفاق اگر مشکل ہے تو ایک محدود حلقہ کی تنظیم کو کیوں ہاتھ سے لیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ متوسلین آستانہ عالیہ سیال شریف کا حلقہ نسبت نہایت محدود و مختصر ہے۔ لیکن پھر بھی حق تعالیٰ نے فیض و رحمت سے اس قدر بے گار و پورے طور پر منظم ہو جائے تو جو مقصد پیش نظر ہے وہ نہایت آسانی کے ساتھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بڑے کاموں کی بنیاد ہمیشہ مختصر جماعت کے ہاتھوں سے قائم ہوتی چلی آئی ہے۔ جب کہ یہ سنت مستمر و الہی ہے تو میری یہ توقع کسی طرح بے جا نہیں ہے۔ بناء علیہ میں تمام متوسلین دربار سیال شریف سے خصوصاً اور تمام مسلمانوں سے عموماً اپیل کرتا ہوں کہ وہ منظم ہو کر اس عظیم الشان مقصد میں میرے شریک کار ہو جائیں اور اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے میری امداد فرمائیں۔

اس جامعہ کا دستور العمل اور تفصیلی ضوابط و قواعد مجلس عاملہ بعد میں ترتیب دے گی۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین. والصلوة

والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین.

خدمات

تحریک خلافت

آغاز:

22 نومبر 1919ء کو آل انڈیا خلافت کانفرنس کا پہلا جلسہ اس غرض سے دہلی میں منعقد کیا گیا کہ جنگ عظیم اول کے اتحادیوں سے عموماً اور برطانوی حکومت سے خصوصاً ان وعدوں کے ایفا کرنے کا مطالبہ کیا جائے جو مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے انہوں نے دوران جنگ کیے تھے۔ اس جلسے میں سارے ہندوستان سے تمام مکاتب فکر کے علماء اور رہنماؤں نے شرکت کی تھی۔ پہلی کانفرنس کے فیصلوں کی روشنی میں ملک کے صوبہ جات اور اضلاع میں مجالس خلافت (Khilafat Committes) کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ینگ مسلم ایسوسی ایشن لاہور (قیام جنوری 1920ء) نے ایک جلسہ میں دوسری بار باقاعدہ خلافت کمیٹی لاہور تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے با اشتراک ایسوسی ایشن، مسئلہ خلافت و ہجرت، تحریک سودیشی اور ترک موالات کے موضوعات پر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خان، مولانا غلام مرشد، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو اپنے جلسوں میں مدعو کیا (بحوالہ رسالہ نمبر 5 ینگ مسلم ایسوسی ایشن لاہور ص 12-13 مطبوعہ گلزار ہند سٹیم پریس لاہور)۔ اس ایسوسی ایشن کا اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔ چنانچہ دیگر اصلاحی اور تعلیمی کاموں کے علاوہ ایسوسی ایشن نے ”پے در پے کئی رسالہ جات مسئلہ خلافت پر شائع کر کے منت تقسیم کیے“ (ص 13) گرمیوں کی چھٹیوں میں مقامی کالجوں کے مسلم طلبہ کو 6 جون 1920ء کو حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں ایڈریس دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر خدمت اسلام بجالائیں“ (ص 14) ”اسی طرح جون 1920ء میں انجمن خادمان قوم اسلامیہ کالج نے پبلک لائبریری بھائی دروازہ لاہور کو جو اس کے زیر اہتمام چل رہی تھی۔ ینگ مسلم ایسوسی ایشن لاہور کے سپرد کر دیا“۔ (ص 14)

اس دور میں مولانا ظہور احمد بگویی اسلامیہ کالج لاہور میں آرٹس کے طالب علم کے طور پر زیر تعلیم تھے اور ان قومی اور دعوتی کاموں میں سرگرم عمل بھی۔

ترک موالات:

8 نومبر 1920ء کو کلکتہ میں دوسری آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں طے ہوا کہ:

- 1- سرکاری خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دیئے جائیں۔
- 2- سرکاری جلسوں، درباروں اور مجلسوں میں شامل ہونے سے انکار۔
- 3- سرکاری تعلیمی اداروں سے بچوں کو اٹھانا اور قومی سکولوں کا اجراء۔
- 4- سرکاری عدالتوں کا مقاطعہ اور پنچاقتی عدالتوں کا قیام۔
- 5- سرکاری ملازمت سے دشمنان اسلام کی خدمت سے انکار۔
- 6- کونسل کی رکنیت سے علیحدگی۔
- 7- غیر ملکی مصنوعات کا مقاطعہ

کالج کی تعلیم کو خیر باد:

اسلامیہ کالج لاہور کے تعلیمی سیشن 1919-21ء میں مولانا ظہور احمد بگویی ایف۔ اے کے طالب علم تھے۔ ملک میں تحریک خلافت پھیل رہی تھی۔ اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ از خود اور ینگ مسلم ایسوسی ایشن لاہور جیسی رفاہی تنظیموں کے ساتھ مل کر خلافت کے لیے کام شروع کر رہے تھے۔ مولانا بگویی اس ماحول میں تحریک خلافت سے بہت متاثر ہوئے مگر انہیں اپنے برادر بزرگ مولانا محمد نصیر الدین بگویی کے ہمراہ حج پر جانا پڑا۔ 1920ء میں حج کا دن 16 اگست کو تھا جو غالباً کالج میں گرما کی تعطیلات کے دوران آیا تھا۔ لوٹے تو تحریک خلافت مزید تیز ہو چکی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد ترک موالات کی پر زور حمایت میں درج ذیل جید علماء کے فتوے اور قومی تنظیموں کے فیصلے بھی سامنے آ گئے۔

- ا۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس
- ب۔ آل انڈیا مسلم لیگ
- ج۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس
- د۔ (1) حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (2) مولانا ابوالکلام آزادؒ
(3) مولانا عبدالباری فرنگی محلؒ (4) مولانا احمد سعید دہلویؒ
(5) مولانا مفتی کفایت اللہؒ

(بحوالہ تحریک عدم تعاون اور احکام دین مبین 1920ء)

زعماء کے فتووں اور فیصلوں کے بعد نوجوان ظہور احمد نے کالج کی تعلیم کو خیر باد کہا اور تحریک خلافت کے

دہکتے الاؤ میں کود پڑے۔

مجلس خلافت بھیرہ:

ضلع شاہ پور، سرگودھا اور بھیرہ میں تحریک خلافت اور اس عہد میں مولانا بگویی کی زرین خدمات کا ریکارڈ مرور زمانہ سے تلف ہو چکا ہے۔ صرف ایک آدھ رجسٹریا رسیدات کی فائل کے ساتھ چند خطوط نظر آتے ہیں۔ ان کے مطابق 16 اکتوبر 1921ء تک مجلس خلافت کے دو عہدے داروں کے نام ملتے ہیں۔

صدر مجلس خلافت بھیرہ سیٹھ عبدالرشید صاحب

معمد مجلس خلافت بھیرہ مولانا ظہور احمد بگویی

غالباً سال بھر مولانا نے حکیم عبدالمجید سیفی صاحب کے ہمراہ بھیرہ اور ضلع شاہ پور میں تحریک خلافت کو منظم کیا۔ ضلع میں جگہ جگہ مجالس خلافت قائم کیں اور اپنی تقاریر سے رائے عامہ کو بیدار کیا۔

مولانا بگویی نے بطور معتمد مجلس خلافت بھیرہ ضلع شاہ پور ایک دو ورقہ پمفلٹ شائع کیا جس میں ایک طرف آیات قرآنی کے نیچے تحریک خلافت کے اہداف یعنی آزاد قومی تعلیم، قومی عدالت، اعانت مہاجرین، مظلومین سمرنا کی امداد، تحریک خلافت، تبلیغ و اشاعت کے لیے اور بھیرہ میں ایک آزاد قومی درس گاہ قائم کرنے کے لیے چندے کی اپیل ہے۔ اور دوسری جانب ترک موالات کے سلسلے میں ہندوستان کی تمام مذہبی، سیاسی اور مرکزی مجالس کی قراردادوں کا سات نکاتی خلاصہ مندرج ہے۔ پہلے صفحے پر خلافت سے متعلق لٹریچر اور آخری صفحے پر اسلامی نشان کا اشتہار ہے۔ (دیکھیے جلد دوم میں)

6 اکتوبر 1921ء کے استعفیٰ میں مولانا بگویی، صدر مجلس کو لکھتے ہیں:

”براہ کرم عہدہ معتمدی مجلس خلافت بھیرہ سے میرا استعفیٰ منظور فرمایا جائے کیونکہ بندہ اب اس عہدہ کے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اور تحصیل علوم دینیہ کا شوق مجبور کر رہا ہے کہ بھیرہ نو چھوڑ کر کسی اور جگہ سکونت اختیار کروں جہاں خلافت کی خدمت کے علاوہ اپنے اس شوق کو بھی پورا کروں۔ بندہ یا تو سیال شریف کے دارالعلوم میں چند دنوں کے لیے مقیم ہو گا یا سرگودھا میں رہ کر اپنے حضرت اخوان صاحب (مولانا محمد یحییٰ بگویی) سے تکمیل کرے گا۔ بہر حال بھیرہ میں بندہ اب رہ نہیں سکتا۔ لہذا بندہ کو جلد سبکدوش فرمایا جائے اور استعفیٰ منظور کرتے ہی کوئی صاحب ایسے مقرر کیے جائیں جو کہ کل بندہ سے مکمل چارج جملہ اشیا متعلقہ دفتر و

رسیدات وغیرہ لے لیں۔

نیاز مند خادم خلافت ظہور احمد بکوی عفی عنہ معتمد مجلس خلافت بھیرہ ضلع شاہ پور۔

(دیکھئے جلد دوم میں)

معتمد مجلس خلافت ضلع شاہ پور، سرگودھا:

16 مئی 1920ء کی لکھی ہوئی ایک رسید کے مطابق جناب محمد عالم بیرسٹرایٹ لاء سیکرٹری خلافت کمیٹی سرگودھا تھے۔ عدم ریکارڈ کی بنا پر کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ ضلع شاہ پور کی پہلی خلافت کمیٹی کے باقی عہدے دار کون تھے۔ کمیٹی نے تبلیغ، تنظیم اور مرکزی امداد کے لیے کیا خدمات سرانجام دیں۔ البتہ ”آخری پیغام حق“ میں مولانا افتخار احمد بکوی کے بیان سے مولانا کی بھیرہ سے روانگی اور سرگودھا میں آمد کا تعلق واضح ہو جاتا ہے:

”اکتوبر 1921ء میں ضلع سرگودھا کی مرکزی مجلس خلافت کی بنیاد رکھی اور حضرت صاحبزادہ پیر محمد ضیاء الدین ثانی سجادہ نشین سیال شریف کی سرپرستی (میں) ضلع بھر کی مجالس کو منظم کیا۔ آپ ضلعی مجلس خلافت کے ناظم مقرر ہوئے۔“

ڈسٹرکٹ خلافت کانفرنس سرگودھا:

خلافت کی سرگرمیوں کو تیز کرنے اور مختلف طبقوں کو باہم دگرمل کر کام کرنے کے لیے آپ نے دسمبر 1921ء میں سرگودھا میں شاندار خلافت کانفرنس منعقد کرائی۔

مولانا محمد مقبول احمد ضیائی مدرس اعلیٰ السنہ الشرقیہ، ہائی سکول بھلوال اپنے مضمون ”مختصر سوانح حیات مجاہد ملت“ میں تحریک خلافت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

”کالج کی زندگی چھوڑنے کے بعد تحریک خلافت میں آپ نے کافی حصہ لیا۔ ایک بیس سالہ تعلیم یافتہ نوجوان عملی زندگی میں قدم رکھ رہا تھا۔ اسلامی خلافت کی تڑپ دل میں موجود تھی۔ کالج کی زندگی میں ہی فن خطابت میں کافی مہارت و مشق ہو چکی تھی۔ دیار حبیب سے واپسی کے بعد جو امنگ دل میں چٹکیاں لے رہی تھی، اس کی تکمیل کا وقت آ گیا۔ آپ نے مختلف مقامات پر ضلع کی خلافت کمیٹی کے پروگرام کے ماتحت تقاریر کیں اور قوم کو جگایا۔“

(شمس الاسلام جولائی 1945ء، ص 26)

سزائے قید:

تحریک خلافت بتدریج تیز تر ہو رہی تھی۔ خلافت سے متعلق موضوعات پر لٹریچر لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو رہا تھا۔ ضلعی اور شہری مجالس خلافت متحرک تھیں۔ صوبائی اور مرکزی سطح کے زعمائے خلافت، جگہ جگہ جلسوں اور اجتماعات سے خطاب کر رہے تھے۔ جیسا کہ پنجاب کی تاریخ شاہد ہے، ضلع شاہ پور انگریز سرکار کا وفادار ترین علاقہ تھا جس کے ذمہ فوج اور پولیس کی سپاہ یا گھوڑے اور ریونیو پیدا کرنا تھا۔ ایسی سرزمین میں حریت فکر، حفاظت دین اور خدمت مسلمین کے جذبات پیدا کرنا چنداں سہل نہ تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ ضیاء الدین ثالث سیالوی اور حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی صورت میں دو خادمان اسلام عطا فرمائے۔ حضرت خواجہ کی سرپرستی، تعاون اور مشاورت سے مولانا بگویی نے نہایت قلیل عرصے میں تحریک خلافت کے پیغام کو عام پھیلا دیا۔ مرض کی شدت کے مطابق معالج کو دوا کی استعداد (Potency) بڑھانی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا بگویی نے ضلع شاہ پور، سرگودھا میں اپنی پر جوش اور پر عزم خطابت سے خلافت اور موالات کے پیغام کو گھر گھر پہنچا دیا۔

اس کے نتیجے میں مولانا بگویی کو 15 مارچ 1922ء میں حکومت نے سرگودھا شہر سے گرفتار کر لیا اور سمری عدالت سے سزا کے بعد ڈیڑھ سال کے لیے قید کر دیا۔ قید کا یہ عرصہ آپ نے جہلم اور راولپنڈی کی جیلوں میں گزارا۔

(شمس الاسلام، جولائی 1945ء - ص 26)

جیل سے رہائی:

1923ء کے آخر میں مولانا جیل سے رہا کر دیئے گئے۔ مگر سرکاری ایجنسیوں کے کاغذات میں ان کا نام اب سرخ روشنائی سے مارک ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کے لیے تبلیغ اور خدمت کی راہیں محدود کر دی گئی تھیں۔ مگر مولانا جس پر خطر راہ کو چن چکے تھے، اپنی زندگی کے لیے جو منزل متعین کر چکے تھے اس سے انحراف اب ممکن نہ تھا۔

ضلع شاہ پور کے پہلے سیاسی قیدی کا اعزاز:

ضلع شاہ پور جتنا پرانا اور سرکار کا حاشیہ بردار ضلع تھا، سرگودھا اتنا ہی نیا اور بندوؤں کا اکثریتی شہر تھا۔ جہاں سیاسی، قومی اور دینی تحریک کا تصور ہی نہ تھا۔ تحریک خلافت علاقے کے مسلمانوں کی پہلی ہمہ جہت، منظم اور موثر جدوجہد تھی جسے بھیرہ کے بگوییہ خاندان کی نوجوان قیادت اور حضرت خواجہ ثالث سیالوی کی سرپرستی اور سیادت

حاصل تھی۔ اس تحریک میں مولانا ظہور احمد بگویی کی گرفتاری ضلع شاہ پور کی تاریخ میں پہلی سیاسی اسیری ہے۔ حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول الہی سجادہ نشین اللہ شریف کے نزدیک ضلع کے پہلے سیاسی قیدی کا یہ اعزاز صرف مولانا ظہور احمد بگویی کو حاصل ہے۔ مولانا محمد حسین اجمیری، مولانا محمد ذاکر (محمدی شریف)، حکیم علی محمد مختصر دہلوی، مولوی عبدالحق، مولوی عبدالعزیز (ڈیرہ غازی خان) مولوی عطا محمد قریشی (میانوالی) اور دیگر رضا کاروں کو 19 مارچ 1922ء کو بعد میں بھیرہ سے گرفتار کیا گیا۔

نئی صف بندی:

جیل سے رہائی کے بعد گو مولانا ہی مجلس خلافت سرگودھا ضلع شاہ پور کے معتمد رہے مگر سرکاری پابندیوں اور ایجنسیوں کے مسلسل تعاقب کے پیش نظر ان کے لیے کھلے عام کام کرنا آسان نہ رہا۔ اسی دوران فرقہ پرست اور تشدد ہندوؤں نے نیم خواندہ اور ان پڑھ مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا آغاز کر دیا۔ اس فتنہ ارتداد کے سدباب کے لیے مرکزی خلافت کمیٹی ہند کی ہدایات پر جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام سرگودھا کا اجرا کیا گیا۔ مولانا ظہور احمد بگویی اس تنظیم کے ضلعی ناظم مقرر ہوئے۔

ڈسٹرکٹ خلافت کمیٹی سرگودھا جو اصل میں مجلس خلافت ضلع شاہ پور کے نام سے تھی، سرگودھا شہر میں قائم تھی۔ مجلس نے دستور کے مطابق اپنی سرگرمیوں اور کاموں کے لیے متعدد رجسٹر اور فائلیں بنائی تھیں۔ ایک فائل زیر باب نمبر 3، 1924ء میں ہونے والے اخراجات و مخارج کی رسیدات پر مشتمل ہے۔ تفصیلات آگے ملاحظہ کریں بعنوان "جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام سرگودھا"۔ ان کاغذات کے مطالعے سے ضلع بھر اور دیگر اعلیٰ سطحوں پر سرگرمیوں، خدمات اور امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجلس خلافت کے علاقائی اور دیگر رہنما، کارکن اور رضا کار کہاں کہاں خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں، وہ کام کیا تھے، کون کون سے رہنما اور رضا کار کن خدمات پر مامور تھے، اور ان پر کیا خرچ آیا وغیرہ۔

مجلس خلافت ضلع شاہ پور (سرگودھا)

از 17 اکتوبر 21ء تا 29 اکتوبر 1924ء

ضلع بھر کے قصبات اور دیہات میں مجلس خلافت کی تشکیل و تنظیم، توسیع و ترقی اور عام مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ظاہر ہے کثیر تعداد میں درد مند اہل علم اور نوجوان مسلمانوں نے پورے جوش و جذبہ کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ دراصل یہی وہ لوگ تھے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے طلب گار، ہندو مسلم اتحاد کے خواہش مند اور انگریزی

سامراج کے خلاف جذبہ حریت کے اولین علمبردار تھے۔ حسن اتفاق سے جو تھوڑا سا ریکارڈ زمانے اور دیمک کی دستبرد سے محفوظ رہا ہے اس میں مجلس خلافت کا ایک اور رجسٹر بھی شامل ہے۔ جس میں 17-10-1921 سے 29-10-1924 تک کے ان معاملات کا تذکرہ ہے جن کا تعلق ضلع شاہ پور (سرگودھا) میں قائم شدہ مجلس خلافت کی مختلف برانچوں کی تنظیم، رکنیت سازی، کردار سازی اور مسلمانوں کی عمومی تربیت و معلومات کے لیے کتب و رسائل اور رسیدات سے ہے۔ رجسٹر کے 36 صفحات پر کالم کچھ اس طرح ہیں:

مورخہ	سامان	اسم گرامی	دستخط
قیمت فروخت جو دفتر میں ادا کی	تاریخ واپسی	بقایا	رکنیت

کتب و رسائل بابت خلافت:

سامان کے تحت جو کتابیں، رسالے، ٹریکٹ، قطعات، رسیدات، فارم وغیرہ برانچوں کو ارسال کیے گئے

ہیں ان کے نام یہ ہیں:

- ✽ دستور اساسی و دستور العمل مجلس خلافت ضلع شاہ پور (سرگودھا)
- ✽ روڈ اد آل انڈیا خلافت کانفرنس ناگ پور
- ✽ پنجابی قومی تنظیمیں
- ✽ خطبہ صدارت
- ✽ اعلان سجادہ نشین سیالوی صاحب
- ✽ فتویٰ علمائے ہند
- ✽ رسالہ ترک موالات
- ✽ خلافت نوٹ بک
- ✽ خون حریمین
- ✽ لیڈران قوم کے اعلان
- ✽ حادثہ نجف اشرف و مظالم عراق
- ✽ اتحاد اسلامی
- ✽ خانقاہ اشرفیہ کے فتویٰ کا جواب
- ✽ جذبات حریت حصہ اول
- ✽ ترکوں کے ارمنوں پر فرضی مظالم
- ✽ فغان خلافت
- ✽ مضامین مولانا ابوالکلام آزاد
- ✽ سمرنا کی خونین داستانیں
- ✽ روڈ اد اجلاس ششم آل انڈیا خلافت کانفرنس
- ✽ تاریخ حریت اسلام
- ✽ کتاب رکنیت فارم ممبری
- ✽ حوادث سمرنا
- ✽ خلافت جنتری
- ✽ خلافت سٹار
- ✽ جھنڈیاں
- ✽ اسیر مالٹا کا پیغام
- ✽ تقاریر مولانا محمد علی جوہر
- ✽ اعلان واجب الاذعان
- ✽ خلافت اور انگلستان
- ✽ صحف النشورہ
- ✽ جذبات جوہر
- ✽ خلافت ٹوپی
- ✽ بصائر
- ✽ خلافت رسیدات
- ✽ فطرت فی الاسلام
- ✽ جذبات الصداقت
- ✽ فوٹو عکسی رسیدات سمرنا
- ✽ بیان مولانا محمد علی جوہر
- ✽ خلافت اور انگلستان
- ✽ صحف النشورہ
- ✽ جذبات جوہر
- ✽ خلافت ٹوپی
- ✽ بصائر

- ✽ بانیکاٹ
- ✽ جہاد در اسلام
- ✽ تقاریر مولانا ظفر علی خان مرحوم ✽ درس خلافت
- ✽ تقاریر مولانا ابوالکلام آزاد ✽ فوجی ملازمت
- ✽ دعوت حق ✽ آہ مظلوم
- ✽ سمرنا میں یونانی ملازم ✽ زبردست تقریر
- ✽ دینیات کے رسالے ✽ عربی کی پہلی کتاب
- ✽ قواعد بغدادی ✽ دعائے مسلم
- ✽ رسالہ امر بالمعروف ✽ مقدمہ کراچی
- ✽ فارم رضا کاران جیش انگورہ (ترکی)
- ✽ اخبار مسلم "آؤٹ لک" و اخبار "خلافت"
- ✽ پیغام صدارت المکتوب
- ✽ قرطاس رکنیت
- ✽ فتویٰ سیال شریف
- ✽ آواز حذر

درج بالا دستاویزات اور مطبوعات کی ترسیل اکثر برانچوں کے سیکرٹری یا مجلس خلافت ضلع شاہ پور کے مہدیاران یا خصوصی فرستادہ کے ہاتھ ہوئی ہے۔ ذیل میں ان اصحاب کا نام مع وہ شہر جس کی مجلس خلافت برانچ سے وہ متعلق ہیں، دیئے جاتے ہیں:

رفقاء اور کارکنان خلافت:

ضلع شاہ پور سرگودھا میں تحریک خلافت کی سرگرمیاں کم و بیش سات سالوں پر محیط ہیں۔ مولانا بگویی پہلے مجلس خلافت بہیرہ اور پھر مجلس خلافت ضلع شاہ پور سرگودھا کے معتمد رہے۔ اس تحریک کا دائرہ اثر گاؤں گاؤں تک پھیلا ہوا تھا۔ مکمل ریکارڈ کی عدم دستیابی کی صورت میں چند رسیدات اور جسٹروں کی مدد سے جتنے اصحاب کے نام مل سکے ہیں، وہ پیش خدمت ہیں:

- مولانا صاحبزادہ محمد حسین سجادہ نشین (مرولہ شریف)
- خواجه عبدالرشید بوٹ مرچنٹ (بھلوال)
- نصر اللہ خان چک 15 شمالی۔
- جناب احمد دین معتمد (چک 106 شمالی)
- مولوی عبدالسلام مبلغ۔
- جناب محمد محبوب خان (چک 114 شمالی)
- مولوی گل محمد (ڈال نصیر پور کلاں)
- میاں محمد دین (بھلوال)
- میاں نور عالم (اوجھالہ)
- چودھری امان اللہ معتمد (چک 36 جنوبی)
- جناب فضل الہی (پدھڑار)
- محمد خان (چک نمبر 104 شمالی)
- مولوی محمد رفیق (کوٹ مومن)۔
- مولانا محمد رفیق بھرتوی (جھاوریاں)۔

- مولانا سراج الدین نور خانیوالہ رچا وہ (بھلووال)
- منشی دوست محمد (میلہ چک میانہ)
- بوستان خان طالب علم گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا
- مولانا الہی بخش (ڈیرہ جاڑہ)
- جناب فضل کریم مدرس (للیانی)
- مولانا حکیم عبدالرسول (بکھر بار)
- مولوی چراغ الدین معتمد (رہتڑی ساہیوال)
- ملک احمد شیر معتمد (خوشاب)
- جناب دین محمد کپتان جیش رضا کاران اسلام علاقہ سون
- جناب محمد علی چک 79 شمالی (سرگودھا)
- جناب گلزار حسین کپتان جیش رضا کاران اسلام (انگہ)
- مولانا حکیم پیر چن پیر احمد شاہ رکن مجلس خلافت (خوشاب)
- جناب احمد علی کاملہ آسیانوالی چک نمبر 101 (سرگودھا)
- حافظ اللہ بخش (ساہیوال)
- جناب سید محمد فضل شاہ (لکھی وال)
- مولوی محمد حسن (پیلو وینس)
- مولوی فتح الدین (خوشاب)
- ملک اللہ داد خان (ڈھا کہ سون)
- حافظ دوست محمد (اکالی)
- جناب محمد علی مینجر ریفرشمنٹ روم (سرگودھا)
- جناب غلامی مصطفیٰ (کوبلیاں)
- قریشی نصیر الدین (ساہیوال)
- حافظ محمد نور (شکر کوٹ)
- جناب منشی رحمت اللہ (بوچہ کلاں)
- جناب محمد یوسف (طالب علم بھلووال)
- قاضی ضیاء الدین (سورکی خوشاب)
- مولوی کرم دین درزی (صدر شاہ پور)
- جناب پیر محمد محکمہ نہر
- جناب محمد خان (چک 74 جنوبی)
- ملک نصر اللہ خان (بھلووال)
- جناب محمد محبوب خان (چک 116 شمالی)
- عبدالحق رضا کار
- قاضی ضیاء الدین معتمد (مٹھ ٹوانہ)
- مولوی عبدالحکیم (انگہ)
- دوست محمد، علی محمد (رضا کاران)
- جناب غلام محمد سرالوی (رضا کار)
- مولوی مختار احمد بگویی بھیرہ شریف
- جناب خدا بخش (دھیر و وال)
- جناب قاضی عبدالغفور (پنجہ)
- منشی غلام مصطفیٰ خادم خلافت
- ملک شیر محمد گوردالوی
- جناب عطا محمد (کوٹ شاہ جمنگ)
- حافظ احمد یار (راجڑ)
- جناب احمد دین کشمیری (چک 106 شمالی)
- میر گلاب شاہ (نوشہرہ)
- جناب غلام رسول بیکس مبلغ (ساہیوال)

- مولانا محمد ذاکر (محمدی شریف جھنگ)
 □ قاضی عطاء اللہ وکیل (سرگودھا)
 □ شیخ عبدالواحد (سرگودھا)
 □ جناب منشی اللہ دتہ درزی (ساہیوال)
 □ جناب چودھری رحمت خان (چیلیانوالہ)
 □ مولانا عبدالغفور سجادہ نشین نورخانوالہ
 □ غلام حیدر موثر ڈرائیور
 □ جناب خان بہادر (چک 55 شمالی)
 □ جناب قاضی محمد صدیق مدرس (بھاگٹانوالہ)
 □ جناب فضل داد خان کمبہ
 □ جناب محمد رمضان مبلغ مجلس (ساہیوال)
 □ سید محمود شاہ منشی محکمہ نہر
 □ مولوی عبداللہ لکھوی مبلغ مجلس خلافت
 □ جناب نواب خدا بخش ٹوانہ (خواجہ آباد)

□ مولانا ظہور احمد گوی معتمد مجلس خلافت ضلع شاہ پور سرگودھا

ضلع شاہ پور کی تحریک خلافت میں مختلف حیثیتوں میں کام کرنے والے مزید کارکنوں اور ساتھیوں کے نام

یہ ہیں

- جناب محمد شریف اعزازی مبلغ واسیر فرنگ سرگودھا
 □ مولوی عبدالسلام امام مسجد سرگودھا خلافت شاہ پور
 □ مولوی نصیر احمد سابق سیکرٹری خلافت کمیٹی خوشاب
 □ جناب سید محمد عبداللہ شاہ مبلغ مجلس خلافت پنجاب
 □ منشی احمد دین پٹواری محکمہ نہر (کوٹ مومن)
 □ مولانا منیر شاہ خوشابی مبلغ خلافت
 □ مولانا محمد اسحاق مانسہری
 □ حافظ احمد یار راجڑ
 □ مولوی محمد شریف
 □ جناب محمد شفیق محرر
 □ حکیم عبدالجید سیفی (بھیرہ سرگودھا)
 □ شیخ غلام احمد میانوی، کارکن۔ محرر۔ خادم
 □ ملک لعل خان
 □ جناب اللہ داد ولد معراج محمد □ ملک احمد شیر خوشابی
 □ جناب بخش الہی اوچھالی □ مولوی چراغ دین رتیڑی
 □ منشی محمد حسین کاتب قریشی □ مولوی محمد شفیق کولہیاں
 □ جناب محمد شریف رضا کار □ جناب شیر محمد نو مسلم
 □ مولوی سید محمد شاہ مبلغ □ خواجہ محمد حسین اسیر فرنگ
 □ جناب عبداللہ لکھوی □ جناب محکم دین رضا کار
 □ سید غلام مصطفیٰ شاہ □ جناب محمود رضا کار

- مولانا سید مغیث الدین شاہ مبلغ ورکن □ مرزا بیگ □ جناب نور محمد
 □ جناب محمد حسین چک 35 معتمد ساہیوال □ جناب قائم دین □ منشی سردار علی
 □ حضرت مولانا محمد حسین اجمیری صدر مجلس □ مولوی محبوب الہی سابق مبلغ □ شیخ علاء الدین
 □ جناب جیون سکند ساہیوال □ جناب خوشی محمد چک 36 □ مولوی محمد خلیل (اوچھالی)
 □ جنابہ بدھن خاکرو بن مجلس دفتر خلافت □ جناب علاء الدین □ جناب محمد یار
 □ چودھری سراج الدین احمد □ مولانا محمد نصیر الدین بگویی □ جناب منظور حسین چک 36
 □ جناب محمد حیات □ جناب محبوب الہی مبلغ مجلس □ جناب دوست محمد (چک رامداس)
 □ جناب رحمت اللہ چک میانہ □ جناب سید محبوب شاہ □ میاں فتح محمد
 □ جناب سید امیر شاہ (سرو بہ جہلم) □ حافظ نور محمد □ جناب ملک سردار علی (مردوال)
 □ میاں نور محمد ترکھان (رضا کار ساہیوال) □ مستری غلام حسین (نوشہرہ) □ مولوی غلام رسول (ساہیوال)
 □ شیخ اللہ جوایا ڈویژنل منشی (شاہ جیونہ)

اس ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع شاہ پور کی تحصیل شاہ پور، سرگودھا اور خوشاب میں مجلس خلافت کا جال بچھ چکا تھا۔ گاؤں گاؤں قریہ قریہ دفاتر بن چکے تھے اور معززین ان مجالس کے معتمد (سیکرٹری) تھے۔ یہ لوگ مرکزی دفتر واقع سرگودھا سے اصالتاً یا وکالتاً رابطہ رکھتے اور ضروری لٹریچر و دستاویزات خرید کر یا عاریۃً یا تقسیم کرنے کے لیے لے جاتے تھے۔ ماہ مارچ 1924ء کے حوالے سے سرگودھا پولیس کے چھاپے کا ذکر ہے جو بر موقع گرفتاری سراج، بوقت تلاشی دفتر، 200 روپوں کے مالیتی خلافت نوٹ اور یک صد روپیہ نقد ساتھ لے گئی۔

مقامات سفر:

تنظیم خلافت اور تبلیغ اسلام کے لیے مجلس خلافت سرگودھا کے معتمد اور دیگر عہدے داروں اور مبلغین نے جن مقامات کا سفر اختیار کیا، ان کے نام یہ ہیں۔

- | | | | |
|-------------|------------|----------|---------------|
| □ سیال شریف | □ سلانوالی | □ فروکہ | □ ساہیوال |
| □ سرگودھا | □ شاہ پور | □ مثیلہ | □ بھلووال |
| □ وال پھراں | □ للیانی | □ سداکبہ | □ چک 10 شمالی |
| □ کوٹ مومن | □ ہموکا | □ خوشاب | □ لاہور |

□ سلطان پور	□ سو بھاگا	□ چرنالی	□ راو پینڈی
□ بکھر بار	□ مردوال	□ حویلی قریشیاں	□ دھیر وال
□ نورے والہ	□ جھاوریاں	□ بیربل	□ چاچڑ
□ چک میانہ	□ پھلروان	□ راجڑ	□ کندیاں
□ ملک وال	□ خواجہ آباد	□ میانی	□ مروالہ
□ سرکی	□ سوڈھی	□ چنھڑ	□ کنڈ
□ جہلم	□ اوچھالی	□ نوشہرہ	□ بیرال
□ پنڈ مکو	□ کھووال	□ اجنالہ	□ بھیرہ
□ چک 106 رش	□ چک 104 رش	□ چک 17	□ سالم
□ رتیڑی	□ ڈیرہ جاڑا	□ چک 118 رش	□ چک 113 رش
□ امرتسر	□ حسن آباد	□ کروڑ	□ بندویں
□ نو تھیں	□ چک 87 جنوبی	□ لہ	□ محمدی
□ کرولی	□ چک نمبر 74	□ کنواں سرکاری	□ چک رامداس
□ سکسیر	□ کورڈھی	□ کفری	□ انگلہ
□ پیلوونیس	□ عینو	□ پتن تیری	□ دندہ
□ میلی پیر بخش	□ مہاپور	□ روڈہ	□ لکو
□ دھر حقر	□ ڈھوک علی خان	□ ڈھوک میانی	□ چینیا نوالہ
□ تونسہ شریف	□ کوٹ سلطان	□ میانوالی	□ موسیٰ خیل
□ مٹھ لک	□ چک 75 راج	□ چک 81 رش	□ چک 47
□ کوٹ مومن	□ چک 115 راج	□ ہنڈیوال	□ چک 95 راج
□ بکھر بار	□ چنہ	□ ناڑی	□ نلی
□ چک نمبر 90	□ مجوکہ	□ پنڈ مکو	□ چک 75 شمالی
	□ چاوہ	□ ہنڈے والی	□ نور خانے والہ

حضرت ثالث سیالوی کی معیت اور قیادت میں بھیرہ سیال شریف سے روانہ ہو کر تونسہ شریف سے واپسی براہ میانوالی ہوئی۔ یہ دورہ یکم سے 28 دسمبر 1924ء تک مسلسل اور بلا انقطاع جاری رہا۔ سفر خرچ پر مولانا گبوی کے کل 11 روپے 2 آنے صرف ہوئے اور یہ سفر کل 441 میل پر محیط تھا۔

تفصیل اخراجات:

جتنی احتیاط، توجہ اور ذمہ داری سے مجلس خلافت شاہ پور کے اخراجات کا اندراج کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صفائی، درستگی اور احتسابی نقطہ نظر سے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ دراصل نتیجہ ہے احساس ذمہ داری اور اخروی مسئولیت کا کہ ہر خرچ اصول کے مطابق ہو اور پورے ثبوت کے ساتھ ریکارڈ موجود ہو۔

درج ذیل مدات پر اخراجات کی خوبصورت تفصیل نظر آتی ہے۔

- ☆ امداد اسیران فرنگ (چوہدری سراج الدین احمد بروئے فیصلہ مجلس عاملہ خلافت کمیٹی شاہ پور)
- ☆ خرید اخبارات (سیاست و زمیندار لاہور، تنظیم امرتسر، الاسلام لاہور)
- ☆ خرید کتب دارالمطالعہ ولا بھیرہ
- ☆ جلسہ جلوس رہا شدہ اسیران
- ☆ وظائف طلبہ دینی مدارس و اساتذہ
- ☆ پڑتال حسابات برانچیں خلافت کمیٹی
- ☆ امداد دینی مدارس و رضا کاران خلافت
- ☆ تبلیغ و اشاعت اسلام
- ☆ اخراجات فوجداری مقدمہ جات بخلاف کارکنان خلافت
- ☆ شٹیشنری
- ☆ ڈاک خرچ
- ☆ شریکٹ اجلاس صوبائی و مرکزی مجالس خلافت
- ☆ طباعت
- ☆ گیس جلانی
- ☆ جھنڈا خلافت
- ☆ مہمانداری
- ☆ پانی چھڑکاؤ
- ☆ تیل
- ☆ اخراجات سفر کارکنان
- ☆ دورہ وفد خلافت از پنجاب
- ☆ خوراک عملہ
- ☆ مہریں
- ☆ کرایہ مکان دفتر بلاک نمبر 20 سرگودھا
- ☆ نصف چندہ رکنیت بطور تعاون صوبہ و مرکز

(دیکھئے جلد دوم میں)

ذرائع سفر:

آج کے دور میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک خلافت کے سرفروش اور جانناز کارکن کن حالات میں ضلع کے دور دراز اور مشکل ترین مقامات پر کیسے پیغام حق پہنچاتے تھے۔ مولانا گبوی نے سفری اخراجات کے کلیم کافی رقم کچھ اس طرح بنایا ہے کہ ہر کارکن مبلغ رخادم کی سرگرمیاں اور صعوبتیں ایک نظر میں سامنے آ جاتی ہیں۔

(دیکھئے تفصیلات سفر ہمراہ حضرت سیالوی، جلد دوم میں)

ادائیگی فرض کے لیے جو ذرائع سفر استعمال کیے گئے، ان کے نام یہ ہیں۔

- | | | | |
|----------------------------------|--------------|----------|---------|
| 1- پیدل | 2- کشتی | 3- نجر | 4- اونٹ |
| 5- گھوڑی | 6- ٹانگہ | 7- ٹم ٹم | 8- لاری |
| 9- ریلوے ٹرین (انٹریا تھرڈ کلاس) | 10- موٹر کار | | |

مزید معلومات:

دستیاب دستاویزات بابت 1923-25ء مجلس خلافت ضلع شاہ پور کے مطالعے سے بعض ضروری اور دلچسپ امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ان سے دین کے خادموں کے سوچنے اور کام کرنے کا انداز بھی سامنے آتا ہے۔ چند امور پیش خدمت ہیں:

اراکین مجلس عاملہ:

مولانا ظہور احمد بگویی	مولانا سید مغیث الدین شاہ
مولوی حکیم عبدالرسول بکھروی	قاضی قمر دین (مورخہ دسمبر 23ء)
حکیم عبدالحمید سیفی	

سود کا استعمال:

بروئے فیصلہ مجلس عاملہ مبلغ 6 روپے 13 آنے سود کی رقم جو کھاتے میں جمع تھی، حساب سے خارج کر دی گئی اور صحیح مصرف پر خرچ کر دی گئی۔

کارکنوں کا خیال:

(نوٹ) محکم دین رضا کار 24 گھنٹے خلافت کا کام کرتا ہے اور خرچ خوراک و پوشاک وغیرہ کے لیے سرمایہ خلافت سے حتی الوسع نہیں لیتا۔ سخت ضرورت کے موقع پر کبھی کبھی اسے معمولی رقم دی جاتی ہے۔ مجلس ضلع سے منظوری پندرہ روپے ماہوار تک خرچ کرنے کی ہے۔ (دستخط معتمد)

صوبائی خلافت کانفرنس سیال شریف:

مورخہ 6 تا 9 فروری 1924ء بر موقع عرس حضرت خواجہ غریب نواز ثانیؒ۔ سیال شریف میں صوبائی خلافت کانفرنس منعقد کی گئی جس میں اعلیٰ سطح کے زعماء شریک ہوئے۔

سیال شریف کے سفر:

برائے مشورہ و رہنمائی حضرت ثالث سیالوی

مدارس دینیہ کی اعانت:

۱۔ منشی سید رسول مدرسہ اسلامیہ ملیہ اوچھالہ ڈاک خانہ نوشہرہ ضلع شاہ پور

ب۔ محمد شفیق مدرس مدرسہ ملیہ مردوال ضلع شاہ پور

رہائی حضرت مولانا محمد حسین صدر مجلس خلافت سرگودھا:

رسیدگی بھیرہ مورخہ 25 اپریل 1924ء ہمراہ مولانا بگوی۔ بھیرہ میں استقبال جلوس وغیرہ۔

جلسہ برہائی صدر مجلس درس ایواں

اجلاس ارکان مجلس منظمہ خلافت کمیٹی سرگودھا ضلع شاہ پور:

(1) منشی سید رسول	(2) حافظ محمد یعقوب	(3) مولوی محمد معصوم
(4) اللہ دتہ دھیرووال	(5) مولوی نور الدین انصاری	(6) ملک شیر محمد
(7) غلام احمد میانوی	(8) حکیم عبدالحمید سیفی	(9) مولانا ظہور احمد بگوی

رکن مجلس خلافت مرکز یہ ہند:

☆ ضلع شاہ پور سے مولانا ظہور احمد بگوی، مجلس خلافت مرکز یہ ہند کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔

☆ شمولیت دہلی اجلاس اراکین مجلس مرکز یہ عالیہ خلافت ہند منعقدہ مورخہ 25 مئی 1924ء از سرگودھا

شرکت اجلاس مسلم لیگ و اجلاس مجلس خلافت پنجاب بطور رکن مجلس عاملہ:

دونوں اجلاس لاہور میں منعقد ہوئے (20 تا 26 مئی 1924ء) جن میں مولانا بگوی شریک تھے۔

رہائی مولوی سید محمد شاہ صاحب سابق مبلغ مجلس خلافت شاہ پور:

12 جون 1924ء کو جیل سے رہا ہو کر بھیرہ آئے۔

اجلاس مرکزی مجلس خلافت دہلی:

مورخہ 24-25 جون 1924ء بحوالہ خط نمبری 104 مورخہ 17 جون 1924ء از مولانا سید حبیب معتمد مجلس

خلافت پنجاب۔ شرکت کی تاکید اور ہدایت کہ ”اپنے ضلع کی کمیٹی سے آمدورفت کا انٹر کا کر ایہ وصول کر لیں۔“
(دیکھئے جلد دوم میں)

اجلاس مجلس خلافت پنجاب اور ملاقات مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری:

منعقدہ لاہور و سفر امرتسر

فوجداری مقدمہ:

- زیر دفعہ 107 تعزیرات ہند بعدالت ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرگودھا سرکار بنام ظہور احمد بگویی۔
- وکیل ہرنس لال (مورخہ 17 مارچ 1925ء)
- مقدمہ سرکار بنام مولانا محمد اسحاق مانسہروی۔ وکیل عبدالعلی سرگودھا۔

حضرت ثالث سیالوی کے ہمراہ سفر تبلیغ:

تیم دسمبر تا 28 دسمبر 1924ء۔ جنوری 1925ء

(دیکھئے جلد دوم میں)

مجلس خلافت پنجاب کا وفد بھیرہ میں:

ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا سید حبیب اور مولانا عبدالغفار غزنوی 20 تا 22 اگست 1924ء۔ بھیرہ کے دورہ پر آئے اور قیام کیا۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے زعماء کی بھیرہ آمد:

خلافت، کانگریس اور مسلم لیگ کے ان رہنماؤں کا الگ سے ریکارڈ تو موجود نہیں ہے تاہم روایات کے مطابق درج ذیل حضرات بھیرہ تشریف لائے اور ان سے بعض نے جامع مسجد بھیرہ کے پلیٹ فارم سے اور اکثر نے حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی معیت اور رفاقت میں عوام سے خطاب کیا۔

- 1۔ مولانا محمد علی جوہر
- 2۔ مولانا شوکت علی
- 3۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری
- 4۔ مولانا ظفر علی خاں
- 5۔ مہاتما گاندھی جی
- 6۔ مولانا ابوالکلام آزاد
- 7۔ پنڈت جواہر لال نہرو
- 8۔ ماسٹر تارا سنگھ
- 9۔ مسز سروجنی نائیڈو
- 10۔ مولانا حسرت موہانی
- 11۔ سید غلام بھیک نیرنگ مرحوم
- 12۔ جناب سی آر داس

- 13- جناب عبدالمجید سندھی
14- مولانا حسرت موہانی
15- کملا دیوی
16- ڈاکٹر ستیہ پال
17- محترم مولانا مظہر علی اظہر مرحوم
18- شیخ حسام الدین مرحوم
19- حضرت خواجہ ثالث سیالوی
20- مولانا سید حبیب مالک روزنامہ سیاست لاہور

رسیدات:

مجلس خلافت پنجاب کی جانب سے مطبوعہ رسیدات پر مجلس خلافت کا ضلع، رسید بک اور رسید نمبر مقامی معتمد خود درج کرتے تھے۔ (دیکھیے جلد دوم میں)

زبان بندی:

جیل سے رہائی کے بعد مولانا بگوی نے بطور معتمد مجلس خلافت شاہ پور اپنی دعوتی اور تنظیمی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دی تھیں۔ اس کی چند جھلکیاں 1923-24ء کے درمیان آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں۔ استعماری حکومت کے استبدادی ہتھکنڈے، قافلہ حریت کے جذبے ماند نہ کر سکے۔ برطانوی سرکار اقتدار کو مضبوط بنانے کے لیے جتنی سختی کرتی آزادی کے متوالے اور دین کے شیدائی اس سے زیادہ جوش اور برداشت کا مظاہرہ کرتے۔ نتیجہ مولانا افتخار احمد بگوی سے سنئے:

”1924ء میں حکومت پنجاب نے مولانا کی علاقہ سون میں ایک تقریر کی بنا پر زبان بندی کا حکم نافذ کر دیا بلکہ خطبہ جمعہ تک کی ممانعت کر دی۔ مولانا اس عرصہ میں (مجلس خلافت شاہ پور کے دفتر واقع) سرگودھا کو چھوڑ کر بھیرہ شریف لے آئے۔ اگرچہ زبان بندی کا حکم سرگودھا کے پورے ضلع پر حاوی تھا تاہم مولانا بھیرہ میں برابر خطبہ جمعہ دیتے رہے البتہ پبلک جلسوں کی شرکت سے ایک سال کے لیے احتراز فرماتے رہے۔“ (آخری پیغام حق، ص 2)

صوبائی مجلس خلافت پنجاب:

مولانا سید حبیب مالک و مدیر روزنامہ سیاست لاہور صوبائی مجلس کے معتمد تھے۔ مولانا بگوی مجلس خلافت پنجاب کی صوبائی مجلس عاملہ کے رکن اور عہدے دار تھے۔

مرکزی مجلس خلافت ہند:

حضرت مولانا ظہور احمد بگوی مرکزی مجلس خلافت ہند کی مجلس عاملہ کے پنجاب سے نامزد رکن تھے۔ بار بار انہیں بطور مندوب اعلیٰ اجلاسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اپنی ذہانت اور فعالیت کے سبب مولانا نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مجلس خلافت کے دیگر اکابرین سے کئی بار داد تحسین حاصل کی اور خدمات میں ممتاز رہے۔

جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور سرگودھا

طرز ايقه کار:

جمعیت تبلیغ کا مقصد مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے باخبر رکھنا، اعدائے اسلام کی سرگرمیوں سے مطلع کرنا، عمومی عمل اور عمل کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا اور اسلام دشمن قوتوں کی سرگرمیوں کا قلع قمع کرنا تھا۔ چنانچہ اس کام کے لیے حضرت مولانا بگویی نے ایک ضلعی تنظیم تشکیل دی اور اس کے تحت ضلع شاہ پور سرگودھا کے مختلف بڑے شہروں کا دورہ کر کے شاخیں قائم کیں۔ نوجوانوں کے لیے کتب خانے اور دارالمطالعہ کا اجرا کیا جہاں اسلامی کتابیں، رسائل اور روزنامے فراہم کیے جاتے۔ جہاں فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا وہاں ضلعی تنظیم کی جانب سے نقد عطیات بطور اعانت روانہ کیے جاتے تھے۔ یہ تمام سرگرمیاں اصل میں مجلس خلافت کی پالیسی کے تحت اس کے کام کی توسیع تھیں۔

ممبرہ دار:

- ❖ مولانا ظہور احمد بگویی سیکرٹری مجلس خلافت سرگودھا ضلع شاہ پور و ناظم جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور سرگودھا
- ❖ مولانا سید مغیث الدین شاہ ناظم دفتر جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام سرگودھا
- ❖ حکیم عبد المجید سیفی
- ❖ جناب علاؤ الدین
- ❖ مولانا محمود بگویی
- ❖ سید رسول خادم خلافت
- ❖ محمد حیات رضا کار خلافت
- تبلیغی اخبار و رسائل:

اخبار دعوت الاسلام، دہلی، رسالہ اعلم لودھیانہ، کفر توڑ، فتنہ ارتداد، تکمیل الایمان، رحمة العالمین، مختلف ابتدائی دینی و اسلامی کتب و رسائل، روزنامہ سیاست لاہور۔

مقامات کار:

خوشاب۔ بھیرہ۔ سرگودھا۔ راجڑ۔ بھلووال۔ شاہ پور صدر۔ شاہ پور شہر۔ سلا نوالی۔ ساہیوال۔ صاحبوال

خدمات:

رجسٹر اخراجات کا دورانیہ 7 مئی 1923ء سے 31 اپریل 1924ء تک ہے۔ اس میں صرف وہ سہ ماہیاں مذکور ہیں جن پر اخراجات صرف ہوئے ہیں۔ مثلاً خرید کتب، رسائل، بورڈز، اشعار، عطیات، تنظیمی اور دفتری معاملات وغیرہ۔

23 مئی 1923ء کو قاضی محمد عمر صاحب اور مولوی فضل احمد کی درخواست پر حضرت مولانا ظہور احمد گبوی ناظم جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور سرگودھا بھلووال تشریف لے گئے۔ محمد حیات رضا کا رہنما ہوتے۔ لوگوں سے وہاں ملاقات کی اور انہیں تلقین کی کہ وہ جمعیت تبلیغ قائم کریں۔

5 مولوی صاحبان کو خطوط لکھے۔ انہیں دھرم جکشتو کے مقابلہ میں تقریر کرنے کی دعوت دی۔

غازی محمود دھرم پال کو رسالہ ”کفر توڑ“ بھیجنے کی درخواست۔

عید کے موقع پر بھیرہ میں تبلیغ اسلام کی گئی اور لوگوں کو انسداد ارتداد کے لیے آمادہ عمل کیا گیا۔ نیز موضع کوہیاں میں جا کر وہاں تبلیغ و تلقین کے ذریعے مسلمانوں کو شیعہ ہونے سے بچایا گیا۔

مندرجہ ذیل چار بورڈ بنوائے گئے:

1۔ دفتر جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور سرگودھا

2۔ دفتر جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام خوشاب

3۔ دارالمطالعہ و کتب خانہ

4۔ دفتر رسالہ تبلیغ سرگودھا

بنام شعبہ تبلیغ و حفاظت اسلام جمعیت علمائے ہند دہلی رسید نمبر 63، کتاب نمبر 9، مبلغ ایک صد روپیہ عطا کنندہ

معرفت جناب ظہور احمد صاحب گبوی ناظم جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام سرگودھا (پنجاب) بذریعہ چیک نمبر

161441 پنجاب نیشنل بینک مورخہ 2-8-1923ء مطابق 18 ذوالحجہ 1341ھ۔ (دیکھئے جدول دوم میں)

رسید نمبر 229 مورخہ 27 ستمبر 1923ء۔

بنام جمعیت دعوت و تبلیغ اسلام۔ بیڈ آفس 2410 ایسٹ سٹریٹ پونا ٹیمپ مبلغ۔ 260 روپے از ظہور احمد

بگوی صاحب سیکرٹری جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام سرگودھا (پنجاب) بابت اعانت جمعیت بہ تبلیغ و اشاعت اسلام (فتنہ ارتداد آگرہ)

(دیکھیے جلد دوم میں)

جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور بظاہر مجلس خلافت ضلع شاہ پور کا ضمیمہ بلکہ تمہ معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے مخاطب مسلمانوں کا نوجوان طبقہ اور نیم خواندہ یا ان پڑھ مسلمان تھے جن کے بارے میں خدشہ تھا کہ وہ اسلام دشمن طاقتوں کے زیر اثر نہ آجائیں۔ شاہ پور بنیادی طور پر جاگیردار اور کاشتکار ضلع تھا۔ دونوں طبقے دین سے عموماً سب بہرہ، عام تعلیم سے محروم، پیروں فقیروں کے گرویدہ اور ہندو مہاجن کے چنگل میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس امر کا شدید امکان تھا کہ شاہ پور کے مسلمان ہندو بنانے کی عام مہم کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت مولانا بگوی کی نگاہ نے اس معاملے میں جزر سے کام لیا اور جمعیت تشکیل دی۔ ان کی اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے پورے ضلع شاہ پور میں ارتداد کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ بلکہ مسلمانوں کی دین سے وابستگی اور ان کے عمومی فہم میں اضافہ ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ جمعیت تبلیغ و تعلیم الاسلام ضلع شاہ پور حضرت مولانا بگوی کے ارتقائی ذہن اور تعمیری فکر کی ایک کڑی تھی جو تحریک خلافت سے شروع ہوئی اور بالآخر نومبر 1929ء میں کل ہند مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی تشکیل پر منتج ہوئی۔

آج اور کل

وہ کل کے غم و عیش پر کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

اقبال

642

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ

تحریک خلافت برصغیر کے مسلمانوں کی خصوصاً اور غلام ہند کے باسیوں کی عموماً پہلی پرامن اور ہمہ گیر جدوجہد تھی جسے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اور دیگر اکابرین کی قیادت و سیادت کے ساتھ ہندی غیر مسلموں اور آنجہانی کرم چند موہن داس گاندھی جی کی اعانت بھی حاصل تھی۔ تمام تر ولولہ و جوش اور ترک موالات کے اسلحہ کے باوجود یہ تحریک بین الاقوامی حالات اور ملکی وجوہات کی بنا پر اپنا مقصد حاصل نہ کر سکی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک کے فیوض و اثرات کا ہی ثمر ہے جو ہند نے آزادی اور مسلمانوں نے بالآخر پاکستان کی شکل میں پایا۔

بیدار مغز اور دور اندیش مسلم زعماء اور دانش وروں نے دیکھا کہ تحریک کے ظاہری مقصد کے عدم حصول کے بعد قومی فکر اور توانائی پر اضمحلال اور جمود طاری ہونے لگا ہے۔ چنانچہ بعض دانش ور علماء اور مشائخ اس کیفیت کے سدباب کے لیے اپنے اپنے حلقوں میں مصروف کار ہو گئے اور ”جاگتے رہو“ کی صدا دینے لگے۔ یہ قدرتی رد عمل کا ایک فطری تقاضا اور ان زعماء کا فرض تھا۔ یہ بزرگ اس رد عمل، اس کے تقاضے اور اپنے فریضے سے نچنت نہیں رہے بلکہ انہوں نے دعوت و ارشاد، تعلیم و اصلاح اور اتحاد و فلاح اور آزادی کی جدوجہد کو نئی تازگی کے ساتھ جلا دی۔

مجاہد ملت حضرت مولانا ظہور احمد گبوی تحریک خلافت کے ان جان نثار اور دانش ور بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے حالات کے تقاضے، وقت کی پکار اور اپنے فرض کو پہچانا۔ اور پھر پوری تن دہی سے دین کی اشاعت و سر بلندی اور مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح میں جٹ گئے۔ ان کی شخصیت برصغیر خصوصاً متحدہ پنجاب اور موجودہ بھارت کے ساحلی اور مشرقی حصوں میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ بھیرہ کے مردم خیز شہر کی آبرو اور گویہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی زندگی اس علاقے کی تہذیبی، سیاسی، مذہبی اور علمی جدوجہد کی تاریخ ہے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ کے درد اور زبوں حالی سے بے تاب، بے دینی اور کم علمی سے پریشان اور غلام وطن کے فرنگی راج سے بے کلم ہو کر سامراجی اور طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لی اور ان کے طلسم کو پاش پاش کر کے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کو اپنی مختصر حیات کا مقصد وحید بنایا۔ اور اپنی بے لوث اور ان تھک کوششوں سے برصغیر خصوصاً متحدہ پنجاب کے مسلمانوں اور علماء و مشائخ کے سامنے خدمت و سعادت کی روشن مثالیں قائم کیں۔ من انصاری الی اللہ کی ربانی پکار پر اس

ہر دقلمند نے پوری بے سرو سامانی کے ساتھ نحن انصار اللہ کی لبیک کہی۔

(تذکرہ بگوی علماء و مشائخ مصنفہ ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی)

خدمت و سعادت کے اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے چند دردمند احباب 21 جمادی الاولیٰ 1348ھ 5 نومبر 1929ء ایک صبح کو حضرت مولانا ظہور احمد بگوی کی دعوت پر جامع مسجد بھیرہ میں اکٹھے ہوئے۔ حالات کے جائزے اور ابتدائی کوششوں کے تذکرے کے بعد مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی تشکیل ہوئی۔ جنوری 1930ء میں مہد ثالث کے شمس الاسلام کے پہلے شمارے میں اس کی تاسیس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

من انصاری الی اللہ

حزب الانصار

”حزب الانصار ایسے مخلص کارکنوں کی جماعت ہے جن کا مقصد وحید خدمت اسلام و مسلمین ہے۔ پنجاب میں ہر آنوں کا فقدان مدت سے دور بین حضرات کو کھٹک رہا تھا۔ اور اعداء اندرونی و بیرونی سازشوں کے ذریعہ جس تنظیم باقاعدگی اور محنت سے شجر اسلام کی بربادی کے لیے سعی تھے۔ الحمد للہ کہ اس کے دفاع کے لیے بمقام بھیرہ مورخہ 21 جمادی الاولیٰ 48ھ اس مبارک تحریک کا وجود عمل میں آیا۔ اور حزب الانصار اور دیگر جمعیت خدام اسلام یا ورکرز لبیک کے قیام سے خادمان اسلام کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اس کا دستور العمل و دستور اساسی انشاء اللہ اگلے پرچہ میں درج کر دیا جائے گا۔ فی الحال مجملہ گزارش ہے کہ چند مفلس بے سرو سامان مگر دردمند ملت سے بے تاب اشخاص اپنی تمام سرگرمیوں اور مساعی کو خدمت اسلام کے لیے وقف کرنے کا نہ صرف عہد کر چکے ہیں بلکہ میدان عمل میں گامزن ہو کر تمام درد اسلام دیکھنے والوں سے امداد کے بلتجی ہیں۔ ہر مسلمان کے لیے حزب الانصار کا داخلہ کھلا ہے۔ حزب الانصار مالی جانی لسانی غرض ہر ہمدردی کا مستحق ہے۔“ حزب الانصار کا سب سے پہلا کارنامہ جامع مسجد بھیرہ میں دارالعلوم عزیز یہ کا اجراء ہے۔ جس میں اعلیٰ علوم دینیہ فقہ، حدیث، تفسیر، منطق وغیرہ کی تعلیم جاری ہے۔

ایک عظیم الشان وقفی کتب خانہ قائم کرنے کی فکر ہے تاکہ مبلغین و مناظرین، معلمین و متعلمین اس سے یکساں مستفیض ہو سکیں۔ آج پنجاب بھر میں کوئی وقف کتب خانہ ایسا نہیں جہاں پر کہ غیر مذاہب کی کتابیں بھی موجود ہوں اور مناظرہ کرنے والے وہاں سے کتب منگوا سکیں۔ حضرت مولانا محمد عبدالشکور مدیر النجم لکھنؤ کو بمقام کولتار روافض سے مناظرہ کرنا پڑا۔ تمام پنجاب میں کہیں سے روافض کی کتب سوائے کافی کلینی و حیات القلوب

کے دستیاب نہ ہو سکیں۔ اس سے عام مناظرین کی بے بسی و بے کسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ رسالہ ہذا محض تبلیغ اسلام اور خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ رسالہ کسی شخص واحد کی ملکیت نہیں بلکہ اس کی پالیسی وغیرہ کی باگ ڈور حزب الانصار کے اراکین کے ہاتھ میں ہے۔ دارالعلوم عزیز یہ کا قیام، رسالہ کا اجرا، وقفی کتب خانہ کے لیے فراہمی کتب کا آغاز۔ یہ تینوں کام ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ اس سے آپ کارکنان کی مستعدی و جذبہ خدمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مولانا محمد اکرم المعروف پیر قطبی شاہ قریشی ملتانی اعزازی مبلغ، ضلع کجرات کے قریب اوس مواضع نمک میانی وغیرہ میں دورہ فرما چکے ہیں:

جاگو! خدارا جاگو!! انصار دین بنو!!!

آگ میں اڑ کر گرا پروانہ یہ کہتا ہوا

آ میرے ساتھ آ اگر مردانگی کا جوش ہے“

حزب الانصار کی امداد کے ذرائع:

- 1- خود رکھ بن کر اور اپنے احباب کو بنا کر اس کا حلقہ کار وسیع کیجئے۔
- 2- اپنے مفید مشوروں اور ہدایات سے مستفیض فرماتے رہیں۔ آپ اہل قلم ہیں تو رسالہ شمس الاسلام کی قلمی اعانت فرمائیں۔
- 3- بیکس، لاوارث، یتامی و مساکین کو غیر مذاہب کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لیے اور آوارگی سے بچانے کے لیے ناظم حزب الانصار بھیرہ کے پاس روانہ فرمائیں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت بہتر طریقہ پر ہو سکے۔
- 4- رفض، میرزا نیت یاد دیگر اثرات سے دیہات و مواضع کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمارے شریک کار بنیں اور اپنے علاقہ کی اطلاعات بھیجتے رہا کریں۔
- 5- دارالعلوم عزیز یہ کے طلبہ و مساکین کے لیے زکوٰۃ، صدقات، چرمہائے قربانی وغیرہ سے امداد فرمائیں اور اپنے حلقہ سے فراہمی سرمایہ میں سعی فرمائیں۔
- 6- رسالہ شمس الاسلام کے خریدار بن کر اور دوسروں کو بنا کر حزب الانصار کے مصارف کو مہرے کا ذریعہ بنیں۔ کیونکہ رسالہ ہذا کے مصارف ناقابل برداشت ہیں۔ جس قدر رسالہ کا دائرہ اشاعت وسیع ہوگا اسی قدر تبلیغی کام زیادہ ہو سکے گا۔ اور حزب الانصار ایسے مصارف سے سبکدوشی حاصل کر سکے گا۔
- 7- وقفی کتب خانے کے لیے اپنے پاس سے یا خرید کر کتابیں عطا فرمائیں اور دوسروں کو ایسا کرنے کی تلقین

کریں۔ ہر کتاب پر واقف یا واہب کا نام درج ہوگا۔ اور ہمیشہ کے لیے وہ کتاب صدقہ جاریہ کا کام دے گی اور مرنے کے بعد بھی روح کو ثواب ملتا رہے گا۔ کتب خانہ کا انتظام حزب الانصار کی مجلس منتظمہ کے ہاتھ میں رہے گا اور ہر واقف یا واہب کا حق ہوگا کہ اپنی رائے دے سکے۔

8۔ اگر آپ تبلیغ کر سکتے ہیں تو حزب الانصار کے شعبہ تبلیغ میں اپنا نام درج کرا کر ایک تنظیم کے ماتحت کام کیجئے تاکہ آپ کی خدمات سے مسلمان احسن طریقہ پر مستفیض ہو سکیں۔

9۔ دیہات کے امامان مساجد میں سے جو جاہل ہوں ان کو مجبور کریں کہ وہ کم از کم تین ماہ دارالعلوم عزیزہ میں ضروری دینی تعلیم حاصل کریں اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم میں بھیجیں۔ امامان مساجد کے بچوں سے خاص امتیازی سلوک کیا جائے گا کیونکہ قوم کے یہ افراد زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔

10۔ اپنے بائیں تبلیغ احکام دینیہ کے لیے جلسہ مقرر کر کے حزب الانصار کے مبلغین طلب فرمائیے۔

حزب الانصار کے اغراض و مقاصد:

(1) اندرونی، بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ۔ تبلیغ و اشاعت اسلام۔

(2) اصلاح رسوم۔

(3) احیاء، اشاعت علوم دینیہ۔

بنیادی ادارے:

(1) اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس کے لیے ایسے دارالعلوم کا اجرا جس میں طلباء دینیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مکمل عالم، مبلغ اور مناظر بن کر نکلیں۔ اور عوام کی ہدایت و تقویت دین کا باعث بنیں۔

(2) ایسا کتب خانہ قائم کرنا جس میں جملہ علوم و فنون و دیگر فرق اسلامیہ و مذاہب باطلہ کی کتب جمع کی جائیں جن کے مطالعہ سے مدرسین و طلباء کی نظر غائر اور خیالات عالی ہوں اور عام شائقین ان کے مطالعہ سے مستفید ہو سکیں اور وسعت معلومات کا ذریعہ ہوں۔ نیز ہر مبلغ و مناظر کے لیے بمنزلہ اوزار کام دے سکیں۔

(3) مبلغین و کارکنان کی ایسی جماعت کا قیام جو بذریعہ وعظ و تقریر عامہ مسلمین خصوصاً دیہاتیوں کو تبلیغ احکام

الہی کریں۔ جس سے ان کے اخلاق و معاشرت، کسب معاش و معاملات شریعت کے مطابق ہو سکیں۔

(4) اغراض مذکورہ بالا کی اشاعت کے لیے ایک ماہواری رسالہ کا اجرا جس میں ضرورت زمانہ کے مطابق

اصلاحی و تبلیغی مضامین درج ہوں۔ نیز حزب الانصار کے مبلغین و کارکنان کی کارگزاری۔ حسابات مدخل و مخارج کے سہ ماہی گوشوارے بغرض آگاہی خواص و عوام درج ہوا کریں۔

نوٹ: دارالعلوم عزیز یہ کی ایک شاخ تعلیم القرآن بھی ہے جس میں قرآن مجید کی تعلیم ناظرہ و حفظ و ترجمہ قرآن کا مکمل انتظام ہے۔

طریقہ کار:

مجلس حزب الانصار کی اس تاسیسی تحریر میں اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت کے حوالے سے چند عملی اور تنظیمی نکات قابل غور ہیں:

- (1) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے مشاورت، اجتماعی معاونت اور مقامی قیادت
- (2) خادمان اسلام یا ورکرز لیگ کا قیام اور تنظیم۔
- (3) میدان عمل میں گامزن ہونے کے لیے
 - ا۔ دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کا اجراء۔
 - ب۔ اعلیٰ درجے کے کتب خانہ کی ضرورت۔
 - ج۔ ”شمس الاسلام“ کی اشاعت۔
 - د۔ جامع مسجد بھیرہ کی بحالی و بہتری۔
- (4) مجلس کی ذاتی، مالی، مشاورتی اور اطلاعی معاونت۔
- (5) شعبہ تبلیغ سے منسلک ہو کر جماعتی طور پر خدمات سرانجام دینے کی دعوت۔
- (6) علاقے کے نادار بچوں کے لیے دینی تعلیم و تربیت کا انتظام۔
- (7) ان پڑھ یا کم خواندہ آئمہ مساجد کے لیے خصوصی کورسز۔
- (8) اصلاح رسوم معاشرہ کے لیے منظم اور مربوط کوششیں۔
- (9) اسلام کے خلاف اندرونی اور بیرونی سازشوں کے دفاع کے لیے مشترکہ اقدامات۔
- (10) تبلیغ دین کے لیے حزب الانصار کے مبلغین کی خدمات سے استفادہ۔

اقدامات:

- مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے حضرت مولانا گوی نے درج ذیل اقدامات کیے۔
- (1) ہر سال بھیرہ میں کارکنوں اور رفقاء کا سہ روزہ اجتماع۔

- (2) برصغیر کے مختلف علاقوں میں حزب الانصار کی شاخوں کا اجرا۔
- (3) مقامی اور بیرونی سطح پر ذیلی مدارس کا قیام۔
- (4) تالیف و تصنیف کا آغاز اور شمس الاسلام کا باضابطہ اجراء۔
- (5) افتاء اور تحقیق مسائل کے لیے مرکز۔
- (6) عورتوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام۔
- (7) سماجی بہبود اور اصلاح معاشرہ کے لیے کوششیں۔
- (8) تردید مذاہب باطلہ کے لیے مناظرے اور علمی مباحثے۔
- (9) تبلیغی دورے اور دعوتی جلسے
- (10) عام تعلیم کا فروغ اور اس کی توسیع

1929ء تا 1945ء تک مجلس حزب الانصار بھیرہ اپنے دور اول میں پورے 16 سال مصروف کار رہی۔ علاقائی اور ملکی سطح پر اپنے مختلف شعبوں اور کثیر الجہات سرگرمیوں سے اس نے دین اور ملت کی زبردست خدمات انجام دیں۔ ان سب امور کا احاطہ کرنے کے لیے بڑی ریسرچ درکار ہے جس سے کئی ضخیم جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ اختصار کے ساتھ چند نمایاں سرگرمیوں کے احوال پیش خدمت ہیں:

تبلیغ:

بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں جہاں ابلاغیات اور مواصلات بشمول شاہرات اور رانپور کی شدید دشواریاں تھیں وہاں ایسے نوجوان عالم بھی خال خال تھے جو دنیا پر دین کو ترجیح دیتے اور ایثار و قربانی کے ساتھ اسلام کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہوتے۔ چنانچہ حزب الانصار کے ابتدائی چند ماہ میں صرف تین مبلغ انفرادی اور اعزازی طور پر مصروف خدمت نظر آتے ہیں۔

1- حضرت مولانا ظہور احمد بگویی بانی امیر حزب الانصار بھیرہ۔

2- مولانا محمد اکرم المعروف پیر قطبی شاہ قریشی ملتان

3- مولانا عطا محمد آف کوٹ اللدیار

بوجہ قلت سرمایہ، باقاعدہ اور تنخواہ دار مبلغین کا تقررنہ ہوسکا۔ تاہم مئی 1930ء تک اعزازی مبلغین اور اراکین حزب الانصار نے اضلاع گجرات، شاہ پور، جہلم اور جھنگ کے قریباً 150 دیہات کا دورہ کیا اور لوگوں کو پیغام حق سنایا۔ بانی امیر نے مزید براں بڑانہ ضلع جھنگ، بھلووال، سمندری، چک 447 ضلع لائل پور، گجرات،

وزیر آباد، گوجرانوالہ، میانی، بگہ شریف ضلع جہلم، وازوی لہ مشوا، گھگھان وان، کٹھیا، شیخاں ضلع گجرات وغیرہ میں تبلیغی خطب کیے۔ اس دوران 3 عیسائی، 2 ہندو، 5 اچھوت، ایک مزارقی، 3 شیعوں اور سینکڑوں مذہب دین تائب ہوئے اور اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے۔ (شمس الاسلام - مئی 1930ء، ص 39)

اصلاح رسوم و عفا کفر، ترقی تجارت، حفاظت ایمان اور اتحاد امت کے لیے دیہات میں مسافری بذریعہ موٹروں جاری رہیں۔ شب بھیس و میں مسافری برادری نے اتباع شریعت کی پابندی کا عہد کیا اور چند شاہیوں شریعت کے مطابق سادات سے سوانحی مپائیں۔

قانون علی الخیر:

مجلس حزب انصار بھیس و اور حزب امد جوں پور شریف میں اشترک مقصد کے باعث مورخ لکھتے ہیں ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں بلکہ حضرات امیر حزب امد کے حزب انصار با حاق اپنی جماعت سے قبوں فرمایا ہے۔ ہذا حزب انصار کے تمام رکنین جماعت حزب امد کے غنائی رکن تصور ہوں گے اور حزب انصار اپنے داخلی مورخ میں آزاد ہوں گے۔

یہی جذبہ دیگر مذہبی اور سماجی تنظیموں اور انجمنوں کے ساتھ بھی تھا۔ ان کے ہر کام کے لیے وہ حزب انصار ہمیشہ معاون اور متفقد رہی۔

تاریخی سلسلے کے اخراجات:

21 ساداتی۔ 1348 تا 5 نومبر 1929ء۔ نوٹ بکس مجلس حزب انصار سے رقی شہن 1949ء۔ اگست 1930ء تک عرصے میں اس کے دن احوال اس عرصے کے۔

اخراجات		آمدن	
پے - آنے - روپ	تبہغ	پے - آنے - روپ	
46 - 10 - 0		286 - 6 - 2	رسولہ شمس الاسلام
478 - 10 - 3	رسولہ کی شراعت	0 - 0 - 0	کتب خانہ
523 - 7 - 9	تخنو ہنود و رسوم	133 - 1 - 3	بڑے ذرا رسوم
19 - 11 - 0	مظفر	244 - 10 - 0	چند و ارکان حزب انصار
67 - 15 - 0	تعلیم	9 - 6 - 0	مظفر امد
14 - 13 - 9	کے کاتھیں	674 - 7 - 9	
1194 - 5 - 9			

پہلے عملی سال کے اختتام پر مجلس حزب الانصار بھیرہ مبلغ 519 روپے 14 آنے کی مقروض تھی۔ اور درحقیقت یہ بہت بڑی رقم تھی۔ ان اخراجات میں ان 22 مقیمی طلبہ کے مصارف خوراک شامل نہیں ہیں جو مقامی اراکین مجلس نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔

ترغیب تجارت:

قیام پاکستان سے قبل صنعت و تجارت غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی۔ گو پیداواری خدمات میں مسلمان بطور کسان مزدور سب سے آگے تھے مگر کامرس اور ٹریڈ میں سب سے پیچھے تھے۔ حزب الانصار کا ایک مقصد مسلمانوں کو تجارت کی طرف راغب کرنا بھی تھا۔ چنانچہ ”کیفیت کا کردگی“ کے تحت مولانا عطا محمد اعزازی مبلغ ورکن حزب الانصار، شمس الاسلام بھیرہ میں لکھتے ہیں:

”مورخہ 21 محرم کو شہر فردک کے عام مسلم جلسہ میں شریک ہوا۔ یہ جلسہ علاقہ کی اس خاموش جماعت کی طرف سے تھا جو عرصہ ایک سال سے نہایت تنظیم کے ساتھ پورے اخلاص سے کام کر رہی تھی۔ اور غالباً اس کا ذکر میں نے آپ سے کیا بھی تھا۔ اس جماعت کا مقصد اعظم مسلمانوں کو تجارت کی ترغیب دلانا اور مفلس و قلاش بنانے والی رسومات سے بچانا ہے۔ اجلاس میں حاضرین کی تعداد کافی تھی۔ علماء بھی خاص تعداد میں آئے تھے۔“

سب سے پہلے سید اشرف حسین شاہ صاحب سکنہ ذیرہ اسماعیل خان نے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو محفوظ کیا۔ ازاں بعد اس خاکسار (عطا محمد) نے جماعت کے اغراض و مقاصد پر کچھ بیان کیا۔ اور میرے بعد مولوی محمد وریام صاحب نے جماعت کی امسالہ سالانہ کارروائی کی روئیداد سنائی۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری چیخ و پکار نے بہت کچھ بیداری پیدا کرادی ہے۔ اس علاقہ کے اندر جہاں پہلے ایک دوکان مسلمانوں کی نہ تھی۔ اب بیسیوں دکانیں بن گئی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے جماعت کی مساعی سے پیدا شدہ دوکانوں کی ایک طویل فہرست پیش کی۔

(1) شہر ذیرہ میں متعدد دکانیں ہیں اور ہر قسم کا سودا مسلمانوں سے مل سکتا ہے۔

ملاوہ ازیں ذیرہ جاڑہ کی اڑھائی لاکھ کی جنس مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں فروخت ہوئی ہے۔

مسلمانوں کی دوکانوں کی تفصیل یوں ہے:-

(1) جاڑہ	2 دوکان	(2) ہنڈیوالہ	2 دوکان
(3) وارہ	2 دوکان	(4) صابہ	2 دوکان
(5) ٹھٹھہ حکیمان	2 دوکان	(6) شیخ چچوکہ	2 دوکان

(7) کوٹ گل جدید	2 دوکان	(8) کوٹ گل قدیم	2 دوکان
(9) فروکہ شہر	4 دوکان	(10) آڑ	ایک دوکان
(11) جھوکہ	ایک دوکان	(12) عظمت والہ	2 دوکان
(13) کوٹ اللہ یار	ایک دوکان	(14) درکھان والہ	ایک دوکان
(15) سلکی	ایک دوکان	(16) گنگو	ایک دوکان
(17) بلند علاقہ تھل	متعدد دوکانیں		

مسلمان تجارت سے اس قدر دور جا پڑے ہیں کہ برادران وطن (ہندو) اسے اپنی واحد ملکیت تصور کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی مسلمان اس کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو یہ سخت برا فرد خستہ ہوتے ہیں۔ ہر ممکن ذریعہ سے اس کے آزار کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اس جماعت کے خلاف بھی حکام بالا تک استغاثے پہنچائے گئے اور ہماری اس پراسن اور مرنجاں مرنج حالت کو نہایت مہیب شکل میں دکھا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کی جا رہی ہے کہ ہم بڑے منسہ ہیں۔ شاید اسی وجہ سے سب اسپیکر صاحب تھ نہ سما ہی وال میرے جلسہ میں قیام امن کے لیے تشریف لائے تھے۔ صاحب صدر (مولانا الہی بخش صاحب) سکنہ ڈیرہ جازہ کے ایما و اجازت سے پھر یہ خاکسار کھڑا ہوا۔ اور مندرجہ ذیل قراردادیں مشرح طور پر پیش کرتے ہوئے اتفاق رائے سے پاس کرائیں اور جلسہ ختم ہوا۔

- ا۔ مسلمانوں کو کسی غیر مسلم ہاتھ کی بنی ہوئی خوردنی گیلی اشیاء ہرگز استعمال نہ کرنی چاہئیں۔
 - ب۔ مسلمانوں کا یہ جلسہ شارڈا ایکٹ کو مداخلت فی المذہب قرار دیتا ہے۔ اور گورنمنٹ سے اس اسلام کے حق میں اس کی ترمیم کا خواہاں ہے اور بصورت اس کے نافذ العمل ہو جانے کے ہم ہرگز اطاعت نہیں کر سکتے۔
 - ج۔ مسلمانوں کو اپنی تجارت اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔ اور رسومات قبیلہ کا سختی سے متاثر کر کے جلد تران کا قلع قمع کیا جائے۔
- مورخہ 29 محرم کو اپنے مقام پر مندرجہ ذیل حلال خوروں نے احقر کے ہاتھ پر سہم قبول کیا۔
گانمہ۔ سوائی۔ بھو۔ دریا۔ جہانہ۔ نورانی۔ گلانی۔ سہا۔

حزب الانصار کی ذیلی شاخیں

حزب الانصار روز اول سے کوشاں رہی ہے کہ دین کی خدمت، حفاظت اور اشاعت کے لیے ہر علاقے میں مقامی وسائل اور مقامی ذہانت (Local Resources & Talent) کو بروئے کار لایا جائے۔ مجلس کامرزی نظم بنیادی اہداف، پالیسی اور لائحہ عمل کے ساتھ حسب ضرورت علمی تعاون فراہم کرے۔ چنانچہ تشکیل جماعت کے بعد مسلسل تحریک اور تبلیغ کے ذریعے جگہ جگہ، قریہ قریہ حزب الانصار کی شاخیں قائم کی گئیں۔ ان کے تمام عہدے دار

مقامی اہل علم اور مخیر اصحاب ہوتے تھے۔ ان سب کا مشرب اعتدال اور اصلاح تھا۔ یہ شاخیں جہاں مقامی طور پر دینی کاموں میں مسلمانوں کو رہنمائی اور مدد فراہم کرتی تھیں وہاں مرکزی سطح پر سالانہ جلسہ میں نمائندے بھیجتی تھیں اور مجلس حزب الانصار بھیرہ کے اہم دینی اور علمی فیصلوں پر توثیق و تائید فراہم کرتی تھیں۔ بعض مقامات پر شاخوں نے دروس قرآن حکیم کا اہتمام کیا۔ کئی جگہوں پر زیادہ فعال اصحاب نے دینی مدارس کا اجرا کیا۔ معدوم ریہڑ کے حوالے سے حزب الانصار کی چند ذیلی شاخوں کے نام یہ ہیں:

- وارپن ضلع گوجرانوالہ (1941)
- میانی ضلع شاہ پور
- کروڑ پکا ضلع ملتان،
- وٹ شاخ ضلع جھنگ
- قادیان ضلع گورداسپور
- راو پینڈی
- نیسا ضلع راو پینڈی
- کالا باغ ضلع میانوالی
- امر و بٹہ محلہ کوٹ ضلع مراد آباد
- کوٹ موہن ضلع سرگودھا
- کھیوڑہ ضلع جہلم (1936)
- سمندری و جڑانوالہ ضلع لاکھ پور
- کالج اسکوائر کلکتہ وغیرہ۔

حزب الانصار کلکتہ :

دستور العمل و دستور اساسی حزب الانصار کلکتہ

شاخ : مجلس مرکزی حزب الانصار بھیرہ پنجاب

دفتر : کالج اسکوائر نمبر 2/1 کلکتہ

کے عنوان سے برائچ نے 16 صفحات کا ایک پمفلٹ شائع کیا ہے۔ صفحہ 14 پر تحریر ہے:

”غالباً مسلمانان کلکتہ و بنگال واقف ہوں کہ قادیانیوں نے اپنے مخصوص طریقہ کار کے ماتحت یہاں بھی اپنا فتنہ پھیلا رکھا ہے اور بہت سے سادہ دل مسلمان ان کے جال میں پھنس چکے ہیں جس کی روک تھام تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ یہاں کی ایک جماعت کو اس کا احساس بھی ہو چلا تھا۔ خدا کا شکر اور جائے مسرت ہے کہ انہی حالات میں مولانا ظہور احمد بگوی بھیروی کلکتہ تشریف لائے اور اپنے مختصر عرصہ قیام میں یہاں کے مرزائیوں کے سرگروہ سے بھی ملے اور ان کی جماعت کے نمائندوں سے مناظرہ بھی کیا۔ آپ نے ایسے لوگوں کو جو قادیانی ہو کر اسلام سے خارج ہو چکے تھے یا قادیانیوں کے زیر اثر تھے اور ارداد کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ انفرادی طور پر تبادلہ خیالات کا موقع بھی دیا۔ بحمد اللہ پانچ اشخاص اب تک تائب ہو چکے ہیں۔“

جن میں منشی عبدالسبحان صاحب مالک ظہور اینڈ کوکانام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بٹنک اسٹریٹ نمبر 3 کلکتہ کے اندر مولانا ظہور احمد بگویی نے اس سلسلہ میں ایک مختصر سا جلسہ کر کے حزب الانصار کلکتہ کی بنیاد بھی رکھ دی ہے۔ جو ہر لحاظ سے (مرکزی) حزب الانصار بھیرہ کی شاخ ہوگی۔ عارضی طور پر صدر و ناظم کا انتخاب عمل میں آ گیا ہے اور طریقہ کار، اغراض و مقاصد اور دستور اساسی کا ایک مسودہ بھی تیار کر لیا گیا ہے امید ہے ایک عام جلسہ کر کے ایک مجلس منظمہ اور مستقل عہدہ داروں کا انتخاب ہو جائے گا۔“

ابتدائی 10 صفحات میں ”فتنہ مرزائیت“ کے تحت مرزائیت کے خدو خال، سیاسی عزائم اور عقائد بتائے

گئے ہیں اور مرزائیوں سے متعدد سوالات کیے گئے ہیں۔ دو صفحات پر حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی اپیل ہے جس میں رسالہ شمس الاسلام کی اشاعت اور ان کی تصنیف ”**برق آسمانی بر خرمن فادیانی**“ کے مطالعے کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے۔ دستور میں اصول اور فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ اصلاح رسوم، تردید قادیانیت اور صلح بین المسلمین کے لیے کلکتہ برانچ نے اہم خدمات سر انجام دیں۔ کلکتہ اور نواح کے سالانہ دوروں میں حضرت مولانا بگویی کی اکثر مقامی تقاریر اراکین حزب الانصار اور کلکتہ شاخ کے تعاون اور ایما پر ہوتی تھیں۔ چنانچہ 1935ء کے سفر کلکتہ کی مختصر روکد شمس الاسلام جنوری 1936ء (ص 6-7) میں مندرج ہے۔

حزب الانصار میانی (1936):

صدر: مشتق غلام جیلانی صاحب **ناظم:** میاں غلام احمد صاحب **خازن:** میاں محمد امین بگل صاحب

حزب الانصار وار برٹن (1944):

ناظم: حاجی نور احمد صاحب، رئیس و تاجر وار برٹن، سابق ناظم چودھری عبدالکریم صاحب، مقامی شاخ کا دوسرا سالانہ جلسہ 8 دسمبر 1944ء کو منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا بگویی کے علاوہ مرکزی مبلغین مولانا محمد بخش، مولانا محمد حنیف، مولانا محمد بخش مسلم بی اے۔ مولانا خان محمد، مولانا حاجی افتخار احمد بگویی اور جناب رفیق احمد نے عوام سے خطاب کیا اور کثیر تعداد میں نئے ارکان شامل جماعت ہوئے۔ (شمس الاسلام فروری 1945 ص 2)

مرکزی حزب الانصار کی مقامی سرگرمیاں

مرکزی مجلس حزب الانصار کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیاں اگرچہ پورے برصغیر ہندوستان پر پھیلی ہوئی تھیں تاہم اس نے بھیرہ شہر کو ہمیشہ ضروری اہمیت دی۔ مقامی سرگرمیاں یہ تھیں:-

□ مقامی حزب الانصار کے تحت **ربیع الاول کا پہلا عشرہ شہر** کے مختلف محلوں کی مساجد میں روزانہ یہ تالیف النبی ﷺ کے جلسے منعقد ہوتے جن میں دارالعلوم عزیز یہ کے اساتذہ اور سینئر طلبہ، مبلغین اور خود امیر حزب الانصار شامل ہوتے۔ یوم میلاد النبیؐ کو محلہ پیر اعظم شاہ مرحوم سے جلوس نکلتا جس میں حضرت پیر محمد شاہ سجادہ نشین و امیر جند اللہ، دارالعلوم عزیز یہ کے اساتذہ اور طلبہ اور معززین و اہالیان شہر شریک ہوتے۔ یہ جلوس شہر کے بازاروں سے گزرتا، نعت خوانی کرتا، نعرہ بانی کرنا، تکبیر و رسالت بلند کرتا جامع مسجد بھیرہ میں جمع ہوتا جہاں مجلس حزب الانصار کے مرکزی قائدین خطاب کرتے۔ جولائی 1932ء کے جلسہ سیرۃ النبیؐ میں حضرت خواجہ قمر الدین سیالوئی بھی جلوہ افروز تھے۔ (شمس الاسلام، اگست 32ء، ص 41)

□ **عشرہ محرم الحرام** میں شہر کے مختلف محلوں میں سیرت اور شہادت سیدنا حسینؑ پر جلسے منعقد ہوتے۔ ان میں مقامی علماء کے علاوہ شیعیت کے موضوع پر ماہرین علماء کے خطابات ہوتے۔ اس سلسلے کا آخری اور بڑا جلسہ دسویں محرم کو جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوتا۔ چنانچہ شمس الاسلام جون 1932ء (ص 34) میں تحریر ہے:

”الحمد للہ امسال اہل سنت والجماعت نے بدعات محرم سے قطعی اجتناب کیا۔ کئی شیعہ تائب ہوئے۔ تعزیر داری کی مجالس بے رونق رہیں۔ 9 محرم کو شیعوں کی تاروں اور درخواستوں سے متاثر ہو کر حکام مجاز نے نہایت نامناسب رویہ اختیار کیا۔ شہر بھیرہ کے شرفاؤ معزز امن پسند اشخاص سے حفظ امن کی ضمانتیں طلب کی گئیں حالانکہ کسی قسم کا اندیشہ نقص امن نہ تھا۔ اہل سنت کی طرف سے ● خاکسار مدیر (حضرت مولانا بگویی) ● حاجی میاں محمد سعید صاحب مہتہ خواجہ، ● خواجہ محمد یوسف صاحب روڑ بزاز، ● حکیم عبدالجید سیفی صاحب، ● غلام قادر صاحب زرگر، ● محمد شفیع صاحب زرگر، ● محمد سعید صاحب زرگر، ● مولانا محمد قاسم ہزاروی (صدر مدرس دارالعلوم عزیز یہ) ● حافظ محمد صدیق خواجہ بزاز، ● میاں محمد عمر صاحب گوردراہ خواجہ سے ضمانتیں پانچ پانچ ہزار کی طلب کی گئیں۔ تمام اصحاب نے اس

ناجائز کارروائی سے متاثر ہو کر جیل جانا منظور کر لیا اور ضمانتیں دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر افسر مجاز اپنے حکم میں تبدیلی پر مجبور ہو گیا اور تمام حضرات باعزت جلوس کے ساتھ اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔

□ ۱۹۴۸ء علماء و مشائخ بگوییہ میں سے حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے عرس کی تقاریب منعقد ہوئیں۔ آخر الذکر کے مریدین کثیر تعداد میں لاہور، جالندھر، ہوشیار پور، لدھیانہ، لائل پور اور دیگر اضلاع سے شامل ہوتے۔ آستانہ سیال شریف سے انتہائی قریبی اور قلبی تعلق کی بنا پر اکثر اوقات سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی خود شریک محفل ہوتے۔ یا ان کی جگہ ان کے عم مكرم حضرت خواجہ سعد اللہ سیالوی مرحوم یا برادر عزیز حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی محفل میں حاضری دیتے تھے۔

□ ایک مرکزی فیصلے کے تحت طے ہوا تھا کہ 22 جمادی الثانی کو پورے ہندوستان میں **یوم خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** منایا جائے۔ چنانچہ مقامی حزب الانصار کے تحت شہر بھر کی مساجد میں ختم قرآن پاک ہوئے اور ایصال ثواب کے ساتھ سیرت صدیق پر مواعظ ہوئے۔ (شمس الاسلام، 1943ء، ص 24) یہ سلسلہ بھیرہ کی کئی مساجد میں آج بھی چلا آ رہا ہے۔ اور یوم صدیق اکبر باقاعدگی سے منایا جاتا ہے۔

□ عوام کو قرآن سے محبت اور اس کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے گاہ بگاہ شہر کی مساجد میں **درس قرآن حکیم** ہوتے رہے ہیں۔ اس کام کے لیے اکثر دارالعلوم عزیز یہ کے سینئر اساتذہ یارکن دارالمبلغین نے ترجمہ اور تفسیر کا درس دیا ہے اور لوگوں کو سادہ الفاظ میں پیغام الہی سنایا ہے۔ ان میں مولانا عبدالرحمن میانوی اور مولانا افتخار احمد بگویی اور مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل کے نام ملتے ہیں۔

□ **معراج النبی** کے موقع پر جامع مسجد بھیرہ میں مقامی حزب الانصار کی سرپرستی میں جلسہ منعقد ہوتا تھا جس میں دارالمبلغین اور دارالعلوم عزیز یہ کے علماء تقاریر کرتے اور لوگوں کو معراج کی اہمیت اور فضیلت سے آگاہ کرتے۔ اختتام جلسہ پر جیوش انصار پر مشتمل شاندار جلوس نکالا جاتا جو شہر کے مین بازار میں گشت کرتا۔

درج بالا سرگرمیاں مقامی حزب الانصار کی فعالیت کی دلیل ہیں۔ بھیرہ میں ہنود مالی، تجارتی اور تعلیمی اعتبار سے بہت موثر تھے۔ ان کے سماجی اثرات کم کرنے اور شیعہ و مرزائی رجحانات کی حوصلہ شکنی کے لیے ضروری تھا کہ سارا سال دینی سرگرمیاں جاری رہیں۔ چنانچہ ان تقاریب سے جہاں اہل ایمان عزم نو سے آراستہ ہوتے وہاں ان کے علم و آگہی میں اضافہ ہوتا رہتا۔ اس طرح شہر کی عمومی فضا پر مذاہب و فرقہ ہائے باطلہ کے اثرات زائل ہوتے رہتے تھے۔

حزب الانصار کی تبلیغی سرگرمی کا نتیجہ:

قادیانی جماعت کی تاسیس سے متعلق ہر کام میں بھیرہ کو اولیت کا شرف حاصل رہا ہے۔ سب سے پہلے بنی سزا کا تعلق بھیرہ سے تھا اور اولین مرزائی بھی اسی شہر کے باشی تھے۔ قادیانیت کے شریک بانی مولوی حکیم نور الدین صاحب کا پہلا محاکمہ اور مقاطعہ بھی یہیں ہوا۔ چنانچہ اس مضبوط قلعے میں دراڑیں ڈالنے کا ترف بھی بگوییہ علماء و مشائخ کو حاصل ہوا ہے۔ ایک مرزائی کے قبول اسلام کی داستان شمس الاسلام (مئی جون 1936ء ص 37) کے الفاظ میں سنئے:

آج "حزب الانصار" کو معرض شہود میں آئے ہوئے چھ سال کا عرصہ گزرا۔ اس کی بنیاد حضرت مولانا ظہور احمد بگویی مدظلہ العالی نے اپنے مخلص ہاتھوں سے رکھی۔ تبلیغ حق کا جذبہ اپنے دل و دماغ میں رکھتے ہوئے اس مذہبی ادارہ کی سرپرستی قبول فرما کر اسلامیان ہند کو مشکور فرمایا۔ صاحب ممدوح کی زیر سرپرستی اس قومی و ملی مجلس نے جو کام کیا وہ عالم اسلام سے عموماً اور مسلمانان ہند سے خصوصاً پوشیدہ نہیں۔ اگرچہ اس ادارہ کا جائے وقوع شمالی پنجاب کی سرزمین بھیرہ میں ہے مگر اس مجلس نے پنجاب، یوپی، سی پی، بنگال، مدراس، برما اور مختلف ممالک تک اپنی حق کی آواز کو پہنچایا۔ **پنجاب کے دل و دماغ، یوپی کے دیار، سی۔ پی کی دنیا اور بنگال و مدراس کی دیواریں ہمارے اس نظریہ پر شاہد عدل ہیں۔ مسلمانان عالم نے ہماری صدائے حق کو سنا۔ ہمارے مقاصد کی داد دی۔ اور ہماری آواز پر لبیک کہی۔ آج ہم بیادنگ بہل کھتے ہیں کہ جس قدر ہماری اس مجلس نے تبلیغی کام کیا ہے اس کی نظیر دور حاضر میں شاذ و نادر ملے گی۔**

اس مجلس کے جائے وقوع (بھیرہ) کو مرزائیت کی نگاہ میں وہ وقعت حاصل ہے جو سوائے قادیان کے اور کسی کو نہیں۔ حکیم نور الدین خلیفہ اول قادیان اسی زمین کی پیداوار ہے۔ قادیانی اس شہر کو دوسرے درجے کا مقدس مذہبی مقام شمار کرتے ہیں۔

ان حالات اور حقائق کے تناظر میں مورخہ 22 مئی 1936ء بروز جمعہ مستری محمد شفیع لوہار سکند لوہاراں موری (بھیرہ) نے جامع مسجد بھیرہ میں آ کر حضرت مولانا ظہور احمد بگویی مدظلہ کے دست حق پرست پر مرزائیت سے تائب ہو کر اسلام لایا۔ نو مسلم مذکور اپنے ابا و اجداد سے نہ صرف قادیانی تھا بلکہ قادیانیت کا سرگرم کارکن تھا۔ وہ نہ صرف مرزائی تھا بلکہ کٹر مرزائی اور مرزائیت کا علمبردار تھا۔ نو مسلم مذکور کے اسلام لانے سے مرزائیوں کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور بھیرہ کے مرزائیوں میں وہ انقلاب آیا جس کا رونما ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مرزائیوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ اگر مسلمانان عالم کی توجہ سے حزب

الانصار کا ادارہ اسی سرگرمی اور تبلیغی تڑپ سے کام کرتا رہا تو بالآخر انہیں خلیفہ قادیان کی بیعت سے ہاتھ دھو کر آقائے مدنی فدائے ابی و امی کے دامن سے وابستہ ہونا پڑے گا۔

مزید قبول اسلام:

محبوب (برما) میں مرزائیوں کے ساتھ حضرت مولاناظہور احمد گبوی کا مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرے کے بانی ڈاکٹر غلام قادر صاحب قادیانی کا حقیقی بھائی عنایت اللہ مسلمانوں کے دلائل و شواہد سے بہت متاثر اور مطمئن ہوا تھا۔ چنانچہ 22 مئی 1936ء کو اس نے مرزا قادیانی کا حلقہ اتار کر، احمد عربی کی غلامی اختیار کر لی اور قبول اسلام کا اعلان عام کر دیا۔ 26 جون 1936ء کو ایک ہندو چرنجی لال ساکن پھلروان ضلع شاہ پور نے جامع مسجد بھیرہ میں حضرت مولاناظہور احمد گبوی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ (شمس الاسلام جولائی 1936ء ص 48)

سالانہ تبلیغی کانفرنس

تشکیل جماعت کے ساتھ مولانا کو احساس تھا کہ دین کے مددگاروں یعنی انصار اللہ کا باہمی میل جول اور رابطہ و ضبط زبردست تقویت اور سہارے کا باعث بنے گا۔ چنانچہ آپ نے نومبر 1930ء کے شمس الاسلام میں (صفحہ 13) پر درج ذیل اطلاع دی۔

حزب الانصار کا عظیم الشان جلسہ

”حزب الانصار کا پہلا سالانہ جلسہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ 6-7 دسمبر 1930ء بروز ہفتہ اتوار جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوگا۔ نامور علماء کرام و واعظین عظام اپنے بیانات سے محظوظ فرمائیں گے۔ جملہ اہل اسلام اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بھاری تعداد میں شامل جلسہ ہو کر ممنون فرمائیں۔“

دسمبر 1930ء کے شمارہ میں (صفحہ 28) مختصری روئداد کے تحت لکھتے ہیں:

بھیرہ میں علم و عرفان کی بارش

بمقام جامع مسجد بھیرہ حزب الانصار کا عظیم الشان پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ کی رونق اور محفوفات کا ہجوم کا نظارہ دید سے تعلق رکھتا تھا۔ سرزمین بھیرہ پر آج تک کبھی ایسا شاندار جلسہ منعقد نہیں ہوا۔ پچاس پچاس کنوں (125 کلومیٹر) سے پیدل چل کر لوگ شامل ہوئے۔ جلسہ گاہ کی آرائش قابل دید تھی۔ قبلہ عالم حضرت پیرسید جماعت علی شاہ علی پوری مدظلہ کی صدارتی تقریر بے حد مقبول ہوئی اور عام و خاص پر ایک خاص اثر ہوا۔ مولانا سید ولایت علی شاہ گجراتی، ابوالقاسم مولانا محمد حسین کولوتارڑی، مولانا پیر عبداللہ شاہ ملک انوی۔ مولانا سید نذیر الحق میرٹھی۔ مولانا مفتی عطا محمد اور دیگر حضرات کی تقاریر نے مردہ دلوں میں روح پھونک دی۔ کم و بیش 15 ہزار اشخاص جلسہ میں شریک ہوئے۔ جن میں سے 5 ہزار اشخاص کے طعام کا انتظام بلا معاوضہ حزب الانصار کی طرف سے کیا گیا تھا۔ (صفحہ 28-29)

جلسے کی غرض و غایت:

جلسے کی تفصیلی روداد ایک تاریخی دستاویز ہے، وہ پیش کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ بانی امیر جماعت نے اسے کیونکر پہلا جلسہ قرار دے کر ایک طویل سلسلے کی بنیاد رکھی۔

سالانہ کانفرنس کے پیش نظر درج ذیل مقاصد تھے:

- ا۔ اراکین اور رفقاء جماعت کا اجتماع برائے موانست و مشاورت۔
- ب۔ سال گزشتہ کا جائزہ اور آئندہ کا لائحہ عمل۔
- ج۔ مختلف علاقوں میں اسلامی و اصلاحی کوششوں اور دینی خدمات کا جائزہ۔
- د۔ مذاہب باطلہ اور خلاف اسلام فرقوں اور جماعتوں کی سرگرمیوں کا محاکمہ۔
- س۔ جماعت کے کارکنوں کی دینی، اخلاقی اور انتظامی تربیت۔
- ص۔ عوام کو اسلامی تعلیمات اور عقائد کی تبلیغ و تلقین۔
- ط۔ عوام کے سامنے مختلف مکاتب فکر کے علماء کا ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر اظہار یک جہتی اور دینی اتحاد کا مظاہرہ۔
- ع۔ علمائے متفرقہ کے لیے قابل قبول اور معتدل فورم برائے مسلک اعتدال و اصلاح۔
- ل۔ نو فارغ التحصیل عالموں کے لیے نامور خطباء سے سیکھنے اور ان کی موجودگی میں اظہار بیان۔
- م۔ شریعت و طریقت یعنی مولوی اور پیر کو باہم اکٹھا کر کے خدمت اسلام کے لیے کمر بستہ کرنا۔

پہلا سالانہ جلسہ:

مجلس حزب الانصار کی پہلی سالانہ کانفرنس 6-7 دسمبر 1930ء کو جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوئی۔ اس میں ہندوستان سے درج ذیل مشائخ اور علماء نے شرکت کی اور مختلف نشستوں میں عوام و خواص سے خطاب کیا۔

اجلاس اول:

- | | |
|-------------------------------------|--|
| ☆ مولاناظہور احمد بگویی | جلسہ کے اغراض و مقاصد اور حزب الانصار کی مساعی |
| ☆ مولانا پیر جماعت علی شاہ جلی پوری | اظہار دین حق |
| ☆ مولانا سید نذیر الحق میرٹھی | مسلمانوں کی حالت زار اور اس کا علاج |

اجلاس دوم:

- | | |
|---------------------------------|------------------------------|
| ☆ مولانا سید عبداللہ شاہ ملکانی | محبت صحابہؓ اور اسلامی تقاضے |
|---------------------------------|------------------------------|

اجلاس سوم:

- | | |
|-----------------------------|-------------------------------------|
| ☆ مولانا مفتی عطا محمد رتوی | مدارس دینیہ کے احیاء کی ضرورت |
| ☆ مولاناظہور احمد بگویی | اصلاح رسوم۔ ترقی تجارت و دینی تعلیم |

اجلاس چہارم:

- | | |
|---------------------------------------|------------------|
| ☆ مولانا ابوالقاسم محمد حسین کولوتارڑ | مرزائیت کی حقیقت |
| ☆ مولانا پیر جماعت علی شاہ علی پوری | ترکیہ قلوب |

اجلاس پنجم:

- | | |
|--------------------------------------|-------------------------------------|
| ☆ مولانا غلام حسین گجراتی | اصلاح رسوم و تجارت |
| ☆ مولانا سید محمد عبداللہ شاہ ملکانی | مسلمانوں کے لیے دینی تعلیم کی اہمیت |

اجلاس ششم:

- | | |
|-------------------------------|-----------------------------|
| ☆ مولانا سید نذیر الحق میرٹھی | محبت دنیا اور آخرت کی تیاری |
| ☆ مولاناظہور احمد بگویی | اختتامیہ و اعلامیہ |

شیخ غلام احمد میانوی جماعت کے ابتدائی اور مخلص کارکن تھے۔ وہ رسالے کے مینجر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ انہوں نے پہلے سالانہ جلسہ کی روئداد قلم بند کی ہے۔ اس میں سے چند منتخب حصے معلومات اور ہدایت کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

کارروائی جلسہ سالانہ حزب الانصار (جمعیت انصار اللہ) بھیرہ

منعقدہ 6-7 دسمبر 1930ء

بصدا رت عالی جناب داعی المخلق مبلغ اعظم قدوة السالکین حضرت مولانا

حافظ سید پیر جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علی پوری مدظلہ العالی

(مرتبہ شیخ غلام احمد میانوی)

ماہ دسمبر میں حزب الانصار کا جو عظیم الشان پہلا سالانہ جلسہ بمقام جامع مسجد بھیرہ منعقد ہوا تھا۔ اس کی مختصر کیفیت ماہ دسمبر کے رسالہ میں درج کی گئی تھی۔ قارئین کرام کے اصرار پر اس دفعہ مفصل کارروائی درج کی جاتی ہے۔ حزب الانصار کا یہ جلسہ علاقہ بھر میں بینظیر اور شاندار ہونے کے لحاظ سے قابل یادگار ہے۔ کم و بیش پندرہ ہزار اشخاص شریک ہوئے۔ دونوں دن ہر اجلاس میں حاضری شاندار رہی۔ باہر سے تشریف لانے والے ایسے حضرات جن کے طعام کا انتظام بلا معاوضہ حزب الانصار کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ان کی تعداد بلا مبالغہ پانچ ہزار کے قریب تھی۔ جملہ امور زیر نگرانی حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویی انجام پذیر ہوئے۔ کھانے کا انتظام بسر کردگی مولوی رشید احمد بگویی صاحب و مولوی فضل حمید صاحب و قاضی شیر محمد صاحب نہایت تسلی بخش رہا۔ میاں سراج الدین صاحب و منشی محمد بخش صاحب نے جلسہ گاہ کی آرائش اور جامع مسجد کے راستہ کی صفائی وغیرہ میں اپنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ قیام گاہوں کا انتظام منشی محمد رمضان صاحب و منشی آفتاب احمد صاحب کی زیر نگرانی رہا۔ علاوہ ازیں کم از کم پچاس رضا کاران اپنے فرائض میں مصروف رہے۔ جلسہ کے معاونین کی فہرست بہت طویل ہے۔ خاکسار مدیر حزب الانصار کی طرف سے سب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ خداوند کریم ہر سال اس جلسہ کو ایسا ہی کامیاب اور اپنے مقصد میں باامداد رکھے۔ آمین

(نیاز مند ظہور احمد بگویی، مدیر)

کارروائی اجلاس اول مورخہ 6 دسمبر 1930ء صبح 8 بجے سے 12 بجے تک

کارروائی صبح ساڑھے آٹھ بجے شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید و نعت خوانی کے بعد مولانا ظہور احمد بگویی نے افتتاحی تقریر میں علمائے کرام کا تعارف حاضرین سے کرایا اور اثر صحبت و معیار فضیلت پر آدھ گھنٹہ دلچسپ تقریر فرمائی۔ آداب مجلس کی تلقین کی اور جلسہ کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مولانا سید نذیر الحق قادری میرٹھی نے نہایت عمدہ الفاظ میں ایک گھنٹہ تقریر فرمائی جس میں مسلمانوں کی زبوں حالت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ اور پراثر طریقہ سے دعوت عمل دی۔ اسلاف کی علمی و ادبی و اخلاقی حیرت انگیز طاقتوں کا ذکر فرمایا۔ محمود غزنوی کے جہاد بت فروش کے عوض بت شکنی اور جذبہ توحید و اخلاص و ایثار کی عظیم الشان مثالیں تاریخ اسلام سے پیش فرما کر مسلمانوں کو اسلام کے احکام کے سامنے سر جھکانے اور پورے طور پر اللہ کے سچے اطاعت گزار بننے کی تلقین کی۔

اس کے بعد محمد شریف صاحب نعت خوان نے نہایت خوش الحانی سے ایک نظم در مدح صاحب صدر جلسہ حضور پیر صاحب قبلہ علی پوری مدظلہ العالی پڑھ کر سنائی اور اللہ اکبر کے پر جوش نعروں کے درمیان حضرت پیر صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔

تقریر حضرت قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہره علی الدین کلہ

سچا ہے خدا اور سچا ہے اس کا رسول اور شکر ہے کہ خدا نے ہمیں اپنے رسول کے نام لیواؤں میں سے بنایا۔ خدا کی نعمتیں بے شمار ہیں مگر سب سے بڑی نعمت ہمارے لیے لا الہ الا اللہ کی ہے۔ یوں تو ہر مذہب سچائی کا مدعی ہے مگر دنیا میں اگر کوئی سچا مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ کانچ اور ہیرے کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے مگر جاہل شناخت میں غلطی کھاتا ہے۔ اسلام ہیرا ہے اور وہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ باقی مذاہب کے پیر و کانچ کے ٹکڑوں کو لیے ہوئے انہیں ہیرا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہر مسلمان کو اپنے ایمان پر پختہ اعتقاد ہونا چاہیے۔ جب فرقہ بائے باطلہ باطل کی پیروی کرتے ہوئے اپنے کو سچا سمجھیں تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان حق پر ہو کر حق کا یقین نہ رکھیں۔ اسلام کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کی اقوام کروڑوں افراد میں سے چند ہزار قابل ترین ہستیاں انتخاب کر کے اپنی

مجلس قانون سازی میں بھیجتی ہیں اور ان ہزاروں میں سے بھی چند سولائق ترین کا انتخاب ہوتا ہے۔ ایسی نمائندہ جماعتیں نہایت تگ و دو بحث و مباحثہ کے بعد رائے عامہ حاصل کر کے ایک قانون وضع کرتی ہیں اور ابھی ایک سال بھی نہیں گزرتا کہ اس قانون کے نقائص دنیا پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور وہی جماعتیں اسے تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ مگر اسلام کا بنایا ہوا قانون تیرہ سو سال گزر گئے اب تک اسی طرح واجب العمل، نقائص سے مبرا اور کسی قسم کی تحریف و تغیر سے پاک ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قانون انسانی طاقت سے بالا قوت کا نافرمانی ہے۔ جس طرح پہلے ادیان اور ان کی کتب منسوخ ہوئیں اسی طرح ان کتب کی زبان مثلاً سریانی و عبرانی بھی دنیا سے معدوم ہو گئیں۔ ہندوستان میں پہلے سنسکرت تھی مگر اب وہ کسی خطہ میں بولی نہیں جاتی۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اس کی کتاب زندہ اور اس کی زبان زندہ ہے۔ اور آخر اسلام ہی غالب رہے گا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ اچھی طرح یاد رکھو۔ ہماری نجات اعمال پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے۔ اعمال اگرچہ صالح ہوں مگر جب تک ایمان نہ ہوگا اور اعتقاد صحیح نہ ہوگا وہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اپنے ایمان و اعتقاد کو مضبوط رکھو۔ ایمان نام ہے سرور عالم ﷺ کی محبت کا۔ اور اس کی ضد کا نام کفر ہے۔ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم۔ خدا کا فرمان ہے لا یؤمن احدکم حتیٰ اكون احب الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین۔ فرمان رسول ﷺ قابل غور ہے۔ کلمہ طیبہ کے دو جزو ہیں۔ (1) لا الہ الا اللہ (2) محمد رسول اللہ۔ پہلی جزو کے اقرار سے انسان موحد بنتا ہے اور دوسری کے اقرار سے مومن بن جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تمام عمر لا الہ الا اللہ کا ورد کرتا رہے۔ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کرے۔ صرف توحید کا اقرار ہی کافی ہوتا تو شیطان راندہ درگاہ نہ بنتا۔ توحید پر جس طرح ایمان لانا فرض ہے اسی طرح رسالت پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ اسی میں فرق سمجھنے کی وجہ سے آج تک ہزاروں گمراہ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ پڑھنے میں لا الہ الا اللہ پہلے ہے مگر عمل کرنے میں محمد رسول اللہ پہلے ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ دنیا میں جس قدر رسول مبعوث ہوئے تا بعد اری کرانے کے لیے آئے۔ الا لیطاع باذن اللہ۔ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے ایک حیدر آبادی بزرگ سے من حج و لم یزرنی فقد جفاتی کے معنی پوچھے۔ اس بزرگ کے ارشاد پر میں نے بتایا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کم بخت حج کو جاتے ہو کعبہ کو دیکھتے ہو مگر حج کا راستہ بتانے والے، کعبہ کو دکھانے والے کو بھول گئے۔ مکہ کو جاتے ہو اور میری زیارت سے

منہ موڑ کر مجھ پر ظلم کرتے ہو۔ بھائیو ہمیں تو جو کچھ ملا سرکار مدینہ ﷺ کے طفیل سے ملا۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار ہمیں دنیا سے جدا کر کے ہمارا رشتہ خدا سے جوڑ دیتا ہے۔ ہر شخص یہ اعتقاد رکھے کہ خداوند کریم ہی اصلی خالق و رازق ہے۔ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا جس کا رزق پہلے مقرر نہ ہو چکا ہو۔ ہم رزق کے متلاشی ہیں اور رزق ہماری تلاش میں۔ جو ملازم مستقل ہو جاتے ہیں ان کو مبارک باد ملتی ہے مگر کبھی کوئی نہیں کہتا کہ زندگی کو بھی مستقل کرا لو۔ خدا پر اعتماد کرنے والے اور معبود برحق ماننے والے کے لیے تو ستر لے کا یہ شعر کافی ہے:

داتا ہمارا رام ہے تے مودی کل جہان

خزانی اور داتا میں فرق سمجھنا ضروری ہے۔ جو خزانچی کو داتا سمجھے وہ مشرک ہے۔ اس لیے عالم اسباب کو داتا سمجھ لینا شرک ہے۔

داتا کھاندے رب داتے کھاندے کھادا کھٹ
انہیں گلیں ستھریا جاندا، چوڑ چپٹ

بہاؤ الدین آملی کئی سال غار میں خلوت گزریں رہے اور دونوں وقت ان کو غار میں کھانا غیب سے پہنچتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کو قوم موسیٰ کے من و سلویٰ سے زیادہ نعمتیں میسر ہیں۔ حیوانوں کو خدا پر اعتماد ہے انہیں کھانے کو مل جاتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہم حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ خدا پر اعتماد نہیں رہا اور مخلوق کے دروازوں سے رزق طلب کرنا عار نہیں سمجھتے۔ کلمہ کی دوسری جزو محمد رسول اللہ ہے۔ محمد کے معنی ہیں حمد کیا گیا۔ حمد و شکر میں بڑا فرق ہے۔ شکر کا لفظ عام ہے۔ تمام خلقت کے لیے بولا جاتا ہے۔ مگر حمد صرف خدا کے لیے ہے۔ جیسے الحمد للہ رب العالمین۔ حضور کا نام پاک بھی معجزہ سے خالی نہیں۔ بدترین دشمن بھی اگر برائی کرنے لگے تو پہلے حضور کا نام پاک زبان سے لے گا۔ جس کے معنی ہیں حمد کیا گیا۔ تعریف کیا گیا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی وہ بکے، لایعنی سمجھا جائے گا۔ اور محمد (بابی و امی فداہ) محمد ہی رہیں گے۔ رسول اللہ صفت ہے۔ حضور ﷺ کی صفت کی کوئی حد نہیں۔ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کو حد سے نہ بڑھاؤ۔ ہم کہتے ہیں کہ حد کا علم کس کو ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

محمد سر قدرت ہے کوئی رمزاں کی کیا جانے

شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

ما اهل به لغير الله کے مسئلہ میں کم سمجھی کی وجہ سے کئی لوگ ہلاک ہوئے۔ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کا نام نہ لو مشرک ہو جاؤ گے۔ حالانکہ قرآن مجید میں بار بار کئی جگہ خداوند کریم اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کا ذکر فرماتا ہے۔ قالو حسبنا الله ورسوله اور فاذا نوا بحرب من الله ورسوله اغناء الله ورسوله ان لوگوں کے مزعمومہ اعتقادات کی بنا پر معاذ اللہ قرآن مجید میں شرکیہ کلمات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ معراج کے واقعہ کو خواب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور حضور اقدس ﷺ کا آسمان پر حالت بیداری میں جانا محال سمجھتے ہیں۔ جرمن کے ہوائی جہاز تو بناؤں من انھ کراڑ سکیں مگر خدا کو یہ طاقت نہیں۔ جرمن کے ہوائی جہاز تو سینکڑوں میل ایک گھنٹہ میں جا سکیں اور وہ خدا جو ایک لمحہ میں روشنی کو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل بھیج سکے، محمد رسول اللہ کو لے جانے پر قادر نہ ہو۔ یورپ کے سائنس دانوں کی باتیں عقل میں سما جائیں مگر معراج کا واقعہ سمجھ میں نہ آئے۔ مرزائی بھی معراج کے منکر ہیں۔ جرمن کی طاقت پرواز کے تو وہ بھی قائل ہوں گے۔ شاید ان کے نزدیک جرمن کا مرتبہ خدا سے بڑا ہے۔ ملحد یہ کہتے ہیں کہ بزرگان دین گھر میں بیٹھے دنیا کے حالات سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں مگر آج کل بے تاریخ رسائی اور بے تاریخ تصویر اور آوازوں و راک کا ہزاروں میل پر پہنچ جانا قابل تعجب سمجھا نہیں جاتا۔ یورپ اپنے کمال علم کے ذریعہ سے ایسا کر سکتا ہے مگر خداوند کریم ان کے نزدیک ایسا کرنے سے عاجز ہے۔

یہ لوگ اولیاء اللہ کے منکر اور انگریزوں کے معتقد ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا ذکر ہے جس نے آنکھ کی جھپک کے اندر سینکڑوں من کا بوجھل تخت ملکہ بلقیس کا سینکڑوں میل سے حاضر کر دیا۔ ایک نبی کے غلام میں یہ ہمت۔ اور سید المرسلین ﷺ کو ایک آن میں آسمان وزمین کے سیر کی طاقت نہ ہو۔ معاذ اللہ۔ منکرین معراج سخت گمراہی میں ہیں۔ انہیں اپنے ایمان کی خبر لینا چاہیے۔

آج کل نئے نئے مدعیان نبوت پیدا ہو رہے ہیں۔ اور باب نبوت کو مسدود نہیں سمجھتے۔ سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی ظلی و بروزی مجازی یا حقیقی کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ آج کل کے مدعیوں کو دیکھیے

ان میں اور سچے نبیوں میں فرق ظاہر ہے۔ دنیا میں جس قدر نبی آئے سب کا نام مفرد تھا۔ اکیلا تھا۔ وہ کسی دوسرے ہم جنس کے غلام نہ کہلاتے تھے۔ آدم، موسیٰ، عیسیٰ، نوح، یونس علیہم السلام سب کے اسماء دیکھ لیجیے۔ مگر جھوٹے کا نام دیکھئے۔ غلام احمد پس جس کا نام اکیلا وہ سچا اور جس کا نام دوہرا وہ جھوٹا۔ جتنے سچے نبی ہوئے، سب کا کوئی استاد نہ تھا۔ و علمناہ من لدنا علما۔ ان کا علم لدنی ہوتا تھا۔ کسب و کتاب کا تعلق اس سے نہ ہوتا تھا۔ مگر مرزا غلام احمد کے کئی استاد ہوئے۔ مختاری میں فیل ہوا۔ اور کئی اشخاص سے علم پڑھتا رہا اس لیے جھوٹا ہے۔ تمام انبیاء نے ابتدا ہی میں مبعوث ہوتے ہی فوراً کہا: انی رسول اللہ الیک۔ جو شخص زینہ بہ زینہ ترقی کرے وہ جھوٹا ہے۔ مرزا پہلے مجدد بنا پھر مہدی۔ محدث، کرشن اور آخر میں آکر کہا کہ میں نبی ہوں۔ اس کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ دلیل کافی ہے۔ جتنے پیغمبر دنیا میں گزرے ان کی زندگی بے عیب رہی۔ کسی نے کبھی جھوٹ نہ بولا۔ مگر مرزا ابراہین احمد یہ میں حیات مسیح علیہ السلام کا اقرار کرتا ہے اور ابراہین احمد یہ کو مرزائی لا جواب کتاب اور الہامی کتاب مانتے ہیں۔ اور جو شخص اس کے دلائل کو رد کر دے اس کے لیے مرزا نے انعام مقرر کیا ہے۔ مگر خود ہی ازالہ اوہام میں اس کا رد کیا اور وفات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے علاوہ اس کے جھوٹ بے شمار ہیں۔ جتنے پیغمبر آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک آئے ان کے نام کا دوسرا پیغمبر نہیں آیا۔ مسیح کے نام پر دوسرے کا آنا نلط ہے۔ علم کا طلب کرنا فرض ہے۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ فرض کا تارک گناہ گار اور منکر کافر ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائے اور ملحدین کے مکرو فریب سے اپنی اولاد کو بچائے۔ یہ سب جہالت کی وجہ سے ہو رہا ہے ورنہ ایسے ملحدوں کو کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے مطابق سواد اعظم کی پیروی کرو۔ چھوٹے گروہوں والے بموجب حدیث شیطان کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہمیں جدید تعلیم یافتہ لوگ اولڈ فیشن کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں دنیا کی ہر نئی چیز عمدہ ہوتی ہے مگر مذہب وہی قدیمی رہنا چاہیے۔

بھائی ہم بھی پرانے ہمارا دین بھی پرانا، ہمارا خدا بھی پرانا اور خدا ہمارا خاتمہ اسی پر کرے۔ آمین۔

اس کے بعد مولانا ظہور احمد بگویی نے مختصر تقریر میں جلسہ کے اغراض و مقاصد، مسلمانان بھیرہ کی دینی

کمزوریاں اور دارالعلوم عزیز یہ کی حالت پر روشنی ڈالی اور جلسہ بعد دعائے خیر برائے طعام درخواست ہوا۔

کارروائی اجلاس دوم

مورخہ 6 دسمبر 1930ء بعد نماز ظہر تا نماز عصر

سب سے پہلے مولوی غلام مصطفیٰ صاحب ساکن پدھراڑ نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور مولانا سید عبداللہ شاہ ملک انوی ممبر پر تشریف لائے اور اپنے مخصوص انداز میں ایک گھنٹہ وعظ فرمایا۔ جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ مومن، منافق اور کافر۔ ان میں سے منافق سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ منافق کا کام ہر مجلس میں شامل ہونا ہے۔ اس جلسہ میں عالم اور سید جمع کیے گئے ہیں۔ یہ تمام بزرگ آپ کو خدا سے مدد کے لیے آئے ہیں۔ مومن بنو مگر پکے۔ ادھر رہو یا ادھر۔ آج اگر امام حسینؑ اور یزید کا مقابلہ درپیش ہو تو آپ امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے بے قرار ہو گے۔ مگر امام حسین کے مرشد یعنی قرآن سے منہ موڑ رہے ہو۔

شیعہ مذہب میں سب سے زیادہ عبادت مرثیہ خوانی و سینہ کوبی ہے اس کے مقابلہ میں نماز و روزہ ہیج ہے۔ مگر یہ درحیث اہل سنت کے بان شیعہ ذاکروں کے جھوٹے واقعات سننا اور ایسی مجالس میں شرکت کرنا حرام ہے۔ نوحہ خوان نامطور پر جھوٹے قصے بیان کرتے ہیں اور ان قصوں کا راوی سوائے سرداران لشکر یزید کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان مرثیوں میں اہل بیت کی سخت توہین کی جاتی ہے۔ مثلاً عام طور پر ایسی مجالس میں پڑھا جاتا ہے:

جاں جہاز حسینی بیڑا ڈبیا کر بلا

تختے نال نہ تختہ رلیا سارا ہڑھ گیا

شیعوں کی عقل پر افسوس ہے کہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کر کے اس قسم کے اشعار سن کر سردھنتے ہیں۔ امام حسینؑ نے شریعت اسلام کے جہاز میں اپنی اولاد کو بٹھا کر اسے دریائے ظلم میں ڈالا اور کربلا کے پتھن سے نہایت خوبی کے ساتھ مداحی کے فرائض ادا کرتے ہوئے اسے خدا کی رضا کے ساحل پر لگا دیا۔

تقریر حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علی پوریؒ

بھائیو! یہاں شیعوں کے متعلق مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے۔ جموں میں ایک تحصیل دار صاحب شیعہ تھے۔ انہوں نے ایک سید تھا نہ دار پر اعتراض کیا کہ سید ہو کر سنی ہو۔ اس نے جواب میں کہا کہ آپ سے پہلے جو

تحصیل دار تھے ان کا کیا نام تھا۔ نام بتانے پر پوچھا کہ ان سے پہلے کون تھا۔ غرض پانچ چھ ماہ پوچھنے کے بعد کہا کہ آپ اگر آج سے پچاس سال پہلے کے تحصیل دار کے فیصلوں کی مثالیں نکال کر ان کی غلطیاں درست کرنے لگو تو آپ لوگ کیا کہیں گے۔ تحصیل دار نے کہا کہ پاگل۔ تھانیدار نے کہا کہ افسوس پچاس سال کی غلطیاں نکالنے والے تو پاگل اور تیرہ سو سال کے پرانے فیصلوں اور ان کی مثالوں کی ورق گردانی کرنے والا آپ کے نزدیک صاحب ہوش و حواس ہو سکتا ہے۔

تلك امت قد خلت لہا ما كسبت و لكُم ما كسبتُم و لا تسئلون عما كانوا يعملون۔
اس کے بعد حضرت پیر صاحب نے نماز کی فریضیت اور احکام اسلام کی متابعت پر زور دیا اور جسے نماز غصہ کے لیے دعائے خیر کے بعد برخواست ہوا۔

کارروائی اجلاس سوم

مورخہ 6 دسمبر 1930ء بعد نماز عشاء بمقام جامع مسجد

سازھے آنھ بکے تلاوت قرآن مجید و نعت خوانی کے بعد حضرت مولانا مفتی عطاء محمد قوی کا ڈیڑھ گھنٹہ پر اثر و عطا ہوا۔ جس میں مولانا ممدوح نے اویس، اللہ کی آرامت، مدارس دینیہ کے احیاء کی ضرورت، دینی غیرت کے فقدان اور اصلاح رسوم پر زبردست تقریر فرمائی۔ جس سے قلوب تڑپ اٹھے۔ مولانا ممدوح کا انداز بیان نہایت دلچسپ اور پراثر ہوتا ہے۔ بعد ازاں مولانا سیدوزیت شاد صاحب نے تین گھنٹے ایک عمدہ تقریر فرمائی کہ لوگ بننے کا نام نہ میتے تھے۔ مجلس پر کجویت کا نام ہی رہی تھا۔ آپ نے بھنگ و شراب نوشی معنیوں اور شریعت سے نااہلی بیروں کی خوب خبر لی۔ مرزائیت و فحش کے پرچے اڑائے۔ اثر صحبت اور فوائد علوم دینی اور مدارس دینیہ کی مدد کی طرف موثر الفاظ میں توجہ دلائی اور رات کے ایک بجے جسے بعد دعا خیر برخواست ہوا۔

کارروائی اجلاس چہارم

مورخہ 7 دسمبر 1930ء صبح 8 بجے سے 12 بجے تک

سب سے اول تلاوت قرآن مجید کے بعد نعت خوانی ہوئی رہی۔ بعد ازاں اصلاح رسوم بترقی تجارت اور دینی تعلیم پر جناب مولانا ظہور احمد بھٹو نے ایک گھنٹہ زبردست اور مدلل تقریر فرمائی۔ اس کے بعد مولانا ابوالقاسم محمد حسین صاحب ساکن کولوتا رنج پور شریف لائے۔

تقریر مولوی ابوالقاسم محمد حسین صاحب فاضل کولوتارٹ

حضرات! ہم بد قسمتی سے ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ مذہبی و سیاسی تکالیف میں ہم گھر چکے ہیں۔ امت میں تفرقہ پڑ چکا ہے۔ نئے نئے جھگڑے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان تمام مصائب کو اندرونی فتنوں نے زیادہ مہیب بنا دیا ہے۔ تمام فتنوں سے زیادہ خطرناک فتنہ مرزائیت ہے۔ جس کی وجہ سے باپ سے بیٹا الگ اور بیٹا باپ سے الگ ہو چکا ہے۔ مرزائیوں کے نزدیک چالیس کروڑ مسلمانان عالم کافر ہیں۔ کیا یہ ماتم کا موقع نہیں کہ باپ کا جنازہ مرزائی بیٹا پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے۔ مرزا صاحب کے آنے سے ملت اسلام کو کس قدر خسارہ پہنچا اور اس نام کے مسیح نے کس قدر مسیحا کی۔ مرزا صاحب کا فتویٰ ہے کہ ”تم پر حرام ہے کہ کسی ملکر، مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو“۔ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو زانیہ عورتوں کی اولاد بتاتے ہیں۔ تمام دنیا کی گالیاں جمع کی جائیں تب بھی اس گالی کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ہماری نیکو کار اور صالح ماؤں کو ایسی غیظ گالیاں دی گئی۔ من یشاقق الرسول الایہ میں حق اور باطل کا امتیاز بتایا گیا ہے۔ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت 72 گروہوں میں منقسم ہو جائے گی وہ تمام دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک گروہ کے اور اس ناجی گروہ کا نشان امتیازی یہ بتلایا۔ ما انا علیہ و اصحابی اور علیکم بالجماعة۔ اتبعوا سواد الاعظم۔ یعنی وہ گروہ جو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کے طریقہ پر ہوگا اور سب سے بڑا ہوگا۔ مرزائی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے مخالف نہیں۔ مگر آیت میں ایسے منکرین کا نشان و یسبع غیر سبیل المؤمنین بتلایا گیا ہے۔ مومنوں کا راستہ چھوڑ کر غیر راستہ اختیار کرنے والے گمراہ ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم تم الذین یلونہم۔ لہذا اس کسوٹی سے بہتر کوئی کسوٹی ہو نہیں سکتی۔ جو بات خیر القرون میں نہ تھی وہ بری ہے۔ جمہور مسلمین اور سواد اعظم اسلام خیر القرون کے لوگوں کی اتباع پر تا قیامت قائم رہیں گے۔

اس کے بعد مولانا ممدوح نے مختصر طور پر مرزا قادیانی کی سوانح عمری، سیالکوٹ میں محرری، مختاری کے امتحان میں فیل ہونا، براہین احمدیہ کی اشاعت وغیرہ کے حالات بیان کر کے مرزائیوں کو چیلنج دیا کہ وہ مرزا کو سچا انسان ثابت کر دیں اور حسب ذیل امور کا حوالہ پیش کیا۔

مرزا صاحب نے کتاب براہین احمدیہ کے اشتہار میں اعلان کیا کہ یہ کتاب تین سو دلیل کا مجموعہ ہوگی اور

پھر اعلان کیا کہ کتاب تالیف ہو گئی ہے اور تین سو جزو تک پہنچ گئی ہے اور لوگوں سے دس دس روپیہ پیشگی قیمت وصول کی۔ مرزائیوں میں اگر ہمت ہے تو کم از کم موجودہ شکل میں ہی وہ 300 جزو والی کتاب دکھادیں۔ ورنہ یہ تسلیم کریں کہ مرزا صاحب نے جھوٹ بولا۔ اور صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ لوگوں کو نہایت چالاکی اور ٹھگی سے لوٹا۔ براہین احمدیہ اس وقت 35 جزو کی موجود ہے۔ بقایا 265 جزو کہاں ہیں۔ جس کے متعلق صفحہ 6 پر لکھتے ہیں۔ ”ہم نے صد ہا طرح کے فتور دیکھے کہ اس کو مرتب کیا“ اور صفحہ 7 پر لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا ہے کہ 3 سو لاکھ پر مشتمل ہے۔ اس سے اسلام کا کیسا جاہ و جلال چمکے گا۔“ ٹائٹل جلد اول پر لکھا ہے کہ پہلے یہ کتاب 35 یا 40 جزو، قیمت دس و پچیس، مگر تالیف تین سو جزو تک پہنچ گئی ہے۔“ اے عقل والو! انصاف کرو۔ مرزا صاحب نے تین سو جزو کا چکمہ دے کر کس قدر مخلوق خدا سے روپیہ بٹور لیا۔ کیا بنی کی یہی شان ہے۔ اس اعتراض کو دل میں رکھ کر مرزائی معلوم کریں کہ کیا مرزا راست باز انسان ہے۔ خیر القرون میں یہی عقیدہ تھا کہ ہر قسم کی نبوت کا مدعی کافر ہے اور سلسلہ نبوت بند ہے۔ مگر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ مرزا نے خود حماۃ البشری صفحہ 20 و 30 پر ختم نبوت کا اقرار کیا ہے۔ ختم نبوت کا مسئلہ ایسا صاف ہے کہ کتاب اللہ ناطق ہے اور سنت و اجماع امت گواہ ہے۔ مرزا قادیانی نے ازالہ اوہام میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع کیا جس میں یہ بتایا کہ توفی کے معنی سوائے موت اور کسی معنی میں استعمال نہیں ہو سکتے۔ مگر میں عرصہ چھ سال سے اعلان کر رہا ہوں کہ مرزائی اس معاملہ میں مجھ سے فیصلہ کریں اور ایک ہزار روپیہ کسی معتبر کے پاس جمع کرادیں۔ مگر صدائے برنخواستہ۔ 24 ستمبر 1928ء کے اخبار العدل گوجرانوالہ میں مکتوب مفتوح بنام مرزا محمود احمد بھی شائع کیا۔ قادیان میں چٹھیاں لکھیں۔ مناظروں میں لاکار انگر مرزائی خاموش ہیں۔ مرزا صاحب نے خدا سے آخری فیصلہ مانگا۔ چنانچہ ضمیمہ تریاق القلوب میں خدا کی بارگاہ و عدالت آسمانی ہے ان الفاظ میں فیصلہ طلب کیا۔ ”اگر میں سچا ہوں تو ضرور تین سالوں کے عرصہ میں کوئی نشان دکھلاتا کہ سعید الفطرت لوگ قبول کر لیں۔ اگر یہ نشان نہ دکھایا تو میں کاذب و دجال جنوری 1900ء سے جنوری 1902ء تک ایسا نشان جو انسانی تصرف سے باہر ہو۔ اے خدا میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں اپنے تئیں صادق نہ سمجھوں گا۔“ الخ۔ کیا کوئی مرزائی بتا سکتا ہے کہ ان تین سالوں میں کوئی نشان ظاہر ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو آسمانی فیصلہ کو قبول کرنے سے انکاری کیوں ہیں۔

اس کے بعد مولانا صاحب نے محمدی بیگم کے نکاح اور ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیشینگوئی کے واقعات بیان فرمائے۔ اور بعد ازاں حضرت پیر سید حافظ مولانا جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری سٹیج پر تشریف لائے اور

اعلان فرمایا کہ اگر کوئی مرزائی مرزا کو مسلمان ثابت کر دے تو اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت پیر صاحب قبلہ نے دو گھنٹہ وعظ فرمایا۔

”بشر مثلکم کے معنی سمجھنے میں لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے جیسا اور اپنی مثل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کوئی انسان ایسا نہیں جس کی مثال دنیا میں موجود ہو۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محمد ﷺ بشر ہیں مگر بشروں جیسے نہیں۔ کانچ اور ہیرا پتھر ہیں۔ مگر ہیرا کی قیمت لاکھ روپیہ اور کانچ کی ایک پیسہ۔ اس لیے کانچ اور ہیرا کو ایک جیسا سمجھنے والا احمق سمجھا جاتا ہے۔ کفار ازراہ طعن یہ کہتے تھے کہ ابشر ”یہدو و ننا۔ پھر حضور کی شان کا انکار کر دیتے تھے۔ وقالوا ما لهذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق۔ اس پر خدانے فرمایا: کیف ضربوا لک الامثال۔ آج کل کے ملحدین بھی کفار قریش کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں۔ اور ایسی ہی باتیں کہتے ہیں اور اسی کی تردید میں ارشاد ہوا۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ اس میں شک نہیں کہ میرا ظاہر تمہاری مثل ہے مگر اس کی وجہ سے میری شان رسالت کا انکار نہ کرو۔ میرے پاس رب سے وحی آتی ہے۔ سرور عالم ﷺ نے صحابہ کو فرمایا۔ ”ایکم مثلی۔ میرے جیسا تم میں کون ہے۔ جب اس وقت کوئی مثل نہ تھا تو اب کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یا نساء النبی لستن کا حد من النساء (پارہ 22) اے ازواج نبی تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ دنیا کی عورتوں میں تمہارا کوئی مثل نہیں۔“

ایصال ثواب کے متعلق فرمایا:

”ارواح کو ثواب بھیجا کرو جسم پنجرہ ہے اور روح طوطا۔ پنجرہ ٹوٹنے سے طوطا آزاد۔ اور موت کی وجہ سے روح آزاد ہو جاتا ہے۔ موت روح کو نہیں۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سرور عالم ﷺ کے ارشاد سے اپنی والدہ کو ایصال ثواب کی غرض سے کنواں کھدوایا۔ جواب تک بئیرام سعد کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن نے ہمیں مردوں کے لیے دعا کرنا سکھایا۔ ربنا اغفر لی و لو الدی۔ اور ربنا اغفر لنا و الاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے دریا میں کوئی بہتا جا رہا ہو اور کسی سہارے کا منتظر ہو۔ اس لیے ان کو سہارا دو۔ ایصال ثواب سے ان کی مدد کیا کرو۔ ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرنا مسنون ہے۔“

زیارت قبور کے متعلق فرمایا:

”قرآن مجید میں حتی زرتم المقابر سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبروں کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ ان کی زیارت کیسے ہو سکتی ہے۔ احادیث میں ہے۔ من زار قبری و جبت له شفاعتی۔ اور من حج البیت و لم

یزدنی فقد جیفانی۔ حضور اقدس ﷺ جنت البقیع اور احد کے قبرستان میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہے کہ زیات قبور سنت ہے اور قبروں کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ اگر قبریں بنانا جائز نہ تھا تو تیرہ سو سال کے عرصہ میں کیوں بنتی رہیں۔ پیغمبروں کے روضے صحابہ کے زمانہ میں موجود تھے۔ مورخ گبن لکھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر میں دانیال نبی کے روضہ کی مرمت کرائی۔ قرآن و حدیث و اجماع سے قبروں کا قائم رکھنا ثابت ہے۔

ضرورت مرشد و اتباع مرشد کے متعلق فرمایا:

”خداوند تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونو مع الصادقین۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کے متعلق مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد روحانی معیت ہے اور روحانی معیت کا دوسرا نام رابطہ، محبت یا تصور شیخ ہے۔ لوگ کہتے ہیں پیر کی ضرورت کیا ہے۔ جو شخص یہ کہے اس کے نزدیک غالباً پیغمبر کی استاد کی اور باپ کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ بغیر مرد و عورت کے ملنے کے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی حلوائی بغیر استاد کے ماہر فن نہیں ہو سکتا حالانکہ خداوند کریم بغیر کسی واسطہ و ذریعہ کے مٹی سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہر قسم کے علوم سینہ میں ڈال سکتا ہے۔ مگر یہ عالم اسباب ہے۔ شریعت کی تعلیم علماء سے اور طریقت کی تعلیم اصفیاء سے حاصل کرو۔ ایک شخص حج کے لیے بمبئی سے تیر کر جدہ جانا چاہے۔ دوسرا سینئر پر سوار ہو کر بارہ دن کے اندر پہنچ جائے۔ اسی طرح پیر کی مثال سینئر سمجھ لیجئے یا ایک چیونٹی دریا میں تیر کر پار جانا چاہتی ہو۔ اسے کئی برس لگیں گے۔ ایک کبوتر آ کر بیٹھے۔ چیونٹی اس کی ٹانگ کو چمت جائے۔ کبوتر اسے ایک آن میں دریا کے پار لے جائے گا۔ ہماری حالت چیونیوں کی طرح ہے۔ اور کبوتر کو پیر سمجھ لیجئے۔ انسان بدن اور روح سے مرکب ہے۔ بدنی بیماریوں کے لیے ڈاکٹر درکار ہیں۔ روحانی بیماریوں کے لیے پیران عظام کی ضرورت ہے۔ حضور اقدس ﷺ جہاں تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت پر مامور تھے وہاں تزکیہ قلوب بھی حضور کے فرائض میں سے تھا۔ تزکیہ قلوب اب مشائخ کے ذمہ ہے۔ قیامت میں کسی کو مال و اولاد نفع نہ دے گی۔ الا من اتى اللہ بقلب سلیم (پارہ 19) مگر قلب سلیم۔ ہر قلب کو سلیم بناؤ اسے بیماریوں سے پاک رکھو اور اس کا علاج مشائخ سے کراؤ۔ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلة و جاہدو فی سبیلہ لعلکم تفلحون (پارہ 6) میں وسیلہ کی تلاش کا حکم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس جگہ سوائے ذات مرشد کے اور کوئی وسیلہ کا معنی چسپاں نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حضرت ممدوح نے حزب الانصار کے قائم کردہ مدرسہ عزیز یہ کی امداد کی طرف مختصر الفاظ میں حاضرین کو توجہ دلائی۔ وقت تنگ تھا۔ لوگ منتشر ہو رہے تھے۔ پھر بھی حضرت صاحب کے الفاظ کا اثر نمایاں ہوا۔ اور جلسہ میں اسی وقت ایک سو روپیہ نقد چندہ اور قریباً بارہ روپیہ ماہوار کے مستقل وعدے ہوئے۔ حضرت پیر صاحب قبلہ نے اس رقم سے علاوہ مبلغ 51 روپے عطا فرمائے۔ اس طرح کل رقم ایک سو تریس (153/-) روپے نقد چندہ جمع ہوا۔ اللہم زد فزد۔

نوٹ: چونکہ جلسہ کا مقصد محض تبلیغ تھا۔ اس لیے فراہمی سرمایہ کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ ورنہ اگر پہلے اجلاس سے ہی کوشش کی جاتی تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روپیہ کا جمع ہو جانا چنداں محال نہ تھا۔

کارروائی اجلاس پنجم

مورخہ 7 دسمبر 1930ء بعد نماز ظہر 2:30 بجے سے 4:30 بجے تک

تلاوت و نعت کے بعد مولوی غلام حسین صاحب گجراتی کا وعظ ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو اصلاح رسوم و تجارت کی ترغیب دلائی گئی۔ بعد ازاں مولانا سید محمد عبداللہ شاہ ملاوی کا ایک گھنٹہ زبردست وعظ ہوا۔ آپ نے دینی تعلیم کی ضرورت، مدارس دینیہ کے قیام اور مسلمانوں کی دینی کمزوریوں کے نتائج کا مفصل بیان فرمایا۔ دوران وعظ میں بارہ روپیہ کے قریب متفرق طور پر وصول ہوئے اور جلسہ دعا خیر کے ساتھ نماز عصر کے لیے برخاست ہوا۔

کارروائی اجلاس ششم

مورخہ 7 دسمبر 1930ء بعد نماز مغرب 8:30 بجے سے 12 بجے تک

تلاوت قرآن مجید کے بعد نعت خوانی ہوئی اور مولانا سید نذیر الحق صاحب قادری میرٹھی سٹیج پر تشریف لائے اور آپ نے ایک گھنٹہ پر مغز تقریر فرمائی۔

تقریر مولانا سید نذیر الحق صاحب قادری میرٹھی

بھائیو! اس وقت میں نے عرض کرنا ہے کہ مسلمانوں کی حالت نازک ہو چکی ہے۔ آپ ان باتوں کو کئی دفعہ سن چکے ہو گے۔ بڑی بڑی بیماریاں جو مسلمانوں کو لاحق ہو چکی ہیں ان میں سے دینی احساس کا فقدان نہایت خطرناک ہے۔ گویا جسم سے روح نکل گئی۔ انجن سے بھاپ چلی گئی۔ انجن کے بیکار ہونے سے گاڑیاں بھی بیکار۔

اسی طرح آج مسلمانوں کی زندگی سے مذہب کی روح نکل گئی۔ اور ان میں دنیوی عزت اور دینی شرف باقی نہ رہا۔ دونوں چیزوں سے تہی دست ہو گئے۔ اقتصادی اور مالی کمزوری نے مسلمانوں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ جو قوم اپنے پاس دولت نہیں رکھتی وہ قوم عزت اور ترقی حاصل نہیں کر سکتی۔ جو سب سے زیادہ دولت مند ہے وہ آج کل باعزت سمجھا جاتا ہے۔ مفلس اپنی عزت بلکہ اپنے مذہب کی حفاظت سے بھی عاری ہوتا ہے۔ آج یورپ والے دولت کے نشہ میں خدا کو بھول گئے۔ دولت کی محبت نے ان کو اندھا کر دیا۔ انما اموالکم و اولادکم فتنہ۔ حضور سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔ الدنیا جيفة۔ دنیا مردار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی محبت مسلمانوں کو بھی گمراہی میں ڈال دے گی مگر غور کا مقام ہے کہ دنیا سے کیا مراد ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

چیت دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و فقرہ و فرزند و زن

کیا واضح تعریف ہے۔ ایک دفتر اس شعر کو بیان کرنے کے لیے درکار ہے۔ دنیا خدا سے غافل ہونے کا نام ہے۔ دولت مند کو اگر احکام اسلام کا خیال ہے تو وہ دنیا دار نہ سمجھا جائے گا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دنیوی جاہ و جلال، گھوڑوں کی تعداد کا کوئی حساب نہ تھا۔ ایک شیرازی بزرگ کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا:

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

مال کی طلب، کنبہ کی پرورش، یتامی اور بیواؤں کی امداد اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے کرنا دنیا داری نہیں بلکہ عین دین ہے۔ دنیا خدا کے حکموں سے منہ موڑنے کا نام ہے۔ قرآن کریم میں خدا نے ہمیں رہنا آتسافی الدنیا حسنة سکھلایا۔ اسلام اگر دولت کمانے سے منع کرتا تو احکام اسلام پر عمل نہ ہو سکتا۔ جاہدو فی سبیل اللہ باموالکم۔ اور زکوٰۃ کے احکام۔ بیت المال کا قیام۔ ان تمام امور سے ظاہر ہے کہ اسلام جمع مال یا طلب مال سے منع نہیں کرتا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ لوگ دنیوی دولت کے نشہ میں خدا سے غافل نہ ہو جائیں۔ مسلمانوں میں احساس زیاں جاتا رہا۔ جہد للحمیات کا جوش مٹ گیا۔ رسم و رواج کی زنجیر میں مقید ہو گئے۔ پنجاب کے مسلمانوں پر 90 کروڑ روپیہ سودی قرضہ ہے۔ اور سالانہ سترہ کروڑ روپیہ سود ادا کرتے ہیں۔ جو گورنمنٹ پنجاب کے مالیہ سے کم از کم دگنا ضرور ہے۔ مسلمانوں نے یہ روپیہ قرض لے کر کون سی اسلامی خدمت سرانجام دی۔ کوئیں میں گر گئے مگر

نکلنے کی کوشش نہ کی۔ اگر احکام اسلام پر عمل پیرا ہوتے تو اسلامی انجمنوں کی حالت زار نہ ہوتی۔ دشمنوں کے ہاتھ میں دولت دی اور ہتھیار دیا۔ پھر 17 کروڑ روپیہ سالانہ دے کر اس کی طاقت بڑھائی۔ خدا کو ناراض کیا۔ یاد رکھو سود لینا اور دینا ایک جیسا حرام ہے۔ بھائیو! اگر مسلمان ہو تو ان باتوں سے باز آؤ۔ کروڑوں روپیہ بیاہ شادیوں پر برباد ہوا۔ اب ان رسموں کو ترک کر دو۔ بہت کھو چکے۔ جو باقی ہے اس کو بچاؤ۔ ہر بات میں نام آوری کی خواہش نے دینی روح فنا کر دی۔ رسوم و رواج کے ذریعہ دولت کو ضائع کر دیتے ہو۔ مگر دولت کمانے سے منہ موڑتے ہو۔ دولت کمانے کا ذریعہ تجارت و صنعت و حرفت ہیں۔ جس کو حاصل کرنا آپ عار سمجھتے ہیں۔ آپ کو دولت بڑھانے کے نہیں بلکہ گھٹانے کے ذرائع خوب یاد ہیں۔ آخر اس کو نہیں کے پانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ہند میں سپین کا نقشہ نظر آئے گا۔ بد قسمتی سے ہم ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں کہ تنزل کی حد ہو چکی۔ مذہب کی روح نکل گئی۔ دلوں سے خدا اور رسول کی محبت چلی گئی۔ اسلام کے کلمہ کے معنی بھی کوئی نہیں سمجھتا۔ ایک شخص کلمہ پڑھتے ہی تمام رسموں کی قید سے چھوٹ جاتا ہے۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ اے خدا آج سے میں تیرا ہو گیا۔ آج سے میں تیرا ہو گیا۔ آج سے میری گردن میں تیری محبت کا طوق ہو گا۔ کیا ہماری زندگی اسلامی زندگی ہے۔ زبان سے کلمہ اور قرآن پر ایمان کا یہی اثر ہوتا ہے جو آج کل رونما ہے۔ دلوں میں حب رسول اور حب صحابہ کی گرمی نہ رہی۔ صحابہ کرام کی حالت سے مقابلہ کرو۔ کیا وہ ایسے ہی مسلمان تھے؟ وہ لعل و جواہر تھے اور ہم کنکر۔ ایک ایک صحابی کے عشق رسول کا تذکرہ کیا جائے تو دفتروں میں نہ سائے۔ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں حضور اقدس ﷺ کے بال سی دیئے تھے۔ وہ ٹوپی کبھی سر سے جدا نہ کی۔ ایک دفعہ دشمن سے مقابلہ کرتے وقت ٹوپی سر سے گر گئی۔ دشمن وار کرنے والا تھا۔ جان کی پروا نہ کی۔ مکی و مدنی محبوب کی محبت غالب آئی اور اتر کر ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھ لی۔ دشمن نے کہا کہ زندگی سے ایسے غافل ہو اور معمولی ٹوپی کے لیے تمہیں جان کی پروا نہیں۔ فرمایا:

”یہی ٹوپی میری فتح و نصرت کا راز ہے اور اسی کی برکت سے ہر میدان میں فتح میرے قدم چومتی ہے۔“

اس کے بعد حضرت مولانا نے رسول اللہ ﷺ کے عشاق و پروانوں یعنی صحابہ کرام کے چند حالات نہایت درد انگیز پیرایہ میں بیان کیے اور صحابہ کی پیروی کی تلقین کی۔ بعد ازاں حضرت مولانا مفتی عطا محمد رتوی صاحب نے ڈیڑھ گھنٹہ اختتامی تقریر فرمائی جس میں جلسہ کے اغراض و مقاصد، جلسہ کی کامیابی وغیرہ کا مفصل تذکرہ کیا۔ اور حاضرین کو تمام تقاریر کا عطر و خلاصہ سنا کر ان امور کو یاد رکھنے کی تلقین کی اور گھروں اور علاقوں میں جا کر دینی روح غافلوں کے دلوں میں پھونک دینے کی وصیت کی۔

اختتام:

سب سے آخر میں مولانا ظہور احمد گوی نے حضرات علمائے کرام و حضرت قبلہ پیر صاحب علی پوری کا شکر یہ مسلمانانِ بھیرہ کی طرف سے ادا کیا اور تمام مہمانوں کی خدمت میں کارکنوں کی طرف سے معذرت کا اظہار کر کے تمام رضا کاروں و کارکنوں کے ایثار و ہمت کا شکر یہ ادا کیا۔ اور جلسہ بخیر و خوبی برخواست ہوا۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ جلسہ ہر سال مناسب و موزوں تاریخوں پر ہوا کرے۔

ابتدائی تیاریاں:

جلسہ سالانہ، دہائیوں سے مجلس حزب الانصار کے کارکنوں اور اراکین کے لیے زبردست اور شان سرگرمی چلی آ رہی ہے۔ مجلس کی شوری کے اجلاس میں انعقاد کی تاریخوں کے تعیین کے ساتھ سابقہ کارگزاری اور حالیہ واقعات کے مطابق چیدہ چیدہ علماء کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے جنہیں اسی سال مدعو کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متوقع مہینہ سے دو ماہ پہلے یہ اقدامات کیے جاتے ہیں:

- ☆ شمس الاسلام میں تواریخ جلسہ کا اعلان۔
- ☆ چھوٹے اشتہار (وال پوسٹر) کی اشاعت۔
- ☆ مجوزہ اور منتخبہ علماء و مشائخ کے نام دعوتی مراسلت۔
- ☆ حزب الانصار کی برانچوں کو اطلاع۔

تاریخ انعقاد سے چند ہفتے پہلے بڑے اشتہار (30x19.5") شائع کیے جاتے ہیں جو شہر میں ہر گروہ و نواح اور دور دراز میں ارسال کیے جاتے ہیں تاکہ نمایاں اور محفوظ مقامات پر چسپاں کیے جاسکیں۔ ان اشتہارات میں جلسے کی تاریخیں قمری، شمسی اور ہجری تینوں سنوں میں دی جاتی ہیں۔ مدعو، مدعو، و مشائخ کے اسماء ہوتے ہیں اور زائرین و شرمکاء جلسہ کے لیے یہ ہدایات ہوتی ہیں:

- 1- قیام و طعام حزب الانصار کی جانب سے بلا معاوضہ۔
- 2- نظام الاوقات اور اسماء مقررین کا روزانہ اعلان۔
- 3- حزب الانصار کے رضا کاران کا تبیینی کمپ۔
- 4- ریلوے سٹیشن پر علماء کا پر جوش استقبال اور بشکل جلوس جامع مسجد میں آمد۔
- 5- مستورات کے لیے علیحدہ پردے کا انتظام۔

- 6- لاؤڈ سپیکر کا خصوصی اہتمام۔
- 7- رعائتی نرخوں پر تبلیغی اور دینی کتب کا سٹال۔
- 8- شمولیت کے لیے آمد اور تعداد و فقہاء کی پیشگی اطلاع۔
- 9- موسم کے مطابق بستر اور کپڑوں کا بندوبست۔

کارکنان اور اراکین کی شرکت:

منتخب حضرات سے مشاورت کے بعد جمیع ارکان مجلس حزب الانصار بھیرہ کا عام اجلاس طلب کیا جاتا تاکہ معاملات پر غور کیا جائے۔ چنانچہ 10 جنوری 1936ء بروز ہفتہ امیر حزب الانصار نے چھٹے سالانہ جلسے کے سلسلے میں تنظیمی اجلاس کی اطلاع سرکولیت کی۔ اس اجلاس میں مقامی برانچوں اور محلوں سے کارکن شریک ہوتے۔ تجاویز پیش کرتے اور جلسہ کے مختلف پہلوؤں اور ضرورتوں کا تفصیلی لائحہ عمل طے کرتے۔

مقامی حزب الانصار کے محلہ و اراکین کی فہرست اجلاس سے قبل ارسال کی جاتی تاکہ ہر رکن کو باضابطہ اطلاع ہو اور ایجنڈے کے مطابق تیاری کر کے شامل اجلاس ہو۔ یہ فہرست مجلس کے محصل قاضی محمد عبداللہ صاحب نے اپنے رجسٹرار اراکین سے تیار کر کے جاری کرتے تھے۔

ارکین کا یہ اجتماع نہ صرف امیر جماعت کو مختلف امور میں مشورے دیتا تھا بلکہ جلسہ سالانہ کے انتظامات سے متعلق مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے اپنے اپنے حلقہ اثر میں اراکین فعال بھی ہو جاتے۔ یوں جلسے کا کام دفتر مجلس اور صحن مسجد سے نکل کر شہر کے گلی کوچوں میں پھیل جاتا۔ پھر ایسے لگتا جیسے ایک اہم تہوار کے لیے گویا گھگھہ تیاریاں ہو رہی ہیں اور سارے شہر کے لوگ اس تقریب کا انتظار کر رہے ہیں۔

دعوت الی الخیر:

مجلس حزب الانصار کی مرکزی استقبال کمیٹی ہر جلسے کے موقع پر علاقے اور شہر کے معززین خصوصاً اصحاب الرائے کو مدعو کرتی۔ یہ گویا مقتدر اصحاب اور حلقوں کو انفرادی توجہ کے ساتھ نیکی کی طرف بلانے اور خیر کی دعوت دینے کا کام تھا۔ آٹھویں سالانہ جلسہ پر بانی امیر حزب الانصار کے دستخطوں سے جاری شدہ دعوت نامہ کتاب کی جلد دوم میں شامل ہوگا۔

مقامی تعاون:

جلسہ سالانہ کے تعاون کے لیے ہر محلے میں کمیٹیاں بن جاتیں۔ کچھ بازاروں سے اور کچھ محلوں سے

حسب استطاعت عطیات مثلاً نقدی، آٹا وغیرہ اکٹھا کرتیں۔ شہر کی مساجد کے آئمہ اور پرائمری سکولوں کے ٹیچر اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ دیہات سے لوگ دودھ، لکڑیاں، گندم اور روغن زرد کا اہتمام کرتے۔ اکثر محلوں اور قریبی گاؤں سے نوجوان بطور رضا کار خدمات سرانجام دینے کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ جلسہ کے موقع پر سینکڑوں کی تعداد میں بستر اور چارپائیاں شہر کے متمول گھرانوں سے آتیں جنہیں ناظم بستر جات اس طرح درج اور نشان زدہ کرتے کہ اختتام جلسہ پر کسی کا نقصان نہ ہونے پاتا۔ اور تمام مہمان اس خاطر سے استفادہ کرتے۔

مقامی تیاریاں:

1930ء سے یہ مستقل معمول چلا آ رہا ہے کہ جامع مسجد بھیرہ کے پرشکوہ گنبدوں اور دیگر عمارات کی سالانہ سفیدی اور روغن سالانہ جلسہ سے متصل چند ہفتے پہلے کیا جاتا ہے۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ اکثر سالانہ سفیدی کے ساتھ باران رحمت کا نزول ایک قدرتی روایت سی بن گیا ہے۔ اس موقع پر دارالاقامہ، دفاتر، مسجد وغیرہ کی عمومی مرمت کے ساتھ نظام ہائے آب، نکاسی اور روشنی وغیرہ کی اور ہالنگ کی جاتی ہے۔ صحن مسجد اور ملحقہ راستے کی تزئین و آرائش پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ مسجد کے اندر دیواروں کو اردو فارسی کے خوش رنگ اور خوش خط قطععات سے مزین کیا جاتا ہے۔ بدعو علماء اور مشائخ کا استقبال مقامی ریلوے اسٹیشن پر کیا جاتا تھا جو شہر سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ جن حضرات نے قیام پاکستان سے قبل یا بعد میں کبھی یہ روح پرور منظر دیکھا ہے، یہ استقبالی جلوس ان کی زندگی کی حسین ترین یاد بن گیا ہے۔ یہ بارونق اور پُر تکلف تقریب برپا کرنے کی متعدد وجوہ تھیں:

- 1- مسلمانوں کے تمام فرقوں اور طبقوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کا عملی مظاہرہ۔
- 2- علماء اور مشائخ کو قرار واقعی قدر و منزلت اور احترام دینا۔
- 3- عوام کے تمام طبقوں کو دین کے لیے اور دینداروں کے لیے یکجا کرنا۔
- 4- اہل شہر کے لیے روح پرور اور ایمان افروز مصروفیت۔
- 5- مشرکین اور باطل فرقوں کی حوصلہ شکنی اور مایوسی۔

یہ جلوس دوپہر کو ملکوال سے آنے والی ٹرین کی آمد سے شروع ہوتا۔ امیر حزب الانصار حضرت مولانا ظہور احمد گوبی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر جلوس کی قیادت کرتے۔ جلوس میں شامل علماء و مشائخ کو بار پہنائے جاتے اور وہ ٹانگوں پر سوار ہو جاتے۔ دینی اور سکولی مدارس کے طلبہ، مجلس حزب الانصار کے مقامی اور بیرونی رضا کار اور اراکین اور شہری و مہمان پیدل شامل ہوتے۔ ہمراہ ایک نقارہ جوش دلاتا رہتا۔ جلوس میں نوجوان گرتکا اور شمشیر زنی کا

مظاہرہ کرتے۔ خوش گلو نعت خوانوں اور قوالوں کی ٹولیاں مدح سرائی کرتیں۔ گاہ بگاہ پر جوش نعرے بلند ہوتے اور اہم چوکوں پر گولے داغے جاتے۔ ایک مدت تک فوج محمدی کے جیش حرب و ضرب کا مظاہرہ بھی کرتے رہے۔ جلوس ریلوے اسٹیشن سے چلتا اور دروازہ گنج منڈی سے داخل ہوتا اور شہر کے بیچوں بیچ میں بازاروں سے گزرتا۔ بد یہ بھیرہ راستوں اور نالیوں کی صفائی کرتی۔ سڑکوں پر پانی کے چھڑکاؤ کا اہتمام کیا جاتا اور نالیوں کے ساتھ چونا بچھایا جاتا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا جلسہ سالانہ اہالیان بھیرہ اور نواح کے لیے ایک اہم تقریب بلکہ تہوار کی شکل اختیار کر گیا۔ تمام راستے اور چوک خوبصورت آرائشی محرابوں، رنگ برنگی جھنڈیوں اور بینروں سے سجے ہوتے۔ بیویوں میں جلوس پر پھولوں کی پیتاں نچھاور کی جاتیں اور عرق گلاب چھڑکا جاتا۔ یہ جلوس خراماں خراماں ڈیڑھ گھنٹے میں جامع مسجد بھیرہ پہنچ جاتا جہاں جمعہ کی پہلی اذان ہو رہی ہوتی۔ اور یوں شرکائے جلوس نماز جمعہ اور پہلے اجلاس کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔

اجلاسوں کی صدارت:

عام طور پر سہ روز اجتماع کے آٹھ اجلاس ہوتے تھے۔ دو جمعہ کے روز، 4 ہفتے کو اور دو آخری روز اتوار کے دن۔ ہر اجلاس کی صدارت علاقے یا صوبے کی کسی ممتاز گدی کے سجادہ نشین کرتے۔ شریعت و طریقت کے اس حسین امتزاج کی وجہ یہ تھی:

- ☆ شریعت اور طریقت کو دین مبین کے اجزائے واحدہ کے طور پر پیش کرنا۔
- ☆ مشائخ عظام کو اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سے باخبر رکھنا۔
- ☆ سجادہ نشینوں کو عامۃ الناس کے قریب لانا۔
- ☆ قومی اور دینی مسائل میں منبر و سجادہ کے لیے ایک پلیٹ فارم اور ایک لائحہ عمل کی ترغیب۔
- ☆ مسلمانوں کے دلوں میں دینی قیادت کے اتحاد اور اس کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا۔

موضوعات:

مقررین اور واعظین بالعموم ایک متعین موضوع پر کم ہی سخن طراز ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا بگوی جب علماء کو جلسوں میں مدعو کرتے تھے تو اکثر عنوان لکھ دیتے یا توجہ دلاتے کہ کون سے موضوعات اہمیت کے حامل ہیں۔ عمومی موضوعات کا اعلان اشتہارات اور انفرادی دعوت ناموں میں بھی کیا جاتا۔ ویسے بھی ہر جلسہ جہاں اہل علم کے لیے مجلس مذاکرہ و رابطہ تھا وہاں عوام کے لیے دینی تعلیم، علمی تسکین اور اخلاقی تربیت کا موقع بھی فراہم کرتا

تھا۔ کارکن اور اراکین حزب الانصار اس موقع پر مل بیٹھ کر گزشتہ خدمات کا جائزہ لیتے اور آئندہ سال کی سرگرمیوں کا لائحہ عمل اور اشتراک عمل طے کرتے تھے۔

حزب الانصار کے سالانہ جلسوں میں چیدہ چیدہ عنوانات یہ نظر آتے ہیں:

- | | | |
|---|---|--|
| ☆ | عقائد | توحید، رسالت اور آخرت |
| ☆ | ختم نبوت | اہمیت، ضرورت اور تقاضے |
| ☆ | مرزائیت | مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار، ان کا کردار، مرزا صاحب کے دعاوی اور لہادے، فرقے کے اثرات اور مضرات |
| ☆ | رفض | عقائد و نظریات۔ تنقیص صحابہ کے اثرات۔ تاریخی اعتبار سے |
| ☆ | چکڑ الویت | فتنہ انکار حدیث |
| ☆ | تبلیغ | مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں |
| ☆ | تعلیم | عام، بالغاں، نسواں |
| ☆ | صحابہ کرامؓ | فضیلت۔ اسوہ و کردار۔ دین مبین کی حفاظت اور اشاعت کے لیے خدمات۔ جان فروشیاں اور جان نثاریاں۔ قرآن حکیم اور حضرت شارع علیہ السلام سے محبت۔ بطور ماخذ دین۔ سیرت خلفائے راشدہ۔ |
| ☆ | خاکساریت | علامہ مشرقی کے نظریات اور عزائم |
| ☆ | اخلاقیات | معاملات۔ ضروریات دین۔ حسن اخلاق۔ حقوق اللہ و حقوق العباد۔ بچوں اور خواتین کے ساتھ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی |
| ☆ | ائمہ اربعہؓ و اولیائے کرامؓ | کردار و سیرت۔ خدمات |
| ☆ | مسلمانوں سے متعلق برطانوی سامراجی حکومت کے فیصلوں پر نقد و نظر۔ | |

شریک علماء و مشائخ:

مجلس حزب الانصار کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرنے والے علماء اور مشائخ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ اس میں ہر طبقہ خیال اور شعبہ خطابت کے ممتاز اصحاب شامل ہیں جنہوں نے اجلاسوں میں شریک ہو کر صدارت کی یا خطاب کیا۔ سیاسی زعماء کو چھوڑ کر علمی اور دینی طبقوں میں سے چند ہی مشاہیر ہوں گے جن کے

ارشادات سے اہل بھیرہ محفوظ نہ ہوئے ہوں۔ بعض علماء اور مشائخ ایسے بھی ہیں جو پہلے جلسے (1930ء) سے حضرت مولانا بگویی کے آخری جلسے (1945ء) تک مسلسل اور باقاعدگی سے شامل ہوتے رہے ہیں۔ شمس الاسلام کے صفحات سے نمایاں اسماء گرامی حروف تہجی کی ترتیب سے پیش خدمت ہیں۔

- مولانا پیر احمد غوث شاہ ترمذی شریف
- مولانا میر اسد اللہ شاہ گجراتی
- مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی
- مولانا محمد اشرف بھلووال
- مولانا محمد اسماعیل دامانی
- سائیکس امیر سلطان سجادہ نشین درگاہ میراں صاحب
- مولانا احمد دین گانگویی (میانوالی)
- مولانا امیر الدین جلال آبادی
- مولانا صاحبزادہ افتخار احمد بگویی
- مولانا ناصر محمد بخش مسلم لی ایے لاہور
- مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی
- مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہار شریف
- مولانا ابوالمعانی تاج الدین احمد تاج لاہور
- مولانا حافظ پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری
- مولانا بابو حبیب اللہ امرتسری
- ابوالاثر حفیظ جالندھری
- مولانا حبیب اللہ تونسوی
- جناب پیر حیات شاہ سجادہ نشین بھیرہ
- مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی
- مولانا محمد حسین شوق پیلانوی
- مولانا محمد امام الدین کوٹلوی
- مولانا محمد امین جھنگ
- محترم پیر انور امیر شاہ سجادہ نشین درگاہ سبحانیہ
- مولانا حافظ محمد امین خوشابی
- مولانا محمد اشرف ہزاروی
- مولانا سید امیر شاہ گجالی
- مولانا سید احمد سعید شاہ کاظمی ملتان
- مولانا صوفی امانت علی شاہ
- مولانا اللہ بخش
- مولانا فضل احمد سکھو
- مولانا پیرزادہ محمد بہاؤ الحق قاسمی
- عالی جناب پیر بادشاہ سجادہ نشین بھیرہ
- صاحبزادہ محمد فخر زمان شاہ سجادہ نشین کوٹ چاند نہ
- مولانا چراغ دین رتیڑی
- مولانا صاحبزادہ محمد حسین سجادہ نشین مروہ شریف
- مولانا محمد حنیف سجادہ نشین کوٹ مومن
- مولانا پیر چمن پیر احمد خوشاب
- مولانا خان محمد فاضل دیوبند
- مولانا حبیب الرحمن رائے پور
- مولانا خان محمد تونسہ شریف

- مولانا محمد حسین (بلبل پنجاب)
- مولانا حبیب الرحمن ہزاروی
- مولانا سید حبیب مالک روزنامہ سیاست لاہور
- مولانا محمد رفیق جھارویاں
- مولانا محمد داؤد ٹیکسلوی
- مولانا صاحبزادہ محمد زین الدین مکھڑوی ترگ
- مولانا درویش محمد جھنگ
- علامہ رحمت اللہ ارشد بہاولپور
- مولانا سید محمد شاہ جہلمی
- جناب حاجی سردار شاہ بچک
- مولانا مفتی سید سیاح الدین کاکا خیل
- مولانا سعید الرحمن ہزاروی
- محترم پیر محمد شاہ سجادہ نشین و امیر جند اللہ
- جناب پیر شمس الامیر گیلانی سجادہ نشین
- جناب ڈاکٹر محمد شریف بنووی
- مولانا شمس الدین نقشبندی (درویش)
- مولانا مفتی عطا محمد سجادہ نشین رتہ شریف
- مولانا محمد عالم مرپوری
- مولانا حکیم عبدالرسول بکھروی
- مولانا عبدالرحمن میانوی
- مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری
- مولانا عبدالحق ہزاروی
- مولانا عبدالحمید
- مولانا محمد حنیف
- مولانا حسین بخش چاریاری ملتان
- مولانا ابوالقاسم محمد حسین آف کولوتارڑ
- مولانا محمد رفیق بھرتوی
- مولانا حکیم محمد زبیر بکھروی
- مولانا محمد یعقوب ہزاروی
- مولانا محمد ذاکر محمدی شریف
- مولانا سلطان محمود
- مولانا صاحبزادہ محمد سعید
- مولانا سکندر علی ہزاروی
- جناب صاحبزادہ سعد اللہ سیالوی
- مولانا ابویوسف محمد شریف کولوی
- مولانا ابوسعید محمد شفیع خوشاب
- جناب پیر سید شیر علی
- جناب شیر محمد سجادہ نشین لنگر مخدوم
- مولانا ظفر علی خان بانی روزنامہ زمیندار لاہور
- مولانا عبدالشکور لکھنوی
- مولانا عبدالکریم آف مہابلہ امرتسر
- مولانا محمد سعد اللہ لدھیانوی
- مولانا صوفی عبدالرحیم مظفرنگر
- مولانا علاء الدین ٹیکسلا
- مولانا قاری عبدالرحمن سرگودھا
- مولانا صاحبزادہ عبدالغفور نور خان نیوالہ

- مولانا عبدالرشید
- مولانا محمد عبداللہ ہزاروی
- مولانا قاضی محمد عارف
- مولانا عبدالعزیز مزنگ لاہور
- مولانا عزیز الرحمن ہزاروی
- مولانا عبدالسلام لٹھوی
- مولانا غلام حسین کوٹلی و بالہ
- مولانا نواز زادہ غلام احمد خان بنگلش بنگلو
- مولانا محمد غوث
- مولانا محمد منیر مظفر کڑھ
- مولانا محمد تامل پوری
- مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رئیس بھیس چکوال
- مولانا حسین قطب الدین جھنگوی
- مولانا پیر قاضی شاہ متانی
- مولانا نواز حسین اختر
- صاحبزادہ محمد مقبول الرسول للہی
- مولانا سید مغیث الدین حسن شاہ چاند پوری
- مولانا محمد سعید الہوی
- مولانا سید محمد الدین شارق
- جناب محمد مسلم کانی پوری
- مولانا مشتاق احمد
- مولانا حکیم محبوب عالم ٹیکسلا
- مولانا نواب الدین قصور
- مولانا عبدالعزیز خطیب لاہور چھاؤنی
- مولانا عبدالحمید رائے پوری
- مولانا عبدالحی (بھوئی)
- مولانا عنایت اللہ قادیان
- مولانا محمد عالم چھموی
- مولانا محمد علی جان دھری
- صاحبزادہ حافظ محمد فخر الدین سیال شریف
- مولانا غلام محی الدین
- جناب غلام فرید سجادہ نشین منگور
- مولانا غلام غوث ہزاروی
- مولانا سید کرم حسین شاہ دوالمیالوی
- مولانا محمد کامل الدین
- مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی
- مولانا محمد قاسم ہزاروی
- مولانا پیر منیر شاہ خوشابی
- صاحبزادہ محمد محبوب الرسول للہی
- مولانا محمد مقصر شاہ کھیوڑہ
- مولانا محمد الدین
- جناب ڈاکٹر سید محمد شاہ ٹھٹھوی
- مولانا قاضی منظور حسین بی اے
- مولانا محمد مظہر الدین گورداس پوری
- صاحبزادہ سید نور حسین شاہ علی پوری
- مولانا سید نذیر الحق میرٹھی قادری

- مولانا محمد نجم الدین ڈھڈیا لوی
- مولانا نور محمد ایمن آبادی
- مولانا سید ولایت شاہ گجراتی
- مولانا نذیر احمد
- مولانا نور محمد سجادہ نشین
- مولانا محمد یوسف سیالکوٹ

اہم قومی اور دینی امور میں قراردادیں:

سالانہ جلسہ ایک طرف عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے زبردست موقع فراہم کرتا ہے تو دوسری طرف مختلف مکاتب فکر کے علماء کا ایک پلیٹ فارم پر مل بیٹھنا اور باہمی تبادلہ خیالات کے ذریعے قومی معاملات میں قرب و یگانگت پیدا کرنے کی نادر تقریب ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر سال اختتام جلسہ پر اہم قومی اور دینی مسائل پر متفقہ قراردادیں پاس ہو کر جاری اور ملکی پریس میں چھپتی رہی ہیں۔ ان کا تعلق بالعموم مسلمانوں کے دینی، علمی، تعلیمی، سماجی اور سیاسی معاملات سے ہے۔ چند چیدہ چیدہ قراردادیں شمس الاسلام کے اوراق سے حاضر ہیں:

پانچواں سالانہ جلسہ:

30 نومبر یکم و 2 دسمبر 1934ء کو منعقدہ سہ روزہ جلسہ سالانہ کے اختتام پر باتفاق رائے جمیع نمائندگان حاضرین درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں:

1۔ حزب الانصار کا یہ عظیم الشان سالانہ اجتماع احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کی پاس آردہ جملہ تجاویز کے ساتھ کامل اتفاق کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مرزا محمود کے اشتعال انگیز خطبات اور مرزائیوں کا تمام دل آزار لٹریچر ضبط کر کے ملک کے امن و امان کی بقا کے لیے مرزا محمود کے خلاف فوری مناسب کارروائی کرے۔

2۔ اس افواہ پر کہ حکومت پنجاب احرار کے کارکنوں کو تبلیغ کانفرنس قادیان میں تقاریر کرنے کی بنا پر گرفتار کرنے والی ہے سخت رنج و اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ حکومت نے اگر ایسا ارادہ کر لیا ہے تو اس کو مسلمانوں کے اضطراب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت نے ناعاقبت اندیش ارکان پر عاید ہوگی۔

3۔ اعلان کرتا ہے کہ حسن نظامی دہلوی فرقہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور اس کی کتابوں میں صحابہ کرام پر دل آزار اور اشتعال انگیز حملے کیے گئے ہیں اور حسن نظامی اور اس کے پیلے یعنی مولوی و پیشوا وغیرہ اقلیت کی آڑ میں تشیع کا زبردست پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ لہذا کسی شیعہ مبلغ کو حق نہیں کہ اس کی کسی

کتاب کو کسی موقع پر اہل سنت کے سامنے بطور حجت پیش کر سکے۔ نیز مسلمانان پنجاب کا یہ نمائندہ اجتماع مسلمانان ہند سے درخواست کرتا ہے کہ حسن نظامی کی تصانیف و اخبارات و رسائل خصوصاً رسالہ مولوی و پیشوا کا بائیکاٹ کر کے اپنی حمیت ایمانی کا ثبوت دیں۔

(غلام حسین مینجر جریدہ شمس الاسلام بھیرہ)

ساتواں سالانہ جلسہ:

17-18-19 جنوری 1936ء کو منعقدہ سالانہ جلسہ کے آخری روز درج ذیل ریزولیشن پاس ہوئے:

- 1- حزب الانصار بھیرہ کا یہ عظیم الشان اجتماع حکومت سعودیہ اور انگریزی کمپنی کے معاہدہ کان کنی کو سیاسی اور مذہبی لحاظ سے خطرناک سمجھتا ہوا اس کو جزیرۃ العرب پر برطانوی تصرف کا پیش خیمہ سمجھتا ہے اور حکومت سعودیہ سے اسلام اور جزیرۃ العرب کی خدمت و تقدیس کے نام پر اپیل کرتا ہے کہ وہ اس معاہدے کو منسوخ کرنے کی جدوجہد کرے۔ نیز یہ نمائندہ اجتماع حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے جذبات اور اضطراب کے پیش نظر اس معاہدہ کو منسوخ کرانے میں حکومت سعودیہ کے لیے سہولت بہم پہنچا کر اس بات کا عملی ثبوت پیش کرے کہ حکومت برطانیہ جزیرۃ العرب پر قابض نہیں ہونا چاہتی۔
- 2- ڈاکٹر سر محمد اقبال کی ان مساعی جمیلہ کو جو وہ انجمن حمایت اسلام لاہور کو مرزائی عنصر سے پاک کرنے کی خاطر فرما رہے ہیں بنظر استحسان دیکھتا ہے اور آپ کی خدمت میں اس مقدم اقدام پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوا انجمن حمایت اسلام کے ارباب بست و کشاد سے درخواست کرتا ہے کہ وہ محترم ڈاکٹر صاحب کے مطالبات کو منظور کر کے مسلمانان پنجاب کو مطمئن کریں اور انجمن کے وقار کو قائم کرنے کی خاطر انجمن کو مرزائی جراثیم سے پاک کرنے کا فوری اعلان کریں۔
- 3- حکومت پنجاب کی کھلی ہوئی مرزائیت نواز پالیسی کو سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہوا اس کی شدید مذمت کرتا ہے جس کی رو سے اس نے احرار تبلیغ کانفرنس پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور باوجود دفعہ 144 اٹھا لینے کے اب تک مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری و مولانا محمد قاسم شاہ جہان پوری اور ان کے دیگر رفقاء کار کو محبوس کر رکھا ہے۔ یہ جلسہ عظیم حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تبلیغ کانفرنس قادیاں سے پابندی ہٹا کر مسلمانان ہند کے اضطراب کو دور کرے اور اسیران احرار کو فوراً رہا کر کے مسلمانوں کو مطمئن کرے۔
- 4- حسن نظامی دہلوی کی رفض پر و سرگرمیوں اور اس کی سنی نما شیعیت کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار

کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ حسن مذکور کی تصانیف کذب و افتراء صحابہ کرام و سلف صالحین کے خلاف بے بنیاد الزامات سے مملو ہیں۔ کسی غیر مسلم کا حق نہیں کہ اس کی کتابوں کو بطور الزام مسلمانوں کے سامنے پیش کرے۔

5- آزر بہل راجہ غضنفر علی خان کے پیش کردہ بل متعلقہ درگاہ حضرت خواجہ اجمیری جو کونسل آف سٹیٹ میں پیش کیا گیا ہے، پوری پوری تائید کرتا ہے اور اسے شرع اسلام کے موافق اور درگاہ معلیٰ کے مفاد کے موافق قرار دیتا ہے۔

6- حافظ محمد عبداللہ صاحب ایم ایل اے کے اسمبلی میں پیش کردہ شریعت بل کی کامل تائید کرتا ہے اور ارکان اسمبلی سے متمنی ہے کہ وہ اس بل کو پاس کرانے میں پوری پوری سعی و جہد فرمائیں۔

(محمد رحمت اللہ ارشد مدیر معاون جریدہ "شمس الاسلام" بھیرہ)

آٹھویں سالانہ جلسہ:

4-5-6 مارچ 1938ء کو انعقاد پذیر جلسہ کے اختتام پر درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں۔ حزب

الانصار بھیرہ کا یہ عظیم الشان سالانہ جلسہ

1- مسلمان بھیرہ و مفصلات کا یہ شاندار اجلاس جناب مولانا ظہور احمد گجوئی امیر حزب الانصار بھیرہ پر کمال

اعتماد کا اظہار کرتا ہے اور ان کی اسلامی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے درخواست کرتا ہے کہ

مخالفین کی حرکات سے کسی طرح بھی متاثر نہ ہوں اور بدستور ہماری رہنمائی فرماتے رہیں۔

محرمک • مولوی حکیم شاہ محمد میونسپل کمشنر بھیرہ۔

مؤیدین • پیر غلام جیلانی میونسپل کمشنر رئیس بھیرہ • خان محمد یعقوب خان رئیس سدا کتبہ،

• جناب مولانا محمد حنیف سجادہ نشین کوٹ مومن۔ • مولانا محمد اشرف خطیب جامع مسجد بہلولوال۔

• جناب مولانا مفتی عطا محمد سجادہ نشین رتہ شریف۔ • مفتی فضل عظیم صاحب بھیرہ، • حاجی غلام

حبیب پراچہ، • پیر شمس الامیر سجادہ نشین بھیرہ دروازہ پیر انوالہ • شیخ محمد نذیر پٹنہ تحصیل دایر بھیرہ،

• مولانا بخش وکیل سرگودھا • مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری • حضرت صاحبزادہ محمد محبوب الرسول للہ

شریف۔

2- چونکہ آل انڈیا مسلم لیگ اپنے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں مسجد شہید گنج کی بازیابی کو اپنی جماعت کا متفقہ

مطالبہ قرار دے چکی ہے۔ نیز اجلاس وہلی میں اس کا اعادہ کر چکی ہے۔ اس لیے حزب الانصار بھیرہ کا یہ عظیم الشان اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

- (ا) وہ جلد از جلد حصول مسجد کے لیے کوئی عملی پروگرام پیش کر کے اپنی قراردادوں کو عملی جامہ پہنائے۔
- (ب) یہ اجلاس تمام اسلامی مجالس، جمیع علمائے کرام اور صوفیائے عظام سے پر زور درخواست کرتا ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ میں متحدہ محاذ قائم کر کے کوئی عملی اقدام کریں۔
- (ج) اجلاس ہذا مسجد شہید گنج کی بازیابی کے سلسلہ میں مجلس احرار اسلام ہند کی مساعی کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور اس سلسلہ میں مجلس مذکور کو کامل تعاون اور امداد کا یقین دلاتا ہے۔

محرک: صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ بی۔ اے (آلو مہار شریف)

مؤید: مولانا عبدالرحمن صاحب • حکیم مولوی شاہ محمد صاحب (شیخ پور)

وزیر تعلیم پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانان پنجاب کی مذہبی، تعلیمی و اخلاقی بہبودی کے لیے حسب ذیل امور کی طرف جلد از جلد توجہ کی جائے۔

- (ا) مسلمان بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم لازمی یا جبری کے نصاب میں تعلیم قرآن شامل کی جائے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے انتظام کے بغیر مسلمانوں میں ابتدائی تعلیم کا فروغ نہیں ہو سکتا۔
- (ب) سررشتہ تعلیم پنجاب کے ہر مدرسہ اور درسگاہ میں جہاں مسلم طلباء یا طالبات کی تعداد 50 فیصدی سے زائد ہو، مسلم بچوں کے لیے اسلامی نصاب تعلیم رائج کیا جائے۔
- (ج) جب تک کوئی بہتر اسلامی نصاب تعلیم مرتب نہ ہو، انجمن حمایت اسلام لاہور کا مروجہ اسلامی نصاب جو سررشتہ تعلیم پنجاب کا منظور شدہ ہے، رائج کیا جائے۔
- (د) اسلامی نصاب اور نظام تعلیم کے سلسلہ میں اجلاس ہذا حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کے نصاب تعلیم کی تربیت و تالیف کے لیے مسلم ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی جلد از جلد مقرر کرے۔

منجانب صدارت: امیر حزب الانصار

مسلم ارکان مجالس آئین ساز سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ مرکزی و صوبہ جاتی مجالس آئین ساز میں ایک ایسا قانون منظور کرائیں جس کی رو سے قرآن پاک کی طباعت و اشاعت بحق اہل اسلام محفوظ ہو جائے۔ تاکہ کلام الہی کی صحت و حرمت قائم رہ سکے۔

منجانب صدارت: امیر حزب الانصار۔

5- (ا) تقسیم فلسطین کو نہ صرف اسلامیان فلسطین کے لیے بلکہ مسلمانان عالم کے لیے انتہائی مضر سمجھتا ہے اور اسلام کے قبلہ اول کی تقدیس و حرمت کے خلاف سمجھتا ہے۔

منجانب صدارت: امیر حزب الانصار

(ب) اسلامیان فلسطین کے جذبہ حریت کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور استعماری قوتوں کے ان مظالم کو جو فلسطین کے مظلوم عربوں پر روا رکھے جا رہے ہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خداوند کریم اسلامیان فلسطین کو اس جہاد حریت میں کامیاب کرے۔

منجانب صدارت: امیر حزب الانصار

6- ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ ممبر پنجاب اسمبلی کے پیش کردہ بل متعلقہ تحفظ مساجد کی پرزور تائید کرتا ہے اور جملہ مسلم اراکین پنجاب اسمبلی سے درخواست کرتا ہے کہ اس بل کو پنجاب اسمبلی میں منظور کرانے کی ہر ممکن جدوجہد کریں اور اگر گورنر پنجاب اس بل کو جو مسلمانان ہند کے مطالبہ کی ایک نہایت ہی معتدل آئینی صورت ہے۔ پنجاب اسمبلی میں پیش کرنے کی اجازت نہ دے تو اس صورت میں جملہ مسلم ارکان پنجاب اسمبلی اپنے استعفیٰ داخل کر دیں۔

محرک: ملک مولانا بخش صاحب بی۔ اے وکیل سرگودھا۔

موید: سردار محمد یعقوب خان صاحب رئیس سداکبہ

7- چونکہ مسٹر عنایت اللہ مشرقی بانی تحریک خاکساری کے خلاف اسلام عقاید کی بنا پر جمیع علمائے دین متین اس کے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں اور عنایت اللہ مشرقی کی ہر تجویز و تحریک اسلام اور اہل اسلام کے لیے مہلک اور ضرر رساں ہے۔ بنا بریں یہ اجلاس گورنمنٹ پنجاب پر یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسٹر عنایت اللہ مشرقی کو اسلام اور اہل اسلام کی نمائندگی کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ ہی وہ منجانب اہل اسلام گورنمنٹ سے کسی مطالبہ کا حق دار ہے۔ اس لیے اگر مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے کسی مطالبہ کی طرف گورنمنٹ پنجاب نے توجہ دی تو یہ اسلامی مفاد کے خلاف ہوگا۔

منجانب صدارت: امیر حزب الانصار

نواں سالانہ جلسہ:

منعقدہ 24-25-26 فروری 1939ء میں درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں:

1- مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا یہ عظیم الشان سالانہ اجتماع فلسطین اور وزیرستان کے مظلومین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ان ممالک میں حکومت برطانیہ کی مسلم آزار روش کے خلاف اپنے شدید رنج و غم اور نفرت کا اظہار کرتا ہے اور بدرگاہ رب العزت ان مظلومین کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہے۔

2- لکھنؤ میں مدح صحابہ پر پابندیاں عاید کئے جانے کو مداخلت فی الدین قرار دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ جب تک ایک بھی سنی سرزمین ہند میں موجود ہے وہ حکومت کے ان ناجائز احکام کے استرداد کے لیے ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کرے گا۔ مسلمان ایک سیکنڈ کے لیے کسی جگہ ایسی پابندی عاید کیے جانے کو برداشت نہیں کر سکتے۔

3- ہندوستان کے آریہ سماجیوں اور ہندو مہا سبھیوں نے فرقہ وارانہ جذبہ کے ماتحت حیدرآباد کے مسلم حکمران کے خلاف جو شورش برپا کر رکھی ہے۔ حزب الانصار کی سالانہ کانفرنس کا یہ اجتماع اس کے خلاف انتہائی نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہوئے ہر منصف مزاج ہندوستانی سے درخواست کرتا ہے کہ وہ آریوں کی ان مفسدانہ سرگرمیوں کی مذمت کرے۔

4- اعلان کرتا ہے کہ مسلم عورتوں کے فسخ نکاح کا جو قانون سبھلی نے جس صورت میں پاس کیا ہے، قطعاً ناقابل قبول ہے۔ مسلم جموں کے بغیر اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق کسی غیر مسلم کو از روئے شریعت اسلامیہ نہیں دیا جاسکتا۔ غیر مسلم جموں کے فیصلے شرعاً ہرگز نافذ نہ ہوں گے۔ اس قانون کا نفاذ صریح مداخلت فی الدین کے مترادف ہوگا اور حکومت کو اس کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کی طرف سے انقلاب انگیز شورش کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ کانفرنس وائس اے ہند سے مستدعی ہے کہ اس قانون کو نافذ نہ ہونے کے لیے مسلمانوں کے لیے تسکین و اطمینان بہم پہنچائیں۔

5- حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ سرکاری مدارس میں مسلم بچوں کے لیے جلد از جلد خالص اسلامی نصاب رائج کر کے ان کی مذہبی تعلیم کا انتظام کرے۔

گیارہواں سالانہ جلسہ:

منعقدہ 14-15-16 مارچ 1941ء میں درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں:

مجلس مرکزیہ حزب الانصار کی سالانہ کانفرنس کا یہ عظیم الشان اجتماع مسلم ارکان اسمبلی اور حکومت پنجاب کو

حسب ذیل اسلامی مطالبات کی طرف پر زور توجہ دلاتے ہوئے مستعدی ہے کہ جلد از جلد ان مطالبات کو پورا کرنے کے لیے اقدام عمل میں لایا جائے۔ نیز حکومت پنجاب کے ذمہ دار ارکان کو متنبہ کرتا ہے کہ ان مطالبات کو منظور کر کے مسلمانوں میں بڑھتے ہوئے بیجان و اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کرے ورنہ اسے عالمگیر اسلامی ایچی ٹیشن کا سامنا کرنا پڑے گا۔

1- (ا) مسلمانوں کے نکاح، طلاق، وراثت، خلع و دیگر مسائل کے لیے اسلامی پرسنل لاء کے ماتحت فیصلہ کرنے کے لیے ہر ضلع میں قاضیوں یعنی مسلم ججوں کا تقرر جلد از جلد منظور کیا جائے۔ محکمہ قضا کی اہمیت خلع ایکٹ کے نفاذ کے بعد بہت زیادہ واضح ہو گئی ہے اور غیر مسلم ججوں کے فیصلے ان معاملات میں صریحاً مداخلت فی الدین ثابت ہو رہے ہیں۔ از روئے شریعت اسلامیہ غیر مسلم جج کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا۔ لہذا مسلم ججوں کے تقرر کے بغیر مسلمانوں کی مذہبی زندگی سخت خطرہ میں ہے۔

(ب) قرآن مجید کی طباعت، اشاعت و فروخت بحق مسلمانان محفوظ کر دی جائے اور حکومت سرحد کے پاس کردہ قوانین کے مطابق غیر مسلموں کو اس امر سے قانوناً روک دیا جائے۔

(ج) سرکاری مدارس میں جہاں پچاس فیصدی سے زائد مسلم طلبہ ہوں وہاں مسلم طلبہ کی مذہبی تعلیم کا انتظام سرکاری خرچ پر کیا جائے۔

(د) جمعہ کا دن تمام سرکاری دفاتر، محکموں و مدارس کے لیے یوم تعطیل قرار دیا جائے تاکہ مسلم ملازمین آزادی کے ساتھ جمعہ کا دن اپنے مذہبی احکام کے مطابق گزار سکیں۔

(ش) فوج محمدی جیسی خالص مذہبی جماعت کو ان پابندیوں سے جو نیم فوجی جماعتوں پر حکومت کی طرف سے عائد کی گئی ہیں، مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

نیز حکومت پنجاب کے ذمہ دار ارکان سے مطالبہ کرتا ہے کہ خاکساروں کے موجودہ رویہ کے پیش نظر وردی، پریڈ اور بیلچے کے متعلق واضح اعلان میں اپنی پالیسی کا اعلان کرے۔ تاکہ حکومت کے واضح اعلان کی روشنی میں فوج محمدی کے رضا کار اپنے لیے لائحہ عمل تجویز کر سکیں۔ یہ اجلاس حکومت پر واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اکثر مقامات پر خاکسار وردی بیلچے سے مسلح ہو کر فوجی مظاہرہ کرتے رہتے ہیں مگر حکومت نے آج تک ان سے باز پرس نہیں کی۔ پس اگر دوسری جماعتوں نے بھی اپنی فوجی تنظیم کا مظاہرہ شروع کر دیا تو حکومت کو ان سے مواخذہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

2- چونکہ اس وقت صوبہ پنجاب عموماً اور ضلع شاہ پور خصوصاً مذہبی جھگڑوں و فرقہ وارانہ منافرت سے کسی حد تک محفوظ ہے۔ اس لیے یہ اجلاس حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس امن کی حالت کو برقرار رکھنے کے لیے ماسٹر تارا سنگھ کی اس جتھہ بندی کو جو وہ سرگودھا کے معاملہ کے متعلق کر رہے ہیں، روکنے کے لیے فوراً کارروائی کرے، ورنہ ماسٹر تارا سنگھ اور اس کی پارٹی کی سلگائی ہوئی آگ صوبہ کے امن و امان کو برباد کر دے گی۔ نیز یہ اجلاس سرگودھا کے معاملہ میں سکھوں کے مطالبہ کو سراسرنا جائز قرار دیتا ہے اور سکھ لیڈروں سے استدعا کرتا ہے کہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان منافرت کی خلیج پیدا نہ کریں۔

3- مجلس حزب الانصار بھیرہ کی سالانہ کانفرنس کا یہ اجتماع عظیم جس میں شمالی پنجاب کے اضلاع کے ہر حصہ کے نمائندہ مسلمان موجود ہیں، حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ ضلع میانوالی کے مسلمانوں کو جرگہ سسٹم کے مظالم سے جلد از جلد نجات دلائے۔ نیز 95 فی صدی مسلم آبادی میں تمام غیر مسلم حکام کا وجود بھی وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ صریح نا انصافی پر مبنی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ضلع مذکور میں مسلم حکام کا تقرر کرے۔ نیز مارچ کے اندر تقاوی کی قسط وصول کرنا نا ادا اور مفلس زمینداروں پر ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ لہذا اس تقاوی کی قسط کو ملتوی کیا جائے۔

4- نیز ڈسٹرکٹ جیل میانوالی سے مفروروں کے فرار ہونے کے واقعہ کی آزادانہ تحقیقات کی جائے اور ان مفروروں کی وجہ سے جس قدر مخلوق خدا مورد ستم و الم ہے۔ اس کی ذمہ داری ان افسران جیل پر عاید ہوتی ہے جن کی سازش یا تساہل یا تغافل سے ایسے خطرناک مجرم فرار ہو کر اب پولیس کی اعانت کرنے والے امن پسند انسانوں کے جان و مال کے لیے مستقل خطرہ کا باعث بن چکے ہیں۔

تیرھواں سالانہ جلسہ:

جو 5-6-7 مارچ 1943ء کو بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس دراصل تعلیمی کانفرنس تھی جس میں مسلمانوں کے مذہبی اور دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے متعلق تقاریر ہوئیں۔ حضرت مولانا ظہور احمد بگونی نے افتتاحی تقریر میں اسلامی علوم کی ترقی اور مسلمانوں کے علمی شعف کے تاریخی واقعات بیان فرمائے اور کہا:

”آج اپنی غفلت اور بے توجہی سے ہم نے اسلامی علوم سے منہ موڑ لیا ہے اور دوسروں کی در یوزہ گری کرنے لگے ہیں۔ یہی عربی مدارس و مکاتب اپنی پرانی شان کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے

ہیں اور ان علماء کرام اور طلباء کے دم سے یہ اسلامی علوم زندہ ہیں۔ سب مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں ان مدارس کو باقی رکھنے کی سعی کریں اور موجودہ زمانہ کے موافق جس قدر نصاب میں زیادتی اور مناسب ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہے مدارس عربیہ کے منتظمین اس کی طرف توجہ فرمائیں۔“

(شمس الاسلام جلد 14 نمبر 5، ص 6)

حضرت مولانا بگوی کی تقریر کے بعد حضرت مولانا محمد ذاکر مہتمم مدرسہ عربیہ محمدی ضلع جھنگ نے اس موضوع پر تقریر کر کے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی جو تمام حاضرین جلسہ کی متفقہ رائے سے پاس ہو گئی۔

تعلیمی قرارداد:

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا یہ اجلاس مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ملک میں ایسے اسلامی نظام تعلیم کے قیام کی ضرورت محسوس کرتا ہے جو مدارس عربیہ اسلامیہ میں اصلاح نصاب تعلیم اور ان میں مقتضیات عصر کے مطابق علمی اضافہ اور تدریجی ارتقاء اور مسلم سکولوں، اسلامیہ کالجوں میں اسلامی تعلیمات کی وسعت و ترقی اور تمام اسلامی تعلیمی اداروں کی باہمی تنظیم کے ساتھ وسیع انتظام پر مشتمل ہو۔ اس لیے ملک کی دوسری مسلم جماعتوں اور تمام اسلامی تعلیمی اداروں سے پرزور گزارش کرتا ہے کہ اس اہم ترین تعمیری کام پر غور کرنے اور اشتراک عمل کے لیے فوری توجہ فرمائیں۔

(شمس الاسلام جلد 14 نمبر 5، ص 6)

چودھواں سالانہ جلسہ:

۲۹۱۸ کل ہند مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا یہ سالانہ جلسہ 25-26-27 فروری 1944ء کو جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوا۔ آخری چھٹے اجلاس میں حضرت مولانا بگوی کی زیر صدارت درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں

1- فسخ نکاح کے لیے حاکم کا مسلمان ہونا شرعاً لازمی ہے۔ اس لیے حکومت پنجاب سے مطالبہ ہے کہ وہ خلع بل کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لیے مسلمان جج کا تقرر لازمی قرار دے۔ تاکہ جج کا وہ فیصلہ شرعاً بھی قابل قبول ہو سکے۔

2- پنجاب کی اسلامی وزارت کو اس اسلامی حکم کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ حکومت سرحد کی طرح قرآن

مجید اور دیگر مذہبی کتابوں کی طباعت و فروخت کو غیر مسلموں کے لیے ممنوع قرار دینے کا بل پاس کرے اور نیز قرآن مجید کے اوراق کو بطور 'ردی' کی فروخت بھی مطلقاً ممنوع قرار دی جائے۔

3- حالات زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ عربی مدارس کے موجودہ نصاب میں مناسب ترمیم و ترمیم کی جائے اس لیے تمام مدارس کے مہتممین و اراکین سے گزارش ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ پر غور و خوض فرما کر اس بارے میں قدم اٹھائیں اور ایک ایسے **نظام تعلیم دینی** کا خاکہ تیار کر کے عمل شروع کریں جس سے موجودہ دور الحاد میں ملاحدہ کی سرکوبی کے لیے ایسے قابل علماء تیار ہو سکیں جو ہر طرف سے باطل پر ضرب لگا سکیں۔

4- حکومت پنجاب سے مطالبہ کیا گیا کہ صوبہ میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو سکولوں میں لازمی قرار دے کر اس کا مکمل انتظام کرے اور اس غرض کے لیے مذہب سے پورے واقف اور دیندار اساتذہ کا تقرر عمل میں لائے۔
قراردادوں کی ضروری تشریح:

چونکہ حزب الانصار تبلیغی کانفرنس بھیرہ کی تجاویز بالا کا تعلق مسلمانوں کی سماجی، مذہبی، تعلیمی اور علمی زندگی سے تھا، اس لیے ان کی وضاحت اور وسیع نشر و اشاعت ضروری تھی۔ ادارہ حزب الانصار کے رکن اور مدرس مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل نے چنانچہ مئی 1944ء کے نمس الاسلام میں (صفحہ 7-12) ان تجاویز پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

(1) مسلمان حاکم کا تقرر: ہندوستان میں ہماری شامت اعمال سے جب اسلامی حکومت نہ رہی تو قضاء و قاضی کا سلسلہ ختم ہوا۔ اجنبی حکومت میں رہتے ہوئے ہمارا تمام شرعی نظام بگڑ گیا۔ معاملات، عبادات تو تقریباً سب کے سب غیر شرعی قوانین پر ہونے لگے اور عبادات میں بھی نماز روزہ کے ماسوا اور چیزیں اصلی شرعی نظام پر نہ رہ سکیں، جن لوگوں کو شریعت اسلامی کے قوانین کا کچھ علم ہے وہ اس کو خوب اچھی طرح سے جان سکتے ہیں کہ ہمارے کتنے احکام معطل ہو گئے ہیں۔ انسانی زندگی میں زوجین کا باہمی تعلق ایک لازمہ زندگی ہے۔ اس لیے نکاح و طلاق کے متعلق مسائل نہایت کثیر الوقوع ہیں۔ اور ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان پیش آمدہ صورتوں میں قانون شرعی کے مطابق فیصلہ کرے، اس لیے علمائے کرام کے پاس جا کر وہ مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ لیکن وہ صورت اگر اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ صرف مفتی کے فتویٰ ہی سے شرعاً وہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے، تو علماء کرام فتویٰ دے کر اس کی رہنمائی کر دیتے ہیں۔ مگر بسا اوقات صورت یہ پیش ہوتی ہے کہ بغیر قضائے قاضی کے اس قضیہ کا حل شرعاً نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حرمت

مصاہرہ کی صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کرنا جب کہ خود خاوند متارکت پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو ایسے وقت میں علماء کو بھی بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ صرف ان کے فتویٰ دینے سے مقدمہ کا قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور ان کو کسی حکومت سے ایسی قوت تنفیذ یہ تفویض نہیں کی گئی کہ اس کی بنا پر بحکم قاضی ہو کر وہ اپنا اقتدار نہ فیصلہ نافذ کر سکیں۔

مسائل کے مقدمات کا فیصلہ شرعی قانون اور فقہی طرز پر کوئی ایسا جج کر دے جو کہ مسلمان ہو، اگرچہ وہ انگریزوں کی طرف سے مقرر ہے تو تنفیذی اختیارات رکھنے کی وجہ سے وہ بھی قاضی کے حکم میں ہو سکتا ہے اور اس کا فیصلہ شرعاً تفریق وغیرہ میں معتبر قرار دیا جائے گا۔

پنجاب اسلامی صوبہ ہے اور یہاں کی وزارت اسلامی وزارت کہلائی جاتی ہے۔ اس لیے اس صوبہ کے مسلمانوں کا اپنی نمائندہ وزارت سے مطالبہ کرنے کا حق ہے کہ وہ اپنے صوبہ کے اندر ایسے مسائل کے مقدمات کے شرعی طور سے فیصلہ کرنے کے لیے اول تو یہ ہے کہ جید و فقیہ علماء کو اگر تحصیل وار نہیں تو ضلع وار قاضی مقرر کرے اور ان کو پورے طور سے اقتدار نہ تنفیذی اختیارات حوالہ کرے تاکہ باقاعدہ شرعی طور پر صحیح طریقہ پر فیصلے کیا کریں۔ اور اگر ہماری بد قسمتی سے اسلامی وزارت سے اس اسلامی خدمت کی توقع نہ ہو سکتی ہو تو کم از کم یہ ہو سکتا ہے کہ قانونی طور سے صوبہ کے لیے یہ ضروری قرار دے کہ صرف مسلمان جج ہی ایسے قسم کے فیصلے صادر کر سکتا ہے اور کوئی غیر مسلم حاکم اس قسم کا فیصلہ ہرگز نہیں کر سکے گا۔ اس صورت میں مسلمانوں کی تکلیفات کا قدرے ازالہ ہو جائے گا اور اسی بنا پر کانفرنس میں یہ تجویز پیش ہو کر پاس کی گئی۔

(2) مسلمانوں کی خود اپنے کیر کڑ کی کمزوری اور لاپرواہی کی وجہ سے اس قسم کے مطالبات حکومت سے کیے جا رہے ہیں۔ ورنہ اگر ہم میں خود اپنی غیرت ہوتی اور قرآن مجید اور دیگر مذہبی کتابوں کی حرمت و تقدس کا کچھ خیال ہوتا تو خود ایسی تجویزیں سوچ سکتے تھے کہ غیر مسلم اس کتاب مقدس کی طباعت و فروخت ترک کر دیتے، اگر ہم چند آنے ستے داموں کے لالچ میں یا کسی لالہ جی کے ”پیدائشی گاہک“ ہونے کی وجہ سے ہندو سکھ کی دکان پر قرآن شریف خریدنے نہ جاتے تو نہ تو وہ غیر مسلم اس کو اپنی دکان میں برائے فروخت رکھتا اور نہ وہ اس کو چھپواتا۔ وہ تو ایک تجارتی قوم ہے نفع کی خاطر جس طرح اور چیزیں فروخت کے لیے رکھتی ہے قرآن مجید بھی رکھ دیتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ غیر مسلم ہماری مذہبی کتاب کا ادب و احترام نہ کرنا

چاہتا ہے اور نہ کر سکتا ہے، اس لیے کس قدر بے حمیتی، بے غیرتی اور نامناسب ہے کہ جس کتاب مقدس کو مسلمان بھی بلا وضو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اس کو ”نجس مشرک“ حکمی اور حقیقی دونوں نجاستوں کے باوجود جس طرح اس کا جی چاہے ہاتھوں میں لے رہا ہے۔ اس لیے اول تو ہمارا رویئے سخن عام مسلمانوں کی طرف ہے کہ اگر عام اشیاء کے بارے میں کسی لالہ جی سے مجبور ہو کر دست کشی نہیں کر سکتے، تو خیر ہے مت کرو، میں اس موقع پر آپ کو تجارتی بائیکاٹ کا مشورہ نہیں دے رہا۔ جب تک اور غلامیوں کے ساتھ ساتھ اقتصادی غلامی بھی آپ کی قسمت میں لکھی ہے اس وقت تک صرف بنگامی بائیکاٹ آپ کے مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ صاحب قرآن اور قرآن کی خاطر اس کتاب مقدس کے تقدس کا پاس رکھ کر آج سے خود بھی آمادہ ہو جاؤ اور اپنے حلقہ احباب کو بھی آمادہ کرو کہ کسی غیر مسلم مطبع کے مطبوعہ یا کسی غیر مسلم کی دکان سے قرآن مجید اور دوسری مذہبی کتابوں کا سودا نہ کروں گا۔

دوسرا مطالبہ پنجاب کی ”اسلامی وزارت“ سے یہ ہے کہ آپ کے پڑوس میں سرحد کی کانگریسی وزارت نے جس کو ہندوؤں کی رضا مندی کا خاص خیال رکھنا پڑتا تھا، خالص مذہبی حق ہونے کی بنا پر یہ بل پاس کر دیا کہ کوئی غیر مسلم تاجر قرآن مجید فروخت نہ کرے۔ تو سرحدی وزارت کی پیروی کرتے ہوئے آپ بھی اس قسم کا بل پاس کر دیں کہ غیر مسلموں پر اشاعت و فروخت بند ہو اور نیز قرآن مجید کے اوراق کو بطور ردی کاغذ استعمال کرنا اور فروخت کرنا بھی مطلقاً روک دیا جائے۔

(3) عربی مدارس کا نصاب تعلیم: عربی مدارس و مکاتب میں دو طرح کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ایک تو تفسیر و حدیث و فقہ و اصول کی کتابیں، جو بلا واسطہ علوم دینیہ اور مقصود بالذات ہیں اور بعض وہ علوم و فنون اور ان کی کتابیں جن کے سمجھنے سے ان علوم مقصودہ میں امداد ملتی اور لیاقت بڑھتی ہے۔ علوم عربیہ کے پڑھنے پڑھانے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مقدس مذہب اسلام کی تعلیمات کو خود پورے طور سے سمجھ کر دوسروں کو سمجھایا جائے اور خدا کا آخری پیغام تمام نوع انسانی کے سامنے پیش کر کے قبول کی دعوت دی جائے۔ اور اگر انگریزوں کی طرف سے کچھ شبہات پیش کیے جائیں تو ان کا ازالہ کیا جاسکے، اور اگر وہ کوئی جارحانہ حملہ کریں، تو ان کی مدافعت کی پوری قوت موجود ہو۔ اسی نصب العین کو لے کر ہر زمانہ میں علمائے کرام نے نصاب تعلیم تجویز کیا۔ اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ ماضی میں درس نظامی اگرچہ اس وقت کے لحاظ سے موزوں تھا، مگر اب جبکہ ہندوستان میں زمین کے سوا باقی تمام چیزیں بدل گئی ہیں، ذہنیتیں، علمی نظریے،

افکار و خیالات، معیار تنقید، تبلیغی طریقے، سب میں کافی تغیر آ گیا ہے۔ اس لیے اس فضاء میں رہتے ہوئے دین اسلام کی خدمت گزاری کے لیے میدان میں نکلنے والے سپاہیوں کے ہتھیاروں میں بھی تبدیلی ضروری ہے اور لازماً اس سابقہ نصاب میں ترمیم و ترمیم کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ جن لوگوں کا حلقہ معلومات وسیع ہے اور انہیں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے وہ احساس کر سکتے ہیں کہ الحی دو دہریت اور مارکسی ذہنیت کی ان طوفانی موجوں میں کس قسم کے ملاح اپنی مذہبی کشتی کو بچا سکتے ہیں۔ کام چونکہ اہم اور اجتماعی قوت سے کرنے کا اور نئے نظام تعلیم کے نقشہ بنانے کا ہے اس لیے ماہرین تعلیم اور صاحب الرائے اصحاب علم کی باہمی مشاورت کے بعد ہی طے ہو سکتا ہے کہ موجودہ نصاب تعلیم میں کیا ترمیم و ترمیم ہونی چاہیے۔ کن کن کتابوں کو بدلا جائے اور کون سے نئے نئے علوم داخل کیے جائیں۔

(4) سکولوں میں مذہبی تعلیم: جسموں کے ساتھ ہمارے ذہنوں کو غلام کرنے اور ذہن کے چشموں کو خشک کرنے بلکہ خود لارڈ میکالے کے الفاظ میں "ستے کلرک مہیا کرنے" اور "خون و رنگ سے ہندوستانی لیکن خیالات و افکار کے لحاظ سے انگریز بنانے" کی غرض سے جو تعلیمی سکیم ہمارے لیے تجویز کی گئی تھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہو گئی ہے، اور سکولوں کی تعلیم کے "تیزاب" میں جن دماغوں کی "خودی" ڈال گئی ہے، وہ پگھل کر اس قدر ملائم ہو گئے ہیں کہ اب "طاغوت" ان کو جس طرف چاہے پھیر سکتا ہے۔ مسلمان زادوں کو ان سکولوں میں جو تعلیم و تربیت ملتی ہے اور اس آب و ہوا میں ہمارے نوجوانوں کا نشوونما جس طریقہ سے ہو رہا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اطوار و خصائل، طرز فکر، طریق زندگی، اور رنگ طبیعت میں بالکل اپنی قومی اور مذہبی طرز زندگی سے مناسبت نہیں رکھتی اگرچہ ان تمام تعلیم میں کسی جزئی تغیر کرنے سے تمام مفاسد و مضار کا بالکل یہ انسداد نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک اس افتداری کو مٹایا نہ جائے جن کی ذہنیتوں سے ایسے نظام کی تخلیق ہوتی ہے اس وقت تک بہ نوع ان درکاروں کا قتل گاہوں میں جا کر ہمارے نونہالوں کا اثر پذیر ہونا لازمی ہے لیکن پھر بھی سکولوں کی چار دیواری میں اگر دوسرے مضامین کے ساتھ ساتھ توجہ کے ساتھ مذہبی تعلیم کو لازمی اور شرط کا میاب امتحان قرار دیا جائے اور اس غرض کے لیے قابل، دیندار اور ٹھوس علمیت رکھنے والے علماء رکھے جائیں تو پھر اہلہ پچھا امید ہو سکتی ہے کہ نوجوان لڑکوں کی توجہ اور قابل اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے کافی حد تک اصلاح ہو سکے گی۔

پندرہواں سالانہ جلسہ:

منعقدہ 9- 10- 11 مارچ 1945ء حضرت بانی امیرؒ کی مختصر سی زندگی کا آخری اجتماع تھا۔ اس میں دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ مسند آرائے تونسہ شریف حضرت خواجہ غلام نظام الدینؒ بھی شریک تھے۔ کم و بیش چھ ہزار اشخاص کے قیام و طعام کا بلا معاوضہ انتظام تھا۔ جلسہ سالانہ کا آغاز جمعہ کے روز علماء کے زبردست استقبال سے ہوا۔ چھٹے اجلاس میں حضرت مولانا ظہور احمد بگوییؒ واحد مقرر تھے جنہوں نے رات 10 بجے سے صبح ایک بجے تک مسلسل خطاب کیا۔ یہ یادگار اور تاریخی تقریر مولانا سید سیاح الدین کا کاجیل کے قلم سے مرتب ہو کر ”آخری پیغام حق“ کے نام سے چھپ چکی ہے۔

حضرت سجادہ نشین تونسہ شریف کا پیغام:

11 مارچ کو ساتویں اجلاس میں حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ کی طرف سے مولانا جان محمد صدر مدرس مدرسہ محمودیہ تونسہ شریف نے یہ پیغام سنایا کہ:

”موجودہ زمانہ کے اکثر جلسوں اور جلوسوں سے میرا اتنا انس اور تعلق نہیں اسی لیے میں کسی جلسہ میں شامل نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ مجھے حزب الانصار کے مقاصد و اغراض سے پورا پورا اتفاق ہے اور میری نظروں میں یہ جماعت پورے اخلاص کے ساتھ دین کی صحیح خدمت انجام دے رہی ہے۔ اس لیے میں تونسہ شریف سے چل کر یہاں حاضر ہوا ہوں اور اس جماعت کے جذبہ اخلاص کی کشش نے اس قدر دور از مقام سے مجھے یہاں پہنچا دیا۔ تمام مسلمانوں کو میری طرف سے یہ پیغام اور مشورہ ہے کہ وہ اس گروہ کی ہر طرح امداد و اعانت کیا کریں اور میری دعائیں اس جماعت کی ترقی و کامیابی کے لیے جاری رہیں گی۔“

قراردادیں:

پندرہویں سالانہ جلسہ میں اتفاق رائے سے درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں:

کل ہند مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا یہ عظیم الشان سالانہ نمائندہ اجتماع حکومت پنجاب کے سامنے اپنے ان چار مطالبات کا اعادہ کرتا ہے جو کئی سال سے پیش کیے جا رہے ہیں:

(1) (ا) جس سکول میں 50 فیصدی سے زائد مسلم طلبہ ہوں وہاں مسلمان بچوں کی ابتدائی مذہبی تعلیم کا انتظام سرکاری خرچ پر کیا جائے۔

(ب) قرآن کی طباعت و اشاعت بحق مسلمانان مخصوص کرے۔ قرآن کے احترام کے لیے بھی قانون نافذ کیا جائے۔

(ج) جمعہ کے روز مسلم ملازمین کے لیے نماز جمعہ کے لیے کم از کم تین گھنٹہ کی تعطیل ہونی چاہیے۔

(د) خلع ایکٹ کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے مسلم ججوں کا تقرر کیا جائے۔

(2) مسلم لیگ کے ارباب بست و کشاد سے مطالبہ کرتا ہے کہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ یعنی دھریہ اشخاص کو اپنے دائرہ رکنیت سے جلد از جلد خارج کرے اور مسلم لیگ کے ہر رکن کے لیے اسلامی شریعت کی پابندی لازمی قرار دے۔

(3) یہ اجلاس مجلس احرار اسلام سے مطالبہ کرتا ہے کہ چودھری افضل حق کے مضامین بہ عنوان ”اسلام میں امراء کا وجود نہیں“ کی اشاعت و طباعت موقوف کر دے۔ کیونکہ ایسے خلاف شریعت اور اشتعال انگیز لٹریچر سے کمیونزم اور لاندہیت کی پرورش ہو رہی ہے۔

تشکیل پاکستان کے لیے قرارداد

(4) یہ اجتماع اس پاکستان کے (قیام کی) جو خلافت راشدہ کے طریق پر قائم کیا جائے، کی پرزور تائید کرتا ہے۔

قیام پاکستان کی حمایت:

1945ء میں منظور کردہ درج بالا آخری قرارداد پاکستان کے قیام کی حمایت میں ایک مذہبی اور علمی ادارے کی جانب سے بڑی زبردست، بہت واضح اور شاندار تائید ہے۔ بظاہر ابھی حصول پاکستان کی منزل دو سال کی مسافت پر تھی۔ مسلم لیگ کا اثر و نفوذ پھیل رہا تھا مگر نہ عوام میں اس کی جڑیں تھیں اور نہ طبقہ خاص یعنی علماء و مشائخ میں اس کا پیغام عام ہو سکا تھا۔ ان حالات میں ایک خواب کا برملا اظہار اور وہ بھی اس انداز میں کہ خلافت

راشدہ کے طریقہ و اپنایا جائے۔ تحریک پاکستان کی تکمیل و تعبیر کی طرف بلاشبہ بڑا جرات مندانہ، مدبرانہ اور قائدانہ اقدام ہے۔ جہاں حضرت مولانا بگویی کے ذہن میں یہ بات پوری طرح واضح تھی کہ مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد کا نکتہ معرکہ قیام پاکستان ہے وہاں یہ حقیقت ان پر اچھی طرح عیاں بلکہ ان کے ایمان کا حصہ تھی کہ نیا ملک خلافت راشدہ کے منہاج پر قائم ہو۔ نئے وطن میں حکومتی نظام کی بنیاد قرآن و سنت پر اور وہاں علمبرداری صحابہ کے سیرت و کرداری ہو۔ گویا آزادی کی طلب تو ہے، نئے وطن کی ضرورت بھی ہے مگر اس نمونے کے مطابق جو خلفائے راشدہ نے قرآن و سنت کے مطابق عملاً قائم کر کے دکھایا۔

انتظامی کارکن:

حزب الانصار کا سالانہ جلسہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے علاقے کی منفرد علمی اور دینی سرگرمی رہی ہے۔ اس کی منصوبہ بندی اور مختلف امور کے لیے انتظام و انصرام بلاشبہ ایک ٹیم ورک اور اعلیٰ سپروژن کا متقاضی ہے۔ مجلس معززین حزب الانصار بھیہ بہت خوش قسمت ہے کہ روز اول سے اسے پلاننگ اور عمل درآمد کے لیے بہترین اذہان، انتہائی خاص تقویٰ اور بہت اچھے کارکن حاصل رہے۔ شمس الاسلام کے صفحات سے چند سالوں کے کارکنوں اور شاہکاروں کے نامے کرامی پیش کیے جاتے ہیں:

- حضرت مولانا محمد نصیر الدین بگویی
- مولوی رشید احمد بگویی
- مولوی رشید احمد بگویی
- مولوی حاجی افتخار احمد بگویی
- مولوی قاضی شیر محمد صاحب
- مولوی منیر شاہ خوشابی
- مولوی منیر شاہ خوشابی
- مولوی عبد المجید بھیروی
- فضل احمد پراچہ صاحب
- حکیم عبد المجید سیفی صاحب
- مولوی محمد نصیر الدین بگویی
- مولوی محمد صاحب میا نوالی
- ڈاکٹر محمد شریف ناظم حزب الانصار
- مولوی فضل حمید صاحب زین پور
- قاضی محمد عبداللہ صاحب
- علامہ رحمت اللہ ارشد
- حکیم برہات احمد بگویی مرحوم
- حافظ محمد رمضان علوی صاحب
- مولوی محمد عالم صاحب
- عبدالحق عبدی صاحب خوشنویس
- مولانا فتح محمد
- صاحبزادہ عبدالغفور بگویی
- خواجہ حافظ محمد صدیق مہتہ صاحب
- منشی محمد رمضان صاحب
- منشی غلام حسین صاحب
- قاضی محمد رمضان صاحب
- مولوی محمد رمضان صاحب
- خواجہ محمد شریف صاحب
- منشی آفتاب احمد صاحب
- غلام محی الدین صاحب
- حافظ غلام یسین صاحب
- منشی محمد رمضان صاحب
- منشی غلام محمد صاحب
- منشی آفتاب احمد صاحب
- غلام محی الدین صاحب
- حافظ غلام یسین صاحب

● کارکنان محلہ مندگراں، محلہ تیلیانوالہ، محلہ شاہ لطیف، محلہ ڈھبے والی، محلہ پراچگان و خواجگان، محلہ علی بھٹہ وغیرہ۔
شرکاء جلسہ:

حزب الانصار کا سالانہ جلسہ ہر اعتبار سے علاقے کی منفرد سرگرمی اور یکتا اجتماع تھا جس میں ہر مکتب فکر کا سنی اور ہر جماعت کا صوفی کھلے دل اور کھلے ذہن سے شریک ہو سکتا تھا۔ شرکاء کا تعلق درج ذیل اضلاع سے رہا ہے ”شاہ پور (سرگودھا)، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، کیسبل پور، سیالکوٹ، جھنگ، ہزارہ، الہٰل پور، جموں و کشمیر، کوہاٹ، میانوالی، جالندھر، لدھیانہ، ہوشیار پور، راولپنڈی، خوشاب، امرتسر، شیخوپورہ، بہاول پور، لاہور، اضلاع صوبہ سرحد وغیرہ“۔

سہ روز قیام کے لیے طعام کا انتظام مفت تھا۔ صرف موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانے کی تلقین کی جاتی تھی۔ امرچہ سینکڑوں مہمانوں کے لیے کمروں اور بستروں کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا تاہم عام مسلمانوں کے لیے اندرون مسجد اور دارالحدیث اور دارالقرآن کے بڑے ہالوں میں زمین پر ستر (خشک گھاس) اور چٹائی کی دینا تہہ بچھائی جاتی تھی جس پر شرکاء رات کو آرام کرتے تھے۔ بجلی شہر میں کافی دیر کے بعد آئی تھی۔ رات کو قمتوں اور بندوں کا انتظام ہوتا۔ جلد ہی لاؤڈ سپیکر کی سہولت بھی میسر آ گئی تھی جس سے مقررین کی آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ استورات کے لیے الگ سے پردے کا انتظام کیا جاتا۔ ان کے آنے جانے کے راستے الگ اور محفوظ ہوتے تھے۔

ترانہ عزیزی

دوسرے سالانہ جلسے (دسمبر 1931ء) پر جناب عبدالحق عبدی خوش نویس رسالہ نے جلسہ سالانہ کی یہ تصویر پیش کی

مرحبا اے دین پرور سرزمین پنج آب
اے دبستان عزیزی صد مبارک ہو تجھے
آج پیران طریقت تجھ میں ہیں جلوہ فگن
مل کے آئے ہیں اکابر کرنے کو تیرا انتظام
عرش اعظم پر ہے باہم قدسیوں میں غلغلہ
گھومتا ہے آسمان قربان ہونے کے لیے
آج دیکھو ہیں کیا محفل کی بوقلمونیاں

آج تیرا شان و شوکت بس شامان ہو گیا
پاکبازوں کا قدم تجھ پر جو آنا ہو گیا
آج مثل طور تیرا آستان ہو گیا
تیری سنت کا ہر اک کے دل میں خانہ ہو گیا
آج بھیرہ رحمت حق کا نشانہ ہو گیا
حسن جلسہ آج بے شک شاہدانہ ہو گیا
موعظت قرأت کا نعتوں کا نشانہ ہو گیا

آفریں اے مجلس انصار کے ناظم ظہور
اے دبستان عزیز شادباش خوش بزی
اپنی ہستی میں تو یکتائے زمانہ ہو گیا
حق میں تیرے خوب عبدی کا ترانہ ہو گیا

دوہڑہ

خوشا روزیکہ محفل خوش لقا اندر ظہور آمد
سحاب رحمت یزداں بہر سو ناگہاں بارد
چہ منظر روح پرور دلکشا اندر ظہور آمد
کہ شاں دین محمد مصطفیٰ اندر ظہور آمد

نظم دیگر

بمجد اللہ کہ ہے امروز حزب انصار کا جلسہ
یہ وہ محفل ہے پاکیزہ کہ جس کے حق میں فرمایا
ذکر ہو گا قناعت کا سخاوت کا عبادت کا
بتایا جائے گا رست شریعت کا طریقت کا
فضائل انبیاءوں کے خوارق اولیاءوں کے
سکھایا جائے گا دل سے فدا اسلام پر ہونا
خصومت ہو تو حق سے ہو محبت ہو تو حق سے ہو
عزیز از جان سمجھیں گے وہی اسلام کو مومن

سبق ہم کو ملے گا آج سورہ قل هو اللہ کا
خدا نے امر فرآں میں من انصاری الی اللہ کا
بیاں توحید کا اذکار تسبیح و مصلیٰ کا
کھلے گا ساتھ عقدہ بھی حدیث لی مع اللہ کا
توکل کا بیاں ہو گا رسالت کے تجلیٰ کا
دیا جائے گا وعدہ ساتھ ہی نصر من اللہ کا
تو پھر ہم سب پر کھل جاتا ہے باب رحمت اللہ کا
کہ ہو گا جن کے سینوں میں اثر کچھ نشیۃ اللہ کا

یہ منظر دیکھ کر اسلام کا بے خود ہوا عبدی
تو ہاتھ غیب سے آواز آیا حسی اللہ کا

بخت بیدار

جناب فضل الہی فضل پوسٹ مین بھیرہ نے اپنے پنجابی قصیدہ میں جلسہ سالانہ کی اس طرح منظر کشی کی:
اول حمد ہزار لکھ وار آکھاں جیندی صفت دا نہیں شمار ہے جی
قدرت نال چا ساز یا جگ سارا ہو یا کن تھیں کل پیار ہے جی
دو جی نعت رسول مقبول سندی جہڑا عاصیاں دا غمخوار ہے جی
نور اپنے تھیں کیتا نور سرور راہبر عاجزاں دا ملن سار ہے جی

چارے یار رسول دے چار گوہر کافر سو جو کرے انکار ہے جی
 ابو بکر تے عمر عثمان علی اوپر چوہاں دے فضل سرکار ہے جی
 نائب نبی دے حکم سان جگ تے جہڑا حکم جو پروردگار ہے جی
 دھن دھن بھاگ ہوں بھیرے دے آن جاگے جلسہ ہو گیا عجب نیار ہے جی
 دیون لوک مبارکاں تساں تائیں بھیرے شہر دا بخت بیدار ہے جی
 میرے بھائیو بھیرو چپو ارد گرد و خوش قسمتوں عرض گزار ہے جی
 دوروں دور بزرگان دین آگئے نامور عالم بے شمار ہے جی
 اچ رونق افروز ہیں وچہ بھیرے قسمت والیاں ہو یا دیدار ہے جی
 جلسہ ایہہ سالانہ جو وچہ بھیرے نیک فال تے عجب ایہ وار ہے جی
 کرو شکر اس خاص رحمان سدا جس دے فضل تھیں فضل ہزار ہے جی
 ہویاں پاک زیارتاں عاجزاں نوں ہرک نیک مومن طلب گار ہے جی
 بے بہا گوہر دستیاب ہوسن ہک تھیں ہک گوہر قیمت دار ہے جی
 جس دن ہو یا ظہور ظہور احمد جیویں چمن وچ گل انار ہے جی
 وڈے بخت بلند اساڈڑنے نے بھیرے وچہ عالم جھنڈیدار ہے جی
 دیکھو کس طرح ایہہ انتظام کیتا ہر اک چیز کیسی نمبر وار ہے جی
 سدا رہن ایسے نیک کام کر دے ایس وچہ ہو یا عزت دار ہے جی
 جائے نشان وچہ شہر بھیرے طرفوں اونہاں دی تھیں رونق دار ہے جی
 رونق رہے تمام شب و روز اس دی خانہ رب دا ایہہ شاندار ہے جی
 جو کچھ عالماں وعظ بیان کیتا سانوں عمل بھی کرن درکار ہے جی
 متاں سٹ جاؤ مسجد وچ سھے جو کچھ عالماں نیک گفتار ہے جی
 ذرہ دس کھاں فضل کے طلب تینوں لکھیا جس تھیں اشتہار ہے جی
 اگے بھایاں دے کراں عرض دل تھیں طلب جسدی اساں بسیار ہے جی
 کرنا وارنا دیگر مذاہباں تے رہناں اس گلوں درکنار ہے جی

جامع مسجد بھیرہ

بھیرے شہر دیوچہ نشان بھارا مسجد جامع عجب نشان صاحب
 شیر شاہ سیٹی ایہہ ایجاد ہوئی مسجد جامع خانہ رحمان صاحب
 پچھے مولوی صاحب حضور گلوٹی رکھیا ہر دم دلوں دھیان صاحب
 جتھوں گری تے جلد تیار ہو گئی ہمت نیک انسان مردان صاحب
 اہل سجادہ ظہور احمد شہرا جس دا عجب تابان صاحب
 کارن علم تحصیل دے عالماں نوں دین درس تعلیم پڑھان صاحب
 ہر اک چیز درکار مسافراں نوں جہڑے پڑھن تے فیض اٹھان صاحب
 خرچ انہاں دا بہت درکار سانوں حافظ پڑھن جو پڑھن قرآن صاحب
 کتب اتے قرآن لباس ہووے نالے انہاں کارن پین کھان صاحب
 جس نوں ہے توفیق اوہ کرے بخشش کر کے رحم چا بول سنان صاحب
 خدمت مسجد دی فرض ہے مومنوں تے پکے جنہاندی صاف ایمان صاحب
 ایہہ اک عجب نشان وچہ شہر بھیرے جہڑے دیکھ دے خوش ہو جان صاحب
 لکھ لکھ شاباشاں انہاں نوں رب طرفوں جہڑے عاجزاں فیض پچان صاحب
 کر کے مہربانی کرنی غور اس تے جاوے عرض نائیں راگاں صاحب
 سدا رہے ایہہ خانہ خدا قائم منگے دعا ایہہ چٹھی رسان صاحب

شعبہ تبلیغ

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا دعوت و ارشاد کا کام ہندوستان بھر میں سارا سال جاری رہتا تھا۔
 اس تنظیم اور مسلسل خدمت کے لیے درج ذیل طریقے رائج تھے۔

- 1- مرکزی دارالمبلغین کے تحت مبلغین کے مسلسل تبلیغی پروگرام
- 2- حزب الانصار کی ذیلی شاخیں اور ان کی مقامی تبلیغی سرگرمیاں
- 3- علاقے کے مقامی علماء اور واعظین بطور اعزازی مبلغ

- 4- بانی امیر کے سالانہ اور خصوصی دورے
- 5- مذاہب باطلہ کی تردید اور تعاقب کے لیے خصوصی مناظرے اور مباحثے۔
- ان سارے امور اور مطلوبہ اہداف کے لیے باقاعدہ پلاننگ ہوتی تھی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا حزب الانصار کا جلسہ سالانہ ایک اہم اور مرکزی نکتہ اتصال تھا جہاں رفقاء و اراکین اپنی سابقہ کارگزاریوں کا جائزہ لیتے۔ تجربات و مشاہدات کا تبادلہ کرتے اور آئندہ سال کے لیے منصوبہ سازی کرتے تھے۔
- مرکزی دارالمبلغین:

اسلام میں تبلیغ و اصلاح اور دعوت و ارشاد ایک بھرپور اور فعال سرگرمی ہے۔ اگرچہ ہر مسلمان قرآن کی رو سے کلمہ حق کی اشاعت کے لیے مامور ہے تاہم اس مقصد کے لیے بنیادی تعلیم اور مخصوص تربیت نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ پھر کل وقتی خدمات کے لیے خصوصاً جب عام مسلمانوں کے عقائد، اعمال اور معاملات پر غیر مسلم معاشرت کے اثرات پرانے اور گہرے ہوں، منظم طور پر کام کرنا ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ 1929ء سے 1945ء تک مندرجہ ذیل علماء نے حزب الانصار کے مبلغ کے طور پر شاندار خدمات سرانجام دی ہیں:

- 1- مولانا سید عبداللہ شاہ مکانی 1931ء
 - 2- مولانا عطا محمد قریشی کوٹ اللہ یار خان 1931-32ء
 - 3- مولانا محمد اکرم المعروف پیر قطبی شاہ 1931-32ء
 - 4- مولانا کریم الدین دبیر رئیس بھین (چکوال) 1932ء
 - 5- مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی 1933ء
 - 6- مولانا سید نذیر الحق قادری میرٹھی 1935ء
 - 7- مولانا محمد قاسم نور و اعظ اللوئی 1936ء
 - 8- مولانا حبیب اللہ امرتسری 1938ء
 - 9- مولانا محمد حنیف فاضل امینہ گجراتی 1938ء
 - 10- مولانا منیر شاہ خوشابی 1940ء
 - 11- مولانا عبدالرحمن میانوئی 1940ء
 - 12- مولانا عتیق الرحمن فاروقی 1940ء
- سابق مبلغ جماعت مرزا یہ

- 13- مولانا احمد یار کوتانی 1942ء
- 14- مولانا غلام نبی ایہ ضلع مظفر گڑھ 1942ء
- 15- مولانا محمد خلیل 1942ء
- 16- مولانا دوست محمد ڈنگوئی 1943ء
- 17- مولانا محمد بخش ڈیروئی 1943ء
- 18- مولانا محمد حنیف لائل پورئی 1944ء
- 19- مولانا قاضی محمد دلبر ظہیر نیاز بیگنی 1945ء
- 20- مولانا شیخ بشیر احمد علی پورئی 1946ء
- 21- دارالعلوم عزیز یہ کے اکثر مدرسین جزوقتی مبلغ اور واعظ بھی تھے جو خصوصی مواقع پر اور سالانہ دوروں میں شریک ہوتے تھے۔
- جناب عالم دین مرحوم نعت خوان
 - جناب محمد شریف مرحوم نعت خوان
- حزب الانصار کے مبلغین دعوت و ارشاد کی خدمات مندرجہ ذیل طریقوں سے سرانجام دیتے تھے:
- 1- طے شدہ پروگرام کے تحت ملک کے مختلف علاقوں میں تقاریر اور مواعظ۔
 - 2- خصوصی دعوت پر مختلف علاقوں میں دینی اجتماعات سے خطابات۔
 - 3- امیر حزب الانصار کی معیت میں تبلیغی اور دعوتی اسفار۔

طریقہ کار:

مبلغین کے دور دراز کے دورے بعض اوقات کئی کئی ماہ پر محیط ہوتے تھے۔ وہ اپنے سفر میں جہاں بھی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ذکر سنتے تو فوراً ان کا نوٹس لیتے۔ مرکزی دفتر کو اپنی مصروفیات سے باقاعدہ باخبر رکھتے تھے۔ ضرورت محسوس کرتے تو حضرت بانی امیر یا کسی رفیق کی کسی خاص موضوع کے حوالے سے مدد طلب کرتے ورنہ تردید و تعاقب کے لیے مردانہ وار خود ہی چل نکلتے۔ ان مبلغین کے موضوعات بالعموم وہی مسائل ہوتے جو حزب الانصار کا عمومی ہدف تھے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام مبلغین کا انداز بیان، طرز سخن اور طریقہ استدلال ایسا رہا کہ کبھی اشتعال

اور لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئی۔ ان کی باتیں سن کر اپنے مضبوط اور پکے ثابت ہوئے اور بیگانے کبھی بد مزہ اور نالاں نہیں ہوئے۔ اکثر مقامات پر سامعین دیہاتی اور ان پڑھ مسلمان ہوتے۔ اس لیے زیادہ تر خطابات سادہ اور پنجابی زبان میں کیے جاتے۔ تمام مبلغ فروعی اختلافات، سیاسی مناقشات اور فقہی گروہ بندیوں سے کلی اجتناب کرتے۔ دین کا کام کرنے والے تمام افراد اور مقامی جماعتوں سے تعاون کرتے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مبلغین زیادہ تر دورے ہر علاقے کے عوام کی ضروریات کے مطابق کرتے تھے مگر جہاں بھی مسلمان منظم تھے اور ان کی اپنی کوئی تنظیم تھی یا مقامی طور پر حزب الانصار کی شاخ منظم تھی تو یہ دورے ان کے حوالے سے بھی کیے جاتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ حزب الانصار کے جاں نثار اور بے لوث مبلغین نے ہزاروں مقامات پر لاکھوں فرزند ان توحید کو اسلام کا ابدی پیغام سنایا اور قرآن و حدیث اور اسوہ صحابہؓ کی روشنی میں ان کی زندگیوں کو سنوارنے اور نکھارنے میں مدد دی۔ آج وطن عزیز کے جن علاقوں میں اسلام کی عملداری ہے وہاں دین سے الفت، خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت، صحابہؓ اور اولیائے کرامؓ کی محبت اور اسلام کے دشمنوں سے نفرت میں ان آوازوں کا بلاشبہ بڑا عمل دخل ہے جو حزب الانصار کے پلیٹ فارم سے برابر بلند ہوتی رہیں۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تبلیغی کلاس:

حزب الانصار کا شعبہ تبلیغ، دین کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جہاں پورے برصغیر ہندوستان میں مصروف عمل رہا ہے وہاں شعبہ دارالمبلغین نے چیدہ چیدہ نوجوان علماء اور طلبائے علوم دینیہ کی خصوصی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جو مبلغ اور مناظر بننے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ چنانچہ یکم مئی 1935ء کو جامع مسجد بھیرہ میں تبلیغی کلاس کا افتتاح ہوا جس کے معلم (کوچ اور گانڈ) مولانا سید نذیر الحق قادری میرٹھی مقرر ہوئے۔ پہلی کلاس کے لیے کتابی طلباء میں سے دس کو منتخب کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت:

”ایسے مبلغ و مناظر پیدا کرنا ہے جو قرآنی بصیرت کے مالک ہوں۔ کسی حد تک اسلام کا خود بھی

علمی نمونہ ہوں۔ موجودہ علوم و فنون اور حالات زمانہ سے بخوبی واقف ہوں۔ مبلغ و مناظر ہونے

کے ساتھ ساتھ، مدبر اور مصلح بھی ہوں۔ اسلامی حقائق و معارف کو صحیح معنوں میں غیر مسلم اقوام

کے سامنے پیش کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔“ (شمس الاسلام جولائی 1935ء، ص 39)

علاوہ ازیں شعبہ دارالمبلغین کے تحت فارغ التحصیل طلبہ یا عمدہ استعداد رکھنے والے طلبہ کو دو سال کے

اندر مناظرہ اور تبلیغ کے لیے تیار کرنے کا خصوصی پروگرام تشکیل دیا گیا۔ طلبہ تو دارالعلوم عزیز یہ ہی سے منتخب ہوئے جو درس نظامی کے نصابِ انجیل و نصابِ التکمیل اور مولوی فاضل کلاسوں سے متعلق تھے۔ فارغ التحصیل طلبہ البتہ کسی بھی جگہ سے آ کر کورس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ (شمس الاسلام، دسمبر 35ء، ص 23)

مولانا ظہور احمد بگوی کا سفر کلکتہ

1936ء میں کلکتہ کے تبلیغی سفر کی مختصر روداد شمس الاسلام جنوری 36ء، (ص 6-7) میں مندرج ہے:

”مورخہ 23 نومبر 1935ء کو مولانا ظہور احمد بگوی بھیرہ سے بزم کلکتہ روانہ ہوئے۔ آپ کو اگرچہ مرض بواسیر و زحیر وغیرہ سے نجات حاصل ہو چکی ہے مگر ابھی تک ناسور مندمل نہیں ہوا۔ احباب کے اصرار اور بعض اطباء کے مشورہ سے ہومیو پیتھک علاج کی غرض سے کلکتہ جانا ضروری سمجھا گیا۔ آپ کے دل میں خدا نے تبلیغ اسلام کی پکی تڑپ رکھی ہے جس کے مقابلہ میں آپ کو اپنی صحت کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ کلکتہ جاتے ہوئے راستہ میں آگرہ، کان پور اور گیا میں تبلیغی فرائض انجام دیتے ہوئے آپ 3 دسمبر کو کلکتہ پہنچے۔

کلکتہ میں بھی مولانا ممدوح کی مساعی جمیلہ جاری رہیں۔ میرزا یوں کو دعوت مناظرہ دی گئی۔ مگر ان کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ جامع مسجد ناخدا میں ختم نبوت پر تقریر فرمائی۔ مولوی محمد امین صاحب رئیس التجار کلکتہ کے دولت کدہ پر ایک مختصر تقریر کے دوران میں مولانا نے فضائل قرآن پر روشنی ڈالی۔ کلکتہ کے آڑھت داران و تاجران چرم نے مولوی محمد امین صاحب رئیس التجار کے ذریعہ مولانا کو تقریر کے لیے دعوت دی۔ تاجران چرم میں سے چیدہ، نامور و معزز اشخاص کا ایک باوقار جلسہ ترہٹی بازار میاں محمد حسین جان محمد صاحبان کے گودام میں منعقد ہوا۔ مولانا ممدوح نے اپنے خداداد جذبہ فصاحت سے کام لیتے ہوئے دو گھنٹہ مدلل و معرکہ آراء تقریر فرمائی جس میں مسئلہ ختم نبوت، حقیقت مرزائیت، فضائل صحابہ، اتباع سنت (کی وضاحت اور) الحاد و دہریت پر زبردست تنقید فرمائی۔ مچھوا بازار کے تاجران پاپوش کے اصرار پر تیسرے دن مولانا ممدوح کی تقریر کارنوالس بلڈنگ میں بھی ہوئی۔ علاوہ ازیں شب و روز مولانا کے قیام گاہ پر ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ تبادلہ خیالات کے بعد کئی مذہب بین راہ راست پر آچکے ہیں۔“

شمس الاسلام نومبر 1933ء کے مطابق مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی طرف سے بنگال میں تبلیغ کے لیے بھیجے گئے۔ قاضی صاحب ممدوح حزب الانصار کی شاخ کلکتہ کے ماتحت مصروف کار رہے۔ (ص 48) ابھی کام کا آغاز ہی کیا تھا کہ اپنے خور و سال صاحبزادے کے انتقال اور والد ماجد کی علالت کے سبب شجاع آباد لوٹ آئے۔

بانی امیر حزب الانصار کے تبلیغی اور دعوتی دورے

حضرت مولانا بگویی کی قائدانہ شخصیت ہمہ جہت، بلند ہمت اور عہد آفرین تھی۔ وہ دین کے ہر دشمن کے لیے سیف بے نیام اور ہر خادم کے لیے بندہ بے دام تھے۔ دعوت و ارشاد اور اصلاح و فلاح کے کاموں کے لیے ان کا کوئی وقت مقرر تھا اور نہ جگہیں مخصوص۔ چنانچہ ان کی تگ و تاز کی جولان گاہ متحدہ پنجاب تک محدود نہ تھی۔ ان کے سالانہ دورے برصغیر ہندوستان کے انتہائی دور دراز اور دشوار گزار علاقوں میں بھی ہوتے تھے اور پشاور، لاہور، دہلی، بمبئی، آگرہ، پونا، کان پور، لکھنؤ، مدراس، ملتان، کونٹہ، کراچی اور رنگون میں بھی۔ جہاں وہ بڑے بڑے اور منتخب اجتماعات سے خطاب فرماتے۔ شمس الاسلام کی فانلوں میں برصغیر کے چھوٹے بڑے صد با شہروں کے نام ملتے ہیں جہاں حضرت مولانا بگویی نے دورہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کا پیغام سنایا۔ ان اجتماعات میں اکثر موضوعات سخن وہی ہوتے جو حزب الانصار کے مقاصد اور نظری اہداف ہیں۔

مولانا کی خطابت کے بارے میں راقم کی درج ذیل سطور روشنی ڈالتی ہیں:

”امارت جماعت، ادارت جریدہ، اہتمام مدرسہ، تولیت (خصوصاً توسیع و تعمیر) مسجد اور خطابت و افتاء کے علاوہ مولانا کی ایک نہایت اہم مصروفیت دور دراز، قرب و جوار کی سالانہ اور دعوتی تبلیغ تھی۔ وہ ایک کثیر المطالعہ، بالغ النظر اور وسیع المشرَب خطیب تھے۔ ان کے سامنے موضوعات کا وسیع میدان ہوتا تھا۔ بمبئی کا کوئی ہال ہوتا یا دہلی کا آڈیٹوریم، پھلی بھیت کا پنڈال ہوتا یا مسجد وزیر خان کا وسیع صحن، ہر حال میں ہر قسم کے سامعین اور جملہ موضوعات پر وہ ایک بے مثال خطیب اور شاندار مقرر تھے۔ ماحول اور مقام کی مناسبت سے فرق ہائے باطلہ کی تردید، عقائد صحیحہ کی وضاحت، اصلاح مسلمین، غرض ہر موضوع پر وہ بے تکان کئی کئی گھنٹے بولتے۔ مولانا کو اردو اور پنجابی زبان پر کامل دسترس تھی۔ ان کی پنجابی شاہ پوری سرائیکی تھی جو اپنی گہرائی اور مٹھاس کے اعتبار سے توجہ کھینچنے والی اور دل میں اتر جانے والی ہے۔ تقریریں مزاح اور طنز کی آمیزش، دلائل اور حوالہ جات سے مزین، چست فقرات اور تراکیب کا استعمال، خوبصورت الفاظ کی بندش، جگہ جگہ اردو، فارسی، عربی کے اشعار و مقولے، علمی چٹکے، ادبی لطائف اور علمی حقائق سے پر، ان کی تقریر انتہائی دل نشین،

سادہ اور سہل، مقفی مشکلات اور مسجعی تکلفات سے پاک، دل پر اثر کرنے والی ہوتی۔ سامعین کئی کئی گھنٹے جم کر خطاب سنتے اور گہرا اثر لے کر اٹھتے تھے۔“

(شمس الاسلام۔ ختم نبوت نمبر صفحہ 110۔ اپریل 1975ء)

یہ دورے کئی کئی ماہ پر محیط ہوتے۔ ہمراہ ایک خادم اور کبھی مرکزی دفتر سے کوئی مبلغ ساتھ ہوتے۔ خدام میں میاں احمد دین مرحوم جھاواریاں، صوفی غلام یسین مرحوم اور میجر محمد اسلم مرحوم کے نام ملتے ہیں۔ بڑے شہروں میں تقاریر اکثر اردو میں ہوتیں۔ بعض اوقات ایک دن میں مختلف موضوعات پر کئی کئی تقاریر ہوتیں خصوصاً ربیع الاول اور محرم الحرام کے مہینوں میں۔ قیام اکثر بھیرہ کے ان خواجگان کے پاس ہوتا جو بسلسلہ تجارت بڑے شہروں میں مقیم تھے۔ شمس الاسلام کے صفحات میں بانی امیر کے طولانی دوروں کا مختصر سا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے بعض اقتباس پیش خدمت ہیں۔

1931ء: خاکسار مدیر 29 اگست کو بھیرہ سے روانہ ہوا۔ لاہور، دہلی، اجمیر شریف، احمد آباد، بمبئی، حیدر آباد (کن)۔ راجندر کی، مدراس، دیلور، بنگلور، میسور، سرنگا پٹم، چک بالا پور کی (تبلیغی) سیاحت کے بعد 10 نومبر 1931ء کو واپس وطن پہنچا۔ تمیں سے زیادہ تقاریر مختلف مقامات پر ہوئیں۔ (ص 3۔ نومبر 1931ء)

1932ء: خاکسار مدیر کو پنجاب کے متعدد مقامات مثلاً ساہیوال، جھوکا، منڈی پھلروان ہر سہ کوٹ وغیرہ میں تبلیغ کے لیے جانا پڑا۔ عیسائیوں سے ساہیوال مناظرہ کی غرض سے جانا پڑا۔ مگر عیسائیوں کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جلسہ عام میں کفارہ، پنیٹ و تیلٹ وغیرہ کے باطل عقائد کی تردید کی گئی۔

(ص 12۔ اپریل 1932ء)

1938ء: مئی 1938ء کے شمس الاسلام میں تبلیغ احکام الہی کے تحت مرقوم ہے:

”ماہ اپریل کے آغاز میں امیر حزب الانصار نے دہلی آگرہ و جالندھر کا تبلیغی سفر اختیار کیا۔ مولانا منیر شاہ و مولانا عبدالرحمن نے سکھے کی ضلع گوجرانوالہ اور صدر شاہ پور کے اسلامی اجتماعات میں شرکت اختیار کی۔ 14 اپریل کو حزب الانصار کا تبلیغی وفد بسرکردگی امیر حزب الانصار ٹیکسلا ضلع راولپنڈی پہنچا۔ ٹیکسلا میں تین دن 15-16-17 اپریل کو امیر حزب الانصار کی صدارت میں شاندار جلسے منعقد ہوئے جن میں ارکان وفد مولانا حبیب اللہ، مولانا منیر شاہ، مولانا عبدالرحمن میانوی کے علاوہ مولانا علم الدین کیمبل پوری، مولانا غلام غوث

ہزاروی، مولانا شمس الدین ہزاروی اور خانزادہ غلام احمد خان بنگش کی زلزلہ آفکن اور باطل شکن تقاریر ہوئیں۔ خاکساریت اور رخص و بدعت کی حقیقت حاضرین پر منکشف ہوئی۔ ٹیکسلا کے جلسہ کے بعد ضلع ہزارہ کے چارہ مقامات سرائے صالح، ہری پور، ترناوہ، سلطان پور اور ضلع کیمبل پور کے دو مقامات گڑھی افغاناں اور بدھو میں حزب الانصار کی سرپرستی میں جلسے منعقد ہوئے۔ ان مقامات پر ارکان وفد کی تقاریر نے مسلمانان علاقہ کو جدید فتن سے مجتنب رہنے کی ہدایت کی اور ان کے قلوب میں دینی بیداری پیدا کر دی۔ انصار المسلمین کی شاخیں علاقہ بھر میں قائم ہو رہی ہیں۔ مولانا حکیم محبوب عالم صاحب، مولانا محمد داؤد اور مولانا عبدالحی بھوٹیوی کی مساعی جلیلہ اگر جاری رہیں تو انشاء اللہ تمام علاقہ کے مسلمان منظم ہو کر دینی و دنیوی فلاح کے لیے متحدہ لائحہ عمل پر کار بند ہوں گے۔

26 اپریل کو امیر حزب الانصار واپس بخیریت بھیرہ پہنچ گئے اور مولانا حبیب اللہ صاحب کیمبل پور کے دورہ پر روانہ ہو گئے ہیں۔ مولانا منیر شاہ صاحب و مولانا عبدالرحمن صاحب ضلع راولپنڈی کے چند مقامات کے تبلیغی دورہ سے فارغ ہو کر 3 مئی کو بھیرہ پہنچ جائیں گے۔“ (شمس الاسلام۔ ص: 7)

جون 1938: اگست شمس الاسلام (ص 39) میں 'عرض حال' کے تحت تحریر ہے:

”ماہ جون میں امیر حزب الانصار نے سرگودھا، چوہاسین شاہ ضلع جہلم، راولپنڈی، مینلو ضلع کوہاٹ اور کوہاٹ شہر میں متعدد تقاریر کے ذریعہ عامۃ المسلمین کو پیغام حق سے روشناس کیا۔ اس عرصہ میں مولانا منیر شاہ نے میانہ گوندل کے علاقہ کا دورہ کیا۔ مولانا عبدالرحمن نے بھی نواں کوٹ علاقہ مڈھ رانجھا، دھوری، بونگہ سرخرو و دیگر مقامات پر فریضہ تبلیغ ادا کیا۔ ماہ جولائی میں حزب الانصار کی سرپرستی میں علاقہ بار کے سات مرکزی مقامات یعنی للیانی، کوٹ موئن، مڈھ رانجھا، چک میانہ، نصیر پور کلاں، کوڑے کوٹ میں شاندار تبلیغی جلسے منعقد ہوئے جن میں امیر حزب الانصار نے برفاقت مولوی عبدالرحمن صاحب تمام جلسوں میں شرکت اختیار کی۔ مولانا منیر شاہ بھی للیانی اور کوٹ موئن کے جلسوں میں شامل ہوئے۔ ماہ جولائی کے آخر میں امیر حزب الانصار مع مولانا عبدالرحمن، مولانا حبیب اللہ علاقہ لنگر مخدوم ضلع جھنگ کے تبلیغی

دورہ پروانہ ہو چکے ہیں۔

مولانا حبیب اللہ امرتسری نے ماہ مئی، جون و جولائی میں کیمیل پور کے علاقہ چھچھ ہزارہ کے مندرجہ ذیل مواضع کا دورہ فرمایا:
حضرو، بہادر خان، سامہ، شکر درہ، سروالہ، ناڑی، بھنگلی، نرٹوپہ، بہبودی، ملک مالہ، غور غشتی،
برزئی، شنیکہ، جلالیاں، شہر کیمیل پور وغیرہ۔“

جنوری 1941ء: بحوالہ شمس الاسلام (ص 2) فروری 1941ء زیر عنوان ”تبلیغ الاسلام“

”حضرت امیر حزب الانصار نے ماہ جنوری کے آخر میں لاہور، وار برٹن (ضلع شیخوپورہ)، منڈاہر (ضلع جہلم) و لنگر (ضلع جہلم) کا تبلیغی دورہ فرمایا۔ بعد ازاں آپ کیم فروری کو بھیرہ سے طویل دورہ پروانہ ہوئے۔ امرتسر، انبالہ، دہلی اور کان پور سے ہوتے ہوئے آپ 10 فروری کو کلکتہ پہنچے۔ کرشن نگر (بنگال) ڈھا کہ و دیگر مقامات کا دورہ کرتے ہوئے آپ ایم مارچ سے پہلے بھیرہ میں مراجعت فرماہوں گے۔ (انشاء اللہ)

مولانا منیر شاہ بفضلہ تعالیٰ اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے ہیں اور تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ مولانا حبیب اللہ امرتسری کو صوبہ بنگال و صوبہ یوپی میں خاکساریت اور مرزائیت کے خلاف تبلیغی دورہ کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔

حضرت امیر حزب الانصار اپنے رفقاء کے ہمراہ ہر سال ماہ مارچ و اپریل میں پنجاب کے شمالی اضلاع کے دیہات کا سالانہ تبلیغی دورہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس سال دورہ 20 مارچ کو شروع ہوگا۔ جن جن مقامات کے اصحاب اپنے ہاں تبلیغی جلسوں کے انعقاد کا انتظام کر سکتے ہوں وہ اپنے دعوت نامے 4 مارچ سے پہلے دفتر مرکزی مجلس حزب الانصار بھیرہ کو روانہ کر دیں۔“

مئی 1941ء: بحوالہ شمس الاسلام ستمبر 1941ء زیر عنوان سالانہ تبلیغی دورہ (ص 32)

”اس سال حضرت مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار کا سالانہ تبلیغی دورہ کا آغاز 3 فروری کو ہوا۔ آپ نے 3 فروری سے 15 اپریل تک متعدد جلسوں میں شرکت اختیار کی اور ملک کے متعدد مقامات پر تبلیغی فریضہ ادا کیا اور ملتان، بہاول پور، امرتسر، جالندھر، دہلی، کانپور، لکھنؤ،

بہمنی، مالیکاؤں، ڈیرہ غازی خان، دہلووا، تونسہ شریف، ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، ترگ، کوٹ مومن، قادیان، اچھرہ لاہور، واربرٹن، شاہ پور صدر، لہہ شریف کا سفر اختیار کیا۔“

جنوری 1943ء: بحوالہ شمس الاسلام صفر 1362 / مارچ 1943ء (ص 3) زیر کارگزاری۔

”حضرت مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار بھیرہ نے ماہ جنوری 1943ء میں 19 روز بہمنی میں قیام فرمایا۔ رنگاری محلہ نزد کرا فورڈ مارکیٹ میں آپ کی گیارہ تقریریں ہوئیں۔ علاوہ براں سنی خوجہ جماعت کی مسجد باندرہ دھراوی، قاضی محلہ، بال کیشور، اسلامی محلہ، کھڈے کی باڑی، بیگ محمد باغ، وغیرہ مقامات میں بھی آپ کے مواعظ ہوئے۔ اس کے بعد آپ کو پونہ جانا پڑا وہاں پونہ کمپ میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں ہزار ہا اشخاص نے آپ کا وعظ سنا۔ بہمنی سے واپسی پر مالیکاؤں ضلع ناسک میں آپ کی تین تقریریں ہوئیں۔ خلد آباد، دولت آباد اور اورنگ آباد (دکن) میں بھی آپ تشریف لے گئے۔ بعد ازاں لکھنؤ سے کانپور اور دہلی ولاہور ہوتے ہوئے آپ فروری میں بھیرہ رونق افروز ہوئے۔ 14-15 فروری کو کوٹ عمرانہ کے جلسہ میں آپ نے شرکت فرمائی۔ مولانا احمد یار صاحب مبلغ حزب الانصار نے اس عرصہ میں ضلع شاہ پور کے دیہات میں تبلیغی دورہ کیا۔ مہیش بیس دیہات میں آپ نے تبلیغ کی۔“

امیر حزب الانصار کا طویل تبلیغی سفر

دسمبر 1943ء: بحوالہ شمس الاسلام فروری 1944ء (ص 24) زیر عنوان ”اطلاعات“

”حضرت مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار بھیرہ 10 دسمبر کو بھیرہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے چک نمبر 257 ضلع لاکل پور کے مدرسہ ربانیہ کے سالانہ اجتماع میں ایک بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی اور وہاں سے براستہ لاہور سونی پت تشریف لے گئے۔ سونی پت میں زیر سرپرستی انجمن معین الملت 13-14 دسمبر کو جامع مسجد سونی پت میں شاندار جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں مولانا ممدوح نے فلسفہ شہادت، فضائل صحابہ اور عقائد اہل سنت پر واضح روشنی ڈالی۔“

بہمنی میں رنگاری محلہ کی میمن جماعت اور کھڈے کی باڑی کی جمعیت المسلمین کی دعوت پر مولانا ممدوح سونی پت سے دہلی ہوتے ہوئے 31 دسمبر کو بہمنی میں رونق افروز

ہوئے۔ جمعیت المسلمین کھڈے کی باڑی ایک باعمل جماعت ہے جس کے مخلص کارکنوں میں سے حبیب اللہ صاحب زکی و مولوی محمد عابد صاحب کی مساعی جمیلہ سے خلفائے راشدین کے پاک تذکرہ کی مجالس کا رواج ہو رہا ہے۔ 24 ذوالحجہ سے 26 ذوالحجہ تک یوم ذوالنورین و یوم فاروق کے سلسلہ میں شاندار جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں مولانا محمد زکریا قدوسی اور حضرت امیر حزب الانصار کی ایمان پرور تقاریر ہوئیں۔

کیم محرم الحرام سے 12 محرم تک رنگاری محلہ عبدالرحمن اسٹریٹ میں حضرت امیر حزب الانصار کی گیارہ تقریریں حسب ذیل عنوانات کے تحت ہوئیں:

- (1) محرم کی آمد اور مسلمان کا بھولا ہوا سبق (2) توحید (3) رسالت
- (4) شان رسالت (5) قرآن مجید (6) خیر امت
- (7) خلافت راشدہ (8) تقلید (9) اسلام کا پیغام
- (10) تذکار شہادت (11) فلسفہ شہادت و ثمرات شہادت۔

رنگاری محلہ کی مجالس کا اہتمام مخلص خادم ملت سیٹھ محمد حسین صاحب توفیق نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ قبول فرمائے۔ اسی دوران میں سنی خوجہ جماعت کی مسجد میں مولانا مدوح کی 6 تقریریں درج ذیل موضوعات پر ہوئیں:

ایمان باللہ، معیار فضیلت، صلوة، زکوٰۃ، اسوہ حسین اور اسوہ صحابہ۔

سیٹھ حاجی یوسف مکی صاحب کی دعوت پر مسجد اسماعیل حبیب میں ایک تقریر عبادت کے مفہوم پر ہوئی۔ سیٹھ یوسف حاجی مکی صاحب بمبئی کے ایک بڑے باعمل اور مخلص اسلامی کارکن ہیں۔ اللہ کریم آپ کے نیک ارادوں میں برکت عطا کرے۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مجالس محرم کی اصلاح کے لیے عملی اقدام کیا اور روشن خیال علماء کو بلانے کی رسم ایجاد کی۔

10 محرم کو صبح 9 بجے سے 10 بجے تک کھڑے بازار میں اسوہ حسنہ کے عنوان پر امیر حزب الانصار نے پر مغز تقریر ارشاد فرمائی۔ بعد ازاں رات کو بابو جہاں محلہ میں ”بدعات محرم سے اجتناب“ پر وعظ فرمایا۔ 12 محرم کو بعد نماز عشا باندرہ میں سنی خوجہ جماعت کے زیر

اہتمام جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں سواد و گھنٹہ فلاح دارین کے عنوان پر تقریر کرنے کے بعد مولانا مہامیم تشریف لے گئے۔ وہاں مخدوم علی مہانگی کے مزار مبارک کے سامنے ہزار ہا سامعین کو ولولہ انگیز تقریر سے مشرف فرمایا۔ اور رات کے 3 بجے واپس اپنے قیام گاہ پر تشریف لائے۔

۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

پونہ کی کچھی میمن جماعت کی دعوت پر مولانا محمد بخش مسلم بی۔ اے اور حضرت امیر الانصار 13 محرم کو پونہ تشریف لے گئے۔ پونہ کیمپ میں ایک جلسہ بسر پرستی انجمن رونق الاسلام اور دوسرا بسر پرستی کچھی میمن جماعت، مین سٹریٹ میں منعقد ہوا۔ ہر دو جگہ دونوں حضرات کی تقریریں کامیاب رہیں۔ سینھ احمد حاجی عمر صاحب خاص طور پر ان جلسوں کے اہتمام کے لیے پونہ سے مستحق تبریک ہیں۔ واپسی پر مولانا مدوح کی ایک تقریر عرب گلی میں اور ایک والی میں ہوئی اور 5 جنوری کو آپ دیوالی تشریف لے گئے۔ دیوالی کے بعد احمد آباد (گجرات)، اجمیر تشریف اور جے پور و دہلی سے ہوتے ہوئے بھیرہ میں رونق افروز ہوں گے۔

نومبر 1944ء: بحوالہ شمس الاسلام دسمبر 1944ء (ص 30) بعنوان کیفیت کارکردگی شعبہ تبلیغ:

”مولوی محمد بخش صاحب ڈیروی اور مولوی دوست محمد صاحب ڈنگوی کیم نومبر سے حزب الانصار کے مبلغ مقرر کیے گئے ہیں۔ ہر دو اصحاب نے ماہ نومبر میں ضلع شاہ پور کے کئی دیہات کا دورہ کیا اور بدعات سے اجتناب کی عوام کو تلقین کی۔ مولوی احمد یار صاحب ڈیروی کو ضلع ڈیرہ غازی خان کے علاقہ وہو میں تبلیغی کام کے لیے مستقل طور پر مقرر کر دیا گیا ہے۔“

امیر حزب الانصار نے بہاول پور، پاک پتن شریف، فاضلکا، منڈی چشتیاں اور لاہور کا تبلیغی سفر اختیار کیا۔ آپ کیم دسمبر کو بھیرہ سے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوں گے۔ اور بھرتہ (ضلع شیخوپورہ) چشتیاں (ریاست بہاول پور) سامانہ (ریاست پٹیالہ)، انبالہ، سہارن پور، دیوبند، دہلی و بمبئی سے ہو کر عشرہ محرم پونہ میں گزاریں گے۔ پونہ کے احباب نے اس دفعہ اصرار سے آپ کو عشرہ محرم کے مواعظ کے لیے دعوت دی ہے۔“

فروری 1945ء:

حضرت امیر حزب الانصار کی تقریر یا بیس تقریریں عشرہ محرم الحرام میں پونا میں ہوئیں۔ مین اسٹریٹ نزد

جامع مسجد 11 تقاریر۔ بھوانی پیٹھ، نزد تنبولی مسجد، روڑہ، قصبہ پیٹھ، نانا پیٹھ، چار ہاوڑی، سنٹر سٹریٹ، زنانہ یتیم خانہ، کھڑکی ایک ایک تقریر، بمبئی 2، مالی گاؤں ضلع ناسک میں 3، نماڑ میں 1 اور کھنڈوہ صوبہ سی پی میں 3 تقاریر۔ اس کے بعد موچھاؤنی ریاست اندور تشریف لے گئے اور وہاں متعدد تقاریر کے بعد آگرہ، دہلی وغیرہ سے ہوتے ہوئے ماہ فروری کے پہلے ہفتے میں بھیرہ پہنچ جائیں گے۔ ماہ فروری کے وسط میں حضرت امیر، ضلع شاہ پور کے دیہات سندھ، بجن، نصیر پور کلاں کا دورہ کرنے کے بعد ضلع ڈیرہ غازی خان میں تونسہ شریف، وہوا، جھوک بودہ، اٹیڑہ، کوتانی کا تبلیغی سفر اختیار فرمائیں گے۔ (بحوالہ شمس الاسلام فروری 1945-ص 39-2)

آخری تبلیغی سفر:

15 مارچ 1945ء کو حضرت مولانا بگوی معمول کے سالانہ تبلیغی سفر پر روانہ ہوئے۔ پروگرام کے مطابق آپ نے پنجاب کے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے اجتماعات کو خطاب کرنا تھا۔ برصغیر کے اس عظیم الشان داعی، برائے قدر مبلغ اور اسلام کے بے لوث خادم کے آخری تبلیغی سفر کی روداد شمس الاسلام ربیع الثانی 1364ھ اپریل 1945ء (ص 3) سے پڑھیے:

16 مارچ 1945ء، سومر کنز تنظیم اہل سنت والجماعت لاہور کے جلسہ میں شریک ہوئے۔ 17-18 مارچ کو ضلع راولپنڈی کے جلسہ میں مسلمانوں کو مستفید فرمایا۔ 19-20 مارچ کو کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ میں تشریف فرما تھے۔ 21 مارچ کو وہاں سے واپس ہو کر 22 مارچ کو سرگودھا پہنچے۔ 23 مارچ کو چنیوٹ تشریف لے گئے اور پکی مسجد میں بعد از نماز جمعہ ایک نہایت ولولہ انگیز تقریر کر کے لوگوں کو اپنے فیوض سے سیراب کیا۔ 24 مارچ کو محمدی شریف ضلع جھنگ تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا محمد ذاکر نے علوم عربیہ کا مدرسہ محمدیہ قائم کیا ہے۔ اس کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا ہے۔ اب اس جلسہ میں شامل ہونے کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ 25 مارچ کو آپ نے وہاں تقریر فرمائی۔ اس تمام سفر میں مولانا دوست محمد ڈیروی اور مولانا محمد بخش مبلغین حزب الانصار رفیق سفر رہے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ تقریر اس قدر پر جوش اور ہر لحاظ سے جامع و مانع تھی کہ ہم نے اس سے پہلے ان کی کوئی تقریر نہیں سنی۔ حضور ﷺ کی شان کو ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا کہ لوگ عیش عیش کراٹھے۔ شیعہ مذہب کی حقیقت بھی خوب کھول دی اور شہوس دلائل، تاریخی حوالوں اور علمی نکتوں کے ساتھ مذہب شیعہ پر تنقید کی۔ تقریر فرمانے کے بعد فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

چنیوٹ میں گردن توڑ بخار کا حملہ ہوا۔ علاج سے مایوس ہو کر شدید علالت میں سرگودھا روانہ ہوئے۔ ملت کا یہ انتھک مجاہد، بے نظیر مبلغ اور بے مثال خطیب ابھی دعوت و ارشاد کے سفر میں تھا کہ لبیک کہتا اپنے مالک کے حضور پہنچ گیا۔

گوشوارہ آمدن و خرچ مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ

شمس الاسلام میں گاہ بگاہ حزب الانصار کے حسابات شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں مختلف مدات میں حاصل شدہ آمدن اور مختلف شعبوں میں صرف شدہ اخراجات سے اراکین اور قارئین کو آگاہ کیا جاتا رہا ہے۔ یہ پیش پبلک آفس میں پبلک فنڈ کا استعمال شفاف اور بے داغ بناتا ہے۔ امانت و دیانت کو فروغ دیتا ہے۔ رفقاء ہر راہ اعتماد ملتا ہے اور عوام زیادہ تعاون پر قائل ہوتے ہیں۔

گوشوارہ مداخلت حزب الانصار بھیرہ از یکم جولائی 1931 تا 30 نومبر 1931ء

نام ماہ معائنہ	ماہواری رسالہ			دارالعلوم عزیز یہ			چند ارکان			متفرق			میزان کل		
	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ
ماہ جولائی 1931ء	3	4	20	0	8	8	0	8	0	59	9	9	6	0	14
ماہ اگست 1931ء	0	14	39	0	4	9	0	0	0	47	0	0	0	6	2
ماہ ستمبر و اکتوبر 1931ء	0	11	13	0	8	0	0	8	0	2	0	0	0	0	11
ماہ نومبر 1931ء	0	10	8	0	6	11	0	0	0	66	0	0	0	0	0
میزان کل	3	7	82	6	10	29	0	0	0	175	9	9	6	6	293

گوشوارہ مخارج حزب الانصار از یکم جولائی تا 30 نومبر 1931ء

کیفیت	میزان کل	مفرق	تبلیغ			ڈاک			رسالہ			عملہ مدرسین و ملازمین			طلبہ دارالعلوم			نام مع سنہ			
			پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ				
930	231	699	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	
																					ماہ جولائی 1931ء
																					ماہ اگست 1931ء
																					ماہ ستمبر و اکتوبر 1931ء
																					ماہ نومبر 1931ء
																					میزان کل

ظہور احمد گوی ڈاکٹر محمد شریف ناظم غلام حسین محرر دفتر

نام ماہ مع سنہ	رسالہ ماہواری	طلبہ دارالعلوم			عملہ ملازمین و تدریس			تبلیغ			ڈاک			مفرق			میزان کل					
		پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ						
پہلی 1932ء		2	12	51	9	2	8	3	2	63	0	0	0	0	0	0	135					
دوسری 1932ء		0	6	50	6	7	4	0	85	3	5	6	9	2			148					
تیسری 1932ء		0	10	74	6	12	3	0	81	9	5	9	7	8	5		173					
چوتھی 1932ء		6	9	1	0	9	6	0	47	1	0	3	0	0	4	1	99					
میزان کل		9	5	178	9	15	22	3	276	14	21	38	6	37	10	4	556					
میزان مخارج		556-14-0			میزان مخارج			1240-5-6			میزان داخل			432-9-0			میزان کل			1240-05-6		
سابقہ زائد خرچ		682-07-6			زائد خرچ			807-12-6			میزان کل											
میزان کل		1240-05-6																				

(بحوالہ شمس الاسلام اگست 1932ء)

شعبہ تالیف و اشاعت

حزب الانصار کے اغراض و مقاصد کی تکمیل اور ترویج کے لیے جو لائحہ عمل اور جو طریقہ کار استعمال کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض کا تفصیلی ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ مسلمانوں میں شرح خواندگی ایک دلچسپ اور پیچیدہ عمل ہے اور شمار یاتی مسئلہ ہے۔ ہر مسلمان کا تعلق دنیا کے کسی خطے، نسل اور زبان سے ہو، عربی پڑھے اور دہرائے بغیر مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر مدارس میں ابتدائی دینی تعلیم متحدہ برصغیر اور اب پاکستان میں ایک کثیر آبادی کا بدستور اور جان پہچانا طریقہ تعلیم ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کو تحریری لٹریچر سے محروم رکھنا، دعوت و ارشاد کے مسلمہ اصولوں کی نشی ہے۔ چنانچہ حزب الانصار نے شمس الاسلام کی باقاعدہ اشاعت کے علاوہ متعلقہ موضوعات پر نہ صرف کتابیں تالیف کرائیں بلکہ دوسرے اسلامی مکتبوں کی مطبوعات اپنے شعبہ نشر و اشاعت کے ذریعے عام پھیلائیں۔ دارالتالیف کے قیام کے بعد درج ذیل علماء اس شعبہ کے نگران رہے۔

1- مولانا سید نذیر الحق قادری میرٹھی

2- مولانا مفتی سید سیاح الدین کا کا خیل

3- علامہ رحمت اللہ ارشد

تصانیف

- | | |
|--|--|
| ☆ اجتناب الحنفیہ - مولانا ظہور احمد گلوئی | ☆ برق آسمانی بر خرمین قادیانی - مولانا ظہور احمد گلوئی |
| ☆ تازیانہ نقشبندیہ - مولانا حکیم عبدالرسول بکھروئی | ☆ صور اسرافیل - مولانا ظہور احمد گلوئی |
| ☆ تذکرہ مشائخ گلوئیہ - مولانا ظہور احمد گلوئی | ☆ کشف التلبیس - مولانا سید ولایت حسین دیوڑی |
| ☆ رکعات تراویح - مولانا پیر قطبی شاہ | ☆ حقیقت تشیع - مولانا پیر قطبی شاہ |
| ☆ خاکساری مذہب - مولانا ظہور احمد گلوئی | ☆ اسلامی جہاد - مولانا ظہور احمد گلوئی |

دیگر مطبوعات

- | | |
|--|--|
| ☆ آفتاب ہدایت - مولانا ابوالفضل دبیر | ☆ تحریک قادیان - مولانا سید حبیب |
| ☆ سیف اللہ المسلموں - مولانا ابوالفضل دبیر | ☆ ہدایات القرآن - مولانا ظہور احمد گلوئی |
| ☆ سوائے مرزا - حاجی حکیم ذاکر محمد علی | ☆ بارقہ ضعیفہ |

☆ آئینہ مذہب شیعہ

☆ گھمکار ذوالفقار

☆ تحفہ مرزائیہ - شمس الاسلام کا قادیان نمبر

☆ تاملتہ الایمان

☆ مظلوم قوم - مولانا محمد بخش مسلم بی اے

☆ کشف العطاء - مولانا غلام حسن شاہ پرہاروی

(المشرقی علی المشرقی)

☆ مشرقی فتنہ - مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

☆ تحقیق المرام فی منع القراۃ خلف الامام -

مولانا مفتی پیر غلام رسول قاسمی

☆ اصول الغزاة علی الروافض الغلاة - مناظرہ ڈھل -

مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل

☆ ختم رسالت - مولانا ماسٹر محمد بخش مسلم بی اے

☆ انوار شمس - مولانا پیر مہر علی شاہ

☆ مظہر الانصاف فی رد منہج الانصاف -

مولانا قاضی فضل احمد حنفی

☆ سماع الابرار والنجار - مولانا احمد دین گانگوی

☆ حرمت تعزیہ داری - مولانا احمد دین گانگوی

☆ اسلامی بیت المال

☆ خاکساری فتنہ - مولانا پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی

☆ ضرب کاری بر مذہب خاکساری

☆ رسالہ خیر جاری در رد مذہب خاکساری

مولانا پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی

☆ صدیق اکبر

☆ محشرستان خیال -

مولانا غلام دستگیر خان بے خود جالندھری

☆ بشارت اسمہ احمد -

مولانا حبیب اللہ امرتسری

☆ محبوب سیال - مولانا غلام دستگیر خان بے خود

☆ لطائف الرحمن فی ادعیہ القرآن

☆ سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانہ شمس -

مولانا محمد سعید زین پوری

درج بالا فہرست میں سے بعض کتابیں بار بار چھپتی رہی ہیں۔ اسی طرح بیرونی اداروں کی مطبوعات مکتبہ

حزب الانصار بھیرہ سے فروخت ہوتی رہی ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق حزب الانصار کے ابتدائی دس سالوں

میں 75 ہزار کی تعداد میں تبلیغی لٹریچر ملک کے طول و عرض میں تقسیم ہوا۔ (شمس الاسلام ستمبر 1939ء ص 3) اس قلمی

یغفار نے ایک طرف جہاں مخالفین کے حملوں کو روکا دوسری طرف وہاں مسلمانوں کی معلومات میں اضافہ کر کے ان

کے ایمان کو مضبوط بنانے میں مدد دی۔ مولانا حبیب اللہ امرتسری کے رد قادیانیت میں شمس الاسلام میں طبع شدہ

مضامین و مقالات حال ہی میں پہلے شمس الاسلام بھیرہ کے **حبیب اللہ نمبر** کی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔

بعد میں عالمی مرکزی مجلس ختم نبوت پاکستان نے **احتساب قادیانیت** جلد سوم کے نام سے خوبصورت کتابی

شکل میں طبع کیے ہیں۔

آخری پیغام حق:

مولانا ظہور احمد بگویی کی ایک نہایت معرکہ آرا طویل تقریر ہے جو آپ نے حزب الانصار کے سولہویں سالانہ جلسہ کے موقع پر 10 مارچ 1945ء کی رات کو بھیرہ میں کی۔ بھیرہ میں مولانا بگویی کی یہ آخری تقریر تھی۔ اس تقریر کے نوٹ معروف عالم دین مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل نے لیے تھے۔ انہوں نے ہی اسے کتابی شکل دی جو دسمبر 1945ء میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں، مولانا نے شیعہ مذہب کی حقیقت، ابتدا، بنیادی عقائد، تاریخ ارتقاء، مختلف ادوار میں بلاد اسلامیہ میں رول، دوران حکومت خدمات اور امت مسلمہ کے لیے سرانجام دیے گئے کارناموں پر بڑی جامع، واضح اور موثر گفتگو کی ہے۔ انہوں نے اپنے خیالات کو بڑے ٹھوس نظائر اور شواہد سے مدلل کیا ہے اور واقعات کے لیے پوری تاریخ اسلام کو کھنگالا ہے۔

ادارہ حزب الانصار بھیرہ نے جریدہ شمس الاسلام کی خصوصی اشاعت کے طور پر اپریل 2001ء میں آخری پیغام حق کو دوبارہ شائع کیا ہے۔

شعبہ افتاء و تحقیق

۱۸۶

مسلمان اپنی زندگی قرآن و سنت اور اسوہ صحابہ کے مطابق بسر کرنے کے لیے وہی راہ اختیار کرتے ہیں جو سلف صالحین نے اپنے علم، مشاہدے اور تقویٰ کی بنا پر چنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) معاملات (عائلی نظام، لین دین اور کاروبار، رضاعت، وراثت) اور عقائد (توحید، رسالت، معاد) میں صحیح راہنمائی کے لیے وہ علماء حق سے ہی رجوع کرتے ہیں۔ علماء و مشائخ بگوییہ -- حضرت مولانا احمد الدین بگویی کے زمانہ (1803-69ء) سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے تمام دینی اور علمی امور میں علاقہ اور صوبہ کے مسلمانوں کے لیے مرجع خلائق اور مرکز ہدایت چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ بھیرہ اور اس کے گرد و نواح میں جب بھی کوئی فقہی مسئلہ یا اختلافی امر زیر بحث آیا تو فریقین نے بلا امتیاز اور بے دھڑک بگویی علماء پر ہی اعتماد کیا اور اپنے شرعی تنازعات میں انہیں فیصلہ قرار دیا۔ مولانا غلام محی الدین اللیانوی کے الفاظ میں:

”اور خاندان گکوئیہ مافیہ کہ ان پر لکھو کہا رحمتہ الہیہ کے بادل برسیں، کے فتووں اور فیصلوں کا جو لاہور سے پشاور تک منفردہ چلتے تھے“۔ (بحوالہ غلط فیصلہ۔ مولانا سیف الرحمن بھلوال)

اقدامات:

حضرت مولانا ظہور احمد گکوئی نے افتاء کے کام کو باضابطہ بنانے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

- 1- فریقین اور سالکان سے نزاع میں تحریری درخواستیں۔
 - 2- تمام فتاویٰ اور استفتاء کا رجسٹر میں نمبر وار اندراج۔
 - 3- اندراج کے بعد فیصلے کی مصدقہ نقول کا اجراء۔
 - 4- درخواست ہا و بیانات، جرح و تعدیل اور دلائل و شواہد کے ریکارڈ کی کیس وار فائلیں۔
 - 5- حزب الانصار کا خصوصی مہر والہ پیڈ جس پر دارالافتاء رقم تھا۔
 - 6- دارالعلوم عزیزیہ کے سینئر مدرس کی بطور مفتی نامزدگی۔
 - 7- اہم مسائل میں تحقیق کے لیے دارالعلوم کے اساتذہ کی کونسل اور مذاکرہ۔
 - 8- زیادہ اہم اور پیچیدہ امور میں معاصر علماء اور مفتیوں سے مشاورت۔
 - 9- اہم اختلافی فیصلوں کی اشاعت اور تائید عام کی اہمیت۔
 - 10- شمس الاسلام میں تحقیق المسائل کے تحت مسائل اور اشکال کے جوابات کی اشاعت۔
- شمس الاسلام کے صفحات سے چند فتاویٰ بطور نمونہ درج ہیں:-

فتویٰ: اس بارے میں کہ طائفہ شیعہ (روافض) کے ساتھ سلسلہ مناکت و ازدواج حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کا قائم کرنا۔ اسی طرح ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونا یا ان کا ہمارے جنازہ میں شرکت کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔ بنیوا توجروا۔

الجواب: شرعی احکام کا استنباط اور ان کا معلوم کرنا اکثر اوقات فریق ثانی کے طرز عمل پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ حضرات شیعہ کا جو اعتقاد اور طرز عمل ہے اس کے لیے خود ان ہی کی تصریحات کافی ہیں۔ جامع عباسی جلد دوم ص 137 میں ہے: ”شیعہ کثیر سنی مرد پر حلال نہیں بلکہ حرام ہے“۔ دوسری تصریح ”شیعہ عورت سے سنی مرد کا نکاح حرام ہے“۔ (تحفۃ العوام ص 273 جامع عباسی جلد دوم ص 143 مفاتیح الجنان ص 113، رسالہ صیغ النکاح

ص 13، حلیۃ العرائس ص 25، رسالہ تنبیہ المکرین ص 26)۔ نماز جنازہ کے متعلق ان کا طرز عمل یہ ہے۔ ان کی کتاب تحفۃ العوام ص 138 میں ہے: ”اگر میت سنی اور خلاف مذہب ہو اور نماز بضرورت ادا کرنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے کہے اللہم اخز عبدک فی عبادک و بلادک اللہم اصلہ جرنادک اللہم اذقہ اشد عذابک (ترجمہ) اے خدا اس میت کو اپنے بندوں اور شہروں میں ذلیل و رسوا کر، اس کو نار جہنم میں جلا، اس کو سخت ترین عذاب دے۔“

جب گروہ شیعہ، حضرات اہل سنت کے ساتھ مناکت جائز نہیں قرار دیتے اور جنازہ کی ایسی توہین کرتے ہیں تو شرعی نقطہ نظر سے بھی اہل سنت مجبور ہیں کہ شیعہ کے ساتھ مناکت کو ممنوع قرار دیں اور شرکت جنازہ سے احتراز کریں۔ کیونکہ گروہ شیعہ نے حضرات اہل سنت کو کافر سمجھ کر اگر یہ حکم صادر کیا ہے اور ایسا توہین آمیز طرز عمل اختیار کیا ہے تو بموجب احادیث ذیل کے وہ خود کافر ہو گئے۔

ایما رجل قال لاخیه کافر فقد باء بها احدہما (متفق علیہ)

(ترجمہ) اپنے بھائی کو اگر کوئی کافر کہے تو ان میں سے ایک ضرور کافر ہوگا (یعنی کہنے والا اگر

دوسرا کافر نہیں ہے ورنہ دوسرا)

لا یرمی رجل رجلا بالفسق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان ثم لکن

صاحبہ کذلک۔ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) کوئی شخص کسی کو فسق اور کفر کے ساتھ مطعون نہیں کرتا لیکن وہ فسق اور کفر اسی پر ٹوٹتا ہے

جب کہ دوسرا فسق یا کافر نہیں ہے۔

جبکہ گروہ شیعہ، حضرات اہل سنت کو جو کہ اہل سنت ہونے کی بدولت خالص مسلم و مومن ہیں، کافر قرار دینے کی وجہ سے خود کافر ہو گئے۔ تو کافر سے تعلقات، مناکت و شرکت نماز جنازہ کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے اور ائمہ اربعہ کی کتب فقہ مرتدین کے ساتھ سلسلہ مناکت قائم کرنے کی ممانعت سے لبریز ہیں۔ لیکن اگر گروہ شیعہ نے بر بنائے کفر یہ حکم نہیں دیا ہے بلکہ اپنی قومی یا اجتماعی مصلحت کی بنا پر اس حکم کے صادر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں تو حکم آئینہ کریمہ اہل سنت بھی یہی حکم صادر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ آئینہ کریمہ یہ ہے:

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم
(تو جو تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے ویسی ہی زیادتی تم بھی اس پر کرو)

اس آئیہ کریمہ کی رو سے مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ ہر ایک قسم کی زیادتی کا بدلہ اسی نوعیت کی زیادتی کے ساتھ دے سکتے ہیں۔ پس جب کہ گروہ شیعہ نے اہل سنت کے ساتھ مناہت کو ناجائز قرار دے کر ان کی تذلیل و تحقیر کی ہے تو اسی طرح اہل سنت کو (علاوہ حمیت و جذبہ غیرت) شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ گروہ شیعہ کے ساتھ مناہت کو ممنوع قرار دے کر ان کی تذلیل و تحقیر کریں۔ اور جس طرح انہوں نے تعلقات شادی و غمی کو توڑا ہے اہل سنت بھی ان تعلقات کو قطع کر دیں۔ یہ حکم گروہ شیعہ کی تفسیق و تکفیر سے قطع نظر کر کے ان کی تصریحات کی بنا پر دیا گیا ہے۔ اور مسئلہ تکفیر یا تفسیق کو اس وجہ سے دخل نہیں دیا گیا کہ اس عہد کے عام مسلمان خصوصاً تعلیم یافتہ گروہ کفر کرنے کو اس قدر قبیح نہیں سمجھتا جس قدر کفر کہنے کو قبیح سمجھتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک کفر کرنا اس قدر قبیح نہیں ہے جس قدر کفر کو کفر کہنا قبیح ہے۔ اسی طرح خیار امۃ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر یا تفسیق پر اس قدر برہم و چراغ پائیں ہوتا جس قدر ان کی تکفیر یا تفسیق کرنے والے فرقے (گروہ شیعہ) کی تکفیر یا تفسیق پر برہم یا چراغ پاتا ہے۔ گویا حضرات صحابہ سے بڑھ کر ان کے نزدیک اس عہد کے نوخیز اور نوپید فرقوں کا اعزاز و احترام ہے ورنہ بے شمار دلائل و تصریحات کا ایک وسیع دفتر موجود ہے جس کی رو سے گروہ شیعہ کا نہ صرف یہ کہ کفر ثابت ہے بلکہ ان کے تمام مخصوص عقائد کی بنیاد کفر پر قائم ہے۔ ملا علی قاری نے تو ان کے کفر پر اجماع نقل کیا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں ہے:

و هذا (ای عدم التکفیر) فی حق غیر الرافضة الخارجة فی زماننا
فانهم یعتقدون کفرا کثرا لضحاته فضلا عن سائر اهل السنن
والجماعت فهم کفرة بالا جماع بلا نزاع.

(اہل اہوادوسرے فرقوں کے لیے (جو رافضہ) کے علاوہ ہیں، حکم کفر سے احتیاط ہے لیکن اس عہد کے رافضی (جن کا اعتقاد یہ ہے کہ اکثر صحابہ کافر تھے۔ چہ جائیکہ اہل سنت) بالاتفاق قطعی طور پر کافر ہیں۔)

باوصف ان جلیل تصریحات کے عدم مناہت شیعہ و عدم شرکت نماز جنازہ کی بنیاد خود ان ہی کی تصریحات

پر قائم کی گئی تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تکفیر سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی شرعی نقطہ نظر سے ان کے ساتھ شادی وغنی کے تعلقات قائم کرنا حرام ہے۔ ان کی عدم تکفیر پر جب یہ عالم ہے تو تکفیر کا کیا ذکر

منحصر مرنے پر ہو جس کی امید
نا امیدی اس کو دیکھا چاہیے

واللہ اعلم بالصواب

حررہ الفقیر ظہور احمد گوی

خطیب و متولی مسجد جامع بھیرہ

الجواب صحیح

فقیر معین الدین کان اللہ

نائب صدر جمعیت العلماء ہند

حوالہ جریدہ شمس الاسلام مارچ، اپریل 1931ء۔ ص: 38-41

استفتاء: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں کہ نماز بغیر دستار، ٹوپی سے مذہب حنفیہ میں بلا کراہت جائز ہے یا مع کراہت؟ اور اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ بینوا توجروا۔

الجواب و هو ملہم الحق والصواب: نماز ٹوپی کے ساتھ پڑھنا مذہب حنفیہ میں بلا کراہت جائز

ہے۔ اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

وجہ اول: حضور اقدس ﷺ کی عادت شریف اس معاملہ میں مختلف تھی۔ کبھی صرف دستار، کبھی دستار مع کلاہ۔ اور کبھی ٹوپی بغیر دستار مبارک پر رکھا کرتے تھے۔ اس کا ثبوت کتب احادیث میں بکثرت موجود ہے۔ اس جگہ تھوڑا بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ صاحب در المختار و رد المحتار نے لکھا ہے: و صح انہ علیہ السلام بسھا۔ کذا فی بعض النسخ و مثله فی دار المنتقی ای لبس القلانس و قد رواہ المصنف والذیلعی الی الذخیرة و بعض النسخ و صح انہ لبسھا ای قلانس الحریر والہذہب۔ اور صاحب سفر السعادت لکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ ازارہائے پوشیدہ و گاہے عمامہ بے کلاہ و گاہے کلاہ و گاہے بے عمامہ۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور شوکانی نے نیل الاوطار میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عمامہ رکھنا حالت نماز میں یا خارج از نماز سنت موکدہ نہیں ہے۔ بلکہ موجب افضلیت ہے نہ کہ کراہت۔ بلکہ محدثین مذکورہ کی روایات سے عمامہ اور ٹوپی میں مساوات ثابت ہوتی ہے۔ گویا

بعض احادیث سے دستار کی کلاہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مگر کراہت ہرگز ثابت نہیں۔
 وجہ دوم: اصحاب متون معتبرہ و شروح مشتملہ میں سے کسی نے بھی صراحتاً اشارہ اس مسئلہ میں نماز کی کراہیت کا ذکر نہیں کیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک یہ فعل یعنی نماز کا ٹوپی سے ادا کرنا غیر مکروہ بلکہ مباح ہے۔
 وجہ سوم: فقہاء کرام نے عدم کراہت کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ امینیہ میں لکھا ہے کہ نماز با کلاہ مکروہ نیست باتفاق۔ بلکہ صاحب خزینۃ المسلمین نے اس کی زیادہ تفصیل کی ہے۔ اس نے لکھا ہے: الامامة مع القلنسوة لیس بمکروہ ہکذا فی الواقعات مطلقاً سواء کانت العمامة موجودہ اولاً۔
 وجہ چہارم: متفق علیہ فقہاء است دیکرہ الصلوۃ تحاسرا الراسہ الا تذلاً۔ پس ازیں قید معلوم شد کہ در صورت عدم برہنگی خواہ دستار باشد یا با کلاہ، جائز با کراہت است۔

وجہ پنجم: صاحب منیہ نے لکھا ہے: والمستحب فی ثلاثة اثواب ازار و قمیص و عمامة اور عالمگیریہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ اور صاحب کبیری نے اس کی شرح میں لکھا ہے: ولو فی ثوب واحد متوشمابہ جمیع بدنہ کما یفعله القساء فی المقصورة جاز من غیر کراہة مع تیسر وجود الثوب الطاهر الزاهد۔
 پس اس عبارت سے صاف طور پر عدم کراہت صلوٰۃ بغیر عمامہ ثابت ہے۔ اور جب کہ نماز ایک جامہ متوشمہ سے مکروہ نہیں تو تین جامہ یعنی ازار، قمیص و ٹوپی سے کیوں کر مکروہ ہو سکتی ہے؟ اس عبارت سے بھی اگر کسی کی تسلی نہ ہو سکتی ہو تو مزید اطمینان کی غرض سے صاحب فاتحہ کا شرح قدوری سے قول کیا جاتا ہے جو اس عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

المستحب فی و عن محمد ان المستحب ان یصلی فی ثوبین ازار و ردا۔ اما الجائز فواحد یتوحش بہ ای یحصل بہ ستر العورة او قمیص و بعد الی ان قال والمکروه و هو ان یصلی فی ازار واحد فقط و فی الجلالی اعلم ان المسنون الرجل ان ازار و قمیص و یلقى ما یشتمل عامۃ حسدہ فلوصلی فی السراویل کرہ انتھی ملخصاً۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عمامہ کا نماز کے وقت سر پر باندھنا مستحبات سے بھی نہیں ہے۔ پس یہ سنت کیسے ہو سکتا ہے۔ اب اہل انصاف کو غور کرنا چاہیے کہ نماز بغیر دستار کے کیسے مکروہ ہو سکتی ہے جب کہ ترک دستار غیر مکروہ ہے۔ اور بغیر کلاہ ننگے سر مکروہ ہے پس ثابت ہوا کہ ٹوپی سے مکروہ نہیں ہے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب

حورہ الفقیر راجی رحمة و بہ الصمد

ظہور احمد گوی کان اللہ متوطن بلدہ بھیرہ، پنجاب

(بحوالہ شمس الاسلام اپریل 1932ء ص 13-15)

حرمت مصاہرہ پر مباحثہ اور مناظرہ

حضرت مفتی رتوی سے اختلاف

اسلامی فقہ میں حرمت مصاہرہ ایک معروف اور متفقہ مسئلہ ہے۔ بعض اوقات کسی خاص واقعہ کی تفصیلات بیان کرنے میں جو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس کی بنا پر فقہیہ یا مفتی کا فیصلہ مختلف اور متنازع بن جاتا ہے۔ غالباً 1926ء کا واقعہ ہے جب موضع ٹھٹھی جنگا علاقہ چکوال ضلع جہلم کے ایک شخص مسمی سلطان کی بہو پر مولانا مفتی عطا محمد رتوی نے حرمت مصاہرہ عائد کر دی۔ فیصلہ غیر معمولی تھا۔ بات پھیلتی چلی گئی۔ جب مولانا ظہور احمد بگویی کے پاس یہ معاملہ پیش ہوا تو زمینی صورت حال مختلف بیان ہوئی۔ اس کے مطابق مولانا بگویی کا فیصلہ مفتی صاحب کے فیصلے سے مختلف اور اختلافی تھا۔ چنانچہ مولانا بگویی اور ان کے ہم نوا علماء نے درج ذیل استفتاء کیا:

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مفتی عطا محمد صاحب رتوی نے مطلق مس پر حرمت مصاہرہ کا حکم لگا دیا ہے، جیسا کہ ان کے فیصلہ کی نقل سے ظاہر ہے۔ کیا ایسا فیصلہ واجب العمل اور درست ہے۔ بینو و تو جروا“۔

فتویٰ: استفتاء مولانا محمد اسحاق مانسہری اور عبدالرحیم سیکرٹری مجلس خلافت راولپنڈی کے دستخطوں سے جاری ہوا۔ مولانا مفتی عطا محمد رتوی کے فیصلے کے خلاف جن علماء نے تردید کی اور تائیدی دستخط کیے، ناظم مجلس خلافت ضلع راولپنڈی کی جانب سے جہازی سائز کے اشتہار (مطبوعہ گروہر سٹیم پریس ہسپتال روڈ لاہور) میں ان کے نام یہ ہیں:-

- + مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند
- + مولانا مفتی کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ و صدر جمعیت علماء ہند دہلی
- + مولانا محمد شفیع مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب مرحوم دہلی
- + مولانا غلام محمد مقیم گولڑہ شریف امام مسجد حضرت قبلہ عالم صاحب مدظلہ،
- + مولانا محمد عبدالحق بزاروی صدر مدرس مدرسہ احیاء العلوم راولپنڈی
- + مولانا وحید حسین مدرسہ امینیہ دہلی
- + مولانا محمد زردی پشاور
- + مولانا عبدالرؤف سکنہ کھڑی پشاور
- + مولانا محمد یوسف جلالوی

- + مولانا ازغور غشتی
 + مولانا فضل الرحمن سکنتہ گار ضلع پشاور
 + مولانا عبدالقدیر سکنتہ تور ڈہر
 + مولانا سعد الدین جلالوی
 + مولانا فضل شاہ از ڈریالہ
 + مولانا احمد سعید ناظم جمعیتہ العلماء ہند دہلی
 + مولانا ولایت احمد دہلی
 + مولانا محمد رسول خان مدرس دارالعلوم دیوبند
 + مولانا گل احمد غور غشتی
 + مولانا عبدالحق غور غشتی
 + مولوی محمد یونس دھموڑی علاقہ ہزارہ
 + مولانا قاضی محمد اعظم میر پوری (ہزارہ)
 + مولوی محمد ایوب الانصاری از توہال (ہزارہ)
 + مولانا محمد جعفر جاو لیوالہ
 + مولانا محمد نصیر الدین بفقہ (ہزارہ)
 + مولوی شاہ حسین
 + مولانا عبدالاحد خان پوری
 + مولانا ابوالحمود ٹمن
 + مولانا محمد عبدالحنان کامل پوری مدرس مدرسہ چکوال
 + مولانا محمود سکنتہ گار ضلع پشاور
 + مولانا سلطان محمود مدرسہ فتح پوری دہلی
 + مولانا عبداللہ خان جلالوی
 + مولانا احمد الدین جیالوی
 + مولانا خدابخش (بھیروی) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
 + مولانا شبیر احمد عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند
 + مولانا احمد علی صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم لاہور
 + مولانا محمد قطب الدین غور غشتی
 + ملا باجوڑ
 + مولانا عبدالکریم متصل بازار قصہ خوانی پشاور
 + مولوی محمد ہمایوں سلطان پوری (ہزارہ)
 + مولانا عبدالرحیم ارکھن (ہزارہ)
 + مولانا عبدالکریم جلالوی
 + مولوی حافظ گلاب خان از خرم (ہزارہ)
 + مولوی فضل الرحمن نزیل راو پینڈی
 + مولانا محمد نعیم خطیب جامع مسجد راو پینڈی

فتویٰ دربار عالیہ سیال شریف:

درج بالا علماء کی تائید و توثیق کے بعد سیال شریف کی طرف سے جاری کردہ فتویٰ کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے چوکھٹوں میں مندرجہ ذیل علماء کے دستخط ہیں۔

- + مولانا احمد الدین کانگوی، مفتی دربار عالیہ سیال شریف
 + مولانا محمد حسین سجادہ نشین مرولیا نوالہ شریف
 + مولانا غلام محمد
 + مولانا قاضی سید رسول سکنتہ موہڑہ قاضیاں

+ مولانا ظہور احمد گوی خطیب و متولی جامع مسجد بھیرہ + مولانا محمد جعفر چاولیوالہ حال مقام کریالہ + ”یہ فتویٰ مولوی احمد دین صاحب مفتی دربار سیال شریف نے مرتب کر کے فقیر کو پیش کیا۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے نافذ کرنے کی سفارش کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ صحیح ہے اور قابل عمل ہے۔“ (الراقم) حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی سجادہ نشین دربار عالیہ سیال شریف

تائید مزید:

اشتہار پر مزید 20 علماء کے نام اور مختصر تائیدی عبارات بھی درج ہیں۔ اشتہار کے آخر میں گزارش کی گئی ہے۔ اب ہم آخر میں مفتی (مولانا عطا محمد رتوی) سے استدعا کرتے ہیں کہ درگاہ الہی میں توبہ کریں برز و قیامت حمایت کام نہ آئے گی۔

باز آہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گرت پرستی باز آ
ایں درگہ مارا گہ نا امید نیست صد بار گر توبہ شکستی باز آ

بھیرہ میں مذاکرہ:

جیسا کہ مذکور ہوا، مسئلے کی شرعی حیثیت وہی ہے جو فقہانے طے کر دی ہے۔ اختلاف لفظی بالعموم بیان کردہ شواہد اور نظائر کے استخراج پر ہوتا ہے۔ دونوں طرف سے جہازی اشتہارات، پمفلٹ، تقریریں اور بیانات جاری ہوتے رہے، پہلے چکوال میں مناظرہ ہوا ایک طرف مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور دوسری طرف مولانا کریم الدین آف بھیرہ مقابلے میں تھے۔ جنوری 1927ء میں حضرت خواجہ ثالث سیالوی علاقے میں موجود تھے۔ موضع بھون کے مجمع عام میں مولانا ظہور احمد گوی نے سیال شریف کا محولہ بالا فتویٰ پڑھ کر سنایا مگر معاملہ ختم نہ ہوا۔ 6 مئی 1927ء کو بھیرہ میں بمقام جامع مسجد مناظرہ طے پایا۔ اس موقع پر یہ علماء ثالث مقرر تھے۔

(1) حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (ثالث اور حکم) (2) مولانا ابوالقاسم محمد حسین آف کولوتار

(3) مولانا عبداللہ دیوبندی

آخری اور قطعی فیصلہ:

6 مئی 1927ء کو جمعہ کا دن تھا۔ مولانا ظہور احمد گوی نے بہت بڑے مجمع میں زبردست اور مدلل تقریر فرمائی۔ مولانا مفتی عطا محمد رتوی مع ڈیڑھ درجن علماء اور محترم صاحبزادہ محمد مقبول الرسول سجادہ نشین اللہ شریف گوی بھیرہ میں موجود تھے مگر انہوں نے کوئی تردیدی یا مخالفانہ جلسہ نہ کیا۔ دوسرے دن مفتی صاحب مع ہمراہی علماء

جامع مسجد گئے اور بعد نماز ظہر بند کمرہ میں مولانا ظہور احمد بگویی سے ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ کمرہ میں سوائے ثالث و حکم کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔ بعد نماز مغرب چھ سات سو آدمیوں کے سامنے مولانا عبدالشکور لکھنوی نے بحیثیت حکم و ثالث یہ اعلان کیا کہ مفتی صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور وہ اس مضمون کی تحریر چکوال سے لکھ کر بھیج دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس لیے اب ان کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں رہا۔

(بحوالہ اشتہار مطبوعہ لکشمی آرٹ سنیم پریس راولپنڈی
از ناظم جماعت حنفیہ بھیرہ ضلع شاہ پور)

دستخط کنندگان اشتہار:

- | | |
|--|--|
| □ مولانا محمد قاسم صدر مدرس مدرسہ دینیہ محمدیہ محلہ پیر اعظم شاہ | □ مولوی محمد شفیق بیڈ ماسٹر نڈل سکول چک 10 |
| □ مولانا فضل حسین سجادہ نشین اللہ شریف | □ مولوی فضل حمید بیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول بھیرہ |
| □ مولانا قاسم نور و اعظا اسلام اللہ شریف | □ مولانا محمد امام الدین واعظ اسلام کندوال |
| □ حافظ محمد رفیق امام مسجد بلوچاں والی | □ مولوی احمد دین خطیب امام چک 7 |
| □ میاں محمد اشرف اعوان خادم درگاہ حضرت میراں صاحب | □ حافظ فضل حق و مولوی نور احمد میلو والی |
| □ میاں فضل داد امام مسجد تیلیا والی | □ مولوی حبیب اللہ امام مسجد ٹاہلی والی |
| □ مولانا محمد نصیر الدین بگویی (سمندری) | □ مولوی غلام احمد سکندہ میانی |
| □ صاحبزادہ مولوی مختار احمد بگویی سجادہ نشین بھیرہ | □ مولانا محمد یحییٰ بگویی (سرگودھا) |
| □ جناب سیٹھ محمد رحیم پراچہ و رئیس | □ جناب منشی غلام رسول ٹھیکے دار و مالک کارخانہ خشت |
| □ جناب صدر الدین پراچہ | □ جناب حافظ محبوب عالم پراچہ |
| □ جناب غلام صدیقی پراچہ | □ جناب فضل احمد پراچہ |
| □ ڈاکٹر ایم سکندر خان جہیم انصاری ایم بی۔ ایچ ایم بی | □ جناب میر احمد پراچہ بھیرہ |
| □ رئیس الاطباء جناب حکیم فضل احمد زمیندار | □ جناب شیخ عبدالکریم رئیس اعظم شیخ لوک |
| □ جناب غلام محمد نمبردار | □ جناب حکیم محمد عبدالجلیل |
| □ جناب فضل کریم | □ جناب محمد صدیق میجر سگر کمپنی ایجنسی |

- شیخ علی محمد گورنمنٹ پشتر
□ مستری فضل الہی نظام آبادی
□ ملک غلام محمد اعوان
□ حافظ محمد رمضان نیار محلہ پراچیاں والہ
□ جناب محمد عبدالرحیم پراچہ نمبردار
□ محمد مالک کنٹھیل پولیس
□ میاں محکم دین ولد احمد دین خواجہ مہتہ
□ جناب آفتاب احمد مدرس اسلامیہ سکول
□ جناب غلام فرید سکنہ خیر کوٹ
□ ماسٹر محمد بخش منڈی بھلوان
□ جناب سیٹھ محمد عمر خوجہ گورواڑہ تاجر
□ مستری خدا بخش محلہ عطاراں
□ مستری حاجی محمد رمضان
□ جناب فضل دین ولد سلطان محمود صاحب
□ جناب خواجہ حافظ نور محمد سوداگر
□ جناب محمد صدیق
□ شیخ محمد صدیق ولد شیخ زین العابدین صاحب
□ جناب حاجی مولاداد مقیم بھیرہ
□ جناب خواجہ کرم الہی مدرس اسلامیہ سکول
□ جناب اللہ دتہ چشتی مالک کارخانہ چشمہ شفاء
□ جناب ملک محمد عاصم خان ویلکسی نیٹر بلدیہ بھیرہ
- خواجہ فضل حق گورواڑہ نمبر مرچنٹ بھیرہ
□ سائیں فضل دین صاحب قادری سجادہ نشین کراچی
□ ملک کرم دین اعوان
□ حاجی مستری عبداللہ صاحب
□ میاں فتح محمد ولد محمد سردار محلہ حاجی گلاب
□ جناب محمد دین تاجر کتب
□ جناب نذیر احمد ولد محی الدین کوٹلی پیراں ضلع گجرات
□ جناب سردار خان محکمہ زراعت
□ جناب امام دین ولد میاں قطب محلہ پراچیاں والہ
□ جناب محمد حیات پوسٹ مین
□ جناب خواجہ محمد امین روڑ ولد میاں غلام رسول صاحب
□ جناب محمد صدیق ولد غلام محمد نقشہ نویس میونسپل کمپنی بھیرہ
□ جناب خواجہ محمد امین سیٹھی بارود ساز
□ جناب خواجہ فضل کریم
□ جناب میاں محکم دین ولد کرم دین صاحب
□ جناب محکم دین بھٹ
□ جناب غلام زید ولد ملک لال دین صاحب پلندر
□ جناب فضل الہی ولد میاں فتح دین
□ فٹشی محمد رمضان مدرس اسلامیہ سکول
□ جناب حافظ محمد امین محرر چوگی
□ جناب جعفری

- جناب حافظ محمد بخش دندی
- مولوی محمد عالم ولد امام الدین صاحب
- جناب قاضی مقبول الہی
- جناب محمد امین ولد میاں محمد گل خواجہ
- جناب سراج دین مستری دوکاندار
- جناب قائم دین ولد چمن دین قصاب
- خان محمد یعقوب خان رئیس کبہ
- جناب غلام رسول قصاب
- جناب فتح محمد بھٹی
- جناب شیخ صاحب دین منجم و جفار
- حافظ مولوی نظام الدین سر وہ مدرس تعلیم القرآن و امام مسجد قاضیاں
- مولوی عبد المجید مدرس اسلامیہ سکول و امام مسجد بھٹیاں والی ماڑی
- جناب قاضی محمد صدیق بی اے، ایس ای ایم گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ
- جناب عبدالرحمن قریشی محلہ پیر اعظم شاہ وغیرہ۔

ثالثی انجام:

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ مولانا بگویی نے ایک شرعی مسئلے پر کس طرح تحقیق کی اور علماء کو یکجا کیا۔ عوام کو کیسے ایک دینی اور سماجی معاملے میں شریک فہم کیا اور بالآخر کتنی خوش اسلوبی سے خالص علمی سطح پر ایک عظیم المرتبت عالم دین کے ذریعے معاملے کو طے کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ پنجاب کی دیہاتی زندگی میں یوں حرمت مصامرہ نافذ ہونے لگے تو سارا سماجی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ ضروری تھا کہ غلطی کا فوری سدباب ہو اور نکاح جیسے اہم اور بنیادی ادارے کا تحفظ کیا جائے۔

جامع مسجد بھیرہ

یہ عظیم الشان عمارت بہت عرصہ پہلے تعمیر ہوئی تھی۔ ایک مشہور بلکہ علاقہ میں زبان زد عام روایت کے مطابق اس کی بنیاد سلطان ہند شہنشاہ شیر شاہ سوری مرحوم (957ھ/1550ء) نے رکھی تھی۔ مگر تاریخ، آثار اور اشتهال سے کہیں اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ تاہم امتداد زمانہ سے اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ جب اللہ کے فضل اور نبی اقدس ﷺ کی بشارت پر اس کے احیا اور تعمیر نو کی سعادت حضرت مولانا قاضی احمد الدین بگویی کو حاصل ہوئی۔ آپ کے عہد انتظام میں اور بعد ازاں مولانا عبدالعزیز بگویی، مولانا محمد ذاکر بگویی اور مولانا محمد یحییٰ بگویی کے زمانہ تولیت میں جو تعمیری اور ترقیاتی اضافے ہوئے، ان کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ مکمل تفصیلات جامع مسجد بھیرہ کے عنوان کے تحت تذکار بگوییہ جلد دوم میں ملیں گی۔

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کے زمانہ امارت و تولیت (1925ء تا 1945ء) کے دوران جامع مسجد کے درج ذیل تعمیری اور ترقیاتی کام ہوئے۔

(1)۔ عمومی مرمت بار چہارم در 1345ھ/1927ء

- | | |
|----------------------------|-------------------------------|
| ☆ مسجد کے اندر نئی محرابیں | ☆ جنوبی گنبد کی مکمل تعمیر |
| ☆ مسجد کی چھت کا پلستر | ☆ مسجد کی دیواروں کی مرمت |
| ☆ مسجد کے سامنے کا پلستر | ☆ پانی کے حوض کی تعمیر و مرمت |
| ☆ جنازہ گاہ کی دیوار | |

(2)۔ تکمیل ڈیوڑھی صدر دروازہ مسجد

قطعہ۔

کرد مولانا محمد یحییٰ با صدق و صفا چونکہ اس دہلڑا با حسن و خوبہا بنا
گفت مولانا ظہور احمد معینش اندرو حق دہد ہر دو برادر را خیر الجزا
کرد فکر از بہر تاریخ بنا عبدالرسول گفت دل دہلیر بین با مسجد احسن خوشنا

مولانا حکیم عبدالرسول نقشبندی بکھر بار (شاہ پور)

(3) - تعمیر دارالایتام در 1355ھ / 1936ء

جس میں طلبہ کے رہائشی کمرے اور اساتذہ کے لیے حجرے شامل ہیں۔

قطعہ۔

حضرت مولوی ظہور احمد۔ عالم و فاضل و نکو کردار
 بہر روح شہید مولانا۔ مولوی نصیر الدین مختار
 کرد آباد ایں اطاق بلند۔ خوبصورت چون صورت دلدار
 بہرجان عزیز درویشاں۔ بہر آرام مفلس و نادار
 خاص ایں خانہ وقف خیرات است۔ حق تعالیٰ کند قبول ایں کام
 سال تاریخ گڑھی خواہی۔ روئے خود را بجانب من آر
یادگار از ظہور کن تحریر۔ سال تعمیر بر سر دیوار
 1355ھ

(4) - طلبہ کے لیے شاندار آڈی ٹوریم ہال

(5) - حزب الانصار کے دفاتر، کانفرنس روم اور دارالمبلغین کی تعمیر

(6) - جدید غسل خانوں کی تعمیر

(7) - 1250 گیلن پانی کے لیے مضبوط اور محفوظ ٹینکی

(8) - کتب خانہ کی عظیم الشان عمارت کی تعمیر اور کتابوں کے لیے خصوصی اور جدید چوبلی الماریاں

(9) - تعمیر لنگر خانہ برائے طلباء و مہمان

(10) - امیر مجلس اور خطیب مسجد کے لیے رہائشی کمرے

کتب خانہ عزیز یہ بھیرہ

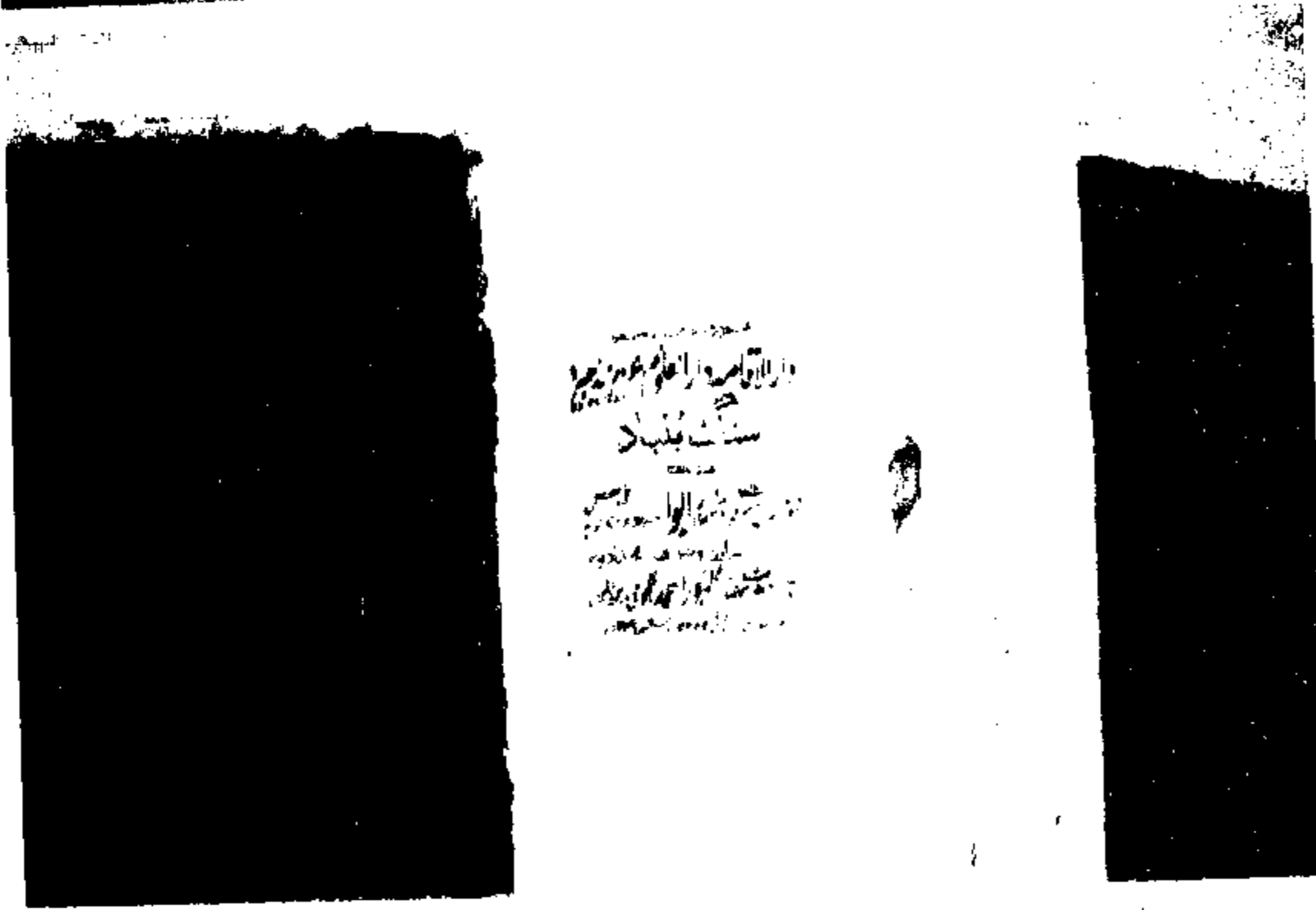
خاندانِ گویا کے ہر بزرگ عالم کے پاس جہاں قرطاس و قلم ان کی نشست کا لازمہ رہا ہے وہاں سب کے پاس ذاتی کتابوں کا معقول ذخیرہ بھی رہا ہے۔ کچھ کتابیں طلبہ کے استفادے اور پڑھانے کی ہوتی تھیں اور کچھ

علمی اور ریفرنس کتابیں ذاتی مطالعے اور علمی اشکال اور مشکلات کے حل کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ حضرت مولانا ظہور احمد گبوی نئے دور میں کتابوں اور کتب خانے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھے۔ مجلس کی ابتدائی دستاویزات میں اس امر کا تذکرہ بار بار ملتا ہے۔ مجلس حزب الانصار کے مقاصد کی تکمیل اور اہداف کا حصول کتابوں کے بغیر تو ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ کتب خانہ کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے آپ نے درج ذیل اقدامات کیے۔

اقدامات:

- 1- حضرات مولانا غلام محی الدین گبوی، مولانا احمد الدین گبوی، مولانا غلام محمد گبوی، مولانا عبدالعزیز گبوی اور مولانا محمد ذاکر گبوی کی کتابوں کو ڈھونڈا اور یکجا کیا۔
 - 2- تمام کتابوں کو وقف کیا اور کتب خانہ عزیز یہ نام رکھا۔ جس کے لیے جدید عمارت اور الماریاں بنوائیں۔
 - 3- ایک وسیع اور کشادہ ہال کولابہریری میں تبدیل کیا۔
 - 4- لائبریری میں بیٹھنے اور کام کرنے کے لیے خصوصی ڈیسک اور خصوصی روشنی کا انتظام کیا۔
 - 5- لائبریری میں اعلیٰ قسم کی لکڑی سے نفیس ترین اور جدید ترین الماریاں بنائیں۔ ان الماریوں اور کتابوں کو دیمک سے بچانے کے لیے ان کے درمیان میں، پیچھے اور نیچے جگہ رکھی تاکہ ہوا کا گزر ہوتا رہے۔
 - 6- تمام کتابوں کی علیحدہ کیٹلاگ کی اور الگ سے مطبوعہ کالموں والہ سٹاک رجسٹر بنایا۔
 - 7- ہر فن اور ہر موضوع کی کتابیں الگ الگ رکھیں تاکہ تلاش آسان ہو۔
 - 8- کتابیں محض آرائش کے لیے نہ تھیں، مولانا خود اور ان کے رفیق علماء کتب خانہ سے آسانی اور فراوانی سے استفادہ کرتے تھے۔ اور مطالعہ کے لیے دوسروں کو تحریک کی جاتی تھی۔
 - 9- کتابوں میں برابر اضافہ ہوتا رہتا۔ اندرون ہند، ہر سفر سے مراجعت پر نئی کتابیں ضرور آتیں۔ ان کتابوں میں ملکی اور غیر ملکی خصوصاً مصر اور بیروت کی مطبوعات اور جدید اردو عربی تصانیف شامل ہوتیں۔
 - 10- کتابوں کے ساتھ ساتھ مولانا نے رواں اور معاصر رسائل اور جرائد کی الگ الگ جلد بندیاں کیں۔
- (مخطوطات کی فہرست اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے 'تذکار گبویہ' کی جلد دوم)

(تصویر دارالاقامہ)



دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ

حضرت مولانا احمد الدین بگویی (1803-1869ء) دہلی میں تکمیل حدیث کے لیے اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا غلام محی الدین بگویی (1788-1857ء) کے ہمراہ گئے اور غالباً 1825ء میں وطن واپس لوٹے۔ ان دونوں بزرگوں کی محنت اور لیاقت سے بگہ شریف اور لاہور کے علمی اور دینی مراکز تعلیم آباد ہوئے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین بگویی کی وفات (1857ء) کے بعد حضرت مولانا احمد الدین بگویی پہلے لاہور قیام پذیر رہے اور پھر بھیرہ منتقل ہو گئے۔ ان کا ابتدائی قیام شہر بھیرہ کے رئیس اعظم شیخ غلام حسن مرحوم کے پاس محلہ شیخانوالہ میں تھا، جہاں مسجد میں طلبہ کے اسباق ہوتے تھے۔ جامع مسجد بھیرہ کی تعمیر نو اور احیاء سے قبل دارالعلوم کا آغاز البتہ 1860ء میں ہوا۔

تجدید و توسیع مدرسہ:

حزب الانصار کے تاسیسی مقاصد میں سے ایک، علوم دینیہ کی تعلیم و اشاعت ہے۔ چنانچہ بانی امیر نے تشکیل جماعت کے بعد سب سے پہلے جامع مسجد بھیرہ میں قائم دارالعلوم کی تجدید، توسیع اور ترقی کے لیے درج ذیل اقدامات کیے۔

- 1- فاضل اور ماہر اساتذہ کی تلاش، تقرری اور خدمات سے استفادہ۔
- 2- نصاب تعلیم میں مناسب اضافے اور ضرورت زمانہ کے مطابق تبدیلیاں۔
- 3- طلباء کے انتخاب میں مناسب معیار کا لحاظ اور داخلے کا نظم۔
- 4- طلباء کے تعلیمی قیام (Residency) کے لیے تمام بنیادی اور ضروری سہولیات کی مفت اور باقاعدہ فراہمی کا انتظام۔
- 5- وقت کے تقاضوں کے مطابق:
 - ا۔ نئے تعلیمی، تبلیغی اور نصابی کورسز کا اجراء۔
 - ب۔ معاشی خود کفالت کے لیے دستکاریوں کی تربیت اور ترغیب۔
 - 6- طلبہ کی لسانی تربیت کے اصلاح البیان اور تبلیغی نصاب۔

- 7- سخت ڈسپلن، تحریری فرائض و نظم الاوقات، روزانہ حاضری اور دفتری امور میں دستاویزیت کا آغاز۔
- 8- طلبہ اور اساتذہ میں مسلک اعتدال و اصلاح اور صلح بین المسلمین کا رواج اور عملی مظاہرے۔
- 9- چندوں اور در یوزہ گری سے اجتناب اور طلباء کے اعلیٰ اخلاق اور عزت نفس کے لیے مضبوط اقدامات۔
- 10- اعلیٰ لائبریری میں کتابوں کے مطالعہ اور شمس الاسلام میں لکھنے کی حوصلہ افزائی۔

حزب الانصار، مولانا کے عزائم اور خواہشات بلکہ خوابوں کی آئینہ دار ہے۔ دین کی حفاظت، خدمت اور اشاعت کے لیے جس قسم کے عالم انہیں درکار تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت اور تراش خراش کے لیے وہ پوری طرح بیدار اور مصروف کار تھے۔ چنانچہ انہوں نے زمانے کے حالات کے مطابق نصاب اور تربیتی نظم میں دور رس تبدیلیاں کیں تاکہ طلبائے علوم دینیہ جدید اور قدیم دونوں علوم و فنون سے بہرہ ور ہو کر عالم دین، مدرس، مبلغ، مناظر، واعظ، حافظ اور دینی قلمکار کے ساتھ علم و عمل کے دھنی بنیں۔ وہ عوام کی ہدایت اور دین کی تقویت کا باعث ہوں۔ بحمد اللہ دارالعلوم اپنی قدیم اور بیش بہا علمی اور دینی خدمات کی بنا پر برصغیر کے مدارس میں السابقون الاولون کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر خصوصیت یہ ہے کہ خالص حنفی مسلک، افراط و تفریط سے پاک اور سلف صالحین کے طریقہ و مشرب کا گہرا رنگ جمانے کی موثر مساعی بھی جاری رہیں۔

باقاعدہ نام:

بھیرہ کا مدرسہ عربیہ اسلامیہ پہلے مختلف ناموں سے پکارا اور پہچانا جاتا تھا۔ مولانا ظہور احمد بگویی نے نشاۃ ثانیہ میں اس کا باقاعدہ اور سرکاری نام استاذ الاساتذہ مولانا عبدالعزیز بگویی کے حوالے سے دارالعلوم عزیز یہ رکھا۔

نصاب:

آغاز میں درس نظامی کے ساتھ چہار سالہ نصاب التجلیل بھی تجویز کیا گیا تھا۔ جس میں 4 سال کی قلیل مدت میں اوسط قابلیت کے طالب علم کو فارسی نظم و نثر، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ہیئت و اقلیدس، فن مناظرہ، فقہ و حدیث، تفسیر و معانی وغیرہ جملہ علوم میں اچھا درک پیدا ہو سکے گا (ش 1 جنوری 1930ء) 26 سے زائد طلبہ زیر تعلیم تھے۔ جن میں سے 15 کی خوراک و رہائش کے مصارف انتظامیہ کے ذمہ تھے۔ پہلے درجے میں قرآن مجید کے حفظ کا انتظام تھا۔ دوسرے درجے میں وہ طالب علم داخل کیے جاتے تھے جو کم از کم اردو نوشت و خواند سے واقف ہوں اور قرآن پڑھ سکتے ہوں۔ نصاب التجلیل ایسے طلبہ کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ تیسرے درجے میں وہ طلبہ داخل کیے جاتے تھے جو مروجہ درس نظامی کی تکمیل کا ارادہ رکھتے ہوں۔ (شمس الاسلام، ستمبر اکتوبر 1930ء۔ ص 2-3)

نصاب التجلیل:

اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

سال اول: ترجمہ نماز اور شش کلموں کا۔ کریم۔ مصدر فیوض۔ پند نامہ عطار۔ گلستاں (دو باب) بوستان (تین باب معہ دیباچہ) مالا بدمنہ۔ فارسی سے اردو اور اردو سے فارسی ترجمہ کرنا۔ حساب میں سے پہاڑہ۔ ہندسہ: جمع و ضرب و تقسیم و تفریق سادہ و مرکب۔ خوشخطی کی مشق۔ مضمون نویسی وغیرہ۔

سال دوم: پنج گنج مع ابواب (صیغہ شناسی و تعلیلات) نحو میر۔ مایہ عامل حفظ، ہدایت الخ۔ قدوری کامل۔ مرقات۔ تلخیص المفتاح۔ اصول شاشی۔ ترجمہ قرآن شریف نصف اول۔ مضمون نویسی و تقریر کی مشق۔

سال سوم: شرح وقایہ۔ شمسیہ۔ متن قطبی۔ جلالین نصف اول۔ ترجمہ قرآن شریف بقیہ۔ ہدیہ سعدیہ۔ شریفیہ متن رشیدیہ۔ سراجی۔ مضمون نویسی و تقریر کی مشق۔

سال چہارم: شرح عقاید۔ ہدایہ اخیرین۔ مشکوٰۃ شریف معہ مقدمہ جلالین بقیہ۔ مختصر معانی۔ دیوان متنبتی۔ تردید مذاہب باطلہ کے لیے کتب کا مطالعہ۔ مناظرہ کی مشق۔

یہ تصریح بھی تھی کہ اہل علم حضرات کا اس نصاب کے متعلق بہترین مشورہ شکر یہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ اس نصاب سے مقصود تھوڑے عرصہ میں مساجد کے لیے امام اور تبلیغ کے لیے مبلغ و مناظر پیدا کرنا ہے۔ درس نظامی کے مطابق جو طالب علم تعلیم حاصل کرنا چاہے وہ بھی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔

(شمس الاسلام، دسمبر 1930ء ص 36-37)

طلباء کے لیے دستور العمل:

طلبہ میں نظم و نسق پیدا کرنے اور ان کی عمومی تربیت کے لیے بعض ہدایات پر عمل درآمد نہایت ضروری تھا۔

(شمس الاسلام ستمبر اکتوبر 1930ء ص 4)

ان طلباء کو دارالعلوم کی طرف سے ضرورت کی حسب ذیل اشیا مہیا کی جاتیں۔

1۔ خوراک: دونوں وقت دسترخوان پر کھانا کھلایا جاتا ہے۔

2۔ لباس: ہر چھ ماہ کے بعد ہر طالب علم کو ایک چادر، ایک کرتہ اور ایک ٹوپی دی جاتی تھی۔ موسم سرما میں لحاف،

گدے اور سرہانے بھی دیئے جاتے تھے۔

3۔ رہائش کے لیے جامع مسجد کے حجروں میں انتظام کیا گیا ہے۔ چار پائیاں مہیا کی جاتی ہیں اور فی حجرہ ایک لیمپ دیا جاتا ہے۔ ہر جمعرات کو سر میں لگانے کے لیے تیل اور کپڑے دھونے کے لیے صابن اور متفرق دیگر ضروریات کے لیے ہر چھ ماہ کے بعد مبلغ دو روپیہ فی کس دیئے جاتے ہیں۔ پڑھنے کے لیے کتب بھی کتب خانہ سے دی جاتی ہیں۔

طلباء کے لیے حسب ذیل امور کی پابندی لازمی ہے:

- (1) کسی شخص سے اپنی ذات کے لیے سوال نہ کرنا۔ (2) دارالعلوم کے قواعد و ضوابط کی پابندی و اوقات تعلیم میں درس گاہ میں حاضری۔ (3) مغرب کے بعد فجر سے پہلے دارالاقامت سے باہر کسی جگہ جانے کی سخت ممانعت ہے۔ (4) نماز پنج گانہ جماعت کے ساتھ پڑھنا اور شریعت کے ظاہری احکام کی پابندی وغیرہ۔

درجاتی نصاب کے لیے ترمیم:

چند سال دینی تعلیم و تربیت کا بغور جائزہ لینے کے بعد حضرت مولانا گبوی نے محسوس کیا کہ مروجہ نصاب نہ تو حزب الانصار کے اہداف کی کفالت کرتا ہے اور نہ اس سے ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل میں پوری مدد یا رہنمائی مل سکتی ہے۔ چنانچہ ہم عصر علماء اور مقامی رفقاء کے مشورے سے آپ نے نصاب تعلیم کے پانچ درجے تجویز کیے۔ (شمس الاسلام، دسمبر 1935ء، ص 23) ان کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ نصاب التعجیل: چار سال کی ضروری دینی تعلیم سے مسجد کی امامت یا وعظ و تبلیغ کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔

ب۔ نصاب التکمیل: آٹھ سال کے اندر مکمل علوم معقول و منقول کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ بطور عالم، مفتی، مدرس اور محقق خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔

ج۔ دارالمبلغین: فارغ التحصیل طلبہ یا اعلیٰ استعداد رکھنے والے طلبہ دو سال میں مبلغ و مناظر بن سکتے ہیں۔

د۔ مولوی فاضل کلاس: جامعہ پنجاب لاہور سے مولوی فاضل کے امتحان کی تیاری۔ بطور عالم اور قلمکار۔

س۔ تعلیم القرآن: حفظ قرآن کا اہتمام۔ بغیر اور مع اردو پنجابی ترجمہ۔

مولوی فاضل کلاس اس اعتبار سے اہم تھی کہ دینی مدرسے میں تعلیم حاصل کر کے طلبہ جامعہ پنجاب سے سند لے سکتے تھے اور پھر سرکاری مدارس میں بطور اوٹی یا عربی ٹیچر ملازمت بھی کر سکتے تھے۔ ان تمام طلبہ کے مفت قیام طعام کی مکمل ذمہ داری دارالعلوم پر تھی (شمس الاسلام، جون 1936ء، ص 31)۔

مولوی فاضل کی کلاس:

کیم جولائی 1936ء سے حزب الانصار کے مرتب کردہ نصاب اور پروگرام کے تحت دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ میں مولوی فاضل کلاس کا افتتاح ہوا۔ اس کورس کے لیے یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور کا منظور شدہ نصاب زیر تدریس تھا۔

جدید تقاضے:

مروجہ نصاب تعلیم کا تنقیدی جائزہ اور اس میں ترامیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا گبوی نے مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل اور علامہ رحمت اللہ ارشد جیسے رفقاء کو شعبہ تعلیم سے منسلک کر دیا۔ چنانچہ سید صاحب دارالعلوم عزیز یہ کے ناظم تعلیم مقرر ہوئے (ش 1، نومبر 1944ء ص 32) سید صاحب قدیم علوم کے ساتھ جدید تقاضوں سے بے خبر نہ تھے۔ علامہ ارشد جامعی ہونے کے ساتھ پرانے اسلوب کی اہمیت جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ درس نظامی کے ساتھ ادب، سیاسیات حاضرہ، تاریخ و جغرافیہ اور معاشیات وغیرہ کی تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا۔

تدریسی کتب:

اساتذہ درج ذیل کتابوں کی تعلیم دینے پر مامور تھے۔

- | | | |
|--------------------|-----------------|-----------------------------|
| 1- مسلم شریف | 2- مشکوٰۃ شریف | 3- شرح معانی الآثار (طحاوی) |
| 4- ہدایہ اولین | 5- ہدایہ آخرین | 6- توضیح تلویح |
| 7- اصول شاشی | 8- مسلم الثبوت | 9- شرح نخبۃ الفکر |
| 10- بیضاوی شریف | 11- مطول | 12- مختصر معانی |
| 13- شرح عقائد خیال | 14- کنز الدقائق | 15- شرح جامی |
| 16- متن متین | 17- کافیہ | 18- عبد الغفور |
| 19- نحو میر | 20- قاضی مبارک | 21- حمد اللہ |
| 22- امور عامہ | 23- ملاحسن | 24- صدرا |
| 25- شرح چمنینی | 26- کتاب الصرف | 27- زرادی |
| 28- دستور المبتدی | 29- سراجی | 30- مالا بدمنہ |
| 31- شرح تہذیب | 32- رسالہ قطبیہ | 33- قطبی مع میر |
| 34- میبذی | 35- شمس بازغہ | 36- الفیہ |

37- علم الصیغہ	38- نورالایضاح	39- قدوری
40- حسامی	41- جلالین	42- فصول اکبری
43- صفری	44- کبریٰ	45- ایساغوجی
46- قال اقوال	47- میر ایساغوجی	48- مرقاۃ
49- رشدیہ	50- بوستان	51- ابواب الصرف
52- قانونیچہ کھیوالی	53- زنجانی	54- مراح الارواح
55- مقامات حریری	56- گلستان	57- کریمہ
58- نام حق	59- نور الانوار	60- شرح ماتہ عامل
61- ہدایت الخو	62- کتاب النحو	63- ترجمۃ القرآن
64- متنہ	65- ہدیہ سعدیہ	66- سکندر نامہ
67- نذر الانقباح	68- مثنوی مولانا روم	69- مراح الارواح
70- تصریف الاشیاء	71- مصدر فیض	72- شیخ عطار

اساتذہ دارالعلوم

اکتوبر 1929ء میں حزب الانصار کی تاسیس کے بعد دارالعلوم عزیز یہ کی تجدید و احیاء اصل میں پہلا اور لازمی کام تھا جسے ترجیحی بنیادوں پر شروع کیا گیا تھا۔ اس وقت حضرت مولانا بگویی کے پاس کام کرنے والے رفقا اور جانثار کارکنوں کی ٹیم موجود تھی اور نہ دنیوی وسائل یا اہل ثروت کی اعانت۔ انہوں نے جس بے سروسامانی کے عالم میں اپنی مہمات کا آغاز کیا وہ ان کے غیر متزلزل ایمان، پر عزم جذبوں اور قائدانہ ولولوں کا غماز ہے۔

حزب الانصار اور دارالعلوم عزیز یہ کا بہت سارے کارڈ امتداد زمانہ سے تلف ہو چکا ہے۔ بعض بچے کھچے رجسٹروں اور شمس الاسلام کے اوراق میں سے مندرج مختصر اطلاعات سے ان مدرسین کی فہرست دی جا رہی ہے جو 1929ء سے 1945ء تک بطور استاد علوم اسلامیہ و شرقیہ دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ میں خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

شعبہ کتب:

1929ء	صدر مدرس	1- مولانا عبدالرحمن
1930ء	مدرس	2- مولانا محمد مبارک
1930ء	مدرس	3- مولانا عبدالخالق
1931ء	مدرس	4- مولانا محمد تازہ گل
1932ء	صدر مدرس	5- مولانا عبدالحمید کٹھیا لوی
1932ء	مدرس	6- مولانا کریم دین
1934ء	مدرس	7- مولانا محمد اسلم خان
1935ء	مدرس	8- مولانا عطا محمد شاہ پوری
1935ء	صدر مدرس	9- مولانا محمد دین بدھوی
1935ء	مدرس	10- علامہ رحمت اللہ ارشد
1935ء	مدرس	11- علامہ فتح محمد مولوی فاضل
1936ء	مدرس	12- مولانا غلام اللہ خان
1937ء	صدر مدرس (ہزاروی)	13- مولانا محمد قاسم بالا کوٹی
1937ء	مدرس	14- مولانا عبدالحق حضروی
1937ء	مدرس	15- مولانا عبدالحی
1937ء	مدرس	16- مولانا عبدالرحمن میانوی
1937ء	مدرس	17- مولانا غلام محمد
1937ء	مدرس	18- مولانا پیر محمد
1938ء	مدرس	19- مولانا منظور احمد
1938ء	مدرس	20- مولانا خان محمد (خانقاہ شریف)
1938ء	مدرس	21- مولانا افتخار احمد بگویی
1939ء	مدرس	22- مولانا مشتاق احمد

- 23- مولانا عبدالخالق مدرس 1939ء
 24- مولانا غلام یسین فاضل امینیہ مدرس 1939ء
 25- مولانا سکندر علی ہزاروی شاہ محمدی والے صدر مدرس 1940ء
 26- مولانا محمد حسین شوق پپلا نوی صدر مدرس 1941ء
 27- مولانا محمد عظیم (فاضل دیوبند و ندوۃ العلماء) مدرس 1942ء
 28- مولانا بشیر احمد مدرس 1942ء
 29- مولانا محمد خلیل (مدرسہ قادیان) مدرس 1942ء
 30- مولانا مفتی سید سیاح الدین کا کاخیل مدرس و صدر مدرس 1942ء
 31- مولانا عبدالقدوس مدرس 1942ء
 32- مولانا سعید الرحمن صدر مدرس 1944ء

شعبہ حفظ و تجوید قرآن:

جامع مسجد بھیرہ میں اشاعت تعلیم کا یہ قدیم ترین شعبہ ہے جو 1860ء میں حضرت مولانا احمد الدین گبوی کے بھیرہ میں ورود اور جامع مسجد کی تعمیر نو سے کام کر رہا ہے۔ بانی امیر حزب الانصار کے عہد میں شعبہ حفظ و ناظرہ اور تجوید قرآن کے لیے درج ذیل حفاظ کرام نے بطور استاد خدمات سرانجام دیں:

- 1- حافظ سجاول خان صاحب 1929ء
 2- حافظ مبارک دین صاحب 1930ء
 3- حافظ محمد خان صاحب 1930ء
 4- حافظ سعید احمد صاحب 1931ء
 5- حافظ سلطان محمود صاحب 1931ء
 6- حافظ خدایار صاحب 1931ء
 7- حافظ غلام محمد صاحب 1932ء
 8- استاذ الحفظ حافظ غلام یسین صاحب 1932-1961ء
 9- قاری معین الدین صاحب الہ آبادی 1937ء

اہل علم اس بات سے باخبر ہیں کہ بھیرہ پرانے زمانوں سے علم و حکمت کا مرکز چلا آ رہا ہے۔ مسلمانوں کے علمی حلقوں میں یہ روایت رہی ہے کہ دور دور سے طالبان علم اچھے مدارس اور اعلیٰ اساتذہ سے کسب فیض کے لیے کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ گبوی علماء نے لاہور اور بگہ شریف کے علمی مراکز میں خدمات سرانجام دینے کے

بعد جب بھیرہ کو اپنا علمی اور دینی مرکز بنایا تو برصغیر کے سرحدی، شمالی اور درمیانی علاقوں سے طلباء بھیرہ آنے لگے۔ دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کے اساتذہ میں اکثر ایسے حضرات شامل رہے ہیں جو قیام پاکستان کے بعد دین، علم، سیاست، صحافت، طریقت اور دیگر شعبہ ہائے حیات میں نہایت ممتاز، معروف اور قابل ذکر خدمات کے حامل بنے۔

طلبہ کے لیے سہولیات:

- | | |
|---|--------------------------------------|
| ☆ ذہین طلبہ کے لیے ماہانہ وظیفہ | ☆ طعام۔ قیام |
| ☆ امتحانات میں پوزیشن لینے والے طلبہ کو انعامی کتابیں اور خصوصی جیب خرچ | ☆ چار پائی۔ بستر موسم کے مطابق |
| ☆ خصوصی کورسز میں داخلہ اور مزید تربیت | ☆ کتابیں اور شیشنری |
| ☆ کرایہ آمدورفت اور مستحقین کے لیے خصوصی رعایت | ☆ علاج معالجہ |
| ☆ مطبخ کے لیے سامان و لکڑی وغیرہ | ☆ لیمپ، تیل اور صابن |
| | ☆ موسم کے لحاظ سے پارچہ جات اور جوتے |

انتظامات:

- | | |
|-----------------|---------------------------|
| ناظم دارالعلوم: | علامہ رحمت اللہ ارشد |
| محرر دفتر: | منشی غلام حسین صاحب |
| نگران لنگر: | منشی رفیع الدین |
| خدام: | شیخ محمد شریف و محمد صدیق |

ذیلی مدارس کا قیام:

حزب الانصار نے ہمیشہ مقامی صلاحیت (Talent) کو مقامی طور پر استعمال کرنے اور اسی پر بھروسہ کرنے کی پالیسی کو اپنایا اور پھیلا یا ہے۔ اس اصول کے تحت مجلس مرکزیہ نے سینکڑوں مقامات پر موجود دینی مدارس کو ترقی دینے میں مدد دی ہے۔ ان کی وسعت اور مضبوطی میں مشاورتی اور امدادی کردار ادا کیا ہے۔ بعض جگہوں پر البتہ پر جوش کارکنوں کے اصرار پر مجلس حزب الانصار کے ساتھ باضابطہ الحاق شدہ مدارس کا اجرا بھی کیا ہے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- | | |
|--|-------------------------------------|
| ☆ انجمن انصار الاسلام کھیوڑہ (ملحقہ مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ) اپریل 1935ء | ☆ برائے مدرسہ اسلامیہ عربیہ کھیوڑہ۔ |
| مدرس: مولانا مقصر شاہ کا کاخیل | |

☆ شاخ (دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ) جامع مسجد میانی۔ نومبر 1936ء

مدرس: مولانا محمد سعید فاضل ڈابھیل

☆ کھروڑ پکا ضلع ملتان میں مقامی حزب الانصار کی سرپرستی میں مدرسہ نعمانیہ جامع جیلیا نوالی،

جنوری 1939ء۔ قریشی محمد سعید صاحب جبلہ ناظم مدرسہ

☆ مقامی حزب الانصار کے تحت واربرٹن ضلع شیخوپورہ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا آغاز

مدرسین: مولانا افتخار احمد گبوی۔ مولانا خان محمد (کنڈیاں شریف)۔

☆ مجلس مرکزیہ احرار اسلام ہند کی سرپرستی میں قائم مدرسہ محمدیہ قادیان (گورداسپور) کی حالت کے پیش نظر

مرکزی حزب الانصار بھیرہ کا خصوصی اعانت کا فیصلہ۔ دسمبر 1936ء سے ایک مدرس کا تقرر اور جملہ

مصارف کی ذمہ داری مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ پر۔

مدرسہ نصیر یہ کا اجراء:

رئیس المبلغین مولانا محمد نصیر الدین گبوی (م: 22 فروری 1934ء) کی یاد میں یکم مئی 1934ء سے جامع

مسجد بھیرہ میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا گیا تاکہ وہ دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کر سکیں۔ دراصل یہ ایک

پرائیویٹ پرائمری سکول تھا جہاں سکولی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ نصاب تعلیم 5 سال تھا تاکہ

بچے ایک طرف پرائمری کلاسز مکمل کرے اور دوسری طرف ابتدائی دینی علوم سے بھی باخبر ہو جائے۔

(شمس الاسلام، جون 1934ء ص 38)

دارالاقامہ کی تعمیر:

چھ سال کی قلیل مدت میں دارالعلوم عزیز یہ میں اعلیٰ اور ماہرین فن اساتذہ کی تقرری، مضبوط ڈسپلن، طلبہ

کے لیے مراعات، جماعت اور جریدہ کی سہولیات نے اس کی کارکردگی کو ممتاز اور مؤثر بنایا اور شہرت کو دور دور تک

پھیلا دیا تھا۔ اس بنا پر تشنگان علم جگہ جگہ سے کھنچے چلے آنے لگے۔ کثرت طلبہ نے ایک طرف تو مزید وسائل

حاصل کرنے پر مجبور کیا تو دوسری طرف ان کی رہائش کے لیے موجود بندوبست نا کافی ثابت ہوا۔ چنانچہ حضرت بانی

امیر نے طلبہ کے لیے دارالاقامہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ 23 ستمبر 1936ء بروز چہار شنبہ صبح 10 بجے دارالاقامہ کا سنگ

بنیاد اعلیٰ حضرت قیوم زماں، مخدوم العالم مولانا ابوالسعد احمد خان مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ مجددیہ سراجیہ کھولہ شریف

(اب کنڈیاں شریف) کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔ (شمس الاسلام، اکتوبر 1936ء، ص 40) مولانا لکھتے ہیں:

”سرمایہ اگرچہ موجود نہیں، مگر ہمارے عزم و اخلاص نے ہمیں ایسے عظیم الشان کام پر آمادہ کر دیا ہے..... ایک کمرہ پر چار سو روپے خرچ ہوگا۔ جو صاحب ایک کمرہ کا خرچ عطا فرمائیں گے ان کا اسم گرامی دروازہ پر تحریر کرایا جائے گا جو معاونین کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔“

دارالاقامہ کا منصوبہ 12 سکونتی کمرے، ایک ہال، ایک بڑا کمرہ اور برآمدے کی تعمیر کا تھا۔ مارچ 1937ء تک نصف کام مکمل ہو سکا کیونکہ صرف اسی قدر وسائل حاصل ہو سکے تھے۔ تاہم شمس الاسلام کے شماروں میں ”معرض حال“ کے تحت مسلسل، اہل خیر کو توجہ دلائی جاتی رہی۔ اس کے نتیجے میں درج ذیل اصحاب نے اقامتی منصوبے کی تکمیل میں خصوصی تعاون کیا:

1- جناب خواجہ محمد ظہور مہتہ تاجر لاہور

2- خان بہادر شیخ فضل حق پراچہ ایم ایل اے و صدر بلدیہ بھیرہ

3- جناب راجہ غلام غوث رئیس چک نمبر 11

4- خان بہادر نواب قریشی محمد حیات سی آئی ای۔ ایم ایل سی رئیس اعظم صابو وال

مسلمانوں کی معاشی حالت پچھلی صدی کی چوتھی دہائی میں خاصی ابتر تھی۔ ان کے پاس جذبہ، وقت اور جسمانی سرمایہ تو تھا، مٹی اور دینی کاموں کے لیے پیسہ نہ تھا۔ شمس الاسلام میں جا بجا حزب الانصار، دارالعلوم اور رسالے کے لیے اخراجات کا ذکر ہے۔ یہ تمام ادارے اکثر مقروض رہے ہیں کیونکہ عام مسلمانوں کی قوت ایثار مالی اعتبار سے بہت کمزور تھی۔ لے دے کر چند اہل ثروت تھے جن کے دم قدم سے دینی ادارے چل رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالاقامہ جیسا بنیادی کام ڈیڑھ سال کے عرصے میں مکمل ہو سکا۔ جس سے بیرونی طلبہ کو اقامتی سہولیات حاصل ہوئیں اور دارالعلوم نے بھرپور تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔

چشمہ فیض و کرم:

مولانا محمد زماں مہدی (سکھو ضلع راولپنڈی) کے ایک ذہین طالب علم تھے۔ انہوں نے دارالعلوم عزیز یہ

بھیرہ کے بارے میں اپنے جذبات کا یوں اظہار کیا: (شمس الاسلام، جون 1938 ص 16)

چشمہ فیض و کرم مدت سے ہے جاری یہاں ناز کر سکتا ہے جس پر آج سب ہندوستان

آؤ دیکھو موجزن بحر علوم دینیات فقہ و تفسیر و منطق اور تدریس قرآن

قال قال کی صدا میں درس گاہوں میں بلند سورہ یسین کی منزل کہیں ورد زبان

دیکھ کر اس مدرسہ کے کار خیر انجام کو
 اک طرف دیکھو جہاں میں منظر تہذیب نو
 دیر تا زندہ رہیں یا رب جناب مہتمم
 عالموں کے خیر خواہ مظلوم کے فریاد رس
 بے کس و بے بس یتیم و بے سرو سامان کا
 مومنو کرنی پڑیں گی اس جگہ قربانیاں
 انقلابات زمانہ سے نہ گھبرانا ظہور
 حق و باطل جب کہیں مد مقابل ہو گئے
 اے خدائے دو جہاں ان کو ملے خلد بریں
 یا الہی دیر تا قائم رہے یہ مدرسہ
 بارگاہ ایزدی میں ہے یہ قاصر کی دعا
 کر رہے سرگوشیاں ہیں ساکنان آسماں
 دوسری جانب ہے تہذیب محمد کا بیاں
 واقف سر الہی مدرسہ کے پاسباں
 طالبوں کے ہم نوا و شاعروں کے قدرداں
 حضرت موصوف کے کندھوں پہ ہے بارگراں
 آرزو رکھتے ہو گر باقی رہے یہ آشیاں
 خاک میں مل کر رہیں گی خواہشات دشمنان
 ہو گیا کافور باطل رہ گیا حق کا نشان
 جن کے ہاتھوں سے ہوئی قائم بنائے بوستاں
 ہے نماز پنج گانہ میں دعائے طالبان
 یا الہی یہ چمن تازہ رہے جاوداں

امتحان:

زیر تعلیم طلبہ کی علمی استعداد جانچنے کے لیے باقاعدہ شش ماہی اور سالانہ امتحانات منعقد ہوتے تھے۔
 امتحانات کے لیے تحریر، تقریر اور ریڈنگ تینوں ذریعے استعمال ہوتے۔ علامہ رحمت اللہ ارشد معاون مدیر اور
 مدرس دارالعلوم "امتحان" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"دارالعلوم عزیز یہ اپنی بہترین قومی و ملی خدمات کے پیش نظر محتاج تعارف نہیں۔ سرزمین
 پنجاب کا یہ مایہ ناز، فقید المثال علمی مرکز اسلام کی بیش بہا گر انقدر خدمات انجام دے رہا
 ہے۔ 5-6 اگست 1936ء دارالعلوم کا نہ ماہی امتحان منعقد ہوا۔ امتحان کے تمام فرائض کی
 انجام دہی کے لیے حضرت مولانا محمد حنیف سجادہ نشین کوٹ مومن کو دعوت دی گئی۔ صاحب
 مدوح نے ازراہ کرم موسم گرما میں سفر کی زحمت گوارا فرمائی اور نہایت محنت سے تمام طلباء کا
 تقریری و تحریری امتحان لیا۔ صاحب مدوح ایک بے لوث، مخلص اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں
 خاص قابلیت کے مالک ہیں۔ دو روز امتحان میں صرف ہوئے۔ امتحان کا نتیجہ قابل فخر رہا۔
 سوائے ایک طالب علم کے جملہ طلباء امتحان میں کامیاب رہے۔ کامیاب طلباء کو مہتمم صاحب

کی طرف سے تبلیغی کتابیں انعام میں تقسیم کی گئیں۔ (شمس الاسلام، ستمبر 1936ء ص 47)

امتحانی نتائج مرتب کرنے کا عمل خاصا طویل اور محنت طلب ہوتا ہے۔ چنانچہ رزلٹ مکمل کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد حنیف نے دارالعلوم کے تعلیمی معیار اور حزب الانصار کی خدمات کے بارے میں جو اظہار خیال کیا وہ درج ذیل ہے:

رپورٹ منعقدہ امتحان:

”مورخہ 5-6 اگست 1936ء کو میں نے دارالعلوم عزیز یہ واقع جامع مسجد بھیرہ کا امتحان کے لیے معائنہ کیا۔ مجموعی تعداد طلباء 115 ہے۔ مدرسین کی تعداد 5 ہے۔ جن میں سے ایک حافظ مدرس قرآن ہیں۔ اور چار نامی علماء تدریس کے اہم فرائض پر مامور ہیں۔ مولانا عبدالحمید، مولانا فتح محمد، علامہ رحمت اللہ ارشد بہاول پوری مدرس و معاون مدیر، مولانا عطا محمد، ان کے علاوہ جماعت مرکزی حزب الانصار نے تبلیغی سرگرمی کے لیے مولانا حاجی پیر منیر شاہ خوشابی و مولانا محمد عبدالرحمن میانوی کو مقرر کیا ہوا ہے۔ امیر جماعت حضرت مولانا الحاج ظہور احمد بگوی بذات شب و روز اسی تبلیغی جوش میں منہمک ہیں۔ حضرت مدوح کی تبلیغی سرگرمی، حسن اخلاق، اخلاص، ایثار اور قربانی کو دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ عملہ تبلیغ و تدریس بھی علمی قابلیت، حسن اخلاق اور اجتماعی حیات کے روح پرور نظاروں کا خوش کن مظاہرہ ہے۔ جماعت حزب الانصار کے کارکنوں کو دیکھ کر بے اختیار اللہم اجعلنا منہم زبان و دل کا ورد بن جاتا ہے۔ طلباء بالعموم تقریر و تحریر میں لائق ہیں اور ان کو دیکھ کر یکساں زیتہم یضنی پر نظر جم جاتی ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ یہ علمی درس گاہ دن دینی اور رات چوگنی ترقی کی رفتار سے مستقبل قریب میں شاندار امتیازی شان حاصل کرے گی اور اس میں سے فضلاء و مبلغین و مناظرین تیار ہو کر مجسم خدمت اسلام کا مظہر ہوں گے۔

اس دعا ازمن واز جملہ جہاں مقبول باد

العبدالضعیف محمد حنیف

ممتحن دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ سجادہ نشین کوٹ مومن

(بحوالہ شمس الاسلام، ستمبر 1936ء ص 47-48)

مولانا محمد حنیف (کوٹ مومن) کے علاوہ مولانا غلام محمد پہلا نوی بھی دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کے ممتحن رہے ہیں۔

دارالمطالعہ:

طلباء کی ذہنی نشوونما اور اساتذہ کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھنے اور وسعت نظر پیدا کرنے کے لیے رواں (Current) لٹریچر کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے اخبارات و رسائل بہت مفید رہتے ہیں۔ چنانچہ جامع مسجد بھیرہ میں دارالمطالعہ قائم کیا گیا جہاں دو روز نامے، دس بارہ ہفتہ واری اور تیرہ چودہ ماہانہ جرائد کا انتظام کیا گیا۔ (شمس الاسلام، جولائی 1938ء، ص 38)

ایسے کھلے علمی ماحول میں تنگ نظری اور فرقہ واریت کا از خود سدباب ہوتا رہتا ہے۔

جائزہ:

مولوی محمد امین صاحب مالک محمد امین برادرز ہائیڈ مرچنٹ کلکتہ جو معروف کاروباری اور اسلام دوست شخصیت تھے، انہوں نے 2 اکتوبر 1936ء کو دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ کا دورہ کیا۔ مختلف شعبہ جات کی کارکردگی دیکھی اور رجسٹروں کا معائنہ کیا۔ ان کی تفصیلی رائے امیر حزب الانصار اور شمس الاسلام کے تذکرے کے علاوہ دارالعلوم کی کارگزاری اور اخراجات کا قابل ذکر جائزہ ہے جس سے اس دور کی مالی مشکلات اور علماء کی اولوالعزمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

DAR-UL-ULUM AZIZIYA BHERA (Punjab)

Maulawi Mohammad Amin Sahib, Proprietor 'Mohammad Amin Brothers' Hide Merchants Calcutta writes:-

The districts of Jhelum and Shahpur have produced many learned scholars and pious men. The Muslims of Punjab have known and generally appreciated the services rendered by the famous Bugwi family to Islam. Times have changed greatly and these districts have succumbed to the rising tides of irreligiousness and illiteracy. The families having knowledge as their heritage are ruined. The well-known city of Bhera which was a great centre of knowledge and learning became the source of many a spring of irreligiousness. Hakim Nur-ud-Din Qadyani belonged to Bhera. In view of the great propoganda the citizens would have accepted Qadyani faith. In order to destroy the faith of villagers, illeterate "peers", false Derveshes, and counterfeit Syeds spread the net for Shiaism. In short the Muslims suffered a great lot economically as well as in knowledge and faith etc.

In view of these events, the existence of some Muslim institutions to counteract the evil influences and to propagate (true) faith was utmost necessary. Moulana Zahur Ahmad Bugwi who is a direct decendent and representative of the famous line Bugwi, has founded and organised a society under the name of "Hizbul Ansar" in the Shahi Mosque of Bhera, which has been repaired in 1277 Hijra by his great grand father (Moulana Ahmaduddin Bugwi) and which is very spacious and extremely beautiful.

This Society has three missionaris working in the villages. Every year a conference is held to veview its activities, a monthly magazine "Shams-ul-Islam" has also been started for the propagation of faith and a Darul-Uloom as well, where the students are being taught the translation of Holy Qoran, Tafseer, Hadis and Arabic Literature.

Fortunately I had an occasion to visit this Darul-Uloom on the 2nd Oct. 1936. In the spacious courtyard of the mosque the students were being taught class wise. There are five teachers to teach 115 students. There is an orphanage where parentless children are receiving education. Poor students get clothings, food, beddings, oil for lamps etc, free of any charge. The expendature on an average is about Rs.360/- per month. The student here are not only given book knowledge but they are being prepared for the hard task ahead, mentally and physically. I also inspected the Account Registers and found them to be kept in a regular way. I was greatly struck by the doings and sacrifices of Moulana Zahur Ahmed Bugwi.

In present times it is a real boon to have such an institution which is propagating the true faith and keeping the evil influences away. The Darul-Uloom has no regular source of income and no waqf etc. to rely upon. Owing to the evergrowing number of students the accomodations for them have fallen short of the real need, Next year there are expectations of still more increases and Rs. 10000/- are required for building a Boarding House. Moulana Zahoor Ahmad has started the construction work without any funds in hand. Moreover the institution has previous debts to pay. I have been helping it regularly in the shape of a monthly allowance, for the last one year and invite all well-to-do and considerate Muslims to extend a helping hand to such a serviceable and necessary institution.

(بحوالہ شمس الاسلام اپریل ۱۹۳۷ء۔ صفحہ آخر)

جدید دور اول کے چند نامور تلامذہ

دارالعلوم عزیز یہ اپنی قدیمی اور بیش بہا خدمات کی بنا پر برصغیر کے بڑے مدارس میں السابقون الاولون کا درجہ رکھتا ہے۔ بانی امیر حزب الانصار کے جدید دور اول میں ہزاروں علماء اور حفاظ فارغ التحصیل ہوئے جن میں نامور مدرسین، مبلغین، مناظرین، واعظین، مصنف، شاعر اور حافظ شامل ہیں۔ دارالعلوم کے ریکارڈ کی عدم دستیابی کی بنا پر تمام طلبہ کے نام حاصل نہیں ہیں۔ چند مشہور طلبہ کے نام پیش خدمت ہیں:-

- 1- حضرت مولانا خواجہ خان محمد، سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کنڈیاں شریف و صدر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
- 2- حضرت مولانا قاضی عبدالقادر خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر ائے پوری ڈھڈیاں شریف
- 3- مولانا قاضی عبدالوحید مہتمم مدرسہ عربیہ قادریہ ڈھڈیاں شریف
- 4- مولانا محمد رمضان علوی خطیب جامع مسجد گلشن آباد راولپنڈی
- 5- مولانا حکیم برکات احمد گوی صدر انجمن فدایان رسول بھیرہ
- 6- مولانا محمد اسلم شاہ پوری خطیب جامع مسجد نشر میڈیکل کالج ملتان
- 7- مولانا محمد رفیق، خطیب جامع مسجد گورنمنٹ کالج سرگودھا
- 8- مولانا حافظ عبدالرحمن، خطیب جامع مسجد حفظانہ بھیرہ
- 9- مولانا افتخار احمد گوی ثانی امیر حزب الانصار بھیرہ 10- حضرت مولانا قاضی مظہر حسین (چکوال)
- 11- مولانا حکیم محمد عالم بھٹہ چھموں ضلع گجرات 12- مولانا پیر سید محمد شاہ سجادہ نشین آستانہ نقشبندیہ بھیرہ
- 13- مولانا قاضی محمد رضا خطیب و مہتمم نلی (خوشاب) 14- مولانا محمد اکرم خطیب کھیوڑہ
- 15- مولانا حافظ اللہ دین (نابینا) جھاوریوں 16- مولانا محمد سرور کوٹ کمبوہ ضلع سرگودھا
- 17- مولوی حکیم شاہ محمد شیخ پور (بھیرہ) 18- محترم جناب پیر شمس الامیر گیلانی مرحوم بھیرہ
- 19- مولانا عبدالمنان دہلوی 20- مولانا تاج رسول بن مولوی سید رسول مرحوم کھیوڑہ
- 21- مولانا نور محمد سابق خطیب مسجد گورنر ہاؤس لاہور 22- مولانا غلام دستگیر خطیب جہلم
- 23- مولانا حافظ منظور احمد خطیب فیصل آباد 24- مولانا سلطان احمد فاروقی خطیب لاہور
- 25- مولانا صاحبزادہ عبدالغفور سجادہ نشین نور خانیوال 26- مولانا صاحبزادہ محبوب الرحمن سجادہ نشین نور خانیوال

جریدہ شمس الاسلام

حزب الانصار کا ترجمان اور تبلیغ و تعلیم کا نقیب

تصوف کی تعلیم اور تبلیغ: 224

حضرت مولانا محمد ذاکر گوی اپنے مرشد محترم حضرت خواجہ غریب نواز محمد دین ثانی سیالوی کے نہ صرف مرید تھے بلکہ بقول مولانا بے خود جالندھری، آستانہ سیال شریف کی مراد بھی تھے۔ حضرت مولانا گوی ہمیشہ کوشاں رہے کہ زیادہ سے زیادہ بندگان خدا کو اپنے پیر خانے کا گرویدہ و شیدا بنائیں۔ آپ جید عالم ہونے کے ساتھ زبردست صوفی بھی تھے۔ تصوف کی تفہیم اور ترویج کے لیے وہ نہ صرف اپنے قلم کو استعمال کرتے بلکہ سلسلے کے حلقہ اثر کو بڑھانے کے لیے دل و جان سے عملی اقدامات بھی کرتے تھے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ سیال شریف میں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام کا قیام بھی حضرت ثالث سیالوی اور حضرت مولانا محمد ذاکر گوی کی خواہشوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔

تصوف کے موضوع پر مولانا گوی نے اپنے بزرگ اور معاصر اعظم خلفائے سیال کی خواہش پر متعدد اعلیٰ معیار کے مضامین قلم بند کیے جو ملک کے مختلف دینی اور صوفیانہ جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ تصوف بالخصوص سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانہ سیالویہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے، اور مسلمانوں کے اندر اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لیے آپ کی دلی خواہش تھی کہ ایک رسالہ جاری کیا جائے۔ اس میں تصوف، طریقت اور شریعت کے بارے میں صوفیا اور علماء کے مضامین شائع کیے جائیں۔ اکابر مشائخ کے حالات زندگی اور ان کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ ہو اور بزرگوں کے ملفوظات اور اقوال عوام کے لیے حرز جان بنیں۔

1916ء میں آپ کی وفات تک یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔

دوراں:

تاہم اس خواب کی تعبیر حضرت مولانا کے تین چھوٹے بھائیوں کے ہاتھوں پوری ہوئی جب رمضان المبارک 1338ھ / مئی 1920ء میں مولانا ظہور احمد گوی اور مولانا محمد نصیر الدین گوی نے مولانا محمد یحییٰ گوی کے تعاون سے ضیاء حقیقت کا پہلا شمارہ بھیرہ ضلع شاہ پور سے شائع کیا۔ اگرچہ رسالہ ضیاء حقیقت بنظر ظاہر

ایک الگ نام سے چھپا ہے مگر اصلاً یہ شمس الاسلام ہی کا نقطہ آغاز ہے۔ جو حقیقت میں اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت کے اعلیٰ مشن کا تسلسل اور ایک ہی سلسلۃ الذہب کی کڑی ہے۔ دونوں رسالوں کے روح رواں اور عملاً کار مختار مولانا ظہور احمد بگویی تھے، اس بنا پر ناموں کی تفریق کے باوجود ضیاء حقیقت کو بلاشبہ شمس الاسلام کا دور اول قرار دیا جاسکتا ہے۔

ماہنامہ ضیاء حقیقت بھیرہ ضلع شاہ پور

جد ا کے شمارہ کے سرورق پر لکھا ہے:

”بسرپرستی و منظوری حضرت قبلہ عالم، غوثِ زمان، مخدوم دوران، سید السالکین،

زبدۃ العارفین، حاجی الحرمین شریفین، الحاج مولانا حافظ شیخ المشائخ خواجہ محمد ضیاء الحق

والدین۔ زیب آرائے مسند سیال شریف متع اللہ المسلمین بطول لقاء و البقاء“

رسالے کے نام کے ساتھ وضاحت ہے:

”صوفیانہ، عارفانہ مضامین کا گلدستہ علمی، اخلاقی جواہرات کا خزینہ“

مقام اشاعت: بھیرہ ضلع شاہ پور (پنجاب) ہے اور رجسٹرڈ ایل نمبر 1256۔

مدیر رسالہ: مولانا محمد نصیر الدین (بگویی) نظامی سلیمانی سیالوی ہیں۔ شیخ غلام احمد میانوی اس کے مینجر ہیں۔

ارادت مند سیال شریف کو باہم دگر جوڑنے، ان کی تعلیم و تربیت کرنے اور حلقہ میں معلومات اور

اطلاعات کے تبادلے کا بڑا موثر اور جدید ذریعہ ہے۔ (نمونہ کے لیے دیکھئے ضمیمہ آخر میں)

اغراض و مقاصد:

جریدہ ”ضیاء حقیقت“ بھیرہ کے اجراء کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی ہے:

- 1- اشاعت علم تصوف
- 2- مسلمانوں کو پابندی مذہب، اصلاح طرز معاشرت، تہذیب اخلاق و تحصیل علوم دینیات کا شوق دلانا۔
- 3- ایسے علمی، ادبی و اخلاقی مضامین سے ناظرین کو مستفید کرنا جس سے اصلاح احوال اور تزکیہ قلوب ہو۔ اس میں کوئی مضمون خلاف احکام اللہ و الرسول درج نہیں ہوگا۔

- 4- اتحاد جمع سلاسل۔۔ چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ و قادریہ
 5- مشائخ کے سوانح پبلک کے پیش کرنا اور ان کے اخلاق و آداب کی تعلیم دینا۔
 6- حضرات صوفیائے کرام کے متعلق تمام اعتراضات کی تردید کرنا۔

مضامین:

ضیاء حقیقت کے پہلے شمارہ کے 38 صفحات ہیں۔ زیادہ تر مضامین ماخوذ ہیں مگر وہ تمام تر تصوف سے متعلق ہیں۔ ان تحریروں کے عنوانات یہ ہیں:-

☆	نعتیہ غزل۔ مولانا عرفان بیلپوری	☆	حقیقت محمدیہ۔ مولانا محمد سعید زینپوری
☆	تصوف۔ مولانا بیخود جالندھری	☆	غزل اردو۔ محمد عبدالرحمن چشتی
☆	عاجزی۔ مہاراجہ سرکش پرشاد بہادر	☆	نظم مستانہ۔ مولانا سید محمد اسد علی شاہ
☆	سیرت نبوی کی ایک جھلک۔ خیال	☆	غزل فارسی۔ نامی چشتی نظامی
☆	اتحاد فقرا۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی	☆	غزل فارسی۔ مہاراجہ سرکش پرشاد بہادر
☆	جذبات اکبر۔ اکبر الہ آبادی	☆	اشرف الاولیاء۔ مولانا بیخود جالندھری
☆	غزل۔ مولانا بیخود جالندھری	☆	رحمت کی جھڑی۔ مولانا محمد سعید زینپوری

اشتہارات:

رسالہ ”ضیاء حقیقت“ بھیرہ میں کافی تعداد میں اشتہارات شائع ہوئے ہیں۔ ان میں بید کی چھڑیاں، چاقو، چھری کانٹے، مہندی، تیل اور عطر، روشنائی، رسالہ ”نظام“ لدھیانہ۔ مسٹر گاندھی اور ڈاکٹر چلو کی سوانح عمری ایک جلد میں۔ خشک میوہ جات اور طبی مجربات شامل ہیں۔ کتب خانہ عزیز یہ بھیرہ میں دستیاب کتب تصوف کا اشتہار بھی ہے۔

قواعد و ضوابط:

”قواعد متعلقہ رسالہ ہذا“ کے تحت صفحہ آخر پر قارئین کے لیے معلومات اور ہدایات مندرج ہیں تاکہ خریدار بننے اور خریداری کا سلسلہ محفوظ اور بہتر بنانے کے لیے مدد مل سکے۔ مضمون نگاروں کو مشورہ دیا ہے کہ مضمون تحریر کرنے سے پہلے رسالے کے اغراض و مقاصد ملاحظہ کر لیں۔ غیر ضروری، بے نتیجہ اور مناظرانہ مضامین کی اشاعت سے معذوری ظاہر کی گئی ہے اور کہا ہے کہ اگر مضمون کسی اور رسالے کو بھیجا جا چکا ہے تو وضاحت کر دیں تاکہ

رسالے کی بدنامی نہ ہو۔

اشاعت:

”ضیاء حقیقت“ بھیرہ، ہندو مسلم سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ سردار گنڈا سنگھ اس کے طابع تھے اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے ایک مخلص مرید، احمد علی ناشر۔

خدمات:

”ضیاء حقیقت“ بھیرہ اس امر کا پیام بر تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کا کام مشائخ اور صوفیاء کی ذمہ داری ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہے اسی طرح اللہ کی محبت کے بغیر دین کا فہم بے اثر ہے۔ محبت الہی کے علم بردار جب تک مسلمانوں کے معاملات کی سنگینی کا ادراک نہیں کرتے، قوم کے احوال واقعی سے باخبر نہیں ہوتے، ان سے کسی مؤثر قیادت اور قابل ذکر تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

”ضیاء حقیقت“ بھیرہ کے 7 اگست 1921ء کے شمارہ نمبر 1/10 میں حضرت خواجہ ضیاء الدین ثالث سیالوی کے برادر خورد حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ سیالوی کی ایک نظم شائع ہوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کی عمومی حالت زار اور طبقہ صوفیاء کے رویے کے بارے میں بڑی صحیح اور مؤثر عکاسی کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

خطاب بہ صوفیاء کرام و سجادہ نشینان

اے طائفہ گوشہ نشینان عبادت	در کنج ریاضت
در گوش کن این قصہ پر درد و شکایت	از راہ عنایت
آن گلشن اسلام کہ خود فخر رسل کاشت	محموظ و نگاہ داشت
بخشید حسین ابن علی نیز طراوت	با خون شہادت
شد تازہ تنومند همان گلشن اسلام	با حسن انجام
سرشار و معطر شدہ ہر مرز و ولایت	از بوئے ہدایت
اکنوں ہمہ شد تلف ہمہ باغ و گلستان	صد حسرت و حرمان!
غار ت شدہ ہمہ گلشن و گلبن ہمہ غارت	صد حیف و ندامت!

اعدا ہمہ شیرازہ اسلام گستند
 تاہم نہ ترا ہیچ شد احساس خلافت
 حالات مگر خوجہ اجمیر نہ دیدی
 در بارہ اسلام چہ سان کرد شجاعت
 در ہند ہماں بود کہ اسلام بیاورد
 اسلام رسانید درین دار جہالت
 ہم غور بفرما تو بر احوال شکر گنج
 اونیز بے کرد بہ اسلام حمایت
 الغرض ہمیں شیوہ خنوادہ چشت است
 طرفہ کہ ترا نیست دریں کار محبت
 دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع
 گریچ نکر دی تو با اسلام اعانت
 در نرغہ اعدا شدہ اسلام گرفتار
 اسلام بتکلیف تو مصروف براحت
 مظلوم سمرنا کہ شد از فاقہ بے جان
 گرجشی اورا نفقہ تا چیت قباحت
 در ترک موالات نصاریٰ ہمہ تن کوش
 منظور نمائی ز عبد جملہ حکایت
 بنیاد شکستند
 اے صاحب خلوت
 واز کس نشیدی
 در دور ضلالت
 ظلمت ز جہان برد
 با لطف و کرامت
 اے مرد سخن سنج
 با عقل و درایت
 این کار نہ زشت است
 بملکیت عداوت
 سجادہ و برقع
 در وقت اہانت
 بے یار و مددگار
 افسوس نہایت!
 با حال پریشان
 اے صاحب طاقت
 بے غصہ و بے جوش
 اے اہل سعادت

اس نظم میں زبردست سوز اور درد مندی ہے۔ اس کے ملحق، حضرت خوجہ ثالث سیالوی کا ایک بیان شائع
 ہوا ہے جس میں انہوں نے عقیدت مندان دربار سیال شریف کو سمرنا ترکی میں مسلمانوں کے قتل عام اور ان کے
 ابتلاء پر توجہ دلائی ہے۔ آپ نے تحریک خلافت کی حمایت کی ہے اور اس کی مرکزی اور ضلعی مجالس خلافت کے توسط
 سے مسلمانوں کو عام عطیات دینے پر آمادہ کیا ہے۔

عقیدت مند ان دربار سیال شریف کے لیے ہدایت

برادران ملت و عزیزان طریقت جو مظالم اس مظلوم دور میں اسلام اور مسلمانوں پر ٹوٹ رہے ہیں ان کو سن کر ایک سچا مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر انصاف پسند دل لرز جاتا ہے۔ خلافت اسلامیہ جس کا قیام و بقا مذہبی نقطہ نظر سے ایسا ہی ضروری ہے جیسے جاندار کے لیے روح، منجہ عیسائیت میں گرفتار ہے۔ جزیرۃ العرب جس کی نسبت ہمارے آقائے نامدار حضور اقدس ﷺ کی آخری وصیت تھی کہ ”اخرجوا الیہود و النصری من جزیرۃ العرب“ اعدائے اسلام کا لعنت گاہ بن گیا ہے۔ کلمہ حق کی آواز نکالنے والے فدایان ملت و قوم جیل خانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں دست و پا بزنجیر ہیں۔ سمرنا میں ہزاروں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ و بیکس بھوکوں جان دے رہے ہیں۔ جن کے مربی اور سرپرست حمایت حق پر نثار ہو گئے۔ اور محض اس جرم میں کہ تو حید حق کا نعرہ بلند کرنے والے تھے، تیغ ثلثیت کی نظر ہو گئے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ“

ان واقعات کو سن کر کس مسلمان کا کلیجہ ہے کہ پانی نہ ہو جائے اور کون سی اسلامی آنکھ ہے جو آنسوؤں کے دریا نہ بہائے۔ حقیقت میں ان واقعات نے مسلمانوں کو اپنے بھولے ہوئے فرائض کا زرین سبق دیا ہے اور خواب غفلت میں سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنے کے لیے تازیانہ غیبی ہے۔ ہمیشہ سے اور اس نازک وقت میں ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی ہر ممکن کوشش سے حمایت اسلام اور اپنے مظلوم بھائیوں کی دستگیری کرے۔ اس لیے فقیر اپنے عزیز اشخاص کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاتا ہے کہ وہ مطالبات اسلامی پورا کرانے کی طرف اپنا گام عمل تیزی کے ساتھ بڑھائیں اور دنیوی اعزاز و جاہ (جو چند روزہ ہے) کے بدلے خدائے ذوالجلال اور رسول عربی ﷺ فداہ ابی وامی کی خوشنودی کی دائمی عزت حاصل کریں۔ معاندین اسلام کے ساتھ تمام تعلقات نصرت و حمایت کو ترک کر دیں اور علمائے کرام کے متفقہ فتویٰ پر عمل پیرا ہوں۔

(2) مظلومین سمرنا جہاں یتیم بچے، لاوارث عورتیں بھوک کے مارے داعی اجل کو لبیک کہہ رہے ہیں ان کی مالی امداد میں نہایت فراخ دلی سے حصہ لے کر مستحق رحمت ایزدی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ اس نیک کام کی بدولت تمہارے سابقہ گناہ محو ہو جائیں اور جو روسیاء ہی اور ظلمت قلبی حمایت و نصرت اعدائے دین کی وجہ سے تم پر چھا چکی ہے دھل جائے۔ ”إِنَّ الْحَسَنَاتِ يَذْهَبْنَ السَّيِّئَاتِ“ میرے عزیزو کیا تمہارے مسلمان دل اس کو گوارا کر سکتے ہیں کہ تم اونچے اونچے محللات میں چین اڑاؤ صبح و مسامتہ دکھانے تمہارے سامنے پنے جائیں اور تم خوشی سے ان کو نوش جان کرو اور ادھر اسلام کے ننھے بچے اور بیکس عورتیں ایک لقمہ کی حسرت میں جان دے دیں۔ تمہارے گھروں میں غلہ کے انبار اور خزانوں کے خزانے دفن پڑے ہوں لیکن ان اسلامی پودوں کے لیے تم اپنی جیب سے ایک پیسہ صرف نہ کرو۔ اگر واقعی تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے تو

تف تمہارے اسلام پر، قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کے سامنے جب اسلام اور اس کے مظلوم افراد فریادی ہوں گے کہ یا رسول اللہ! کفار نے تو ہم پر ظلم توڑے لیکن ان مدعیان اسلام نے بھی انہیں کا ساتھ دیا اور ہماری کچھ خبر گیری نہیں کی۔ تو اس وقت تم کیا جواب دو گے؟ اگر آپ حضرات صرف بیجا، اسراف و لایعنی مصارف ہی کو چھوڑ دیں تو ان مظلومین کی کافی امداد ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ و عشر ہی سے اگر امداد کی جائے تو ان کو بس کرتا ہے جس کا اصلی واہم مصرف ایسے ہی مظلومین ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان ہدایات پر میرے عزیز آشنا عملی طور پر کار بند ہوں گے اور سعادت دارین حاصل کریں گے۔ جو صاحب مظلومین سرنا کے لیے رقم ارسال کرنا چاہیں وہ یا تو فقیر کے پاس بھیج دیں تاکہ یہاں سے مرکزی مجلس خلافت کو روانہ کر دی جائے یا اپنے ضلع کی مجلس خلافت کو یا اس کام پر مامور خدام خلافت میں سے کسی کو باخذ رسید عطا کر دیں۔ لیکن فقیر کو بھی رقم مرسلہ کے متعلق اطلاع دیں تاکہ فقیر بھی ان کے لیے دعائے خیر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس فقیر کو بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی اور اپنی مختصر امداد اور کچھ عزیز و آشنا کی مدد سے تقریباً چار ہزار روپیہ اس مد میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے اور زبانی شور و فغاں کی بجائے شاہراہِ عمل پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم امین بحرمة سید المرسلین۔

فقیر محمد ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف

(ضیاء حقیقت بھیرہ۔ اگست 1921ء)

بیان مذکور کی سطر سطر سے دلی کرب اور اضطراب کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں جو فیصلہ کن اقدام سامنے آتے ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ صاحب سجادہ اب عملی جدوجہد پر کمر بستہ ہو چکے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو معاندین اسلام کے ساتھ تمام تعلقات نصرت و حمایت قطع کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور مظلومان سرنا، ترکی کی مالی امداد کے لیے خود مثال قائم کرتے ہیں اور دوسروں کو زور دارتا کید کرتے ہیں۔

رسالہ ”ضیاء حقیقت“ بھیرہ اور جریدہ ”شمس الاسلام“ سرگودھا و بھیرہ کے اجراء کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو ہندوستان اور دیگر ممالک محروسہ و مغلوبہ کے حالات سے باخبر کیا جائے، دشمنان اسلام کی سازشوں اور ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا جائے اور مشائخ کو ایسے عملی اقدام کے ذریعے ٹھوس رہنمائی اور مؤثر قیادت کے لیے قائل کیا جائے جس سے عام مسلمانوں کی فلاح و اصلاح ہو۔

انقطاع:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، رسالہ ”ضیاء حقیقت“ بھیرہ کا اجرا دراصل حضرت مولانا محمد ذاکر گبوی کی

دیرینہ خواہش کی تکمیل تھی جس کی سعادت حضرت ثالث سیالویؒ کی سرپرستی میں تینوں بگویی برادران کو حاصل ہوئی۔ اختر پریس سرگودھا کی تنصیب بھی اسی منصوبے کا حصہ تھی تاکہ رسالہ خود کفیل ہو اور اسے مالی بحران کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ رسالہ نکالنا کبھی بھی آسان اور سادہ کام نہیں رہا۔ اس کے لیے بہت سارے وسائل، دل گردہ اور محنتی ٹیم درکار ہوتی ہے۔ مولانا ظہور احمد بگویی گوکالج کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر آئے تھے مگر دینی تعلیم کی تکمیل کر رہے تھے۔ اس دوران تحریک خلافت کی مقامی، ضلعی، صوبائی اور ہندوستان گیر مصروفیات نے انہیں رسالے سے دور کر دیا۔ مولانا محمد یحییٰ بگویی سرکاری اور مولانا محمد نصیر الدین بگویی ڈسٹرکٹ بورڈ کی ملازمت کے سبب زیادہ وقت نہ دے سکتے تھے۔ سب سے اہم یہ کہ مالی وسائل کم ہو گئے اور کوئی ٹیم نہ تھی جو اس اہم ذمہ داری کو احسن طریقے سے نباہ سکتی۔

ان وجوہات کی بنا پر کچھ عرصے کے بعد رسالہ ”ضیائے حقیقت“ بھیرہ بند ہو گیا۔

اختر پریس سرگودھا برائے رسالہ شمس الاسلام:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نے اپنے برادران بزرگ بالخصوص مولانا محمد یحییٰ بگویی اور مولانا محمد نصیر الدین بگویی کے مشورے، تائید اور عملی اعانت سے پرنٹنگ پریس کا کام شروع کیا۔ چنانچہ رجسٹر مذکورہ کے مطابق انہوں نے یکم جولائی 1924ء میں مبلغ 392/10 روپے اپنے حصے کے طور پر شامل سرمایہ کیے۔ لاہور میں کسی عبدالباقی نامی شخص سے مبلغ 130/- روپے میں پریس خریدا۔ سرگودھا میں ایک مکان کرایے پر حاصل کیا جہاں اختر پریس کے نام سے مشین نصب کی۔ اسی دوران ڈیکلریشن کے لیے درخواست گزارا۔ جب پریس نے طباعت کا کام شروع کیا تو خلیفہ حضرت ثانی سیالویؒ مولوی احمد دین گانگوییؒ کا رسالہ سماع، اشتہارات اور کتابت مطب مولانا عبدالرسول بکھروی (جذب) جیسے کام یکم جولائی 1924ء سے 30 اپریل 1925ء تک حاصل ہوئے۔

اشاعت و طباعت کا یہ کام ایک خاص مقصد اور مشن کے تحت شروع کیا تھا۔ جس کی تفصیل شمس الاسلام کی تاریخ کے تحت آئے گی، یہ کاروبار ہرگز نہ تھا۔ مدخل و مخارج کے میزان (Balance) سے اندازہ ہوتا ہے اکثر اوقات اخراجات آمدن سے زیادہ ہوئے ہیں اور کبھی کبھار ہی پریس کو فاضل رقم بچی ہے۔ اس کام میں چند معاونین کے نام نظر آتے ہیں جو گاہ بگاہ قرض حسنہ کی شکل میں مدد کرتے رہے ہیں۔ مثلاً مولانا محمد یحییٰ بگویی، مولوی محمد شفیق بگویی، حکیم محمد سعید، شیخ عبدالحق جالندھری، راجہ رام سوداگر کاغذ، مولانا محمد نصیر الدین بگویی۔ جو اصحاب اس پراجیکٹ میں بطور کارکن یا ملازم امداد کرتے رہے ہیں۔ ان میں حکیم عبدالمجید سیفی، شیخ غلام احمد، محمد شریف، عبدالعزیز واحدی وغیرہ شامل ہیں۔

16 مئی 1925ء کو اختر پریس سرگودھا کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ اس موقع پر سواری پیپ کی مٹھائی تقسیم کرنے کے بعد کام کا آغاز ہوا۔

فروری 1927ء تک رسالہ شمس الاسلام کے خریداروں کی تعداد 369 ہے۔ خریداروں میں ڈاکٹر عبدالعزیز رئیس شفا خانہ کابل اور عالی جاہ محمد یوسف اور ڈاکٹر نظامی کابل (افغانستان) بھی شامل ہیں۔ (بحوالہ رجسٹر روزنامہ نقدی۔ بقلم مولانا ظہور احمد بگویی و بقلم مولانا محمد یحییٰ بگویی)

دور ثانی:

شمس الاسلام کے دور ثانی کی جلد نمبر 1 کا شمارہ نمبر 1 جون 1925ء بمطابق ذوالقعدہ 1343 ہجری میں شائع ہوا ہے۔ سرورق پر مرقوم ہے:

”بیادگار جامع الشریعت والطریقت، زبدة العارفین، شیخ المشائخ مولانا محمد ذاکر بگویی نور اللہ مرقدہ جاری کیا گیا۔“

اس کے نیچے درج ہے:

”بسرپرستی و نگرانی حضرت زبدة العارفین، امام السالکین، مخدوم العالم شیخ المشائخ مولانا الحاج ضیاء الملت والدین خواجہ محمد ضیاء الدین دام اللہ تعالیٰ برکاتہم زیب آرائے مسند سیال شریف“

اور رسالے کے نام کے ساتھ واضح کیا گیا ہے:

”علمی، اخلاقی و صوفیانہ مضامین کا ماہواری رسالہ“

رجسٹر ڈائل نمبر 1855 کے تحت رسالہ شمس الاسلام، اختر پریس، بلاک نمبر 3 متصل گول چکر سرگودھا سے شائع ہوا ہے جس کے مینجر مولانا ظہور احمد بگویی، ظہور احمد اختر کے نام سے کام کر رہے تھے۔ اختر پریس سرگودھا کی تشکیل میں ہر سہ بگویی برادران مولانا محمد یحییٰ، مولانا محمد نصیر الدین اور مولانا ظہور احمد بطور حصہ دار شامل تھے مگر سارے کاروباری معاملات اور پریس چلانے کی ذمہ داری آخر الذکر پر تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے جلد دوم)

ادارت:

تحریک خلافت میں چونکہ مولانا ظہور احمد بگویی اسیر فرنگ رہ چکے تھے اس لیے سرکاری ایجنسیوں کی رپورٹیں ان کے خلاف تھیں۔ انگریزی سرکار ایسے ”خطرناک“ سیاسی شخص کو آسانی سے ایڈیٹر، پرنٹر یا پبلشر بننے کی

اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ سامراجی اور استعماری تسلط میں حکمرانوں کے لیے سب سے خطرناک اور نقصان دہ امر، محکوم عوام کا حالات سے باخبر ہونا اور اپنے حقوق کا شعور حاصل کرنا ہے۔ یہ قوت اور صلاحیت، قلم اور پریس سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ظالمانہ اور آمرانہ دور میں قلم اور اہل قلم کو ہمیشہ پابند سلاسل کیا گیا۔ تحریروں پر پہرے بٹھائے گئے، پریس پر پابندی عائد کی گئی اور تالے لگائے گئے۔ ٹائپ مشین اور چھاپہ خانے استعمار کے لیے توپ و تفنگ سے بڑھ کر پریشان کن رہے ہیں۔ لیکن مولانا بگویی کے لیے اظہار کا یہ مؤثر ذریعہ سرے سے بند تھا۔ چنانچہ اپنی راہ نکلنے اور حق کا آواز بلند کرنے کے لیے انہوں نے تدریج اور تحمل کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کیا تاکہ اپنا اعلیٰ مقصد حاصل کر سکیں:

1- حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے مخلص مرید اور اپنے معتمد دوست شیخ عبدالمعز واحدی کو بطور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نامزد کیا۔ شیخ واحدی پیشے کے اعتبار سے گھڑی ساز تھے اور سرگودھا میں دکانداری کرتے تھے۔

2- ظہور احمد اختر کے نام سے سرگودھا میں اختر پریس لگایا تاکہ ایک تو رسالے کی طباعت میں آسانی رہے اور دوسرا عام طباعت و اشاعت سے معقول ذریعہ آمدن بھی حاصل ہوتا رہے۔

3- رسالے کو علمی، اخلاقی، اصلاحی اور صوفیانہ مضامین تک محدود رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ رسالہ ایک بار Establish ہو جائے اور سرکار کی مہلک نظروں اور اس کے خوفناک سنسر سے محفوظ ہو جائے۔ ورنہ معمولی سی غلطی سے احتمال تھا کہ رسالہ بند اور پریس ہی ضبط نہ ہو جائے۔

4- حضرت خواجہ ضیاء الدین ثالث سیالوی فکر اور فعل کے اعتبار سے واقعی مجاہد تھے۔ ان کی زندگی اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت سے عبارت تھی۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ تحریک خلافت نے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی جو جوت جگادی تھی، اسے روشن بنایا جاتا اور خیر کے جذبات سے فلاح و صلاح کے مزید اور بڑے کام لیے جاتے۔ شمس الاسلام کا اجراء، اس اعتبار سے مولانا بگویی اور حضرت ثالث سیالوی جیسے دو بڑے خادمان اسلام کی کاوشوں کا نکتہ ارتکاز تھا۔ اس کوشش کا مقصد یہ تھا:

ا- متوسلین اور معتقدین سیال شریف کے لیے نظم و اتحاد۔

ب- صوفیاء کی تعلیمات سے برادران سلسلہ کی تربیت و رہنمائی۔

ج- مسلمانوں کی عمومی، اخلاقی اور سماجی اصلاح۔

د- اسلام دشمن فرقوں اور جماعتوں کے حملوں کا دفاع۔

چنانچہ مولانا "ہمارا نصب العین" (ص: 2-4) کے تحت لکھتے ہیں:

ہمارا نصب العین

ابتدائے آفرینش سے حضرت انسان کی ہدایت و تعلیم کے لیے پروردگار عالم کی طرف سے ایسے اشخاص مامور ہوتے رہے جنہیں پیغمبرِ خدا یا نبی و رسول کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں پیغمبر دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ انہوں نے خالق و مخلوق کے درمیان ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے کی کوشش کی اور احکام الہی کی تبلیغ و تعلیم میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ ظالم سے ظالم قوموں سے انہیں واسطہ پڑا۔ طرح طرح کے دکھ اور مصائب برداشت کیے مگر زبان سے اف تک نہ کی اور اپنے اہم مقصد کی تکمیل کے لیے ہمہ تن کوشاں رہے۔ سب سے آخر ایک مکمل انسان، خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین کی ضرورت کو احکم الحاکمین نے سید انس و جان حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے پورا کر دیا۔ حضور کی رسالت مثل آفتاب دنیا پر چمکی اور تمام دوسرے ادیان و مذاہب ستاروں کی طرح معدوم ہو گئے۔ حضور خاتم النبیین کا خطاب عطا فرما کر سنی نئے نبی کی عدم ضرورت کا اعلان کر دیا گیا۔ اليوم اکملت لکم دینکم و رضیت لکم الاسلام دینا الخ۔ ان الدین عند الله الاسلام۔ اور اسی طرح کئی احکام کے ذریعہ تمام نعمت اور مذہب اسلام کے سوا تمام ادیان کی تفسیح کا اظہار کیا گیا۔ اور امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے ذمہ دنیا کی ہدایت و ارشاد کا کام سپرد ہوا۔ کنتم خیر امة اخرجت الناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر الخ۔ والمؤمنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر الخ وجعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس۔ والتکن منکم امة یدعون الی الخیر الخ۔ اور اسی طرح کئی احکام کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کا کام امت مسلمہ پر فرض کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات علماء امتی کا الانبیاء بنی اسرائیل۔ بلغو عنی ولو بآیة۔ کلکم راع و مسئول عن رعیتہ سے بھی تعلیم و تعلیم، دعوت و ارشاد کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اللہ اور اس کے رسول کے کام کی تکمیل میں خون پانی ایک کر دیا اور دعوت حق کو دنیا کے گوشوں تک پہنچا دیا۔ نصف صدی کے اندر بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک خشکی و تری کا کوئی حصہ کلمہ حق کی گونج سے خالی نہ رہا۔ مسلم سواد آروں نے چین، ملاوا، یمن، لکادیو، انکا۔ ساہیریا۔ ترکستان۔ قفقاز اور افریقہ کے لوق و دق صحراؤں اور جنگلات میں پہنچ کر اسلام کی اشاعت کی۔ حضرات صوفیائے کرام کے دم قدم کی برکت سے ہزار ہا اقوام حلقہ گوش اسلام ہوئیں۔

جوں جوں زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا مسلمانوں کی علمی و عملی حالت میں تنزل پیدا ہوتا گیا۔ دینی حالت کی کمزوری کا نتیجہ دنیوی حالت کی تباہی کی صورت میں نازل ہوا۔ مسلمانوں نے لا تہسو ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین کو بھلا دیا۔ اسلام کے احکام اور قرآن سے منہ موڑ لیا تو ذلت و خسران کے رڑھے میں پڑ گئے اور مغربی الحاد اور بدعت کے شر سے اسلام کے چہرہ پر بدنماداغ لگنے لگے۔ بقول شاعر

بھنور میں کشتی ہے قوم کی اب تھیڑے رہ رہ کے کھا رہی ہے

ہماری ہستی کی شمع یارو ہوائے مغرب بجھا رہی ہے

علوم دینی سے لاپرواہی و جہالت کی وجہ سے مغربیت کی زبردست تقلیدی رو میں نئے تعلیم یافتہ نوجوان بہہ گئے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کے لیے بھی نئے نئے طریقے رائج ہوئے۔ چنانچہ آج کل قوم کی حالت بگاڑنے یا سنوارنے میں جس قدر اخبارات و رسائل کا دخل ہے اور کسی چیز کو حاصل نہیں۔ ہندوستان میں اس وقت غیر مذاہب کے ہزاروں تبلیغی رسائل جاری ہیں اور مغربیت سے متاثر نوجوان مسلمانوں کی ادارت میں کئی رسائل جاری ہو چکے ہیں۔ غرض ہر طرف سے اصلی اور سچے اسلام کی صورت کو مسخ کرنے کے لیے پیہم اور لگاتار کوششیں جاری ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس اور اسلام کے متعلق عیسائیوں اور آریوں کی طرف سے سخت گمراہ کن اور زبردست تبلیغ ہو رہی ہے۔ اسلام کے گمراہ فرقوں میں سے شیعہ اور قادیانی بھی اپنی جماعتی تبلیغ کے لیے کوشاں ہیں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد چن کر مسلمانوں میں الحاد و بدعت کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ اہل سنت و الجماعت پر ہر طرف سے اعتراضات کیے جا رہے ہیں۔ رسائل، اخبارات، تحریر، تقریر، ٹریکٹ، ہینڈ بل، پوسٹر غرض ہر ذریعہ سے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ صوفیائے کرام کے مرنج و مرجاں فرقہ پر بھی طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں مگر ہمارے علمائے کرام اپنی پرانی روش پر قائم ہیں اور عہد حاضر کے ذرائع تبلیغ کو کام میں لانا نہیں جانتے۔ اسلام کی سب سے بڑی خدمت ایسے رسائل و اخبارات کے اجراء سے ہو سکتی ہے جو اصلی اور سچے اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور گمراہ کن تبلیغ اور اعتراضات کا مہذبانہ پیرایہ میں جواب دے کر اتحاد کی طرف تمام مسلمانوں کو دعوت دیں۔

حضرت فخر الاسلام، زبدۃ العارفین، مخدوم خواجہ حافظ مولانا محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف دام اللہ تعالیٰ کا کافی عرصہ سے ارادہ مبارک کسی ایسے رسالہ کی سرپرستی کا تھا۔ حضور فرمایا کرتے ہیں کہ:

”جس قوم کی تاریخ نہ ہو وہ لوگی ہے اور جس قوم کے اخبار و رسائل نہ ہوں وہ بہری ہے۔“

رسالہ ہذا محض حضور کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں بغرض ہدایت عامہ مسلمین جاری کیا گیا ہے۔ اس کے اجراء سے مالی فائدہ مقصود نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں نے تو وسیع اشاعت میں حصہ لے کر کارکنوں کی حوصلہ افزائی کی تو امید ہے کہ رسالہ خدمت اسلام کے لیے بہت کچھ ذخیرہ خریداروں کے پاس مہیا کر دے گا اور حجم بھی بڑھا دے گا۔ امید ہے کہ تمام اہل اسلام عموماً اور حلقہ گوشان پیر سیال خصوصاً رسالہ کی اشاعت بڑھانے میں پوری کوشش کر کے کارکنان کی حوصلہ افزائی کا باعث بنیں گے۔

چونکہ احقر کو حضرت زبدۃ العارفین جامع الشریعت والطریقت سیدنا و مولانا محمد ذاکر صاحب گوبی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قلبی ارادت و نسبت کا فخر حاصل ہے لہذا تبرکاً حضرت مرحوم کی یاد میں رسالہ ہذا جاری کیا گیا۔ (ایڈیٹر)

موضوعات:

گورسالی کے شروع میں فہرست مضامین درج نہ ہے تاہم مندرجہ ذیل مضامین اور نظمیں شائع ہوئی ہیں:-

☆ سلف صالحین: سیدنا حضرت ابو بکر صدیق ص: 6-9

مسلمانوں میں سچی اسلامی روح پیدا کرنے کے لیے مشائخ عظام و دیگر بزرگان اسلام کے حالات کا شائع کرنا دور حاضر میں نہایت ضروری ہے۔ اسلام کی سچی تعلیم کا نمونہ، ایثار، مجسم اور ورع و تقویٰ اور حقیقی تصوف پر حامل بزرگان دین کے حالات سلسلہ وار ہر ماہ انشاء اللہ شائع ہوتے رہیں گے۔ فی الحال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے اس سلسلہ کو شروع کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

☆ چالیس سوالات اور ان کے جوابات: ص: 9-16

اعلیٰ حضرت لوامع النور، زبدۃ العارفین، قبلہ عالم، سجادہ نشین سیال شریف دام اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جناب مولوی محمد حیات صاحب ساکن جمالی ضلع شاہپور نے چالیس سوالات بغرض جوابات ارسال کیے تھے۔ حضرت ممدوح نے تمام سوالات کے جوابات سائل کی درخواست پر نہایت اختصار کے ساتھ قرآن شریف کی آیات کی روشنی میں فرمادئے تھے۔ اگرچہ بظاہر سوا بعض سوالات کا مکمل جواب معلوم نہ ہوں مگر غور کرنے سے تمام مطالب حل ہو سکتے ہیں۔ ہم تبرکاً مولوی محمد حیات صاحب کا خط، ان کے سوالات اور حضرت ممدوح کی طرف سے جوابات اس رسالے میں بغرض فائدہ حضرات عمائے کرام درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

☆ امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کے نصاب ص: 17-19

☆ آریہ کیا کھاتے ہیں؟ ص: 19-21

☆ اسلام اور عیسائیت کا فاضلانہ موازنہ ص: 21-25

سر ارچبڈ ہملٹن یارٹ صاحب برطانیہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ملکہ معظمہ

کے معزز و مقتدر رشتہ داروں میں سے ہیں۔ اب حال ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ آپ نے ان محاسن اسلامی کا تذکرہ کیا ہے جن کی کشش نے آپ کو مسخر اور گرویدہ کر لیا۔ آپ نے ایک انگلش سنڈے پیپر میں ایک عالمانہ مضمون شائع کرایا ہے جس میں آپ نے اسلام کی خوبیوں کو نہایت عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ ہم آپ کے فاضلانہ مضمون کا ترجمہ درج رسالہ کرتے ہیں کہ آپ کی تصریحات بہت سے متلاشیان حق کے لیے خضر راہ ثابت ہوں گی۔ (ایڈیٹر)

☆ مسلمانوں کی موجودہ حالت (نظم) ص: 25

از جناب میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد

☆ معجزہ شق القمر۔ مہابھارت کی شہادت ص: 26-28

☆ اطمینان قلب ص: 28-32

مولانا محمد سعید میانوی

☆ قانون تعذیب امم ص: 32-38

مولوی محی الدین احمد بی اے قصوری

☆ مسلمانوں کی ذلت آفرین تباہی ص: 38-39

مقدمہ بازی۔ مسلمانوں کو ڈرانا

☆ خلاصہ اخبار ص: 40

اس عنوان کے تحت حضرت سجادہ نشین سیال شریف، دربار سیال شریف اور دارالعلوم سیال شریف کے بارے میں اطلاعات ہیں۔ زائرین بیت اللہ کی روانگی کے ساتھ جدہ میں شریف مکہ اور اہل نجد کے درمیان جنگ کا تذکرہ ہے۔ ہسپانیہ میں ریف کے مجاہدین کا ذکر ہے اور آخر میں جامع مسجد بھیرہ اور وہاں قائم دارالعلوم عزیز یہ کے بارے میں بتایا ہے۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے:

خلاصہ اخبار

☆ عالی جناب زبدۃ العارفین، مخدوم العالم، حضرت ضیاء الملت والدین سجادہ نشین سیال شریف دام اللہ

تعالیٰ برکاتہم بخیر و عافیت سفر تونہ شریف سے واپس سیال شریف میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔

☆ دربار سیال شریف میں بالکل خیریت ہے مولانا مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس دارالعلوم کی

حالت رو بصحت ہے۔ دارالعلوم میں ایک شاخ کتب کی کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ نیز ضروری علوم

دنیاوی، حساب، تاریخ و جغرافیہ بھی داخل نصاب کیے جائیں گے۔

☆ خدا کا شکر ہے کہ امسال بھی زائرین بیت اللہ الحرام و حرم نبوی کے قافلے عالم اسلام سے روانہ ہو چکے

ہیں۔ اگرچہ جدہ میں حامیان شریف اور نجدیوں کے درمیان حالت جنگ موجود ہے۔ مگر ابن سعود

نے لیت قنذہ اور رابغ کے بنادر پر حجاج کے اترنے کا انتظام کیا ہے۔ بہمنی سے اب تک دو جہاز

عازم رابع ہو چکے ہیں۔

☆ مجاہدین ریف جن کی حرارت ایمانی، عزم و استقلال اور دینی جوش کے مقابلہ میں ہسپانیہ کو گزشتہ چار سال سے متواتر ہزیمتیں حاصل ہوئیں۔ اب ایک نئے خطرناک حملہ کا مقابلہ پامردی سے کر رہے ہیں۔ فرانس نے ان مٹھی بھر مجاہدین پر حملہ کر دیا ہے۔ جنگ بڑے زور سے جاری ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر جگہ اس بہادر و غیور مسلم قوم کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔

ربنا افرغ علينا صبراً و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین۔

☆ مقامی حالات: مسجد جامع کی مرمت مکمل ہو چکی ہے۔ مدرسہ اسلامیہ کامیابی سے جاری ہے۔ شہر سرگودھا کے مشہور خادم اسلام مولوی ظہور احمد صاحب گوی سیال شریف چلے گئے ہیں اور انہوں نے سرگودھا کی رہائش ترک کر دی ہے۔ لہذا ضلع خلافت کمیٹی مردہ ہو چکی ہے۔

سالانہ چندہ:

دور ثانی کے ماہنامہ ”شمس الاسلام“ کا دفتر سرگودھا میں تھا۔ رسالے کے سالانہ چندے کی تفصیل اس طرح ہے:

چندہ سالانہ معاونین و رؤساء سے	5/- روپے
عوام الناس سے	1/8 روپے
طلباء مدارس سے	1/- روپیہ
ممالک غیر سے	6/- روپے

اعلان برائے خریداران:

چونکہ رسالہ خرید کر پڑھنے والے قارئین کم ہوتے تھے اس لیے حلقہ خریداران بڑھانے کے لیے خصوصی پیش کش کی گئی ہے۔ ”اعلان“ کے تحت لکھا ہے:

”رسالہ ہذا محض بغرض اصلاح عقائد و خدمت اسلام و مسلمین جاری کیا گیا ہے۔ اس کے اجراء سے کوئی دنیوی فائدہ مقصود نہیں ہے۔ لہذا تمام مسلمانوں کو خصوصاً وابستگان دربار سیال شریف کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اشاعت بڑھانے کے لیے پوری کوشش کریں۔ وسیع اشاعت میں امداد دینے والے حضرات کے اسماء گرامی ہر ماہ رسالہ ہذا میں شکر یہ کے ساتھ درج ہوتے رہیں گے۔ پانچ خریدار دینے والے کو سال بھر اور 3 خریدار دینے والے کی

خدمت میں رسالہ ہذا مفت جاری کیا جائے گا۔ جو صاحب 20 خریدار عطا فرمائیں گے ان کے پاس رسالہ ہذا ہمیشہ بلا قیمت ارسال ہوتا رہے گا۔ رسالہ ہذا کا ایک خریدار دینے والے کو رسالہ سماع الابرار و الفجار یا محشر ستاں خیال میں سے کوئی ایک کتاب مفت بھیج دی جائے گی۔ بشرطیکہ خریدار دینے والا پہلے خود خریدار ہو۔

المعن

مینجر رسالہ شمس الاسلام سرگودھا

اغراض و مقاصد:

- 1- رسالہ "شمس الاسلام" سرگودھا کے اجراء کی غایت (مارچ اپریل 1926ء کے شمارہ میں) یہ بیان کی گئی ہے: تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کی خدمت بجالانا۔ نیز مسلمانوں کو ان کی اندرونی خرابیوں اور خلاف شرع رسومات و بدعات سے متنبہ کرنا۔
- 2- صوفیائے کرام کی نمائندگی کرتے ہوئے اشاعت تصوف کرنا۔
- 3- تمام مسلمانوں خصوصاً غلامان پیرسیال کے درمیان رشتہ اخوت محبت و تعلق قائم کرنا۔
- 4- مخالفین اسلام کو مدلل جواب دے کر تمام ادیان و مذاہب پر اسلام کو افضل ثابت کرنا۔
- 5- سلف صالحین کے سوانح و حالات قوم کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کی تقلید پر آمادہ کرنا۔
- 6- مسلمانوں کی معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی، تمدنی، دینی حالت کی اصلاح کے لیے مفید مطلب مضامین شائع کرنا۔

شذرات:

اس عنوان کے تحت تین موضوعات پر مولانا ظہور احمد بگویی نے (شمس الاسلام - مارچ 1926ء - ص: 2-5) اظہار خیال کیا ہے۔

- ا۔ وفد خلافت برائے حجاز
 - ب۔ نظم و نسق حجاز و حرین
 - ج۔ مسلمانوں کے خلاف رائٹر کا پراپوگنڈہ
- مسلمانان ہند کی بد قسمتی و بد بختی سے ہر ماہ نئے نئے فتنے ملک میں کھڑے ہو رہے ہیں۔ ابھی خدا

خدا کر کے ایک فتنہ کا سدباب ہوتا نظر آتا ہے کہ ایک نئے فتنہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اتحاد و مصالحت کی ہر کوشش ناکام نظر آ رہی ہے۔ مسئلہ حجاز کے خاطر خواہ تصفیہ اور اصلی و صحیح واقعات سے اہل ملک کو مطلع کرنے کی غرض سے وفد خلافت ہندوستان سے حجاز بھیجا گیا تھا۔ وفد کے اراکین اسلامی ہندی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اور مسلمانان ہند کے ایک بہت بڑے طبقہ کو ان کی دیانت و صداقت پر اعتماد تھا اور امید تھی کہ سر زمین حجاز میں دونوں وفود کے اراکین میں نتیجہ تحقیقات کے متعلق اتفاق رائے ہوگا۔ مگر افسوس کہ وفد کی واپسی سے حالات زیادہ نازک صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اور راہنمایان قوم کے درمیان مزید اختلاف و انشقاق نے عوام کو پریشان کر رکھا ہے۔ مولوی محمد عرفان صاحب اور مسٹر شعیب قریشی اور جناب ظفر علی خان صاحب تینوں کے بیان ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ اول الذکر حضرات جناب ظفر علی خان صاحب کو نندار اور ان کے بیان کو سراسر کذب و افترا اور ابن سعود کی حمایت کا ناجائز پراپیگنڈا ظاہر کرتے ہیں۔ بقول مولوی عرفان صاحب ابن سعود تو قعات سے بڑھ کر عیار ثابت ہوا ہے اور اس نے مواعید و اعلانات کو پس پشت ڈال دیا ہے جس موخر عالم اسلام کے انعقاد کا وہ وعدہ کرتا ہے اس کا نہ ہونا بہتر ہے اور اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنا ضروری ہے۔ مسٹر شعیب قریشی انہدام قبہ جات کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ باشندگان حجاز کی مرضی و منشا کے خلاف ابن سعود نے ملک الحجاز کا لقب اختیار کیا ہے دوسری طرف جناب ظفر علی خان صاحب نمائندہ ایسوسی ایٹڈ پریس کے سامنے اپنے بیان میں ظاہر کرتے ہیں کہ مقدس مقامات کی بے حرمتی نہیں ہوئی اور ابن سعود نے حجازیوں کی خواہش و اصرار سے ملوکیت حجاز کو قبول کر لیا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اخبار زمیندار کی موجودہ روش سے سخت بیزار ہیں اور آپ نے مسلسل علالت کے باوجود جامع مسجد دہلی کے منبر پر بروز جمعہ تین گھنٹہ تقریر فرمائی جس میں بقول ”ہمدرد“ اخبار زمیندار میں شائع شدہ بیانات کی قلعی کھولی گئی۔ اور ابن سعود کے افعال کو قابل مذمت قرار دیتے ہوئے زمیندار کی ناجائز حمایت اور دروغ بیانی کا تار و پود بکھیرا گیا۔ اس پر اخبار زمیندار کے کارپردازوں اور مولانا ممدوح کے درمیان تو تو میں میں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اختلاف رائے کوئی معیوب چیز نہیں اور ایک دوسرے پر جائز نکتہ چینی کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ مگر زمیندار کے افکار و حوادث کے کالم میں رئیس الاحرار کے خلاف متانت و شائستگی اور تہذیب سے گھرے ہوئے ریمارک مدیر زمیندار کی بدحواسی اور دریدہ بینی کی دلیل ہیں۔ موقر معاصر الامان دہلی رقمطراز ہے:

”چونکہ مولانا محمد علی صاحب کو زمیندار کی ضمیر فروشی اور غداری کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لہذا مدیر افکار و حوادث آپ سے بہت ناراض ہے اور ”واعظ شیوا بیاں“ وغیرہ کے فقرے چست کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ خدام الحرمین والے، مہینوں سے چیں چیں کر رہے ہیں اگر ان میں کسی واعظ کی ہیں ہیں بھی شامل ہو جائے گی تو ابن سعود کا کیا بگاڑے گی؟“

شاید زمیندار کو معلوم نہیں کہ جس صدائے حق کو وہ پیس پیس کے نام سے موسوم کر رہا ہے وہ بے ایمانی، ضمیر فری، غداری اور وعدہ خلافی کے حق میں صاعقہ خرمین سوز ثابت ہوگی۔ اس لیے کہ جو صد احق کی حمایت میں اٹھتی ہے وہ فطرت الہی کو اپنے آغوش میں لیے ہوتی ہے اور اگر ہزار شیاطین بھی غوغا بلند کریں تو اسے مغلوب نہیں کر سکتے۔ الخ

مسلمانوں کو وفد سے جو توقعات تھیں وہ غلط ثابت ہوئیں اور آج اسلامی ہند کی حالت پہلے سے زیادہ محتاج اصلاح ہے۔ ابھی تک خدام الحرمین کا وفد حجاز میں مقیم ہے۔ اللہ ہی کو علم ہے کہ ان کی واپسی کے انتظار میں کون کون سے فتنے مچو خواب ہیں۔

===== ●●●●●●●●●● =====

عالم اسلام کے جسم میں حجاز بمنزلہ قلب واقع ہے۔ جس طرح قلب کی حالت کا اثر جسم کے دوسرے اعضا پر ناگزیر ہے اسی طرح قلب اسلام یعنی حجاز میں فتنہ و فساد تمام دنیائے اسلام کے لیے باعث اضطراب ہے۔ ارض حجاز اور خصوصاً حرمین الشریفین کا ملکیت کی حرص و آزار افواج کی جولانگاہ سے محفوظ رہنا ضروری ہے۔ کسی خاص قوم یا فرقہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کو اپنی ملکیت قرار دے۔ عالم اسلام کو حق حاصل ہے کہ وہ نظم و نسق حجاز میں حصہ لے اور تشکیل حکومت میں حجازیوں کو امداد کرے۔ آج کل ترک، مصری، ایرانی اور افغان سب اپنے اندرونی معاملات کی اصلاح میں مصروف ہیں اور قومیت و وطنیت کے ملعون تصور نے عالم اسلام کے ہر فرد کو دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے حکم کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے ذلتِ محکومیت کی لعنت اختیار کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ خدا وہ دن جلد لائے جب بلاد اسلام و فرماں روایان اسلام میں مدافعانہ و جارحانہ اتحاد و شرکت عمل ہو اور آفتاب کی کرنوں سے کفر کی ظلمت ہر جگہ پریشان ہو۔

===== ●●●●●●●●●● =====

قضیہ موصل ابھی تک حل نہیں ہوا۔ انگورہ و لندن کے تعلقات میں خرابی آتے ہی رائیٹر کا لہجہ بدل چکا ہے اور مدت سے ترکوں کی بے دینی اور بے غیرتی کے افسانے تمام دنیا میں پھیلانے جا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو ترکان احرار سے برگشتہ اور متنفر کرنے کے لیے زبردست پراپوگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ فرانس و اطالیہ سے ترکوں کے خلاف اتحاد کی طرح ڈالی گئی اور انگریزی مدبر جمعیت الاقوام کی عدالت سے اپنے حسبِ منشا فیصلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ترک بھی اس سے غافل معلوم نہیں ہوتے اور زبردست جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ہوائی طاقت میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ فوجی خدمت لازمی کر دی گئی۔ خدا نخواستہ اگر جنگ چھڑ گئی تو یہ جنگ عالمگیر ثابت ہوگی۔ گزشتہ جنگ کی تباہی و بربادی کے اثرات ابھی تک دور نہیں ہوئے مگر حرص و آزار و خونریزی کے دیوتاؤں کی پیاس ابھی تک نہیں بجھی۔ ترکوں نے روس و افغانستان سے

مدافعانہ عہد نامہ کر لیا ہے اور حال ہی میں فرانس اور ترکوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہوا ہے۔ جس کی رو سے کسی فریق کے ساتھ جنگ ہونے پر فریق ثانی کا غیر جانبدار رہنا ضروری ہوگا۔ مجاہدین کے روز روز کے حملوں سے مجبور ہو کر فرانسیسیوں کو ایسے عہد نامہ پر دستخط کرنے پڑے ہیں۔

سیال شریف کا عرس نمبر:

ستمبر 1925ء، صفر 1344ھ میں شمس الاسلام نے حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ شمس الدین سیالوی کے عرس مبارک کے موقع پر 40 صفحات پر مشتمل خصوصی عرس نمبر شائع کیا۔ اس میں حضرت سیالوی کے حالات، ملفوظات، کلمات اور نظموں کے علاوہ اصول طریقت، تاریخ صحابہ اور دیگر علمی مضامین شامل ہیں۔ آخر میں 7 صفحات پر مشتمل نقشہ اعراس خواجگان چشت ہے جس میں تاریخ وفات، سن ہجری، سن عیسوی، عمر اور نام کے علاوہ مدفن شریف کا بھی ذکر ہے۔ سیال شریف کے اعراس خصوصاً حضرت اعلیٰ سیالوی کے عرس پر ہندوستان بھر میں کسی ماہانہ رسالے کا یہ پہلا نمبر ہے جو خصوصی اشاعت کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔

عرس سیال شریف:

”شمس الاسلام“ سرگودھا اور ”ضیائے حقیقت“ بھیرہ دونوں بنیادی طور پر آستانہ سیال شریف کے ترجمان اور اس کے پیغام کے نقیب تھے۔ یکم تا 3 ستمبر 1926ء کو سیال شریف میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کا عرس مبارک منعقد ہوا۔ جس میں ہزار ہا زائرین کے علاوہ درج ذیل علماء و مشائخ نے شرکت کی:

حضرت مولانا معین الدین اجمیری، مولانا سید حبیب شاہ مالک اخبار سیاست لاہور، مولانا محمد عرفان رکن جمعیت العلماء حجاز، حضرت سید محمد فضل شاہ جلال پور شریف، حضرت حافظ محمد حسین مرولہ شریف، نواب سید ملک خدا بخش ٹوانہ، میاں محمد حیات قریشی (سی آئی ای) مولانا محمود گنجوی اور دیگر علماء و فضلاء و رؤساء و مشائخ وغیرہ۔ اس کے بعد مسائل نجد پر حضرت مولانا ظہور احمد گبوی کی دو اہم قراردادوں کا ذکر مرقوم ہے جن کا تعلق حرمین کے معاملات اور اخبار سیاست کی خریداری سے ہے۔

مولانا گبوی، حضرت اعلیٰ کے عرس مبارک کی روکداد میں لکھتے ہیں:

مورخہ 23 صفر بعد نماز مغرب حضرت استاذ العلماء مولانا معین الدین اجمیری کا وعظ مجلس خانہ میں ہوا۔ جس میں مولانا ممدوح نے اپنے مخصوص طرز بیان سے حاضرین کو مسئلہ علم غیب کی حقیقت و دیگر امور اہم سے آگاہ فرمایا۔ دوسرے دن صبح 11 بجے مجلس منعقد ہوئی جناب سید حبیب نے ڈیڑھ گھنٹہ مظالم نجد و دیگر مسائل حجاز پر مفصل و مدلل اور معرکہ الآراء تقریر فرمائی۔ اور اپنے چشم دید حالات بیان کیے۔ نجد یوں

کے حال سن کر تمام حاضرین کی آنکھیں پر نم تھیں اور ان کے جذبات براہِ یغختہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ صوفی خدا بخش صاحب نے کھڑے ہو کر دست بستہ حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کیا۔

”اے شہنشاہ اب سننے کی تاب نہیں۔ کوئی راہ عمل تجویز فرمائیے۔ میں اپنا تمام مال، عزیز واقارب اور جان تک حضور رومی رحمۃ اللہ علیہ کے راستے پر فدا کرنا چاہتا ہوں۔“

حاضرین پر رقت کا عالم طاری تھا اور اپنی بے بسی پر اشک حسرت بہا رہے تھے۔

قرارداد مذمت:

اس کے بعد مولانا ظہور احمد بگویی نے حسب ذیل قرارداد پیش کی جس کی پر زور تائید حضرت مولانا معین الدین نے فرمائی اور مولوی الہ دین صاحب ساکن ملکوال کی تائید کے بعد نعرہ تکبیر کے ساتھ یہ قرارداد اتفاق آرا سے پاس ہوئی۔

”عرس سیال شریف کا یہ اجتماع عظیم و بابیاں نجد کو انہدام مقابرو ماثر و مساجد، مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی تکفیر اور مواعید کی خلاف ورزی سمجھتے ہوئے ان پر نفرت و حقارت کا اظہار کرتا ہے اور اخبار سیاست و جمعیت خدام الحرمین کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے جن کی انجام بینی و عاقبت اندیشی کا اعتراف وفد خلافت حجاز کے بعض ذمہ دار اراکین اپنی تقریروں میں کر چکے ہیں۔“

نجدیت کے حامی اخبارات کا ترک مطالعہ:

نیز اعلیٰ حضرت قبلہ عالم سجادہ نشین صاحب سیال شریف کی طرف سے مولانا ظہور احمد بگویی نے حسب ذیل اعلان پڑھ کر سنایا:

”عقیدت مندان دربار سیال شریف کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ایسے دور پُرفتن میں عقاید و اعمال کو تباہ کن اثرات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے اخبارات کا مطالعہ ترک کیا جائے جو کہ نجدیت کی تائید میں مصروف ہوں۔ نیز اخبار بین طبقہ کی خواہشات پورا کرنے کے لیے اخبار سیاست کی سفارش کی جاتی ہے۔ جو لوگ کسی روزانہ اخبار کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ سیاست کے خریدار بن جائیں۔“

حضرت مولانا بگویی کی یہ دونوں قراردادیں اہل سنت و الجماعت کے عقائد کی سلامتی، ان کے جذبات کی ترجمانی اور مخالفین کے پراپوگنڈے کے استیصال کے لیے نہایت اہم تھیں۔ خصوصاً جب ان کی منظوری سلسلہ چشتیہ

نظامیہ کے جید علماء و مشائخ اور دیگر اہل ثروت، آستانہ سیال شریف کے ایک نہایت اہم اجتماع میں دے رہے تھے۔ جس میں حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی خود موجود تھے۔ اگلے روز عرس پر موجودا کا بر علماء و مشائخ کا ایک خصوصی اجلاس بند کمرے میں ہوا جس نے علامہ عنایت اللہ مشرقی کی تصنیف ”تذکرہ“ کے مندرجات پر غور و فکر کیا۔

اس مذاکرے کی تفصیل پڑھیے:

علامہ مشرقی کے تذکرہ پر گرفت:

مورخہ 24 صفر بروز جمعہ صبح 9 بجے معززین علماء و مشائخ کا ایک خاص جلسہ بنگلہ میں منعقد ہوا۔ جس میں حاضری زیادہ سے زیادہ چالیس کی تھی۔ خاص مدعو حضرات کے سوا کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری دام برکاتہم نے امرتسر کے مجدد ہریہ عنایت اللہ مشرقی کی کتاب تذکرہ کے چند اقتباسات پڑھ کر فرمایا کہ دہریت کو رواج دینے اور اسلام کی تعظیم کو مسخ کرنے کے لیے سب سے خطرناک اور زبردست حربہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور نئی روشنی سے متاثر اور جاہل طلباء کا اس سے گمراہ ہونا یقینی ہے۔ آخر میں مولانا نے سیال شریف میں دارالاشاعت قائم ہونے پر زور دیا۔ تاکہ اس مرکز ہدایت سے اس قسم کی زہریلی تحریروں کے جوابات شائع ہوتے رہیں۔

طویل بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ حضرت مولانا مدوح اس کا جواب لکھیں اور دربار سیال شریف کی طرف سے اسے شائع کرایا جائے۔ اس مقصد کے لیے حضرت سجادہ نشین صاحب قہد انوار سرخدا بخش خاں ٹوانہ، میاں محمد حیات قریشی، ابوالبرکات حضرت صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف نے اعانت کا وعدہ فرمایا۔ (شمس الاسلام۔ نومبر دسمبر 1926ء)

یہ علمائے حق کی دوراندیشی ہے کہ انہوں نے عقائد سے انحراف اور طریقہ اسلاف سے روگردانی کو بہت جلد بھانپ لیا اور اس کے تدارک کے لیے فوراً آمادہ عمل ہو گئے۔

عرس پر مولانا حسین علی صاحب وال بھچراں کی آمد:

علماء و مشائخ، علامہ مشرقی کے افکار و نظریات پر بحث میں مصروف تھے کہ مشہور عالم اور منظر مولانا حسین علی وال بھچراں ضلع میانوالی کی مع جماعت آمد کی اطلاع ملی۔ روئد اعرس میں مذکور ہے:

علم غیب کا مسئلہ:

ابھی تذکرہ کے متعلق بحث کا سلسلہ جاری تھا کہ کسی آدمی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جناب مولانا حسین علی صاحب ساکن وال بھچراں مع اپنی جماعت کے پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ مولانا صاحب کو اس خاص جلسہ میں شامل کر لیا گیا۔ مولانا صاحب اپنے علاقہ کے ممتاز فاضل اور نقشبندی سلسلہ کے مشہور شیخ ہیں۔

عرصہ تین سال سے آپ نے اپنی زندگی کا اہم مقصد یہ سمجھ رکھا ہے کہ لوگوں کے ذہن نشین اچھی طرح کرادیا جائے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو علم غیب حاصل نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کے قبعین علم نے ایک فتویٰ دیا ہے جس میں حضور ﷺ کو عالم الغیب کہنے والے کی تکفیر کی گئی ہے۔ ضلع میانوالی کے علماء نے ان سے مباحثہ و مناظرہ کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ عرس شریف کے موقع کو غنیمت سمجھ کر مولوی صاحب ممدوح نے اپنی جماعت کے اس غرض سے سیال شریف حاضر ہوئے تاکہ حضرت صاحب قبلہ سجادہ نشین صاحب عم فیوضہم کو اپنا ہم خیال بنا سکیں۔

نا تمام مباحثہ:

علامہ مشرقی سے گفتگو پلٹ کر مولانا حسین علی صاحب کی طرف آئی:

خاص جلسہ میں جناب مولوی حسین علی صاحب نے علمائے دیوبند وغیرہ کے فتاویٰ بلند آواز میں پڑھ کر سناے اور فریق ثانی کے دلائل بھی علمائے بریلی کے فتاویٰ سے پڑھ کر سناے۔ اور حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ سے تاشی کی درخواست کی۔ مولانا محمود گجوی نے درخواست پیش کی کہ جلسہ عام میں مولوی حسین علی صاحب اپنے عقیدہ کے اثبات میں دلائل پیش کریں اور میں ان کے جواب میں آدھ گھنٹہ تقریر کروں گا۔ بعد ازاں حضرت سجادہ نشین صاحب کی طرف سے حضرت مولانا معین الدین صاحب اپنا فیصلہ دے دیں گے۔ کرمی کی شدت اور کثرت اثر و حام کی وجہ سے جلسہ درخواست ہوا۔ اور ایک بجے مجلس خانہ میں اجتماع کثیر ہوا۔ مولوی حسین علی صاحب نے ہڑے ہو کر اپنی طرف سے اور اپنی جماعت کی طرف سے اعلان کیا کہ میں کسی مناظرہ، مباحثہ، مجادلہ کے لیے حاضر نہیں ہوا۔ میری ہرگز یہ خواہش نہیں کہ یہاں گفتگو کروں بلکہ میں صرف حضرت سجادہ نشین صاحب اور مولانا معین الدین صاحب کی رائے دریافت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس پر مولانا معین الدین صاحب اجمیری نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ فریقین اپنے اپنے عقائد مع دلائل لکھ دیں۔ اور دربار سیال شریف کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کا اقرار کریں تب فیصلہ دیا جائے گا۔ ورنہ بحالت موجودہ بغیر فریقین کی تحریرات کے موصول ہونے کے فیصلہ دینا نامناسب ہے۔ چنانچہ اس طرح اس ناگوار قضیہ کا خاتمہ ہوا۔

معرکہ الآراء واقعہ۔ قوالی کی حوصلہ شکنی:

سلسلہ چشتیہ میں سماع و ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اکثر عرائس اور خانقاہوں پر مزا میر اور آلات موسیقی بھی استعمال ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے مذکورہ بالا عرس مبارک منعقدہ 22-24 صفر المظفر 1343ھ پر علماء و مشائخ کے مشورے سے قوالی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ چنانچہ مولانا گجوی لکھتے ہیں:

اس دفعہ عرس شریف پر سب سے اہم اور معرکہ الآراء اور انقلاب انگیز واقعہ جو رونما ہوا وہ عرس کے پروگرام کی تبدیلی ہے۔ علماء و مشائخ سے مشورہ کے بعد حضرت صاحب قبلہ عالم سجادہ نشین صاحب کی طرف

سے اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ کے لیے مجلس عرس قوالی کا خاص انتظام و اہتمام نہ ہوگا بلکہ وعظ و تقریر کو مقدم سمجھا جائے گا۔ لہذا کوئی قوال آئندہ اس نیت سے یہاں نہ آئے کہ اس کا گانا سنا جائے گا۔“

آخری شمارہ:

دورثانی میں ”شمس الاسلام“ سرگودھا کے بعض شمارے غالباً دو ماہ یکجا شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس دور کا آخری شمارہ غالباً اپریل 1927ء کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مختلف وجوہات کی بنا پر اشاعت کی باقاعدگی برقرار نہیں رہ سکی اور رسالہ بالآخر بند ہو گیا۔

آل انڈیا خلافت کانفرنس:

”شمس الاسلام“ اپریل 1927ء کے شمارے کے پہلے 15 صفحات پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا وہ خطبہ مندرج ہے جو انہوں نے چہار دہم اجلاس آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ لکھنؤ میں دیا تھا۔ تحریک خلافت تو کب کی ختم ہو چکی تھی مگر خلافت کانفرنس کا سلسلہ جاری تھا جس میں زعمائے ملت اور رہنمایان قوم مل بیٹھ کر قومی اور دینی امور پر غور و خوض کرتے تھے۔ اہمیت کے پیش نظر ”شمس الاسلام“ نے یہ خطبہ سالم شائع کیا ہے۔ اس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

- ☆ خلافت، اللہ کا عطا کردہ انعام ہے۔ اس کے قیام کے لیے جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔
 - ☆ خلافت کی بقا کے لیے ہندوستان کے مسلمانوں نے بیش بہا قربانیاں دیں۔
 - ☆ ملوکیت و استبداد کو دور کرنا اور سرزمین قبلہ کو بحال کرنا خادمان خلافت کا فرض ہے۔
 - ☆ ہندوستان میں تعلیمی، تنظیمی، معاشرتی، سیاسی و دینی تمام کوششیں جاری رکھنا۔
 - ☆ معاشی استحکام اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے تعمیری اقدامات کریں۔
 - ☆ اللہ کی رسی کو مضبوط تھامنے کے لیے اللہ سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنا لازمی ہے۔
 - ☆ خلافت کمیٹی کی ممبری کی شرط ہی نماز باجماعت رکھ دی جائے۔
 - ☆ بڑے سے بڑے کام ہمیشہ قلیل و مختصر سی جماعتوں نے انجام دیئے ہیں۔
- غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ 1927ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کے پیش نظر ہندوستان کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے نئے عزائم تھے۔ مسلم قیادت تعلیمی، تنظیمی اور دینی جہت سے ایسے بیجوں کی آبیاری کر رہی تھی جن کی ایک طرف اگر اشد ضرورت تھی تو دوسری طرف ملک کی فضا بھی ان کے لیے بہت سازگار تھی۔
- گویا پرانے سفر کے انجام میں اک نئے سفر کا آغاز تھا۔

(عکس سرورق ش 1، دور ثالث)



Printed at the Maubhar Press, Saragdha by M. Zuber Ali, B.A. Editor & Printer and Published by him from the Office of "Shaheed-ul-Millat", Bhera.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یادگارِ اعلیٰ حضرت مدینۃ العلم والحدیث والقرآن مدینۃ العارفین مدینۃ العارفين
شیخ الحدیث مولانا مہنوی محمد واکر صاحب کجوری لہذا لہذا مرقدہ مبارکہ کی یاد میں

یہ سکر پرستی حضرت قبلہ عالم غوث زمان محمد دوم مدظلہ
سید السالکین مدظلہ العارفین حاجی الحرمین الشریفین الحاج مولانا
حافظ شیخ المشایخ خواجہ محمد صفی الرحمن والدین زینب ارسلنے
سینہ سنیال شریف متبع اللہ المسلمین بطول القامہ اور لکھنے

ذیہ حقیقت

جارت ۱۹۱۱ء مطابق ماہ ذی الحج ۱۳۳۰ھ
۱۳۳۰ھ مطابق ماہ ذی الحج ۱۳۳۰ھ

مطبع
پرنٹنگ پریس پبلس باہتمام سید ارشد گزالی صاحب مدظلہ
درخانہ دارالعلوم علیہ پیغمبر کے شان و کرامت

چند رسالہ درج ذیل کے وی پی پی کے

دور ثالث

پچھلی صدی کا تیسرا عشرہ (1920-30ء) ہندوستان کے مقامی حالات اور جنگ عظیم اول کے بین الاقوامی اثرات کے سبب خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ کانگریس کی جدوجہد آزادی اور مسلمانوں کے جداگانہ تشخص اور مسلم لیگ کی فعالیت میں جہاں تیزی آئی وہاں دینی اور علمی حلقے قومی فلاح و بہبود اور اس میں تعلیم و تربیت کے لیے منظم اور کمر بستہ ہوئے۔ اسلام کے تحفظ اور اس کی اشاعت کی ضرورت اس لیے بھی شدت سے محسوس ہوئی کہ مندرجہ ذیل طبقے اور طریقے بھی مستعدی سے صف بستہ ہونے لگے تھے:

1- قادیانیت	6- عیسائیت
2- شیعیت	7- مغربیت (مغربی افکار و کردار)
3- چکڑالویت (انکار سنت)	8- الحاد و اشتراکیت
4- خاکساریت	9- جعلی پیر پرستی
5- ہندومت	10- ہندو و انہ رسومات اور غلط رواج

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی تیسرے عشرے کی بھٹی سے کنڈن بن کر نکلے۔ ایک مسیحا کے طور پر انہوں نے مسلمانوں کے ادبار و تنزل کی وجوہات کو جانچا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اس طرح کی جاسکتی ہے۔

- ا۔ تبلیغی، اصلاحی اور مدافعتی سرگرمیوں کے لیے مرکزی تنظیم
- ب۔ معلومات، ہدایات اور رہنمائی کے لیے ماہانہ رسالہ
- ج۔ جدید و قدیم تعلیم و تربیت کے لیے دارالعلوم عزیز کی تنظیم نو
- د۔ علماء و مبلغین کی تربیت اور محققین کے لیے کتب خانہ کا قیام

غایت:

رسالہ کے تیسرے دور کا آغاز جنوری 1930ء میں ”شمس الاسلام“ کی جلد نمبر 1 شمارہ نمبر سے ہوا جو حضرت مولانا بگویی کی وفات (26 مارچ 1945ء) جلد نمبر 16 شمارہ نمبر 3 تک جاری رہا۔ نئے سفر پر روانہ ہوتے وقت انہوں نے ”عرض حال“ کے تحت مسلمانوں کی عمومی حالت زار، مغربیت کے آغاز، علمائے حق اور

صوفیائے کرام کی مساعی جلیلہ اور دور اول و ثانی میں کوششوں اور ان کی بندش کا ذکر کیا ہے اور دور ثالث کے لیے اپنے عزائم پر روشنی ڈالی ہے۔

”فخر موجودات سید ولد آدم حبیب خدا شرف انبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے وصال مبارک کو تیرہ صدیاں گزر چکیں۔ زمانہ نبوت سے اس قدر بعد نے مسلمانوں کی حالت بدل دی۔ عقاید، اعمال، سیاسیات و تمدن میں مذہب کو ثانوی درجہ دیا جا رہا ہے۔ جہالت نے ابلیس کی گرفت مضبوط کر دی۔ جاہل و عالم کی تمیز نہ رہی۔ آج ہر شخص مفتی و عالم، محدث و مفسر بلکہ مجتہد ہونے کا مدعی ہے۔ آزادی خیال نے ہر شخص کو مذہب سے آزاد کر دیا۔ نئے نئے فتنوں نے رہی سہی کسر نکال دی۔ اسلام آہ وہ اسلام جس کا پودہ حضور انور ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے لگا۔ سچا بہ کرام نے اسے پانی کی بجائے اپنے خون سے سینچا۔ آئمہ مجتہدین صوفیائے کرام و سلف صالحین نے جس کے لیے اپنی زندگیاں نثار کیں، وقفِ آلام و مصائب ہے۔ جس اسلام کا تمام عالم گریہ ہوا، آج اس کے حسن کو بگاڑنے، اس کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے ہر طرف سے منظم کوششیں ہو رہی ہیں۔ مدعیان اسلام کئی گروہوں میں منقسم ہو کر ایک دوسرے کے دست و گریباں ہیں۔ ترک و افغان، مصری اور ہندی سب اپنے ہاتھوں اپنے شجر ایمان کو قطع کر رہے ہیں۔ وطنیت و قومیت کا معنوی تصور یورپ کے اتباع میں ان کو تباہی کے گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے:

کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رور کے کہہ رہا تھا

کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

قادیانی مدعی مسیحیت و نبوت، مجددیت و کرسٹیت کی ذریت اغیار کے اشارہ پر ہر جگہ مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور ان کو کفار کی غلامی کی ترغیب دینے میں مصروف ہے۔ روافض اپنے امام کے فرمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ و من اذاعہ اذلہ اللہ (اصول کافی، نولکشور صفحہ 485) کو بھول کر اپنے عقائد کی نشر و اشاعت میں مشغول ہیں۔ جنہوں نے تمام عالم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، آج ان کا ایمان مشتبہ قرار دیا جا رہا ہے۔ آج سید المرسلین ﷺ کی امت بدگویان صحابہ کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ وہ بدہ قر یہ بقر یہ کہیں پیر کہیں فقیر غرض طرح طرح کے بھیس بدل کر سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسا جا رہا ہے۔ نئی روشنی کے اندھے اپنی عقل پر بھروسہ کئے ہوئے ضروریات دین کا انکار کرتے جا رہے ہیں۔ ہر دینی مسئلہ میں اپنی رائے کا دخل دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ دین باز سچے اطفال بن گیا۔ اہل حق کو ذلیل سمجھا گیا۔ ان پر قدامت پسندی اور لکیر کے فقیر کے آوازے کسے گئے۔ مسجدیں ویران اور تھمیز آباد ہیں۔ امام غزالی، رازی اور رومی کی بجائے شکسپیئر، ملٹن اور نالٹائی کے مقولے نوک زبان ہیں۔ بزمِ اسلام کی رونق صوفیائے کرام کے وجود سے قائم تھی۔ ان کے مقدس حلقوں میں قال اللہ و قال الرسول کے چرچے، قطع ماسوائی و اثبات، تذکیر و موعظت اور باطنی توجہ تنویر قلوب کا کام دے رہی تھی۔ ایک سرزمین نجد سے

زلزلہ و فتنہ کا ظہور ہوا۔ قرن الشیطان کا طلوع ہوا۔ اور اسلام کی مامن و ماویٰ خانقاہیں برباد ہونے لگیں۔ تہ خاک سونے والے بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہے۔ اجسام ہی نہیں بلکہ اس کے صدمہ سے ارواح بھی متاثر ہوئے۔ مسلمانوں کے عقائد کی کشتی ایسی ڈمگانی کہ الاماں:۔

فریاد ہے اسے کشتی امت کے نگہبان بیڑا تو تباہی کے قریب آ ہی لگا ہے
اے سرا پردہ بیژب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب
مخبر صادق ﷺ آگاہ فرما چکے تھے کہ آخر زمانہ میں گمراہی اور فتنہ بڑھے گا۔ آدمی کو اپنا دین سنبھالنا ایسا دشوار ہو گا جیسے ہاتھ میں انگارہ لینا۔ صبح کو آدمی مسلمان ہو گا شام کو کافر۔ شام کو مسلمان ہو گا صبح کو کافر۔ آج اس فرمان کی تصدیق ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

ہر طرف کفر است جوشاں بچو افواج یزید
دین حق بیمار و بیکس بچو زین العابدین
تمدن، اخلاق، معاشرت اور ذہنیت کی یہ حیرت انگیز تبدیلی دیکھ کر ایک شاعر کو کہنا پڑا:۔
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں بنو
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرما میں یہود

مبارک ہیں وہ لوگ جو اس دور ضلالت و گمراہی میں صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے کام لیں ہیں اور اپنے ساتھ اوروں کی بھی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ایسی سعید روحوں کا وجود اس دور قحط الرجال میں غنیمت ہے۔ مسلمانوں کو اغیار و منافقین اپنے بیگانوں کی زہریلی تبلیغ سے بچانے اور امر بالمعروف کا مقدس فریضہ بجالانے کے لیے حسب ایما قبلہ عالم، مخدوم الانام، فخر العلماء، حاجی بدعت، حامی سنت، شمس العارفین، سراج السالکین، سیدنا و مولانا الحاج الحافظ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ زیب آرائے مسند سیال شریف ایک رسالہ "شمس الاسلام" سرگودھا سے جاری ہوا۔ مگر طباعت، کتابت وغیرہ کا انتظام کسی بخش نہ ہونے کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔ اب دوبارہ حزب الانصار کی نگرانی میں یہ رسالہ جاری کیا جا رہا ہے جو جنس یہ رسالہ پیش کرنا چاہتا ہے، اس کے خریدار اور قدردان آج مقبروں میں سو رہے ہیں۔ لوگوں کا مذاق بجز چکاتے۔ آج حسن پرستی، عاشقانہ تخیل اور فحش تصاویر کی اشاعت ہی رسائل کو کامیاب بنا سکتی ہیں۔ تقارنہ میں طلوعی کی آواز یعنی آج سے تیرہ سو سال کے پرانے اسلام کے نعروں کو کون سن سکتا ہے:

سنے گا اقبال کون ان کی یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانہ میں آپ ہم کو پرانی باتیں سناتے ہیں
مگر آج مسلمانوں کی فلاح و بہبود سیزدہ صد سالہ اسلام سے وابستگی ہی میں مضمر ہے۔

لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاغلو ان کنتم مؤمنین

فرمان ربانی آج بھی اسی طرح موجود ہے۔ زمانہ کے حالات شکستہ دلی اور کمر ہمت توڑنے کے لیے کافی ہیں۔ مگر خدائے برحق پر اعتماد کرتے ہوئے محض اسلام و مسلمین کی خدمت کے لیے اس کوچہ میں قدم رکھا گیا ہے۔ معلوم نہیں ہماری مساعی کا کیا ثمرہ مرتب ہوگا۔ مگر وما علینا الا البلاغ کے مطابق ہم اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے مستعد ہو چکے ہیں۔

چنانچہ رسالہ مذکور کا پہلا نمبر آج ہی قارئین کرام ہے۔

رسالہ کو کامیاب بنانے کے لیے جو تجاویز اختیار کی گئی ہیں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ رسالہ بیابندی وقت خالص اسلامی مذاق، ادب کی چاشنی، تصوف و عرفان کے نکات و اسرار، حدیث، فقہ و تفسیر کے درس کے ساتھ شائع ہوا کرے گا۔ جادو نگار اہل قلم، صوفیائے کرام و علمائے عظام سے قلمی اعانت حاصل کی جائے گی۔ اور ہر نمبر انشاء اللہ پہلے سے بڑھ کر ثابت ہوگا۔

فی الحال باب التفسیر، باب الحدیث اور باب الفقہ کے التزام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

نیز اویس، اللہ و عباده الرحمن کے سیر و سوانح کے ساتھ اولیاء الطائفت اور بانیاں فرقہ ہائے باطلہ کے حالات بھی درج ہوتے رہیں گے تاکہ حق و باطل میں امتیاز قائم ہو سکے۔

علاوہ ازیں ہر رسالہ میں چند ورق فرض اور مرزائیت کی تردید کے لیے وقف رہیں گے۔

اصلاح اعمال و عقائد کے لیے تذکیر و موعظت کے باب کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

اور خریداروں اور عام ناظرین کی سہولت کے لیے استفتا و مسائل کے جوابات کا بھی التزام ہوگا۔

کارکنان رسالہ اپنی طرف سے سعی کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں گے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ دینی رسائل کے قدر دانوں کی تعداد بہت محدود و قلیل ہے۔ اور ایسے

رسائل ہمیشہ خسارہ برداشت کرتے کرتے معدوم ہو جاتے ہیں۔ لہذا ہر بھی خواہ اسلام بالخصوص یا ران

طریقت و حلقہ بگوشان صوفیائے کرام کا فرض ہے کہ اس رسالہ کی ترقی اشاعت میں حصہ لیں۔ خود خریدار

نہیں، دوسروں کو ترغیب دیں۔ جن کے پاس یہ رسالہ بطور نمونہ پہنچے ان کا اسلامی فرض ہے کہ اپنے ارادہ

خریداری یا عدم سے مطلع فرمائیں۔ ورنہ دوسرا رسالہ بامید قبولیت دی پی ارسال ہوگا جس کا وصول کرنا ان کا

اخلاقی فرض ہوگا۔ خدا گواہ ہے کہ اس رسالہ کے اجرا سے کوئی ذاتی نفع مقصود نہیں۔

وما أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله.

فأفوض أمري إلى الله إن الله بصير بالعباد.

ظہور احمد بگویی مدی

ادارت:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کے عہد خدمت و امارت (1920-45ء) کے دوران، جنوری 1930ء سے جریدہ شمس الاسلام کے تیسرے اور عظیم الشان دور کا آغاز ہوا۔ آپ تمام عرصہ پہلے مدیر مسئول اور پھر مدیر اعلیٰ رہے۔ رسالے کا ڈیکلریشن انہی کے نام تھا، وہی اس کے پرنٹر اور پبلشر تھے۔ مقام اشاعت جامع مسجد بھیرہ رہا۔ محکمہ اطلاعات اور ڈاک خانہ کے امور کے لیے رسالہ کار جسٹریڈ ایل نمبر 2650 تھا۔

طباعت:

”شمس الاسلام“ بھیرہ ایک ہندو لالہ منوہر لال کے منوہر سٹیم پریس سرگودھا میں چھپتا تھا۔ البتہ مارچ۔ اکتوبر 1932ء کی مختصر مدت کے لیے رسالہ بعض تکنیکی وجوہات کی بنا پر لکشمی آرٹ سٹیم پریس راولپنڈی میں بھی چھپا۔

معاون مدیر:

حضرت مولانا بگویی چونکہ برصغیر کی تمام مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ پھر 1929ء میں مجلس مرکزیہ حزب الانصار کے قیام اور دارالعلوم عزیز یہ کی تنظیم نو سے ان کی بیرونی اور مقامی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس پر مستزاد ان کے طویل اور مسلسل تبلیغی اور تنظیمی دورے تھے جو پورے برصغیر ہندوستان میں پشاور سے رنگون اور کشمیر سے کراچی و بمبئی تک محیط تھے، اس لیے رسالے کی ادارت اور انتظام میں برابر مشکلات حائل ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا بگویی کی جدوجہد میں قلمی محاذ پر ان کی اعانت اور رفاقت صرف اس صورت میں ممکن تھی کہ رفقاء کار کے ساتھ فکری ہم آہنگی ہو، ان جیسا جذبہ اور جرات ہو، ان کے مشن کے ساتھ دلی لگاؤ ہو اور ان کے طریق کار اور اسلوب پر کامل اعتماد۔ چنانچہ اس معیار کے حامل درج ذیل علماء شمس الاسلام کی مجلس ادارت میں معاون رہے۔

☆	مولانا سید نذیر الحق میرٹھی	فروری سے دسمبر 1935ء تک
☆	علامہ رحمت اللہ ارشد	دسمبر 35ء سے مارچ 1937ء تک
☆	مولانا افتخار احمد بگویی	1937ء سے 1938ء تک
☆	مولانا پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی	16 جون 40ء سے 31 اگست 41ء تک
☆	مولانا مفتی سید سیاح الدین کاکا خیل	1942ء اور مولانا کی وفات کے بعد بھی۔

ان علماء کے مختصر حالات زندگی کے لیے دیکھئے تذکار بگوییہ جلد دوم میں۔

بیادگار:

”شمس الاسلام“ بھیرہ کے دور ثالث کا آغاز بھی، دور اول اور دوم کی طرح یادگار کے طور پر ہوا۔

بیادگار

اعلیٰ حضرت جامع الشریعت والطریقت، فخر العلماء، زبدۃ الفقہاء، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین مولانا الحاج محمد ذاکر بگویی نور اللہ مرقدہ جاری ہوا۔

مولانا محمد نصیر الدین بگویی کی رحلت 22 فروری 1934ء کے بعد یہ اضافہ نظر آتا ہے:

”باہمیاء حضرت رئیس المبلغین مولانا محمد نصیر الدین بگویی جاری کیا گیا“

مینجر:

دور اول اور دور ثانی میں حضرت مولانا بگویی کے ہم جماعت، مولانا محمد یحییٰ بگویی کے شاگرد اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے معتقد شیخ غلام احمد میانوی مرحوم مینجر اور دفتری امور کے انچارج تھے۔ کچھ عرصہ دور ثالث میں بھی ساتھ رہے۔ ان کے بعد دارالعلوم عزیز یہ سے مولوی کا امتحان پاس کرنے کے بعد منشی غلام حسین مرحوم رسالے کے مینجر رہے۔ حضرت مولانا بگویی کے طویل اسفار، اسیری فرنگ اور تکنیکی وجوہ کی بنا پر 1942ء سے 1945ء تک منشی غلام حسین مرحوم رسالے کے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر رہے اور سچ تو ہے کہ انہوں نے یہ ذمہ داری دینی فریضہ سمجھ کر انتہائی دیانت داری اور محنت سے نبھائی۔ منشی صاحب مرحوم نے حضرت مولانا بگویی کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچنے دی۔

خوش نویس:

پرانے زمانے کی کتابت اگرچہ سادہ سا کام تھا مگر اول تو کاتب اور اچھے کاتب کا حصول، پھر اس کا بروقت اور صحیح کام کرنا انتہائی دشوار اور محنت طلب امر تھا۔ کاتب صاحبان کتابت کے لیے لیکر دار کاغذ بازار سے خریدتے اور انہیں خود پیلے رنگ میں رنگتے تھے۔ دور ثالث میں دو کاتبوں کے نام ملتے ہیں۔

☆ جناب عبدالحق عبدتی مرحوم۔

☆ جناب نذر حسین مرحوم

شمس کامل:

غلامہ محمد نذیر عرشی نے شمس الاسلام بھیرہ کے لیے ایک شعر کہا جو پہلی بار مئی 1932ء میں شائع ہوا۔ پھر

کافی مدت تک تیسرے صفحے کی زینت بنا رہا۔

هُوَ الشَّمْسُ قَدْ فَاقَتْ شَمُوسًا مُضِيَّةً
وَ بَدْرُ سَمَاءِ الْعِزِّ لِشَرْقٍ كَامِلًا

ترجمان:

”شمس الاسلام“ بھیرہ بنیادی طور پر مجلس حزب الانصار کا ترجمان اور اس کی دینی و تبلیغی سرگرمیوں کا نقیب ہے۔ تاہم جب مجلس کے تعاون اور اس کی سرپرستی میں ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ بند کا 1940ء میں آغاز ہوا تو 1944ء تک اس میں دو تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

1- پیشانی پر اپریل 1940ء سے دسمبر 1944ء تک یہ لکھا جاتا رہا:-

”مجلس مرکزیہ حزب الانصار و ادارہ عالیہ محمدیہ کا ترجمان“

2- کچھ عرصہ رسالہ بڑی تقطیع پر شائع ہوا اور اشاعت بجائے ماہانہ کے، پندرہ روزہ رہی۔

مسلك:

”شمس الاسلام“ اپنے تینوں ادوار میں مسلک اعتدال و اصلاح اور صلح بین المسلمین پر کاربند رہا ہے۔ مذاہب باطلہ و فرق جاہلیہ اس کا خصوصی ہدف رہے ہیں۔ جب بھی کسی جماعت یا فرد نے اسلامی تعلیمات یا سلف صالحین کے خلاف کچھ لکھا یا کہا ہے ”شمس الاسلام“ نے اس کا خصوصی نوٹس لیا ہے۔ روایت پرستی اور اسلاف صالحہ کی تقلید اس کا شیوہ رہی ہے جسے آج کی زبان میں بنیاد پرستی (Fundamentalism) کہا جاتا ہے۔ اہل سنت و الجماعت اور حنفی العقیدہ ہونے کے باوجود اس نے حنفی عصبيت کا پرچار کیا ہے اور نہ سنی ہونے کے ناطے اپنے عقائد میں تعصب یا غلو کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ”شمس الاسلام“ کے گلشن میں مولانا مودودی سے جوش ملیح آبادی تک، خواجہ شمس العارفین سیالوی سے مولانا ثناء اللہ امرتسری تک ہر رنگ کے پھول نظر آتے ہیں۔ یوں نظر آتا ہے جیسے دین کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت ”شمس الاسلام“ کی تحریروں کا محور۔۔۔ یہ دو نکلتے رہے ہیں۔ اس نے باہمی فروشی اور فقہی مسائل سے کلیتہً اجتناب کیا ہے اور خیر کی ہر بات اور خوبی کا ہر عمل عزیز جاتا ہے۔ چنانچہ بعض غیر مسلم علماء کے مضامین خصوصاً اصلاح رسوم اور منقبت کے حوالے سے بھی شائع ہوئے۔

بیسویں صدی کے پہلے عشروں میں دین کے بغیر سیاست چنگیزیت سمجھی جاتی تھی۔ علماء تمام سیاسی معاملات میں اپنی رائے رکھتے تھے اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس کا اظہار ضروری سمجھتے تھے۔ خود علماء کی تنظیم جمعیت

العلماء ہند کا سیاسی مسلک تھا اور وہ تادم آخراں پر قائم رہی۔ کئی جماعتوں میں گوعوام کا ایک بڑا طبقہ شامل تھا تاہم ان کی قیادت اور پالیسی علماء کے ہاتھوں میں تھی۔ ان حالات میں حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کا یہ ایک کارنامہ ہے کہ انہوں نے جریدہ شمس الاسلام بھیرہ کو سیاسی غلغلوں، گروہی مناقشوں اور انتشاری آلائشوں سے پاک صاف رکھا۔ دین کی خدمت اور صیانت کی جو راہ چنی پھر اسی پر گامزن رہے۔ رسالے نے سیاسی مباحث اور فروعی فقہی مضامین سے دامن بچائے رکھا۔

اس متوازن پالیسی کے چند بڑے فائدے نظر آتے ہیں۔

اولاً: رسالہ ریاستی جبر اور استبدادی سنسر سے محفوظ رہا اور اسے یکسوئی سے دین کی خدمت و حفاظت سرانجام دینے کی سعادت برابر اور بلا انقطاع حاصل رہی۔

ثانیاً: ایک طرف رسالے نے سیاسی امور پر خامہ فرسائی سے پرہیز کیا تو دوسری طرف سرکار انگلشیہ کے کاموں پر سرے سے کوئی تحسین بھی نہیں کی۔ اس سے سامراجی طاقتوں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور قومی حلقوں کی بالواسطہ قدر افزائی۔

ثالثاً: دینی طبقوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں مدد ملی۔ حزب الانصار اور شمس الاسلام نے افراد اور اداروں کو غیر سیاسی، غیر گروہی اور غیر نزاعی انداز میں ایک دوسرے کے نزدیک آنے میں مدد دی۔ اور شدت پسندی (Extremism) کی حوصلہ شکنی کی۔

رابعاً: دین مخالف افراد اور دین دشمن جماعتیں کھل کر شمس الاسلام کا نشانہ بنیں۔ اس طرز فکر نے دینی حلقوں کو اپنے اصل معاندین کو پہنچانے اور ان کی سرکوبی کرنے کو اولیت دینے پر آمادہ کیا۔

حضرت مولانا بگویی نے ”شمس الاسلام“ میں ایک نئی طرح یہ ڈالی کہ اسے کلیئہ غیر ذاتی بنایا۔ آپ نے اپنے تینوں اذوار میں خود کو کبھی نمایاں کرنے یا خود ستائشی کی کوشش نہیں کی۔ کسی شمارے میں ان کے ذاتی احوال یا مصروفیات نہیں چھپیں۔ ان کا ذکر جب بھی آیا ہے تبلیغی معرکوں، تنظیمی دوروں اور علمی مباحثوں کے حوالے سے آیا ہے۔ ہر بار اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت کے امور کو ہی امتیازی کوریج ملی ہے۔

پہلا شمارہ:

شعبان المعظم 1348ھ مطابق جنوری 1930ء ”شمس الاسلام“ بھیرہ کے تیسرے اور زریں دور کا پہلا شمارہ کور سمیت 44 صفحات پر مشتمل ہے۔ ٹائٹل پر کاتب نے ہاتھ سے پھول بنائے ہیں اور مدیر ظہور احمد اختر

لکھا ہے۔ ٹائٹل کے اندر رسالے کے قواعد و ضوابط، آخری صفحے پر رسالے کی خریداری اور اس کے اندرونی صفحے پر دارالعلوم عزیز یہ بھیہرہ میں تعلیم القرآن، درس نظامی اور چہار سالہ خصوصی نصاب میں داخلے کا اشتہار ہے۔

مضامین:

۱۱ موضوعات میں سے 9 مضامین حضرت مولانا گبوی نے خود تحریر کیے ہیں۔

☆ عرض حال	مدیر	☆ حیات طیبہ حضرت خواجہ محمد ضیا، الحق والدین سیالوٹی	مولانا محمد حیات جمالی
☆ باب التفسیر	مدیر	☆ فضائل امیر معاویہؓ	مدیر
☆ باب الحدیث	مدیر	☆ تصوف اور اسلام	مولانا محمد حیات جمالی
☆ فضائل ماہ شعبان	مدیر	☆ رسومات اسلامیہ	مدیر
☆ حزب الانصار	مدیر	☆ مکاتیب مفتوح	مدیر

باب التفسیر میں استعاذہ، حدیث میں اتفاق و اتحاد امت، فقہ میں زکوٰۃ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ رسومات کے تحت اسراف و تبذیر کی حوصلہ شکنی کرنے کے بعد مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ولادت، عقیقہ، ختنہ، منگنی، نکاح، ولیمہ، وفات اور سوگ میں اسلامی طرز عمل اور تعلیمات کیا ہیں۔ عورتوں کو ترکہ کے شرعی حق سے محروم کرنے پر وعید اور بیوہ کے نکاح ثانی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ”اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر سہر تسلیم خم کرنے والے کے تحت تحریر ہے:

”آج تک تقریباً ایک صد اشخاص خصوصاً مستریان بھیہرہ، رسومات اسلامیہ کی پابندی کا حنفی شرعی کے ساتھ اقرار کر چکے ہیں۔ اور عہد نامہ پر دستخط کر چکے ہیں۔ ان کے اسماء گلے پر پے میں درج ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے۔“

من انصاری الی اللہ؟ حزب الانصار کے تحت اس کے مقاصد، ذرائع امداد، طریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے۔ تفصیل اس عنوان کے تحت آگے آئے گی۔ جماعت کی کامیابی کے لیے مسلمانوں کو یہ بہہ کر توجہ دلائی ہے:

آگ میں اڑ کر گرا پروانہ یہ کہتا ہوا
آ میرے ساتھ آ اگر مردانگی کا جوش ہے

تاریخ اجراء شمس الاسلام بھیرہ

مولانا محمد سلام اللہ ساکن عمر چک (گجرات) نے یہ تاریخ کہی۔

چو مولانا ظہور احمد دریں دم
ز بھیرہ یک رسالہ کرد جاری
نو شتم از من بہجت بزودی
کمر بستہ برائے خدمت دیں
بود صد با مبارک باد و تحسین
بتاریخش عجب رنگین مضامین
(1348ھ)

قطعہ تاریخ رسالہ شمس الاسلام

مولوی عبدالمجید نائب مدرس اسلامیہ سکول بھیرہ

جس دم کیا ہے شمس نے اسلام کے طلوع
جیش محمدی کی جو دیکھی درخش تیغ
کانوں میں آ رہی ہے یہ آواز غیب سے
شکر خدا ہے ناصر اسلام آ گیا
اس کے لیے اسی کو کیا حق نے منتخب
ادخل بجزبہ ہو حزب ممد دین
یہ شمس کیا ہے فیض الہی کا جامع
دست کلیم یا کہ کہوں روئے حور عین
منشور در ادھر ہیں تو منظوم ہیں ادھر
ہوتے ہیں اس میں ماہ بیاہ باصرہ نواز
ملتے ہیں اس میں خبر و تفاسیر کے نکات
کیا ہے یہ شمس؟ دل سے جو پوچھا مجید نے

شب پر کی طرح کور ہوئے دشمنان حق
ڈر سے ہوا ہر ایک مخالف کارنگ فق
الحق قد تظاهر والكفر قد ذہق
هذا ظہور احمد هذا ظہور حق
جو ذات جس کے واسطے تھی اہل اور احق
قد ضل من تنفر عنها او افترق
خالص طلا سے بڑھ کے ہے جس کا ہر اک ورق
ماہ منیر یا کہ کہوں نور کا طبق
پرویں ہے دنگ دیکھ کے یہ نظم یہ نسق
رشحات خامہ ہائے فصیحان خوش نمق
تطہیر دل، درستی اخلاق کے سبق
بولا جواب میں ہے چراغ ہدائے حق

1348ھ

خدمات:

دور ثالث میں ”شمس الاسلام“ کی تمام تر تحریریں انہی مقاصد کو محور بنا کر شائع ہوئیں جو دسمبر 1929ء میں مجلس حزب الانصار کی تشکیل کے وقت طے کیے گئے تھے۔ ان میں ذیل کے موضوعات شامل ہیں۔

- اصلاح رسوم و رواج
- تردید قادیانیت اور شیعیت
- اسوہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ
- تردید عیسائیت اور ہندو دھرم
- اسوہ اکابرینؓ اور مشاہیر اسلام
- سیرت النبیؐ اور ذکر جمیل
- توحید اور اس کے تقاضے
- فضائل صحابہؓ اور مناقب خلفائے راشدینؓ
- دعوت و ارشاد
- جدید تعلیم کے مفاسد
- اسلامی تاریخ
- حزب الانصار کے مقاصد
- حدیث اور تذکرہ محدثینؓ
- شعبوں اور اداروں کی خدمات
- حکمت و موعظت
- خاکساریت کا تعاقب
- ارکان خمسہ اور عبادات
- اشتراکیت۔ دہریت اور الحاد کی مخالفت
- ملفوظات اور کلمات مشائخ
- استفسارات اور مسائل فقہ
- حسن اخلاق اور معاملات
- دینی تعلیم و تربیت
- تعلیم اور تربیت نسواں
- احسان اور تصوف
- حکمت و معارف قرآن
- مناظرے اور مباحثے
- تفسیر قرآن اور بصائر و حکم
- فتنہ انکار حدیث
- ملکی سیاسیات دینی نقطہ نظر سے
- منظوم کلام۔ نظم اور نعت
- اطلاعات۔ تبصرے
- وفیات اور مرثیے

● اسلامی نظام حیات و حکومت

● رواں حالات و واقعات اور مسلمانوں کے مسائل پر سیر حاصل بحث و تبصرہ

شمس الاسلام بھیرہ پر تبصرے:

شمس الاسلام بھیرہ کے اجراء پر درج ذیل جرائد نے حوصلہ افزا ریویشائع کیے۔

- ماہانہ القریش امرتسر۔
- ماہانہ تائید الاسلام اچھرہ ضلع لاہور۔
- اخبار الفیقہ امرتسر۔
- رسالہ شہاب راولپنڈی۔
- روزنامہ سیاست لاہور۔

پہلے سال کے اختتام پر گزارش اور خصوصی رعایت:

1930ء کی مسلسل اور باقاعدہ اشاعت کے بعد دسمبر کے شمارے میں شمس الاسلام بھیرہ کے خریداروں کو اشاعتی مشکلات، مالی بحران اور آئندہ کے عزائم کے تحت صفحہ 29 پر تحریر ہے۔

رسالہ شمس الاسلام کو جاری ہونے ایک سال گزر چکا، پہلی جلد کا یہ آخری نمبر بھیجا جا رہا ہے۔ اس عرصہ میں جس قدر مشکلات و موانعات سے کارکنوں کو سامنا کرنا پڑا اس کا حال خدا ہی جانتا ہے۔ ہم اپنی کوتاہیوں کا اقرار کر کے جملہ حضرات سے معافی کے طلب گار ہیں۔ براہ کرم جن حضرات کی میعاد خریداری ختم ہو چکی ہے۔ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ کیونکہ وی پی میں خواہ مخواہ زیادہ خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ آئندہ سال کے لیے رسالہ کے ظاہری و باطنی حسن کو بڑھانے کے لیے خاص انتظام کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ چندہ میں پہلے بھی تخفیف ہو چکی ہے۔ اب حجم میں بھی اضافہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ماہ جنوری میں رسالہ 48 صفحات پر شائع ہوا کرے گا۔ اگرچہ رسالہ کا چندہ 1.5 روپے کی بجائے ایک روپیہ کرنے اور 8 صفحہ کا اضافہ کرنے سے حزب الانصار کے مصارف پر ناقابل برداشت بار پڑے گا۔ مگر ہمدردان ملت کی امانت کے بھروسہ پر تبلیغی اغراض کے لیے اس تجویز پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ براہ کرم رسالہ کی توسیع اشاعت کے لیے خاص طور پر سعی فرمائیں۔ اگر ہر خریدار کم از کم دو خریدار بنا دے تو تمام مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ توسیع اشاعت کے لیے اب تک تمام اپیلیں بے اثر ثابت ہو چکی ہیں۔ (نیاز مند مینجر)

ہندوستانی مسلمان اور مارا آستین:

”شذرات“ کے تحت نومبر 1930ء کے شمارے میں حضرت مولانا ظہور احمد گلوئی بانی مدیر شمس الاسلام نے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبہ سرفروشی، وطن دوستی اور ایثار کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مگر انہیں بیرونی طور پر آریہ و عیسائی اور داخلی محاذ پر قادیانی اور شیعہ جماعتوں کے حربوں سے پریشانی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا تحفظ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی سیدھی سادی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور دین مخالف قوتوں کے ہتھکنڈوں سے باخبر کیا جائے۔ یہی وہ بنیادی جذبہ اور اصول ہے جس پر شمس الاسلام بھیرہ جنوری 1930ء سے تائیں دم پوری قوت اور استقامت سے گامزن ہے۔

اداریہ ملاحظہ فرمائیے:

تنازع للبقا و جہد للحیات کے لیے دنیا کی اقوام سرگرم عمل ہیں۔ ہندوستان میں برادران وطن کے حالات سبق آموز ہیں۔ ان کے سیاسی لائحہ عمل سے ہمیں جتنا بھی اختلاف ہو مگر ان کی سرفروشی، وطن پروری، جذبہ حب الوطنی و ایثار کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے احسنت مرحبا کے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ قوم مسلم جو دنیا میں خلافت ارضی کی اصلی وارث قرار دی گئی تھی۔ جسے شہداء علی الناس کا مرتبہ عطا کیا گیا تھا آج اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے غیروں کی دست نگر ہے۔ اور ذہنیت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ اہل دل نون کے آنسو رو رہے ہیں۔ احساس زیاں اور قوت عمل مفقود ہے۔ ملت اسلامیہ میں زہریلے جراثیم اس قدر پیدا ہو چکے ہیں جو اندر ہی اندر جسم اسلام کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ آریہ و عیسائی باہر سے حملہ آور ہیں۔ مگر قادیانی اور شیعہ مار آستین کی طرح قلب اسلام کو مجروح کر رہے ہیں۔ یہ دونوں گروہ ترک جہاد اور اقیہہ، تکفیر اور تفریق کے حربوں سے مسلح ہو کر کفار کی حمایت میں سرگرم عمل ہیں۔ اس پر بھی بعض ہمدردان ملت ایسے موجود ہیں جو ایسے اعدائے دین سے مداہنت روار کھتے ہیں۔ قطرہ جب تک دریا میں ہے، دریا ہے۔ دریا سے تین دن اس کی ہستی کو معدوم کر دیتی ہے۔ جسم کی سلامتی کے لیے ماؤف عضو کا ڈالنا عین دانشمندی ہے۔ زہریلے جراثیم سے محفوظ رہنا عقلمندوں کا شیوہ ہے اور آستین سے مارو علیحدہ کر دینا سعادت کی نشانی ہے۔ مگر افسوس کہ اس ملک میں ایسے احمق بھی موجود ہیں جو مرزائی و شیعہ کے ساتھ مداہنت کرنا شرعی فرض سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے میں شامل رکھنا اسلام کی عزت قرار دیتے ہیں۔ وہ سانپوں سے دودھ، بھینڑیوں سے مکھن اور چیتوں سے وفاداری کی توقع رکھتے ہیں۔ مگر اسی سادہ پن اور حماقت کا نتیجہ اسلام میں تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بغداد پر تباہی لانے والا بلا کوئی افواج سے پچیس لاکھ مسلمانوں کو تہ تیغ کرانے والا ابن عقیلی اسی مداہنت کی وجہ سے وزارت اعظم کے رتبہ پر پہنچایا گیا تھا۔ مداہنت فی الدین وہ جرم عظیم ہے جس نے اسلامی حکومتوں کو تہ و بالا کر دیا۔ مدارات اور مداہنت میں فرق نہ سمجھنے والے حضرات عقل سے کام لیں اور تیرہ سو سال کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں اور علمائے اسلام کو سب و شتم کرنے سے باز آئیں ورنہ خدا کا غضب انہیں تباہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

جو حضرات مسلمانوں کو افتراق کی لعنت سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ مرزائیوں اور شیعوں کی ذہنیت کو درست کرنے اور راہ راست پر لانے کی جدوجہد کریں اور اگر اس میں ناکامی نظر آئے تو انہیں مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ مسلمانوں کے خون و گوشت سے پرورش پانے والے یہ چھوٹے چھوٹے گروہ علیحدہ ہوتے ہی فوراً معدوم ہو جائیں گے۔ ملت اسلامیہ جب تک ان کو اپنی آغوش میں لیے رہے گی کبھی فلاح و بہبود حاصل نہیں ہو سکتی۔ اقیہہ و متعہ کے عقیدہ کے اشاعت، ترک جہاد کے پراپیگنڈے اور اولی الامر کی نئی تفسیروں سے رہی سہی قوت عمل بھی جاتی رہے گی۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ میرزا نیوں اور شیعوں کے خلاف نفرت کا بیج بویا جائے۔ انہیں ایذا دی جائے یا برا بھلا کہا جائے۔ ایسے امور سے بچنا لازم ہے۔ مگر اپنے عقائد کی حفاظت، اپنے سادہ لوح دینی بھائیوں کو گمراہی کے گڑھے سے بچانے اور اپنی جماعتی زندگی کو زیادہ بہتر اور مستحکم پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دوست و دشمن کی پہچان کی جائے اور دشمن کو دشمن سمجھ کر اس کے ساتھ جس رواداری کی اجازت اسلام نے دی ہے اس پر عمل کیا جائے۔ حدود شرعیہ کو توڑ کر تعزیوں کے ہمراہ سینہ کوبی کرنے اور میرزائی خلیفہ کی قیادت قبول کرنے سے ہرگز کبھی بھی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ علیٰ الجمل فی سم الخیاط۔

گزشتہ تین سال سے خلیفہ قادیان اپنی لیڈری کا سکہ مسلمانان ہندوستان پر بٹھانے کے لیے کوشاں ہے۔ ہر سیاسی و مذہبی مسئلہ میں اپنی ٹانگ اڑانا اس کا شیوہ ہو چکا ہے۔ مجلس واعیان مبارکہ کی برکت سے اس کی جماعت میں تزلزل واقع ہو چکا ہے۔ چندوں کی کمی پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کو ہم خیال بنانے کے لیے نئے نئے حیلے تراشے جاتے ہیں۔ راجپال کے جھگڑے اور سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے بڑے بڑے پوسٹر شائع ہوئے۔ آخر ہر سال ایک یوم پیغمبر منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر اس کے لیے ایسی تاریخوں کا انتخاب کیا گیا جن کا گزشتہ اسلامی تاریخ کے کسی واقعہ سے تعلق نہ تھا۔ عامۃ المسلمین 12 ربیع الاول کو ہر جگہ مجالس منعقد کر کے سیرت نبوی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل قادیانوں کو گوارا نہ تھا۔ ان کا مقصود تو صرف اپنی لیڈری و آقائی کا ڈھول پیٹنا تھا۔ جس کے لیے خاص تاریخوں کا تعین ضروری تھا۔ چنانچہ پہلے سال 17 جون۔ دوسرے سال 2 جون اور اس سال 26 اکتوبر کو یہ جلسے طویل و عرض ہند میں منعقد ہوئے۔ شاید ان تاریخوں کا تقرر بھی کسی الہام کی بنا پر ہوا ہوگا۔ ان جلسوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی محبت کی آڑ میں مرزائیت کا دام فریب بچھایا گیا۔ اور ہزاروں اشخاص کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ مگر اب تک بعض حضرات ایسے ہیں جو قادیانیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے حقیقت کو ذبح کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ شیعوں نے محبت اہل بیت کے دودھ میں عداوت صحابہ کی زہر ڈال کر مسلمانوں کے ایمان و اخلاق کو برباد کیا۔ مرزائی بھی انہیں کے نقش قدم پر چل کر نبی کریم ﷺ کی محبت کی نمائش کر کے دنیا کو قادیان کی غلامی میں لانا چاہتے ہیں۔ قادیان کا سامری اپنے عجیب و غریب ہتھکنڈوں سے دنیا کو بیوقوف بنا کر اپنا اوسیدھا کر رہا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے حکم کی تعمیل میں ایک ہی دن ایک ہی وقت سات کروڑ مسلمان ہر مقام پر سر تسلیم خم کریں اور دنیا میں بسنے والی قومیں خلیفہ کے اثر و اقتدار کو دیکھ کر اس سے مرعوب ہو جائیں۔ اور اسلامی ممالک میں مرزائی تبلیغ کے لیے کافی میدان مل سکے۔ عوام الناس مرزائیوں کو محبت رسول سمجھنے لگیں اور وہ آنحضرت ﷺ کا مظہر اتم تھا اور مرزا کے یہ اشعار پڑھ کر سنائے جاسکیں۔

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد
آنچہ داد است بر نبی را جام داد آں جام را مرا تمام

انبیاء گرچہ بودہ اند بے من برفاں نہ کترم ز کے
آسمان سے کئی تخت اترے۔ پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔
قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ (حقیقۃ الوحی) استغفر اللہ۔

آنچه من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دانش ز خطا
ہم چو قرآن منزہ اش دانم از خطا با بری است ایمانم

اور اس طرح نبی کریم ﷺ کی ایسی بے ادبی و گستاخی کی جائے جو راجہ جہاں ودھرم بھٹو جیسے ہزاروں دریدہ
دہن بھی نہ کر سکیں۔ خدائے تعالیٰ ان کے فریب سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین (ص: 14-17)

خصوصی اشاعتیں:

- معمول کے شماروں کے علاوہ 1930ء سے 1945ء کے عرصہ خدمت میں شمس الاسلام کی درج ذیل
خصوصی اشاعتیں یا نمبر شائع ہوئے جو ایک بنیادی موضوع پر ضخیم اور مستند مواد تھا۔
- ☆ حقیقت تشیع مع عقائد مرزائیاں جولائی 1930ء
 - ☆ مولفہ مولانا محمد اکرم المعروف پیر قطبی شاہ مبلغ حزب الانصار بھیرہ
 - ☆ فتویٰ نمبر المعروف اجتناب الخفیہ مارچ۔ اپریل 1931ء
 - ☆ برق آسمانی بر خرمن قادیانی مولفہ حضرت مولانا ظہور احمد گوی دسمبر 1932 تا مئی 1933ء
 - ☆ قادیان نمبر۔ تحفہ حنفیہ برائے فرقہ مرزانیہ دسمبر 1933ء
 - ☆ کشف التلبیس مولفہ مولانا سید ولایت حسین شاہ ستمبر 1938 تا جون 1939ء
 - ☆ شیعہ نمبر موسومہ صور اسرافیل اگست۔ ستمبر 1939ء

حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی کو سند فضیلت:

حضرت سیالوی، حضرت علامہ معین الدین اجمیری کے شاگرد اور اس طرح حضرت مولانا ظہور احمد گوی
کے استاد بھائی تھے۔ تکمیل علوم کے لیے ایک سالہ خصوصی تعلیم کے اختتام پر شوال 1349ھ / 24 فروری 1931ء کو
سیال شریف میں جو تقریب منعقد ہوئی اس کا حال ”شمس الاسلام“ مئی 1931ء کے صفحہ 34-35 پر درج ہے۔
تفصیل حضرت مولانا محمد ذاکر جامع محمدی شریف کی زبانی سنئے:

”مجاہد اسلام حضرت مولانا خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے عمیق مخلصانہ تعلقات کی بنا پر حضرت
علامہ مولانا معین الدین اجمیری عم فیضہ نے حضرت مرحوم کے خلف اکبر صاحبزادہ مولانا محمد قمر الدین سجادہ

نشین سیال شریف کی تکمیل علوم کے لیے ایک سال دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ 2 شعبان 48ھ سے حضرت علامہ موصوف نے نہایت فیاضی سے اپنا قیمتی وقت ایفاء وعدہ میں صرف فرما کر حضرت سجادہ نشین صاحب کی بقیہ تفسیر اور حدیث و اصول کی تکمیل فرمادی ہے۔ اب 6 شوال المکرم 49ھ کو خاص اہتمام سے ایک عظیم اجلاس جمع ہوا۔ جس میں معزز خلفاء و علماء کرام کے علاوہ عوام بکثرت شریک ہوئے۔ تلاوت کلام اللہ کے بعد حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری نے آیہ کریمہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لِحَافِظُوْنَ کی فضیلت تشریح فرماتے ہوئے علم عربی کی اہمیت و ضرورت اور عوام مسلمین کی بے توجہی کو دردناک پیرایہ میں ادا فرمایا۔ حکومت اور انگریزی خوان طبقہ کے علاوہ بعض علماء و بعض صوفیاء کرام کی علمی بے رغبتی اور سرد مہرئی پر اظہارِ افسوس فرمایا۔

سند بالمصافحہ :

اختتام تقریر پر حضرت مولانا اجمیری نے فرمایا:

الحمد للہ کہ میری محنت کا ثمر برآیا اور سجادہ نشین صاحب کی تکمیل علوم ہو چکی۔ علاوہ اس کے کہ میں انہیں سند فضیلت لکھ دوں خاص کر ایک اہم مقدس سند دیتا ہوں جو اکابر مشائخ و اساتذہ کرام میں **”سند بالمصافحہ“** کے نام سے مشہور ہے۔ اس سند کا حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ سے بندہ تک بارہ واسطے ہیں۔ ازاں بعد حضرت مولانا نے جناب صاحبزادہ مولانا قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف سے روایت پڑھتے ہوئے مصافحہ فرمایا اور تمام حاضرین جلسہ نے تعظیماً کھڑے ہو کر درود شریف پڑھا۔ اغرض نزولِ رحمت کا یہ ایک عجیب سماں تھا جس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ اس دوران میں حضرت مولانا نے جناب سجادہ نشین صاحب کی دستار بندی فرمائی اور ساتھ ہی مولوی عبدالغفور صاحب بنیری کی بھی دستار بندی ہوئی۔ جو حضرت مولانا سے متواتر آٹھ سال سے پڑھ رہے تھے۔

ازاں بعد مولانا احمد دین گبوی نے حضرت سجادہ نشین صاحب کی طرف سے حضرت مولانا اجمیری کی اس اوجہ اللہ تعلیم و تدریس اور اس عظیم الشان ایثار کا تہ دل سے شکر یہ ادا کیا اور دعائے خیر کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔

سیال شریف سے تعلق :

”شمس الاسلام“ بھیرہ کے دور ثالث میں اگرچہ آستانہ سیال شریف کی براہ راست سرپرستی کا اظہار مرقوم نہ تھا تاہم خواجگان سیال شریف کے ملفوظات کی اشاعت اور حضرت مولانا محمد ذاکر گبوی کی یادگار اور تردید مذاہب باطلہ کے حوالے سے روحانی، نظریاتی اور دینی ربط و تعلق بدرجہ اتم موجود تھا۔ سیال شریف میں قیام کے دوران حضرت مولانا گبوی اور سجادہ نشین سیال شریف میں دوستانہ، برادرانہ اور معاصرانہ تعلقات مزید مضبوط اور

مستحکم ہوئے۔ ”شمس الاسلام“ اور ”حزب الانصار“ نظری اعتبار سے دونوں کسی گروہ یا مسلک کے ساتھ وابستہ نہ تھے اس لیے پھیلتے ہوئے دائرہ خدمت میں نہ تو مستقل وسائل آمدن میسر تھے اور نہ انہیں کسی بڑی جماعت یا مسلک کی حمایت حاصل تھی۔ ان حالات میں یہ اپیل رسالے اور مجلس کے لیے بڑی بروقت اور فائدہ مند تھی۔ ہ

عقیدت مند ان دربار سیال شریف کے نام:

بھیرہ ضلع شاہ پور سے بادارت مولانا ظہور احمد بگویی عرصہ پونے دو سال سے جریدہ ”شمس الاسلام“

جاری ہے۔ یہ جریدہ آستانہ عالیہ سیال شریف کا نمائندہ ہے۔ اس کا اجرا میری مرضی کے مطابق ہوا۔ آج کل قلم کا زمانہ ہے قلم کے ذریعہ دنیا میں انقلابات پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دین حق کی تبلیغ کے لیے ایسے رسالہ کو جاری رکھنا اور اس کی اعانت کرنا ہر مسلمان کا اسلامی فرض ہے۔ جس قوم کی تاریخ نہ ہو وہ بہری، اور جس کا اخبار نہ ہو وہ ٹوکی سمجھی جاتی ہے۔

شمس الاسلام خالص اسلامی، دینی اور تبلیغی پرچہ ہے۔ احناف کی شاندار خدمت بجالاربا ہے۔ جس قدر نمبر شائع ہو چکے ہیں ان سے احقاق حق ابطال باطل اور اعلاء کلمۃ اللہ پوری طرح عیاں ہوتا ہے۔ فقیر عام مسلمانوں سے عموماً اور ارادتمندان آستانہ عالیہ سیال شریف سے خصوصاً متوقع ہے کہ وہ اس جریدہ کے خریدار بن کر اس کی مالی مشکلات دور کریں۔ وما علینا الا البلاغ

(حردہ فقیر قمر الدین غفرلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف 9 ربیع الثانی 1350ھ)

مشکلات:

رسالہ نکالنا خصوصی مذہبی اور وہ بھی غیر جماعتی اور غیر نزاعی، ہمیشہ سے بہت کٹھن کام رہا ہے۔ چونکہ مجلس حزب الانصار کی تبلیغی سرگرمیاں اور اس کے تحت شمس الاسلام بھیرہ کی اشاعت و طباعت دونوں محنت اور سرمایہ طلب امور تھے اور ان کے معاونین اکثر دیندار اور غریب مسلمان تھے اس لیے حضرت مولانا بگویی کے دور حیات میں کبھی ادارے مالی بحران کا شکار رہے۔ آپ کی دوسری مصروفیات انتظامی اور مالی بحران کو شدید تر بنا دیتی تھیں۔

پانچ اکتوبر 1933ء کے ”شمس الاسلام“ (ص 4-2) پر ”معروضات خاص“ کے تحت لکھتے ہیں:

”رسالہ ہذا کا کوئی اپنا مطبع نہیں ہے۔ اس لیے طباعت و کتابت کا انتظام تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ بھیرہ میں کوئی مطبع موجود نہیں۔ طباعت کا انتظام اگر سرگودھا میں ہے تو کتابت کے لیے مسودہ کسی دوسری جگہ بھیجنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں اشاعت کی بے قاعدگی ناگزیر امر ہے۔ ہم اپنی طرف سے رسالہ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع کرنے کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں مگر

عرفت ربی بفسخ العزائم۔ ماہ ستمبر کے رسالہ کا مسودہ کاتب صاحب نے باوجود کئی یاد دہانیوں کے نہیں بھیجا۔ اس لیے انتہائی پریشانی کے عالم میں ”برق آسمانی بر خرمن قادیانی“ کے 40 صفحات رسالہ کی بجائے قارئین کی خدمت میں ارسال ہیں۔ رسالہ کی اشاعت اگرچہ بے قاعدہ رہی ہے مگر سال بھر کے اندر پونے چھ سو صفحات ہر صورت میں قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔ لہذا قارئین کرام ہمیں معذور خیال فرما کر ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے۔“

خسارے کی تلافی:

قارئین کی آراء پر بحث کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

”ماہ جنوری 1934ء سے رسالہ کو زیادہ دلچسپ اور مقبول عام بنانے کے لیے چند تجاویز زیر غور ہیں۔ بعض اصحاب نے رائے ہے کہ رسالہ بجائے 18x22/8 کے 20x30/8 سائز پر شائع ہوا کرے۔ کتابت و طباعت کا انتظام بہتر ہے۔ مگر چندہ میں کمی یا اضافہ نہ کیا جائے۔ بعض کا یہ ارشاد ہے کہ سائز و حجم وغیرہ اسی قدر رہے مگر چندہ کم کر دیا جائے۔ اور چندہ کی کمی سے جس قدر مالی خسارہ ہو وہ ذی ثروت اصحاب کے عطیات سے پورا کیا جائے۔“

رسالہ کے مختلف مستقل عنوان قائم کرنے اور اہل قلم حضرات سے خاص مضامین حاصل کرنے کے لیے ہمیں مشورے دیے جا رہے ہیں۔ جملہ قارئین کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اپنی آراء سے جلدی مطلع فرمائیں۔ چندہ کم ہونے کی صورت میں مزید مصارف کے لیے جو صاحب مستقل ماہواری امداد یا یک مشتمل عطیہ دینا چاہتے ہوں وہ اپنے اسماء سے مطلع فرمائیں تاکہ جنوری سے پہلے کوئی صحیح رائے قائم کی جاسکے۔ اگر خریدار ماہ جنوری سے پہلے 5 خریداروں کا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوادیں تو عطیات کے بغیر بھی رسالہ کی ہستی قائم رہ سکتی ہے۔“

اہل سنت والجماعت کی مذہبی غیرت و حمیت کا امتحان:

قارئین رسالہ اور اراکین جماعت نے ہمیشہ حضرت مولانا لکھنوی کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی بساط کے مطابق ہر طرح کی معاونت سے دریغ نہیں کیا۔ مگر پھلتے ہوئے کاموں اور بڑھتے ہوئے اخراجات کے لیے غریب مسلمان معاونین کے وسائل بہت محدود تھے۔ چنانچہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ شمس الاسلام اور حزب الانصار کے ویکر شعبہ اور ادارے کبھی خود کفیل نہ ہوئے۔ ذیلی عنوان کے تحت شمس الاسلام ستمبر 1934ء میں بانی مدیر اہم گزارش

ش کرتے ہیں۔

عرصہ ساڑھے چار سال سے جریدہ ہذا پنجاب کے ڈیڑھ کروڑ اہل سنت والجماعت کی طرف سے تنہا تبلیغی فرائض ادا کر رہا ہے۔ مذاہب باطلہ کے بیسیوں جراند مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کرنے میں مصروف ہیں۔ اعداء کے منظم منصوبوں کا راز طشت از بام ہو چکا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقاید کا مضحکہ اڑانے اور انہیں صفحہ ہستی سے محو کرنے کے لیے پنجاب کے طول و عرض میں سازش کا وسیع جال پھیلا یا جا رہا ہے۔ جریدہ شمس الاسلام کا اجراء کسی تجارتی منفعت کی غرض سے نہیں ہوا۔ اس لیے جریدہ ہذا نے ہوا کے رخ پر چلنے سے احتراز کیا۔ شعر و شاعری، قصص اور افسانوں سے اپنے اوراق کو پاک رکھا۔ تجارت سے اشتہار بھی حاصل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تاکہ ایک خالص مذہبی و دینی پرچہ کا وقار اور متانت قائم رہ سکے۔ اہل سنت والجماعت کی مؤثر تبلیغی جماعت حزب الانصار کی سرپرستی و اعانت سے یہ جریدہ اپنے مقاصد کی اشاعت میں مصروف رہا۔ اس وقت تک پندرہ سو (1500) روپیہ کا خسارہ ہو چکا ہے۔ آئندہ کے لیے حزب الانصار اس کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ دارالعلوم عزیز یہ بھیہرہ اور دوسرے تبلیغی شعبوں کا بقا بھی مخدوش نظر آ رہا ہے۔ شمس الاسلام کے قارئین اور ہر ہمدرد ملت کا فرض ہے کہ ستمبر و اکتوبر کے دو مہینوں میں جریدہ ہذا کی توسیع اشاعت کے لیے اپنی ہر امکانی سعی صرف کر دیں۔ اور ملت کے اس حقیقی خادم، مذہب حقہ کے واحد ترجمان، میدان مناظرہ کے اس عمی شہسوار کو زندہ اور قائم رکھنے کے لیے جدوجہد سے کام لیں۔ خدا نخواستہ اگر آپ نے ہماری اس گزارش پر کسی عملی جدوجہد کا آغاز نہ کیا تو پھر جریدہ ہذا کو ہمیشہ کے لیے بند کرنا پڑے گا اور اہل سنت کے لیے وہ دن نہایت ہی بد بخت و منحوس سمجھا جائے گا۔ اگر شمس الاسلام کے صد ہا قارئین میں سے چند حضرات بھی خلوص و ایثار سے کام لیں تو جریدہ کا بقا دشوار نہیں ہے۔ قارئین میں سے ہر صاحب دو ماہ کے اندر کم از کم پانچ خریداروں کا چندہ بھجوادیں تو تمام مشکلات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ (ص: 3)

رات:

حضرت مولانا بگوئی نے شمس الاسلام میں دو طرح سے لکھا ہے:

ا۔ مختلف موضوعات پر ادارے اور مضامین۔

ب۔ مختلف مواقع پر تبلیغی اور اصلاحی خدمات کا تذکرہ۔

ابتداء کے چند سال کچھ یوں گزرے ہیں کہ رسالے کے 40 سے 48 صفحات میں 3/4 یا اس سے زائد کے

مضامین مولانا کے تحریر کردہ ہیں۔ ان دنوں میں ان کے پاس کام کرنے والے رفقاء کی ٹیم نہ تھی۔ ہم سخن بلکہ سخن فہم

حلقہ موجود نہ تھا۔ خود ان کی سرگرمیوں کی جولان گاہ اتنی وسیع نہ تھی۔ چند سالوں کے بعد جب ہم ذوق رفقاء کی ٹیم تیار ہوئی اور وہ خود ملکی سطح پر دینی ذمہ داریوں میں مصروف ہوتے گئے تو ان کی نگارشات کم ہوتی چلی گئیں۔

مولانا کی تحریر ان کی تقریر کی طرح سادہ ہے۔ الفاظ اور تراکیب میں بناوٹ ہے اور نہ بوجھل پن۔ وہ اپنی بات سادگی سے اور بلا واسطہ کہتے ہیں۔ وہ اکثر انہی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں جو جانے پہچانے اور دیکھے بھالے ہوتے ہیں۔ اپنی بات کو مدلل بنانے کے لیے وہ روزمرہ کے واقعات سے حوالے دیتے ہیں۔ مولانا کی تحریروں کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

کشمیر کمیٹی کا عبرتناک انجام: بحوالہ شمس الاسلام جولائی 1933ء

”مسلمانان ہند کی قیادت حاصل کرنے کے شوق میں آج سے تین سال پہلے مرزا محمود دینی نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نام سے ایک مجلس قائم کی تھی جس کی صدارت کے فرائض اپنے پاس رکھے اور سیکرٹری کے عہدہ پر اپنے ایک مرید کو مقرر کر کے تمام ہندوستان میں اپنا دام تزیور پھیلایا۔ چند فریب خوردہ اور سادہ لوح مسلمان ان کے ساتھ ہو گئے۔ ہزار باروپیہ مسلمانوں کی جیبوں سے فراہم کیا گیا۔ اور مرزائی مبلغین کی فوجیں کشمیر میں گھس گئیں اور مرزا محمود کو کشمیر کا نجات دہندہ قرار دے کر مرزائیت کی تبلیغ کے لیے میدان تیار کیا گیا۔ مسلمانوں کے روپیہ اور مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ مرزائیوں کی خود غرضیوں کا نتیجہ مسلمانان کشمیر میں افتراق و تشتت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آخر کار ارکان کشمیر کمیٹی کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کی طرف سے صدائے احتجاج بلند ہونے پر مرزا محمود کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہونا پڑا۔ کشمیر کمیٹی کے روپیہ سے جو مرزائی کام کر رہے تھے، انہوں نے بھی کام چھوڑ دیا۔ میرپور میں دو مرزائی وکیل کشمیر کمیٹی کی طرف سے زمین کے مقدمات کی پیروی پر مامور تھے۔ انہوں نے اطلاع دیے بغیر عدالت میں حاضر ہونا ترک کر دیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے جنرل سیکرٹری کا بیان اخبارات میں شائع ہوا جس میں مرزائی وکلاء کے اس طرز عمل کو قابل اعتراض ظاہر کیا گیا اور اعلان کیا کہ صدارت سے علیحدگی کے بعد مرزا محمود صاحب نے کمیٹی کو کوئی روپیہ نہیں دیا بلکہ کہا ہے کہ کمیٹی مقروض ہے۔ مرزائیوں کی منافقانہ حکمت عملیوں کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مورخہ 20 جون کو آل انڈیا

کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اخبارات میں جو بیان دیا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بد قسمتی سے کشمیر کمیٹی میں بعض ایسے ممبر بھی ہیں جو اپنے مذہبی پیشوا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے۔ مجھے یقین نہیں کہ کشمیر کمیٹی آئندہ سکون کے ساتھ کام کر سکے گی۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ کشمیر کمیٹی کو توڑ دیا جائے اور پبلک جلسہ منعقد کر کے ایک نئی کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی جائے۔“

آنچه دانا کند کند ناداں

لیک بعد از ہزار رسوائی

جس بات کو مسجد کے پڑھے ہوئے ملا سمجھ چکے تھے۔ شکر ہے کہ اب اسے تجربہ کے بعد تمام لوگ تسلیم کر رہے ہیں۔ (ص: 47)

”در نجف“ کی صداقت:

”سیالکوٹ سے شیعوں کا ایک اخبار نکلتا ہے جس میں اہل سنت و بزرگان اسلام پر طرح طرح کے الزام قائم کیے جاتے ہیں۔ طعن و تشنیع، گالی گلوچ سے افترا و کذب کا یہ پلندہ بھرپور ہوتا ہے۔ تقیہ کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے کذب بیانی شیعوں کے خمیر میں داخل ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں سیالکوٹ میں محرم کے موقع پر پولیس و سرکاری حکام کے طرز عمل کے خلاف جریدہ مذکور نے اس قدر غلط بیانی سے کام لیا کہ سیالکوٹ کی پبلک جی ان رہ گئی۔ اخبار ”انصاف“ نے درنجف کے بیان کی قلعی کھولی اور انجمن اثنا عشریہ سیالکوٹ نے اپنے اجلاس میں درنجف کی اس غلط بیانی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور گورنمنٹ کو توجہ دلائی گئی کہ وہ ایسے جھوٹے اور اشتعال انگیز مضامین شائع ہونے سے روکنے کا مناسب انتظام کرے۔ کیا ہم انجمن اثنا عشریہ سیال کوٹ کے ارکان سے توقع رکھتے ہیں کہ انہوں نے جس طرح پولیس و حکام ضلع کے خلاف جھوٹے و اشتعال انگیز مضامین کو بھیانک و مبالغہ انگیز قرار دے کر آواز بلند کی ہے اسی طرح درنجف میں شائع شدہ ایسے مضامین کے خلاف بھی آواز بلند کریں گے؟ جن میں رسول اکرم ﷺ کے صحابہ، سلف صالحین، صلحائے امت کو سب و شتم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ (ص: 48)

(بحوالہ شمس الاسلام مارچ 1933ء، صفحہ 4-2)

فتنہ قادیان:

کشمیر میں سیلاب ارتداد

کشمیری مسلمانوں کا ایمان بچانے کے لیے فوری کارروائی کی ضرورت

کشمیر کمیٹی کی کفر پروردگر میاں رنگ لارہی ہیں۔ کشمیر میں مرزائیت کی جڑیں مستحکم و استوار ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں مرزائیت کے لیے وقار حاصل کیا گیا ہے۔ مورخہ 17 جنوری 1933ء کو قادیان سے مسغین کے دو قافلے مرزائیت کی تبلیغ کے لیے کشمیر کی طرف روانہ ہوئے تھے ایک قافلہ بسرکردگی مولوی محمد یوسف شمالی کشمیر کے علاقہ مدر، گاندربل، کنگن، سونمرگ، علاقہ دراس، علاقہ گریز بند پور، سوپور، بارہ مول اور ہندواڑہ کے ملحقہ دیہات میں دورہ کر رہا ہے۔ دوسرا قافلہ بسرکردگی مولوی عبدالواحد جنوبی کشمیر کے علاقہ سری نگر، اسلام آباد، پلورمہ، کولگام، شوپیاں، ناسنور اور پاڑی پورہ میں مرزائیت کا زہر پھیلا رہا ہے۔ اس سے پہلے شوپیاں وغیرہ میں مرزائی نہایت زور سے کام کر رہے ہیں۔ کشمیر سے نوجوان طلباء فراہم کر کے قادیان بھیجے جاتے ہیں اور انہیں ضروری تعلیم دے کر تبلیغ کی خدمت پر مامور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تمام اسلامی انجمنیں معلوم نہیں کیا کر رہی ہیں۔ مجلس دعوت و ارشاد لاہور، انجمن تائید اسلام لاہور، انجمن حزب الاحناف لاہور، انجمن خدام الدین لاہور، جمعیت العلماء ہند دہلی، مجلس احرار لاہور، مجلس خدام الصوفیہ ہند سیالکوٹ، مرکزی مجلس مباحلہ، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ڈابھیل جملہ اسلامی انجمنوں کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ اس فتنہ کے سدباب کی طرف فوری توجہ کریں اور اس کو فتنہ شدھی سے کم نہ سمجھیں۔ جن اصحاب کی نظر سے یہ سطور گزریں وہ اپنی اولین فرصت میں مقتدر اسلامی انجمنوں کے اراکین کو اس کی طرف توجہ دلائیں۔ خصوصاً کشمیری اصحاب ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے ضرور مستفیض کریں۔

حزب الانصار کا تبلیغی وفد دورہ کشمیر کے لیے تیار ہے۔ مگر اتنے بڑے اہم کام کے لیے سرمایہ کے علاوہ کشمیری علماء و زعماء کی ہمدردی و اتحاد عمل کی سخت ضرورت ہے۔ حزب الانصار کے غریب و مفلس ارکان اس قدر کثیر مصارف کے تحمل نہیں ہو سکتے۔ مصارف سفر کے لیے فوری امداد درکار ہے۔ رسالہ ہذا کی تاریخ اشاعت سے پندرہ دن کے اندر ہی قوم کی بے توجہی یا توجہ کا اندازہ ہو جائے گا۔ مخیر اصحاب بہت جلد امدادی رقم بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں اور سفر کے لیے ہدایات اور مشوروں سے بھی حوصلہ افزائی فرمائیں۔

عاجز ظہور احمد گوی کان اللہ لہ۔ صدر حزب الانصار بھیرہ

کشمیری اصحاب خاص توجہ کریں

چند مستعد، محنتی، درد دل رکھنے والے نوجوان کشمیری درکار ہیں جو کسی قدر تعلیم دینی یا دنیوی حاصل کر چکے ہیں۔ ایسے اشخاص کو ماہوار وظیفہ ملا کرے گا اور ان کے جملہ مصارف حزب الانصار کے ذمہ ہوں گے۔ انہیں کچھ عرصہ دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ میں رکھ کر تبلیغ کا کام سکھایا جائے گا۔ کشمیری احباب بہت جلد اس اہم اور ضروری کام کی طرف توجہ فرمائیں۔

مہتمم دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ (پنجاب)

یکم مارچ 1933ء

مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبہ عید پر محاکمہ:

شوال 1355ھ / دسمبر 1936ء میں حضرت مولانا گوی معمول کے دورے پر کلکتہ میں موجود تھے۔ وہاں عید الفطر کے موقع پر انہیں مولانا آزاد کا خطبہ عید سننے کا موقع ملا۔ یہ خطبہ روزنامہ ”بند“ کے 19 دسمبر 1936ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مولانا آزاد کے تبحر علمی اور انداز بیان سے ایک زمانہ مسحور تھا۔ پھر کلکتہ شہر تو مولانا آزاد کا شیدائی تھا۔ مولانا آزاد کے ارشادات پر محاکمہ کوئی آسان بات نہ تھی مگر دینی حمیت اور جذبہ اسلامی نے مولانا گوی کو نوٹس لینے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے روزنامہ ”زمانہ“ کلکتہ میں مولانا آزاد کے خطبہ عید پر شاندار محاکمہ تحریر کیا اور ان کی ایہام گوئی کا جائزہ لیا۔ مولانا گوی کی یہ تاریخی تحریر فروری 1937ء کے شمارے اسلام میں صفحہ 9 تا 12 پر شائع ہوئی۔ مولانا گوی کے اتنے واضح اور موثر خیالات پر مزید حاشیہ آرائی غیر ضروری ہے۔ تحریر پیش خدمت ہے۔

کیا اسلام ترمیم کا محتاج ہے؟

مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبہ عید پر ایک نظر

(از حضرت مولانا ظہور احمد صاحب گوی امیر حزب الانصار (پنجاب) حال وارد کلکتہ نمبر 3 بیٹنگ اسٹریٹ)

میں بھی ان خوش قسمت انسانوں میں سے تھا جنہوں نے عید الفطر کے موقع پر کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا خطبہ سننے کا فخر حاصل کیا۔ مولانا کی بے مثل خطابت اور فصاحت و بلاغت سے مملو کلام کی سحر آفرینی سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ مگر سعی بلیغ کے باوجود مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ مولانا کے پیغام تجدید کا اصلی مطلب کیا ہے۔ روزنامہ بند 19 دسمبر کے صفحہ 3 پر

مولانا کا خطبہ شائع ہوا ہے۔ اس کو پڑھ کر میرے شکوک و شبہات تازہ ہو گئے۔ مولانا کے کلام میں عجیب قسم کا تضاد پایا جاتا ہے جس کو رفع کرنا میرے جیسے خادمان اسلام کے لیے بے حد مشکل ہے۔

تجدید یا تاسیس:

ہر معقولیت پسند انسان کو مولانا کے اس بیان سے اتفاق ہو گا کہ ”اسلامی عمارت کے قیام کی درستی، اس کے تحفظ اور اس کے بقا کے لیے تاسیس کی ضرورت نہیں، تجدید کی ضرورت ہے۔ عمارت موجود ہے۔ خرابی آگئی ہے وہ اگر دور کر دی جائے تو اس کی شان پھر دوبالا ہو سکتی ہے“۔ اس کے ساتھ مولانا کا یہ ارشاد بھی قابل غور ہے کہ ”اسلام کی تعلیم کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس کی کشش و دل آویزی کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس کے حسن و جمال کا جہاں تک تعلق ہے بلاشبہ اتنا عالمگیر ہے کہ یہی نہیں کہ زمانہ اس کا ساتھ دے بلکہ اگر مسلمان مسلمان ہو جائیں تو زمانہ ان کا استقبال کرے گا۔ اسلامی قوانین کو تم ایک طرف رکھو اور انسانی ضروریات کے ہر گوشہ کو دوسری طرف، پھر دیکھو اس کی معاشی و معاشرتی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس کی تمدنی و مذہبی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے اس تعلیم نے تمام و کمال طور پر ہر گوشہ دیکھا اور جزوی و کلی طور پر علاج تجویز کیا ہے۔ قدامت اب باقی نہیں رہ سکتی لیکن تجدید میں غلو مفید نہیں۔ آج اسی نسخہ کے استعمال کی ضرورت ہے جو تیرہ سو سال پہلے ایک ہادی و حکیم نے تجویز کیا تھا“۔

کلام کے مذکورہ بالا حصہ سے کسی مسلم کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ مولانا نے اسلامی قوانین اور اسلامی نظام کے احیاء کے لیے لفظ تجدید استعمال کرتے ہوئے تجدید کی جو مثال دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوبصورت الفاظ کے پردہ میں اسلامی قوانین کی ترمیم و تیسخ کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

تجدید کی مثال:

ایک طرف تو مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ ”تجدید میں غلو مفید نہیں کہ تجدید کی زندگی میں بڑھے، تو غلطی کی گمراہی میں پڑے“۔ دوسری طرف یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ ”آج اس نسخہ

کے استعمال کی ضرورت ہے جو تیرہ سو سال پہلے ایک ہادی و حکیم نے تجویز کیا تھا۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قدامت سے مولانا کی کیا مراد ہے۔ کیا تیرہ سو سال کے پرانے نسخہ کو قدیم نہیں کہا جاسکتا، کیا قدامت کو دور کرنے سے مولانا کی مراد سیزدہ صد سالہ اسلام کی تئسیخ ہے۔ تجدید کی جو مثال مولانا نے بیان فرمائی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجدید نہیں بلکہ اسلام میں ترمیم درکار ہے۔ بنیاد وہی رہے مگر عمارت میں ایسی تبدیلی کر دی جائے جو زمانہ کے حالات کے موافق ہو۔ بالفاظ دیگر تیرہ سو سال پہلے محمد عربی ﷺ کی بنائی ہوئی اسلامی عمارت میں چند نقائص ہیں جن کو دور کرنے کے لیے بقول مولانا کسی نئے کاریگر اور کسی نئے انجینئر کی ضرورت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ”زمانہ کے ساتھ حالت بدل دی جاتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ کھڑکیاں نیچی ہیں بلند کر دیجئے، روشن دان تبدیل کر دیئے جائیں۔ اساس مضبوط ہے، بنیاد مستحکم ہے، ضروریات کے مطابق چند معمولی ترمیم و تزئین کے بعد اسے ضروریات زمانہ کے قابل بنایا جائے۔“

ہم تو آج تک یہی سمجھتے تھے کہ اسلام کے اصولوں اور اسلامی نظم و نسق کے احیاء کی ضرورت ہے یا بالفاظ دیگر اسلامی عمارت کی سابقہ یعنی سیزدہ صد سال قبل کی حالت کے مطابق تجدید درکار ہے۔ مگر مولانا کی بیان کردہ مثال سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا کا مقصد تجدید نہیں بلکہ اسلام کے بعض احکام میں تبدیل و تئسیخ و ترمیم ہے۔ تاکہ اسے بقول مولانا، زمانہ کے مطابق بنایا جاسکے۔ حالانکہ خود ہی فرماتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کا نہ صرف زمانہ ساتھ دے سکتا ہے بلکہ استقبال کر سکتا ہے۔

نئے ہادی کی ضرورت:

محمد عربی ﷺ کی قائم کردہ عمارت میں تبدیلی و ترمیم کے لیے مولانا فرماتے ہیں کہ ”ضرورت ہے ایک انجینئر کی، ایک معمار کی ایک ایسے زمانہ شناس کی جو ایک نظر میں بھانپ لے کہ مکان میں کہاں کہاں مرمت کی ضرورت ہے۔ کہاں کہاں تجدید کی ضرورت ہے۔ کس در اور کس دیوار کی تبدیلی کرنی چاہیے۔ کس کو اپنی جگہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔“

مندرجہ بالا عبارت میں جن الفاظ کے نیچے خط دیئے گئے ہیں۔ وہ میرے شکوک و

شہادت کو قوی کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مولانا کا مقصد صرف تجدید نہیں بلکہ ترمیم، تبدیل و ترمیم اور جمیع احکام اسلام پر نظر ثانی کرنا بھی ہے۔ اور ایسے مقصد کے لیے دور حاضرہ میں ایک نئے ہادی کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے۔ عوام الناس ان الفاظ سے یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس نئے ہادی سے مولانا کس کو مراد لے رہے ہیں۔ قادیانی بھی ایسے مغالطے دے کر اپنا الوسیدھا کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ مولانا کا یہ خطبہ آئندہ کسی زمانہ میں نئے فتنہ ارتداد کی دعوت دے۔ اور اسلام کو دہریت و الحاد کی کسی جدید رو کا مقابلہ کرنا پڑے۔

تنظیم زکوٰۃ و قیام بیت المال:

زکوٰۃ کی تنظیم اور بیت المال کا قیام مسلمانوں کی اجتماعی حیات کے بقا کے لیے ضروری ہے۔ اس کی اہمیت سے کبھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اغیار کی غلامی نے ہمیں جن اداروں سے محروم کر دیا ہے ان میں بیت المال بھی ہے۔ جب تک آزادی حاصل نہ ہو، زکوٰۃ کی تنظیم کا مسئلہ کما حقہ حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہمارے پاس ایسی قوت نہ ہو کہ محکمہ انکم ٹیکس والوں کی طرح ہر مسلم تاجر کے حساب و کتاب کی پڑتال کر کے خدائی ٹیکس وصول کر سکیں اور خدائی ٹیکس (زکوٰۃ) نہ دینے والوں کو سزا دینے پر قادر ہوں۔ اس وقت تک بیت المال کے قیام کی رٹ لگائے رکھنے کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ جہاں ایک سو چندہ جمع کرنے والے نظر آتے ہیں وہاں بیت المال کے قیام کے بعد ان میں ایک نئے چندہ جمع کرنے والے ادارہ کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور بعض تاجر جو نام و نمود کے لیے یارسی طور پر مجبوراً اکثر اسلامی اداروں کی مالی امداد کرتے رہتے ہیں ان کو آئندہ چندہ دینے سے انکار کرنے کا معقول بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔ جہاں پہلے پانچ سو روپیہ سالانہ بد خیرات صرف کرتے تھے۔ اب بیت المال میں ایک صد روپیہ دے کر آزادی حاصل کر لیں گے۔ بیت المال کی امداد میں حصہ لینے والوں میں سے ہر ایک کئی اداروں کی امداد کے لیے تجاویز پیش کرے گا۔ پنجابی پنجابیوں کے لیے، بنگالی بنگالیوں کے لیے اور اسی طرح میمن میمنوں کے لیے امداد طلب کریں گے۔ اور بیت المال کا خاتمہ اسی چھینا چھینی میں ہو جائے گا۔

پنجاب میں بمقام سیال شریف اور بہار میں بمقام پھلواری امارات شرعیہ قائم

ہوئیں۔ ہر دو جگہ بیت المال قائم ہوئے مگر ان میں ناکامی ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے گزشتہ سال عید الفطر کے خطبہ میں فرمایا تھا کہ ”بیت المال کے قیام کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوگی جس قدر زکوٰۃ کا روپیہ ادا کیا جاتا ہے اس کا کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا“۔ مجھے خطرہ ہے کہ مولانا کی ہجو قسم تقاریر کا صرف یہی نتیجہ نکلے گا کہ لوگ زکوٰۃ ادا کرنا بند کر دیں گے اور جب تک ہم غلام ہیں بیت المال قائم نہ ہوگا۔ اور اس کا خوفناک نتیجہ جو ظاہر ہوگا اس کے تصور سے روکنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلامی مدارس و دیگر ادارے کسمپرسی کے عالم میں فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ مال بھی دے اور ثواب سے بھی محروم رہے۔ بیت المال کے انتظار میں صدقہ و خیرات و زکوٰۃ سے بھی ذی ثروت اشخاص کو نجات حاصل ہو جائے گی۔

بقول کے ”نہ نومن تیل ہوگانہ رادھانا چے گی“

مولانا آزاد کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش:

مولانا کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ اپنے مقصد کی وضاحت فرما کر مسلمانوں کو صحیح راہ عمل بتلائیں۔ آپ کی پہلو دار گوئی سے قوم میں تشقت و افتراق پیدا ہونا لازمی ہے۔ مدیر ہند نے اپنے جریدہ مورخہ 20 دسمبر 1936ء کے افتتاحیہ میں مولانا کے خطبہ کا وہی حصہ نقل کیا ہے جو قابل اعتراض ہے۔ اور قوم کو اسلام کی تجدید یعنی ترمیم کی دعوت دی ہے۔ آپ کے معتقدین آپ کی تقریر کے پہلے حصہ کو اس کی تردید میں پیش کریں گے۔ موافق و مخالف کو آپ کے کلام میں سے استناد کے لیے مواد مل جائے گا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کے میدان میں ہی مرزائیوں نے ایک ٹریکٹ بعنوان ”دعوت حق“ تقسیم کیا ہے جس میں کسی نئے ہادی و مجدد کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے مسلمانوں کو مرزاجی کی غلامی کی دعوت دی ہے۔ آپ کی تقریر یقیناً مرزائیوں کے لیے دجل و تلبیس کا بہترین موقعہ بہم پہنچائے گی۔

مولانا آزاد کے متعلق یہ شکایت عام ہو چکی ہے کہ آپ اپنے عقائد و اعمال میں کسی قدر آزاد واقع ہوئے ہیں اور آپ کا کلام پہلو دار گوئی سے خالی نہیں ہوتا۔ ترجمان القرآن میں آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نجات کے لیے اطاعت رسول کو ضروری نہیں

سمجھتے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب میرسیالکوٹی نے دو دفعہ آپ کو ایسے خطرناک الفاظ کی طرف توجہ دلائی اور وضاحت کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے آج تک ان کی کسی چٹھی کا جواب نہیں دیا اور کامل سکوت سے کام لے کر اپنے پھینکے ہوئے بم کے تباہ کن نتائج کا ملاحظہ کر رہے ہیں۔ اسلام میں کسی نئے فتنہ کی گنجائش نہیں۔ مسلمان پہلے ہی فرقہ بندیوں میں مبتلا ہو کر کافی تباہ ہو چکے ہیں۔ آج کل ہر آواز جو اصلاح و تنظیم کے لیے بلند ہوتی ہے وہ کسی نئی تفریق کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ سیاسی مجالس کے افتراق کو دور کرنے کے لیے ہر بار نئی مجالس قائم ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسلام میں فرقہ بندی کو دور کرنے کے لیے اتحاد و تنظیم کے نام پر نئی نئی تحریکیں ہوتی ہیں جن کا نتیجہ صرف یہی ہوتا ہے کہ نئے نئے فرقے پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر نئے فرقہ کا داعی فرقہ بندی کو مٹانے کا مدعی ہوتا ہے۔ حنفی، شافعی و مالکی کی تفریق مٹانے کے لیے فرقہ اہل حدیث کی تاسیس ہوئی۔ اہل حدیث اور احناف کا اختلاف مٹانے کے لیے چکڑ الوی فرقہ ظاہر ہوا۔ اہل حدیث، احناف اور چکڑ الویوں (اہل قرآن) کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے مرزا قادیان نے ایک نئے فرقہ کی بنا ڈالی۔ ہر شخص جو ایک ہونے کا مشورہ دیتا ہے دراصل کسی نئی تحریک کا پیشوا بننا چاہتا ہے۔ مسلمانوں میں چونکہ گداگروں کی کثرت ہے اور مدارس و یتیم خانوں کے سفیروں کی یورش سے امراء تنگ آچکے ہیں لہذا سفیروں اور گداگروں کے سدباب کے لیے تنظیم زکوٰۃ و قیام بیت المال کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کرنے کی سعی کی جا رہی ہے تاکہ گداگروں کی ایک نئی جماعت پیدا ہو۔ صد ہا سفیروں میں بیت المال کے ایک نئے سفیر کا اضافہ ہو۔ صد ہا اداروں میں ایک کی زیادتی سے مسلمان چیخ اٹھیں۔“

(ماخوذ از روزنامہ ”زمانہ“ کلکتہ)

25 دسمبر 1936ء

اشتراکیت:

کیونز م خدا بیزار، مذہب دشمن اور غریب دوست تحریک تھی۔ برصغیر میں اس کے نام لیوا مختلف جہات سے لینن اور مارکس کی تعلیمات پھیلا رہے تھے۔ نئے مذہب کا جائزہ لیتے ہوئے اگست 1941ء کے شمارے میں اشتراکیت کے عنوان کے تحت مولانا بگونی رقمطراز ہیں:

ظہور اسلام سے پہلے ایران میں مزدک نامی "ریفارمر" نے زن، زر، زمین میں تمام بنی آدم کے اشتراک کا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے مبیین نے ایران میں کافی شہرت حاصل کرنی تھی۔ مگر اسلام کے حیات افروز پیغام نے دنیا میں سرمایہ و محنت کا لائیکل معمر حل کر دیا۔ اور فرقہ مزدکیہ دنیا سے معدوم ہو گیا۔ دور حاضر کی سرمایہ داری نے مزدور کا خون چوس لیا ہے۔ لہذا مارکس اور لینن نے دنیا کے اقتصادی نظام کو دوبارہ مزدک کے ارشادات کی روشنی میں مرتب کرنا چاہا مگر وہ اپنے تجربہ میں ناکام ہوئے۔ لینن جس اقتصادی نظام کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا، وہ اس کے اپنے ملک روس میں بھی پوری طرح رائج نہ ہو سکا۔ اشتراکیوں (کمیونسٹوں) نے اس تجربہ کی ناکامی کی ذمہ داری مذہب پر ڈال دی۔ اور دنیا سے خدا پرستی اور مذاہب عالم کو نیست و نابود کرنے کے لیے الحاد و دہریت کی اشاعت کے لیے وسیع پیمانہ پر جدوجہد شروع کر دی۔ ہندوستان میں بھی اشتراکیوں کی کئی جماعتیں اپنے مقاصد کی اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔ علمائے اسلام کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے "اقتصادی نظام" کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ تاکہ اقوام عالم اس سے مستفیض ہو کر امن و راحت کی زندگی بسر کریں۔ اشتراکیت یعنی سوشلزم و کمیونزم کے تباہ کن اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام کو اپنے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ علماء نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ بعض مسلم علماء نے اسلام کے احکام پر غور کرنے کے بجائے قرآن اور اسلام کا مطالعہ اشتراکیت کی عینک لگا کر کیا ہے اور قرآن کے معانی و مطالب کو مارکس کے اشارات کے مطابق بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔ گویا قرآن ایک معمر تھا جو تیرہ سو سال لائیکل رہا۔ اور دور حاضر میں مارکس، لینن، ٹراٹسکی اور سٹالین کے نظریوں پر غور کرنے کے بعد ہی فہم قرآن کا ملکہ حاصل ہو سکتا ہے۔ "شمس الاسلام" کے صفحات پر مولانا قاسمی کے مضامین کا ایک سلسلہ "اشتراکیت اور اسلام" کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ شخصی خطاب سے ایسے مضامین کو پاک رکھا جائے۔ علماء اسلام سے استدعا ہے کہ اشتراکی اور اسلامی نظام کے فرق کو ظاہر کر کے اسلامی نظام کی برتری و فوقیت پر مدلل مضامین برائے اشاعت ارسال فرمائیں، تاکہ اس جدید فتنہ کا استیصال احسن طریق سے ہو سکے۔ آج اقوام عالم میں مسائل کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہیں ان کا فیصلہ اسلام نے صد ہا برس پہلے جس بلوغ انداز میں فرمادیا تھا اس کا اظہار ضروری ہے۔ تاکہ دنیا کے پیا سے اس چشمہ رحمت سے یہ اب ہوں اور دنیا والوں کو امن کا پیغام مل سکے اور اسلام کا ہر رنگ میں بول بالا ہو۔

اشتراکیت کی درسگاہیں:

سیاسی کارکنوں میں اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے نفوذ کے بارے میں اظہار تشویش کرتے ہیں: احراری و کانگریسی ستیہ رے نے ملک کے جیل خانوں کو ہزار ہا قوم کے نوجوانوں سے بھر دیا ہے۔

سادہ لوح نوجوان جو اپنے زعم میں ملک و ملت کی خدمات کے لیے جیل کے مصائب برداشت کر رہے ہیں، ان کی اکثریت مذہب سے نا آشنا ہے اور ان کو دولت ایمان سے محروم کرنے کے لیے اشتراکی مبلغین ان پر زور سے ڈال رہے ہیں۔ اشتراکی بھی کانگریسی پلیٹ فارم سے ستیہ گرہ کر کے جیلوں میں جا رہے ہیں۔ عام طور پر سیاسی اسیران کو ایک ہی احاطہ میں رکھا جاتا ہے۔ لہذا آج کل ملک کے جیل خانے اشتراکیت کی درگاہوں کو کام دے رہے ہیں۔ جیل کے اندر وسیع پیمانے پر ملک کی اصلاح کے نام سے نوجوانوں کو مذہب کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے ایسے مسلم نوجوانوں کو دیکھا ہے۔ جو جیل کے اندر ہی خدا کی ہستی کے منکر ہو چکے ہیں اور اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی سے باز نہیں رہتے۔ اس لیے تحریک ستیہ گرہ کے قیدیوں کی عام رہائی کے بعد اشتراکیت کا فتنہ نہایت زور سے بڑھنا شروع ہو گا۔ اشتراکی اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا نشانہ سب سے زیادہ مسلم نوجوانوں کو ہی بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام ہی ایسا فطرتی اور مکمل مذہب ہے جس کا اپنا نظام ہے اور اس نظام کی ترویج سے اشتراکیت و مذہب پر مایہ داری موت کے گھاٹ اتر سکتی ہیں۔

ماہ جولائی کے آخر میں مجھے لاہور میں ایک سیاسی لیڈر سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ لیڈر موصوف اشتراکیت کی تعریف میں رطب اللسان ہوئے اور فرمانے لگے کہ رسول کریم ﷺ نے کسی غلط فہمی کی بنا پر صحابہؓ کو جاگیریں عطا کر دی تھیں۔ ورنہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ (معاذ اللہ۔ استغفر اللہ العظیم)

یہ ہے نتیجہ اشتراکیت کے لیے بے پناہ پراپیگنڈا کا جو سیاسی زعماء کے دل و دماغ کو مسموم کر رہا ہے۔

اہل سنت کے لیے تازیانہ عبرت:

انگریز و انسراے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں سرکاری درباری طور پر تین مسلمان رہنما رکن نامزد ہوئے۔ اہل سنت و الجماعت کے نکتہ نظر سے جائزہ لیتے ہوئے مولانا واضح کرتے ہیں:

انسراے کی ایگزیکٹو کونسل میں تین مسلمانوں کے ناموں کا اعلان ہوا ہے۔ جن میں سے دو شیعہ اور ایک ایسے صاحب ہیں جو نہ تو سنی کہے جاسکتے ہیں اور نہ ہی وہ شیعوں میں شامل ہیں اس سے پہلے نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے انسراے کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت کے عہدہ پر کئی سال سر ظفر اللہ خاں قادیانی مسلط رہے ہیں۔ اب مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت یعنی مسلم لیگ پر شیعوں کا مکمل قبضہ ہے۔ مسلمانوں کے تمام اداروں کالجوں، سکولوں، مطابع، اخبارات و مجالس پر شیعوں نے سالہا سال سے منظم سازش کے ماتحت دخل حاصل کر رکھا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے تجویز کردہ فارسی کے نصابوں میں ملانیہ تیرابازی موجود ہے۔ سیاسی مجالس، سیاسی سٹیج، شعر و شاعری، اسلامی پریس، مدارس کے نصاب تعلیم غرض ہر ذریعہ سے شیعیت کا مذہبی تخیل پر اس قدر مسموم اثر ہو رہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ پنجاب کا کوئی ایسا

اسلامی اخبار نہیں جس کے ادارہ میں شیعہ، مرزائی یا خاکساری عنصر موجود نہ ہو۔ دیہات میں شیعوں کے مبلغ سادات، فقراء، مشائخ اور بھنگ نوش قلندروں و ملنگوں کا روپ اختیار کر کے طرح طرح کے مکروتزویہ کے جال پھیلا رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں سنی لیڈر، سنی پیر، سنی شیخ، سنی سجادہ نشین، سنی مولوی، سنی شاعر، سنی ادیب اور سنی مجالس ساکت و جامد اور خواب غفلت میں سرشار ہو کر زمانہ کی ہوا کے رخ پر چل رہے ہیں۔ اور غیر محسوس طور پر رخصت کے سیلاب کا شکار بن رہے ہیں۔ ”حزب الانصار“ کی غریب جماعت کی چیخ و پکار اور اس کی آواز ان تک نہیں پہنچ سکتی۔ خدا ہی اپنے دین کا محافظ و نگہبان ہے۔ ورنہ حالات اس قدر خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں، جن کا تصور بھی لرزہ بر اندام کرنے کے لیے کافی ہے۔

ان کان فی القلب اسلام و ایمان

سر ظفر اللہ وائسرائے کی کونسل سے علیحدہ ہوتے ہی ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت یعنی فیڈرل کورٹ کے جج بنا دیئے گئے ہیں۔ اب غریب سنی سرپیٹ کر رہ جائیں ان کے لیے ہر جگہ دوہری غلامی کا مہمی ہے۔ کاش ہماری یہ آواز سنیوں کے کانوں تک پہنچ سکے اور ان کے لیے یہ امور تازیانہ عبرت ثابت ہوں۔

اے قوم ما بیدار شو!

ہم ہرگز شیعوں اور مرزائیوں کے سیاسی حقوق میں مزاحم ہونا نہیں چاہتے اور سنیوں اور شیعوں میں کسی جگہ بھی جھگڑا کرنا گوارا نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ سنیوں کی آواز بھی حکومت کے کانوں تک پہنچتی رہے اور ان کی نمائندگی کا بھی مؤثر انتظام ہونا چاہیے۔ شیعوں نے شیعہ پولیٹیکل کانفرنس قائم کر کے شیعوں سے نئے سیاسی حقوق کے حل کرنے کے لیے منظم جدوجہد جاری کر رکھی ہے۔ لہذا اگر سنی بھی سنیت کی عینک سے سیاسیات کا مطالعہ کریں تو وہ مطعون قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

مدح صحابہ:

اسوہ صحابہؓ مسلمانوں کے لیے لائق تقلید ہے اور صحابہؓ کی مدح ان کے لیے جزو ایمان۔
شمس الاسلام دسمبر 1942ء میں صحابہ کرامؓ کی تعریف و توصیف اور مدح و منقبت کے لیے مولانا بگویی مسلمانوں کو توجہ دلاتے ہیں۔

خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؓ کی یاد کو تازہ رکھنا، ان کے کارناموں اور مذہبی خدمات کا بار بار تذکرہ کرنا تاکہ ہم میں بھی جوش عمل پیدا ہو، ایک نہایت ضروری اور بہترین کام ہے۔ ان کی سوانح حیات کی عام اشاعت اور انکی اقتداء کی تبلیغ مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس مقصد کے لیے دہلی کے حضرات نے یادگار خلفاء منانے کا ارادہ کیا ہے جس میں غیر مسلم حضرات سے بھی تقریریں کرانے کا پروگرام بنایا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہندوستان کے دوسرے شہروں اور صوبوں کے مسلمان بھی اس کام کو شروع

کریں۔ اور خصوصاً مسلمانان پنجاب کو خاص طور سے توجہ دلائی جاتی ہے کہ علماء کرام اور مشائخ عظام اپنی قیادت میں ایسے مجالس و محافل کے منعقد کرانے کا انتظام کریں۔ خلفاء راشدین، صحابہ کرام، ائمہ عظام اور سلف صالحین کی سوانح حیات، ان کی کارگزاریوں ان کے فضائل و مناقب کی اشاعت خوب اچھی طرح کی جائے اور عام مسلمانوں کو ان سب ضروری اور اہم باتوں سے واقف کیا جائے۔ اور اس سے مقصد کسی خاص فرقہ سے چھیڑ چھاڑ یا ان کی دل آزاری نہیں بلکہ صرف اپنے مذہب کی عام تبلیغ کے فریضہ کو سرانجام دینا ہے اور اپنے بزرگوں کی یاد تازہ کر کے ان کی پیروی کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنا ہے تاکہ ہم اقتدا و بالذین من بعدی ابی بکر و عمر اور فرمان نبوی علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المہدیین من بعدی عضوا علیہا بالنواجذ کی تعمیل کر سکیں۔ امید ہے کہ علماء و مشائخ اس طرف بڑے شوق سے توجہ فرما کر عمل پیرا ہوں گے۔

جعلی و نقلی پیروں کے کرتوت:

مسلمانوں کے بگاڑ اور تصوف کی بدنامی میں کاروباری پیروں اور پیشہ ور فقیروں کا بہت عمل دخل ہے۔ چنانچہ شمس الاسلام دسمبر 1942ء میں نقلی گدیوں اور جعلی پیروں کی بدعنوانیوں کے حوالے سے تصوف خالص کی اہمیت اور ضرورت پر مولانا بگونی روشنی ڈالتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں:-

روزنامہ ملاپ 5 اگست کی خبر ہے کہ مسٹر وائی ایل تینچہ مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں ایک جعلی پیر محمد سعید کے برخلاف مقدمہ دھوکہ دی زیر سماعت ہے۔ مدعی نے جو اپنے آپ کو چمڑے کا سوداگر اور تمام ہندوستان کا بیوپاری بتاتا ہے بیان دیا ہے کہ میں نے 25 ہزار کے لالچ میں آکر ”بڑی سرکار“ اور ”چھوٹی سرکار“ کی خدمت میں 5 ہزار کا مال و اسباب، کچھ سونا، اور کچھ نقد ”نذرانہ“ پیش کیا۔ مگر مجھے 25 ہزار کی رقم نہیں ملی۔ بلکہ پیر صاحب میرا مال بھی دھوکہ کر کے لے اڑے، میں تلاش کرتا رہا۔ اور آخر میں نے مقدمہ درج کرادیا۔ عدالت میں کافی تعداد میں جعلی داڑھیاں اور بال پیش کیے گئے۔ جو چھوٹی سرکار اور بڑی سرکار لگایا کرتے تھے۔ اس بارے میں قانونی فیصلہ کرنا تو عدالت کا کام ہے لیکن مسلمانوں کی جہالت و نادانی اور اس طرح کی خام خیالیوں کو دیکھتے ہوئے ہم بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اسلام میں کسی پیر و مرشد کی عقیدت، اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا، اس کا احترام صرف اس لیے ہوتا ہے اور اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کی صحبت میں رہ کر دین کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایمان و ایقان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ عقائد میں پختگی آ جاتی ہے اور انسان اعمال حسنة اور اخلاق حمیدہ کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے۔ لیکن آج کل کے مسلمانوں کو چونکہ دین کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت جاگزیں ہے۔ اس لیے وہ تو ایسے پیر کی تلاش میں رہتے ہیں جو کہ ان کو کیمیا کا نسخہ بتائیں۔ اس کی وجہ سے مؤکلات کا ہزاروں روپیہ چھن چھن

کران کی جیبوں میں پڑے۔ جنات نوٹوں کے بنڈل ان کو حاضر کرتے رہیں۔ اور یا ایسا تعویذ دے جس کی تاثیر سے ”محبوبہ عاشق کے قدموں پر“ سر رکھنے پر مجبور ہو جائے۔ جب مسلمانوں کو ایسے ہی بزرگوں اور ”مرشدوں“ کی طلب ہے تو ظاہر ہے کہ دھوکہ باز اور مکار لوگ پیری و فقیری کے لباس میں ان زر پرست اور لالچی احمقوں کو لوٹنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہزاروں کا چکمہ دے کر کم از کم سینکڑے تو ضرور بنور لیں گے۔ مگر کیا ایسے واقعات کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا بے انصافی اور اندھیر گردی نہ ہوگی کہ تصوف ہی کوئی چیز نہیں اور ان صوفیاء کرام اور مشائخ طریقت کے خلاف بھی محاذ قائم کیا جائے جو اسلام کی صحیح خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور جن کی برکت سے واقعی روحانیت پھیل رہی ہے۔ اگر پیتل کے ٹکڑے کو سونا سمجھ کر کوئی اپنی بیوقوفی سے دھوکہ کھا جائے تو اگر وہ خود اپنی بے وقوفی کے اقرار کی بجائے سرے سے سونے کو فضول اور بے قیمت چیز قرار دے تو یہ یقیناً اس کی مزید حماقت ہوگی۔ آج کل جھوٹے اور جعلی پیروں سے سیم و زر کے لالچ میں دھوکہ کھا جانے کے بعد بہت سے احمق یہ مزید حماقت کر بیٹھتے ہیں کہ مشائخ طریقت سے بدظن ہو جاتے ہیں اور لحد و بے دین طبقہ کے افراد ایسے جزئی واقعات کی آڑ میں تصوف و طریقت، علم و عبادت کو بدنام کر کے اپنے الحاد کی اشاعت کرتے ہیں مگر عقل سلیم کی روشنی میں فیصلہ کرنے والے خود اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ جعلی پیروں اور نقلی داڑھیوں کی ذمہ داری اصلی پیروں اور اصلی داڑھیوں پر کبھی بھی عائد نہیں ہو سکتی۔

تاریخی اور فقہی امور میں اہل سنت کے لیے اعتدال کی راہ:

غزوہ قسطنطنیہ اور پہلے بحری جہاز کے حوالے سے امیر یزید بن امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی شمولیت کے مسئلے پر حضرت مولانا بگویی لکھتے ہیں:

سوال: بخاری شریف میں ہے اول جيش من امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم قال القسطلاني كان اول من غزا مدينة قيصر يزيد ابن معاويه. وقال اناس من امتي يركبون البحر الاخضر في سبيل الله

حدیث کس پر صادق آتی ہے۔ کس کی بشارت رسول اللہ ﷺ فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ دے رہے ہیں۔ کیا اب بھی کہا جائے گا کہ یزید مغفور نہیں۔ اس کی نیت جہاد فی سبیل اللہ تھی۔ اگر نہ تھی تو رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی غلط ہو جاتی ہے۔ کیا حضور ﷺ نہیں جانتے تھے کہ جس کی میں تعریف کر رہا ہوں وہ فاسق و فاجر ہے، قاتل حسینؑ اور ملعون و مردود ہے۔ راوی کا کذب ممکن ہے مگر حدیث کو جھٹلانا آسان نہیں۔ لہذا بعد میں بیان کردہ روایات دربارہ انفعال یزید قابل اعتبار نہیں۔ شیعہ بھی تو صحابہ کرام کے خلاف روایات پیش کر کے ان کے فضائل والی احادیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ اگر شیعوں کی روایات قابل تسلیم ہیں تو ہم بھی یزید کے بارہ میں مذکورہ روایات

قبول کر لیں گے۔ ورنہ مدلل و مفصل جواب اطمینان کے لیے درکار ہے۔ (کبیر الدین از بنارس)
 نیز شیعہ اہل سنت ہی کو مطعون کرتے ہیں کہ یزید جیسے قاتل حسین پر لعنت کرنا سنیوں کے مذہب میں جائز
 نہیں۔ اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔

الجواب: اس سوال کا جواب ماہ ستمبر 1941ء کی اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔ مگر سائل صاحب نے دوبارہ اپنے
 شکوک و شبہات پیش کیے ہیں اس لیے اس کا مفصل و مکمل جواب اشاعت ہذا میں درج کیا جاتا ہے۔ سائل نے دو
 حدیثیں پیش کی ہیں۔ ان احادیث کے متعلق علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے:

پہلی حدیث:

اول جيش من امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم (بخاری کتاب الجہاد باب قتال الروم)
 میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا وہ مغفور ہوگا۔
 اس حدیث کے متعلق علامہ ابن خلدون کی تاریخ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
 نے زمانہ میں سب سے پہلے بسر بن ارطاط کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ اس کے بعد 53ھ میں سفیان بن عوف
 کی سپہ سالاری میں ایک عظیم لشکر مرتب ہوا۔ جس کے ایک حصہ کی سرداری پر یزید بھی مامور تھا۔ اس لشکر میں بڑے
 بڑے صحابہ شامل تھے۔ اکثر مورخین اسلام نے اسی دوسرے لشکر کو بشارت نبویہ کا مصداق قرار دیا ہے۔ مگر ابن
 خلدون جیسے محقق مورخ کی رائے بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔
 علاوہ ازیں علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد 5 صفحہ 84 پر اس حدیث کے تحت میں تحریر
 فرماتے ہیں:

اس حدیث سے مہلب نے خلافت یزید اور اس کے جنتی ہونے کے ثبوت میں استدلال کیا ہے۔ بدیں
 صورت کہ وہ بھی "مغفور لهم" کے عموم میں داخل ہے۔
 اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بنی امیہ کی حمایت میں بیان کیا جاتا ہے لیکن یزید کا اس عموم میں داخل ہونا
 اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ کسی خاص دلیل مخرج کے ساتھ اس عموم سے خارج نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بلا اختلاف
 آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان مشروط ہے اس شخص کے اہل مغفرت میں سے ہونے کے ساتھ۔ اب اگر کوئی شخص اس
 غزوہ کے بعد مرتد ہو جائے تو بالاتفاق اس عموم میں داخل نہیں ہوگا۔

اور علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری مطبوعہ استنبول جلد 6 صفحہ 648 پر اس

حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم

(مغفور لہم سے مراد وہ شخص ہے جس کے لیے ان میں سے مغفرت کی شرط پائی جائے)

احادیث میں مسجد بنانے والے، حج کرنے والے یا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے اس قسم کی بشارات موجود ہیں۔ جن سے ان کے جنتی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایسے اشخاص اگر ان اعمال کے بعد مرتد ہو جائیں یا ان سے انفعال قبیحہ سرزد ہوں۔ تب بھی وہ ضرور جنتی اور مغفور سمجھے جائیں۔ لہذا زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شامل ہونے والوں کے گناہ اللہ نے بخش دیئے۔ مگر اس جہاد کے بعد اس نے اگر کبائر کا ارتکاب کیا ہو اور بعض افعال سرزد ہوں تو کوئی سلیم العقل انسان ان کے بعد کے گناہوں کو بھی مغفور نہیں کہہ سکتا۔

صحابہ کرام کے متعلق کتب فریقین میں اکرموا اصحابی۔ اوصیکم لاصحابی۔ اصحابی کالنجوم۔ بایہم اقتدایتم اہتدیتم کے الفاظ موجود ہیں۔ لہذا حضور نبی کریم ﷺ کے ان واضح ارشادات کی بنا پر ہم صحابی کی تعظیم و تکریم پر مامور ہیں۔ مگر کیا سائل صاحب یزید کی تعظیم و تکریم کے لیے بھی کوئی فرمان نبوی پیش کر سکتے ہیں۔ یزید صحابی نہ تھا اور اس کے بارہ میں اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ نہ تو اس پر لعنت کی جائے اور نہ ہی اسے اچھا کہا جائے۔

دوسری حدیث:

ناس من امتی یرکبون البحر الاخضر فی سبیل اللہ مثلہم مثل الملوک

علی الاسرة (بخاری کتاب الجہاد باب غزوا المراءة فی البحر)

(میری امت کے بعض لوگ بحر اخضر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سوار ہوں گے۔ ان کی

مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوں۔)

اس حدیث کے بارہ میں تمام شارحین بخاری مثلاً قسطلانی و عینی وغیرہم یہی بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غزوہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جزیرہ قبرص میں پیش آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاکم شام نے 18ھ میں جزیرہ قبرص پر حملہ کیا۔ یہ پہلا اسلامی لشکر تھا جس نے سمندر میں جہاد کیا۔ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اس لڑائی میں شریک تھیں۔ اور صحیح بخاری باب قتال الروم میں ام حرام

رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا میں قیصر کے شہر پر چڑھائی کرنے والے لشکر میں شامل ہوسکوں گی۔ فرمایا نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بحری جنگ کے متعلق جو حدیث ہے اس کا سفیان بن عوف یا یزید والے لشکر سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا اسی بحری جنگ سے واپسی پر 18ھ میں سواری سے کرکرا انتقال ہو گیا تھا۔

یزید کے بارہ میں افراط و تفریط:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الوصیۃ الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”شروع میں یزید کے بارہ میں انہی امور کے متعلق کوئی مخالف یا موافق تذکرہ نہیں تھا۔ بعد ازاں چند نئے امور کا اضافہ ہوا تو ایک قوم یزید پر لعنت بھیجنے لگی اور اس کی لعنت کو بعض دیگر صحابہ کی لعنت کی تمہید ٹھہرا لیا۔ اس پر اکثر اہل سنت نے کسی خاص شخص پر لعنت بھیجنانا پسند کیا۔ اب یہ بات ان لوگوں نے سن لی جو بہت متشدد تھے، تو انہوں نے نہ صرف یزید پر لعن طعن کرنا ہی ترک کر دیا بلکہ وہ اسے صالحین کا سرتاج اور امام ہدایت سمجھنے لگے۔ یہاں سے یزید کے بارہ میں دو مخالف جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک کے نزدیک وہ کافر زندیق ہے اور دوسری قوم اسے امام عادل اور رہنما کہتی ہے۔“

امام ابن تیمیہ نے یزید سے محبت کرنے والے جس گروہ کا ذکر کیا ہے وہ گروہ اب بھی کردستان کے علاقہ میں موجود ہے اور فرقہ یزیدیہ یا شیطانیہ کے نام سے موسوم ہیں۔

اہل سنت کا مسلک:

اس فرقہ کے ذکر کے بعد امام موصوف فرماتے ہیں:

”لہذا الاعتدال پسند اہل السنۃ اور بڑے بڑے ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ یزید کو نہ گالی دی جائے اور نہ اس سے محبت کی جائے۔ امام احمد کے بیٹے صالح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ایک قوم یزید سے محبت کا دعویٰ کرتی ہے۔ فرمایا بیٹا اہل یحب یزید احد یومن باللہ والیوم الآخر یعنی کوئی شخص اللہ اور یوم آخرت کو ماننے والا بھی یزید سے محبت کر سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا اے باپ پھر آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بیٹا متی رأیت ایاک یلعن احد کبھی تو نے دیکھا ہے کہ تیرا باپ کسی پر لعنت بھیجتا ہو۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ یزید سے بھی حدیث روایت کرتے ہیں۔ فرمایا ”نہ میں اس سے روایت

کرتا ہوں اور نہ اسے اس قابل سمجھتا ہوں۔ کیا یزید وہی نہیں ہے جس نے اہل مدینہ پر یہ ظلم کیا تھا۔

صحیح ترین بات وہ ہے جس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ نہ اس سے محبت کی جائے اور نہ اس پر لعنت کی جائے۔
ہر چند وہ ظالم اور فاسق تھا تاہم اللہ ظالم اور فاسق کو بخش دیتا ہے۔ (الوصیۃ الکبریٰ اردو ترجمہ صفحہ 73)

لطیفہ:

ایک شیعہ، ایک سنی عالم کے پاس گیا اور کہا کہ ہمارا مذہب تمہارے مذہب سے بہتر ہے کیونکہ تمہارے مذہب میں یزید پر لعنت روا نہیں اور تم لعنت خرچ نہیں کرتے۔ اور ہمارے ہاں لعنت کا خرچ بہت زیادہ ہے۔ عالم موصوف نے جواب دیا کہ جس کے پاس جس چیز کی آمد ہو اسی میں سے خرچ کیا کرتا ہے۔

شیعہ روایات دربارہ یزید:

شیعوں کے مذہب کی معتبر کتابیں یزید کی بریت ظاہر کر رہی ہیں۔ اس لیے شیعوں کا حق نہیں کہ اہل سنت پر طعن کریں۔ اہل سنت تو یزید کے بارہ میں توقف کرتے ہیں۔ مگر شیعوں نے اس کو تمام الزامات سے بری ثابت کرنے کے لیے پورا زور قلم صرف کر دیا ہے۔ ذیل میں شیعوں کی روایات کا مختصر خلاصہ کتاب "قاتلان حسین" سے درج کیا جاتا ہے:

- 1- یزید نے مروان کو جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا معزول کر کے ولید بن عقبہ کو جو خاندان نبوت کا ہوا خواہ تھا مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا۔ (ملا باقر مجلسی بروایت شیخ مفید جلاء العیون)
- 2- جب زجر بن قیس نے حضرت حسینؑ کی شہادت کی پہلے پہل خبر دی تو یزید سر بگریباں دم بخود ہو گیا اور پھر سراٹھا کر کہا "یقیناً میں اس پر راضی تھا کہ بلا قتل حسینؑ میری اطاعت کی جاتی۔ اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو حضرت حسینؑ کو ضرور معاف کر دیتا"۔ (ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ص 269)
- 3- یزید کے دربار میں محضر بن ثعلبہ نے بحق امام کوئی سخت بات کہی۔ یزید نے ترش رو ہو کر اس کو جواب دیا "محضر کی ماں نے ایسا سخت اور کمینہ لڑکانہ جنا ہو گا مگر ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا خدا برا کرے" (ایضاً)۔
- 4- کسی نے یزید کو کہا "تیری آنکھیں روشن ہوں حسین کا سرا آ گیا"۔ یزید نے غضبناک ہو کر کہا "تیری آنکھیں کبھی روشن نہ ہوں"۔ (نہج الاخران مطبوعہ ایران ص 321)
- 5- یزید نے حضرت زین العابدینؑ کو رخصت کرتے وقت کہا "خدا برا کرے ابن زیاد کا جس نے حسین سے یہ سلوک کیا۔ واللہ اگر میں ہوتا تو جو حسین بن علیؑ مانگتے وہ میں دیتا اور ان سے اس بلا کو دفع کرتا اور چہ

موجب بلاآت میرے بعض فرزند کا بھی ہوتا۔ (خلاصۃ المصاب ص 405)

6- یزید نے کہا۔ ابن زیاد لعین در امر او تعجیل کرد و من راضی بکشتن او نبودم (جلاء العیون ص 527)

7- خبر شہادت سن کر یزید نے جو کچھ کیا وہ شیعوں کی روایات کی بناء پر درج ذیل ہے:

انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ (خلاصۃ المصاب ص 303)

دانتوں تلے انگلی دبا لی (نہج الاخران)

خود رویا (خلاصۃ المصاب ص 293)

اس کی زوجہ بے تاب ہو کر بے پردہ محل سے باہر نکل آئی (ایضاً ص 315) یزید نے اپنی زوجہ کو نوحہ و ماتم کا حکم دیا (ایضاً ص 393) وغیرہ وغیرہ۔

فرقہ وارانہ جنگ وجدال پر:

جوں جوں انگریز کی رخصتی اور ہند کی آزادی کی منزل قریب آتی گئی، برصغیر میں فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی اور باہمی نفرت و عناد کی آگ بھی تیز ہونے لگی۔ یہ صورت حال اہل نظر کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ اس سے آزادی کی منزل دور بھی ہو سکتی تھی اور آزادی ملنے کے بعد یہ اختلافات اور مناقشات شدید نفرتوں اور جھگڑوں کی بنیاد بھی بن سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا گوی نے اپنے شذرہ میں حالات کا بڑی درد مندی سے جائزہ لیا ہے، دونوں متحارب مگر آزادی کے جدوجہد کرنے والی بڑی جماعتوں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ کے علاوہ دیگر مسلم جماعتوں کو بھی شمس الاسلام نومبر 1944ء میں توجہ دلائی ہے:

آزادی ہند کے حقیقی دشمن:

جب بمبئی میں گاندھی جناح ملاقات اس غرض کے لیے شروع ہوئی کہ ہندوستان کی دو قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی راہ نکالی جائے تو اگرچہ مسٹر جناح کی سیاسی پالیسی کے ساتھ جمعیۃ العلماء، مجلس احرار اور بعض دوسری سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کا اتفاق نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے صرف اس خیال سے کہ ممکن ہے مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے اور جس طرح بھی ہو آپس کی نا اتفاقی دور ہو کر ہندوؤں اور مسلمانوں کا سمجھوتہ ہو جائے بالکل خاموشی اختیار کی۔ بہت سے ایسے مسلمان جو پاکستان کے افادہ کے منکر اور اس کے نظریہ کے سخت خلاف تھے صرف اس لیے دم بخود تھے کہ مسلمانوں کو انگریز کی غلامی سے نجات مطلوب ہے اور آزادی کی راہ میں یہ باہمی منافرت و نفاق ایک سب سے بڑا روڑا ہے اس لیے جس طرح بھی سہی یہی روڑا راستہ سے ہٹانا چاہیے۔ ملاقات کے درمیان میں اور اس سے قبل کسی مسلمان لیڈر نے جناح کے خلاف یا گنگو کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ لیکن دوسری طرف ہندوؤں کی حالت قابل

ملاحظہ ہے۔ ہندو سبھا کے ارکان نے اعتدال پسند ہندوؤں، سپرو، شاستری، جیکرو وغیرہ تک نے تمام ہندو پریس نے متفق ہو کر آسمان سر پر اٹھا دیا اور ہندوستان میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک شور و غل برپا کر دیا کہ گاندھی جی جناح سے ملاقات ہی نہ کرے۔

حتیٰ کہ گاندھی جی کے سیوا گرام پر رضا کاروں نے پیننگ کی۔ اس کو ہر سمت سے تار دیئے گئے اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ یہ ملاقات بالکل نہ ہو، اگر ہو جائے تو ناکام ہی رہے۔ ملاقات کے دوران میں ہندوؤں کے اخبارات نے جو آرٹیکل لکھے۔ ہندو نامہ نگاروں نے جو قیاس آرائیاں اور من گھڑت افواہیں شائع کیں ان سب سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ تمام ہندو یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ سمجھوتہ نہ ہو اور گفتگو ناکام رہے۔

ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ اس ناکامی کی ذمہ داری گاندھی جی پر ہے یا مسٹر جناح پر، کس نے رواداری سے کام نہیں لیا اور کس نے ضد بازی کی، بہر حال ناکامیابی ہوئی اور اس کا ہم کو اور تمام ان لوگوں کو جن کو آزادی سے محبت ہے، سخت افسوس ہے۔ مگر ملاقات ختم ہونے کے بعد بھی مسلمان لیڈروں اور مسلمان اخبارات نے اپنی زبان و قلم کو قبضہ و اختیار میں رکھا ہے اور ہر لیڈر نے اظہار افسوس کے سوا اور کوئی ایسی بات زبان و قلم سے نکالی جو غیر ذمہ دارانہ، منافرت انگیز اور اختلاف کے خلیج کو وسیع کرنے والی ہو لیکن ہندو لیڈر اور اخبارات پھر بھی آپے سے باہر ہوئے جاتے ہیں اور جب بولتے ہیں ایسی آگ برساتے ہیں جس سے خرمین امن و اتحاد بھسم ہو جاتا ہے اور جب لکھتے ہیں ایسا لکھتے ہیں جس سے منافرت و تباہی اور بھی بڑھے۔ چنانچہ اٹھند ہندوستان کانفرنس کا ہنگامہ اصل میں کوشش ہے کہ نیا سی فضا میں بیجان و اضطراب پیدا کر کے باہمی تعلقات کو اور مکر کیا جائے۔ اس کانفرنس میں جس طرح ہندو اور سکھ رہنماؤں نے اختلاف انگیز تقریریں کیں اور جن کو ہندو پریس نے جلی عنوانات کے ساتھ موزوں مقامات پر اخبارات میں شائع کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کو یہ گوارا ہی نہیں کہ مسلمان بھی اس سر زمین ہند میں رہنے کا حق رکھتے ہیں۔ (سکھ رہنما) ماسٹر تارا سنگھ نے کہا:

”پنجاب مسلمانوں کا نہیں سکھوں کا ہے انہوں نے اسے فتح کیا تھا۔“

ویرساور کرنے کہا:

”جو شخص ہندوستان میں رہتا ہے وہ ہندو ہے۔ ہندوستان قرآن کی نہیں تیتا کی سر زمین ہے۔“

ڈاکٹر مونجے نے تقریر کی تو کہا:

”ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ سکھ، مسلمان اور عیسائی وغیرہ تمام ہندو ہیں۔“

(ملاپ 11 اکتوبر 1944ء)

ان اشتعال انگیز تقریروں کے بعد مسلمانوں کے جذبات کا بھڑک اٹھنا اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تہیہ کرنا ایک طبعی امر ہے۔ ان ہنگامہ آرائیوں سے تو مسلمانوں کی حق تلفی نہیں کی جاسکتی۔ ان کی صدائے حق کو دبایا نہیں جاسکتا۔ بلکہ ایسی باتوں کو دیکھ کر بعض ایسے لوگ جو پاکستان کے حامی نہ بھی ہوں ہندوؤں کی اس تنگ ظرفی اور گھناؤنی ذہنیت کی وجہ سے لامحالہ پاکستان کی حمایت کرنے پر مجبور ہو

جاتے ہیں۔ اور واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کا کانگریس سے بیزاری کی اصل وجہ ان مہاسبھیوں کی یہی روش ہے ورنہ ہر مسلمان کا دل آزادی کی امنگوں سے معمور ہے۔

گانڈھی جی نے کہا کہ ایک تیسرا دشمن سمجھوتہ کی راہ میں حائل ہے۔ اگرچہ یہ بالکل سچ ہے کہ ایک تیسری طاقت دل سے چاہتی ہے کہ ہندو مسلم مصالحت نہ ہو اور ہندوستان کی غلامی کی کڑیاں اس طرح مضبوط ہی رہیں۔ لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اس تیسرے دشمن کی اس خواہش کو یہی مہاسبھائی ہندو تقویت دے رہے ہیں۔ اور اس دشمن کا آلہ کار بن کر مصالحت کے ہر موقع کو اپنی ہنگامہ آرائیوں اور منافرت انگیز تقریروں اور مخالفانہ روش سے ضائع کر دیتے ہیں اور اب بھی گانڈھی جی کی اس ملاقات کو اگر اس دشمن نے کامیاب نہیں ہونے دیا ہے تو اس سلسلہ میں اس نے زیادہ تر کام ان ہندوؤں سے لیا ہے جو ناکامی کے بعد آئندہ کی ملاقات کے لیے بھی راستہ بند کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور کانفرنسیں کر کے اور آتشیں تقریروں سے منافرت کا بیج بوریے ہیں۔ پس ہندوستان کی آزادی کے اصل دشمن اور حقیقی مجرم یہی لوگ ہیں جنہوں نے اس تیسری طاقت کو امداد دی اور دے رہے ہیں۔

افسوس اس پر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی کانگریس ہندو اور کانگریس لیڈران، دشمن وطن اشخاص کی اس روش کی مذمت علی الاعلان نہیں کرتے۔ نہ کبھی ان کو روکا۔ نہ ان پر کانگریس کا دروازہ بند کیا۔ چاہیے کہ کانگریس ہندو ایک واضح اور غیر مبہم بیان کے ساتھ ان اعدائے وطن کی دشمنی کا اعلان کر دیں اور ان سے اپنی بیزاری اور ان کے رویہ کی پرزور مذمت کر کے ثابت کر دیں کہ وہ واقعی آزادی کے ہر دشمن کا دشمن ہے خواہ وہ ہندو ہی کیوں نہ ہو۔

جمعیت العلماء ہند کے ارکان، احرار اسلام اور دوسرے قوم پرور مسلمانوں نے ہمیشہ ہر اس بڑے سے بڑے مسلمان لیڈر کی علی الاعلان مخالفت کی ہے جس کی کسی حرکت و سکون سے فرقہ وارانہ تعلقات بگڑتے اور خراب ہوتے ہوں اور اس کی کسی روش سے اجنبی اقتدار کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اس کے خلاف جنگ مول لے لی اور اس پر کڑی نکتہ چینی کی۔ پس کیا ہندو کانگریس، کیرکنز کی مضبوطی، اصول پسندی اور حق و صداقت کا ثبوت نہیں دے سکتے اور ان رجعت پسند ہندوؤں کے ان اقوال و اعمال پر تنقید کر کے ان کی مذمت کا اعلان نہیں کر سکتے؟

اگر گانڈھی اور دوسرے کانگریسی اس بات سے عاجز ہیں اور مرد میدان بن کر ساور کر اور مونجے کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلتے تو مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ ساری ہنگامہ آرائی ایک خانہ ساز سازش کی بنا پر ہے جس میں مہاسبھیوں کے ساتھ قوم پرستی کا لیبل لگانے والے کانگریسی بھی شامل ہیں اور ہندوؤں کی اس ذہنیت سے پھر مسلمانوں کا تاثر یقیناً بجا ہوگا۔ اور ان باہمی بدگمانیوں اور اختلافات کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ہندوستان کی غلامی کی منحوس گھڑیاں اور بھی لمبی ہوتی جائیں گی اور عروس آزادی سے ہم کنار ہونا کبھی نصیب نہ ہوگا۔

(شذرہ۔ ص: 3-5)

قادیانیت کی تردید اور اس کے تعاقب میں

مجلس مرکزیہ حزب الانصار کے بنیادی مقاصد میں، اندرونی اور بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ، اس کی تبلیغ اور اشاعت بطور اولین فرائض شامل ہے۔ تشکیل جماعت اور اجرائے رسالہ کے وقت دو گروہ منظم اور مضبوط سرکاری سرپرستی میں مسلمانوں پر حملہ آور تھے۔ اول قادیانی اور دوم مشنری عیسائی۔ انگریزی عہد میں مذہبی قذکاری اور لسانی گلکاری کی آزادی صرف اسلام پر حملوں تک محدود تھی۔ انگریز سرکار کے ظالمانہ کرتوتوں اور سیاسی نا انصافیوں پر بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ انگریز کا محکمہ نظر مسلمانوں بالخصوص مغرب زدہ اور ناخواندوں کو خدا سے دور اور دین سے برگشتہ کرنا تھا۔ اسی آڑ میں ہندو مسلم اختلافات پیدا کرنا اور خود مسلمانوں کے اندر فروغی معاملات پر فرقہ بندی کو فروغ دینا بھی سامراجی ضرورت تھی۔ قادیانی اور عیسائی جماعتوں نے ہر طریقے سے انگریزی اغراض کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

بیسویں صدی کے چوتھے عشرے کے آغاز میں قادیانی گروہ نے پوری منصوبہ بندی اور ارتدادی اسلحے سے لیس ہو کر مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ ایک طرف ان کی جماعت کے اخبار و رساں تھے اور قادیان کا مرکزی پلیٹ فارم اور موثر تنظیم تھی۔ دوسری طرف قادیانی مبلغ شہر شہر قریہ قریہ نکل کھڑے ہوئے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر کے احمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بیزار کر دیں۔ شمس الاسلام اپنے اجراء کے پہلے دن سے قادیانی مذہب کے خلاف نبرد آزما ہے۔ اب ضرورت تھی کہ اس باطل مگر منظم گروہ کا ہر سطح پر تعاقب کیا جاتا اور ان کے تمام افکار و اقوال کی مدلل اور موثر تردید کی جاتی۔ اس کام کے لیے تمام مکاتب فکر کے علماء کو ایک پیٹ فارم سے یک زبان اور یک جان ہو کر اسلام کے تحفظ کے لیے کمر بستہ کرنا اور منظم خدمات کے لیے مصروف کرنا، حضرت مولانا گبوی کا ایک تاریخی اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔

دین حنیف کی سر بلندی

مولانا گبوی کی قائدانہ صلاحیتوں اور اسلام کے لیے اعلیٰ جذبوں کے حوالے سے مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا ظہور احمد گبوی قدس سرہ العزیز کی ذات ایسی تھی جس نے سر زمین پنجاب بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے سامنے دین کی خدمت کی روشن مثال قائم کی۔ ہندوستان کے

طول و عرض میں چند گنے چنے ایسے لوگ ملتے ہیں جو پورے خلوص اور للہیت کے ساتھ لوجہ اللہ اپنی تمام زندگی دین متین کے لیے وقف کرنے والے ہیں۔ مولانا مرحوم ان پاک طینت لوگوں میں سے تھے جو اپنا آرام، اپنی راحت، جاہ و جلال، مال و دولت سب کچھ دین حنیف کی سر بلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے قربان کر کے سر بکف میدان میں نکلتے ہیں اور اپنی عمر کی ساری گھڑیاں حق و صداقت کی حمایت اور مذہب و ملت کی پاسبانی میں صرف کر کے آخر دم تک اسی خدمت میں مصروف رہتے ہیں“

(شمس الاسلام مئی 1945ء۔ ص 35-41)

تردید مذاہب باطلہ

حضرت مفتی صاحب قادیانیت کی تردید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ مولانا نے باطل قوتوں کے مقابلہ میں حمایت حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر جس بے جگری، جرأت و ہمت سے کام لے کر جہاد شروع کیا تھا اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے۔ تمام ہندوستان میں آپ نے دورہ کر کے مرزائیت اور شیعت کے خلاف وہ کامیاب تقریریں کیں جن سے ان باطل گروہوں کی تمام مساعی اور پھیلائے ہوئے جال بے کار ہو گئے ہیں۔“

یوں تو پنجاب کے تمام مسلمانوں کو آپ نے پیغام حق پہنچا پہنچا کر ان کے مردہ قلوب میں زندگی کی ایک لہر دوڑادی تھی لیکن خصوصاً شمالی پنجاب کے مسلمانوں کو مرزائیت اور شیعت اور دوسرے گمراہ فرقوں سے بچانے کے لیے شب و روز مسلسل سفروں کی صعوبتیں برداشت کر کے ہر معرکہ میں پہنچ کر بچایا اور اپنی جادو بیانی، فصیح اللسانی کے آب حیات سے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کر کے ان کو بیدار رکھنے کا جو کارنامہ آپ نے کر دکھایا یہ ایک ایسا جہاد اکبر ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان علاقوں کی حالت اور مولانا کی جدوجہد دیکھ کر کہنا پڑتا ہے:

شورش عنذیب نے، روح چمن میں ڈال دی
ورنہ کلی کلی یہاں، مست تھی خواب ناز میں“

اقدامات

- قادیانی حملوں کے تدارک اور استیصال کے لیے حضرت بانی امیرؒ نے درج ذیل اقدامات کیے:
- شمس الاسلام میں زبردست اور مسلسل علمی و تحریری محاذ
- اور قادیان نمبر عرف تحفہ مرزا سیہ و تبلیغ نمبر کی اشاعت۔
- قادیانی مذہب کی حقیقت واضح کرنے کے لیے چار ابواب پر مشتمل ”برق آسمانی بر خرمین قادیانی“ کے نام سے کتاب کی تالیف و طباعت۔
- قادیانیت کے موضوع پر کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت۔
- سالانہ جلسے پر ماہرین قادیانیت کے خطابات۔
- عام اور سالانہ تبلیغی دوروں میں قادیانیت کی تردید۔
- خصوصی دعوت پر منعقدہ اجلاسوں میں ماہرین علماء کی تقاریر و محاکمہ۔
- پورے ملک میں قادیانیت کے خلاف مذاکرے، مباحثے اور مناظرے۔
- قادیانی تبلیغی وفد کا علاقے سے فرار تک مسلسل تعاقب۔
- قادیانیت کے خلاف جہاد کرنے والے افراد اور تنظیموں کے ساتھ خصوصی ربط و تعاون۔
- قادیان میں انصار الاسلام کے نام سے تنظیم، مدرس اور مبلغ کا انتظام۔ مجلس مرکز یہ حزب الانصار بھیرہ کی جانب سے۔

تجزیہ:

شمس الاسلام کی پہلی جلد کے دوسرے شمارے سے آپ نے ”مرزائی مشن کا نصب العین“ کے عنوان سے ایک طویل تجزیہ تحریر کیا ہے جو کئی قسطوں پر محیط ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”علمائے کرام اور عوام الناس مرزائیوں کو ایک مذہبی فرقہ سمجھتے رہے مگر اب حقیقت کا انکشاف ہو چکا ہے۔ یہ جماعت ایک سیاسی گروہ ہے جو اتحاد اسلام کی تحریک کو تباہ کرنے اور دنیا کے نیسائیت کو جہاد کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس کی سرگرمیوں میں اغیار و اجانب کا سرمایہ کام کر رہا ہے۔ اور مرزا صاحب نے بھی جو کچھ کیا، یورپ کے سیاسی شاطروں کے اشارے پر کیا ہے۔ دراصل یہ تحریک جہاد فی سبیل اللہ سے نفرت مگر جہاد فی سبیل الفرنگ کی ترغیب ہے۔“ (شمس الاسلام۔ فروری 1930ء تا جنوری 1931ء)

صحیح اندازہ:

مولانا نے اندازہ لگایا کہ اس فرقے سے کسی خیر کی توقع عبث ہے۔ جب بھی موقع ملے گا یہ تحریک اسلام کو اور مسلمانوں کو ضرور نقصان پہنچائے گی۔ اور خدا اور رسول ﷺ کی بجائے مرزا صاحب کی اور انگریز کی اطاعت گزار بنے گی اس کے دونوں فریق (لاہوری اور قادیانی) یکساں مہلک ہیں۔ چنانچہ درآں زمانہ آریہ اور عیسائی مناظروں کے گستاخانہ حملوں کے دفاع اور آزادی ہند کے سیاسی معاملات میں قادیانیوں کے لیے نرم گوشہ رکھنے کو وجہ افتراق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں برادران وطن کے حالات سبق آموز ہیں۔ ان کے سیاسی لائحہ عمل سے جتنا بھی اختلاف ہو مگر ان کی سرفروشی، وطن پروری، جذبہ حب الوطنی اور ایثار دیکھ کر بے اختیار زبان سے احسنت اور مرحبا کے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ آریہ اور عیسائی باہر سے حملہ آور ہیں مگر قادیانی اور شیعہ مار آستین کی طرح قلب اسلام کو (اندر سے) مجروح کر رہے ہیں۔ جو حضرات مسلمانوں کو افتراق کی لعنت سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ مرزائیوں اور شیعوں کی ذہنیت درست کرنے کے لیے اور راہ راست پر لانے کے لیے جدوجہد کریں۔ اور اگر اس میں ناکامی نظر آئے تو انہیں مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ مسلمانوں کے خون اور گوشت سے پرورش پانے والے یہ چھوٹے چھوٹے گروہ علیحدہ ہوتے ہی معدوم ہو جائیں گے۔ ملت اسلامیہ جب تک ان کو آغوش میں لیے رہے گی کبھی فلاح و بہبود حاصل نہیں کر سکتی۔“ (شمس الاسلام۔ شذرات نومبر 1930ء)

لکیر زدہ سطور میں مولانا نے وہی بات کہی جو 1934ء میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ کے بعد علامہ اقبال نے اپنے مضمون میں کہی:

”چونکہ قادیانی امت مسلمہ کے افتراق کا باعث ہیں اور یہ مذہبی اور سماجی معاملوں میں مسلمانوں سے علیحدہ راستہ ڈھونڈتے ہیں اور مسلم جذبات کے مقابل کی نبوت کی بنیاد پر جماعت کی تشکیل میں مصروف ہیں اس لیے مسلمانوں کی جانب سے رسمی مطالبے سے پہلے ہی قادیانیوں کو انتظامی اقلیت قرار دے دیا جائے۔“
(روزنامہ سٹیٹسمین کے نام مراسلہ)

مزید مقالات

یوں تو ”شمس الاسلام“ کے ہر شمارے میں قادیانیت کی تردید اور عقائد صحیحہ کی تائید میں مضمون ملتے ہیں۔ مولانا خود بھی گاہے گاہے کبھی سنجیدہ کبھی فلسفیانہ رنگ میں، کبھی آسان مناظرانہ انداز میں اور کبھی ناصحانہ اور کبھی

ظن یہ لکھتے رہتے تھے۔ اس کی کچھ مثالیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ نومبر 1937 سے جنوری 1938ء تک ”معیار صداقت“ کے عنوان سے مولانا نے کئی قسطوں میں ایک دلچسپ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ عام فہم اور سلیس مگر مدلل اور دل نشین پیرائے میں ایک مکالمہ ہے جو قادیانی اور محمدی مسلمان کے درمیان ہوا ہے۔ اعتراضات، شکوک و شبہات، خدشات اور مفروضات کا ابطال بھی ہے اور سچائیوں کا اعتراف بھی۔ حقیقتوں کا ادراک بھی ہے اور غلطیوں کا احساس بھی۔ پیش گوئیوں کو معیار صداقت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس بنیادی حقیقت کی تائید میں مشہور دست شناس کیرو کی پیش گوئیوں کا مرزا صاحب کی تک بندیوں کے ساتھ دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے۔

”ہر دو قسم مرزائیت پر ایک تنقیدی نظر“ کے عنوان سے مئی جون 1930ء کے شمس الاسلام میں مولانا کا مضمون بہت دلچسپ اور معلوماتی تحریر ہے۔

اجتنب الحنفیہ

مولانا کے زمانہ ادارت کے دوران اہل قلم معاونین کے ناموں اور مطبوعہ مضامین و مقالات کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس اہم تحریری محاذ پر قادیانیت کے خلاف کتنی دیدہ ریزی، محنت اور ذہانت سے بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ اس تمام تر موثر اور منظم کوشش کے باوجود مولانا نے محسوس کیا کہ دیہات اور قصبات کے سادہ لوح عوام کم علمی اور ناواقفیت کی بنا پر نہ صرف روافض اور قادیانی طبقوں سے تعلقات رکھے ہوئے ہیں بلکہ جگہ جگہ رشتے بھی ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے بڑی عرق ریزی سے ”شمس الاسلام“ کا ”فتویٰ نمبر“ شائع کیا جو بعد میں ”فتاویٰ اجتنب الحنفیہ عن اختلاط الرفضیہ والمرزائیہ“ کے نام سے کتابی شکل میں بھی طبع ہوا۔ سو صفحات پر مشتمل اس فتویٰ کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

”فرقہ شیعہ و مرزائیہ کو سواد اعظم اسلام سے خارج ثابت کر کے ان کے ساتھ سلسلہ مناکحت و ازدواج، موانست، محبت و مؤدت کا از روئے شرع اسلام حرام ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ سنی عورت کا ان سے نکاح کسی طرح جائز نہیں“۔ (شمس الاسلام۔ مارچ اپریل 1931ء ص 3)

اس سلسلے میں مسلمانوں کے ہر کتب فکر کے بیسیوں علماء (بریلی، دیوبندی، غورغشتی، رام پوری اور بہت سے علمائے مکہ و مدینہ وغیرہ) کے تفصیلی اور مکمل فتویٰ، سلف صالحین کے ارشادات، قرآن حکیم کی آیات اور احادیث سے استدلال، ارباب فقہ کے دلائل اور 1919ء کا ایک عدالتی فیصلہ درج ہیں۔ یہ فیصلہ اس اعتبار سے بہت دلچسپ اور منفرد ہے کہ یہ غالباً کسی سول کورٹ کا پہلا دقیق مشاہدہ ہے اور یہ کہ اسے بابو آر کے داس نامی کسی ہندو سب

ڈویژنل مجسٹریٹ نے لکھا ہے جس کے تحت قرار دیا گیا ہے کہ:

”یہ فرقہ دین اسلام سے خارج ہے۔ مرزائیوں کو کوئی حق مسلمانوں کی مساجد میں نماز پڑھنے کا نہیں ہے اور نہ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں کسی قسم کا حق ہے۔“

واقعہ یہ ہے کہ ”شمس الاسلام“ کی ان تحریری سرگرمیوں اور ”حزب الانصار“ کی عملی کارگزاریوں سے مسلمانان علاقہ خصوصاً دیہات میں مرزائیت کے بارے میں ایک عام بیداری پیدا ہو گئی جس سے فتنہ ارتداد کو ہر جگہ تخت رکاوٹ اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ وہ لوگ جو کسی طور اس نئے مذہب سے متاثر ہو رہے تھے یا جو اپنے دین کے بارے میں ناواقف تھے صحیح حالات اور عقائد سے واقف ہوئے اور اکثر تائب ہو گئے۔

”بھیرہ میں مرزائیت کا خاتمہ“ کے عنوان سے جناب غلام جیلانی بھیروی رقمطراز ہیں:

”مجاہد ملت مولانا ظہور احمد بگوی، امیر حزب الانصار کو اللہ تاقیامت زندہ رکھے، جن کی تمام تر ہمت اور طاقت فرقہ ہائے باطلہ کی بیخ کنی اور استیصال میں صرف ہو رہی ہے اور جن کی مساعی جمیلہ اور ان تھک کوششوں سے بھیرہ میں اس گمراہ کن فرقہ کے فتنہ و فساد کا سدباب ہو چکا ہے۔“ (شمس الاسلام، جنوری 1937ء)

جماعت کی تبلیغی کاوشوں کے نتیجے میں بھیرہ میں مرزائیت کے فروغ کو شدید دھچکا لگا۔ مختلف مواقع پر نہ صرف مذہب لوگ تائب ہو کر صحیح العقیدہ مسلمان بن گئے بلکہ کئی مرزائی دوبارہ مسلمان ہوئے۔ مئی جون 1936ء کے شمارہ میں مرقوم ہے:

”آج حزب الانصار کو معرض وجود میں آئے صرف چھ سال کا عرصہ گزرا ہے۔ مولانا کی زیر سرپرستی اس قومی و ملی مجلس نے جو کام کیا وہ مسلمانان ہند سے پوشیدہ نہیں۔ اگرچہ اس ادارے کا جائے وقوع شمالی پنجاب کے شہر بھیرہ میں ہے مگر اس مجلس نے پنجاب، یوپی، سی پی، بنگال، مدراس، بمبئی، دہلی، برما تک حق کی آواز کو پہنچایا۔“

دین کی انہی خدمات کے نتیجے میں 22 فروری 1936ء کو بروز جمعہ مستری محمد شفیع لوہار سکنہ لوہاراں موری، جامع مسجد بگویہ بھیرہ میں حضرت مولانا ظہور احمد بگوی مدظلہ کے دست حق پرست پر مرزائیت سے تائب ہو کر اسلام لایا۔ نو مسلم مذکورہ کٹر مرزائی اور مرزائیت کا علمبردار تھا۔ بھیرہ کے مرزائیوں میں وہ انقلاب آیا جس کا رونما ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ محمد شفیع لوہار کے اسلام لانے سے مرزائیوں کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔“

سالانہ کانفرنس

مولانا کا خیال تھا کہ جماعتی تنظیم میں جہاں تحریری تعلق ضروری ہوتا ہے وہاں ذیلی جماعتوں، شاخوں، کارکنوں اور متاثرین سے براہ راست اور وسیع تر ذاتی ربط و تعلق کے لیے لازم ہے کہ سالانہ تبلیغی اور اصلاحی نشستیں ہوں۔ اس سلسلے میں کئی چھوٹے چھوٹے مگر مرکزی مقامات پر مولانا نے سالانہ اجتماعات کی داغ بیل ڈالی تاکہ قرب و جوار کے مسلمان احباب اور رفقاء وہیں مل بیٹھیں۔ مستقبل کے پروگرام بنائیں اور اپنی کارگزاریوں پر داخلی تنقید و احتساب کریں۔ اسی طرح انہوں نے مرکزی مجلس حزب الانصار بھیرہ کے زیر اہتمام پہلے دو روزہ، پھر تین روزہ سالانہ اجتماعات عام اور خاص کی بناء رکھی۔ ان اجتماعات کو دیگر مقاصد کے علاوہ ایک نوع کاریفیشر کورس بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان میں اکثر مختلف فنون اور موضوعات کے ماہر علماء، واعظین، مناظر اور بزرگ مدعو کیے جاتے ہیں جو ایک طرف باطل فرقوں کی سرکوبی کرتے ہیں اور دوسری طرف عام مسلمانوں کو ان کے عقائد صحیحہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ اتحاد اور اصلاح المسلمین مولانا کا خاص موضوع تھا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں حزب الانصار کا سٹیج کبھی کسی ایک جماعت یا دینی مکتب فکر کے لیے خاص نہیں رہا۔ بعض علماء جو اپنے مخصوص جماعتی یا گروہی نظریات کی بنا پر اکثر دور دور رہتے ہیں صرف بھیرہ میں حزب الانصار کے اجتماع پر مل بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ مولانا نے نہ صرف ”مسلك اعتدال“ کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ہمیشہ علماء کی صلاحیتوں کو داخلی اور خارجی فتنوں کے خلاف استعمال کیا۔ تردید قادیانیت کے سلسلے میں حزب الانصار کے سالانہ اجتماعات پر اہم مقررین کا خصوصی اہتمام کیا جاتا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا حبیب اللہ امرتسری، مولانا محمد بہاؤ الحق قاسمی کے علاوہ کئی دوسرے ممتاز علماء مناظر اور واعظین باقاعدگی سے خطاب کرتے رہے اور یوں یہ اجتماع علاقہ بھر میں قادیانیت اور دیگر مذاہب باطلہ کی تردید کے لیے اولین، نمائندہ اور نہایت اہم ثابت ہوا۔

تبلیغی اور دعوتی دورے

مولانا شذرات کے تحت مرزائیوں کی جانب سے ایک نئے حملے سے خبردار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مرزائی مبلغ نئے نئے میدان تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آج کل صوبہ جات سرحد و سندھ خاص طور پر ان کی آماج گاہ بنے ہوئے ہیں۔ علمائے کرام کا فرض ہے کہ ہر جگہ ان کا تعاقب کر کے سادہ لوح اور بے خبر مسلمانوں کو ان کے دام تزویر سے بچائیں۔ مرزا محمود قادیانی نے

اپنی جماعت کو حکم دیا ہے کہ ہر مرزائی سال بھر میں کم از کم ایک مسلمان کو مرزائی ضرور بنائے۔
مرزائی مبلغین کو دیہات میں تبلیغ پر مامور کیا جا رہا ہے (چونکہ شہروں اور) قصبات میں لوگ
ان کی چالوں سے آگاہ ہو چکے ہیں (اس لیے) اب دیہات کی جاہل آبادی کو مرتد کرنے کی
تیا ریاں ہو رہی ہیں۔ (شمس الاسلام، مئی 1932ء)

رد قادیانیت میں مولانا نے غیر منقسم ہندوستان کے طول و عرض میں بڑے طویل دورے کیے۔ پشاور سے
برما اور بنگال تک، کشمیر سے کراچی اور مدراس تک ہر قابل ذکر شہر اور قصبے میں ان کی تقریر یکساں دل چسپی، انہماک
اور جذب و شوق سے سنی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ”شمس الاسلام“ کے صفحات پر زیادہ تفصیلات تو نہیں ملتیں تاہم
اجمالی طور پر **کیفیت کارکردگی، بزم انصار یا شذرات** کے عنوانات کے تحت ان جگہوں کے نام
ضرور ملتے ہیں جہاں مولانا بنفس نفیس یا شعبہ تبلیغ کے رفقاء کے ساتھ دورے پر گئے۔

دورہ بنگال و برما

مولانا کے بعض دورے خالصہ مرزائیت کے رد اور تعاقب میں بھی ہیں۔ **بنگال اور برما کے**

حالات کے تحت آپ لکھتے ہیں:

”براستہ چنیوٹ اور لاکل پور سمندری پہنچا۔ دو روز قیام کرنے کے بعد شیخوپورہ روانگی ہوئی۔
یہاں حضرت مولانا امین الحق خطیب مسجد جامع کی مساعی جمیلہ اور ارکان انجمن اہل سنت
والجماعت کے جوش عمل سے فتنہ قادیان کا استیصال ہو چکا ہے۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں
مولوی عبدالرحمن اور خاکسار کی تقریریں ہوئیں۔ بعد از نماز مغرب ایک جلسہ عام میں
مرزائیت کی حقیقت واضح کی گئی۔ لاہور میں دو دن قیام رہا۔ متعدد احباب سے ملاقات
ہوئی۔ مجلس دعوت و ارشاد کے جلسہ میں شرکت کی۔ کشمیر میں مرزائی فتنہ کے استیصال کے
لیے مولانا ظفر علی خاں صاحب سے تبادلہ خیالات ہوا۔ روہتک میں ایک روز قیام رہا۔ یہاں
ایک مرزائی ڈاکٹر محمد اسماعیل کے ذریعے مرزائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ (مگر) وہاں کے مقامی
علماء اس فتنے سے بے خبر اور غافل ہیں۔ دہلی میں خاکسار نے شاردا ایکٹ کے نقائص اور اس
کے ذریعہ مذہب اسلام میں حکومت کی کھلی مداخلت ثابت کرنے کے لیے شیخ فضل حق پراچہ
صاحب ایم ایل اے کے ذریعے ممبران اسمبلی میں رسائل تقسیم کرنے کا انتظام کیا۔

گیا میں حضرت مولانا سید ولایت حسین شاہ دیوری کی زیارت کا موقع ملا۔ مولانا ممدوح کے ہاں مذہب شیعہ کی کتب کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔

گیا میں بعد نماز جمعہ لاہوری پارٹی کے ایک مرزائی عنایت اللہ سے کئی معززین کے روبرو گفتگو ہوئی۔ یہ صاحب پنجابی ہیں اور تجارت کے ساتھ ساتھ عقائد مرزائیہ کی تبلیغ کا کام بھی کرتے ہیں۔ ان کی تبلیغ اندر ہی اندر غیر محسوس طریقے سے خطرناک کام کر رہی ہے۔ یہاں کے ایک مسلمان رئیس لاہوری مرزائیوں کو پانچ سو روپیہ ماہوار ”اشاعت اسلام“ کے لیے دیتے ہیں۔ لاہوری مرزائیوں کا دام فریب قادیانیوں سے زیادہ موثر ثابت ہو رہا ہے۔ بلحاظ عقیدہ دونوں گروہ قریباً متحد الخیال ہیں۔ مگر سادہ لوح اور بے خبر عوام لاہوریوں کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی تبلیغ کا اثر جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ عنایت اللہ سے حیات مسیح اور دعاوی مرزا پر ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ پیش کردہ دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس پر بدحواسی طاری ہو گئی۔

کلکتہ میں سترہ روز قیام رہا۔ جامع مسجد ناخدا میں ختم نبوت پر ایک تقریر ہوئی۔ تمام شہر میں قادیانیوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ نہیں مگر ان کی مذہبی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر جاری ہیں۔ البرٹ ہال میں ان کے لیکچر ہوتے ہیں ان کے کئی تنخواہ دار مبلغ مشرقی بنگال اور اڑیسہ میں کام کر رہے ہیں۔ میرے دورے سے ان میں ہلچل پیدا ہوئی۔ ان سے تین مناظرے ہوئے مرزائیوں کو (محدود سطح پر) تبادلہ خیالات کی دعوت دی گئی۔ کئی مرزائیت زدہ اشخاص کے گھروں پر جا کر تبلیغ کی گئی۔ الحمد للہ کہ 5 اشخاص تائب ہوئے اور کئی مذہب راہ راست پر آ گئے۔

مولانا ابواللیث محمد عبداللہ شاہ صاحب کی تحریک پر کلکتہ میں مجلس حزب الانصار کی شاخ قائم کی گئی اور مجلس مشاورت میں عہدہ داران منتخب کیے گئے۔

واپسی کا ارادہ ہو چکا تھا۔ مگر بابو صاحب نے نواح ممبو (برما) میں مرزائیوں کے اثر کو توڑنے کے لیے اصرار کے ساتھ دوبارہ بذریعہ تار دعوت دی۔ تار کے الفاظ ایسے تھے جنہوں نے مجھے ملک برما کے سفر پر مجبور کیا۔ 28 مارچ 1933ء کو جہاز پر سوار ہو کر 31 مارچ کو رنگوں کے ساحل پر اترا۔ وہاں سے بذریعہ ریلوے 8 گھنٹے کا سفر کر کے پردم اور پردم سے بذریعہ جہاز

دورات اور ایک دن کے سفر کے بعد 2 اپریل کو ممبو کے گھاٹ پر پہنچ گیا جہاں دس روز قیام رہا۔ مرزائیوں نے اپنے سب سے بڑے مبلغ عبداللطیف کوتار کے ذریعے رنگون سے بلایا۔ 9 اور 10 اپریل کو جامع مسجد میں حیات مسیح، ختم نبوت اور دعاوی مرزا پر فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔ مرزائی مناظر قبل از اختتام مناظرہ کتابیں بغل میں دبا کر بھاگ نکلا۔ اس کی بدحواسی کا منظر قابل دید تھا۔

مولوی عبدالرزاق تاجر کی دعوت پر گکوئی جانے کا اتفاق ہوا جہاں نماز جمعہ کے بعد ختم نبوت پر تقریر ہوئی۔ جس کا لوگوں پر نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اکثر اصحاب سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ مرزائی مبلغ ممبو سے بھاگ کر اپنا جاؤں پہنچا۔ سیٹھ عبداللہ بملا صاحب اور حافظ محمد ابراہیم صاحب ایلوی لینے آئے۔ ان کے اصرار پر موٹر کے ذریعے اپنا جاؤں پہنچا جہاں ملی شاہ صاحب کے مکان پر مرزائی مبلغ عبداللطیف کے ساتھ دو گھنٹہ مختصر مناظرہ ہوا اور عام مناظرے کے لیے شرائط طے کی گئیں۔ مگر رات گیارہ بجے ملی شاہ صاحب کا سیٹھ بملا صاحب کے نام رقعہ پہنچا کہ مرزائی عبداللطیف فرار ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن اولابائیسکوپ ہال میں 2:30 گھنٹے رد مرزائیت پر معرکہ الآراء تقریر ہوئی۔“

21 فروری سے 4 مئی تک اس اڑھائی ماہ کے طویل سفر کی مختصر روئداد سے اندازہ لگائیے کہ کیونکر ان کا ہر لمحہ دین کی خدمت اور فتنوں کی سرکوبی میں صرف ہوا۔ ہم نے اس روئداد میں سے صرف وہ حصے نقل کیے ہیں جو خصوصاً قادیانیت کی بابت ہیں۔ ورنہ مولانا کی ذات گرامی تو دین کی ہر مخالف جماعت، فرد، تحریک کے لیے تیغ بے نیام تھی۔ وہ جہاں بھی جاتے، جدھر سے بھی گزرتے دشمنان اسلام کے محاذ پر چومکھی جنگ لڑتے۔

(مولانا کا مضمون ”اعلان حق“ مطبوعہ اخبار زمانہ، کلکتہ 21 دسمبر 1936ء)

مدینہ منورہ میں مرزائیوں کا حشر

1936ء میں مولانا مرحوم بغرض حج حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ ان دنوں قادیانی، مسلم ہندی کاروب دھار کرج کرنے جاتے تھے۔ اور جہاں موقع ملتا تھا پہلے اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کارونا روتے۔ پھر مرزا صاحب کی خدمات اور ان کے دعاوی کا تذکرہ کرتے۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ مرزائی مولانا کی موجودگی میں کوئی بات کرتے اور پھر چین سے بیٹھ سکتے؟ مناسک حج ادا کرنے کے بعد قیام مدینہ منورہ کے دوران درج ذیل واقعہ

پیش آیا۔ اس کی بازگشت کچھ عرصہ بعد ہندی اور سعودی اخبارات میں بھی سنائی دی، تفصیل مولانا کے قلم سے سنئے:

”مدینہ منورہ میں ہند کے ایک غیر مقلد مولوی احمد صاحب نے ایک مدرسہ بنام ”دارالحدیث“ قائم کر رکھا ہے۔ مولوی احمد صاحب مذکور حکومت نجدیہ کے وظیفہ خوار رہے ہیں۔ مولوی محمد اسماعیل غزنوی صاحب نے انہیں مدینہ منورہ میں پہنچایا تھا۔ 20 مارچ 1936ء کو دارالحدیث کے مکان میں ہندی و مصری حجاج کا اجتماع ہوا۔ جس میں مدرسہ کے لیے امداد حاصل کرنے کی غرض سے مولوی احمد صاحب نے مختصر الفاظ میں روئداد مدرسہ پڑھ کر سنائی اور طلبائے مدرسہ میں سے تین طلبا نے مختلف مضامین پڑھ کر سنائے۔ لائل پور کے ایک مرزائی نے ایک سو روپیہ نقد مرحمت فرمایا اور سورۃ العصر کی مرزائیانہ تفسیر سنا کر انگریزی تعلیم کی ضرورت و اہمیت اور مغرب میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے اپنے فرقہ کی خوبیوں کا تذکرہ لطیف پیرایہ میں کیا۔ بعد ازاں ایک بوڑھا مرزائی (جو مرزا قادیانی کا ساتھی معلوم ہوتا تھا) کھڑا ہو کر اپنے ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے پادریوں کی طرح دعا مانگنے لگا۔ حاضرین آئین کہہ رہے تھے اور وہ سر جھکائے گر جا کے پادری کی طرح ہاتھ اٹھائے بغیر کہتا گیا۔

”اے خدا! کفر کا زور ہے۔ کفر دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا اسلام بے کس و بے چارہ رہ گیا۔ تو نے اس زمانہ میں اپنے لطف و کرم سے کفر کے استیصال کے لیے ایک مقدس وجود ظاہر کیا جس کے طفیل ایک پاک گروہ تیرے دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ وہ دنیا کے کناروں تک تیرا نور پھیلا رہا ہے۔ اے اللہ! اس گروہ کو ترقی دے اور اس گروہ کے ہر فرد کو محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ جیسا بنا“ وغیرہ وغیرہ۔

حاضرین بے خبری کے عالم میں آئین آئین کہے جا رہے تھے۔ دعا کے اختتام پر خاکسار نے مہتمم مدرسہ سے مختصر تقریر کے لیے اجازت حاصل کی۔ خاکسار نے انگریزی تعلیم کے مفاسد، مغرب اور مغربیت زدہ اشخاص کی بے دینی، بلا دفرنگ میں تبلیغ اسلام کی ضرورت پر مختصر اور جامع تقریر کرتے ہوئے مرزائی مقرر کے ایک ایک لفظ کی تردید کی۔ بعد ازاں خاتم النبیین ﷺ سے ختم المرسلین کا تاج چھین کر کسی اور کے سر پر رکھ دینے والوں، مدینہ منورہ سے کسی اور طرف دنیا کا رخ پھیرنے والوں اور آقائے نامدار ﷺ کی رسالت میں کسی اور کو شریک

کرنے والوں کی تباہی و بربادی اور ان کے ناپاک مقاصد میں ناکامی اور نامرادی کے لیے رقت انگیز دعا مانگی۔ خاکسار کی دعا کے ہر لفظ پر حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔ ایک ایک لفظ تیر و نشتر بن کر مرزائیوں کے سینے میں پیوست ہوا۔ تقریر کا ہر فقرہ خرمن کفر پر برق بن کر گرا اور چشم زدن میں مجلس کی حالت بدل گئی۔ ہر طرف قہر و غضب کی نگاہیں مرزائیوں پر پڑ رہی تھیں۔ مولوی احمد غیر مقلد نے ان کو بچانا چاہا مگر دارالحدیث کے مصری صدر مدرس نے فرمایا کہ:

”یہ لوگ واجب القتل ہیں اور مباح الدم ہیں۔“ صدر مدرس جوش کے عالم میں مرزائیوں کے پاس پہنچ گئے اور ان سے دریافت کیا ”کیا تم لوگ مرزائی ہو؟“

مرزائیوں نے جواب دیا

”ہم آنحضرت ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم ہرگز مرزائی نہیں ہیں۔“

اس کڑبڑ میں مجلس درہم برہم ہو گئی اور مرزائی دوسرے دن جدہ کی طرف چل دیئے۔ اور ”جان بچی سولاہوں پائے“ کا وظیفہ پڑھتے ہوئے جدہ سے اکبر جہاز پر سوار ہو کر ”یونین جیب“ کے سایہ میں بہ امن و امان کراچی پہنچ گئے۔ راستہ بھر پھر کسی سے گفتگو کرنے کی انہیں ہمت نہ ہوئی۔ (شمس الاسلام۔ ص 32-33، جون 1936ء) •

برق آسمانی بر خرمن قادیانی

تردید قادیانیت کے سلسلے میں مولانا نے دیکھا کہ اس فتنے کا تعاقب اور اس کی تردید کی رفتار اور معیار کار اگرچہ خوب ہے تاہم مرزائی جماعت کی سرکاری سرپرستی اور عوام کی ناواقفیت کے سبب ان کی ریشہ دوانیاں اور حملے بڑھتے جا رہے ہیں، اس کا دام ترور پوری طرح سمٹ نہیں رہا۔ چنانچہ عوام کی تربیت، رہنمائی اور ہدایت کے لیے انہوں نے ایک کتاب موسوم بہ ”برق آسمانی بر خرمن قادیانی“ تالیف کی۔ اس کتاب میں انہوں نے تبلیغی اور تحریکی نقطہ نظر سے مرزائیت کے کامل خدو خال، عقاید صحیحہ اور اپنی مناظرانہ سرگرمیاں اور دیگر مناظرانہ اور علمی دلائل و براہین یکجا کیے۔ مولانا کا مطالعہ بہت وسیع اور انہیں دعوت و ارشاد کا کثیر تجربہ تھا۔ لکھنے کا انداز بہت سادہ و سہل تھا۔ اس لیے یہ تصنیف بہت مقبول ہوئی۔

اس کتاب کے حصہ اول میں مولانا نے درج ذیل امور پر روشنی ڈالی:

”مرزا غلام احمد قادیانی کے مستند ذاتی حالات، عقاید و تعلیمات، اخلاق و عادات، دعاوی و الہامات، انگریز سرکار کی خدمت، جہاد کی مخالفت، علماء کی بے عزتی، انبیائے کرامؑ، صلحائے امتؑ اور دیگر پیشوایان مذاہب کی توہین، مرزا صاحب کے متضاد دعاوی اور اقوال، ان کی شجاعت اور برکات، ان کا عدم ایفاء عہد، اہل اسلام سے سلوک، مرزائیت کی ترقی کے اسباب، انگریز حاکموں کو مسلمانوں سے بدظن کرنے کی کوشش، مرزائیوں کے فرقے، ان کی دام ہم رنگ زمین چالیں، مسلمانوں میں گھل مل جانے کی کوششیں، کشمیر کمیٹی، اس کا غلط استعمال اور مرزا بشیر کا اخراج، سیاسی اثرات وغیرہ۔“

حصہ دوم اور سوم میں اثبات حیات مسیح، ختم نبوت اور ابطال دعاوی مرزا کے دلائل، اسلامی مناظروں کے دلائل، مرزائیوں کے اعتراضات اور ان کے پیش کردہ دلائل اور ان دلیلوں کے اسلامی مناظروں کے جواب تفصیلاً پورے حوالوں کے ساتھ مندرج ہیں۔

حصہ چہارم میں قادیانیت کی تردید اور اس کے تعاقب میں مولانا اور حزب الانصار کی تبلیغی سرگرمیاں خصوصاً ضلع شاہ پور (موجودہ ضلع سرگودھا) کے مناظروں کی تفصیلات ہیں۔ مولانا کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

”سرور دو عالم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق ہر صدی میں کاذب مدعیان نبوت ظاہر ہوتے رہے۔ انیسویں صدی میں سلطان عبدالحمید ثانی مرحوم اور سید جمال الدین افغانی کی مساعی جمیلہ سے اتحاد عالم (پین اسلامزم) کی مبارک تحریک کا آغاز عمل میں آیا۔ مسلمانوں میں جہاد کی روح پیدا کرنے اور اسلام کا سیاسی اقتدار از سر نو بحال کرنے کے لیے نئے سرے سے جدوجہد شروع کی گئی۔ اقوام یورپ اس تحریک سے لرزہ بر اندام تھیں۔ مدبرین برطانیہ اس تحریک سے مضطرب اور پریشان ہو رہے تھے۔ مرزائے قادیان اور اس کے ایجنٹوں نے برطانوی استعمار کی شہ اور ضرورت پر اس موقع سے فائدہ حاصل کیا۔ اور عالمگیر اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے اور جہاد کو حرام قرار دینے میں ایڑی سے لے کر چوٹی تک کا زور لگایا۔“

(شمس الاسلام، دسمبر 1932، ص 2-4)

کشمیر کمیٹی اور فتنہ قادیان

مرزا محمود کی پالیسی کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

”وہ 1914ء سے لے کر 1922ء تک اہل اسلام سے ترک تعاون پر عمل پیرا رہا۔ اس نے مسلمانان عالم کو کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اور ان سے رشتہ و ناٹھ اور برادری کے تعلقات قائم کرنا، ان کی شادی یا غمی کی رسومات میں شریک ہونا بلکہ ان کے معصوم بچوں کا جنازہ تک پڑھنا اپنے مریدوں کے لیے حرام قرار دیا۔ مگر 1924ء کے بعد کسی پولیٹیکل مصلحت کے تحت مسلمانان ہند میں کھل مل کر ان کی قیادت و رہنمائی کا شوق اس کے دل میں سما چکا ہے۔ (دلائل کتاب ”رنگیلا رسول“ کے سلسلے میں مسلمانوں کے عام مطالبے کی حمایت کرتے ہوئے) مرزا محمود نے ایک میمورنڈم وائسرائے کے نام بھجوایا جس میں انبیاء یا بنیان مذہب کی توہین کو جرم قرار دینے کے لیے کسی خاص قانون کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ گورنمنٹ نے تعزیرات ہند میں مجوزہ ترمیم کو قبول کر لیا۔ مگر اس چال بازی اور فریب کی حقیقت جلد ہی ظاہر ہو گئی (جب) مرزائیوں نے مرزا غلام احمد کو بنیان مذہب اور انبیاء میں ظاہر کیا اور اس کی ذات پر بھی نکتہ چینی بموجب ترمیم جرم قرار دی گئی۔ اس وقت تک کئی غازیان اسلام اس قانون کی زد میں آچکے ہیں۔“

(برق آسمانی۔ ص: 75-76)

مدابنت اور فریب کی اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے مرزا محمود نے کشمیری مسلمانوں پر ڈوگر راج کے مظالم کے سدباب کے لیے کشمیر کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی میں برصغیر کی بعض اہم شخصیتیں مثلاً علامہ اقبالؒ بھی شامل تھے۔ یہ کمیٹی مرزائیوں کے مخصوص مفادات کی بنا پر محض قادیانیت کے فروغ کا ذریعہ بنی۔ مولانا لکھتے ہیں:

”کشمیری مسلمانوں پر ظلم ہوا۔ مظلومین کی ہمدردی میں مسلمان ہند بے چین تھے۔ ایسی حالت میں مرزا محمود نے چند نام نہاد لیڈروں کو جمع کر کے کشمیر کمیٹی قائم کی اور اس کی صدارت کے فرائض اپنے ذمے لے لیے۔ اور اس کا سیکرٹری اپنا ایک مرید عبدالرحیم درد کو بنایا اور کمیٹی کا صدر مقام قادیان میں مقرر کر کے طول و عرض ہند میں چندہ کی اپیلیں کیں۔ مگر وہ روپیہ (منصب، وسائل اور مسلمانوں سے اتحاد) مرزائیت کی تبلیغ پر صرف ہوئے۔“

(برق آسمانی ص 75-76)

یہ ایک انتہائی تشویشناک صورت حال تھی۔ ایک طرف تو مرزائی مسلم زعماء کا اعتماد حاصل کرنے اور ان کے ساتھ مل بیٹھنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ دوسری طرف مسلمانان ہند کے تعاون اور امداد سے کشمیری مظلوموں کی اعانت کی بجائے اپنے فتنے کو کشمیر میں فروغ دیا جا رہا تھا۔ اس سلسلے میں رائے عامہ ہموار کرنے اور علما کو صورت حال سے آگاہ کرنے میں مولانا نے بہت کام کیا۔ ”کشمیری مسلمانوں کا ایمان بچانے کے لیے فوری کارروائی کی ضرورت“ کے عنوان سے ایک جلی مقالے میں مولانا گوبی بڑی درد مندانہ اور زور دار اپیل کرتے ہیں۔

”کشمیر کمیٹی کی کفر پرور سرگرمیاں رنگ لا رہی ہیں۔ کشمیر میں مرزائیت کی جڑیں مستحکم اور استوار ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں مرزائیت کے لیے وقار حاصل کیا گیا ہے۔ 17 جنوری 1932ء کو قادیان سے مبلغین کے دو قافلے مرزائیت کی تبلیغ کے لیے کشمیر کی طرف روانہ کیے جا چکے ہیں..... کشمیر سے نوجوان طلباء فراہم کر کے قادیان بھیجے جاتے ہیں اور انہیں ضروری تعلیم دے کر مرزائیت کی تبلیغ پر مامور کیا جاتا ہے“۔ (برق آسمانی ص 81)

کشمیر تبلیغی وفد کی تیاری:

مولانا ہندوستان کے نمایاں اسلامی اداروں اور انجمنوں کا نام لے لے کر ان کی توجہ مبذول کرواتے ہیں اور مجلس مرکزیہ حزب الانصار کے تبلیغی وفد کی کشمیر روانگی کے لیے تیاری کا اعلان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی کشمیری مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ انہیں ایسے کشمیری نوجوان درکار ہیں جو کسی قدر دینی تعلیم حاصل کر چکے ہوں اور اب ماہانہ وظیفے پر چند ماہ دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ میں رہ کر تبلیغ و اشاعت کا کام سیکھیں۔

دراصل فطرت نے مولانا کو دل گداختہ، ذہن مضطر اور ہمہ دم عمل کے لیے تیار تو انانیاں عطا کی تھیں۔ دورانہ شانہ تجزیہ کرنے، واضح لائحہ عمل اور سائنسی طریق کار مرتب کرنے کے بعد وہ ایک دم پوری طرح عمل پیرا ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مولانا کی آواز پر تمام دینی حلقے چوکنے اور مائل بہ عمل ہو گئے۔

مرزائی حکمت عملی میں تبدیلی:

مرزا محمود نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو کافر قرار دینے سے نہ صرف اس کا گروہ نمایاں طور پر سواد اعظم سے کٹ گیا ہے بلکہ مرزائیت ان تمام فوائد بشمول ارتداد سے محروم ہو گئی ہے جو اس کو مسلمانوں کے ساتھ بطور فریق یا فرقہ رہنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ پھر کشمیر کمیٹی اور دوسرے ملکی امور اور مذہبی مسائل میں مرزائیوں کی تمام نوششیں علمائے

حق کی جدوجہد سے نامراد اور ناکام ہوئیں۔ چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی۔ مولانا لکھتے ہیں:

”مرزا محمود نے 1932ء کے آخر میں تمام پنجاب اور یوپی وغیرہ میں مبلغین کے وفد بھیجے۔ ان مبلغین نے جہاں میدان خالی دیکھا مناظرہ کی دعوت دی اور جہاں خادمان اسلام کو مقابلے کے لیے آمادہ پایا، وہاں سے فرار ہو گئے۔ ضلع شاہ پور میں حزب الانصار کی سرگرمیوں سے مرزائیت کا قلع قمع ہو رہا تھا اس لیے اپنے چوٹی کے مناظر اور مبلغ اس علاقے میں دورہ کرنے کے لیے بھیجے۔“

مناظرے

اہل علم میں مناظرہ کبھی مقبول فن نہیں رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اکثر علما کو تبلیغ و ارشاد کی جدوجہد میں کبھی نہ کبھی اس کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کے ذریعہ آج تک شاذ و نادر ہی کسی نے کفر و طغیان کی راہ چھوڑ کر حق و صداقت کو قبول کیا ہے تاہم نیم خواندہ اور جاہل طبقے کے لیے یہ صنف ایک مقام رکھتی ہے۔ کسی ایک فریق کی جیت یا ہار، فرار یا استقامت ان لوگوں کے مزعومات، عقائد، رسوم و رواج پر ضرور اثر چھوڑتی ہے۔

مولانا بنیادی طور پر اس فن کے آدمی نہ تھے، مگر اپنی خداداد صلاحیتوں، قائدانہ بصیرت، مدبرانہ طرز عمل، دینی غیرت اور ماحول کی ضرورت کے سبب اس میدان میں بھی وہ ممتاز، کامیاب اور سرخرو رہے۔ مرزائیت کے تدارک اور تعاقب کے لیے ضروری تھا کہ اس کے تنخواہ دار کارندوں کا عوامی سطح پر مقابلہ کیا جاتا۔ دراصل مناظرے کا مزاج مرزا صاحب کی تعلیم اور تبلیغ کا خاصہ ہے۔ مجہول دعاوی سے پہلے انہوں نے اپنا آغاز بطور مناظر اور متکلم اسلام کیا تھا تا کہ عیسائی پادریوں اور آریہ ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہی انداز ان کے مبعین میں بھی پایا جاتا ہے۔

مناظروں کی تعداد:

مولانا نے ایک تخمینے کے مطابق 20 کے لگ بھگ مناظرے خود کیے اور کم و بیش 56 مناظرے اپنی نگرانی اور صدارت میں منعقد کروائے۔ ان مناظرانہ مساعی کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں۔ اس میدان میں مولانا کی تگ و دو کا دائرہ بہت وسیع رہا ہے۔ یہاں صرف قادیانیوں کے خلاف مناظروں کا حال مولانا ظہور احمد گبوی کی تالیف ”برق آسمانی“ کے حوالے سے درج کیا جاتا ہے۔

ضلع شاہ پور (سرگودھا) میں مرزائیوں کا تعاقب

پیچھے ”برما اور بنگال کے حالات“ کے تحت مرزائیوں کے خلاف مولانا کی کوششوں اور سرگرمیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ یہاں ہم مولانا کی صرف وہ کوششیں بیان کرتے ہیں جو بھیرہ، اس کے نواح اور ضلع سرگودھا میں مرزائیوں کے تعاقب میں ریکارڈ پر موجود ہیں۔

ضلع شاہ پور (سرگودھا) میں مرزائیوں کا دورہ

حزب الانصار بھیرہ کی مساعی جمیلہ سے مرزائیت کی تحریک مردہ ہو رہی تھی۔ بھیرہ کے جماعتی تقدس کی بنا پر ارباب قادیان نے اس کے احیاء کے لیے پوری سرگرمی سے کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انجمن مرزائیہ سرگودھا نے ضلع بھر میں تبلیغ کا ایک پروگرام بنایا اور قادیان سے دو مبلغ مولوی احمد خان و مولوی عبداللہ اعجاز ضلع کا دورہ کرنے کے لیے منتخب ہوئے۔ قادیانیوں کا ارادہ تھا کہ دو ماہ مسلسل دورہ کر کے ہر جگہ مقامی علما کو دعوت مناظرہ دے کر پریشان کیا جائے۔ وہ جانتے تھے کہ علمائے کرام قادیانی مذہب کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اس لیے وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوں گے۔ اور اگر اسلام کی عزت کے تحفظ کے لیے مقابلہ پر آمادہ بھی ہوئے تو مرزائی عقائد و مرزائی علم کلام سے ناواقفیت ان کے لیے سدراہ ثابت ہوگی۔ حزب الانصار نے وقت کی اہم ضرورت کا احساس کر کے مرزائی مبلغین کے کامل تعاقب اور مقابلہ کا فیصلہ کیا۔ مالی مشکلات نے کارکنان کو پریشان کر رکھا تھا۔ اور مزید مصارف کے لیے کہیں سے روپیہ حاصل ہونے کی امید نہ تھی۔ مگر تحفظ اسلام کی غرض سے محض خدا کے بھروسے پر ایک تبلیغی وفد مرتب کیا گیا تاکہ وہ ضلع میں ہر جگہ مرزائیوں کے تعاقب اور ہر جگہ مناظرہ کی دعوت قبول کرنے کا کام سرانجام دے۔ اس وفد کے ارکان مولانا ابوالقاسم محمد حسین کولوتارڑوی، مولانا محمد شفیع خوشابی، مولانا بگویی، (مؤلف کتاب) مولانا عبدالرحمن میانوئی مبلغ حزب الانصار قرار پائے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد اسماعیل دامانی و دیگر کئی حضرات نے دورہ میں ساتھ رہ کر ممنون فرمایا۔ یکم ستمبر 1932 سے لے کر 10 اکتوبر 1932ء تک مرزائیوں کا تعاقب جاری رہا۔ اس عرصہ میں ان کے ساتھ دس معرکے پیش آئے۔ ہر معرکہ میں مسلمانوں کو خداوند کریم نے فتوحات عطا فرمائیں۔

پہلا معرکہ میانی

بھیرہ سے جانب مشرق 9 میل کے فاصلے پر قصبہ نمک میانی آباد ہے جہاں کے مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم نے مولوی نور الدین قادیانی کو لاہور میں لا جواب کیا تھا۔ اور مناظرہ ہریا میں شمس قادیانی کی گت بنائی تھی۔ مفتی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مرزائی چوہے اپنے بلوں سے نکل آئے اور انہوں نے میدان خالی دیکھ کر اپنا اثر و اقتدار جمانا چاہا۔ چنانچہ مورخہ 21 اگست 1932ء شام کی گاڑی سے قادیانی مبلغین وہاں پہنچے۔ دوسرے دن صبح حزب الانصار کے وفد کے اراکین بھی میانی جا پہنچے۔ مرزائیوں پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ مسلمانوں میں اس قدر بیداری پیدا ہونے کی انہیں توقع نہ تھی۔ مسلمانان میانی نے علمائے کرام کا شاندار استقبال کیا اور بمقام چنگی شاہ جلسہ کے لیے پنڈال بنایا گیا تھا۔ میانی کے مرزائی مسلمانوں کو کئی دن سے مناظرہ کا چیلنج دے رہے تھے۔ اس لیے علمائے اسلام نے مرزائیوں کا چیلنج قبول کر کے انہیں تصفیہ شرائط کے لیے پیغام بھیجا مگر مرزائی عبداللہ و احمد خان نے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مورخہ یکم و 2 ستمبر 1923ء ہر دو روز صبح سے لے کر شام تک مسلمانوں کے شاندار جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں مرزائیت کے پرچے اڑا دیئے گئے۔ اور دعاوی مرزا و الہامات مرزا کی حقیقت کھولی گئی۔ مرزائیوں کو مناظرہ کی دعوت پر دعوت دی گئی۔ مگر انہیں مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ان کے جلسہ میں حاضرین کی تعداد دس یا بارہ سے زیادہ نہ ہو سکی۔ یہ حالت دیکھ کر انہوں نے قادیان میں تاریخیں دیں اور ان حالات میں تبلیغی دورہ کے التواء کی خواہش ظاہر کی۔ مگر مرزا محمود نے اپنے مبلغین کا حوصلہ قائم رکھنے کے لیے بہترین مناظر و مبلغ بھیجنے کا وعدہ کیا۔ قادیانی مبلغین مورخہ 2 ستمبر کو میانی سے بھیرہ پہنچے۔ علمائے اسلام بھی شام کی گاڑی میانی سے روانہ ہو کر شاندار جلوس کے ساتھ بھیرہ میں وارد ہوئے۔

دوسرا معرکہ بھیرہ

دریائے جہلم کے کنارے شہر بھیرہ ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ سکندر اعظم کا یہاں سے گزر ہوا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدین نے اس کی دیواروں پر بزور شمشیر پرچم اسلام نصب کیا۔ بابر نے اپنے تزک میں اس شہر کا ذکر نہایت عمدہ الفاظ میں کیا ہے۔ جہانگیر نے کابل جاتے ہوئے اس جگہ اقامت اختیار کی تھی اور یہاں کے علماء و مشائخ و فقراء کو داد و بخش سے مالا مال کیا تھا۔ سکھوں کے عہد میں قصبہ اہل ہنود کے قبضہ میں تھا اور

مسلمانوں کی حالت نہایت ہی کمزور تھی۔ شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ جامع مسجد کھنڈرات کا ڈھیر ہو گئی تھی اور سکھوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مگر سید العلماء والمحدثین استاذ الکل حضرت مولانا احمد الدین گبوی کے قدم میمنت لزوم سے اسی بھیرہ سے علوم دینی کے چشمے جاری ہوئے۔ ہر طرف علم کی نہریں جاری ہوئیں۔ ہزار ہا اشخاص اس چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔ سرزمین پنجاب اسی خطہ کی بدولت دوبارہ منور ہوئی۔ مسلمانوں کی حالت نے پلٹا کھایا۔ ابررحمت نے آبیاری کی۔ حضرت مرحوم کی باطنی توجہ اور ہمت سے جامع مسجد کی شاندار عمارت تعمیر ہوئی اور ہر گھر میں دینی چرچا ہونے لگا۔ مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا غلام رسول چاوی، اور زبدۃ العارفین مولانا عبدالعزیز گبوی نے اپنی عمریں خدمت اسلام میں بسر کیں۔ مگر جہاں گل ہوتے ہیں وہاں خار بھی ہوتا ہے۔ افسوس یہی شہر حکیم نور الدین کی بدولت دنیا بھر میں بدنام ہوا۔ اور نور الدین کے اثر سے جو لوگ غیر مقلد ہو چکے تھے، وہ مرزائی بن گئے۔ مرزائیوں کے نزدیک قادیان کے بعد بھیرہ ایک مقدس شہر ہے اور وہ لوگ اسے ”مدینہ خلیفۃ المسیح“ کہا کرتے ہیں۔ مرزائی ایک ماہ سے اپنے مبلغین کی آمد کی خبر سنا کر اپنے خیال میں لوگوں کو خوفزدہ کر رہے تھے۔ اعلانیہ کہا جاتا تھا کہ ہمارے شیر آ رہے ہیں کسی کی ہمت ہو تو مقابلہ پر آئے۔ مگر علمائے اسلام کے ورود اور میانی میں حسرتناک ناکامی کی خبر سن کر گھبراہٹ کا عالم طاری ہو گیا۔ قادیان میں تاریخیں دی گئیں۔ 2 ستمبر کا دن انہوں نے کرب و اضطراب میں کاٹا۔ انہیں جلسہ کرنے کا بھی حوصلہ نہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کی گاڑی، قادیان سے مرزائی مبلغین کا نیا قافلہ بسر کردگی مولوی محمد سلیم پہنچ گیا اور مرزائیوں کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے اپنے جلسہ کا اعلان نہایت زور شور سے کیا۔ منادی کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس کا رویہ نہایت اشتعال انگیز تھا۔ اس منادی میں کھلے لفظوں کے ساتھ علمائے کرام کو دعوت مناظرہ دی گئی۔

مرزائیوں کے ساتھ خط و کتابت

مرزائیوں نے ندائے حق کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں علمائے اسلام پر تاج الزامات لگائے گئے۔ اس کے جواب میں ”دعوت حق“ کے عنوان سے سیکرٹری جماعت اسلامیہ کی طرف سے اشتہار شائع ہوا۔ بعد ازاں مرزائیوں کی طرف سے حسب ذیل تحریر مورخہ 3 ستمبر 1932ء موصول ہوئی۔

جناب مولوی ظہور احمد صاحب! السلام علی من اتبع الهدی

مشمولہ رقعہ ہذا اطلاقاً آپ کی خدمت میں اتمام حجت کے لیے ارسال کیا جاتا ہے۔

سیکرٹری انجمن احمدیہ محمد الدین کریم

باسمہ سبحانہ

صاحبان! عرصہ دراز سے علماء حنفیہ کی طرف سے جماعت احمدیہ پر ناجائز حملے کیے جا رہے ہیں۔ اتفاق سے آج کل علمائے جماعت احمدیہ میں سے چند مبلغین تبلیغی جلسہ کے لیے بھیرہ میں آئے ہیں۔ اس لیے ہم تمام متلاشیان حق کو عموماً اور بھیرہ کے صاحب وقار اصحاب کی خدمت میں خصوصاً اپیل کرتے ہیں کہ وہ حفظ امن کی باقاعدہ طور پر ذمہ داری اٹھا کر مولوی ظہور احمد صاحب بگوتی یا ان کے کسی نمائندہ کو تبادلہ خیالات کے لیے میدان عمل میں لائیں۔ بعد ازاں شیخیاں مارنا فضول ہوں گی۔ مورخہ 3-9-32

☆ 4 ماہ تمبر حال کی شام تک فیصلہ ہونا لازمی ہوگا۔

نوٹ: مندرجہ بالا مضمون کی شہر بھیرہ میں منادی کرائی جا رہی ہے۔

پرنٹل اسٹنٹ جنرل سیکرٹری انجمن احمدیہ بھیرہ

اس کے جواب میں سیکرٹری تبلیغ جماعت اسلامیہ کی طرف سے حسب ذیل تحریر مرزائیوں کو بھجوائی گئی۔

اتمام حجت

بنام سیکرٹری صاحب انجمن احمدیہ بھیرہ

السلام علی من اتبع الهدی۔ جناب کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان شاندار جلسہ شائع ہوا ہے اور سیکرٹری تبلیغ احمدیہ نے ندائے حق کے نام سے اشتہار شائع کیا ہے ابھی ابھی ایک اشتہار من جانب سیکرٹری انجمن انصار اللہ احمدیہ موصول ہوا ہے۔ ان ہر سہ اشتہارات میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے اور اگر مگر اور خوشنما الفاظ کی آڑ میں مناظرہ کرنے سے انکار و اقرار اور فرار کے لیے راہیں محفوظ رکھی گئی ہیں۔ اس لیے بذریعہ تحریر ہذا جناب کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ اگر ہمت ہے تو اپنے علماء کو شیران اسلام یعنی علمائے اسلام کے سامنے لانے کی جرأت کریں اور صاف لفظوں میں مناظرہ پر آمادگی کا اعلان کر دیں اور مقام و شرائط کے تصفیہ کے لیے اپنے دو معتبر اشخاص نامزد کر دیں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ کے فرار کی حقیقت عالم آشکارا ہو جائے گی۔ چونکہ آپ کی طرف سے زبانی چیلنج مناظرہ اہل اسلام کو ایک عرصہ سے مل رہا ہے اس لیے حفظ امن کا انتظام وغیرہ بھی آپ کے ذمہ ہوگا۔

عبدالرحمن سیکرٹری تبلیغ جماعت اسلامیہ جامع مسجد بھیرہ۔

اسی روز حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حسین صاحب کولوتارڑوی کی طرف سے حسب ذیل اشتہار شائع ہو کر

شہر کی دیواروں پر چسپاں ہو گیا۔

مرزائیت کی موت

جملہ مرزائیوں کو اور خصوصاً مرزائیان بھیرہ کو واضح ہو کہ میں نے ستمبر 1928ء کے العدل میں ایک مکتوب

مفتوح بنام مرزا محمود احمد صاحب قادیانی شائع کیا تھا کہ:

”میں مرزا کے انعامی اشتہار دربارہ لفظ تَوْفَىٰ کی دوسری شق کے مطابق ثابت کر دوں گا کہ اس کے معنی

جسم مع روح کو بہیت کذائی و صورت مجموعی اپنے قبضہ میں لے لینے کے ہیں۔ آپ میرے ساتھ منصفانہ شرائط

طے کرنے کے بعد فیصلہ کر لیں۔“

لیکن مرزائیت کے علمبردار نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر مرزائی مولویوں کو

مناظروں میں فیصلہ کی دعوت دی گئی مگر صدائے برنخواست۔ مارچ 1932ء کے رسالہ ”شمس الاسلام“ میں مکرر

بعنوان ”اتمام حجت“ اس مضمون کو مشتہر کیا گیا لیکن مرزائیوں کی طرف سے کوئی آمادگی نہ ہوئی۔ العدل و شمس

الاسلام کے پرچے بذریعہ رجسٹری خلیفہ قادیان کے پاس بھیجے گئے پھر بھی انہیں مقابلہ کا حوصلہ نہ ہوا۔ حق کا رعب

ان کے دلوں پر مسلط ہو چکا ہے۔ لہذا ان میں جرأت نہیں ہے کہ اس فیصلہ پر آمادہ ہوں۔ جملہ مرزائیوں کو لازم ہے

کہ اپنے خلیفہ کو اس فیصلہ پر آمادہ کریں ورنہ سمجھ لیں کہ مرزائیت مرگئی۔ لہذا اس کی تجہیز و تکلفین کر کے میرے ہاتھ پر

توبہ کر لیں۔ حجت تمام ہو چکی ہے۔ خدا کے حضور میں تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ اگر تمہارے مولوی صاحبان جو

قادیان سے آئے ہیں فیصلہ پر آمادہ ہوں تو فوراً بذریعہ تار اپنے خلیفہ سے اپنی نیابت کی تصدیق کرائیں۔ اور خلیفہ

صاحب لکھ دیں کہ ان کے علماء کا ساختہ پرداختہ میرا ساختہ پرداختہ ہے ان کی فتح میری فتح اور ان کی شکست میری

شکست ہے۔

دستخط: ابوالقاسم محمد حسین عفی اللہ عنہ،

مولوی فاضل از کولوتارڑ حال وارد بھیرہ

نوٹ: یہ چیلنج لفظ تَوْفَىٰ سے متعلق ہے۔ سیکرٹری تبلیغ جماعت اسلامیہ کی طرف سے جو چیلنج مناظرہ دیا گیا تھا اس کے

لیے نیابت کی سند ضروری نہیں اس کے لیے ہم ہر طرح تیار ہیں۔

مرزائیوں نے اس کے جواب میں حیلہ سازی سے اور ٹال مٹول سے کام لینا چاہا اور علمائے اسلام کو مسجد مرزائیہ میں شرائط کے تصفیہ کے لیے مدعو کیا۔ مگر اپنی طرف سے دو نمائندگان منتخب نہ کئے۔ اس حالت میں حسب ذیل خط سیکرٹری تبلیغ جماعت اسلامیہ کی طرف سے انہیں بھیجا گیا۔

بخدمت جناب جنرل سیکرٹری صاحب انجمن احمدیہ بھیرہ

والسلام علی من اتبع الهدی۔ جناب کا رقعہ موصول ہوا۔ جواباً التماس ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے دو معتبر اشخاص نامزد نہ کر کے خواہ مخواہ معاملہ کو تاخیر میں ڈالنا چاہا ہے۔ آج بوقت منادی آپ کی جماعت کے افراد کتلواروں اور سنگینوں سے مسلح ہو کر اشتعال انگیز الفاظ کہنا نہایت شرمناک و خطرناک حرکت ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ اپنی جماعت کو ایسی مفسدانہ حرکات سے باز رکھیں ورنہ اس کے نتائج کے آپ ہر طرح ذمہ دار ہوں گے۔ اگر آپ واقعی تحقیق حق کے خواہش مند ہیں تو اپنی طرف سے دو نمائندوں کے اسماء سے مطلع فرمائیں۔ ہماری طرف سے مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا ظہور احمد بگوی صاحب تصفیہ شرائط کے لیے منتخب کیے گئے ہیں ان کا ساختہ پرداخت ہم سب کو منظور ہوگا۔ مسجد احمدیہ بحالات موجودہ بہت غیر موزوں مقام ہے کسی غیر جانب دار مقام کا تعین کر کے اطلاع دیں۔

عبدالرحمن سیکرٹری تبلیغ جماعت اسلامیہ بھیرہ 3 ستمبر 1932ء

دوسرے دن صبح آٹھ بجے مسٹر ایم ڈی کریم صاحب مرزائی مع اپنے چند ہمراہیوں کے مقام کا تصفیہ کرنے کے لیے جامع مسجد پہنچے اور آخر کار انہوں نے میاں محمد رحیم صاحب درویشانہ پراچہ کا بنگلہ واقع محلہ پراچگان بھیرہ میں گیارہ بجے دن پہنچ کر شرائط کا تصفیہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ عین گیارہ بجے دن خاکسار مع مولانا محمد قاسم مقام مقررہ پر پہنچ گیا مگر مرزائیوں کی طرف سے صرف ایم۔ ڈی کریم صاحب پہنچے اور ان کے ساتھ ہی بابو محمد امین پراچہ مرزائی، محلہ پراچگان کے سربراہ آوردہ و معزز اشخاص کو ہمراہ لے کر پہنچا۔ تمام پراچوں نے بالاتفاق درخواست کی کہ مناظرہ میں فساد کا احتمال ہے اور مسلمانوں کے آئندہ امن و چین کی زندگی پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ اس لیے مناظرہ کو ملتوی کیا جائے۔ بابو محمد امین پورے جوش و خروش سے ان کی وکالت کر رہا تھا۔ خاکسار نے کہا کہ قادیانیوں نے جو چیلنج دیا ہے اس کے قبول کرنے کے لیے ہم مجبور ہیں۔ اس لیے اگر ایم ڈی کریم صاحب ان کی طرف سے اس چیلنج کو واپس لے لیں تو میں بخوشی التوا مناظرہ پر رضامند ہو سکتا ہوں۔ اس پر ایم۔ ڈی کریم صاحب نے میرے اس

بیان کی تردید کی۔ اور کہا کہ چیلنج جماعت اسلامیہ کی طرف سے دیا گیا ہے اور جماعت احمدیہ کا اس میں کوئی قصور نہیں اس پر ایم ڈی کریم کی تحریر (جس کی نقل پہلے درج ہو چکی ہے) اسے دکھائی گئی۔ جس پر اس نے غیر متعلق سلسلہ گفتگو شروع کر دیا۔ خاکسار نے کہا کہ ایم ڈی کریم صاحب صرف یہ لکھ دیں کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے چیلنج نہیں دیا گیا۔ مگر اس نے اس سے بھی انکار کر دیا اور اپنی طویل تقریر میں علمائے اسلام پر تفرقہ اندازی و فرقہ بندی کا الزام عائد کیا اور رسالہ شمس الاسلام میں حیات مسیح علیہ السلام و تردید میرزا میں شائع شدہ مضامین کا حوالہ دیا۔ جس کے جواب میں خاکسار نے تمام معززین کے سامنے حسب ذیل تجویز پیش کیں۔

اہل اسلام کی طرف سے میں ذمہ لیتا ہوں کہ آئندہ
بہیرہ میں کوئی ایسا جلسہ نہ ہو گا اور کسی جگہ کوئی
ایسی تقریر نہ ہو گی جس میں حیات مسیح علیہ السلام
ختم نبوت یا تکذیب مرزا کا ذکر ہو۔
نیز رسالہ شمس الاسلام میں بھی آئندہ ایسے مسائل پر
کبھی بحث نہ ہو گی۔

بشرطیکہ

ایم ڈی کریم صاحب تمام مرزائیوں کی طرف سے اس بات کا ذمہ لیں کہ وہ کبھی بہیرہ میں کوئی جلسہ ایسا نہ کریں گے جس میں وفات مسیح علیہ السلام، اجرائے نبوت یا صداقت دعاوی مرزا کے متعلق تقاریر ہوں اور کوئی مرزائی آئندہ ان مسائل پر کسی سے جھگڑا نہ کرے گا نیز مرزا کے اخبارات و رسائل بھی ان اختلافی مسائل سے پاک رہیں گے۔

خاکسار کی اس تجویز کو معززین قصبہ نے بے حد پسند کیا مگر ایم ڈی کریم صاحب نہایت گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم سے ایسا کبھی نہ ہوگا ہم اپنے عقائد کی ضرورت تبلیغ کریں گے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ زہر کا اثر دور کرنے کے لیے تریاق کا ہونا ضروری ہے اس لیے ہم مجبور ہیں کہ مدافعانہ کارروائی کے ذریعہ مرزائیوں کی زہریلی تبلیغ کے اثر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھیں۔

اس گفتگو سے فریب خوردہ اشخاص پر مرزائیوں کی اتحاد پسندی کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ اور مرزائیوں کے ساتھ شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے حکیم مولوی شاہ محمد صاحب رئیس اعظم شیخ پور کا مکان تجویز ہوا۔ جہاں بعد دوپہر 3 بجے خاکسار اور مولانا محمد قاسم صاحب نے مرزائیوں کے نمائندوں ایم ڈی کریم اور مولوی عبداللہ اعجاز کا تقابلیہ کیا۔ سڑھے 3 بجے مرزائیوں کے نمائندے وہاں پہنچے اور شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے گفتگو شروع ہوئی۔ عبداللہ نے نہایت ہی اشتعال انگیز، دلا آزار اور گستاخانہ رویہ اختیار کیا اور اگر ایم ڈی کریم صاحب مصدقہ ندرت سے کام نہ لیتے تو یقیناً یہ تمام گفتگو بے نتیجہ رہتی۔ اس عرصہ میں مرزائیوں نے اپنے مناظر مولوی محمد سیم کو بھیج دیا اور چار گھنٹوں مسلسل بحث کے بعد حسب ذیل شرائط پر فریقین کے نمائندوں نے دستخط کر دیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحمدہ و نصی علی رسولہ الکریم

تم اکیلا مناظرہ مابین جماعت احمدیہ و جماعت اسلامیہ بھیرہ

1۔ مناظرہ تقریریں ہوگا۔

2۔ موضوع مناظرہ

- حیات مسیحؑ کی حقیقت

ب۔ ختم نبوت

3۔ صدائے دعویٰ نبوت مرزا غلام احمد صاحب

4۔ پہلے دو مناظرہوں میں مدعی جماعت اسلامیہ ہوں۔ تیسرے مناظرہ میں مدعی جماعت احمدیہ ہوں۔

5۔ ہر مناظرہ کے لیے کل وقت تین تین گھنٹے ہوگا۔ پہلی تقریریں نصف نصف گھنٹہ بقیہ تقریریں آخر تک پندرہ

پندرہ منٹ ہوں گی۔ اگر ضرورت پیش آجائے تو ہر روز گھنٹہ کے بعد دس منٹ کا وقفہ دیا جائے گا۔

6۔ ایک طرف سے ایک ایک صدر ہوگا جو اپنے اپنے فریق کے حفظ امن کا ذمہ دار ہوگا اور اس کا فرض ہوگا

کہ وہ مناظرین سے شہادتیں نہ لے کر اپنے فریق کے پاس لے جائے۔

7۔ اس طرف تو سن مجید اور حدیث صحیحہ سے پیش ہوں گے۔ اقوال مرزا صاحب جماعت احمدیہ کے لیے

جست ہوں گے اور توں ہم غشم رحمتہ اللہ علیہ جماعت اسلامیہ کے خلاف احمدی مناظر اپنی تائید میں

پیش کر سکتا ہے۔

6- پہلا مناظرہ بروز دو شنبہ بتاریخ 5 ستمبر 1932ء صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک ہوگا۔ دوسرا اسی دن ساڑھے تین بجے شروع ہوگا۔ نماز عصر کے لیے نصف گھنٹے کا وقفہ ساڑھے پانچ بجے سے دیا جائے گا۔ تیسرا مناظرہ 6 ستمبر 1932ء صبح آٹھ بجے تک ہوگا۔

7- خلاف تہذیب و کلمات توہین در شان بزرگاں سے اجتناب کرنا ہر مناظر کا فرض ہوگا۔

8- آخری تقریر کے اختتام تک فریقین کے اصحاب ذمہ دار کا ٹھہرنا لازمی ہوگا۔

9- اپنی تقریر میں کوئی مناظرنی بات پیش کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

بقلم محمد عبداللہ اعجاز (مولوی فاضل)

ظہور احمد بگویی منجانب جماعت اسلامیہ بھیرہ

منجانب جماعت احمدیہ بھیرہ

محمد قاسم منجانب جماعت اسلامیہ بھیرہ

بقلم خود ایم ڈی کریم احمد 4-9-32

4 ستمبر 1932ء

5 ستمبر کی صبح

5 ستمبر 1932ء صبح آٹھ بجے سے پہلے اہل اسلام میدان مناظرہ میں پہنچ گئے۔ وہاں ہیڈ کانسٹیبل صاحب ایک پروانہ لیے ہوئے پہنچے جس میں مناظرہ کے التواء کا حکم درج تھا۔ میرے استفسار پر ایم ڈی کریم صاحب اور تمام مجمع کے سامنے ہیڈ کانسٹیبل صاحب نے اعلان کیا کہ:

”احمدی صاحبان ہمارے پاس صبح سویرے یہ استدعا لے کر گئے تھے کہ ہمیں نقض امن کا حصہ دے

ہے اس لیے پولیس اپنی کارروائی کے لیے مجبور ہے۔“

مرزائیوں میں باہمی تو تو میں شروع ہو گئی۔ ایم ڈی صاحب کارنگ فٹ ہو گیا اور مجمع بادل نخواستہ منتشر ہو گیا۔ چنانچہ ذمہ دار حضرات کا ایک وفد سب انسپکٹر صاحب سے ملا اور انہوں نے حالات سے مطلع ہو کر منظرے کی اجازت دے دی۔ اور اس طرح مرزائی اپنی سازش میں ناکام رہے۔

پہلا مناظرہ

5 ستمبر 1932ء بعد نماز ظہر ساڑھے تین بجے حضرت سبحان شاہ کے روضہ کے سامنے بنگلہ حضرت پیر انور امیر شاہ صاحب کے چبوترہ پر ہر دو فریق کے لیے اسٹیج تیار کیے گئے اور سامعین کے لیے وسیع میدان موجود تھا۔ مگر مرزائیوں نے چبوترہ سے نیچے میدان میں اپنا اسٹیج منتقل کر لیا اس طرح ان کا زیر نظر ہو جانا نیک علامت سمجھی گئی۔

مرزائیوں کی طرف سے صدر مبارک احمد صاحب پروفیسر مدرسہ احمدیہ قادیان مقرر ہوئے اور اہل اسلام نے خاکسار کو منتخب کیا۔ حافظ مبارک احمد نے کھڑے ہو کر کہا:

مبارک احمد: اہل سنت کی طرف سے مناظرہ کون کرے گا؟

خاکسار: ہماری طرف سے حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حسین صاحب کو لو تارڑوی مناظرہ ہوں گے۔

مبارک احمد: ہماری دیرینہ آرزو تھی کہ مولوی ظہور احمد صاحب گبوی کے ساتھ مناظرہ ہوتا کیونکہ ان کی علمی حیثیت مسلمانوں میں مسلمہ ہے اور ان کے ساتھ مناظرہ کرنے سے حق و باطل میں امتیاز ہو جاتا۔ مگر نیا وجہ ہے کہ مولوی صاحب مناظرہ سے گریز کر رہے ہیں؟

خاکسار: ہماری بھی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ میاں محمود احمد صاحب کے ساتھ مناظرہ ہوتا کیونکہ وہ جماعت قادیان کے مسلمہ خلیفہ ہیں۔ ان کے ساتھ مناظرہ کرنے سے احقاق حق میں مدد ملتی، کیا آپ ان کو میدان مناظرہ میں لاسکتے ہیں؟

مبارک احمد: (نہایت غصہ کی حالت میں) آپ کا کیا حق ہے کہ احمدیوں کے مسلمہ خلیفہ کو اپنے مقابلہ میں بلائیں؟

خاکسار: آقائے نامدار فخر موجودات سید المرسلین ﷺ کے غلاموں کی خاک پا ہونے کی حیثیت سے میرا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ مرزا محمود بھی میرے مقابلہ میں کھڑا ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ابو جہل کو قتل کرنے والے دو کمسن لڑکے تھے۔ رستم ایرانی کو قتل کرنے والا ایک بدوی تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت اسلامیہ کا ہر فرد کفر کے علمبرداروں کے لیے پیام موت ثابت ہو سکتا ہے۔

اس پر مبارک احمد صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر ان کے مرزائی دوستوں نے انہیں خاموشی کی تلقین کی۔ اور تین دن کرچا پس منٹ پر حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب نے حیات مسیح علیہ السلام پر تقریر شروع کی۔ مولانا کی تقریر اس قدر واضح اور مدلل اور دلچسپ تھی کہ تمام حاضرین نرط مسرت سے جھوم رہے تھے۔ مولانا کی چھ تقریریں ہوئیں اور مرزائی مناظرہ مولوی محمد سلیم کی پانچ ہوئیں۔ محمد سلیم قادیانی کی تقریر میں آندھی کا طوفان آیا مگر خدا کے فضل و رحمت اسلامیہ سے محفوظ رہا۔ مرزائیوں کے چہرے گرد آلود ہو گئے ان کے مناظر کا منہ مٹی سے بھر گیا۔ اس کا سایہ بان اکھڑ گیا۔ ان پر بدحواسی کا عالم طاری تھا۔ حاضرین نے جنگ خندق والا سماں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ 7 بجے شام مرزائی اپنے سرو سینہ اور منہ سے گرد جھاڑتے ہوئے گھروں کو سدھارے۔ مرزائیوں نے تمام رات دعا

اور عبادت میں گزاری تھی اور صدقہ و خیرات سے کام لیا۔ مگر آج کی واضح شکست اور ان کے مایہ ناز مسئلہ کی حقیقت واضح ہونے پر ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ مسجد مرزائیہ میں مغرب و عشاء کی اذان بھی دینے کی توفیق نہ ہوئی۔ اور تمام رات نہایت کرب و اضطراب میں بسر کی۔ حاضرین پر مرزائی مذہب کی حقیقت واضح ہو گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات قرآن و حدیث اور مسلمات مرزائیہ سے مولانا ابوالقاسم صاحب نے اس قدر وضاحت سے ثابت کی کہ ان کے دلائل کا مرزائی مناظر کوئی جواب نہ دے سکا۔ مناظرہ کے اختتام پر ایم ڈی کریم اسٹنٹ سیکرٹری انجمن مرزائیہ بھیرہ نے اقرار کیا کہ حیات مسیح ثابت کرنے میں مولانا کو زبردست کامیابی ہوئی ہے اور اس نے مولانا کو اس کامیابی پر مبارک باد دی۔

دوران مناظرہ میں صدر جماعت مرزائیہ نے لفظ مرزائی کے استعمال سے اسلامی مناظرہ کو روکنا چاہا۔ مگر مولانا مدوح نے فرمایا کہ:

”تم مرزائی ہو تمہارے نبی کا نام خدا نے الہام میں مرزا بتایا ہے اسے الہام ہوا تھا ”سنفرغ لک یا میرزا“۔ مرزائی مناظر قرآن کی آیات غلط پڑھتا تھا اور اس کی آخری تقریر نہایت ہی مہمل تھی۔ بدحواسی کے آثار اس کے چہرے پر رونما تھے۔ خدائی قبر کا نشان یعنی آندھی مٹی سے اس کے منہ کو پر کرنے میں مصروف تھی۔ چہرہ خاک آلودہ تھا۔ مرزائی مناظر نے ریشمیں پگڑی سر پر باندھ رکھی تھی اور داڑھی کٹی ہوئی تھی۔ اس کا رویہ نہایت ہی دلا زار تھا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ ”عیسیٰ (علیہ السلام) کیا بلا ہے“۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ توہین سن کر قریب تھا کہ مجمع جوش غضب سے بے قابو ہو جاتا مگر خاکسار نے لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین کی۔

آخری اور فیصلہ کن دن:

مورخہ 6 ستمبر 1932ء بعد نماز ظہر مرزائیوں کی طرف سے آخری اور فیصلہ کن مناظرہ ”دعاوی مرزا“ کے متعلق تھا۔ اس میں مرزائی مدعی تھے۔ اس لیے پہلی اور آخری تقریر کا حق انہیں حاصل تھا۔ محمد سلیم صاحب کی کمر ہمت ٹوٹ چکی تھی اور مرزائیوں نے ملک عبدالرحمن خادم گجراتی کو اپنی طرف سے مناظر مقرر کیا۔ اہل اسلام کی طرف سے مولانا ابوالقاسم محمد حسین نے حسب سابق نہایت قابلیت سے حق نمائندگی ادا کیا۔ عبدالرحمن خادم نے فحش کلامی، دریدہ و مٹی اور گندہ مذاقی کا ثبوت دیا۔ اور حقائق کا منہ چڑانے اور جی بھ کر گالیاں دینے سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہا۔ اسے کئی دفعہ روکا گیا مگر وہ اپنی عادت سے مجبور تھا اس نے تمام سامعین کو جن میں معززین شہر بھی موجود تھے بھانڈ اور میراثی کہہ دیا۔ اس پر مجمع میں اشتعال پیدا ہوا اور ہیڈ کانسٹیبل پولیس نے عبدالرحمن کو ان الفاظ

کے واپس لینے پر مجبور کیا۔

یہ آخری مناظرہ مرزائیت کے لیے پیام موت ثابت ہوا۔ حق کا نور چمکا اور باطل بھاگ نکلا۔
مناظرہ کے اختتام پر فقیر آزاد بھیروی نے خوش الحانی سے اپنی فی البدیہہ نظم سنائی جس کے پہلے دو شعر یہ تھے:
ہو مبارک مومناں نوں آج خوش ایام دی ہے ایہہ سب برکت خدادی تے خدادے نام دی
لکھ مرزائی کرن توڑے پئے ڈھنگ بازیاں بچھ نہیں سکدی کدی نوری شمع اسلام دی
علمائے اسلام شاندار جلوس کے ساتھ جامع مسجد پنپے اور مرزائی کرسیاں سر پر رکھے ہوئے گھروں کو

— — —

شہر بھیرہ کے اندر پیر و جواں بلکہ ہر بچہ کا دل بھی جذبہ مسرت سے لبریز تھا۔ کئی روز تک حق کی عظیم الشان فتح اور باطل کی نمایاں ہزیمت کا تذکرہ ہر مسلم و غیر مسلم کے ورد زبان رہا۔ لوگ مرزائیوں کی ڈھٹائی و بے حیائی اور ان کی غنڈ پر حیران تھے۔ مرزائیوں کی کثیر تعداد مذہب ہو چکی تھی۔ اس لیے دوسرے روز مرزائیوں نے جلسہ کیا جس میں محمد سلیم و عبدالرحمن نے اپنی جماعت کو ثابت قدم رکھنے کے لیے کذب بیانی، تالیس و تلبیس سے کام لیا اور بزرگان دین کی طرف غلط حوالے منسوب کیے اور علمائے کرام کے خلاف سب و شتم سے کام لیا۔

اس کے باوجود ایک مرزائی فضل داد صاحب کو مرزائیت سے توبہ کرنے کی توفیق ہوئی اور اس نے ایک اشتہار طبع کرا کر تقسیم کیا۔

تیسرا معرکہ خوشاب

بھیرہ میں شرمناک ہزیمت حاصل کرنے کے بعد مرزائی مبلغین مولوی احمد خان و عبداللہ اعجاز رات کی تاریکی میں بھیرہ سے فرار ہو کر جھاوریوں چلے گئے۔ حزب الانصار کے کارکنوں کو ان کے فرار کا علم نہ ہو سکا۔ جھاوریوں میں مسلمانان قصبہ نے ان کی تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ پھر وہاں سے مرزائی وفد مورخہ 9 ستمبر 1932ء کو خوشاب میں وارد ہوا۔ خوشاب بھیرہ سے شمال مغربی جانب 35 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مسلمانان خوشاب کی درخواست پر حزب الانصار کا تبلیغی وفد 10 ستمبر کی صبح کو بھیرہ سے روانہ ہو کر اسی روز دن کے گیارہ بجے خوشاب پہنچا۔

مورخہ 10 اور 11 ستمبر ہر دو روز عید گاہ میں شاندار اسلامی جلسے منعقد ہوتے رہے جن میں مولانا ابوالقاسم محمد حسین، خاکسار، مولانا عبدالرحمن میانوی، مولانا محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد اسماعیل دامانی کی مرزائیت شکن

تقریریں ہوتیں۔ مرزائیوں کے جلسے ناکام ہوئے اور انہیں مناظرہ کا چیلنج قبول کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ پہلے مولوی غلام رسول راجکی اور پھر 11 ستمبر 1933 کو ملک عبدالرحمان خادم گجراتی مرزائیوں کی امداد کے لیے قادیان سے پہنچ گئے۔ شرائط مناظرہ کے تصفیہ کے لیے مجلس منعقد ہوئی۔ بھیرہ میں طے شدہ شرائط پر مرزائیوں نے مناظرہ کرنا گوارا نہ کیا اور ملک عبدالرحمن خادم نے خاکسار کے ساتھ گفتگو کرنے یا شرائط مناظرہ طے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مرزائیوں نے کئی گھنٹہ شرائط مناظرہ طے کرنے میں صرف کر دیئے۔ 5 گھنٹے کی مسلسل بحث و تمحیص کے بعد بالآخر شرائط طے ہوئیں۔

تصفیہ شرائط کی خبر سن کر تمام شہر میں مسرت و خوشی کے نعرے بلند کیے گئے۔ حق و باطل کے امتیاز کی توقع پیدا ہو گئی۔ مگر مرزائیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ملک عبدالرحمن اور اس کے رفقاء نے عمر خطاب کو لعنت و ملامت کی اور انہوں نے ان شرائط کو بھیرہ والی شرطوں سے بھی زیادہ تباہ کن سمجھا۔ تمام رات مسلمانان خوشاب نے اسٹیج و جلسہ گاہ کی آرائشی دتڑن میں صرف کی۔ مگر مرزائی اپنے بستروں پر بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے فرار کے حیلے تراشتے رہے۔ صبح سویرے مرزائی نمائندے تھانہ دار صاحب کے ہاں پہنچے اور وہاں مناظرہ بند کرنے کی درخواست دی اور بیان کیا کہ ہمیں نقض امن کا اندیشہ ہے لہذا مناظرہ بند ہونا چاہیے۔ مورخہ 13 ستمبر ساڑھے سات بجے ہزار ہا اشخاص دور دراز مقامات سے جمع ہوئے۔ مرزائیوں کا رنگ زرد و حواس گم تھے۔ عین وقت پر سب انسپکٹر صاحب پولیس نے جلسہ گاہ میں آ کر مناظرہ روک دیا اور ہجوم کو منتشر ہونے کا حکم دیا۔ سب انسپکٹر صاحب نے کہا کہ مرزائی مناظرہ کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے اپنی حفاظت طلب کی ہے۔ اس لیے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ حکیم حافظ جن پیر احمد صاحب و سیٹھ عبدالرسول صاحب میونسپل کمشنر نے اہل اسلام کی طرف سے پانچ پانچ ہزار روپیہ کی ضمانتیں داخل کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور مرزائیوں کو حفظ امن کا یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر مرزائی مناظرہ جلسہ گاہ سے چلے گئے اور انہوں نے فرار ہی میں اپنی عافیت دیکھی اور تانگہ پر سوار ہو کر مجوکہ کی طرف چل دیئے۔

رات کو جامع عید گاہ میں اہل اسلام نے شاندار فتح منائی۔ علماء کرام کی بصیرت افروز تقریریں ہوئیں۔ شعرا نے مبارک باد کے قصائد پڑھے۔ مرزائیوں کے اس واضح فرار سے ان کے مذہب کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔
والحمد علی ذالک۔

چوتھا معرکہ مجوکہ

خوشاب سے چالیس میل کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر ایک گاؤں مجوکہ آباد ہے۔ سرداران مجوکہ کسی زمانہ میں علاقہ تھل کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ مجوکہ کی آبادی زراعت پیشہ ہے۔ پچیس سال ہوئے وہاں ایک غیر مقلد مولوی نے اپنے چند تبعین پیدا کیے۔ علیحدہ مسجد تیار کروائی اور احناف کو مشرک قرار دیا۔ چند سال کے بعد مجوکہ کے غیر مقلدین نے کُل جدید "لذیذ" پر عمل پیرا ہو کر مذہب مرزائیت قبول کر لیا۔ تحصیل خوشاب میں مجوکہ مرزائیوں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔ آبادی کا تہائی حصہ مرزائی ہو چکا ہے۔ فروری 1932ء میں وہاں ایک فیصلہ کن مناظرہ ہوا تھا۔ جس میں مرزائیوں کو شاندار شکست ہوئی تھی اور 7 مرزائی تائب ہوئے تھے۔ مناظرہ کے بعد وہاں مرزائیت کا سدباب ہو چکا ہے۔ خوشاب سے فرار ہو کر مورخہ 13 ستمبر 1932ء کو مرزائیوں کا قافلہ تانگہ ولاری کے ذریعہ شام کو مجوکہ پہنچا۔ اسلامی وفد سے خلاصی پانے کی خوشی میں مرزائیوں نے رات آرام سے بسر کی۔ مولوی محمد سلیم بھی قادیان سے وہاں پہنچ گیا۔

خوشاب میں رات کے ایک بجے جشن فتح سے فارغ ہو کر مجاہدین اسلام کا قافلہ بذریعہ کشتی عازم مجوکہ ہوا۔ دریا میں پانی کم تھا اس لیے کشتی کی رفتار سست رہی۔ کشتی میں خاکسار کے ہمراہ مولانا ابوالقاسم محمد حسین و ابوسعید مولانا محمد شفیع صاحب خوشابی، مولانا عبدالرحمن میانوی، سیٹھ عبدالرسول صاحب میونسپل کمشنر اور دیگر احباب سوار تھے۔ سفر کی دلنوازی اور عجیب کیفیت بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ صبح کی نماز دریا کے کنارے خوشاب سے دس میل کے فاصلہ پر ادا کی گئی۔ صحرا سے گزرنے کے بعد خورشید کی سنہری کرنوں کی صورت میں پانی میں اپنا عکس ڈال کر کشتی والوں کے صبر و استقامت کا امتحان لینا چاہا۔ ہوا بند تھی، گرمی کی شدت ناقابل برداشت تھی۔ دن کے گیارہ بجے موضع بھٹنی کے کنارہ پر چند منٹ آرام کیا۔ خدا کے فضل سے جنگل میں کھانے کا انتظام ہو گیا۔ کھانا کھانے کے بعد کشتی پر سوار ہو کر چپو چلانے کی مشق کی۔ مرزائیوں کے جملہ کی کامیابی کا خیال ہمارے لیے دھوپ سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ علما کرام خصوصاً مولانا محمد شفیع کئی گھنٹے اپنے ہاتھ سے چپو چلاتے رہے۔ بوقت عصر موضع جوڑہ کے قریب ایک پرندہ دیکھا گیا جس نے ایک بہت بڑی مچھلی کو دم سے پکڑ کر کنارہ پر پھینک دیا۔ کشتی کے قریب پہنچنے پر پرندہ اڑ گیا۔ مچھلی کو عطاء خدا سمجھ کر مجاہدین اسلام نے کشتی میں رکھ لیا۔ کشتی سے اتر کر نماز مغرب مجوکہ سے دو میل کے فاصلہ پر ادا کی گئی۔ یہ فاصلہ پیدل طے کیا گیا۔ مجوکہ میں مرزائیوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ مولوی محمد سلیم قادیانی پر جوش لہجہ میں تقریر کر رہا تھا۔ مجوکہ کے مرزائی وہاں کے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دے رہے تھے۔ 9 بجے شام نعرہ

ہائے تکبیر کے ساتھ مجاہدین اسلام مجوکے میں وارد ہوئے۔ مرزائی لیکچرار کی آواز پست ہو گئی۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اسی وقت مسجد کی چھت پر خاکسار نے تقریر کی۔ مرزائی لیکچرار نے اپنی تقریر بند کر دی۔ خاکسار نے مرزائیوں کو ثابت قدم رہنے کی تاکید کی۔ اور ان کے چیلنج کو قبول کر کے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی۔ اہل قصبہ کو کہا کہ صبح مرزائیوں کو بھاگنے کا موقع نہ دینا اور انہیں مجبور کرو کہ بغیر مناظرہ کیے یہاں سے ہرگز نہ جائیں۔

مورخہ 15 دسمبر 1932ء بعد نماز صبح مسیحی محمد رمضان مرزائی مولانا ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ ہمارے مولوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی کے زمانہ میں کسوف و خسوف ہوگا اور چودھویں صدی میں ہوگا۔ ان احادیث کی موجودگی میں مرزا صاحب کے دعاوی تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ ہر دو نشان مرزا صاحب کے زمانے میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور آج تک کوئی اور مدعی مہدویت ظاہر نہیں ہوا۔ مولانا ابوالقاسم نے حسب ذیل تحریر لکھ کر رمضان کو دی اور اسے کہا کہ اس کا جواب ان سے تحریر کرا کر لے آؤ۔

باسمہ سبحانہ

- 1- دارقطنی میں جو روایت خسوف و کسوف کی ہے وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔
- 2- چودھویں صدی میں مسیح آئے گا اور وہ مہدی ہوگا یہ بھی حدیث نہیں ہے۔
- 3- مرزا غلام احمد اپنی کتاب چشمہ معرفت جلد دوم ص 10 پر لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کان فی الہند نبیا اسود اللون اسمہ کاہنا یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

ابوالقاسم محمد حسین عفی عنہ جو کا 15 ستمبر 1932ء

اس کا جواب جو مرزائیوں کی طرف سے موصول ہوا وہ بلفظہ نقل کیا جاتا ہے اس سے قارئین مرزائیوں کی

حق پسندی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

- 1- ماں بہن وغیرہ محرمات ابدیہ کے ساتھ اپنی مرضی سے نکاح جائز ہے۔
- 2- حیوان سے بد فعلی یا مردہ سے بد فعلی کرنے والے پر ضروری نہیں کہ وہ غسل کرے اور اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔
- 3- استمتاع بالید سے انسان گناہ گار نہیں ہوتا۔

یہ تین عقائد صحاح ستہ یعنی حدیث کی کسی صحیح کتاب سے بسند صحیح و مرفوع فرمان نبی کریم ﷺ سے ثابت

کر ورنہ خدا سے ڈرو۔ جب کہ تین مندرجہ امور کا جواب آپ دیں گے تو آپ کے سوالوں کا اس الزامی جواب کے علاوہ بھی دے دیا جائے گا۔

محمد نذیر۔ مولوی فاضل

قادیانی مولوی فاضلوں کی ذہنیت کا اظہار اس تحریر کے ہر لفظ سے ہوتا ہے۔ جلسہ عام میں یہ تحریر سنائی گئی۔ لوگوں میں اشتعال پیدا ہوا مگر انہیں صبر و سکون سے کام لینے کی تاکید کی گئی۔ اور مرزائیوں کو جواب تحریر کیا گیا کہ ان ہر سہ مسائل کو جائز کہنے والے کو ہم کافر اور ملعون سمجھتے ہیں اس لیے ہم سے جواب کی سند طلب کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ اس کے بعد مرزائیوں نے کامل خاموشی اختیار کر لی۔ گاؤں کے باہر درختوں کے سائے میں عمائے اسلام نے مرزائیت کو سراسر باطل ثابت کیا اور مجوکا کے مرزائیوں کو انصاف سے کام لینے کی اور حق قبول کرنے کی دعوت دی۔ دو مرزائی طیش میں آ کر کھڑے ہوئے انہوں نے خاکسار کو کہا کہ بھاگ نہ جانا ہمارے مولوی مناظرہ کے لیے آ رہے ہیں۔ ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد مرزائی مبلغین سامان اٹھائے ہوئے کھیتوں کے کنارہ پر نمودار ہوئے۔ محمد سلیم، محمد نذیر، عبداللہ اعجاز، احمد خان وغیرہم کو دیکھ کر مجاہدین اسلام نے سمجھا کہ مناظرہ کے لیے آ رہے ہیں مگر مرزائی مبلغین خاموشی سے سر جھکائے ہوئے موضع نھوکا کی طرف چل دیئے اور آہستہ آہستہ نھوکا سے غائب ہو گئے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَ ذَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

ظفر المسلم هرب الميرزا إن المرزا كان كذوبا

اسلامی جلسہ نماز مغرب تک قائم رہا اور رات کو بھی مولانا محمد شفیع کی ختم نبوت پر معرکہ آرا تقریر ہوئی۔

پانچواں معرکہ سلانوالی

مجوکا سے مرزائیوں کا قافلہ نھوکا و ساہی وال سے ہوتا ہوا سلانوالی پہنچا۔ مجاہدین اسلام نے ان کا تعاقب جاری رکھا اور ان کے قدم کسی جگہ جمنے نہ دیئے۔ ساہی وال جاتے ہوئے سیال شریف میں حضرت صاحبزادہ قبلہ حافظ مولانا محمد قمر الدین سجادہ نشین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ممدوح حزب الانصار کے اس قابل فخر کارنامے سے بہت خوش ہوئے اور مجاہدین کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔

ضلع شاہ پور میں سلانوالی ایک نوآباد منڈی ہے۔ مولوی محمد دلپزیر صاحب مرزائی کے لڑکے ڈاکٹر منظور احمد کے ذریعے سے وہاں مرزائیت کا کافی اثر پھیل چکا ہے۔ مرزائی مفروروں نے وہاں پہنچ کر جلسے کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ مقامی مرزائیوں نے وہاں کی انجمن محمدیہ کو مناظرہ کا چیلنج بھی دے دیا۔ اور اپنے جلسے کا اعلان بھی کر

دیا۔ کارکنان انجمن محمدیہ انتہائی پریشانی کے عالم میں اس ناگہانی مصیبت کا علاج سوچ رہے تھے۔ رات کے دس بجے مجاہدین اسلام بذریعہ لاری وہاں پہنچے اور جاتے ہی شہر میں منادی کرادی کہ مرزائیوں کا فرض ہے کہ بغیر مناظرہ کے ہرگز یہاں سے کسی جگہ نہ جائیں۔ مرزائیوں کی تمام تجاویز خاک میں مل گئیں۔ ان کی امیدوں کا سرسبز باغ پائمال ہو گیا ان کی طبیعتیں سرد ہو گئیں۔

دوسرے دن مرزائیوں سے حسب ذیل خط و کتابت ہوئی:

خط و کتابت

بخدمت جناب سیکرٹری صاحب جماعت احمدیہ سلاوالی

السلام علی من اتبع الهدی۔ قادیانی مبلغین ہمارے ساتھ خوشاب میں مناظرہ کی شرائط طے کر کے آخری وقت پر بغیر مناظرہ کیے مجوکا کی طرف چلے گئے تھے۔ مجوکا میں بھی انہوں نے مناظرہ نہیں کیا بلکہ وہاں جو تین سوال ان پر کیے گئے تھے ان کا جواب ہمیں موصول نہیں ہوا۔ اس لیے اگر آپ تحقیق و اظہار حق کے خواہش مند ہوں تو اپنے مبلغین کو ہمارے مجوکہ والے سوالات کا جواب دینے پر آمادہ کریں۔ نیز خوشاب میں طے شدہ شرائط پر سلاوالی میں مناظرہ کرنے پر تیار کریں۔

امید ہے کہ جناب ہمارا اور اپنا قیمتی وقت فضول خط و کتابت میں ضائع نہ فرمائیں گے۔ ہماری اس تحریر کے جواب میں ہمارے مجوکا میں پیش کردہ سوالات کے جوابات اور مناظرہ پر آمادگی کی تحریر اپنے مبلغین سے بھجوادیں گے۔

وما علینا الا البلاغ

ظہور احمد بگوی عفی عنہ۔ 17 ستمبر 1933

اس خط کے جواب میں ڈاکٹر منظور احمد نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی، جس کے جواب میں حسب ذیل خط ہماری طرف سے بھیجا گیا۔

بخدمت جناب سیکرٹری صاحب جماعت احمدیہ سلاوالی

السلام علی من اتبع الهدی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے مولویوں کو بھیرہ کی شرائط پر یا خوشاب کی شرائط پر مناظرہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مناظرہ ہوا تو ہماری کئی دن کی آرزو پوری ہوگی۔ آپ نے نقل شرائط طلب کی ہے۔ خوشاب میں طے شدہ شرائط کی نقل ارسال خدمت ہے۔ مہربانی کر کے آج ہی وقت اور مقام کا تصفیہ فرما کر ممنون فرماویں۔ نیز جناب نے ہمارے پیش کردہ سوالات کا جواب اپنے مبلغین سے نہیں

دلویا۔ شاید آپ کو علم نہ ہو کہ مجوکہ میں حسب ذیل سوالات بھیجے گئے تھے۔

1- مہدی کے زمانہ میں کسوف و خسوف کا نشان رمضان میں ہونا حدیث نہیں ہے۔

2- چودھویں صدی میں مسیح و مہدی پیدا ہوگا۔ حدیث نہیں ہے۔

3- کان فی الہند نبیا اسود اللون اسمہ کاہنا حدیث نہیں ہے۔ مرزائی صاحبان ان کا حدیث ہونا ثابت کریں۔ بسند صحیح مرفوع یا کسی حدیث کی کتاب ملتزم الصحیح سے دکھائیں۔

مہربانی کر کے انکے جوابات بھی مناظرہ سے پہلے تحریر کر کے بھجوادیں۔ اس میں صرف چند منٹ صرف ہوں گے۔

ظہور احمد بگویی عفی عنہ

صدر تبلیغ جماعت اسلامیہ ضلع شاہ پور۔ سلا نوالی 17 ستمبر 1933ء

اس خط کے جواب میں ڈاکٹر منظور احمد نے خوشاب میں طے شدہ شرائط پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اوریت و عمل سے کام لینا چاہا۔ مجبور ہو کر انہیں یہ آخری خط بھی بھیجا گیا۔

بخدمت جناب سیکرٹری صاحب جماعت احمدیہ سلا نوالی

السلام علی من اتبع الہدی

آپ نے مناظرہ سے پہلو تہی کر کے افسوس ناک روش اختیار کر رکھی ہے۔ تحقیق حق کی غرض سے میں خدا اور رسول کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ فضول باتوں کو چھوڑ کر کل کے دن مناظرہ کا انتظام کریں۔ اگر بھیرہ یا خوشاب میں طے شدہ شرائط سے آپ کو انکار ہو تو پھر وقت اور مقام مقرر فرمادیں خاکسار آپ کے پاس حاضر ہو کر تصفیہ شرائط کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہے شاید اس ملاقات کا نتیجہ اچھا نکل آئے۔

جواب جلدی دیں۔

جماعت اسلامیہ کی طرف سے خاکسار اور مولانا محمد شفیع صاحب نمائندے ہوں گے۔ آپ بھی اپنی جماعت کی طرف سے دو نمائندوں کا انتخاب کر کے ان کے اسماء سے مطلع فرمائیں، کسی تیسرے شخص کو بولنے کا حق نہ ہوگا۔

ظہور احمد بگویی۔ مورخہ 17 ستمبر 1933ء

مورخہ 17 ستمبر 1933ء کو ڈاکٹر منظور احمد صاحب کے مکان پر تین گھنٹے کی بحث و تمجیص کے بعد نئی

شرائط مناظرہ طے ہوئیں۔

کیفیت مناظرہ

مورخہ 20-19-18 ستمبر ہر دور مرزائیوں کے ساتھ فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔ حق و باطل میں امتیاز پیدا ہو کر رہا۔ آفتاب صداقت کے طلوع سے کذب و افترا کی تاریکیاں دور ہو کر رہیں۔ حیات مسیح علیہ السلام پر مولانا ابوالقاسم محمد حسین کے دلائل کا کوئی معقول جواب میرزائی مناظر محمد سلیم نہ دے سکا۔ اجراء نبوت پر ملک عبدالرحمن خادم مدعی تھا۔ اسلامی مناظر مولانا ابوسعید محمد شفیع نے اس کے دلائل کے پرچے اڑادیئے۔ مورخہ 19 ستمبر بعد دوپہر ختم نبوت پر مولانا ابوالقاسم کے ساتھ محمد سلیم کا مناظرہ ہوا۔ مرزائی مناظر نے خلط مبحث اور خلاف ورزی شرائط سے کام لینا چاہا۔ مرزائی صدر ملک عبدالرحمن خادم فحش کلامی پر اتر آیا۔ اس نے معزز حاضرین کو غلیظ اور گندی گالیاں دیں۔ ملک عباس خان ہیڈ کانسٹیبل پولیس نے مداخلت کر کے امن قائم کر دیا۔ ورنہ لوگوں کا مشتعل ہو جانا یقینی تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل صاحب نے ملک عبدالرحمن کو شرافت اور انسانیت کا واسطہ دیا اور اسے بدزبانی سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔

مورخہ 20 ستمبر کو صبح 9 بجے دعاوی میرزا پر مولانا ابوالقاسم کے ساتھ ملک عبدالرحمن کا مناظرہ ہوا۔ اس میں مرزائی مناظر کو شرمناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مرزائی مولوی فاضلوں کی علمیت بے نقاب ہو گئی۔ مولانا ابوالقاسم نے مرزا غلام احمد کی کتاب سے انا ہلکو یعلھا پڑھا۔ محمد سلیم وغیرہ نے شور مچایا کہ لام کو ملسور پڑھنا جائز نہیں۔ ان پر ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس جگہ لیلھا جائز ثابت کر دیں۔ مرزائی یہ سن کر مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ خادم میرزائی قرآن مجید کی آیات صحیح نہ پڑھ سکا۔ اس مناظرہ نے مرزائیوں کا رہا سہا وقار خاک میں ملا دیا۔
الحمد للہ کہ نواح سلا نوالی میں مرزائیت کا خاتمہ ہو گیا اور ان کی ترقی کی رفتار رک گئی۔

چھٹا معرکہ سرگودھا

سلا نوالی میں مجاہدین اسلام نے مرزائیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی نہایت سعی و اہتمام سے کی۔ مورخہ 21 ستمبر 1932ء کی صبح کو مرزائی مبلغین ریلوے اسٹیشن پر پہنچے اور سرگودھا کانٹکٹ خرید کر ٹرین پر سوار ہو گئے۔ مجاہدین اسلام بھی اسی ٹرین پر سرگودھا کے ٹکٹ خرید کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہر اسٹیشن پر مرزائیوں کی نگرانی کی گئی۔ سرگودھا کے ریلوے اسٹیشن پر مرزائیوں نے اپنا سامان اتارا۔ مجاہدین اسلام بھی پلیٹ فارم پر گاڑی کی روانگی کا

انتظام کرتے رہے۔ گاڑی کے وصل دینے پر مجاہدین اسلام پلیٹ فارم سے باہر چلے گئے۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ مرزائی مولوی میدان خالی دیکھ کر دوڑ کر گاڑی کے پائیدانوں پر کھڑے ہو گئے۔ ان کا سامان ریلوے پلیٹ فارم سرگودھا پر پڑا رہا۔ مجاہدین اسلام نے بعد حسرت ویاس اس منظر کو دیکھا اور کف افسوس ملتے ہوئے شہر سرگودھا کی جامع مسجد میں ڈیرہ لگا دیا۔

سرگودھا سے مرزائی چک نمبر 9 شمالی تحصیل بھلوال میں گئے اور وہاں مرزائیت کی علی الاعلان تبلیغ کی۔ عبدالرحمن خادم قادیان چلا گیا اور بقایا قافلہ مورخہ 23 ستمبر کو واپس سرگودھا میں وارد ہوا۔ سرگودھا میں ان کے جلسہ کا اعلان بذریعہ اشتہارات ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کی واپسی ضروری تھی۔ 22-23-24-25 تاریخوں میں روزانہ کول چوک میں مسلمانوں کے شاندار جلسے منعقد ہوتے رہے۔ مرزائی مبلغین کو کھلے میدان میں جلسہ منعقد کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ان کے جلسوں میں حاضرین کی تعداد 20-50 سے زیادہ نہ ہو سکی۔ جماعت اسلامیہ سرگودھا نے انہیں مناظرہ کا چیلنج دیا مگر مرزائیوں نے تقریری مناظرہ سے صاف انکار کر دیا۔

انہوں نے نقض امن کا اندیشہ بھی ظاہر کیا۔ اہل اسلام کی طرف سے حافظ محمد سعید صاحب مستند مدرسہ ضیاء دہلی نے پانچ ہزار روپیہ کی نقد ضمانت پیش کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر مرزائیوں نے فرار ہی میں اپنی بہتری سمجھی۔ مرزائی جانتے تھے کہ سرگودھا کی تعلیم یافتہ پبلک میں مناظرہ کے بعد ان کا تمام اثر و اقتدار زائل ہو جائے گا۔ اس لیے انہیں مناظرہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ علمائے اسلام کی تقریروں نے مسلمانان سرگودھا میں بیداری کی حیرت انگیز روح چھونک دی اور سینکڑوں مذہب راہ راست پر آ گئے۔ الحمد لله علیٰ ذلک

مورخہ 25 ستمبر کو صبح نو بجے سے بارہ بجے تک کمپنی باغ سرگودھا میں شاندار جشن فتح منایا گیا جس میں شرفاء و معززین کی کثیر تعداد موجود تھی۔ مولانا ابوالقاسم محمد حسین کی حیات مسیح علیہ السلام کے اثبات میں معرکہ الاراء تقریر ہوئی۔ خاکسار نے تمام خط و کتابت کا خلاصہ سنا کر لوگوں سے فیصلہ طلب کیا۔ تمام حاضرین نے مرزائیوں کے واضح فرار اور ان کے مفسد و دجال ہونے کا اقرار کیا۔ مرزائیت مردہ باد، اسلام زندہ باد اور اللہ اکبر کے پر جوش نعروں کے درمیان جلسہ درخواست ہوا۔

پانچواں خط

بخدمت جناب سیکرٹری انجمن احمدیہ سرگودھا۔

السلام علی من اتبع الهدی؛ اپریل 1931ء میں مولوی محمد اسماعیل صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان

نے میرے ساتھ تحریری مناظرہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اخبار فاروق قادیان کے مدیر کو رسالہ شمس الاسلام بھیرہ میں مطبوعہ مضامین کے جواب لکھنے پر آمادہ کرنے کا ذمہ لیا تھا۔ چنانچہ آٹھ ماہ رسالہ مولوی صاحب مذکور کے نام جاری بھی رہا مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ بعد ازاں للیانی کے ایک مرزائی پٹواری نے بھی اخبار فاروق کے مدیر کو اس پر آمادہ کرنے کا ذمہ لیا۔ مگر صدائے برنخو است۔ بھیرہ میں بھی آپ کے مولویوں خصوصاً مولوی مبارک احمد صاحب کو تحریری مناظرہ کا چیلنج دیا گیا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کی تحریر یہاں میرے پاس موجود ہے۔ تعجب ہے کہ اب آپ پھر تحریری مناظرہ پر اصرار کر رہے ہیں۔ پہلے اپنے مولویوں سے مشورہ کر لیں جو صورت میں نے عرض کی ہے وہ فیصلہ کن ہے۔ اس وقت صرف تقریری مناظرہ ہو جائے۔ سرگودھا کی پبلک حق و باطل کا فیصلہ کر لے گی۔ بعد ازاں آپ اخبار فاروق یا الفضل کے مدیر کو تحریری مناظرہ پر آمادہ کر کے اطلاع دیں۔ آپ کے مضامین رسالہ شمس الاسلام میں بلا معاوضہ شائع ہوا کریں گے۔ بشرطیکہ ان مضامین کے جوابات آپ کی جماعت کا کوئی اخبار مکمل شائع کرنے کا ذمہ لے۔ پرچوں کی تعداد مقرر کر لیں اور اگر آپ چاہیں تو جلسہ کر کے پبلک میں وہ مضامین سناے بھی جا سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے کثیر التعداد قارئین فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ تحقیق حق کا نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نہ تحریری مناظرہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ تقریری۔

وما علینا الا البلاغ
ظہور احمد بگویی۔ مدیر شمس الاسلام بھیرہ

ساتواں معرکہ چک نمبر 37 جنوبی

ہماری آخری تحریر کا جواب دیئے بغیر مرزائی مبلغین مورخہ 25 ستمبر کی شام کو سرگودھا سے بذریعہ موٹر لاری روانہ ہو گئے۔ مجاہدین اسلام کا قافلہ بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ مرزائیوں نے چک نمبر 37 جنوبی میں جا کر قیام کیا اور وہاں اپنے تبلیغی جلسہ کا اعلان کر دیا۔ 26 ستمبر کو مجاہدین اسلام کے ورود سے مسلمانان چک کے حوصلے بڑھ گئے اور مرزائیوں کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ باشندگان وہ نے مجاہدین اسلام سے مشورہ کیے بغیر مرزائیوں کی نامنصفانہ شرائط منظور کر کے مناظرہ کا فیصلہ کر لیا۔ مرزائیوں نے سادہ لوح مسلمانوں سے اپنی حسب منشا شرطیں طے کرائیں۔ مولوی لال حسین صاحب اختر سابق مبلغ جماعت مرزائیہ لاہور اور مولوی احمد دین صاحب

گکھڑوی بھی مسلمان علاقہ کی درخواست پر پہنچ گئے۔ اور اسلامی کیمپ میں تازہ مکہ سے مرزائیوں کے رہے سے حوصلے بھی جاتے رہے۔ مگر دیہات کی سادہ لوح آبادی اور حاضرین تعلیم یافتہ کی عدم موجودگی سے ان کی ڈھارس بندھی رہی۔ حیرت ہے کہ سرگودھا جیسے تعلیم یافتہ شہر میں ان کی زبانیں گونگی رہیں مگر دیہات میں تقریری مناظرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مرزائی جانتے تھے کہ طبقہ جہلا میں ان کی ذلت و رسوائی پوری طرح آشکارا نہ ہوگی۔

کیفیت مناظرہ

مورخہ 27 ستمبر 1932ء بعد نماز ظہر 3 بجے حیات مسیح علیہ السلام پر مولانا ابوالقاسم کا مولوی محمد سلیم قادیانی سے مناظرہ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے حدیث معراج مسند امام احمد کے حوالے سے پیش کی گئی۔ اس حدیث کا کوئی جواب نہ دے سکنے پر محمد سلیم نے کہا کہ یہ روایت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس لیے غیر معتبر ہے۔ عبداللہ بن مسعود غیر معتبر اور جھوٹا اور مفتری تھا۔ نعوذ باللہ من ہذا الہفوات، مسلمانوں کے تمام مجمع میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ رسول اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابی کی شان میں یہ گستاخی مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ مگر افسوس کہ شرائط کے مطابق میرزائی صدر نے اپنے مناظر کو اس دریدہ دہنی سے نہ روکا۔ مسلمانوں کے قلوب مجروح ہو گئے۔ آج تک کسی شیعہ کو بھی ایسی تبر ابازی کی مجمع عام میں ہمت نہیں ہوئی۔ اہل سنت والجماعت کے فیصلے کے مطابق صحابہ تمام جرح وغیرہ سے پاک و بری اور راوی ہونے کے لحاظ سے ثقہ اور عادل ہیں۔ صحابہ پر جرح وغیرہ کر کے دراصل مرزائیوں نے تمام احادیث کا انکار کر دیا۔

مورخہ 28 ستمبر 1932ء صبح نو بجے سے بارہ بجے تک مولوی احمد دین صاحب گکھڑوی کے ساتھ مولوی نذیر ملتانی کا اجرا نبوت پر مناظرہ ہوا۔ مولوی احمد دین صاحب کے ظرافت آمیز طرز بیان سے لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ مولوی صاحب نے مرزائیوں کے دلائل کا نہایت عمدگی سے رد کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ مرزائیوں نے دوسرے وقت میں ختم نبوت پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔

بعد دوپہر 3 بجے مولانا لال حسین اختر کا محمد سلیم قادیانی کے ساتھ دعاوی مرزا پر زبردست مناظرہ ہوا۔ قادیانی مناظر اختر صاحب کے 36 اعتراضات کا آخر وقت تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

مرزائیوں کی اس شاندار ہزیمت کا تمام علاقہ پر نہایت اچھا اثر ہوا۔ کئی مذہب تاب ہو گئے۔ بعد نماز عصر مسجد میں جشنِ فتح منایا گیا۔

خاکسار اور مولوی لال حسین صاحب کی مرزائیت شکن تقریریں ہوئیں۔ رات کو بھی مولوی عبدالرحمن

صاحب میانوی کا وعظ ہوا۔ ان تقریروں نے مرزائیت کے زہریلے جراثیم کے لیے تریاق کا کام کیا۔ رات کے وقت شیخ محمد دین صاحب رئیس سرگودھا نے مرزائیوں کے پاس جا کر انہیں سرگودھا کی دعوت دی۔ شیخ صاحب نے کہا کہ سرگودھا میں ایک ایسے مناظرہ کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہاں کے لوگ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں۔ شیخ صاحب نے مبلغ ایک سو روپیہ قادیانی مناظرین کو بطور سفر خرچ دینا قبول کر لیا۔ مگر مرزائیوں نے سرگودھا میں مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور اسلامی مناظرین کو قادیان میں مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ خاکسار نے یہ دعوت ان کی قبول کر لی اور شرائط و تاریخ کا فیصلہ کرنا چاہا مگر محمد سلیم نے آئیں بائیں شائیں میں ٹال دیا اور کہا کہ اپنے خلیفہ کی منظوری کے بغیر ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

آٹھواں معرکہ مڈھ رانجھا

مرزائیوں کی طرف سے مورخہ 29، 30 ستمبر کی تاریخوں میں بمقام چھنی رہاں جلسہ کرنے کا اعلان مطبوعہ اشتہاروں کے ذریعہ ہو چکا تھا۔ مگر اسلامی مجاہدین کی ہیبت ان کے دلوں پر ایسی مستولی ہوئی کہ جلسے کا پروگرام منسوخ کر کے واپس سرگودھا کی طرف چل دیئے۔ مورخہ 29 ستمبر کی صبح کو ان کی مونر سرگودھا کی سڑک پر جاتے ہوئے دیکھ کر مجاہدین اسلام حیران رہ گئے۔ بالآخر مجاہدین اسلام بھی موٹر میں سوار ہو کر ان کے تعاقب میں سرگودھا پہنچے۔ سرگودھا میں مرزائی مبلغین غائب ہو گئے۔ محمد سلیم صاحب اسی روز قادیان چلے گئے اور محمد نذیر احمد خاں، عبداللہ اعجاز وغیرہ دوسرے روز مڈھ رانجھا کی طرف روانہ ہو گئے۔

مولانا بگویی کے وارنٹ گرفتاری:

حزب الانصار کی پئے در پئے فتوحات اور مرزائیوں کی متواتر ہزیمتوں سے مرزائیوں کے گھروں میں سرگودھا سے قادیان تک صف ماتم بچھ گئی۔ دلائل سے غلبہ نہ پا کر مرزائی اوچھے اور کمینہ ہتھیاروں پر اتر آئے۔ مرزائیوں نے سرگودھا کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس جا کر شکایت کی۔ خلیفہ محمود نے اپنی وفاداری کا راگ گاکرا اور جہاد حرام قرار دینے کی اجرت طلب کر کے گورنمنٹ سے مدد مانگی۔ ایک ماہ کے دورہ میں کسی جگہ مرزائیوں کا بال تک بیکانہ ہوا۔ مگر مڈھ رانجھا میں نقص امن کا اندیشہ ظاہر کر کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ضروری کارروائی کرنے پر مجبور کیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے سب انسپکٹر پولیس متعینہ تھانہ مڈھ کو خاکسار کی گرفتاری کے لیے احکام بھیج دیئے۔ مورخہ

30 ستمبر بعد نماز ظہر سرگودھا سے موٹر پر سوار ہو کر قریباً 30 میل کا سفر کر کے عصر کے وقت مڈھ رانجھا میں مجاہدین اسلام کا ورود ہوا۔ مرزائیوں کے کیمپ میں کھلبلی پڑ گئی۔ لوگ خاکسار کی گرفتاری کے منتظر تھے۔ مسلمانوں کے چہروں پر خوف و ہراس نمایاں تھا۔

تائید غیبی کا ظہور

سب انسپلٹ صاحب پولیس کے پاس جو حکم پہنچا تھا اس میں یہ الفاظ لکھے تھے کہ ظہور احمد جو احمدی ہے اس کو مڈھ رانجھا پہنچتے ہی گرفتار کر لیا جائے چونکہ موجودہ زمانے میں مرزائی فرقہ احمدی کہلاتا ہے۔ اس لیے پولیس کو مرزائیوں کے کیمپ میں ظہور احمد کی تلاش رہی۔ کوئی ظہور احمد احمدی وہاں نہ پہنچا۔ اس لیے پولیس اس کی تلاش میں ناکام رہی۔ مرزائی اپنی کوششوں میں ناکام رہے اور خادم اسلام کی توہین کا نظارہ دیکھنے کی حسرت ان کے دل میں ہی رہی اور قرآن کریم کی پیشگوئی پوری ہو کر رہی۔

مڈھ رانجھا میں مرزائیت کا استیصال

مورخہ کیم اکتوبر کو بعد نماز ظہر کھلے میدان میں شاندار اسلامی جلسہ منعقد ہوا۔ مولوی عبدالرحمن میانوی، ابوالقاسم مولانا محمد حسین و مولانا محمد شفیع کی زبردست معرکہ آراء تقریروں نے مرزائیت کی بیخ کنی کر دی۔ رات کو بھی جلسہ ہوا۔ مذہ کے ذمہ دار حضرات نے حفظ امن کا ذمہ لے کر مرزائیوں کو مناظرہ کی دعوت دی۔ انہیں ہر طرح اطمینان دلایا گیا۔ ان کی پیش کردہ شرائط بھی تسلیم کر لی گئیں۔ مگر مرزائیوں کو مناظرہ کا نام لینے کا بھی حوصلہ نہ ہوا۔

معرکہ نہم۔ کوٹ مومن

بھلوال میں سنا گیا کہ مرزائی مبلغین کوٹ مومن میں پہنچنے والے ہیں۔ خاکسار مع مولوی عبدالرحمن صاحب تانگہ پر سوار ہو کر کوٹ مومن پہنچا۔ ہمارے جانے کے ایک گھنٹہ بعد مولوی محمد نذیر وغیرہ مرزائی مبلغین وہاں پہنچے۔ خاکسار کے ورود کا ذکر سن کر فوراً قبضہ سے باہر نکل کر اڑے پر جا پہنچے۔ سب اسٹنٹ سرجن صاحب انچارج شفا خانہ کوٹ مومن و دیگر حضرات نے انہیں قیام کرنے اور تقریر کرنے کی دعوت دی مگر مرزائیوں نے وہاں قیام کرنا گوارا نہ کیا۔ فوراً تانگہ پر سوار ہو کر بھلوال کی طرف چل دیئے۔

مورخہ 4 اکتوبر 32ء کوٹ مومن میں بعد نماز ظہر جامع مسجد میں خاکسار نے مدلل تقریر کی۔ مولوی عبدالرحمن صاحب میانوی نے بھی وعظ فرمایا۔ مسلمانان کوٹ مومن پر مرزائیوں کے واضح فرار کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

دسواں معرکہ۔ چک 9 شمالی

بھلوال سے مرزائی مبلغین ریلوے ٹرین پر سوار ہو کر کسی نامعلوم مقام کی طرف چل دیئے۔ خاکسار بھی سوامہینہ کی غیر حاضری کے بعد بھیرہ پہنچا۔ بھیرہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ چک نمبر 9 میں مرزائیت ترقی پذیر ہے۔ سرگودھا میں مجاہدین اسلام کو دھوکہ دے کر مرزائی مورخہ 22 ستمبر 1932ء کو چک نمبر 9 میں پہنچے تھے۔ ان کی تبلیغ سے چار اشخاص میرزائی مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ خبر سن کر خاکسار بھیرہ سے روانہ ہو کر 8 اکتوبر کو وہاں پہنچا۔ دو روز متواتر تقریریں ہوئیں۔ مرزائیوں کا ایک مبلغ وہاں رہتا ہے۔ اس نے بیماری کا بہانہ بنا کر گھر سے باہر نکلنا گوارا نہ کیا۔ الحمد للہ چاروں اشخاص نے مرزائیت سے توبہ کی اور کئی مذہب راہ راست پر آ گئے۔ اور مرزائیوں کا اثر اس علاقے سے جاتا رہا۔

ضلع شاہ پور (سرگودھا) میں مرزائیت کا استیصال

الحمد للہ۔ حزب الانصار کے عاجز اور در ماندہ کارکنوں کی مساعی جمیلہ بار آور ثابت ہوئیں اور ضلع بھر میں مرزائیوں کے اس بے نظیر تعاقب نے مرزائیوں کے حوصلے پست کر دیے ہیں۔ حزب الانصار کے اس قابل فخر کارنامہ اور تاریخی حیثیت رکھنے والے اقدام عمل پر تمام ملک میں مسرت کا اظہار کیا گیا۔ اخبارات نے اطلاعات و نہایت فراخ دلی سے شائع کیا۔ سینکڑوں خطوط مبارک باد کے موصول ہوئے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ ریاست بہاول پور کا حسب ذیل نوازش نامہ موصول ہوا:

از بہاول پور، مہر منزل، محلہ گنج

30 ستمبر 1932ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی!

اس کار از تو آید، مردان چنیں کنند

آپ کی مساعی جمیلہ جو طائفہ طاغیہ قادیانی کے برخلاف آپ نے مبذول فرمائی ہیں، اخباروں میں پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ بالخصوص جو تعاقب جناب نے اس جماعت کا کیا اور کہیں بھی اطمینان سے بیٹھنے نہ دیا۔

یہ کام اپنی نظیر آپ ہے۔ اس قسم کی کوششیں ہی اس جماعت کو نچا دکھا سکتی ہیں۔ الحمد للہ اس کامیابی پر میں جناب کو دلی مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ قبول فرما کر تشکر فرمائیں۔ والسلام۔

غلام محمد گھوٹوی۔ حال ساکن بہاول پور

اس قسم کے خطوط علمائے کرام و رؤسائے عظام کی طرف سے موصول ہوئے۔ ضلع شاہ پور سے فارغ ہونے کے بعد حزب الانصار کے کارکنوں نے ضلع سے باہر فتنہ مرزائیت کے انسداد کے لیے کام کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ بیسیوں مقامات پر تبلیغ کی گئی اور کئی مناظرے بھی ہوئے۔

(بحوالہ برق آسمانی مصنفہ مولانا ظہور احمد گوی)

379 (ب۔ ی۔)

علم اور دین

چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی
 نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریک نسیم
 وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں
 تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!
 اقبال

مجلس احرار اسلام کے ساتھ اشتراک عمل

اقدار مشترک:

مولانا ظہور احمد جگونی ملت اسلامیہ کے ان مایہ ناز سپہ سالاروں میں سے ہیں جن کی زندگی کی ہر صبح اسوہ منی سر بندگی اور کامرانی کے لیے پر عزم اور بہ شام مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی، تعلیمی و روزیتی زبوں جان پر فخر مند رہی ہوئی۔ جن کے دم قدم سے کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ اپنی ذات میں دو ایک انجمن بکدہ بستن تھے، ایک یہ انجمن جوہر نوع کے پھولوں کے لیے کشادہ دامن تھا۔ مور: نا جس مقب فکر کے پرچارک اور جس رو پر صدقوں کو سے ہار بند تھے وہ ان کا مسک اعتدال و اصلاح اور اتحاد دین مسکین تھا۔ وہ دین کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت سے متعلق ہر تحریک، ہر دعوت اور ہر تنظیم کے ساتھ تھے۔ مجلس احرار، سورم کے سر فریوشوں اور مسلمانوں کے جانوروں کا گروہ تھا۔ دسمبر 1929ء میں مجلس احرار اسوہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ مور: نا کے تعلق کی تاریخ بوجہ و تاریخ پرانی اور ہمہ جہت ہے۔

- | | |
|-----------------------------------|-----------------------|
| 1- انگریزوں سے نفرت | 2- ہندوستان کی آزادی |
| 3- اسوہ منی حفاظت | 4- مسلمانوں کی خدمت |
| 5- قادیانیت کا سدباب | 6- خا کساریت کا تدارک |
| 7- مسک اعتدال اور اتحاد دین مسکین | |

ذاتی اور ذاتی تعلق:

مجلس احرار کے درج ذیل زعماء اور ممبروں کے ساتھ مور: نا جگونی کے نہ صرف ذاتی اور تعلق رہے تھے بلکہ ذاتی نوعیت کے تعلق بھی تھے۔

- | | |
|---|--|
| 1- امیر شریعت مور: نا سید عطاء اللہ شاہ بخاری | 2- مور: نا حبیب الرحمن مدھیہ جگونی |
| 3- مور: نا خادم غوث ہزاروی | 4- مور: نا صاحبزادہ سید فتح الرحمن شاہ دوموہ شاہ |
| 5- مور: نا قاضی احسان احمد شجاع آبادی | 6- مور: نا عبد الرحمن میاں جگونی |
| 7- مور: نا محمد علی جاندھری | 8- مور: نا حسین جگونی |

- 9۔ حکیم مولانا چین بی احمد خوشاب
 10۔ جناب میاں قمر الدین مرحوم رئیس اچھرہ و سرپرست
 11۔ شیخ حسام الدین

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ایک قلیل مدت کے لیے مجلس حزب الانصار کی جانب سے بنگال میں مبلغ مقرر ہوئے تھے۔ البتہ مولانا عبدالرحمن میانوی ایک طویل عرصہ تک حزب الانصار کے مبلغ اور اس کی مجلس عامہ کے رکن اور اراکین و عہدہ ریزیہ میں مدرس بھی رہے۔ درج بالا علماء فتنہ قادیانیت کے استیصال، عقیدہ ختم نبوت کی حیانت اور دیگر موضوعات پر تقاریر کے لیے مجلس حزب الانصار بھیرہ کے سالانہ اجتماعات میں باقاعدگی سے اور تبلیغی دوروں یا خصوصی اجلاسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ حزب الانصار اور مجلس احرار اسلام کا یہ تعاون علی الخیر، جیسا کہ پٹے بیان ہوا، دین کے ہر کام میں اور مسلمانوں کے ہر محاذ پر برابر جاری رہا۔

آئینہ تعاون

مجلس احرار اسلام کے سالانہ اور خصوصی اجتماعات کے علاوہ اس کی ریلیوں اور پوٹیکل کانفرنسیوں میں مولانا ہون بھون مندوب، جم سفا اور رفیق شامل ہوتے رہے ہیں۔ کادوان احرار مصنفہ جناب جانبا مرزا کے بارے میں شہادت میں اور قیون کے چند حوالے درج ذیل ہیں:

قادیان احرار تبلیغ کانفرنس جو 21 تا 23 اکتوبر 1934ء کو برصغیر میں پہلی بار قادیان ضلع گورداسپور میں منعقد ہوئی۔ مدیر عام کے ساتھ مولانا ظہور احمد بگوی بھی کانفرنس میں شریک تھے۔ اس موقع پر دو نہایت اہم تقریریں منظر پر آئیں۔

1۔ تمام مسزایوں و مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔

2۔ چواتر کی ظفر اللہ خان کی وائسہ آئی کی مجلس منتظمہ میں نامزدگی پر احتجاج۔

3۔ قادیان احرار کے محراب مولانا حسین احمد مدنی اور تائید کنندگان میں مولانا ظہور احمد بگوی کا نام شامل ہے۔

(ص 88۔ بحوالہ زمیندار لاہور 24 اکتوبر 1934ء)

ال انڈیا احرار کانفرنس پشاور: منعقدہ 7 تا 9 اپریل 1939ء۔ سرگودھا کے مندوبین میں مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا عبدالرحمن میانوی شامل تھے۔ کانفرنس کے بارے میں مولانا قاضی احمد بگوی کے بیان میں لکھتے ہیں:

ان احرار کانفرنس منعقدہ پشاور میں جب مولانا مرحوم نے خاکسار تحریک کے متعلق ایک شاندار

اور اثر میں ڈوبی ہوئی تقریر فرمائی جس کے سننے والوں میں راقم الحروف بھی شامل تھا تو مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور دوسرے شعلہ بیان مقررین مولانا کے ہر فقرہ پر جھوم جھوم کر داد دیتے تھے۔ (شمس الاسلام، مئی 1945 ص 34)

حزب الانصار بہیرہ کا چھٹا سالانہ جلسہ: منعقدہ 17 تا 19 جنوری 1936ء۔

زیر صدارت حضرت مولانا ظہور احمد گبوی، مجلس احرار اسلام ہند کی حمایت اور اعانت میں درج ذیل قرارداد پاس ہوئی:-

”یہ عظیم الشان اجتماع حکومت پنجاب کی کھلی ہوئی مرزائیت نواز پالیسی کو سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہوا اس کی شدید مذمت کرتا ہے۔ جس کی رو سے اس نے احرار تبلیغ کانفرنس پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ اور باوجود دفعہ 144 اٹھالینے کے اب تک مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا محمد قاسم شاہ جہان پوری اور ان کے دیگر رفقاء کو مجبوس کر رکھا ہے۔ یہ عظیم جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تبلیغ کانفرنس قادیان سے پابندی ہٹا کر مسلمانان ہند کے اضطراب کو دور کرے اور اسیران احرار کو فوراً رہا کر کے مسلمانوں کو مطمئن کرے۔“

(شمس الاسلام، فروری 1936، ص 56)

قرارداد حزب الانصار بہیرہ بر موقع پانچواں سالانہ جلسہ

منعقدہ 30 نومبر، کیم 2 دسمبر 1934ء

☆ یہ عظیم الشان سالانہ اجتماع احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کی پاس کردہ جملہ تجاویز کے ساتھ قابل اتفاق ہوا۔ اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود کے اشتعال انگیز خطبات اور میرزائیوں کے تمام دل آزار لٹریچر کو ضبط کر کے ملک کے امن و امان کی بقا کے لیے مرزا محمود کے خلاف فوری مناسب کارروائی کرے۔

☆ اس لفواہ پر کہ حکومت پنجاب احرار کے کارکنوں کو تبلیغ کانفرنس قادیان میں تقریر کرنے کی بنا پر گرفتار کرنے والی ہے، سخت رنج و اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ حکومت نے اس ایسا ارادہ کر لیا ہے تو اس کو مسلمانوں کے اضطراب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت سے نا عاقبت اندیش ارکان پر عائد ہوگی۔

(شمس الاسلام، جنوری 1935، ص 30)

احرار کا وفدِ حجاز

سعودی - برطانوی معاہدہ:

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیانی وقفے میں یورپ کی استبدادی طاقتوں نے مستقبل کی پیش بندی کے لیے جن سیاسی، اقتصادی اور سماجی محاذوں پر پیش قدمی جاری رکھی، ان کا سب سے بڑا نشانہ مسلم ممالک تھے۔ خلافت عثمانیہ ختم ہو چکی تھی مگر ترک قوم اپنے عسکری جذبوں کے ساتھ قائم تھی۔ عرب بٹ چکے تھے مگر ان کے اندر اسلام موجود تھا۔ برطانیہ نے 23 دسمبر 1934ء کو حجاز کے ساتھ ہر قسم کی معدنیات تلاش کرنے کا معاہدہ کیا جسے عبدالعزیز بن سعود ملک حجاز نے 14 فروری 1935ء کو رسمی منظوری دے دی۔ یہ معاہدہ 58 برس کے لیے تھا۔ اس کی خبر پہلی بار روزنامہ ”انقلاب“ لاہور میں مورخہ یکم اگست 1935ء کو شائع ہوئی۔

رد عمل:

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں برطانیہ عالم اسلام کا سب سے بڑا استبدادی غاصب، وسیع خطہ ارض پر قابض اور مکار دشمن تھا جس کے زیر تسلط کروڑوں کلمہ گو مسلمان تھے۔ برطانیہ کو سعودی عرب میں اقتصادی اور تجارتی اجارہ داری ایک طرف حرمین کی بے حرمتی اور سعودی مملکت میں مداخلت کی دعوت تھی اور دوسری طرف عالم اسلام خصوصاً برصغیر کے محکوم مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کہ ان کے دشمن کو مراعات سے نوازا جا رہا تھا۔ تیل اور معدنیات کی تلاش کا کام تو یورپ کی غیر استبدادی اقوام سے بھی لیا جاسکتا تھا مگر سعودی حکومت، برطانیہ کی طویل المیعاد پالیسی اور آنے والی جنگ کے لیے ڈپلومیٹک اور سٹریٹجیک تیاریوں کو نہ بھانپ سکی اور انگریزوں کے جال میں آگئی۔

سعودی حکومت کے اس رویے کے خلاف سب سے پہلی اجتماعی آواز بھیرہ سے سنائی دیتی ہے۔

یوم حجاز:

مجلس احرار کے صدر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی اپیل پر 20 دسمبر 1935ء کو پورے ملک میں یوم حجاز منایا گیا۔ مسلمانوں نے ان ٹھیکوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جو حکومت سعودیہ نے غیر ملکی (اور غیر مسلم) کمپنیوں کو حجاز میں کان کنی کے لیے دیئے تھے۔ (کاروان احرار جلد دوم ص 302)

جزیرۃ العرب پنچہ استعمار میں:

مسلمانوں کے دو مقدس ترین مقامات یعنی حرمین الشریفین جزیرۃ العرب حجاز میں واقع ہیں۔ وہاں کوئی بھی خاندان حکمران ہو، جیسا بھی نظام مملکت رائج ہو دنیا بھر کے مسلمان اس خطے اور ان شہروں کی سلامتی و استحکام اور فلاح و بہبود سے نچنت نہیں رہ سکتے۔ عربوں اور جزیرۃ العرب سے محبت کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ جب ان کے خلاف کوئی کارروائی ہو تو دنیا بھر کے مسلمان ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتے ہیں۔ اور جب ان کے ہاتھوں اسلام دشمن طاقتوں کو مدد ملے اور اہل اسلام ان کی حمایت و نصرت سے محروم ہوں تو پوری شدت سے مسلمان اپنے عرب بھائیوں سے گلوہ شکوہ کریں۔ چنانچہ، ”جزیرۃ العرب پنچہ استعمار میں“ کے عنوان سے مولانا نذیر الحق میرٹھی رکن ادارہ شمس الاسلام، شمارہ نومبر دسمبر 1935ء (ص 35-36) میں لکھتے ہیں:

”مسلمانان عالم ابھی شریف حسین کی غداریوں اور اسلام فروشوں کے ماتم ہی سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ سلطان ابن سعود کی بے تدبیری، ناعاقبت اندیشی اور نصاریٰ پرستی نے اسلامی اقدار، یثربی شان اور مرکز وحدت کی کمرہی توڑ کر رکھ دی اور اپنی ہوش مندی کا جنازہ نکال کر مسلمانوں کو ایک اور ماتم کے لیے وقف کر دیا..... تفصیل ان اجمال کی یوں ہے کہ سلطان ابن سعود نے حال ہی میں اپنی ان بوجھی اور ان سمجھی مصلحتوں کی بنا پر ایک انگریز کمپنی کے ساتھ معاہدہ کیا ہے اور اسے اجارہ و اختیار دیا ہے کہ وہ مملکت سعودیہ میں معدنیات کی تلاش اور معدنی دولت نکالنے کا انتظام و اہتمام کرے۔ انہوں نے برطانوی مشیروں پر اعتماد کر کے حجاز میں غیر ملکی نفوذ و اقتدار کا دروازہ کھول دیا ہے۔“

مجلس حزب الانصار بھیرہ کی قرارداد:

17 تا 19 جنوری 1936ء کو چھٹی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دور دراز سے عوام بڑی بھاری تعداد

میں شامل ہوئے اور سوادرجن علماء و مشائخ کوسنا۔ حضرت مولانا بگویی کی زیر صدارت آخری اجلاس میں متفقہ طور پر پاس شدہ قراردادوں میں پہلی اور اہم یہ تھی:

”مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا یہ عظیم الشان نمائندہ اجتماع حکومت سعودیہ اور انگریز کمپنی کے معاہدہ کان کنی کو سیاسی اور مذہبی لحاظ سے خطرناک سمجھتا ہوا اس کو جزیرۃ العرب پر برطانوی تصرف کا پیش خیمہ سمجھتا ہے۔ اور حکومت سعودیہ سے اسلام اور جزیرۃ العرب کی

خدمت و تقدیس کے نام پر اپیل کرتا ہے کہ وہ اس معاہدے کو منسوخ کرنے کی جدوجہد کرے۔ نیز یہ نمائندہ اجتماع حکومتِ برطانیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے جذبات اور اضطراب کے پیش نظر اس معاہدہ کو منسوخ کرانے میں حکومتِ سعودیہ کے لیے سہولت بہم پہنچا کر اس بات کا عملی ثبوت پیش کرے کہ حکومتِ برطانیہ جزیرۃ العرب پر قابض نہیں ہونا چاہتی۔“

(شمس الاسلام فروری 1936ء، ص 56)

جمعیت علمائے ہند کی قرارداد:

یوم تا 2 فروری 1936ء کو جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ مراد آباد نے ایک قرارداد پاس کی جس میں سعودی برطانوی معدنی معاہدے پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔

جمعیت تنظیم اہل حدیث پنجاب کی قرارداد:

”جمعیت تنظیم اہل حدیث پنجاب نے مولانا محمد اعلیٰ کی تحریک اور مولوی عطاء اللہ کوٹ کپورا کی تائید سے 5 فروری 1936ء کو امتناہی قرارداد منظور کی۔“

(بحوالہ کاروانِ احرار جلد 2، غلام نبی جانناز مرزا، ص 1-320)

تین مقتدر جماعتوں میں دو حنفی اور ایک اہل حدیث تھی مگر سب سے موثر، جامع اور غیر مبہم قرارداد مجلس حزب الانصار بھیہ کی ہے جس نے مذمت کے ساتھ تین شیخ معاہدہ کا مطالبہ کیا تھا۔

ملک حجاز کا اعلان:

برصغیر کے مسلم رہنماؤں نے سعودی۔ برطانوی معاہدے کے جن مضمرات کی نشاندہی کی تھی اور اس کی تین شیخ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس معاہدے کے خلاف ہندوستان بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ ملک کی تمام ذمہ دار سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں نے مجلس احرار کے ساتھ معاہدے کی منسوخی کی حمایت کی۔ سہ روزہ الجمعیت دہلی (مورخہ 16 فروری 1936ء) میں ملک حجاز کا یہ اعلان بزبان سید امین المدنی الحسینی سیاح ہند شائع ہوا۔

”ہمارا مقصد انسانیت اور قوانین شریعت کی ترویج ہے۔ ہمارے کسی فعل پر اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ بلا تکلف پیش کرے۔ ہم اس کے قول کا پورا احترام کرتے ہوئے غلطی کی اصلاح کی پوری کوشش کریں گے اور معترضین کو ہر طرح مطمئن کریں گے۔“ (بحوالہ کاروانِ احرار۔ جلد دوم، ص 332)

وفد حجاز:

سلطان عبدالعزیز بن سعود ملک حجاز کے اعلان سے پیشتر آل انڈیا مجلس احرار و رنگ کمیٹی نے اپنی گزشتہ قرارداد کے مطابق درج ذیل وفد حجاز تشکیل دیا:

- 1۔ مولانا محمد داؤد غزنوی قائد
- 2۔ مولانا ظہور احمد بگویی رکن
- 3۔ خان فقیرا خان ایم ایل اے رکن
- 4۔ مولانا مظہر علی اظہر سیکرٹری

مولانا غزنوی اور مولانا اظہر 8 فروری 1936ء کو ایک شاندار جلوس کے ساتھ لاہور سے کراچی کے لیے روانہ ہوئے۔ خان فقیرا خان ایم ایل اے کراچی سے ہمراہ ہوئے۔ یہ اصحاب 18 فروری کو -فینہ اکبر جہاز پر سوار ہوئے۔ مولانا بگویی مع اہل و عیال اور بہت سے اہالیان بھیرہ (جو آپ کی رفاقت کے پیش نظر ساتھ ہوئے) 13 فروری 1936ء کو بذریعہ اسلامی جہاز کراچی سے روانہ ہوئے۔ (شمس الاسلام، فروری 1936ء، ص 53)

وفد حجاز کے بارے میں:

چوہدری افضل حق نے 11 فروری 1936ء کو روزنامہ مجاہد لاہور میں وفد حجاز کے بارے میں لکھا:

”..... وفد احرار اس لیے جا رہا ہے کہ جلالتہ الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں فریب فرنگ سے آگاہ کرے۔ غلام آباد ہند کے مسلمان وفد سے بہتر کوئی استعمار مغرب کی پر پیچ چالوں کو کیا بیان کر سکتا ہے؟..... احرار کا وفد خدا کے بھروسہ پر جا رہا ہے جس سے دنیائے اسلام کو یکساں دلچسپی ہے..... معلوم ہوا ہے کہ حجاز میں ہمارے خلاف زہرا کھنے اور معاندانہ پراپیگنڈے کے وسیع انتظامات ہو رہے ہیں..... انگریز حکومت احرار کے وفد کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے وہ بغور معائنہ کر رہی ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے..... ہمارے وفد کے ساتھ سلطان خواہ برا سلوک بھی کرے تو بھی ہمیں ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیے..... آج اسلامی سلطنتوں کے تاجداروں کی حالت نیم غلام لوگوں کی سی ہے۔ سلطان ابن سعود کی حالت تو کچھ دیر سے غیر مسلموں کی ریشہ دوانیوں کے باعث بہت ناقابل رشک کر دی گئی ہے.....“ (بحوالہ کاروان احرار ص: 333-35)

مخالف سلفی وفد:

مجلس احرار کا وفد حجاز جس بحری جہاز میں سفر کر رہا تھا، اس میں ہندوستان کے اہل حدیث اصحاب پر مشتمل درج ذیل مخالف وفد بھی حجاز جا رہا تھا تا کہ سلطان ابن سعود کو سب اچھا کی رپورٹ دے۔

- (1) مولانا محمد اسماعیل غزنوی (قائد) (2) غلام حسین میر کاشمیری
 (3) مولانا عبدالقدیر پڑی اہل حدیث (4) صوفی عبدالعزیز (تنظیم اہل حدیث امرتسر)
 (5) حکیم مولوی محمد اشرف (پتوکی) (6) مولوی عبدالجبار اہل حدیث (کنڈیالہ)
 (7) مولوی عبدالحق (پتوکی ضلع لاہور) (ص 337)

ملک ابن سعود سے وفد احرار کی ملاقات:

23۔ رچ 1936ء کو سلطان عبدالعزیز نے وفد احرار کو شرف باریابی بخشا۔ جانبا زمرزا ”کاروان احرار“

(ن 2 ص 347) لکھتے ہیں:

”جیسے ہی احرار وفد وائے حجاز کے روبرو پیش ہوا، شاہ کے تیور بدل گئے اور وہ سب سے زیادہ مورخہ و ڈوڈ غزنوی پر ناراض ہوئے کہ وہ اس وفد کے ساتھ کیوں آئے ہیں۔ اس کے بعد سٹیشن نے فرمایا: میرا ملک زرخیز نہیں، ہمیں صرف حاجیوں کی آمدن پر زور بسر کرنی پڑتی ہے۔ اور حاجیوں کی تعداد برسوں غیر ملکی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کم ہوتی رہتی ہے۔ جس کی بنا پر میرا ملک میں مشکلات میں اچھا ہوا ہے۔ جب مجھے تحقیقات پر معلوم ہوا کہ میرے ملک میں خد کا دیہ ہونے کا نہ موجود ہے تو میں کیوں نہ اس سے استفادہ کروں اور اس طرح میرا ملک مالی مشکلات سے نجات حاصل کرنے۔ وائے حجاز سے اس گفتگو کے علاوہ اور کیا کیا باتیں ہوئیں، اس کی تحقیقات نہیں ہو سکی۔ تاہم مولانا منیر علی انصاری نے حجاز سے واپسی پر اس قدر بتایا کہ ہم نے شہد عہد عزیز بن سعود سے ملاقات کی اور عرب کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا جس سے حالات کا بہتر بین نقشہ فریقین کے ذہنوں میں آ گیا۔ اندر کی باتیں سمجھا اس انداز کی ہیں کہ ان کا خیبر من سب نہیں اور نہ ہی ان کا دستدور پیمانہ درست ہوگا۔ یمن آنے والا وقت بتائے گا کہ ہم نے خدشات درست تھے۔“

مدینہ منورہ میں مرزائیوں کا حشر:

مناسک حج سے فارغ ہو کر احرار کا وفد حجاز جب 20 مارچ 1936ء کو مدینہ منورہ پہنچا تو مدرسہ دارالحدیث میں ہندی اور مصری حجاج کا اجتماع ہو رہا تھا۔ وفد کی موجودگی میں لاکل پور کے ایک مرزائی نے سورہ والعصر کی مرزائیانہ تفسیر سنا کر انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا۔ مولاناظہور احمد بگویی نے اس موقع پر جس طرح مرزائیوں کی حقیقت بیان کی اور ان کے عقائد کا کچا چھٹا کھولا، وہ تفصیل ”قادیانیت کی تردید اور اس کے تعاقب میں“ میں بیان ہو چکی ہے۔ (بحوالہ شمس الاسلام ختم نبوة نمبر اپریل 1975ء ص 5-113)

شہید گنج کا ہنگامہ اور مجلس احرار

1929ء میں مجلس احرار اسلام غیر گروہی اور غیر نزاعی بنیادوں پر اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے قائم کی گئی تھی۔ اس میں ہر مکتبہ خیال کے سنی، شیعہ اور اہل حدیث عام و خاص مسلمان شامل تھے۔ گویا سیاسی نظریات میں مجلس احرار، نیشنل کانگریس اور جمعیت علماء ہند سے زیادہ دور نہ تھی تاہم مسلم حقوق کے بارے میں اس کا موقف مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ سے بھی مختلف نہ تھا۔ (مارشل لاء سے مارشل لاء تک ص 163) کشمیر ایچی ٹیشن کے دوران قادیانی کشمیر کمیٹی کی حقیقت واضح ہونے اور مسلم زعماء بشمول علامہ اقبال کے الگ ہو جانے کے بعد احرار نے کشمیر کمیٹی کے تحت کشمیر چلو کی تحریک منظم کی، جو مسلمانوں کے حقوق کی کامیاب بازیابی پر منتج ہوئی۔ مجلس احرار کا اصل ہدف قادیانیت کی تردید رہا ہے۔ چنانچہ قادیانی جماعت کے خلاف برصغیر میں رائے عامہ کو ہموار کرنے اور اہل علم کو اس عجمی سازش کا اصل چہرہ دکھانے میں مجلس احرار کے قائدین اور بے لوث کارکنوں کی زبردست قربانیاں اب تاریخ کا درخشاں حصہ ہیں۔

1934ء میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی اور 1935ء میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں احرار کی شرکت نے پیشہ ور سیاستدانوں اور مرزائی نواز لیڈروں اور سیکولر جماعتوں کے لیے اضطراب پیدا کر دیا۔ اس پس منظر میں مسجد شہید گنج کا قضیہ پیش آ گیا۔

پس منظر:

شہید گنج کے گوردوارے کے ساتھ ایک ہی احاطے میں ایک الگ عمارت تھی جسے گوردوارے کا گرنتھی اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ دسمبر 1934ء میں ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے اپنے فیصلے کے مطابق گوردوارہ اور مسجد کی عمارت کا قبضہ مارچ 1935ء میں گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کی مقامی شاخ کے حوالے کر دیا (ص 167)۔ 8 جولائی 1935ء کو سکھوں نے سرکاری سرپرستی میں رات کے وقت مسجد کو شہید کر دیا۔ 14 جولائی 1935ء کو موپتی دروازے کے باہر جلسہ عام میں مولانا ظفر علی خان نے حکومت اور احرار اسلام کے خلاف زبردست تقریر کی جس کے نتیجے میں مولانا ظفر علی خان، مولانا سید حبیب، ملک لال خان اور میاں فیروز الدین گرفتار ہو گئے۔ البتہ شہر لاہور میں خصوصاً اور صوبہ پنجاب میں عموماً فضا احرار اور اس کے قائدین کے خلاف ہو گئی جو قضیہ شہید گنج میں کوئی قائدانہ اور ذمہ دارانہ کردار ادا نہ کر سکے اور بے قابو تحریک خود مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی۔

احرار کے خلاف طوفان مخالفت:

مسلمانوں کی شکست خوردگی کا سب سے زیادہ منفی اثر احرار اسلام پر پڑا جس کے خلاف مخالفانہ پاپونڈے کا طوفان اہل پڑا۔ قضیہ مسجد شہید گنج کے دوران، سوء اتفاق سے حضرت مولانا ظہور احمد بگویی بعارضہ بوائیسر و نواسیر وغیرہ بیمار تھے۔ وہ ڈیڑھ ماہ جانندھر کے ایک ہومیوپیتھک فزیشن کے پاس زیر علاج رہے۔ چنانچہ ان کی علمی اور تبلیغی سرگرمیاں اور سفر متروک تھے۔ اسی علالت کے سبب شمس الاسلام کی اشاعت میں بھی کئی ماہ کا تاخیر اتوا ہوا۔ (شمس الاسلام، ص 28)

جولائی 1935ء میں مسجد کی شہادت کے بعد حضرت مولانا بگویی کے خیالات اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے شمس الاسلام کے مدیر معاون مولانا سید نذیر الحق قادری میرٹھی 'شذرات' کے تحت لکھتے ہیں:

”ایک قوم کے ادبار اور تنزل کا سب سے بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کی مختلف جماعتوں کی ذہنیاتیں متفاوت، ان کے مطمح نظر متضاد اور ان کے نصب العین متباہن ہوتے ہیں۔ ان کی باہمی کشمکش اور کھینچا تانی بجائے اصلاح کے تخریب و فساد کے دروازے کھول دیتی ہے۔ ان کے ارکان لایعنی جھگڑوں اور فضول مباحث میں پڑ کر اجتماعی قوتوں میں تفرقہ و شقاق کے سامان پیدا کر لیتے ہیں.....“

”نہایت افسوس اور شرم و ندامت کا مقام ہے کہ آج مسلمانان پنجاب شرمناک اندرونی اختلافات میں مبتلا ہیں اور اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں تارک بنا رہے ہیں۔ یہ تباہ کن جذبہ مخالفت و عناد آج کل مسلمانوں میں زوروں پر ہے یعنی احرار کے خلاف ایک طوفان برپا ہے اور بنائے مخالفت محض یہ ہے کہ انہوں نے تحریک مسجد شہید گنج میں حصہ نہیں لیا۔ اتنی سی بات پر ایک روز نامہ (زمیندار لاہور) نے محترم اراکین مجلس احرار اسلام کے خلاف ایک طوفان مخالفت پھا کر رکھا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہماری مخالفت، اصولی مخالفت ہے تو اس نے مجنونانہ ذہنیت اور زشتی اخلاق کا ثبوت طرح طرح کے اکاذیب و باطیل، بے بنیاد اتہامات اور دروغ بافیوں سے کیوں دیا؟.....“

”اگر بالفرض گزشتہ ایچی ٹیشن میں مجلس احرار سے کوئی غلطی بھی ہوئی تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سارے کارناموں پر پانی پھیر کر سرے سے مجلس احرار کی بیخ کنی پر کمر بستہ کر لی جائے..... اور کسی جماعت کی تخریب و تدمیر کے درپے رہنا قومی تباہی کی نشانی ہے.....“

احرار کی حمایت:

اس جائزے کے بعد، **شمس الاسلام**، مجلس احرار کی تائید میں لکھتا ہے۔

”احرار کو ہم معصوم نہیں قرار دیتے۔ ان سے بھی عام انسانوں کی طرح خطا و نسیان صادر ہو سکتا ہے۔ ہمیں زعمائے احرار کے ساتھ کئی امور میں سخت اختلاف ہے اور بعض زعماء کے ساتھ عقائد میں بھی ہم متفق نہیں ہیں۔ مگر مرزائیت کے خلاف ان (احرار اسلام) کی کفر توڑ سرگرمیاں تمام عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ جب تک احرار مرزائیوں کے خلاف صف آراء ہیں، مسلمانوں کا صحیح الخیال طبقہ ان کا ہم خیال اور معاون رہے گا۔ احرار کے بعض زعماء کے ذاتی اعمال و افعال یا عقاید کی بنا پر مجلس احرار کے اس شاندار کارنامہ کو فراموش کر دینا مستحسن امر نہیں ہے۔“

انظر الی ما قال و لا تنظر الی من قال

(شمس الاسلام ص 23-24۔ ستمبر 1935)

احرار تبلیغ کانفرنس بھیرہ:

مدیر معاون شمس الاسلام، احرار کانفرنس بھیرہ کے انعقاد کی وجہ بیان کرتے ہیں:

”قدرت نے مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار کو ایک حساس دل، غیر مخدوش دماغ اور مستقیم نظر مرحمت فرمائی ہے۔ آپ مجلس احرار اسلام کے باطل و استبداد شکن اور حریت پرور کارناموں کے پہلے ہی مداح تھے۔ مجلس کی سرگرمیوں کو بنظر استحسان دیکھتے تھے اور مطمئن تھے کہ فتنہ مرزائیت کی موت انشاء اللہ انہی مجاہدوں کے ہاتھوں ہوگی۔ لیکن جب سے قضیہ مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں احرار کے خلاف طوفان مخالفت اٹھا اس وقت سے آپ مضطرب و بے چین تھے کہ کس طرح حق و حریت کی ترجمانی کی جائے اور مجبور ہوئے کہ اس نازک وقت میں احرار کی حمایت میں آواز بلند کی جائے.....“ (شمس الاسلام اگست 35ء، ص 26)

حضرت مولانا بگویی نے سفر علاج سے لوٹتے ہی حزب الانصار کے اراکین کا اجلاس طلب کیا۔ صورت حال سے آگاہی اور قومی ضرورتوں کے تقاضے کے بعد بھیرہ میں احرار کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مولانا میرٹھی لکھتے ہیں:

”بالآخر مسلمانان بھیرہ کی نگاہ انتخاب مولانا ظہور احمد بگویی پر پڑی اور آپ کو صدر مجلس استقبالیہ منتخب کر کے کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کر ہی لیا۔ اس وقت آپ جالندھر میں زیر علاج تھے۔ مخالف قوتوں نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح کانفرنس منعقد نہ ہونے پائے۔ مگر مسلمانان بھیرہ کے بڑھے ہوئے جوش نے ان قوتوں کو آسانی سے دبا دیا۔“

مولانا ظہور احمد بگویی کو اگرچہ احرار تبلیغ کانفرنس کی تیاریوں میں صرف دو دن ملے لیکن دو دن ہی میں قدرت نے تمام سامان کر دیئے۔ اور یہ کانفرنس حوصلہ فرما اور ناسازگار حالات میں ہر پہلو اور ہر لحاظ سے کامیاب ہوئی۔

شروع سے لے کر آخر تک کسی اجلاس کی حاضری بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور شیخ حسام الدین کی ولولہ انگیز

تقریروں نے مسلمانوں کے سینوں میں حق و صداقت کی آگ لگا دی اور ان کے دل کی آنکھیں کھول دیں۔ زعمائے احرار نے اپنی بصیرت نواز، حقیقت آگین، حریت پرور اور دلپذیر تقاریر کا اثر یہاں چھوڑا ہے اس کو مسلمان برسوں فراموش نہیں کر سکتے۔

مسجد شہید گنج کی واپسی کے لیے جدوجہد میں حصہ لینا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ احرار بھی ہر آئینی جدوجہد میں حصہ لینے کا اعلان کر چکے ہیں۔ (حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ کی) مجلس اتحاد ملی میں ان کے نمائندے موجود ہیں۔ احرار تبلیغ کانفرنس بھیرہ میں شہداء لاہور کے جذبہ ایمانی کی تعریف کر کے اور مسجد شہید گنج کے متعلق سکھوں اور حکومت کے طرز عمل کی مذمت کر کے احرار نے بہت سے غلط الزامات کی تردید کر دی ہے۔

حضرت مولانا گبویؒ نے بعد ازاں مجلس احرار اسلام ہند کے دفاع اور اس کے صحیح مرتبہ و مقام کی شناخت کے لیے برصغیر کے اکثر بڑے شہروں میں احرار تبلیغ کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ اور مسلمانوں کو اس قافلہ احرار کی خدمات جلیلہ سے آگاہ کیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا بانی امیر حزب الانصار مجلس احرار اسلام کے اکثر مرکزی قائدین کے ذاتی مداح اور دوست تھے۔ مگر انہیں کئی امور میں مجلس احرار کی پالیسی سے اختلاف تھا۔ یہ بڑی عظمت کی بات ہے کہ فکری اختلاف کے باوجود ملت اسلامیہ کی بہتری اور فلاح میں احرار جیسے بے لوث اور جانثار خادمان اسلام کے خلاف غلط فہمیاں دور کرنے اور ان کے جائز مرتبہ و مقام کے احیاء کے لیے حضرت مولانا گبویؒ نے اپنی پوری توانائیاں صرف کیں۔

جزیرۃ العرب کی آزادی:

احرار تبلیغ کانفرنس بھیرہ نے زعمائے احرار کو اپنے موقف کی وضاحت اور مخالفانہ الزامات کی صفائی کا شاندار موقع فراہم کیا۔ اس اہم پیش رفت کے علاوہ برطانیہ اور سعودی حکومت کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کان کنی کے مضمرات کے پیش نظر کانفرنس نے جزیرۃ العرب کی آزادی کی حمایت میں آواز بلند کر کے مسلمانان ہند کی بروقت اور بڑی مؤثر ترجمانی کی۔

تردید شیعیت

شیعہ مذہب کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو گیا تھا جب ایک چھوٹے سے گروہ نے خلافت اور فدک جیسے مسائل میں جید صحابہ اور عام مسلمانوں کے اجماعی رویے سے ہٹ کر جداگانہ روش اپنائی۔ شہادت عثمان کے بعد یہ گروہ مزید مستحکم ہوا اور سیدنا علی المرتضیٰ کی زجر و توتوخ کے باوجود شہادت حسین کے سیاسی ثمرات سے مضبوط تر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ مسلم تہذیب و تمدن کا حصہ ہوتے ہوئے بھی عقائد، معاملات اور معاشرت میں بالکل انگ اور منفرد اقدار و روایات کے حامل ہیں۔ علمی اور دینی جہت سے دیکھیں تو تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، فقہ اور تاریخ غرض تمام علوم و فنون میں سواد اعظم سے الگ نظر آتے ہیں۔ بنا بریں شیعیت کی انفرادیت، قدیمیت اور تہذیبی اثرات مسلمہ حقیقت ہیں۔

برصغیر میں شیعیت کو قبولیت اور اس کے فروغ کا آغاز اس وقت ہوا جب ہمایوں، شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر بیرم خان کے مشورے پر شاہ ایران کے پاس پناہ گیر ہوا۔ کئی برس کے قیام کے بعد شاہ ایران نے بارہ ہزار قزلباش لشکر کے ساتھ ہمایوں کی مدد کی۔ اس مذہب کو مزید تقویت اس وقت ملی جب شہنشاہ جہانگیر نے شیر افکن کی بیوہ مہر النساء کو نور جہان کے لقب سے تخت ہند کی باگ ڈور سونپ دی۔ اکبر اعظم کی مذہبی رواداری اور اسلام کے مسلمہ اصولوں سے روگردانی نے جن افکار و نظریات کے پھیلنے میں مدد دی ان میں شیعیت بھی شامل ہے۔ علماء نے شیعہ مسلک کی تردید اور اس کے نظریات کے بالمقابل مسلمانوں کے افکار کی وضاحت کے لیے جب بھی ضرورت محسوس کی، علمی انداز میں مباحث لکھیں۔ یہ ضرورت بھی اکثر اس لیے پیش آئی جب شیعہ علماء بالخصوص ذاکروں نے تاریخ اور روایت کو نئے معانی پہنائے اور مسلمانوں کی مسلمہ، شاندار اور اہم شخصیات کو موضوع سخن بنایا۔ نزاعی اور فروعی مسائل میں علمائے ربانی کا نکتہ نظر ہمیشہ مصلحانہ، ہمدردانہ اور چشم پوشانہ رہا ہے۔ مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل رکن دارالتالیف مجلس حزب الانصار و مفتی دارالعلوم عزیز یہ بھی اپنے مضمون کیفیت مناظرہ ڈھل بعنوان صولة الغزاة علی الروافض الغلاة (مطبوعہ شمس الاسلام دسمبر 1942ء ص 3) میں لکھتے ہیں:

”کیا ضرورت ہے کہ آج ہم ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کے واقعات کے دفاتر کھول کر یہ فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق

خلافت کو غصب کیا یا نہیں۔ فدک کے حق دار کون تھے اور ان کا حق چھینا گیا یا نہیں۔ کیونکہ اب تو روئے زمین پر نہ خلافت رہی اور نہ خلیفہ۔ نہ کوئی صدیقی و فاروقی سریر آرائے خلافت ہے اور نہ کوئی عثمانی و ہاشمی، نہ باغ فدک کا کچھ پتہ ہے اور نہ کھجور کے ان درختوں کا کہیں وجود۔ روز ازل سے لوح تقدیر پر جن کے نام جس ترتیب کے ساتھ خلافت کے لیے لکھے جا چکے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے جس طور سے وعدہ فرمایا تھا، آسمانی ہائی کورٹ کے اسی فیصلہ کے موافق وہ خلیفہ ہوئے۔ انہیں تمکن فی الارض حاصل ہوا اور وہ اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے، اسلام کی تبلیغ و اشاعت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، ممالک عالم کی تسخیر کر کے اسلام کا جھنڈا گاڑ کر رخصت ہوتے گئے۔ انہیں جو کچھ کرنا تھا کر گزرے۔ اب سینکڑوں برس کے بعد کسی کی چیخ و پکار، شور و فغاں سے ان کا کیا ہوا کام بدل نہیں سکتا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اچھا کیا یا بہ فرض محال برا کیا، اپنے لیے کیا۔ ان کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ ہم سے اپنے اعمال کی پریش ہوگی اور ہمیں اپنی کارگزاریوں کی جواب دہی کرنی ہے۔ تلک امة قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔

”اہل علم جانتے ہیں کہ سنی مسلمان بنیادی طور پر روادار، کم علم اور محبت کرنے والا گروہ ہے۔ اور اہل بیت کے بارے میں واضح شیعہ عقائد کے باوجود عام و خاص انہی افکار کو ترجیح دیتے ہیں۔ صوفیا کی اکثریت تصوف اور ولایت میں شیعہ تصورات کی موئد ہے۔ محرم کی ساری رونقیں سادہ لوح مسلمانوں کے دم قدم سے ہوتی ہیں۔ اس دینی بے راہ روی میں دو طبقوں کا بڑا عمل دخل ہے۔

اولادہ سید جو تفضیلی یا عالی نظریات کے حامل ہیں اور عوام آل نبی جان کر ان کی پذیرائی کرتے ہیں۔

دوم وہ مولوی اور صوفی جو کم علمی اور معاشی تنگ دستی کے سبب شیعہ نظریات کے فروغ کا باعث بنتے ہیں۔

اگر اہل تشیع اپنے افکار و نظریات خود تک محدود رکھیں تو کوئی وجہ نزاع نہیں بنتی۔ البتہ جب ان کے عالم اور ذاکرا اپنے شیعہ سادات کے ذریعے اکثر دیہات میں جا کر جاہل و ناخواندہ عوام

کو پھنسانے کے لیے محبت اہل بیت کا دام پھیلاتے ہیں۔ کربلا کے واقعات مبالغہ آمیزی سے بیان کر کے اپنی مظلومیت ثابت کرتے اور ررض و تشیع کے لیے میدان صاف کرنا چاہتے ہیں۔ قصہ قرطاس، واقعہ فدک اور عقد کلثوم کو نہایت غلط، خلاف واقعہ رنگ میں پیش کر کے حضرات اہل بیت کی بے بسی، بے چارگی اور خلفاء ثلاثہ اور دوسرے صحابہ کا ظلم و عدوان، جبر و تشدد ناواقف لوگوں کے ذہن نشین کر دیتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ شیعیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (کیفیت مناظرہ ڈھل ص 4)

بس یہی وہ مقام ہے جہاں علماء کو دین اور صحابہ کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں اترنا پڑتا ہے۔

اقدامات:

شیعوں کے حملوں کی تردید اور استیصال کے لیے حضرت بانی امیر حزب الانصار نے درج ذیل

اقدامات کیے:

- 1- شمس الاسلام میں مسلسل قلمی دفاع اور شیعہ نمبر المعروف صور اسرافیل اور تبلیغ نمبر کی اشاعت۔
- 2- شیعہ مذہب کی حقیقت واضح کرنے اور سنی سادات کو دین کی حدود کے اندر پابند کرنے کے لیے کتاب ”اجتناب الحنفیہ“ اور ”آخری پیغام حق“ کی تالیف و اشاعت۔
- 3- عام اور سالانہ تبلیغی دوروں میں شیعہ افکار و نظریات کی تردید اور اسلامی عقاید کی وضاحت۔
- 4- شیعیت کے موضوع پر کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت۔
- 5- سالانہ جلسے پر شیعہ مذہب اور تاریخ کے ماہر علماء کے خصوصی خطابات۔
- 6- دیہات میں خصوصی دعوت پر مبلغین کی تقاریر۔
- 7- شیعیت کے خلاف حسب ضرورت مباحثے اور مناظرے۔
- 8- شیعیت کے خلاف کام کرنے والے افراد اور اداروں تنظیموں کے ساتھ خصوصی ربط و تعاون۔

مناظرہ ڈھل ضلع شاہ پور

جریدہ شمس الاسلام بھیرہ کے صفحات میں حضرت مولاناظہور احمد گوی کی سرکردگی میں حزب الانصار کے تبلیغی وفد کی مناظرانہ سرگرمیوں کے متعدد تذکرے ملتے ہیں۔ ذیل میں مناظرہ ڈھل کی روئے اد معروف عالم دین مولانا مفتی سید سیاح الدین کا کاخیل کے قلم سے (شمس الاسلام دسمبر 1942، ص 18-4) پیش خدمت ہے۔

علاقہ ڈھل کے شیعہ:

اکثر اضلاع پنجاب میں یہی کارروائی جاری ہے۔ اسی سلسلہ میں موضع ڈھل تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں بھی گرد و نواح کے شیعہ ”سیدوں“ کی شرارتوں سے شیعیت کی تخم ریزی ہو گئی اور رفتہ رفتہ اس شجرہ خبیثہ کی جڑیں مضبوط ہو کر شاخیں پھیل گئیں۔ بعض مقامی سنی حضرات کو جب اس خبر کی مضرتوں کا احساس ہوا تو انہوں نے علمائے اہل سنت کے مواعظ کے ذریعہ اس فتنہ کے استیصال کی کوشش شروع کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی برادری کے ان شیعوں کو سمجھانے کی غرض سے ایک جلسے کا انتظام کیا اور انہیں دعوت دی کہ وہ آ کر ٹھنڈے دل سے اہل حق کی باتیں سن کر غور کریں اور اپنے شبہات کے متعلق جو تسلی کرنا چاہتے ہوں تسلی حاصل کریں۔ جلسہ بڑی کامیابی سے ہوا۔ مولوی چراغ الدین صاحب رتیڑوی نے سمجھانے کی پوری کوشش کی۔ شیعوں کے تمام شبہات اور پادر ہوا اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب دیا۔ اور تمام لوگوں کو از سر نو مذہب اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہونے اور شیعیت سے تائب ہونے کی دعوت دی۔ مولوی صاحب نے اختلافات کی اس آگ کو بجھانے کی سعی کی جو شیعہ سادات کی وجہ سے روشن ہو چکی تھی۔ لیکن اسی نائرہ شقاق کے انطفاء کی بجائے سر بر آوردہ شیعوں نے اس کو اور بھی بھڑکانے کی کوشش کی، اور مناظرہ کا چیلنج دیا۔ اگرچہ نزاکت وقت کے احساس کا فیصلہ تو یہ تھا کہ ان کی شرائط تحریر کی کو کسی طرح ٹال دیا جائے۔ لیکن اس موقع پر چیلنج کو نہ قبول کر کے خاموشی اختیار کرنا اور مناظرہ سے پہلو تہی کرنا اہل حق کی شکست کا ہم معنی تھا۔ اور کہ اس سے مزید سنیوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ لاحق تھا۔ اس لیے اس چیلنج کو منظور کیا گیا۔ اور شرائط مناظرہ اور موضوع مناظرہ کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ اصل شرائط نامہ کی نقل درج ذیل ہے:

شرائط نامہ کی عبارت لکھنے والے اور مرتب کرنے والے ان پڑھ دیہاتی تھے اس لیے عبارتی خامیاں کافی موجود ہیں مگر ہم نے مناسب یہ سمجھا کہ بعینہ اسی شرائط نامہ کی نقل شائع کی جائے۔

مناظرہ مابین اہل تشیع و اہل السنۃ والجماعت ساکنین ڈھل

موضوع مناظرہ:

- (1) سوال از اہل سنت والجماعت۔ اہل تشیع موجودہ قرآن مجید پر اپنا ایمان ثابت کریں گے۔ (1) اپنی کتب صحاح سے کہ کامل مکمل بعد رسول اللہ ﷺ یہی ہمارا قرآن ہے۔ بقول امامین شریفین اثنا عشریہ (2) اور اہل سنت والجماعت کی طرف سے اس مسئلہ کی تردید ہوگی۔ مگر اہل سنت والجماعت بھی اپنا ایمان اسی قرآن مجید پر اپنی کتابوں

سے ثابت کریں گے۔

(1) - شیعہ مناظر بجائے اس پر ایمان ثابت کرنے کے اسی قرآن کی آیت پیش کرنے لگا۔ جو بعینہ ”مصادرة علی المطلب“ ہے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

(2) - شیعوں کی صحاح اربعہ یعنی اصول کافی، تہذیب الاحکام، من لا یحضرہ الفقیہ اور استبصار۔ ان چار کتب سے شیعہ مناظر کو اپنا دعویٰ ثابت کرنا تھا۔ مگر اس نے ساری تقریروں میں کبھی بھولے سے بھی ان کتابوں کا نام نہ لیا۔ بلکہ جب اس کو بار بار اس شرط کی بناء پر ان کتب سے حوالہ پیش کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی تو مناظر صاحب نے کہا۔ ان کتابوں کو گولی مار دو ہمیں ان سے کیا غرض۔ ہم روایتیں نہیں مانتے۔ اس پر صدر مناظر مولانا ظہور احمد گبوی نے شیعہ صدر کو توجہ دلائی کہ شرائط مناظرہ کے مطابق ان صحاح اربعہ کی روایتیں اور اپنے ائمہ کے اقوال پیش کرنا ضروری ہے۔ آپ مناظر صاحب کو تنبیہ کیجئے تاکہ بے فائدہ وقت ضائع نہ ہو۔ تو اس پر صدر صاحب نے بھی کہا کہ ہمارے ہاں کوئی کتاب صحیح نہیں پھر ہم عبارتیں کتابوں کی کیوں پیش کریں۔ اس پر مولانا ظہور احمد گبوی نے فرمایا کہ جب کتاب تمہارے پاس کوئی بھی صحیح نہیں وہ سب گولی مارنے کے قابل ہیں تو پھر شرائط نامہ لکھتے وقت یہ کیوں لکھا کہ ”شیعہ اپنی کتب صحاح سے ایمان ثابت کریں گے کہ کامل مکمل بعد رسول اللہ یہی ہمارا قرآن ہے“ (صدر شیعہ) ہم نے یہ نہیں لکھا۔ شرائط نامہ میں یہ نہیں۔ مولانا ظہور احمد گبوی نے فوراً اصلی شرائط نامہ جس پر موضع ڈھل کے سنیوں اور شیعوں کے دستخط تھے نکالا، عبارت پڑھ کر سنائی اور تمام حاضرین کو وہ شرائط نامہ دکھلا کر فرمایا کہ اے ڈھل والو! یہ آپ لوگوں نے لکھوایا ہے یا نہیں۔ آپ کا اقرار نامہ ہے یا نہیں۔ سب حاضرین شیعہ سنی ہر دو نے بہ آواز بلند کہا کہ ہاں ہاں۔ ہمارا لکھوایا ہوا ہے ہم اس کے پابند ہوں گے۔ عوام کی اس عام تائید اور تمام طرق فرار کے مسدود ہونے سے شیعہ صاحبان اور ان کے صدر صاحب بہت پریشان اور شرمندہ ہوئے۔ اس پر مولانا ظہور احمد گبوی نے فرمایا کہ شرائط کے خلاف چلنے کی وجہ سے درحقیقت آپ ابھی سے شکست کھا چکے ہیں مگر تمہاری مزید رسوائی اور اتمام حجت اور اپنے دلائل سنانے کے لیے مناظرہ کو باقی رکھتے ہیں چنانچہ مناظرہ جاری رہنے دیا۔ (غرض شیعوں نے اس شرط کی خلاف ورزی کی)۔

(2) سوال از طرف اہل تشیع موضع ڈھل۔ ایمان ثابت کرنا اصحاب ثلاثہ کا اس موجودہ قرآن کریم سے اور اپنی

کتب صحاح ستہ سے اور اہل تشیع کے کتب صحاح بقول اثنا عشریہ کے اہل سنت کے ذمہ ہوگا اور تردید بزمہ شیعہ ہوگی۔

سنیوں نے اپنی کتاب صحاح ستہ بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف سے اصحاب ثلاثہ کے ایمان کی روایتیں پیش کیں (جیسا آگے آئے گا) مگر شیعہ مناظر نے تردید میں صحاح ستہ کی کوئی روایت پیش نہیں کی بلکہ دوسری کتابوں کے حوالے دینے لگا۔ اگرچہ ان دوسری

کتابوں کے حوالوں کا بھی شافی جواب دیا گیا مگر ان کا شروع سے ان کو پیش کرنا ہی طے شدہ شرط کے خلاف تھا۔ اسی طرح مسئلہ تحریف میں انہوں نے تلمییس سے کام لے کر ائقان کی روایت پیش کی اور اس کا مکمل جواب دیا گیا۔ لیکن پیش کرنا ہی شرط کی خلاف ورزی تھا۔

مسلمات خصم اور کتب خصم سے تو الزام ہی دیا جاتا ہے۔ اپنے مدعا کے اثبات کے لیے کوئی ان کو پیش نہیں کیا کرتا۔ اس لیے اصولاً ہم اصحاب ثلاثہ کے ایمان کو شیعہ کتب سے ثابت کرنے کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ ہاں پھر بھی تبرعاً ان کی روایات پیش کی گئیں۔

(3) مناظرہ کی تاریخ مورخہ 21 شعبان 1361ھ ہے۔ ہر دو فریقین کی طرف سے یہ شرط قرار پائی ہے کہ اگر ایک فریق کے مولوی صاحبان بہ روز مناظرہ تشریف نہ لائیں گے تو دوسرے فریق کے اخراجات مولوی صاحبان کی آمد و رفت وغیرہ کا ذمہ دار ہوں گے۔

(4) اگر اہل سنت والجماعت سچے ہوں گے تو اہل تشیع ڈھل والے فوراً اسی روز اہل سنت والجماعت کے مذہب پر ایمان لے آویں گے اور اگر اہل تشیع سچے ہوں گے تو اہل سنت ڈھل والے فوراً اسی روز ہی مذہب تشیع اختیار کریں گے۔

مناظرہ کے بعد تین خاندان شیعوں کے نائب ہو کر سنی ہو گئے۔ مگر شیعوں کے سوشل مقاطعہ اور دھمکیوں سے وہ پھر اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنے لگے ہیں، الحمد للہ کہ اہل سنت کا ایمان پہلے سے زیادہ قوی ہو گیا۔

(5) دونوں فریقین موجودہ قرآن کی قسم کھا کر برادری کے روبرو عرض کرتے ہیں کہ حق اور جھوٹ کا امتیاز حاصل کرنے کے واسطے یہ مسئلہ شروع کیا ہے۔

(6) جو بروز مناظرہ مولوی صاحبان دونوں طرف سے کھڑے ہوں گے وہی مناظرہ کو ختم کریں گے۔ حق اور جھوٹ کا فیصلہ کر کے ممبر سے اتریں گے۔ دوسرے کسی مولوی صاحب کو تقریر کا حق حاصل نہ ہوگا درمیان مناظرہ اور جو مولوی گھبرا کر ممبر سے اتر جائے گا وہ جھوٹا تصور کیا جائے گا۔

شیعہ مناظر نے دوسرے مناظرہ میں اپنی جگہ کسی اور آدمی کو آخری تقریر کے دوران میں کھڑا کر دیا اور خود بیٹھ گئے۔ اصل میں خود لا جواب ہو گئے تھے اس لیے اپنی ذلت و رسوائی مٹانے کے لیے دوسرے کو کھڑا کر دیا۔ اس لیے مندرجہ بالا شرائط کے مطابق ان کا فرار ہونا ثابت ہوا۔

شیعہ مناظر ہر دو مناظروں میں گھبرا گیا اور دونوں مناظروں میں بالکل بیٹھ گیا۔ اس کو بار بار توجہ دلائی گئی کہ اٹھ کر سنیوں کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کا کوئی جواب دے مگر وہ کرسی سے ہلتا نہیں تھا۔ گا! بیٹھ گیا تھا، بولنے کی سکت اس میں نہیں رہی تھی۔ بلکہ خست باطن کا یہ مظاہرہ کر گیا کہ آخر میں لا جواب ہو کر تباہ کئے

لگا۔ اور خواہ مخواہ گستاخانہ الفاظ نکالنے لگا۔ اور مقصد یہ تھا کہ مجمع میں اشتعال پیدا ہو جائے اور کوئی فساد پیدا ہوتا کہ اس کی فضیحت و رسوائی پر کچھ پردہ پڑ جائے۔ مگر عوام اہل سنت اور علماء نے نہایت صبر و تحمل سے کام لے کر اس کو اپنی آرزو میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور لوگوں کو صاف ثابت ہوا کہ شیعہ مناظر گھبرا کر اب فرار کی راہ تلاش کرتے ہیں۔

(7) فریقین کی طرف سے یہ قرار پایا ہے کہ ہر دو اطراف سے دو دو معاون ہوں گے جو مولوی صاحبان کو امداد مناظرہ میں دیں گے بذریعہ کتب۔

(8) فریقین کی طرف سے دو منصف ہوں گے جو ہندو ہوں گے۔

عوام نے یہ شرط بھی لگائی تھی مگر علماء اہل سنت نے کہا کہ جب ایک ہندو قرآن نہیں سمجھتا، عربی نہیں جانتا وہ کس طرح دونوں کے درمیان حکم ہو کر فیصلہ کر سکے گا۔ اور اگر وہ حق و باطل کا امتیاز کر سکتا ہے تو پھر آج تک وہ ہندو ہی کیوں رہتا ہے۔ خواہ شیعہ بنے یا سنی مگر اس کو ہندویت تو ترک کرنی ہوگی۔ لہذا یہ شرط لغو ہے مگر پھر بھی شیعہ اپنی ضد پر قائم تھے اور کسی ہندو "دت شا" کو بلالائے تھے۔ لیکن دوران مناظرہ میں جب ایک عربی عبارت کے معنی پر اختلاف ہوا تو کسی نے کہا کہ اب "دت شا" اس کا ترجمہ کرے۔ مگر "دت شا" کہیں چھپ گیا اور پتہ ہی نہیں لگا کہ کہاں ہے۔

(9) فریقین کی طرف سے یہ قرار پایا گیا ہے کہ قرآن پر قسم کھا کر معاہدہ کرتے ہیں کہ مناظرہ میں کسی قسم کی شرارت نہ کریں گے جن کی طرف سے یہ زیادتی ہوگی برادری کے فیصلہ کے مطابق اور قانون حکومت برطانیہ کے ماتحت نقض امن میں مبلغ پانچ سو روپیہ بطور تاوان ہر جانہ دینا پڑے گا۔

دستخط بھائی خان ولد جہانہ ساکن ڈھل سید فضل شاہ ولد سید تقسیم شاہ ساکن حافظ آباد حال ڈھل
شاہ محمد خان ولد بھائی خان ڈھل جہانناں ولد پٹھان ساکن ڈھل۔ خدا بخش ولد گاہنا ترکھان

مورخہ 42-8-9 مطابق 25 رجب 1361ھ

شیعوں نے مناظرہ میں اس شرط کی بھی کھلم کھلا خلاف ورزی کی۔ اشتعال انگیز کلمات استعمال کرتے رہے اور جب کبھی مناظر صاحب گھر جاتے تو خود شیعہ عوام کے مجمع کی طرف اشارہ کر کے انہیں چیخ و پکار کی ترغیب دیتے۔ چنانچہ وہ "یا علی یا علی" کے نعرے بلند کر کے لوگوں کو تقریر سننے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ایک شیعہ ملنگ دوران مناظرہ ہی میں ان کے اشارہ پر ناقوس بجاتے رہتے اور آخر کار مناظر صاحب خود ہی تبرا بننے لگے تھے۔ اور "سید جوایا شاہ صاحب" نے کہا کہ تم سنی سب یزیدی ہو وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ ایک "سید صاحب" نے بندوق بھی اٹھائی اور دھمکی سے سنیوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی اور مقصد صرف یہ تھا کہ ان اشتعال انگیز حرکات سے سنی بھی آمادہ فساد ہو جائیں۔ مگر الحمد للہ انہیں کامیابی نہ ہو سکی اور سنی نہایت آرام و سکون سے

رہے اور ان سب کو ذلیل کر کے چھوڑا۔

شیعوں کی کوششیں:

تمام علاقہ کے شیعہ عوام اور رؤسا نے اس مناظرہ کو کامیاب کرانے اور اپنے مذہب کی حمایت میں نہایت گرم جوشی سے حصہ لیا۔ اور جس کسی سے جس طرح بھی ہوسکا اس نے امداد و اعانت میں دریغ نہیں کیا۔ فرقہ باطلہ کا باطل کی حمایت و سر بلندی کے لیے اس قدر جانفشانی اہل حق کے لیے موجب عبرت ہے۔ چاہیے کہ وہ عبرت حاصل کر کے حق کی آواز بلند کرنے کے لیے نہایت بے جگری اور گرم جوشی سے مصروف عمل ہوں۔

امیر حزب الانصار کی خدمت میں دعوت شرکت:

حضرت مولانا ظہور احمد بگوی زید مجدہ امیر حزب الانصار کی خدمت میں باشندگان موضع ڈھل کی طرف سے شرکت مناظرہ کا دعوت نامہ بالکل اخیر وقت میں موصول ہوا۔ 4 ستمبر روز جمعہ و مناظرہ شروع ہونا تھا اور 3 ستمبر کو حضرت امیر صاحب کی خدمت میں ان کا عریضہ آیا کہ ہم نے مناظرہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس موقع پر حمایت حق کی خاطر آپ اور آپ کی جماعت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ وقت بہت کم تھا۔ مسلسل سفر کی صعوبتوں اور طبیعت کی علالت کی وجہ سے حضرت امیر صاحب کے لیے سفر کرنا بہت مشکل اور تکلیف دہ تھا لیکن دینی حمیت و غیرت کے جذبہ صادق نے آپ کو فوراً تیار ہونے پر آمادہ کیا۔

حضرت امیر صاحب کی روانگی:

3 ستمبر کو بعد نماز ظہر حضرت مولانا ظہور احمد بگوی امیر حزب الانصار، مولانا عبدالرحمن ہزاروی فاضل جامعہ ڈابھیل مقیم بھیرہ، مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل مفتی دارالعلوم عزیز یہ اور رکن مجلس دارالتالیف، مولانا حاجی افتخار احمد بگوی فاضل امینیہ دہلی مدرس دارالعلوم عزیز یہ، مولانا احمد یار ڈیرووی فاضل دیوبند مبلغ مجلس حزب الانصار اور حافظ سعید احمد صاحب بگوی ڈھل کی طرف روانہ ہو گئے۔ 7 بجے شام کے وقت وہاں پہنچے۔ دیہات کے سینکڑوں سنی مسلمان استقبال کے لیے چشم براہ کھڑے تھے۔ دیکھتے ہی نعرہ تکبیر کے فلک شکاف نعرے بلند ہوئے اور نعرہ مولانا ظہور احمد بگوی زندہ باد کی صداؤں نے شیعوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کیونکہ شیعہ مناظرین کا خیال تھا کہ امیر صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں اور وہ اس مناظرہ میں شرکت نہیں فرمائیں گے۔ اس لیے وہ خوش ہو رہے

تھے۔ لیکن جب ان کو پتہ لگا کہ حضرت امیر صاحب رونق افروز ہو گئے تو بے اختیار آہ سرد بھر کر کہا کہ ”وہ آ گئے“ مولانا نور محمد سندھیا لی پہلے سے وہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت امیر صاحب نے ڈھل کے ایک باشندہ شیعوں کے سر کردہ کو بلا کر فرمایا کہ وقت شروع مناظرہ، مقام مناظرہ، مقدار تقاریر کے بارے میں جا کر اپنے مناظرین کے ساتھ فیصلہ کرو اور ہمیں اطلاع دو تا کہ کل اسی کے مطابق کارروائی شروع کی جائے۔ نماز عشاء کے بعد بہت دیر تک واپسی جواب کا انتظار کیا مگر کسی قسم کا جواب نہ ملا۔ مجبوراً آرام کے لیے لیٹ گئے۔

4 ستمبر بروز جمعۃ المبارک مطابق 21 شعبان المعظم کی کارروائی

شیعوں کی بہانہ سازیاں:

4 ستمبر کو صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امیر صاحب نے وقت شروع مناظرہ، مقام مناظرہ، مقدار تقاریر وغیرہ ضروری امور کے بارے میں شیعوں کے ساتھ تصفیہ کرنے کے لیے حاجی عبداللہ صاحب پراچہ ساکن بھیرہ کو خط دے کر بھیجا کہ اسی خط پر ان کے دستخط لے کر آؤ تا کہ مناظرہ شروع کیا جائے۔ حاجی صاحب موصوف نے ان کے ساتھ بہت دیر تک بات چیت کی مگر ان سے دستخط حاصل نہ کر سکے اور واپس آ کر شیعہ مناظرین کی طرف سے یہ پیغام سنایا:

”کہ ایمان بالقرآن کے بارے میں جو ہمارا دعویٰ ہے اس کو موضوع مناظرہ سے خارج کیا جائے اور اس پر بحث نہ کی جائے۔ صرف اصحاب ثلاثہ کے ایمان پر بحث ہو اور مناظرہ کھلے میدان میں نہ کیا جائے کیونکہ فساد کا خطرہ ہے۔ بلکہ ہم مکان کی چھت پر چڑھ کر وہاں مناظرہ کریں گے اور لوگ نیچے گلی میں کھڑے ہو جائیں گے۔ ایک طرف شیعہ ہوں گے اور دوسری طرف سنی۔ اور اگرچہ پہلے شرائط نامہ میں جمعہ اور شنبہ دونوں کا ذکر ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آج ہی فیصلہ ہو جائے۔ اور اگر ہمارے یہ مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے تو پھر ہم مناظرہ نہیں کرتے۔ اس لیے ان باتوں کو منظور کرائے بغیر ہم دستخط نہیں کرتے۔“

امیر صاحب کا ارشاد:

حضرت امیر صاحب نے فرمایا کہ یا تو شیعہ کھلے میدان میں ایمان بالقرآن کے دعویٰ سے دستبردار ہوں اور اعلان کر دیں کہ ہمارا ایمان قرآن پر نہیں۔ اور اگر ان کا یہ دعویٰ ہے تو پھر چاہیے کہ میدان مناظرہ میں آ کر دلائل سے ثابت کر دیں۔ ہم بغیر کسی دلیل کے پیش کیے صرف دعویٰ کو ہرگز ہرگز نہیں مانتے۔ کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ شیعہ قرآن پر بالکل ایمان نہیں رکھتے اور نیز جب ایک بات طے ہو چکی ہے۔ شرائط نامہ میں پہلے یہ لکھا جا چکا ہے کہ اول مناظرہ اسی موضوع پر ہوگا تو پھر مناظرہ کیے بغیر ہم اس کو کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ یا تو اپنی ہار کا صاف اعلان کر دیں یا خم ٹھونک کر میدان میں آئیں۔

(2) مکان کی چھت پر چڑھ کر ہماری باہمی سرگوشیوں سے نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔ جب شیعہ اور سنی عوام ہماری باتوں کو نہ سن سکیں۔ ہماری تقریریں ان کے گوش گزار نہ ہوں تو پھر دلائل کی قوت و ضعف کا اندازہ لگا کر وہ حق و باطل کا امتیاز کس طرح کریں گے اور فساد کے خطرہ کا عذر پیش کرنا صرف بہانہ سازی ہے۔ اگر شیعہ بے اعتدالی سے کام نہ لیں اور اپنی زبان کو سنبھال کر رکھیں تو سنیوں کی طرف سے کسی قسم کی فتنہ انگیزی کا ذرہ بھر خطرہ نہیں ہے۔ اور اگر فساد کا خطرہ تھا تو پہلے مناظرے کا چیلنج کیوں دیا۔ اور صرف آج کے دن مناظرہ کرنے اور کل کو بھاگ جانے کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اسی طریقہ سے آپ وقت کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ دیر آپ اسی آمد و رفت، بات چیت، حیلہ جوئیوں اور بہانہ سازیوں میں صرف کریں گے۔ پھر چونکہ آج جمعہ کا دن ہے اور جمعہ کی نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس لیے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بحث کرنے کے بعد ہمیں حکم خداوندی کے مطابق نماز کے لیے مناظرہ کو ملتوی کرنا ہو گا۔ اور آپ یہ بہانہ بنا کر کہ بیچ میں مناظرہ چھوڑ کر سنی چلے گئے اس لیے ہماری جیت ہو گئی۔ ہم پھر مناظرہ نہیں کرتے۔ مگر خیر ہم کسی طرح آپ کو بھاگنے کا موقع نہیں دیتے۔ لہذا اسی چیز کو منظور کر کے جلد از جلد کارروائی شروع کرنے کی اپیل کرتے ہیں تاکہ حق واضح ہو اور نادانوں کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

حضرت امیر صاحب کا یہ پیغام لے کر حاجی عبداللہ صاحب شیعہ مناظرین کے پاس پھر تشریف لے گئے مگر وہ نہ ماننے والے تھے نہ انہوں نے مانا۔

جوایا شاہ کی ”تشریف آوری“:

اتنے میں ہٹے کئے مچھندر صاحب آستین چڑھائے ”تشریف فرما“ ہوئے اور حضرت امیر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر ”گل افشانی“ کرنے لگے۔ اس کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں۔ اور اسی سے ان صاحب کی

شخصیت، ذہنیت، شیعوں کی منافقت، چالاکیوں اور ساتھ ہی دیہاتی سنی مسلمانوں کی سادگی کا بھی اندازہ لگ سکتا ہے۔ امیر صاحب کو کہا:

”مولوی صاحب! میں سید آل رسول ہوں۔ میرا نام جو ایسا شاہ ہے اور موضع بنی شاہ کا باشندہ ہوں۔ ڈھل کے سارے باشندے میرے مرید ہیں۔ سنی بھی اور شیعہ بھی۔ یہ لوگ ایسے ہیں جیسے ہماری جاگیر۔ ان کے اموال و املاک ہمارے ہیں اور ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے ان کے رہبر چلے آئے ہیں۔ ہمیشہ ہماری دعائیں ان کے ساتھ رہیں۔ اور ہماری روحانی سرپرستی سے انہوں نے ہمیشہ فائدہ حاصل کیا۔ اب ان کی آپس میں مخالفت پیدا ہو چکی ہے اور باہمی کچھ غلط فہمیاں آگئی ہیں۔ ان کی تباہی ہماری تباہی ہے۔ شیعہ برے اور باطل ثابت ہوں اور سنی ان سے بائیکاٹ کریں تو اس میں ہمارا کام بھی بگڑ جاتا ہے۔ کیونکہ سارے سنی میرے مرید ہیں، مجھ سے بھی پھر بے تعلقی کرنی پڑے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اتفاق ہو اور یہ مناظرہ اول کیا نہ جائے کیونکہ فساد کا خطرہ ہے، کشت و خون ہوگا۔ میرے مرید باہم کٹ مریں گے اور ان کی غمخواری میں میری آنکھیں خونبار ہوں گی۔ مجھے تو پہلے پتہ نہ تھا۔ کل مجھے اطلاع ملی ہے۔ اس لیے سب ضروری کام اور مشاغل چھوڑ چھاڑ کر یہاں آیا ہوں تاکہ یہ کشت و خون نہ ہونے دوں۔ اور اگر خواہ مخواہ کرنا ہے تو پھر دونوں طرف کے مناظر کسی مکان میں بیٹھ کر یا چھت پر چڑھ کر باہمی گفتگو کریں۔ میں اور دو تین اور اشخاص اس گفتگو کو سن کر فیصلہ کریں گے۔ اگر شیعہ حق پر ثابت ہو جائیں تو میں سب مریدوں کے سامنے اعلان کروں گا اور سب شیعہ مذہب قبول کر کے باہم متحد و متفق ہو جائیں گے اور اگر سنی مذہب حق ثابت ہو جائے تو بھی میں خود سنی ہونے کا اعلان کروں گا اور پھر سارے لوگوں کو سنی ہونے کی ترغیب دوں گا۔ یہ میری خیر خواہی ہے اور چونکہ مجھے فساد کا خطرہ معلوم ہوتا ہے اس لیے مجھ سے جہاں تک ہو سکے، کھلے میدان میں مناظرہ نہ ہونے دوں گا۔“

حضرت امیر صاحب کا جواب:

”شاہ صاحب! ہم یہاں کسی فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے نہیں آئے۔ مجھے بھی کل 12 بجے اطلاع ملی ہے اور صرف حق کے اظہار کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ اختلاف ہماری نظروں میں بھی بہت برا ہے اور جب ہم

ان شیعہ بھائیوں کو جو غلط فہمی کا شکار ہوئے سمجھانے آئے ہیں تو صرف مناظرین کو حق بتلانے یا آپ کو سنانے سے ان کی تفہیم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ کھلے میدان میں تمام شیعہ اور سنی بیٹھ جائیں۔ ہم مناظرین آپس میں گفتگو کریں گے، تقاریر کریں گے، حوالے پیش کریں گے، دلائل بیان کریں گے۔ سب حاضرین شیعہ اور سنی خود اپنے کانوں سے طرفین کی باتیں سنیں گے۔ اس کے بعد خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکیں گے۔ جو حق ہو گا وہ اثر کرے گا۔ ہر کوئی اپنے لیے پھر ایک راستہ سوچ سمجھ کر متعین کرے گا۔ لیہلک من ہلک عن بینة و یحیی من حی عن بینة۔ یہ آپ کے شیعہ مناظر کوئی نئے لوگ نہیں ان سے ہماری گفتگو بار بار ہو چکی ہے۔ ان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں وہ تو سمجھتے ہوئے اغراض کے تابع ہو کر شیعیت کی باطل حمایت کرتے ہیں۔ مناظرہ کا چیلنج شیعوں نے دیا۔ اگر آپ کو فساد کا خطرہ تھا تو پہلے سے کیوں اس چیز کو نہ سوچا۔ اب دور دور سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ صعوبت سفر برداشت کر کے آئے ہیں تاکہ کچھ سنیں اور حاصل کریں۔ اب ان کی تمناؤں کو اس طرح برباد کرنا کس قدر ظلم ہو گا۔ اور ہماری باتیں سب کھلے میدان کی ہیں۔ اس لیے کھلے میدان میں سنانا چاہتے ہیں۔

نہ شمم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

جب آپ سید ہیں سب لوگ آپ کے مرید ہیں تو شیعوں کی طرف سے آپ ذمہ دار ہو جائیں اور کسی شیعہ کو کسی نازیبا حرکت کرنے اور نامناسب قول کہنے کا موقع نہ دیں۔ اور سنیوں کی طرف سے بھی چند سربر آوردہ ذمہ دار ہوں گے۔ اور اگر آپ کے مناظر اپنی زبان کو قابو میں رکھیں تو پھر کسی قسم کے فساد کا خطرہ یقیناً نہیں ہے اور اگر بالفرض پھر بھی آپ کی گھبراہٹ دور نہیں ہوئی تو کسی شخص کو بھیرہ بھیج دیجئے وہاں سے پولیس آ جائے گی اور پولیس کی موجودگی میں کسی قسم کا خطرہ نہیں رہے گا۔ بہر حال بحث کھلے میدان میں ہوگی۔ اور اگر آپ مناظرہ کرنا نہیں چاہتے تو پھر ان حیلہ ساز یوں کو ترک کر کے صاف کہہ دیجئے کہ شیعہ مناظرہ کرنا نہیں چاہتے۔ پر ہم فریضہ تبلیغ ادا کر کے واپس ہوں گے۔ اور میعاد مناظرہ مقرر کر کے وعدہ سے پھر جانے کا الزام شیعہ گروہ پر ہوگا۔ اور مطابق شرائط آپ کی شکست ثابت ہو جائے گی۔“

حضرت امیر صاحب کے اس مدلل بیان کے بعد جب اس کے پاس اور کچھ سامان نہ رہا تو پہلے تو امیر صاحب کے متعلق کہا کہ مولوی صاحب! ہم آل رسول ہیں مگر پھر بھی آپ ہم کو کافر سمجھتے ہیں۔ مگر ہم آپ کو

مسلمان ☆ کہتے ہیں۔ ہمیشہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اپنے مریدوں کو فتاویٰ کے لیے آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ کشت و خون نہ ہو۔ مگر جب آپ فساد کرنے آئے ہیں تو پھر مناظرہ کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا منادی کر دیں گے اور کھلے میدان میں سب شیعہ سنی نکل کر لڑیں اور زور آزمائی کریں۔ ہم سید میدان سے بھاگنے والے نہیں۔ غرض بہت سی دھمکیاں دے کر روانہ ہوا۔

امیر صاحب نے فرمایا کہ میں نہ لڑنے کے لیے آیا ہوں اور نہ فساد کرانے اور کشت و خون کا بازار گرم کرنے کے لیے۔ میں اپنے بھولے بھالے سادہ دیہاتی بھائیوں کو حق سنانے اور سمجھانے کے لیے آیا ہوں۔ اور کسی مکار کے دام فریب میں انہیں پھنسنے نہیں دیتا۔ اس لیے میں کھلے میدان میں تقریر کرنا اور انہیں آواز حق سنانا چاہتا ہوں۔ اور شاہ صاحب! آپ کے اس لب و لہجہ اور دھمکیوں تعلیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ باہم خانہ جنگی ہو جائے۔ چیلنج مناظرہ کے وقت سے لے کر آج تک کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ فتنہ و فساد کا کوئی خطرہ ہے۔ لیکن آج آپ آکر بار بار اسی کا ذکر کر کے لوگوں کو خواہ مخواہ اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے شیعہ مناظر میدان میں آکر مناظرہ نہیں کر سکتے تو صاف اقرار کر کے اعلان کر دیں کہ ہم مناظرہ نہیں کر سکتے۔ ان بہانہ سازیوں اور حیلہ تراشیوں سے آپ کی کمزوری کی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی۔

”شاہ صاحب آل رسول“ تو تشریف لے گئے اور ان کی جادوگری حضرت امیر صاحب کے مقابلہ میں کارگر نہ ہو سکی۔ امیر صاحب نے حاجی محمد عبداللہ صاحب پر اچھ بھیر دی اور دوسرے لوگوں کے ذریعہ پھر کوشش کی کہ کسی طرح شرائط کا فیصلہ ہو تا کہ مناظرہ کی کارروائی شروع ہو جائے۔ لیکن شیعہ صاحبان اپنی ضد پر قائم رہے اور کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔

آخر کار مجبور ہو کر امیر صاحب نے فرمایا کہ شیعہ کسی بہانہ سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہم مناظرہ کر کے اور حق واضح کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس لیے اگرچہ ان کے مطالبات پہلے شرائط نامہ کی رو سے بھی اور عام دستور مناظرہ کے بھی خلاف ہیں، لیکن ہم مان ہی لیتے ہیں۔ تاکہ ان پر فرار کی تمام راہیں مسدود ہوں۔ یا صاف لفظوں میں اپنی شکست کا اعتراف کر کے مناظرہ سے انکار کریں گے اور یا میدان میں آکر ایسی مار کھائیں گے کہ

☆ سبائی گروہ کی یہ منافقت اور چالاکی بھی عجیب ہے کہ افضل الناس بعد الانبیاء حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو تو نعوذ باللہ مومن نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کے ادنیٰ ترین غلام کو مسلمان کہنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ کے ایمان کے فتویٰ کو تو قبول نہیں کرتے اور حاضرین کو دھوکہ دینے کے لیے دعویٰ یہ ہے کہ ہم آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ تمام علاقہ کے سنی دارالعلوم عزیز یہ کی مرکزیت اور مقبولیت کی بنا پر مسائل یہاں سے طلب کیا کرتے ہیں۔ چونکہ سید صاحب سارے سنیوں کو اپنے مرید ٹھہراتے ہیں اس لیے ان کا فعل بھی اپنا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ چاہیے کہ سنی عبرت حاصل کریں اور لاندہب پیروں کی مریدی سے توبہ کریں۔

ہمیشہ یاد رہے۔ چنانچہ آپ نے کہلا بھیجا۔ کہ اچھا۔ دونوں مناظرے آج ہی کیے دیتے ہیں۔ پہلے موضوع پر نماز جمعہ کے وقت تک گفتگو ہوگی اور دوسرے پر نماز جمعہ کے بعد سے عصر تک۔ مقام مناظرہ جو آپ لوگ چاہیں متعین کر دیں۔ چھت پر چڑھنا پسند ہو یا اور کسی طرح ہمیں اس سے انکار نہیں۔ سنیوں کی طرف سے ہم ذمہ لیتے ہیں کہ وہ کسی طرح کی بدانتظامی، شور و غوغا اور گڑ بڑ نہیں کریں گے۔ لیکن شیعہ سید اپنی قوم شیعہ کی طرف سے ذمہ دار ہو جائیں کہ وہ تقاریر کے دوران میں چیخ و پکار اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور بدزبانیوں سے مجتنب رہیں گے۔

شیعوں کی بے بسی:

جب آپ کا یہ پیغام پہنچا اور شیعوں کے لیے کسی اور بہانہ کا موقع نہ ملا۔ تو وہ بادل ناخواستہ مجبور ہو گئے اور انہوں نے شرائط نامہ پر دستخط کر کے مناظرہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کی اس آمادگی کی اطلاع ملنے پر حضرت امیر صاحب اپنے رفقاء اور ہزار ہا سنیوں کے ساتھ مقام مناظرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

میدان مناظرہ:

شیعوں کے مطالبہ بالا کی بنا پر مناظرے کا مقام ایک مکان کی چھت مقرر کیا گیا تھا۔ مشرق کی طرف ذرا پختی سطح پر شیعہ مناظرین کی نشست گاہ تھی اور مغرب کی طرف اونچی سطح پر سنی مناظرین کی نشست کے لیے کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ کان رسول اللہ ﷺ بتفاؤل کی بناء پر سنیوں کی نشست کی بلندی اور شیعوں کی نشست کی پستی کو اہل حق کے غلبہ و فتح مندی اور اہل باطل کی شکست و مغلوبیت کے لیے فال نیک سمجھا گیا۔ اور اہل نظر نے دیکھتے ہی اس خوشی کا احساس کیا کہ تھوڑی دیر بعد مناظرہ میں بھی ہماری بالاتری اور ان کی زبردستی و پامالی ایک یقینی امر ہے۔ اس مکان کے نیچے دونوں طرف صحن میں سنی اور شیعہ سامعین کھڑے ہو گئے۔ بالاتفاق طے ہوا کہ ہر مناظرہ پندرہ منٹ تقریر کیا کرے۔

سنیوں کی طرف سے مولانا نور محمد سندیلوی مناظر منتخب ہو گئے اور ان کے معاون مولوی عبدالرحمن صاحب و مولوی سیاح الدین صاحب۔ شیعوں کی جانب سے مناظرہ کرنے کے لیے مولوی فیض محمد مگھیانوی کا تقرر ہوا اور اس کے معاون مولوٹی یعقوب شاہ صاحب اور مولوی غلام شبیر شاہ صاحب مقرر ہوئے۔

سنیوں کے صدر حضرت مولانا ظہور احمد گبوی امیر حزب الانصار بھیرہ مقرر ہوئے۔ شیعوں کے صدر سید فضل حسین شاہ صاحب منتخب ہوئے۔

صدر کے فرائض:

- (1) ہر دو فریق کے صدر اپنے اپنے فرقہ کو ضبط و نظام میں رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے تاکہ کسی قسم کا شور و فساد نہ ہو۔
- (2) اگر سنی مناظر اصول مناظرہ کے خلاف چلے اور موضوع سے ہٹ کر تقریر کرے تو شیعہ صدر سنی صدر کو متوجہ کر کے اس کو روکنے کی کوشش کرے گا۔ اور اسی طرح اگر شیعہ مناظر موضوع کو چھوڑ کر غیر متعلق بحث کو چھیڑے یا اصول مناظرہ کے خلاف کوئی کارروائی کرے تو سنی صدر شیعہ صدر کو متوجہ کرے گا تاکہ وہ اپنے مناظر کو ایسا کرنے سے روکے۔ اور اس طرح طے شدہ شرائط کی پابندی کرانے کے لیے دونوں صدر ایک دوسرے کو متوجہ کریں گے۔

قرآن پر ایمان:

شرائط مناظرہ کے مطابق یہ پہلا موضوع تھا جو دو پہر 12 بجے سے ساڑھے 3:30 بجے پہر تک جاری رہا۔ شیعہ مناظر نے اس دعویٰ کا اثبات کرنا تھا کہ صحاح اربعہ کی کتابوں کے مطابق، موجودہ قرآن حکیم پر شیعوں کا ایمان ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ نہ اس میں سے کچھ گھٹایا گیا ہے اور نہ اس میں کچھ بڑھایا گیا ہے۔ مولانا مفتی سید سیاح الدین کا کاحیل نے اپنے مضمون کی فصل اول میں شیعہ مناظر کے دلائل دیئے ہیں اور اس کے حاشیے میں اہل سنت کے جوابات نقل کیے ہیں۔ (شمس الاسلام فصل اول۔ ص 12-13)

تحریف قرآن:

اہل سنت کے مناظر نے شیعوں کی اصح الکتب میں سے ان کے ائمہ کے اقوال کے حوالے سے واضح کیا کہ وہ موجودہ قرآن حکیم کے متن میں کس قسم کی اور کتنی تحریف کے قائل ہیں۔ (شمس الاسلام، فصل دوم۔ ص 14-18)

حفاظت قرآن:

اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی اور مسلمہ عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ اس سلسلے میں فاضل مصنف نے ضمیمہ کے طور پر بعض دلائل دیئے ہیں۔ (ص 22-24)

خلفائے ثلاثہ کا ایمان:

دوسرا مناظرہ 4:30 بجے سے 7:30 بجے شام تک جاری رہا۔ اس موضوع پر اہل سنت والجماعت نے قرآن حکیم کی آیات اور اپنی کتب صحاح ستہ سے حضرات خلفائے ثلاثہ کا ایمان ثابت کرنا تھا۔ سنی مناظر کے دلائل پر جہاں شیعہ مناظر نے کوئی اعتراض کیا ہے۔ فاضل مصنف نے وہ اعتراض اور اس کا جواب حاشیے میں درج کیا ہے۔ ائمہ شیعہ کے اقوال بھی دیئے ہیں جن سے خلفائے ثلاثہ کی شان اور ان کا ایمان ظاہر ہوتا ہے۔ (ص 25-39)

بعض اعتراضات کے جوابات:

غزوہ احد و غزوہ حنین میں فرار کا الزام، واقعہ فدک اور قصہ قرطاس اور آیات منافقین سے اصحاب ثلاثہ کے ایمان کے بارے میں مفتی صاحب نے تفصیلی مباحث کی ہیں۔ (ص 40-50) جیسا کہ معمول رہا ہے یہ مناظرے اکثر بے نتیجہ ثابت ہوتے تھے مگر ہر فریق اپنی صوابدید کے مطابق انجام طے کر کے فتح یابی کے جھنڈے گاڑ لیتا تھا۔ ویسے بھی مذہبی اور تاریخی موضوعات پر مباحث بہت علمی اور کتابی ہوتے تھے جس سے عام سامعین اور حاضرین کم ہی استفادہ کر پاتے تھے۔ لیکن ایک مقصد ضرور حاصل ہوتا تھا۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کو اپنے عقائد اور مخالفوں کے مغالطوں سے واقفیت ہو جاتی تھی اور یوں مسلمانوں کے گمراہ یا بے راہ ہونے کے امکانات کم ہو جاتے تھے۔

شمس الاسلام:

اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت حزب الانصار کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ چنانچہ جریدہ "شمس الاسلام" میں دیگر موضوعات کے علاوہ شیعیت اور اس سے متعلق مسائل پر ضخیم لٹریچر دستیاب ہے۔ برصغیر کے ماہر فن علماء کے افکار اور ان کی تحقیقات باقاعدگی کے ساتھ کم و بیش ہر ماہ شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان تحریروں سے جہاں شیعہ مذہب کی حقیقت اور صحیح خدو خال سامنے آتے ہیں وہاں مسلمانوں کو اپنے دین کے اصول و مبادی، افکار و نظریات اور تاریخ و واقعات سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

چیدہ چیدہ اہل قلم کے نام یہ ہیں:

- | | | |
|----------------------------------|--|--|
| ● مولانا انور صابری | ● مولانا محمد حسین شوق پیلانوی | ● مولانا ابوسعید بزمی |
| ● مولانا ظہور احمد گوی | ● حکیم سید احسن اختر | ● خانزادہ غلام احمد خان بگلش |
| ● مولوی امیر علی کنگوی | ● مولانا محمد کرم الدین دبیر رئیس بھیس | ● مولانا ابوانور محمد بشیر کوٹلی لوہاراں |
| ● مولوی کرم حسین شاہ | ● تاج الدین احمد تاج | ● مولانا حکیم محمد قطب الدین جھنگوی |
| ● تصدق حسین جعفری بی اے | ● مولانا پیر قطبی شاہ | ● غلام جعفر شاہ نقوی |
| ● مولانا سیف الرحمن للہی | ● مولانا محمد مسعود البھڑوی | ● مولانا شاہ علی حسین |
| ● مفتی سید سیاح الدین کا کاخیل | ● مولانا ضیاء القادری بدایونی | ● مولانا محمد تازہ گل |
| ● مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی | ● مولانا سید لال شاہ دوالمیال | ● مولانا عبدالسلام لکھنوی |
| ● مولانا سید نذیر الحق میٹھی | ● مولانا حکیم عبدالخالق امرتسر | ● مولانا سید ولایت حسین شاہ دیوری |
| ● عبدالرزاق دل لکھنوی | ● مولانا غلام دستگیر نامی | ● مولانا غلام حسین بھکروی |
| ● قاری عبدالشکور شاکر | | |

تحریک مدح صحابہؓ

برصغیر ہندوستان میں شیعہ افکار و عقائد شمال مغرب کی سمت سے وارد ہوئے تھے جب مغل بادشاہوں کا ایران سے میل جول بڑھا۔ بعد میں ایرانی بادشاہ اور مہم جو براہ راست ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو وہ اپنے ساتھ مذہبی اور تہذیبی اثرات بھی لائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے باوجود ہندوستان میں شیعیت کو زیادہ فروغ مل سکا اور نہ شیعہ کوئی سیاسی قوت حاصل کر سکے۔ صدیوں میں ان کی تعداد چند فیصد سے آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ بات البتہ دلچسپ اور قابل غور ہے کہ ہندوستان میں لکھنؤ اور اودھ دو ایسے مراکز پیدا ہوئے جو برصغیر میں شیعہ افکار کی نشر و اشاعت اور رسم و رواج کے فروغ و ترقی کے لیے نمائندہ بن گئے۔

شیعہ مذہب میں ان کے ائمہ اور اہل بیت کا جو مرتبہ و مقام ہے اور مذہبی طور پر انہیں جو فضیلت اور اہمیت دی جاتی ہے وہ اہل سنت و الجماعت کے عقائد و افکار سے بالکل مختلف اور الگ ہے۔ شیعہ عقائد کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خلافت بلا فصل اور دوسرے متنازع امور میں وہ تاریخ اور روایت کو تسلیم کرنے کی بجائے ان اصحاب کو مطعون کرنے میں راہ فرار پاتے ہیں جو ان کے مزعومہ عقائد، مطلوبہ تاریخ اور منسوبہ روایت کے مطابق نظر نہیں آتے۔ یہ لعن طعن جسے تبرا کہتے ہیں، شیعہ مسلک کا بنیادی جزو ہے۔

تبر اور مدح:

1939ء میں جب لکھنؤ کے شیعوں نے صحابہؓ کے خلاف باقاعدہ تحریک سب و شتم کا آغاز کیا تو قانون راجہ کے برخلاف انہیں انگریز سرکار کی سرپرستی حاصل تھی۔ تحریک کی حوصلہ شکنی کے لیے البتہ کانگریس کی حکومت نے بہت موثر اقدامات کیے۔ نئی سرکاری انتظامیہ (بیورو کریسی) نے 1941ء میں ایک شیعہ جلوس میں تبرا پڑھنے کی اجازت دے دی جس پر لکھنؤ کے اہل علم اور مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پیدا ہوا۔ 17 اپریل 1941ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں مسلمانوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں آزیہل چودھری نعمت اللہ ممبر کونسل آف سٹیٹ و سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد و صدر انجمن ائسٹ تبرا لکھنؤ نے درج ذیل تقریر کی جس کے مطالعے سے بقول حضرت مولانا ظہور احمد گوی شیعوں کی تبرا بازی کی لغویت اور حکام لکھنؤ کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اور تحریک مدح صحابہؓ کی وجوہات اور آئندہ لائحہ عمل سامنے آتے ہیں۔ (شمس الاسلام۔ جون 1941ء۔ ص 34-39)

تحریک تبرا:

یہ انجمن اسی ہال کے اندر 1939ء میں اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ تحریک تبرا کے خلاف جو اس وقت زور شور سے چل رہی تھی، احتجاج کیا جائے۔ یہ نا انصافی ہوگی اگر اس کا اعتراف نہ کیا جائے کہ کانگریس گورنمنٹ نے جو اس وقت برسر اقتدار تھی اس تحریک کو کامیاب نہ ہونے دیا اور تبرا کہنے والوں پر مقدمات فوجداری بے دریغ قائم کرائے۔ آج ہم لوگ پھر یہاں جمع ہوئے ہیں، لیکن مقصد کسی قدر مختلف ہے۔ موجودہ گورنمنٹ نے ایک شیعہ جلوس میں ایسی چیز پڑھنے کی حمایت کی ہے جو تبرا ہے۔ آج ہم اس کے طرز عمل کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے یکجا ہوئے۔ اس مسئلہ کی گزشتہ تاریخ اور جو واقعات پیش آ چکے ہیں، ان کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ توقع حق بجانب تھی کہ گورنمنٹ اپنا طرز عمل ان کا لحاظ رکھتے ہوئے قائم کرے گی، لیکن نہایت تعجب ہے کہ حکام نے ایسی روش اختیار کی جو تمام ان روایات کے برعکس ہے جو ابتدائی عہد حکومت انگریزی سے چلے آتے ہیں۔

گورنمنٹ کے اختیارات کی تحدید:

سب سے آخر کیونکہ جو گورنمنٹ نے شائع کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ گورنمنٹ کو کوئی اختیار کسی حق کے لینے یا دینے کا نہیں ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن اگر اس کا منشاء ضمنی یہ بھی ہے کہ کانگریس گورنمنٹ کے کیونکہ نے کوئی حق کسی کو دیا ہے تو یہ نظریہ کیونکہ مذکور کی غلط فہمی اور غلط تعبیر پر مبنی ہے۔ ہر گورنمنٹ اپنے اغراض کے لیے اس کا اطمینان کر سکتی ہے کہ کوئی حق جس کا مطالبہ کیا جائے، قانوناً ہے یا نہیں۔ اس سے زیادہ 1939ء کے کیونکہ میں اور کچھ نہیں ہے۔

سینوں کی سماعت میں یا کسی شارع عام پر تبرا کہنا ہمیشہ جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کے متعلق متعدد فیصلہ جات ہو چکے ہیں۔ 1908ء میں سر جان ہیوٹ کی گورنمنٹ نے اپنے اس رزلویشن میں جو پلٹ کمیٹی کی رپورٹ پر شائع کیا، واضح طور پر یہی کہا ہے۔

قدح، تنقید اور تبرا مترادف الفاظ ہیں:

زمانہ حال میں لفظ تبرا کے متعلق عجیب عجیب ترکیبیں کی گئی ہیں۔ قدح صحابہ و تنقید صحابہ وغیرہ وغیرہ حکام کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کیے جانے لگے ہیں۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ ان سے مفہوم ہے وہ تبرا سے مختلف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے حکام اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ وہ ایسے معاملہ میں بلا امداد کسی واقف کار کے صحیح رائے قائم کر سکیں۔

در اصل قدح صحابہ ہو یا تنقید صحابہ وہ سب دوسرے الفاظ میں تبرا ہے۔ ہر بات جس سے صحابہ کی اور خصوصاً خلفاء کی توہین متصور ہو، تبرا ہے اور قانوناً جرم ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب کانگریس گورنمنٹ

سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ سنیوں کے جلوس کے مقابلہ میں شیعوں کو جلوس نکالنے کی آزادی ہونا چاہیے، اور نیز یہ کہ جیسے سنیوں کو اپنے عقائد کے مطابق خلفاء کی تعریف کرنے کا حق ہے، ویسے شیعوں کو سنیوں کی بابت اپنے عقائد کے اظہار کی اجازت ہونا چاہیے۔ اس وقت یہی معیار مد نظر رکھا گیا تھا کہ جو کچھ جلوس میں پڑھا جائے اس میں خلفاء کی توہین نہ ہونا چاہیے۔ لیکن کوئی ایسی چیز جس کا پڑھنا تجویز کیا گیا، نہ پائی گئی جس میں خلفاء کی توہین نہ ہو۔ چنانچہ یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات کی مطلب برآری کسی ایسے جوابی جلوس سے نہیں ہو سکتی جس میں خلفاء کی توہین ہو سکے۔ جب کبھی اس معاملہ کی بابت گفت و شنید ہوئی دونوں جماعتوں کے مقتدر حضرات سے مشورہ کیا گیا اور اس کے بعد فیصلہ ہوا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی آڑ میں حکومت کی کارستانیاں:

کانگریس گورنمنٹ کے مستعفی ہو جانے کے بعد 1940ء میں اسی قسم کا پھر مطالبہ شیعہ حضرات کی طرف سے ہوا۔ اُردو میں اس وقت کی گفت و شنید میں شریک نہیں تھا لیکن مجھے یقین واثق ہے کہ کنور جسیر سنگھ صاحب ڈپٹی کمشنر لکھنؤ نے اس طریقہ کو جائز نہیں قرار دیا۔ ان واقعات سے واضح ہے کہ شیعہ حضرات کو جلوس کے ساتھ خلفاء کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کرنے کی نہ صرف کانگریس گورنمنٹ نے بلکہ موجودہ گورنمنٹ کے زمانہ میں بھی اجازت نہیں دی گئی لیکن جیسا کہ واقعات بعد سے معلوم ہوا، ان کی جانب سے درپردہ پروپیگنڈہ جاری رہا اور ان کی جدوجہد 1941ء میں کامیاب ہوئی۔ کنور جسیر سنگھ صاحب جو اس کے متعلق صحیح عمل درآمد کر چکے تھے، ان کا تبادلہ تھوڑا عرصہ قبل از بارہ وفات ہو گیا اور ان کی جگہ پر ایک ایسے افسر کا تقرر ہوا جو اس مسئلہ سے بالکل نااہل تھے۔ اس کے بعد گورنمنٹ نے پھر ایک کمیونک شائع کیا جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ سنی شیعہ کا تنازعہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیارات سے متعلق ہے اور وہی امن و امان کے ذمہ دار ہیں۔ اس طرح گویا گورنمنٹ نے یہ باور کرانا چاہا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اس معاملہ میں خود مختار ہیں۔ لیکن ایسے کمیونک سے کسی کو دھوکہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ بات اظہار من اشمس ہے کہ اس مابین میں جو کچھ کارروائی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کی اس کی بابت اوپر سے ہدایات آتی رہیں۔

مسلمانوں سے دھوکہ:

اس کمیونک کا جو اثر عوام پر ہوا، وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ایک طرف تو شیعہ حلقوں میں بہت اظہار مسرت کیا گیا اور شیعہ اخبارات نے کمیونک مذکور سے کانگریس پالیسی کا مسترد ہو جانا ظاہر کیا۔ برخلاف اس کے کمیونک کے مضمون سے سنیوں میں کوئی خاص انتشار پیدا نہیں ہوا۔ ایسے مختلف اثرات جو کمیونک نے پیدا کیے ان کا اصلی حال اب کھلا۔ شیعہ حضرات کو اپنی معلومات کی بنا پر اس کے اصلی مقاصد کا

پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ لیکن سنی پبلک کو جو صرف مضمون کیونکہ سے رائے قائم کر سکتی تھی اس کا شبہ نہیں ہوا کہ اس کے پس پردہ اور بھی کوئی راز ہے۔ جوں جوں روز بارہ وفات قریب آتا گیا سنیوں کو یہ محسوس کرایا گیا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ان کے جلوس کا معقول انتظام کریں گے اور سنیوں نے بھی ان کو یقین دلایا کہ وہ تمام معقول شرائط کی پابندی کریں گے۔ برابر سنی اسی خواب غفلت میں رکھے گئے کہ ان کا جلوس حسب دستور نکلے گا۔ لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب 5 اپریل 41ء کو صرف پانچ روز پیشتر یکا یک یہ معلوم ہوا کہ ان کے جلوس کے مقابلہ میں اسی دن ایک شیعہ جلوس نکلوایا جائے گا جس میں چند تاریخی واقعات جو سنی کتب سے لیے جائیں گے، بیان کرنے کی اجازت ہوگی۔ سب سے پہلے یہ خبر ان چند سنیوں کے گوش گزار کی گئی جو ڈپٹی کمشنر صاحب سے اپنے جلوس کے متعلق ملنے گئے تھے۔ ان کو ایک درخواست چند شیعہ حضرات کی دکھلائی گئی جس میں یہ اجازت چاہی گئی تھی کہ آٹھ تاریخی واقعات شیعہ جلوس میں پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

”تاریخی واقعات“ کے نام سے صحابہ کی ناقابل برداشت توہین:

وہ درخواست ان سنی حضرات کو دکھلائی گئی اور انہوں نے صرف تین واقعات پڑھنے کے بعد کہا کہ بقیہ مضمون پڑھنے کی ان کو تاب نہیں ہے۔ مجھے ان واقعات کا علم انہی حضرات کے بتلانے سے ہوا۔ الغرض جب یہ خبر شہر میں پھیلی تو چند سنیوں نے جو اپنے جذبات پر زیادہ قابو رکھ سکتے تھے، یہ خواہش ظاہر کی کہ جو کچھ شیعہ جلوس میں پڑھا جائے گا اس کی نقل سنیوں کو دی جائے تاکہ یہ رائے قائم کی جائے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات ہے یا نہیں؟ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس کی نقل نہیں دی اور یہ فرمایا کہ اس کے پڑھنے سے سنی جذبات کو ٹھیس لگے گی۔ ایسی حالت میں یہ بات مان لینا چاہیے کہ ایک ایسی چیز جو غالباً نظم تھی پڑھی جانے والی تھی جس میں صحابہ کی سخت توہین تھی۔ اس موقع پر صورت حال یہ تھی کہ یہ بات صیغہ راز میں رکھی گئی کہ جو تاریخی واقعات شیعہ جلوس میں بیان کیے جانے والے تھے وہ کیا تھے اور کن کتابوں سے اخذ کیے گئے تھے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان مضامین سے شیعہ جلوس کی غرض اسی حالت میں پوری ہو سکتی تھی کہ ان سے سنیوں کی دل آزاری ہو سکے تاکہ اس سے متاثر ہو کر وہ صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی غیر ذمہ دارانہ حرکت:

مجھے سخت تعجب ہے کہ ان مضامین کے پڑھے جانے کے متعلق صاحب موصوف نے تعزیرات ہند کا بالکل خیال نہ رکھا اور غالباً سرکاری مشیران قانونی سے بھی کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں ہے کہ جو کچھ پڑھنے جانے کی اجازت دی گئی وہ جرم کی حد تک ضرور تھا۔ یہ بھی ایک تعجب خیز امر ہے کہ حکام نے اجازت دینے سے قبل اس پر غور نہیں کیا۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تاریخی واقعات سنی کتابوں سے مع اپنے اصلی مفہوم کے ایک نظر میں بلا کم و کاست لائے جاسکیں۔ نہ یہی ممکن معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے جو کچھ کسی

واقعہ کے متعلق لکھا ہے وہ سب نظم میں آجائے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک یہ شرائط پورے نہ ہوں تاریخی واقعات اگر چہ سنی کتابوں سے لیے جائیں تاہم اس طرح نظم کیے جاسکتے ہیں کہ جس سے توہین صحابہ "متصور ہو۔"

سنی مصنفین پر بدترین افترا:

میرے خیال میں ایسی نظم سے نہ صرف صحابہ کی توہین ہے بلکہ ان سنی مصنفین پر بھی افترا ہے جن کی کتابوں سے ان واقعات کا لیا جانا کہا جاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ان سنی مصنفین نے اپنی کتابوں میں تاریخی واقعات اس شکل سے دکھلائے ہوں کہ ان سے صحابہ کی توہین اور سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہو۔ اس فتنہ انگیز درخواست پر جو حکام نے منظور کر لی، مزید تنقید تضحیح اوقات ہے۔

قیام امن یا نقض امن؟

صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے استصواب کرنے پر یہ بتلایا کہ شیعہ جلوس انہوں نے محض امن و امان قائم رکھنے کے لیے جائز رکھا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ دونوں فریق اپنے اپنے جلوس میں مصروف رہیں گے اور نقض امن کا کوئی موقع نہ ہوگا۔ "سبحان اللہ" یہ عجیب طریقہ امن و امان قائم رکھنے کا صاحب موصوف نے سوچا۔ یہ ہمیشہ کہا جاتا ہے کہ ایک جلوس کے انتظام میں ایک کثیر پولیس اور فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب دو مخالف گروہ کی تنظیم ایک ہی شہر میں ایک ہی دن روارکھی جائے گی تو یہ یقیناً برسرِ محال ہے کہ اس سے امن و امان کی حفاظت ہوگی۔ جو واقعات بعد کو پیش آئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دراصل حکام کو یہ توقع تھی تو وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ جیسے ہی جلوس تبرا کی خبر ہوئی ویسے ہی شہر میں اتنی بے چینی پیدا ہو گئی کہ خون ریزی یقینی تھی اور ایسی حالت میں دونوں جلوسوں کی زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری ممانعت کرنا پڑی۔ وہ تمام منصوبہ جو خام خیالی پر مبنی تھا اور جو صیغہ راز میں رکھا گیا تھا، بالکل بیکار ثابت ہوا۔ بجائے حصول مقصد کے ایک فتنہ عظیم برپا ہو گیا۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس واقعہ سے محافظین امن و امان کی وقعت جو لوگوں کے دلوں میں تھی، اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا۔

اہل سنت کے لیے خطرہ عظیم:

جہاں تک سنی پبلک کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ ان کی مذہبی اور اخلاقی زندگی کے سامنے ایک بڑا خطرہ موجود ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ کی پالیسی میں ایسے مطالب مضمحل ہیں جن کو بڑی وسعت دی جاسکتی ہے۔ جس اصول پر گورنمنٹ کاربند ہونا چاہتی ہے وہ کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ اگر سنی بالا اعلان مدح صحابہ کریں تو شیعوں کے لیے مخالفت میں صرف اتنا ضروری ہے کہ نقض امن پر آمادگی ظاہر کر کے ایک دل آزار رسم پر اصرار کریں۔ اور ایسی صورت میں حکام کو اختیار ہوگا کہ شیعوں کی خوشنودی کے لیے ایسی مراسم ادا کرنے کی اجازت دے دیں جس سے صحابہ کرام کی توہین ہو۔ مجھے یقین کامل ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا

گورنمنٹ کو ہرگز ایسا اختیار نہیں ہے۔ اور یہ سخت ہٹ دھرمی ہوگی اگر کسی فرقہ کی دلجوئی کے واسطے حکام مطلق العنان ہو کر قانونِ فوجداری کو نظر انداز کر دیں۔

کیا خارجیوں کو حضرت علیؑ پر تبرہ کی اجازت دی جائے گی:

اس سلسلہ میں یہ بتلادینا چاہتا ہوں کہ اگر ایسے مراسم روار کھے جائیں جن کی غرض محض بدلہ لینا ہے تو ان کے لازمی نتیجہ کو یاد رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں میں ایک جماعت از نام خارجی بھی ہے جن کے عقائد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ہم سب کو معلوم ہیں۔ حضرات شیعہ ہر سال سینکڑوں جلوس تعزیہ داری نکالتے ہیں۔ سنیوں کے عقائد تعزیہ داری کے متعلق شیعوں سے بہت مختلف ہیں۔ اگر خارجی جماعت اپنے عقیدہ کے مطابق بدلہ لینے والے جلوس نکالنا چاہیں تو مندرجہ بالا اصول کے ماتحت ان کو اجازت ہونا چاہیے۔ حکام نے ہمارے سامنے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ سنیوں میں وہ لوگ جن کو جلوس مدح صحابہؓ میں انہماک نہ تھا، مجبور ہو گئے ہیں کہ جلوس کا مطالبہ کریں۔ جلوس مدح صحابہؓ اب نئی چیز نہیں کہی جا سکتی۔ گزشتہ 32 سال سے اس کا مسئلہ ہمارے سامنے رہا ہے۔ اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً جلوس نکلا اور اکثر روک ٹوک بھی ہوئی لیکن بالآخر 1839ء میں ایک ایسی گورنمنٹ نے جواز روئے ایکٹ پارلیمنٹ قائم ہوئی تھی، اپنی پالیسی کا اعلان کیا۔ یہ پالیسی سراسر مسلمہ اصول قانونی پر مبنی ہے۔ اس سال اسی پالیسی پر عمل درآمد ہوا اور پھر 1940ء میں موجودہ گورنمنٹ کے عہد میں اس پر عمل درآمد ہوا۔ لیکن 1941ء میں اسی گورنمنٹ نے اس پالیسی میں تبدیلی تجویز کی ہے کہ جلوس مدح صحابہؓ جو اس دوران میں دو بار نکل چکا تھا، ایسے جلوس کے ساتھ منسلک اور لازم و ملزوم کر دیا جائے جو قانوناً ارتکاب جرم بہ اعانت مجسٹریٹ ضلع متصور ہے۔ یہ صورت ہمارے پیش نظر ہے۔ میں نہایت وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ کوئی سنی (اس کے جلوس کے متعلق کیسے ہی خیالات ہوں) اس کو رو نہیں رکھ سکتا کہ مدح اور مذمت ایک سطح پر رکھی جائیں۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا تجاہل:

میں نے صاحب مجسٹریٹ ضلع کے اس بیان کو پڑھا جو 15 اپریل 1941ء کے اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ انہوں نے شیعوں کو نہ تبرہ کی اجازت دی نہ قدح صحابہؓ اور تنقید صحابہؓ کی (ان الفاظ سے جو معنی ان کے ذہن میں ہوں) لیکن موصوف اب بھی واضح نہیں کرتے کہ وہ کیا چیز تھی جس کے پڑھنے کی اجازت انہوں نے دی تھی۔ بظاہر کھلے لفظوں میں وہ اس کے انکار پر تیار نہیں ہیں کہ اس سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی۔ اسی بیان میں صاحب مجسٹریٹ ضلع نے صلح کی بابت اپیل کی ہے۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس اپیل میں نیک نیتی کی یو کم پائی جاتی ہے۔ جو طرز عمل انہوں نے اب تک ظاہر کیا ہے اس سے صلح کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ ہم میں ایسے اشخاص بھی تھے جو ابتدا سے طریقہ صلح کی

جستجو میں برابر رہے ہیں۔ لیکن وہ ہرگز سنی عوام سے یہ کہنے پر تیار نہیں ہیں کہ وہ تحریک تبرا کے اگرچہ وہ سرکاری حمایت میں ہو، سر تسلیم خم کریں۔

اگر حکام سچے دل اور استقلال سے قانون پر کاربند ہوں تو کوئی ایسی مشکل اس مسئلہ میں نہیں ہے جو اصل ہو۔ البتہ اگر امن و امان قائم رکھنے کے حیلہ سے ایسے اختیارات محفوظ رکھنا چاہتے ہیں جو ان کی مرضی کے موافق برتے جاسکیں تو وہ اندرونی کاٹ پیچ کا دروازہ کھول دیں گے اور متخاصمین حکام اسی کے ذریعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور یہ نہایت ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ میں نظر یہ مندرجہ بالا کے ماتحت ایک حل پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حکام کے اختیارات کی حد بندی:

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ حکام کے اختیارات کیا ہیں۔ اس کا جواب آپ کو یہ ملے گا کہ پولیس ایکٹ کی رو سے کوئی جلوس یا پبلک جلسہ روکا نہیں جاسکتا، صرف قیود عائد کیے جاسکتے ہیں۔ از روئے دفعہ 44 فوجداری مجسٹریٹ صرف دو مہینہ کے لیے روک سکتا ہے۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ اس میعاد کی تجدید بار بار نہیں ہو سکتی۔ البتہ گورنمنٹ اس میعاد کی توسیع کر سکتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سنیوں اور شیعوں کو کیا کیا کرنے کا حق ہے؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں فریق اپنا اپنا جلوس نکال سکتے ہیں بشرطیکہ جلوس کا نام اور اس میں جو کچھ پڑھا جانے والا ہے وہ قانوناً اس کو ناجائز نہ بتاتا ہو۔ رہ گیا یہ امر کہ جواز و نہ جواز کا فیصلہ کون کرے گا؟ اس کے متعلق یہ ماننا پڑے گا کہ ہر مجسٹریٹ ضلع محض اپنی واقفیت سے کام لے کر ایسے مسائل کا فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا لہذا اگر کوئی مسئلہ غیر طے شدہ ہو تو ایک ایسی پچائیت کو قطعاً مانا جائے جس میں ایک یا زیادہ سنی و شیعہ وغیر مسلم ہندگان لکھنؤ بیچ ہوں۔ یہ ایک ایسی بنیاد ہوگی جس پر سنی و شیعہ اتحاد کی ایک مستحکم عمارت بنائی جاسکے گی۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی پالیسی کے الٹ پھیر سے سنی و شیعہ دونوں محفوظ رہ سکتے ہیں۔

میں اپنے شیعہ بھائیوں سے اور نیز گورنمنٹ سے ملتجی ہوں کہ اس تجویز پر غور فرمائیں:

تجاویز

جلسہ عام انجمن انسداد تبرالکھنؤ منعقدہ 17 اپریل 1941ء بمقام گنگا پرشاد میموریل ہال، امین الدین پارک لکھنؤ۔ زیر صدارت آنرےبل چودھری نعمت اللہ صاحب ایڈووکیٹ صدر انجمن انسداد تبرالکھنؤ۔

تجوویز 1: یہ جلسہ نہایت پر زور الفاظ میں واضح کرتا ہے کہ صحابہ کرام کی شان کے خلاف اشارہ یا کنایہ کسی قسم کے الفاظ کا استعمال تبرا ہے اور گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ انسداد جرم تبرا میں پہلو تہی نہ کرے۔

محرمک: مولانا سید ابوالحسن صاحب معلم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مؤیدین: حکیم خواجہ شمس الدین صاحب میونسپل کمشنر و مولانا محمد عتیق صاحب ناظم مدرسہ قدیمیہ نظامیہ فرنگی محل۔

تجویز 2: چونکہ حکام نے ناعاقبت اندیشی سے گزشتہ بارہ وفات کے دن چند شیعہ حضرات کو ایک ایسا جلوس نکالنے اور اس میں ایسے بیانات کرنے کی اجازت دی جس کا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام کی توہین اور اہل سنت والجماعت کی دل آزاری ہو، اس لیے یہ جلسہ حکام کے اس طرز عمل کے خلاف نہایت پر زور الفاظ میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔

محرک: شیخ اقبال علی صاحب ایڈووکیٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ لکھنؤ۔

مؤیدین: شیخ ارشاد، شاہد حسین قدوائی بیرسٹر و تعلق دار و مولوی محمد نسیم صاحب ایڈووکیٹ۔

تجویز 3: یہ جلسہ اہل سنت والجماعت کے اس جائز حق کے استعمال پر جو ان کو علی الاعلان عام جلسہ میں مدح صحابہ کرنے کا اور جلوس مدح صحابہ نکالنے کا حاصل ہے، اصرار کرتا ہے۔

محرک: مرزا احمد حسن عرف مجن صاحب ایڈووکیٹ و میونسپل کمشنر

مؤید: شیخ سراج حسین صاحب ایڈووکیٹ

تجویز 4: یہ جلسہ انجمن انسداد تہرا کی مجلس عاملہ کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ ممالک متحدہ آگرہ وہ اودھ کے خاص خاص شہروں اور قصبوں میں اپنی انجمن کی شاخیں اس فرض کے لیے قائم کرے کہ اہل سنت والجماعت کے جلوس مدح صحابہ کو بلا کسی قسم کی پابندی کے نکالنے میں اور ان ہستیوں کی یادگار میں جن کا وہ اہتمام کرتے ہیں، عام جلسے منعقد کرنے میں رائے عامہ کو عملی جامہ پہنائے۔

محرک: مولوی سید ظہور احمد صاحب ایڈووکیٹ

مؤیدہ: فاضلہ بیگم صاحب

تحریک مدح صحابہ کی مختصر تاریخ

ظاہر ہے تحریک تہرا اور تحریک مدح صحابہ دونوں کا آغاز لکھنؤ، یو۔ پی سے ہوا۔ یہیں سے تحریک مدح

صحابہ کے بارے میں اطلاعات اور اعلانات جاری ہوئے جن سے برصغیر کے علماء اور عوام حالات سے آگاہ اور متفقہ قومی لائحہ عمل پر کمر بستہ ہوئے۔ اس پس منظر کی تفصیل حضرت مولانا گوی نے اس طرح بیان کی ہے:

لکھنؤ کے مسلمان مدح صحابہ کے سلسلہ میں جو احتجاجی کارروائی کرتے ہیں اس سے باہر کے

مسلمان عام طور پر ناواقف تھے۔ اس لیے تحریک کی پوری تاریخ مختصر طور پر عام معلومات کے لیے ہم شائع

کر رہے ہیں تاکہ اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

مدح صحابہؓ:

پیغمبر ﷺ کے مقدس اصحابؓ کی قرآن و حدیث میں جو بزرگی بیان کی گئی ہے مسلمان ان کو اسی کا مستحق سمجھتے ہیں۔ ان کی مدح و تعریف کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان اصحابؓ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جو خدمات کی ہیں، جس طرح جان و مال کی بے دریغ قربانیاں اسلام کی راہ میں پیش کی ہیں۔ اس کا اقرار اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ آزادانہ طور پر صحابہؓ کی تعریف کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ اسلام کے ان برگزیدہ اصحابؓ کی مدح پر اگر کوئی حکومت پابندی لگانا چاہے تو یہ اس کا غیر دانشمندانہ کام کہا جائے گا۔ کسی قوم کے مذہبی پیشواؤں کی تعریف کرنے سے روکنے کا الزام اس پر عائد ہوگا۔

مدح صحابہؓ پر پابندی:

1909ء میں سر جان ہیوٹ کی حکومت نے لکھنؤ میں عشرہ محرم، 20 محرم، چہلم، 10 صفر اور 21 رمضان کو سرعام مدح صحابہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جسے حکام اور شیعوں کی ساز باز نے پورے سال تک وسعت دے دی۔ 1936ء میں لکھنؤ کے مسلمانوں نے اس پابندی کو ہٹانے کے لیے باقاعدہ کوشش کی جس کی وجہ سے 1937ء میں حکومت نے حالات کی تحقیقات کرنے کے لیے اسپ کمیٹی قائم کی۔ مارچ 1938ء میں کانگریسی حکومت نے اپنا فیصلہ اسپ کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ شائع کیا۔ اس فیصلہ میں صاف طریقہ پر لکھا گیا کہ ”سنیوں کا برسرعام مدح صحابہ پڑھنے کا حق معرض بحث نہیں۔ یہ حق بے شبہ ان کو حاصل ہے۔“ رپورٹ اور سرکاری فیصلہ کی اشاعت کے بعد اس کی کوشش کی گئی کہ ایک عام جلسہ کر کے اس حق کا باقاعدہ استعمال کیا جائے۔ مگر بعض حکام کے پیدا کردہ حالات کی بناء پر اس کا موقع نہ ہو سکا۔ مئی 38ء میں مسلمانوں نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے احتجاجی طور پر قانون شکنی کی اور درمیان میں عارضی التوا کے علاوہ اس کو ہمت کے ساتھ فروری 1939ء تک جاری رکھا۔ مارچ 1939ء میں حکومت نے ایک عام اعلان کیا جس میں وعدہ کیا کہ 12 ربیع الاول کو لازماً مدح صحابہ کا جلوس نکالنے اور جلسہ عام میں مدح صحابہ پڑھنے کا مسلمانوں کو موقع دیا جائے گا۔ اس اعلان کی اشاعت سے پہلے ہی شیعوں نے عام سڑکوں پر تبراک کر قانون شکنی شروع کر دی۔

مدح صحابہؓ کا جلوس:

1939ء میں حکومت کے اعلان کے مطابق مسلمانوں نے مدح صحابہ کا جلوس نکالا۔ اسی سال کے آخر میں جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے کانگریسی وزارت نے استعفیٰ دے دیا اور حکومت کی ذمہ داری گورنر نے سنبھال لی۔ تو شیعوں نے پھر کوشش کی مگر اس وقت حکومت نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ 20 اپریل 1940ء میں بھی جلوس مدح صحابہ کے نکلنے کے انتظامات کر دیئے گئے۔ شیعوں نے

حکومت کو مرعوب کرنے کے لیے فساد برپا کیا مگر جلوس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔
 پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ لکھنؤ کے علماء اور مسلم سنی عوام مدح صحابہؓ کے لیے صف بستہ ہو رہے تھے۔
 اس سلسلے میں جو واقعات ہوئے، ان کے نتیجے میں مسلمانان لکھنؤ بالخصوص اور برصغیر کے بالعموم احتجاج پر مجبور ہو گئے۔

مدح صحابہؓ کے جلوس پر پابندی:

اس سال 1941ء میں ربیع الاول کے شروع میں مسلمانوں نے مدح صحابہؓ کا جلوس نکالنے کی درخواست دی۔ راستہ کے تعین اور دیگر انتظامات کے لیے مقامی حکام سے گفتگو کی تو حکام نے مسلمانوں پر ایسی پابندیاں لگا دیں جو اس سے پہلے نہیں تھیں۔ 6 ربیع الاول کو ڈپٹی کمشنر نے مسلمانوں کو اطلاع دی کہ 12 ربیع الاول کو شیعوں کو بھی ایک جلوس نکالنے کی اجازت دی گئی ہے جس میں وہ تاریخ اسلامی سے اخذ کر کے چند واقعات بیان کریں گے۔ مسلمانوں میں اس اطلاع سے سخت بے چینی پیدا ہوئی اور انہوں نے ایک عام جلسہ کر کے احتجاج کیا حکام نے جلسہ کے چار مقرروں کو گرفتار کر لیا اور 11 ربیع الاول کو مسلمانوں اور شیعوں کے درمیان کشمکش کا بہانہ کر کے مسلمانوں اور شیعوں کے جلوسوں کی ممانعت کا اعلان کر دیا۔

مسلمانوں کی احتجاجی سول نافرمانی:

حکومت کی اس شیعہ نواز اور مسلم آزار حکمت عملی نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے جائز مذہبی اور قانونی حق کی حفاظت کریں اور 12 ربیع الاول کو جلوس مدح صحابہؓ نکالیں۔ مسلمانوں نے جلوس نکالا مگر حکومت کی جانب سے مداخلت کی گئی اور سات سو سے زیادہ مسلمان گرفتار کر لیے گئے۔ شہر کے بعض معزز مسلمانوں نے حکام سے پھر گفت و شنید کی مگر حکومت اصلاح حال کے لیے تیار نہ ہوئی تو مسلمانوں نے اپنی احتجاجی کارروائی کو جاری رکھا۔ اب تک کئی ہزار مسلمان مدح صحابہؓ پڑھ کر جیل جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ (شمس الاسلام، جولائی 1941ء، ص: 41-43)

قرارداد جلسہ حزب الانصار:

تحریک مدح صحابہؓ میں تمام قومی تنظیموں نے پورے جذبہ اور ولولے کے ساتھ حصہ لیا۔ مجلس احرار ہند اس تحریک میں مولانا عبدالشکور لکھنوی کے ہراول دستے میں شامل تھی، پورے ملک میں جلسے، احتجاجی ریلیاں اور قراردادیں جاری تھیں۔ مجلس حزب الانصار بھیرہ کا گیا رھواں سالانہ جلسہ 14-15-16 مارچ 1941ء کو منعقد ہوا۔ اس میں دیگر اہم قراردادوں کے علاوہ جن کا ذکر باب سالانہ جلسہ حزب الانصار بھیرہ کے تحت گزر چکا ہے۔ درج ذیل ریزولوشن منظور کیا گیا اور تاکید کی گئی کہ ہر علاقے کے مسلمان جلسہ منعقد کریں اور مسلمانوں کے جذبات

اور مطالبات قرارداد کی صورت میں وائسرائے ہند، گورنر یوپی، ڈپٹی کمشنر لکھنؤ اور پنجاب و یوپی کے مسلم پریس کو ارسال کریں۔

”مسلمانوں کا یہ اجتماع حکومت یوپی کی ان پابندیوں کے خلاف جو سنیوں کے جلوس مدح صحابہ پر عائد کی گئی ہیں، نیز اس روش پر جس کی رو سے شیعوں کو تبرابازی جیسی بے ہودہ اور اشتعال انگیز حرکت کا موقع دیا گیا، نفرت اور حقارت کا اظہار کرتا ہے اور ان مجاہدین کی خدمت میں بدیہ مبارک باد پیش کرتا ہے جنہوں نے ناموس صحابہ کرام کی خاطر قید و بند کی صعوبتوں کو لبیک کہا ہے“۔ (شمس الاسلام۔ مئی 1941ء۔ ص 41)

تحریک مدح صحابہ دن بدن زور پکڑ رہی تھی۔ احتجاج کے مروجہ طریقوں کے ساتھ یہ بھی طے ہو رہا تھا کہ برصغیر کے مختلف علاقوں سے علاقائی اور قومی تنظیموں کے تعاون سے رضا کارانہ جتھے یوپی روانہ ہوں اور یہ جتھے لکھنؤ میں مجوزہ جلوس مدح صحابہ میں شریک ہوں۔ اسی دوران تحریک کے مرکزی قائد امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی گرفتار کر لیے گئے۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام جو اس تحریک میں پورے جوش و خروش سے شامل تھی، اس کے ایک مرکزی رہنما جناب ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم ڈکٹیٹر آل انڈیا مجلس احرار اسلام نے 24 اپریل 1941ء کو لکھنؤ میں تحریک مدح صحابہ کے متعلق ذیل کا بیان دیا:

مجلس احرار اسلام کا موقف:

”حکومت یوپی نے لکھنؤ میں سنیوں کو مدح صحابہ کے جلوس نکالنے کی اجازت دینے کے ساتھ ہی شیعوں کو جلوس تبرا کی اجازت دے کر انتہائی غیر دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اول الذکر حق کانگریس گورنمنٹ نے ازراہ انصاف دیا تھا مگر دوسرا حق شیعوں کو دے کر حکومت نے موتی اور کنکر کو ایک پلڑے میں رکھ دیا ہے۔ اس نے مدح صحابہ اور صحابہ کے خلاف زبان درازی دونوں کو برابر قرار دیا ہے۔

اس احمقانہ فعل کے خلاف سنیوں کی برہمی بالکل بجاتھی۔ انہوں نے مولانا عبدالشکور کو اپنا امام بنا کر اس حکم کے خلاف جدوجہد کا فیصلہ کیا۔ اور مجلس احرار کے تمام کارکن اور رہنما جو لکھنؤ پہنچ چکے تھے، انہوں نے بھی مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ حالات کا قدرتی اقتضاء تھا۔ مجلس احرار کے تمام رہنما اور سینکڑوں متبعین ہنسی خوشی صحابہ

کراٹ کی آبرو کی خاطر جیل چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد حکومت کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے صلح کی گفتگو شروع کی تاکہ مسلمانوں کا جوش ختم ہو جائے۔ فیصلے کے لیے 14 اپریل کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مولانا عبدالشکور کو فیصلے کا اختیار کلی دیا گیا۔ میں بستر عیالت پر بے تابی سے منتظر تھا کہ یکا یک تار موصول ہوا کہ مولانا عبدالشکور گرفتار کر لیے گئے۔ اس واقعے سے صورت حال یک قلم بدل گئی شیعہ حضرات نے اپنے نوابوں اور راجوں مہاراجوں کے ذریعے بھس میں چنگاری ڈال کر اپنے گھروں میں جا بیٹھے اور تصادم حکومت اور سنیوں میں شروع ہو گیا۔ اگر اب بھی حکومت عقل و شعور سے کام لیتی تو مجلس احرار کو تحریک جاری رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ مگر حکومت نے سنیوں کو جنگ پر مجبور کر دیا۔ سنی حق پر ہیں اور انشاء اللہ انہی کی فتح ہوگی۔ میں محاذ لکھنؤ پر جانے والے احرار رضا کاروں کو روکنے کے لیے حکم جاری کرنے والا تھا۔ مگر حکومت نے مولانا عبدالشکور صاحب کو گرفتار کر کے مفاہمت کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں اور میں سنی مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ اپنے حق کی خاطر جو چاہیں کریں، مگر پرامن رہیں۔“

(شمس الاسلام۔ مئی 1941ء)

حکومت یوپی کی بے تدبیری، حکام کی شیعہ نوازی اور انگریز کی تفرقہ باز پالیسی کے سبب معاملات سلجھنے کی بجائے الجھتے چلے گئے۔ بڑی جدوجہد کے بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے کانگریسی حکومت نے 12 ربیع الاول کو میلاد النبی ﷺ کے جلوس کی اجازت دے دی تھی۔ مگر جب وقت آیا تو شیعوں نے یہ شرط لگا دی کہ وہ مدح کے جواب میں قدح کریں گے۔ چنانچہ جس روز مسلمان جلوس نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے یوپی سرکار نے شیعوں کو بھی جلوس نکالنے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں کا اضطراب اور اشتعال ان حالات میں قدرتی تھا۔ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنؤی، مولانا عبدالقیوم، غازی منے خان اور ان کے رفقاء کی گرفتاری نے حالات کو مزید گھمبیر بنا دیا۔

فوج محمدی کا کردار:

یہ وہ دور تھا جب حضرت مولانا ظہور احمد بگوی ملک میں ادارہ عالیہ محمدیہ بھیرہ کے تحت فوج محمدی تشکیل دے چکے تھے۔ یہ ایک غیر سیاسی اور نیم عسکری تنظیم تھی جس کی شاخیں پورے ملک بالخصوص صوبہ پنجاب میں بڑی

تیزی سے قائم ہو رہی تھیں۔ اس تنظیم کا اصل ہدف علامہ عنایت اللہ المشرقی کی خاکسار تحریک کا مقابلہ کرنا تھا۔ تفصیلات رد خاکساریت کے باب میں آئیں گی۔ بطور امیر حزب الانصار اور بحیثیت قائد محمدی فوج آپ نے تحریک مدح صحابہ کے لیے درج ذیل مقامات پر جلسوں کے ذریعے رائے عامہ کو خبردار اور ہموار کیا۔

(شمس الاسلام جون 1941ء)

مڈھرا، نجھا، چھنی ڈال، بھلووال، نور پور، سیٹھی، ڈیرہ اسماعیل خان، وہووا، ڈیرہ غازی خان، بنوں، لاہور شہر، لاہور چھاؤنی، مسن کالر، وار برٹن، لائل پور، گجرات، جہلم، رہتاس، گوجرانوالہ، ٹیکسلا، امرتسر، انبالہ، دہلی، مان پور، کلکتہ، ڈھاکہ، کرشنا نگر، آگرہ، خوشاب، گجرات، تلہ کنگ وغیرہ۔

گرفتاری:

طویل دوروں کے بعد حضرت مولانا ظہور احمد گوبی امیر مجلس حزب الانصار بھیرہ وقائد تبلیغ فوج محمدی نے رضا کار قافلوں کی لکھنور وائگی کے لیے لاہور میں ایک عارضی دفتر قائم کیا تھا۔ انتظامات اور نگرانی کے لیے وہ خود لاہور میں موجود تھے۔ 20 جون 1941ء کو بعد از نماز جمعہ قانون دفاع ہند (Defence of India Act) کے ضابطہ 129 کے تحت پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ قبل ازیں حضرت مولانا کی مساعی سے فوج محمدی کالاباغ کے سترہ رضا کاروں کا پہلا قافلہ 18 جون 41ء کی رات کولاہور سے لکھنور روانہ ہوا تھا۔

شمس الاسلام جولائی 1941ء کے شمارہ میں پروفیسر حکیم تاج الدین احمد تاج (لاہور) رقمطراز ہیں:

حکومت پنجاب کا افسوس ناک اقدام

”غور طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ لوگ کسی کے مذہب پر حملہ کرنے جا رہے تھے؟ یا کسی کو برا کہنے اور گالیاں دینے جا رہے تھے؟ کیا کسی کی مدح بیان کرنا یا اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کا نام لینا بھی کسی قانون میں جرم ہے؟“

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ پچھلے دنوں اسی پنجاب سے نو ہزار شیعہ رضا کار صحابہ رسول کو گالیاں دینے اور ان کی ذات اقدس پر تبرا کرنے کے لیے لکھنؤ گئے۔ لیکن اس وقت تو حکومت پنجاب کی مشینری کے پرزوں میں ہرگز ہرگز کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی اور ان گالیاں بکنے والوں اور تبرا کرنے والوں پر کوئی قانونی پابندی عائد نہیں کی۔ لیکن تحفظ ناموس صحابہ کے

جذبہ کے ماتحت پُرامن قافلوں کی روانگی کا انتظام کرنے والوں پر جبراً دفعہ 129 عائد کر کے ان کو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ العجب ثم العجب۔

دراصل حکومت پنجاب نے یہ غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ اقدام کر کے تمام ہندوستان کے سنی مسلمانوں میں سخت بے چینی اور ہیجان پیدا کر دینے والی نا عاقبت اندیشی اور غیر دانشمندانہ حرکت کی ہے۔

کیا ہم حکومت پنجاب سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ سنی مسلمانوں کی وسیع ترین اکثریت کے مقابلہ میں شیعہ اقلیت کی جانبدارانہ اور حمایت نواز پالیسی کو ترک کر کے اور اپنے اس عاجلانہ حکم کو واپس لیتے ہوئے حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی رہائی کا فوری حکم صادر فرمائے گی؟

ہم حیران ہیں کہ حکومت پنجاب کو اس معاملہ میں سدراہ اور مزاحم ہونے یا اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ فوج محمدی جانے اور حکومت یو، پی جانے۔ حکومت یو۔ پی بے شک ان قافلوں کو گرفتار کرتی پھرے۔ گو حکومت یو پی کا یہ فعل سراسر ظلم و ستم پر مبنی ہے۔ اگر حکومت پنجاب نے مدح صحابہؓ کرنے والے قافلوں اور ان کے ڈکٹیٹروں پر کسی قسم کی پابندی عائد کی تو اس کے صاف اور صریح معنی یہ ہوں گے کہ حکومت یو پی تو مدح صحابہؓ کرنے کے بعد سنی مسلمانوں کو گرفتار کرتی ہے۔ لیکن پنجاب اس سے بھی دو قدم آگے ہے۔ یعنی یہ مدح صحابہؓ کا ارادہ کرنے والوں کو بھی گرفتار کرنے کے لیے تیار بیٹھی ہے اور حکومت پنجاب بھی مدح صحابہؓ کو برداشت کرنے کی روادار نہیں۔

ہماری رائے میں تو حکومت پنجاب کو عقل و تدبیر سے کام لیتے ہوئے اس موقع پر یہ مستحسن اقدام کرنا چاہیے تھا کہ وہ حکومت یو پی پر اپنے اثر و رسوخ سے یہ دباؤ ڈالتی کہ نہ صرف مصلحت بلکہ عدل و انصاف کا بھی اس وقت یہی اقتضاء ہے کہ ان ساڑھے چار ہزار بے گناہ سنی مسلمانوں کو فوراً رہا کر دیا جائے جو صرف مدح صحابہؓ کے جرم میں جیلوں میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ ورنہ ڈر ہے کہ نہ صرف پنجاب بلکہ تمام ہندوستان کے سنی مسلمان لاکھوں کی تعداد میں ان ساڑھے چار ہزار بے گناہ قیدیوں کی پیروی کرنے کے لیے سیلاب اور طوفان کی طرح

اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر حکومت یوپی کے لیے سخت مصیبت کا سامنا ہوگا۔ (ص: 2 و 36)

حضرت امیر حزب الانصار کی گرفتاری:

عنوان بالا کے تحت شمس الاسلام پھر تفصیل لکھتا ہے:

سر سکندر حیات خان نے جب سے عمان وزارت ہاتھ میں لی ہے، پنجاب میں اہل حق (اہل السنۃ والجماعۃ) کے ساتھ ایک سے زائد مرتبہ بے انصافی روارکھی گئی ہے۔ قصور، وہ کوہا سادات (ضلع جالندھر) اور ضلع جہلم کے ایک گاؤں میں شیعہ سنی نزاع برپا ہوا تو سکندری حکومت نے شیعوں کی پیٹھ ٹھونکی اور اہل السنۃ کے حقوق کو ٹھکرایا۔ قادیان میں مرزا محمود اور اس کے چیلے چانٹوں نے غریب اہل السنۃ والجماعۃ پر مظالم کا جو سلسلہ جاری کر رکھا ہے اس کا انسداد باوجود اہل السنۃ کی چیخ و پکار کے اب تک نہیں ہوا۔ بلکہ انہاں ہر موقع پر مسلمانوں ہی کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عنایت اللہ مشرقی اور خاکساروں نے جب علمائے اسلام کے خلاف جا بجا تحریری اور تقریری طور پر تشدد آمیز، اشتعال انگیز اور امن سوز پروپیگنڈا کیا حتیٰ کہ قاتلانہ حملوں کی دھمکیاں کھلم کھلا دیں اور سر سکندر کی حکومت کو اس طرف توجہ دلائی جاتی رہی تو سر سکندر نے اسے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ ہاں ان کی گوشالی صرف اس وقت ضروری سمجھی گئی جب انہوں نے خود سر سکندر سے ٹکر لی۔ پھر لکھنؤ کے روافض نے تبرا جیسی ملعون تحریک شروع کی تو پنجاب سے آٹھ ہزار تبراہی شیعہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے کے لیے جتھوں کی صورت میں لکھنؤ روانہ ہوئے۔ بلکہ سر سکندر کی اسمبلی پارٹی کے متعدد شیعہ ارکان اس ملعون تحریک کی اعلائیہ امداد کرتے رہے۔ لیکن سر سکندر بہادر منہ میں گھنگلیاں ڈال کر تماشا دیکھتے رہے اور انہوں نے تبراہی شیعوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہ کی۔ غرض سکندری حکومت جب سے قائم ہوئی ہے، اہل السنۃ والجماعۃ برابر ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں اور اس تمام عرصہ میں ایک مرتبہ بھی اہل سنۃ والجماعۃ کی دلجوئی نہیں کی گئی، نہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔

مولانا بگویی اور مولانا عبدالسلام لکھنوی کی گرفتاری:

ماہنامہ شمس الاسلام مزید لکھتا ہے:

کچھ عرصہ سے حکومت یوپی کی شیعہ نواز پالیسی کے خلاف بطور احتجاج حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت و حرمت کے تحفظ کی خاطر لکھنؤ کے حساس اہل سنۃ والجماعۃ نے پھر سول نافرمانی کی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ کئی ہزار سنی جیل میں جا چکے ہیں۔ لکھنؤ کے ان مجاہدین کے ساتھ پنجاب کے سنیوں کی ہمدردی قدرتی تھی۔ چنانچہ فوج محمدی نے اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں لیا اور لکھنؤ قافلے بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پہلا قافلہ حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین صاحب سجادہ نشین ترگ ضلع میانوالی کی قیادت میں مرتب ہوا۔ محمدی فوج

کا دفتر لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے سامنے کھول دیا گیا۔ تاکہ مختلف اضلاع پنجاب سے آنے والے قافلوں کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ حضرت مولانا بگویی نے ابھی اس سلسلہ میں مسجد حضرت شاہ محمد غوث صاحب میں صرف ایک ہی (وہ بھی نہایت محتاط) تقریر فرمائی تھی کہ آپ کو ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے صاحبزادہ مولانا عبدالسلام صاحب بھی اسی سلسلہ میں پنجاب تشریف لائے ہی تھے کہ آپ کو بھی قصور میں گرفتار کر لیا گیا۔ ان دو گرفتاریوں سے سکندری حکومت کے آئندہ عزائم کا اندازہ ہو گیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ سرسکندر اپنی حکومت کے آغاز ہی سے حق دشمنی اور باطل نوازی کا جو راستہ اختیار کر چکے ہیں اسے کسی حالت میں بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

شیعوں اور سنیوں کے ساتھ امتیازی سلوک:

ایک طرف حکومت پنجاب کی شیعہ نوازی کو دیکھئے کہ پنجاب سے ہزاروں شیعہ صحابہ کرام کی شان اقدس میں گالیاں بکنے کے لیے لکھنوجاتے ہیں اور حکومت خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھتی ہے اور دوسری طرف اہل سنت کے مقتدر رہنماؤں کو قتل اس کے کہ وہ کسی "جرم" کا ارتکاب کریں، گرفتار کر کے نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہ کھلا ہوا اور واضح ترین امتیازی سلوک ہے جو شیعوں اور سنیوں کے مابین روا رکھا جا رہا ہے اور جو دنیا کے کسی بھی آئین عدل و انصاف کے رو سے جائز نہیں ہے۔

شیعہ نوازی پالیسی کے محرکات: م

مقالہ خصوصی پنجاب سرکار کی اس کھلی نا انصافی کے محرکات کا جائزہ لیتا ہے:

کیا آپ کو معلوم ہے کہ عدل و انصاف کے مقتضیات کا یہ قتل عام کیوں ہو رہا ہے؟ سوادِ اعظم کے مقابلہ میں اقلیت کو کیوں سر پر چڑھایا جا رہا ہے؟ غالب اکثریت کے حقوق کو کس بنا پر پامال کیا جا رہا ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے اور صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ سرسکندر کی اتحاد پارٹی میں بارہ تیرہ ممبران اسمبلی سرسکندر کی وزارت کے "پائے" بنے ہوئے ہیں۔ وہ سب کے سب اسمبلی اور اتحاد پارٹی کے ممبر ہوتے ہوئے بھی کٹر اور غالی شیعہ واقع ہوئے ہیں۔ ان میں باہمی اتحاد و یک جہتی موجود ہے ہر موقع پر ان کی مذہبی رگ پھڑکتی ہے اور وہ جو کچھ چاہتے ہیں سرسکندر سے منوالیتے ہیں۔ اس کے خلاف اہل سنت کہلانے والے ممبران اسمبلی میں مذہبی احساس اور دینی غیرت موجود نہیں۔ وہ صرف دنیاوی وجاہت کے بھوکے ہیں۔ دین و مذہب سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ حالانکہ سنی کہلانے والے ممبر بلکہ شیعہ ممبر بھی اکثر سنیوں ہی کے ووٹوں سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچے ہیں۔ لیکن جب کبھی اس قسم کا معاملہ پیش آیا سنی ممبروں نے ہمیشہ بے اعتنائی، بے حس بلکہ سنیوں سے غداری کا ثبوت دیا۔ اور شیعہ ممبروں نے ہر موقع پر علانیہ شیعہ مفاد کی

حفاظت کے لیے کام کیا اور آخر کامیاب ہوئے۔

سر سکندر کو صرف اپنی وزارت سے غرض ہے ان میں بھی باقی نام نہاد سنی ممبروں کی طرح احساس دین موجود نہیں۔ احساس دین تو بڑی چیز ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ ممبروں کی دلجوئی کی گرجوشی میں عام مقتضیات عدل و انصاف کو بھی کچھ زیادہ قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ ان حالات میں پنجاب کے رہنمایان اہل سنت کا فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے مناسب تدابیر سوچیں اور انہیں بروئے کار لانے کی کوشش کریں۔ ہم حکومت کو بھی توجہ دلاتے ہیں کہ وہ مولانا بگویی اور مولانا لکھنوی کو فوراً غیر مشروط طور پر رہا کر کے بدنامی کے اس داغ کو جو اس کے دامن پر لگ چکا ہے دور کر کے اپنا فرض منصبی ادا کرے۔ (ص: 40-41)

صدائے احتجاج:

حضرت مولانا بگویی کی گرفتاری کی خبر ملک اور صوبے کے تمام اخبارات میں جلی سرخیوں کی زینت بنی۔ اکثر مسلم اخبارات نے اس واقعہ پر گہرے افسوس کا اظہار کیا ہے اور سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب کی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ حالات کو ابتری سے بچانے اور عمومی امن و شناختی بحال کرنے کے لیے علماء کو رہا کرے۔

مولانا ظہور احمد بگویی کی گرفتاری۔ اداریہ:

روزنامہ زمیندار لاہور، عنوان بالا کے تحت رقمطراز ہے:

”سپہ سالار اعظم محمدی فوج پر سوس گرفتار کر لیے گئے۔ آپ کی گرفتاری دفاع ہند کے ضابطہ 129 کے ماتحت عمل میں لائی گئی۔ چند یوم سے لاہور میں مقیم تھے اور تحریک مدح صحابہ کے سلسلے میں رضا کاروں کو لکھنؤ بھیجتے تھے۔“

ہمیں اصولی طور پر ایسی تحریکات اور ایسی تحریکات کے لیڈروں سے کوئی دلچسپی نہیں جن کی سرگرمیوں سے مختلف فرقوں میں مناقشت پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ لیکن اس عقیدے کے باوجود ہم مولانا کی گرفتاری کو قابل تحسین نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس سے پہلے جب تبرا ایچی ٹیشن نے سراٹھایا تھا تو اکثر رضا کار پنجاب ہی سے بھیجے گئے لیکن حکومت پنجاب اس مسئلے کی پیچیدگیوں سے واقف تھی۔ اس لیے ازراہ مصلحت اندیشی تبرا بازی پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی۔ یہاں تک کہ ایک دو حضرات اسمبلی کی وزارتی پارٹی کے بھی رکن تھے جو تبرا بازیوں کی رہنمائی کا افسوسناک کام کرتے تھے۔ لیکن حکومت پنجاب کی فراخ دلی نے ان کے خلاف قدم اٹھانے کی اجازت نہ دی اور لطف یہ ہے کہ محولہ بالا تبرا ایچی ٹیشن میں سے ایک صاحب کو حسن خدمت کے صلے میں ایک خطاب بھی ملا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جس مصلحت اندیشی کا ثبوت تبرا ایچی ٹیشن کے دنوں میں دیا گیا اسے تحریک مدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایام میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس لیے جن حکام نے حکومت کو مولانا کی گرفتاری کا مشورہ دیا ہے انہوں

نے نادانستہ طور پر شیعہ سنی فساد پیدا کرنے کی نامحسوس ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ اب حکومت پنجاب کا فرض ہے کہ اس غلطی کی تلافی کرے اور جہاں تک ممکن ہو مولاناظہور احمد بگویی کو اولین فرصت میں رہا کر دے تاکہ لکھنؤ کی مصیبت کا اثر لاہور سے دور ہو۔ (روزنامہ زمیندار مورخہ 24 جون 1941ء)

عام اہل سنت سے اپیل:

مجلس حزب الانصار کے ناظم عمومی نے اہل سنت والجماعت کو توجہ دلائی ہے کہ حضرت مولانا بگویی کی قید فرنگ نے مجلس حزب الانصار، فوج محمدی، دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ اور رسالہ شمس الاسلام کو آپ کی سرپرستی سے غیر معین مدت کے لیے محروم کر دیا ہے۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کی دینی امانتیں محفوظ رہنی چاہئیں۔

اب جب کہ حضرت مولاناظہور احمد صاحب بگویی گرفتار کر کے نظر بند کر دیئے گئے ہیں اور مجلس حزب الانصار، فوج محمدی، مدرسہ عربیہ عزیز یہ بھیرہ اور رسالہ شمس الاسلام کو آپ کی سرپرستی سے غیر معین مدت کے لیے محروم کر دیا گیا ہے۔ علمائے کرام، مشائخ عظام، دینداران بابر بابت ثروت و دولت، اور عام حساس اہل سنت بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ مولانا کی عدم موجودگی میں آپ کی ان امانتوں کو ضائع نہ ہونے دیں اور ان کی پیش از پیش مالی اور اخلاقی امداد کر کے اپنا فرض ادا کریں۔ ”شمس الاسلام“ کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور آمدنی نہایت کم ہے۔ کاغذ کی انتہائی گرانی نے پہلے ہی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اب اس جدید ابتلا میں ہماری مشکلات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ اس لیے جب تک شمس الاسلام کے کم از کم پانچ سو مزید خریدار مہیا نہیں ہوتے، یہ مشکلات رفع نہیں ہو سکتیں۔ امید ہے کہ برادران اہل سنت اس باب میں جلد از جلد عملی قدم اٹھا کر اور امدادی رقوم جمع کر کے ارسال فرمائیں گے۔ اور یوں مولانا ممدوح کے مقدس مشن کے ساتھ عملی ہمدردی کا ثبوت پیش کریں گے۔ رقیں بھیجتے وقت یہ تصریح ضرور کی جائے کہ یہ رقم فلاں شعبہ اور فلاں مد کے لیے ہے۔ تمام رقیں فٹھی غلام حسین صاحب منیجر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ پنجاب کے پتہ پر ارسال کی جائیں۔ (شمس الاسلام جولائی 1941ء ص 42)

احتجاجی جلسے اور ریزولوشن:

مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ تحریک مدح صحابہ کی حمایت اور اس کے جانثار اسیران فرنگ کی رہائی کے لیے جلسے اور قراردادوں کے ذریعے حکومت پنجاب اور مسلم پریس کو توجہ دلائیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب کے ہر شہر اور ہر قریہ میں جلد از جلد عظیم الشان احتجاجی جلسے منعقد کر کے حسب ذیل ریزولوشن منظور کریں اور اس کی نقلیں گورنر پنجاب اور وزیر اعظم حکومت پنجاب کے علاوہ حسب ذیل اخبارات کو بھیجی جائیں۔

- (1) روزنامہ زمیندار لاہور
 (2) روزنامہ احسان لاہور
 (3) روزنامہ مشرق جدید لاہور
 (4) اخبار زمزم لاہور
 (5) اخبار مسلمان اچھرہ، لاہور
 (6) روزنامہ شہباز لاہور
 (7) اخبار مدینہ بجنور (یو پی)
 (8) رسالہ شمس الاسلام بھیرہ پنجاب
 (9) روزنامہ حقیقت لکھنؤ
 (10) روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ۔

ریزولیشن کے الفاظ:

مسلمانوں میں بیداری اور احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے لیے انہیں رہنمائی دی ہے اور ایک قرارداد کا مسودہ بھی تجویز کیا ہے:

”مسلمانان..... کا یہ عظیم الشان جلسہ سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کی حکومت کی اس پالیسی کو سخت قابل مذمت قرار دیتا ہے جس کی رو سے مجاہد ملت حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگویی امیر حزب الانصار بھیرہ (پنجاب) اور مولانا عبدالسلام صاحب لکھنؤی کو گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ جلسہ حکومت پنجاب کی اس پالیسی کو مسلم آزاری اور شیعہ نوازی پر محمول کرتا ہے کہ تبراکی شیعوں کو تو ہزاروں کی تعداد میں تبرا بازی کے لیے لکھنؤ جانے کی چھٹی دے دی گئی تھی لیکن اہل سنت رہنماؤں کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ یہ جلسہ حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی اس مسلم آزار پالیسی کو ترک کر کے ان دونوں رہنماؤں کو جلد از جلد غیر مشروط طور پر رہا کر دے اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو دور کرے۔“
 (شمس الاسلام جولائی 1941ء ص 42)

دوران اسیری سنٹرل جیل لاہور

سنٹرل جیل لاہور سے لکھے ہوئے پوسٹ کارڈ پر جیل سنٹر کا نمبر 944 ہے، مرکزی دفتر بھیرہ کے ناظم عمومی محترم منشی غلام حسین مرحوم کے نام حضرت مولانا بگویی لکھتے ہیں:

10 جولائی 41ء

بروز خمیس صبح 10 بجے

بعد سلام مسنون واضح ہو کہ میرے جملہ اصحاب اور میرے گھر والوں کو میری

صحت و عافیت و خیریت کی اطلاع دے دیں، مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں اور صحت بہی اچھی ہے۔ سب اہباب میرے بارہ میں مطمئن رہیں۔ مجھے ایک ماہ میں دو بار ملاقات اور دو بار خط لکھنے کی اجازت ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ میری ملاقات کے لیے کوئی صاحب لاہور آئے کی تکلیف گوارا نہ کریں بلکہ میرے لیے دعا کرتے رہیں۔ ملاقات سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ مجھے اب صرف کتابوں کی ضرورت ہے۔ سیرت حلبیہ دیگر جملہ اعزہ و اقارب و اہباب کو سلام اگر ملاقات کے لیے اجازت مل چکی ہو تو صرف ایک بار ملاقات کے لیے افتخار احمد آسکتے ہیں ملازمین کو تسلی دیں کہ انشاء اللہ ان کی تنخواہیں رہائی کے بعد مکمل طور پر ادا کر دی جائیں گی۔ فی الحال خدا کے بہرہ و بر کام کرتے جائیں حکیم شاہ محمد صاحب و شیخ فضل الہی صاحب پراجہ کو مدرسہ کی بقا کے لیے جدوجہد کرنے کا پیغام دیں اور ان کے ذریعے مدرسہ کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ بخدمت حضرت قبلہ مولانا محمد یحییٰ صاحب بگوی بعد سلام مسنون و ادائیگی آداب دعا کے لیے درخواست کریں ہر روز ہفتہ کے بعد مختصر حالات تحریر کر کے میرے نام معرفت سیرٹنٹ صاحب سنٹرل جیل لاہور بھیج دیا کریں۔ نیز نام کے ساتھ احاطہ ہم کس لکھ دینا مفید ہو گا حضرت مولانا محمد عبداللہ کی خدمت میں بقیہ کندیوں دعا کے لیے خط لکھیں جس الاسلام کو حسب سابق جاری رکھنا چاہیے عزیزم افتخار احمد کو دوبارہ سلام و بیار

عاجز ظہور احمد بگوی اسیر مدع صحابہ لاہور

17 جولائی 1941ء کے پوسٹ کارڈ پر جیل سنٹر کا نمبر 951 ہے۔ بھیرہ میں اپنے بھتیجے مولانا افتخار احمد

بگوی کو لکھتے ہیں:

احقر بخیریت ہے۔ کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ میرے بارہ میں مطمئن رہیں

..... رہائی کا ادارہ مدار فضل الہی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرم فرمائے گا غالباً 19

اگست کو رہائی ہو گی جریدہ باقاعدہ جاری رہے ایسی نام پر ڈیکلریشن کی

درخواست دے دیں۔ ملازمین کو اطمینان دلائیں کہ مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ جاری

رفنا جاہلیہ مولانا محمد حسین شوق از راہ کرم کتب خانہ کی فہرست مکمل تحریر فرمادیں اور اس کے لیے اپنے وقت کا حصہ مخصوص کر دیں.....

جدبہ و احساس:

انگریزی دور کی قید، جدید دور کی اسیری نہ تھی۔ اس میں سختی، مشقت، غلاظت، جہالت، شدت تمام مشکلات موجود تھیں۔ ان دو خطوط سے حضرت مولانا بگویی کی ہمہ جہت اور عظیم شخصیت پر روشنی پڑتی ہے جو سنٹرل جیل لاہور کے اس بمب احاطے کی اسیر ہے جو جیل کی دنیا میں سخت ترین جگہ ہے۔ تحریروں سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ عزم و استقامت، ہمت و حوصلہ اور جوش و ولولہ سے لبریز ہیں۔ ان کے پائے استقامت میں سرمولرزش نہیں ہے۔ قید میں بھی بھیرہ کے دینی اداروں کی فلاح و بہبود کا احساس ہے۔ اپنی رہائی کو محض اللہ کا فضل قرار دیتے ہیں۔ انہیں جلد رہائی کی شمرہ برابر خواہش نہیں ہے، اور آخر میں اپنی اسیری کو کس فخر اور ناز سے مدح صحابہؓ سے منسوب کرتے ہیں:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

ہر مدعی کے واسطے دارو رسن کہاں

مولانا افتخار احمد بگویی، ملاقات کے بعد منشی غلام حسین مرحوم اور حکیم برکات احمد بگویی کو حضرت مولانا بگویی کے جیل کے احوال اور اس ضمن میں مختلف سرگرمیوں کی تفصیل سناتے ہیں:

مکرمی جناب منشی غلام حسین صاحب و عزیز القدر برکات احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خیریت طرفین مطلوب۔

اھتر آب سے رخصت ہو کر بخیریت لاہور میں پہنچا۔ آئے ہی مختلف لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ڈی۔آئی۔جی کا ہتھ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا صاحب کے کاغذات لے کر نملہ گیا ہوا ہے۔ تا حال واپس نہیں آیا۔ خیر قصہ مختصر یہ ہے کہ کل اغلباً انشاء اللہ العزیز حضرت عموی صاحب سے ملاقات ہو جائے گی۔ پہلے تو یہ سنا تھا کہ حضرت کو قلعہ میں رکھا گیا اور اے کلاس دی گئی ہے۔ لیکن یہاں آ کر ایک شخص مذکور سے معلوم ہوا کہ اب حضرت مولانا کو قلعہ سے منتقل کر کے سنٹرل جیل میں لایا گیا اور کلاس سی دی گئی ہے۔ وہ سی کلاس کوئی اور قسم کی ہے جہاں بر اے کلاس والے منلا

مسٹر آصف علی وغیرہ تھیں۔ یہ لوگ اپنی رسد خٹک جیل سے منگوا لیتے تھیں اور قیدیوں سے یکوا لیتے تھیں۔ اور مل کر اے کلاس والے اور بی والے کراتے تھیں۔ کبھی جاوڈ یکانے تھیں کبھی ہلوہ وغیرہ۔ یعنی کراتے کی بالکل تکلیف نہیں تھی۔ یہ تمام حالات عبدالملک ایک قیدی رہا ہو کر آیا ہے اس نے سناتے تھیں۔ باقی رہا اپنی ججا صاحب کا نو ان کے اور عبدالسلام کے کراتے کا انتظام میان قمر الدین صاحب رئیس اجیرہ کے تھان سے مقرر کیا گیا ہے۔ انہیں کا آدمی آتا ہے وہ کراتا صبح و شام کھلا کر برتن وایس لے جاتا ہے۔ جیل میں حضرت مولانا صاحب کے نام نامی پر ۱۵ روپیہ اور عبدالسلام کے نام پر ۵ روپیے جمع کرا دیتے تھیں جس وقت جاتے اپنی رقم سے باہر سے لے کر ایک چیز منگوا سکتے تھیں۔ آب کے کبڑے اندر برہوانے تھے نیز آب کا رسالہ بھی پہنچ گیا ہے۔ ججا صاحب کو روزانہ اخبار مل جاتی تھیں۔ بلکہ آب کا ریزولوشن بھی آپ نے پڑھ لیا ہے۔ نیز مولانا محمد حسین نوری صاحب کو بتلا دیں کہ آب کے اتعار ارسال کردہ برہنی پہنچ گئی تھیں۔ کل ایک صاحب نے بتلایا کہ آئندہ رسالہ مولانا کے نام پر نہ نکلے جہاں تک ممکن ہو سکے ڈیکلریشن تبدیل کرا لیں۔ کیونکہ جب ایڈیٹر اور پرنٹر وغیرہ جیل میں تھوں گورنمنٹ اجازت نہیں دیتی۔ خبر اس مشورہ کے لیے میں نے خط مولانا برہاوالہ قاسمی صاحب کو لکھا ہے دیکھیں وہ کیا جواب دیتے تھیں۔ کل ایک اور صاحب نے مشورہ دیا کہ تھائی کورٹ میں درخواست دیں کہ پولیس یہ ثابت کرے کہ مولانا کو کس یاداش میں گرفتار کیا گیا ہے لیکن اس پر تقریباً 80 روپیہ خرچ آئے گا یعنی کہ 60 روپیہ بیرسٹر شجاع الدین یا مسٹر خالد لطیف گابا لے گا اور باقی اوپر درخواست کے خرچ آئے گا۔

آج میں ڈی آئی جی کے دفتر میں گیا چونکہ موصوف موجود نہیں تھے نو ان کے ہیڈ کلرک سے ملاقات کی۔ ان کے بعد بیرسٹرنٹ ہی۔ آئی۔ ڈی پنجاب سے ملاقات کی۔ ان کے بعد اسسٹنٹ ڈی۔ آئی۔ جی سے ملاقات کی۔ اس کے بعد جناب میر صاحب سے ملاقات تھوئی۔ درخواست پیش کی تو انہوں نے ملاقات کی اجازت عطا فرمادی اور پوچھا کتنے ملاقات کرو گے۔ میں نے کہا ایک تو میں تھا اور دو صاحب میرے ساتھ تھوں گے۔ ایک حافظ نیاز احمد (بگویی)

صاحب اور تاج الدین احمد تاج صاحب - خیر قصہ مختصر بہ ہوا انہوں سے کہا کہ کل ایک بجے آب آبیے اور اپنا ملاقات کا کارڈ لے کر ملاقات کر لیجئے - تو اب انشاء اللہ اتنا کام ہو گیا کہ ہر لفظہ کے اندر آب ملاقات کرنے لہیں اگر آب میرے ساتھ ہونے تو آب کی ملاقات ضرور ہی ہو جانی۔

فوج مسجد کا 46 رضا کاروں کا جنسرا امرنسر گرفتار ہو گیا ہے آب نے اخبار میں بڑک لیا ہو گا۔ برسوں ایک بجے کی گلاڑی بر امرنسر جانے کا ارادہ ہے۔ اور انشاء اللہ اسی دن تمام کو آب کے پاس برینج جافد گا۔ فقط

افتخار احمد بگویی - لاہور

ربانی:

18 جولائی 1941ء کو سنٹرل جیل لاہور سے ربانی ہوئی۔ منشی غلام حسین ناظم دفتر کو ایک رقعہ کے ذریعے 20 جولائی کو بھیج دیا میں اپنی آمد سے مطلع کرتے ہیں اور جملہ اصحاب کو گرمی میں ریلوے اسٹیشن بھیرہ پر آنے سے منع کرتے ہیں۔

لاہور

مورخہ 19 جولائی 41ء

مکرمی منشی صاحب! السلام علیکم ورحمة اللہ

حضرت کل مورخہ 20 جولائی کو 4 بجے انشاء اللہ بربرہ برینج جانے گا۔ ریلوے اسٹیشن بر تائلہ برینج رہیں۔ باقی جملہ اصحاب جو ملنا جائیں جامع مسجد میں میرا انتظار فرمائیں۔ گرمی میں کسی کو ریلوے اسٹیشن بر آنے کی تکلیف نہ دی جائے۔

عاجز - ظہور

تحریک کا انجی م:

تحریک مدد صحابہ میں چونکہ گرفتار کارکن دراصل فوج محمدی کے رضا کار تھے اس لیے ادارہ عالیہ محمدیہ کی جانب سے شائع شدہ تبلیغ و تحریک کے انجی م پر صحیح روشنی ڈالتا ہے:

اسیران مدح صحابہؓ کی رہائی

حکومت یوپی کا دانشمندانہ اقدام

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس مقصد عظیم کے لیے فوج محمدی نے مدح صحابہ کے سلسلہ میں عظیم الشان قربانی و ایثار کے مظاہرہ کا آغاز کیا تھا اس مقصد میں خداوند قدوس نے شاندار فتح و نصرت عطا کر کے فدایان ناموس صحابہؓ کے قلوب کو مسرت و اطمینان کے جذبات سے لبریز کر دیا۔ ہم چاہتے تھے کہ ناکردہ گناہ سنی مجاہدین کو یوپی کی جیلوں سے ارباب حکومت یا تو رہا کر دیں یا فوج محمدی کے ہر رضا کار کے لیے جیل میں جگہ عطا کرے۔ فوج محمدی کے قافلوں کی روانگی کا سلسلہ جاری ہوئے ابھی پندرہ روز ہی ہوئے تھے کہ نواب سر احمد سعید خان صاحب آف چھتاری کی اپیل پر مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ لکھنؤ کے کارکنوں نے سول نافرمانی کو ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ساتھ حکومت کے ارباب بست و کشاد نے نہایت دانشمندی سے کام لے کر تمام اسیران صحابہؓ کو رہا کر دیا۔ پنجاب نے اس معاملہ میں آئے روز تک لیت و لعل سے کام لیا مگر آخر کار اسے تمام اسیران کو رہا کرنا پڑا۔ اب امید ہے کہ نواب صاحب چھتاری کی مساعی سے سنیوں کے مطالبات پر غور کیا جائے گا۔

(شمس الاسلام۔ اگست 1941ء۔ ص 42)

ہدیہ سپاس:

20 جولائی 1941ء کو جب حضرت مولانا ظہور احمد بگوییؒ رہائی پا کر بذریعہ ٹرین بھیرہ پہنچے تو ان کا پر جوش اور والہانہ استقبال کیا گیا۔ جامع مسجد بھیرہ میں دارالعلوم عزیزیہ کے استاد مولانا محمد حسین شوق نے نقیدت و محبت سے یہ سپاس نامہ پیش کیا:

سپاس نامہ

بجناب معالی القاب حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگویی امیر حزب الانصار (بھیرہ)

بتقریب رہائی از قید فرنگ بسلسلہ تحریک مدح صحابہؓ

بتاریخ 20 جولائی 1941ء پیش کردہ شد

مبارک! مرحبا آنا تیرا ہواے امیر دیں ظہور شان احمد ہے امیری اور درویشی
فدائی حفظ ملت اور ناموس صحابہؓ ہو مبارک صد مبارک یہ اسیری اور دلریشی

حبیب کبریا کے جاں نثاروں پر فدا ہونا بڑی دنیا میں سب سے ہے یہی پوندی و خویشی
مقاصد زندگی کے دو ہی ہوتے ہیں مسلمان کے یا درویشی میں سلطانی یا سلطانی میں درویشی
دعائے شوق مسکین تجھ سے ہر صبح و مسایہ ہے اجابت میں نہ ہو اس کے خداوند پس و پیشی
الہی اپنے ایسے نیک بندوں کو سلامت رکھ
بلند اسلام کا پرچم کرے جن کی خدا کیشی

(شمس الاسلام اگست 1941ء ص 42)

زبان بندی:

حضرت مولانا بگویی کی گرفتاری اور اسیری کے لیے حکومت پنجاب نے بنیاد ان کی اس تقریر کو بنایا تھا جو انہوں نے 20 جون 1941ء کو شاہ گدالاہور میں جمعہ کے روز مولانا عبدالسلام لکھنوی بن امام اہل سنت مولانا عبدالشکو لکھنوی کے ہمراہ کی تھی۔ تاہم اس کی بڑی وجہ فوج محمدی پنجاب کی وہ سرگرمیاں بھی تھیں جو تحریک مدح صحابہ کے لیے پہلے پنجاب میں رائے عامہ بیدار کرنے اور اب مقابل دربار شاہ محمد غوث لاہور میں دفتر قائم کرنے سے متعلق تھیں۔ فوج محمدی کے رضا کاروں کا پہلا جتھہ لاہور سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہو کر راستے میں امرتسر کے سٹیشن پر گرفتار ہو چکا تھا۔ اب دوسرا جتھہ تیار تھا جیسا کہ ناظم لاہور مولانا افتخار احمد بگویی کے ایک خط سے واضح ہوتا ہے۔ حکومت پنجاب گورہائی کے احکامات جاری کر چکی تھی تاہم ابھی محتاط تھی اور یوپی کے حالات کو ملحوظ رکھے ہوئے تھی۔ چنانچہ ہوم سیکرٹری حکومت پنجاب نے درج ذیل حکم نامے کے ذریعے غیر معینہ عرصے کے لیے مولانا کی تقریر پر پابندی لگادی:

Order No.C.5288/S.D.S Branch.

Whereas the Governor of the Punjab is satisfied with respect to the person known as Zahur Ahmad Bugvi Son of Maulana Abdul Aziz of Bhera, District Shahpore, that with a view to preventing him from acting in any manner prejudicial to the defence of British India, the public safety, the maintenance of public order or the efficient prosecution of the war it is necessary to make an order.

Now therefore, in exercise of the powers conferred by Rule 26(i) of D.I.R. The Governor of the Punjab is pleased to direct that the said Zahur Ahmad Bugvi shall not take part in, or make speche in any public procession, meeting or

assembly. For the purposes of this order, any procession, meeting or assembly which is open to the public or to any class or portion of the public, whether held in a public or a private place and whether admission there is restricted by the issue of tickets or otherwise, shall be deemed to be a public procession, meeting or assembly as the case may be.

sd/-

Deputy Commissioner/
District Magistrate Shahpur

اپیل:

فرنگی استعمار نے آزادی کی شمع کو بجھانے کے لیے تمام ہتھکنڈے استعمال کیے۔ کبھی نقص امن ایکٹ، کبھی دفاع ہند اور کبھی دوسرے کالے قوانین لاگو کیے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اپنے حق کے لیے، حق بات کے لیے اور حق کے اظہار کے لیے زبانیں گنگ رہیں اور کان بہرے۔ اگر عوام اور خواص نے سرکاری مفادات و ترجیحات سے قطع نظر اپنی قومی سلامتی اور نظریاتی دفاع کے لیے زبان اور قلم کا سہارا لیا تو پھر بند ٹوٹ جائیں گے۔ انگریز سرکار کا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا اور بھوکے ننگے ہندوستانی اپنی آزادی کے نعرے لگائیں گے۔ چنانچہ ربانی کے بعد اسیر فرنگ کو زبان بندی کے احکامات صادر ہوئے۔ حضرت مولانا کے لیے یہ پابندی قید و بند سے زیادہ سخت اور جانگسل تھی۔ اس حکم سے ان کی دینی خدمات کے سارے کام متاثر ہوتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے چیف سیکرٹری پنجاب کے نام اپیل میں کہا کہ ان کی ذمہ داریوں کے پیش نظر ان کے لیے اپنے منصبی اور مذہبی فرائض سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے احکامات کا ابہام دور کیا جائے اور انہیں مذہبی اور سماجی تقاریب میں بولنے اور تقریر کرنے کی اجازت دی جائے۔ ملاحظہ ہوا اپیل:

The Chief Secretary,
Govt. of the Punjab,
Lahore.

Reference your memo No.10574 D.S.B. Dated 14.09.41

Sir,

Am I to understand from your order under reference that I am permitted to attend as well as make speeches in purely religious or social meetings? If I understand that I am permitted to do both; because, if I am to be permitted to

attend only but not make speeches this will deprive me from the due discharge and performance of my duties as Khatib and Imam of Jamia Masjid, Bhera, whereas submitted in my previous applications, I have not only to head the prayers of the day but also give sermons and recite Khutba at the time of the Jumma and Eid prayers. Besides these, on other religious and social occasions too, I am called upon to speak on religious matters. These sermons, Khutbas and speeches are strictly related to religious matters and the propounding of the Law of Shariat to the congregation in their observance of daily life especially in relation of man to man, and relation of man to God.

In this connection, I beg to add that my activities are always limited to matters purely religious and I do not belong to any political party (Ahrar or Congress etc.) nor has it ever been my aim or object by any means how so-ever remote to do anything by word or deed which may in any way hamper the prosecutin of Wa.

In view of the above, I pray that the orders as they stand may kindly be clarified and if I am considered to have understood the order not rightly, the orders may kindly be revised, and I be permitted to speak on purely religions or social matters while attending religious or social meetings.

Your obediently,

ZAHUR AHMAD BUGVI, BHERA

تحریک مدح صحابہؓ میں احرار اور فوج محمدی:

برصغیر میں متعدد مذہبی اور سیاسی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں۔ ایک بڑے اور اہم مقصد کے لیے مشترکہ جدوجہد اور کامن پلیٹ فارم تمام جماعتوں اور کارکنوں کی ضرورت بن جاتا ہے۔ جب تک صف اول اور صف دوم کے رہنما جیل سے باہر ہوتے ہیں تو جماعتوں میں باہمی اخوت اور بھائی چارے کی فضا قائم رہتی ہے۔ غلطیوں سے اجتناب کیا اور غلط فہمیوں سے انغماض برتا جاتا ہے۔ پھر مخالف قوتیں خصوصاً حکومتی گماشتے، کم فہم اور مطلب پرست لوگ نکل آتے ہیں اور وہ تحریک کے مقاصد اور اس کے انتظامی ڈھانچے کو سبوتاژ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ شمس الاسلام

بھیرہ کے شمارہ اگست 1941ء میں حضرت مولانا گبوی نے ”تحریک مدح صحابہ اور احرار“ کے عنوان سے جہاں کھلے دل کے ساتھ مجلس احرار یوپی کو ہدیہ تبریک پیش کیا ہے وہاں پنجاب میں مجلس احرار پنجاب کے بعض کاموں پر گرفت بھی کی ہے:

تحریک مدح صحابہ اور احرار

مجلس احرار صوبہ یو۔ پی کے کارکن مستحق تبریک و تحسین ہیں۔ جنہوں نے تحریک مدح صحابہ میں نمایاں حصہ لے کر اپنے حسن عمل، اخلاص اور اسلامی غیرت و محبت کا قابل فخر کارنامہ پیش کیا ہے۔ ماسٹر تاج الدین صاحب ڈکٹیٹر احرار اسلام ہند کے ایمان افروز پیغامات نے بھی تحریک کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کر دیا۔ مگر اس سلسلہ میں مجلس احرار صوبہ پنجاب نے جس تغافل شعاری و بے حسی کا ثبوت دیا ہے اس کی یاد کسی طرح خوشگوار نہیں۔ پنجاب کے احرار نے گوجرانوالہ کانفرنس میں صرف ایک ریزولوشن پاس کرنا ہی کافی سمجھا۔ آخر کار ”فوج محمدی“ نے تنہا اس میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا۔ عیسیٰ خیل کے مشہور مخلص احراری لیڈر صوفی اللہ داد خان صاحب جو فوج محمدی کی مجلس مشاورت کے بھی ذمہ دار رکن ہیں، اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ فوج محمدی کے قائدین نے اضلاع میانوالی، کیمل پور، راولپنڈی وغیرہ کے طوفانی دورے کیے۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین صاحب قائد اعظم فوج محمدی کی ان تھک مساعی جمیلہ بے حد قابل ستائش ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ احرار پنجاب نے جماعتی حیثیت سے تحریک سے سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ بلکہ بعض احراری دوستوں نے فوج محمدی کے قافلوں کو احرار کے قافلے قرار دیا اور اخبارات میں ان قافلوں کو احرار کے قافلے قرار دے کر مفت کرم داشتن پر عمل کیا۔ سب سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ ایک مقام کے احراری جلسہ کی قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مدح صحابہ کے سلسلہ میں گرفتار شدہ رضا کاروں میں سے احراری رضا کاروں کو رہا کر دے۔ گویا غیر احراریوں کی رہائی کا مطالبہ کرنا بھی ان لوگوں کو گوارا نہ تھا۔ دفتر احرار لاہور سے جو اطلاع اخبارات کو 18 جولائی کو بھیجی گئی اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آج سنٹرل جیل سے ایک سو احراری رضا کار رہا ہو گئے ہیں۔ حالانکہ رہا شدہ رضا کاروں کی تعداد 48 سے زائد نہ تھی۔ اسی سے دفتر احرار کے کارکنوں کی لاعلمی اور بے اعتنائی آشکارا ہو سکتی ہے۔ ہم یہ طور رنج و الم کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ ہمیں اپنے احرار بھائیوں سے مخلصانہ تعلقات کی بنا پر ان کی بے اعتنائی کا شکوہ ہے۔ ورنہ فوج محمدی کا ہر کارکن اور ہر رضا کار مجلس احرار کے ساتھ ہر دینی امر میں اشتراک عمل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ دونوں جماعتوں میں باہمی اشتراک عمل موجود رہے اور کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔

(ص: 31-32)

جلال پوری قضیہ

جلال پور شریف ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کا ایک مشہور اور پرانا قصبہ ہے۔ یہاں چشتیہ سلسلہ کا ایک مشہور علمی اور روحانی خاندان آباد ہے جس کے مورث اعلیٰ حضرت سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری (1837-1908ء) تھے۔ پیر صاحب محترم، حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے پیر بھائی، ہمعصر اور بزرگ تھے اور دونوں حضرات سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد دین ثانی سیالوی کے مجاز خلیفہ تھے۔ البتہ حضرت جلال پوری بانی آستانہ سیال شریف خواجہ شمس العارفین کے مرید اور قریبی خلفاء میں سے تھے۔ مولانا غلام دستگیر بے خود نے اپنی تصنیف ”برکات سیال“ (طباعت 1342ھ) میں حضرت جلال پوری کے مختصر حالات، حضرت مولانا محمد ذاکر بگویی کے حوالے سے بیان کیے ہیں۔

پس منظر:

جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ، حضرت سید حیدر علی شاہ جلال پوری کے پوتے اور سید مظفر علی شاہ صاحب کے بیٹے تھے۔ 27 اکتوبر 1933ء کو جناب سید محمد فضل شاہ مرحوم سجادہ نشین جلال پور نے اپنی حقیقی ہمشیرہ کا نکاح رجوعہ ضلع جھنگ کے ایک شیعہ رئیس سردار حسین شاہ کے لڑکے سید غلام حسین شاہ کے ساتھ کر دیا۔ اہل سنت کے لیے روحانی مسندیں سلوک و عرفان کے ساتھ ساتھ علمی رہنمائی اور دینی ہدایت کا بھی سرچشمہ رہی ہیں۔ ماضی میں کئی سجادہ نشین علوم دینیہ کے فارغ التحصیل، بعض درس نظامی کے سند یافتہ اور اکثر اسلامی علوم و فنون اور عربی فارسی سے اچھی طرح باخبر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر علمائے اسلام کے لیے خصوصاً بڑی تشویشناک اور حیران کن تھی۔ علمائے ربانی کے فتاویٰ دربارہ عدم جواز نکاح بے سودر ہے۔ حضرت مولانا خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے ارشادات بھی بے اثر ثابت ہوئے۔

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نے ایک ممتاز دینی اور روحانی گھرانے کے اقدام کا فوری اور سنگین نوٹس لیا۔ ایک روحانی گھرانے کی یہ روش عام مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ اور غلط مثال بن سکتی تھی۔ چنانچہ آپ نے مسلمانان پنجاب اور علمائے کرام کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کرتے ہوئے شمس الاسلام دسمبر 1933ء (ص 6-8) ذیل کے عنوان سے مضمون لکھا:

عبرت ناک واقعہ۔ ”ہرکمال رازوال“

آپ نے معاملے کی حقیقت، واقعے کا پس منظر، پیر سیال حضرت اعلیٰ کا ارشاد اور دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے ارکان حزب اللہ اور اراکات مندان جلال پور شریف سے گزارش کی کہ:

”وہ خدا سے اپنا تعلق قائم رکھیں اور جلال پوری حزب اور موجودہ سجادہ نشین سے بیزارگی کا اعلان کریں۔ تاکہ آئندہ کسی پیر کو بھی مسلمانوں کی رائے عام کو ٹھکرانے اور علانیہ شریعت کی بے حرمتی کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔“

شمس الاسلام میں معاملے کی توضیح و تشہیر کے بعد قصبے کو دونوں جانب سے موافق اور مخالف اعلانات اور اطلاعات سے مزید تقویت ملی۔ چنانچہ درج ذیل اشتہار میں صدر مجلس حزب الانصار بھیرہ نے جہاں عوام کو مزید اطلاعات دیں اور ان کا تعاون چاہا ہے وہاں ہندو سندھ، عرب و عجم کے صد ہا علماء کا متفقہ فتویٰ دربارہ عدم جواز نکاح عورت سنیہ با مرد شیعہ پر 100 صفحات کا کتابچہ دستیاب ہونے اور اطلاع کے تحت ایک ٹریکٹ ”حزب اللہ کا ڈھونگ“ کے مرتب کرنے کا اعلان بھی ہے۔ اس سلسلے میں تحریر ہے:

اسلام کی صداقت کا زبردست نشان

ولی کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

خداوند کریم ہر زمانہ میں اسلام کی سچائی و صداقت کے نشان ظاہر کر کے اپنے پسندیدہ و سچے دین کو تمام باطل ادیان پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں آریہ و عیسائی ایک طرف اور مرزائی و شیعہ اور وہابی دوسری طرف اسلام کی بیخ کنی کے لیے کمر بستہ ہیں۔ خداوند کریم نے اس زمانہ میں اپنے ایک پیارے محبوب کی زبان پاک سے نکلے ہوئے کلمات کی صداقت آشکار کر کے اعدائے اسلام و منکرین کرامت اولیاء پر ایک حجت قائم کر دی ہے۔ آج سے پچیس سال پہلے بمقام سیال شریف چند درویشوں کے سامنے اعلیٰ حضرت سر تاج اولیاء شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ پورے ہو کر رہے۔ قارئین کی آگاہی کے لیے مختصر آبیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سید حمید علی شاہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند سید مظفر علی شاہ صاحب نے ایک شیعہ رئیس کی دختر سے نکاح کرنا چاہا، ان کے اس ارادہ کی خبر سن کر خواجہ شمس العارفین قدس سرہ العزیز کو بھی بے حد ملال ہوا اور فرمایا

”پیوندی با مخالفان دین ضرر بسیار میدارد“

جیہی ماں جیہی ماسی کندھ ایرے تے جاسی (یعنی اولاد بھتی شیعہ ہو کر رہے گی)

وجہ نزاع:

حضرت غریب نواز کا یہ ارشاد مرآة العاشقین فارسی مؤلفہ سید محمد سعید شاہ صاحب مطبوعہ لاہور 1306ھ کے صفحہ 151 پر درج ہے۔ افسوس ہے کہ پیر سیال کی اس تنبیہ کا نوجوان جلال پوری صاحبزادے پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نکاح کے بعد آپ کے گھر چار صاحبزادے ہوئے جن میں سے تین صاحبزادہ سید محمد مہر شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد کرم شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد محمود شاہ صاحب پہلے ہی اسلامی تخیل سے عاری، یورپی فیشن کے دلدادہ اور قیود شریعت سے آزاد واقع ہوئے تھے۔ ان کا ایک حقیقی بھانجا اعلانیہ مذہب تشیع کا علمبردار بن چکا ہے۔ سید محمد فضل شاہ صاحب کے متعلق عوام الناس کا حسن ظن تھا۔ مگر نہال کی رگ پھڑک اٹھی جیہی ماں تیبی ماسی کے مطابق کندھ ایرے تے جاسی یعنی دیوار کا بنیاد پر جانا ضروری تھا۔

خشت اول چوں نہند معمار کج

تا ثریا سے رود دیوار کج

آخر کار 27 اکتوبر 1933ء کو سید محمد فضل شاہ صاحب نے اپنی حقیقی ہمشیرہ کا نکاح رجوعہ ضلع جھنگ کے ایک شیعہ رئیس زادے کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح اپنے خاندان کی عزت و تقدس و ناموس کا خاتمہ کر دیا۔ علمائے کرام کے فتاویٰ دوبارہ عدم جواز نکاح کی پرواہ نہ کی گئی۔ اعلیٰ حضرت رئیس الاتقیاء سید العلماء مولانا حافظ محمد قمر الدین صاحب زیب آرائے مسند سیال شریف کے ارشادات کا ان کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا۔ دربار سیال شریف سے قطع تعلق کرنا گوارا کر لیا مگر رجوعہ سے رشتہ قائم کرنے کا جنون پورا کر کے رہے۔ غالباً شاہ صاحب آئندہ اپنے وظائف میں الہی بجزمت سید حسین شاہ آف رجوعہ کے الفاظ بھی تلاوت کیا کریں گے۔ آہ: محبوب الہی حضرت سید غلام حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اس پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ منکرین اولیاء اللہ اور اعدائے اسلام کو اسلام کی صداقت کے اس زبردست نشان پر غور کرنا چاہیے۔ شہنشاہ سیال نے اپنے حجرہ مبارک میں جو الفاظ فرمائے تھے وہ اس شعر کے مصداق تھے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

مسلمانوں کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ حضرت سید حیدر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندان کا فرض ہے کہ اس موقع پر دینی غیرت و حمیت کا ثبوت دیں۔ اور موجودہ سجادہ نشین سے بیزارگی کا اعلان کر کے حضرت شاہ صاحب مرحوم کی روح کو خوش کریں۔ ارکان حزب اللہ کا فرض ہے کہ ہر جگہ جلسے کر کے سید فضل شاہ صاحب سے مطالبہ کریں کہ وہ حزب اللہ کی امارت سے علیحدہ ہو جائیں۔ ورنہ حزب اللہ کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہونا چاہیے کہ بموجب آیہ کریمہ لا تعجد قومًا یؤمنون باللہ (الآیہ) ہر اس شخص سے جو خدا اور اس کے رسول کا مخالف ہو اگر چہ وہ بھائی ہو یا باپ یا قریبی رشتہ دار، قطع تعلق کا اعلان کرے۔

اظہار برأت:

حزب اللہ کے اراکین کو پوری درد مندی سے مشورہ دیتے ہیں:-
پس ہر رکن حزب اللہ کا فرض ہے کہ جلال پوری حزب سے علیحدگی و بیزاری کا اعلان کر دے اور
مہریدان دربار جلال پور شریف کا فرض ہے اعلیٰ حضرت سید حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ادب و احترام
دل میں رکھتے ہوئے دربار سیال شریف کی طرف رجوع کریں۔ اور وہاں جا کر دیکھیں کہ کس طرح ابر
رحمت سے فیض کی بارش ہو رہی ہے۔ الحمد للہ کہ موجودہ زمانہ میں پنجاب بھر میں سیال شریف کو وہ ممتاز درجہ
حاصل ہے کہ وہاں کے سجادہ نشین کے دل میں غیرت و حمیت اسلامی کا جذبہ موجزن ہے۔ خدا کے سوا کسی
کے خوف کا وہاں گزر نہیں۔ اللہ تعالیٰ موجودہ جوان بخت، عالی ہمت، فیاض اور فاضل اجل، عالم بے نظیر،
زبدۃ العارفین حضرت حافظ مولانا محمد قمر الدین صاحب ادا م اللہ برکاتہم کاسایہ ہم غریبوں کے سروں پر دیر
تک قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔“

یکم دسمبر 1933ء کو امیر حزب اللہ نے حضرت مولانا گوی کے نام اپنے مراسلے میں بعض امور متنازعہ کے
بارے میں کچھ اشارے دیئے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ محض غلط فہمیوں کی بنا پر تعلقات کشیدہ نہیں
ہونے چاہئیں اور پھر حضرت مولانا گوی سے صلاح و مشاورت کے بعد ایسا اقدام کیا جائے جس سے عامۃ المسلمین
کی غلط فہمی رفع ہو۔

مراسلہ امیر حزب اللہ مورخہ یکم دسمبر 1933ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلال پور

یکم دسمبر

میرتہ کرم فرما مولوی صاحب

وعلیکم اللہ ورحمۃ اللہ دونوں نوازش نامے بیٹن نظر تھیں۔ پہلے خط کا جواب
دانستہ نہیں دیا گیا کہ شاید غلط فہمیوں سے آپ کا دماغی توازن قائم نہ رہا ہو۔ دوسرے خط
سے کم از کم یہ احساس ہوا کہ ابھی تک آپ میں دیرینہ تعلقات کی بنا پر معقولیت پسندی کا
مادہ موجود تھی اور اسی کے زیر اثر آپ ہمیں ایک مفید مشورہ دینے لگی تھیں۔
مولوی محمد کامل صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اصلی واقعات نہیں اور یہ کہ

ہمارے عقائد اس سرچ پر قائم نہیں جیسا کہ پہلے لہوا کرتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں کر لی گئی کوئی غیر مستحسن اقدام نہیں لہوا اور نہ ہی اس معاملہ میں کسی تعجیل سے کام لیا ہے لہاں آب کی عجلت پسندی حیرت انگیز ہے کہ بلا تحقیق حال ایک ہنگامی جوش میں آ کر سات دیرینہ رسم و روابط کو خیر باد کہہ کر یک طرفہ فیصلہ دے دیا۔ خیر اس کی تاویل میں آب کا مذہبی جنون پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یا ایہا الذین آمنوا اذا جاءکم فاسق بنیاً بر تو آب کی نظر لہونی چاہیے تھی۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر ہمیں بجائے ندامت و انفعال کے مسرت و اطمینان ہے جب کہ ہم نے بجائے دوسری مروجہ تحریروں کے وہ تحریر لی ہے جن پر کسی نکتہ جینی کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔

میں نہیں جانتا کہ محض غلط فرہمیوں کی بنا پر ہمارے تعلقات کشیدہ ہو جائیں۔ اس لیے اس بارہ میں اگر آب مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے بعد اپنے جذبات و احساسات کی نیز رو کو نرم کرنا چاہتے ہیں تو کسی قریب ترین فرصت میں یہاں تشریف لے آئیں تاکہ واقعات کی روشنی میں آب کی غلط فرہمیوں کا ازالہ کر دیا جائے اور آب سے صلاح مشورہ کے بعد کوئی ایسا اقدام کیا جائے جس سے کہ عامۃ المسلمین کی غلط فرہمیاں بہی رفع ہو سکیں۔ والسلام

خیر طلب

فقیر ابو البرکات

امیر حزب اللہ

وجوہ اختلاف:

4 دسمبر 1933ء کو محترم جناب سید فضل شاہ امیر حزب اللہ کے مراسلے کے جواب میں حضرت مولانا گوی نے درج ذیل وجوہ کو قضیہ کی بنیاد قرار دیا ہے۔

- 1- علامہ مشرقی کی کتاب "تذکرہ" کی تحسین
- 2- مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ
- 3- عقائد مدار نجات نہیں۔
- 4- ظاہری عبادات غیر اہم ہیں۔

- 5- غیر اسلامی تمدن و اخلاق کے حامل برادران اور شیعہ و مرزائی سے راہ و رسم۔
 - 6- حزب اللہ کسی عملی جدوجہد میں شریک نہیں۔
 - 7- مبلغین حزب اللہ دراصل مبلغین چندہ ہیں۔
 - 8- تقریروں میں تہجد والی شرط کا ذکر نہیں ہوتا۔
 - 9- ارکان حزب اللہ کی تعمیر سیرت کا امتحان۔
 - 10- رضا کار حزب اللہ اکثر بے دین و بے ریش۔
 - 11- مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور میثاق اقوام کے باوجود حزب اللہ کی بے عملی۔
 - 12- حزب اللہ کے لنگر کے مصارف کا غلط استعمال۔
 - 13- اسراف و تجزیہ بطور رہنمائے قوم اور بحوالہ مہاتما گاندھی جی۔
 - 14- سیال شریف سے علانیہ اعتراض اور سرتابی۔
 - 15- رجوعہ کے معاملے میں 'التقوعن الغمۃ' سے اجتناب۔
 - 16- رجوعہ کے رئیس زادے کا سیال شریف اور جھنگ میں محرم پر کردار۔
 - 17- رجوعہ کے حسین شاہ کے لڑکے کا جلال پور شریف کے عرس پر اظہار عقائد۔
 - 18- رجوعہ کے معاملے میں حضرت سیالوٹی کے مشوروں سے روگردانی۔
 - 19- بحوالہ مولوی محمد کمال ہرن پور۔ رجوعہ سے بابت تحریر براتہ میں دوبارہ رافضی ہونے کی شرط۔
 - 20- حزب اللہ کی مجلس شوریٰ سے حضرت مولانا بگویی کا ایک طرفہ اخراج۔
- ان واضح اختلافات کے بعد حضرت مولانا بگویی نے محترم سید فضل شاہ جلال پوری کی دعوت جلال پور شریف سے معذرت کی ہے اور ادب کے ساتھ معافی کے طالب:
- ”اگر میں غلطی پر ہوں تو دعا کریں کہ خدا مجھے ہدایت دے اور میرے دل کی آنکھیں کھول دے“
- اب حضرت مولانا بگویی کا پورا مراسلہ ملاحظہ فرمائیے:

از ہجیرہ مورخہ 4 دسمبر 33ء

بخدمت عالی جناب حضرت شاہ صاحب رام مجدد

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ جناب کانوازش نامہ آج موصول ہوا۔ اس نے

میرے کرب و اضطراب میں اضافہ کر دیا ہے۔ میں اپنے لیے کوئی راہ عمل تلاش نہیں کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ہرگز کسی امر میں تعجیل سے کام نہیں لیا۔ جناب کی خدمت میں چار سال کی حاضری و شرکت عمل اور تبادلہ خیالات سے حسب ذیل امور میرے ذہن نشین ہو چکے ہیں:

- (1) جناب تذکرہ جیسی مہمانہ کتاب کے مداع ہیں۔ (2) مامور من اللہ ہونے کے مدعی ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اسے نبوت کہتے ہیں۔ باوجود کئی دفعہ گزارش کرنے کے آپ نے اپنی ماموریت کے اعلان سے اجتناب نہیں فرمایا۔ (3) "ایک بنو" کی تفسیر آپ بیان کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ عقائد کو مورد نجات نہیں سمجھتے۔ عقائد آپ کے نزدیک الہم نہیں ہیں۔ (4) عنایت اللہ مشرقی کی تقلید میں ظاہری عبادات کو آپ الہم نہیں سمجھتے اس کا اظہار جناب کر چکے ہیں۔ (5) لا تہدو قوما یؤمنون باللہ (الآیہ) کے بنیادی اصول کی بنا پر آپ نے آج تک اپنے برائیوں سے قطع تعلق نہیں کیا۔ حالانکہ ان کے تمدن معاشرت، نکل و صورت و اخلاق غیر اسلامی ہیں۔ نیز شیعوں و مرزائیوں سے جناب کو اجتناب نہیں۔ (6) حزب اللہ کے ذریعہ آج تک کوئی عملی کام نہیں ہوا۔ 25 ہزار کی بات تو بالکل فرضی ہے۔ شرائط کے بابت یا چندہ دینے والوں کی تعداد شاید چند سو سے بھی زیادہ نہ ہو گی۔ (7) مبلغین حزب اللہ محض مصلحین چندہ ہیں۔ سوائے چندہ طلب کرنے کے کسی قسم کی تبلیغ نہیں کرتے۔ اور اگر کریں بھی تو بوجہ چندہ طلب کرنے کے ان کی تبلیغ قطعاً غیر مؤثر رہتی ہے۔ (8) تہجد والی شرط کاکبریٰ تقریر میں ذکر نہیں کیا گیا۔ (9) ارکان حزب اللہ سے کبریٰ شرائط کی بابت یا التائبون العابدون (الآیہ) کی صفت کا امتحان نہیں لیا گیا۔ (10) رضا کار اکثر بے دین بے ریش ہیں اور ان کا کام صرف آپ کی ذاتی خدمات ادا کرنا ہے۔ (11) ملک ہند کے سیاسی دستور میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ یا میناؤ اقوام مرتب کرانے میں باوجود میری گزارشات کے حزب اللہ نے حصہ نہیں لیا۔ (12) حزب اللہ کی مد سے لنگر کے مصارف کے لیے جو روپیہ لیا جاتا رہا ہے وہ قابل اعتراض ہے۔ (13) مسلمانوں کو اسراف سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن جناب حد درجہ اسراف سے کام لیتے رہے ہیں۔ قوم

کے امیر کا فرض ہے کہ عملی نمونہ بن کر لوگوں کو دکھائے۔ گاندھی کی قدر اس لیے لہونی کہ اس نے لہر بات پر پہلے خود عمل کیا۔ قوم کے لیے جناب سے صرف اتنا اشارہ بھی نہ لہو سکا کہ کبڑے دو دن کے بعد لہونی کے لیے دینا منظور فرما لیتے۔ اس دفعہ سنا ہے کہ شادی کے موقع پر اس قدر اسراف سے کام لیا گیا ہے کہ دنیا حیران ہے۔ (14) صاحبزادہ سید محمد سرور شاہ صاحب نے بمقام سیال شریف حضرت مجاہدہ نشین مدظلہ العالی کو کہا تھا کہ تمہارا آب سے اراٹھندانہ تعلق نہیں ہے۔ ان الفاظ کی آج تک تلافی نہیں کی گئی۔ (15) جناب نے رجوعہ کے معاملہ میں کم از کم انقوا عن القبۃ پر عمل نہیں کیا۔ اس شادی کے بعد آب کی بدنامی سب سے زیادہ تیبہ کر رہے ہیں۔ خصوصاً بہرہ و علی پور کے تیبہ احناف کو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے داماد نہیں وغیرہ وغیرہ۔ طرح طرح کے بلکواس کرتے ہیں۔ (16) سیال شریف میں حسین شاہ کے لڑکے سے سنا ہے کہ اپنی منی لہونی کا اظہار کیا تھا مگر اس کے بعد مصرم 52 لہ کی بدعات میں اس نے زبردست حصہ لیا۔ سنا گیا ہے کہ جلال پور شریف سے واپسی پر اس نے رجوعہ میں تیبوں سے کہا ہے کہ "میں توبہ کائی نہیں کیتی مطلب لینا سی"۔ (17) حسین شاہ گزشتہ عرس پر جلال پور شریف گیا تھا اس نے علانیہ لہانہ جھوٹ کر نماز پڑھی۔ اور تیبیت کا اعلانیہ اظہار کیا۔ (18) رجوعہ والے معاملہ میں آب نے حضرت مجاہدہ نشین صاحبہ سیالوی مدظلہ العالی کے مشورہ کی پرواہ نہیں کی۔ (19) مولوی محمد کامل صاحب لہرن پوری نے پسر حسین شاہ کی تحریر کا ذکر کیا تھا مگر انہوں نے اقرار کیا تھا کہ اس میں کوئی ایسا لفظ نہ تھا جس سے یہ ظاہر ہو کہ دوبارہ رافضی لہونی پر طلاق واقع ہو گئی۔ حالانکہ اس شرط کا لہونا ضروری تھا۔ (20) مجھے جناب نے محض دس دنوں کے سبب سے بلالوجہ مجلس شوریٰ کی رکنیت سے خارج کر دیا اور مجھے دعوت نہیں دی گئی۔ میں نے غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کی مگر اس کے باوجود اس سال بھی مجھے بلایا نہیں گیا۔ بلکہ عام ارکان کے زمرہ میں بھی شامل نہیں کیا گیا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ جناب کسی کی مخلصانہ گزارشات کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان امور کی موجودگی میں امید ہے کہ جناب مجھے عجلت پسند دہرینہ تعلقات و مراسم کو توڑنے والا ادا جہاں کم فاسق بننا کی پرواہ نہ کرنے والا خیال نہ

فرمائیں گے۔ مندرجہ بالا امور میں ممکن ہے کہ میری رائے نے غلطی کی ہو۔ میں ایک عاجز خطاکار انسان ہوں مجھے تسلیم ہے کہ عقل و خرد کا مجھے کامل حصہ نہیں ملا مگر اپنے تمام خیالات سے کم و کاست عرض کر دیتے ہیں۔

جناب نے مجھے جلال پور شریف کی دعوت دے کر ممنون فرمایا ہے میں نہایت خوشی سے حاضر ہوتا۔ میں ہمیشہ ان تعلقات کے قطع ہونے پر محزون و غمگین رہوں گا۔ بحالات موجودہ مجبور ہوں۔ اختلافات کی وسیع خلیج کو یاٹنا دشوار ہے۔ اس لیے نہایت ادب کے ساتھ معافی کا طالب ہوں۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو دعا کریں کہ خدا مجھے ہدایت دے اور میرے دل کی آنکھیں کھول دے۔ آمین تم آمین۔ نیز بوجہ تیاری جلسہ ان دنوں مجھے سخت مصروفیت ہے۔ بحالت موجودہ معاملہ بہت طوالت اختیار کر چکا ہے۔ ارکان نوری مجلس حزب الانصار کے اصرار پر جناب کے خلاف ایک مضمون جریدہ شمس الاسلام میں طبع ہو چکا ہے۔ (شمس الاسلام دسمبر 1933ء)

مجھے افسوس ہے کہ میری قلم سے ایسے الفاظ نکلے۔ رسالہ نائع ہو چکا ہے۔ اس لیے اس مضمون کو واپس لینا مشکل ہے۔ ایک اور بوٹر 2000 کی تعداد میں حزب اللہ کے خلاف طبع کرایا گیا ہے۔ جو ابھی تک تقسیم نہیں ہوا۔ آپ کا نوازش نامہ پڑھ کر میرا ارادہ ہے کہ اس کی اشاعت و تقسیم روک دی جائے اور جلسہ سالانہ حزب الانصار کے موقع پر یعنی 10.9.8 دسمبر کو جناب کے خلاف کوئی تقریب نہ ہو بشرطیکہ جناب جلسہ سے پہلے کم از کم 9 دسمبر سے پہلے مولوی محمد کامل صاحب کو برہنہ میں روانہ فرما دیں اور انہیں حسین شاہ کے لڑکے کی اصل تحریر یا اس کی نقل عطا فرما دیں۔ اگر مجھے اطمینان ہو گیا تو اشتہار تلف کر دیتے جانیں گے اور رسالہ شمس الاسلام کے آئندہ پرچہ میں غلام محمد شاہ کی تحریر نائع کر کے تلافی کر دی جائے گی۔ حضرت صاحب قبلہ بیالوی بہی جلسہ کے ایام میں برہنہ میں رونق افروز ہوں گے۔ عریضہ لہذا کے جواب میں اگر مولوی محمد کامل صاحب کے ہاتھ نوازش نامہ کے ساتھ غلام محمد شاہ کی تحریر ارسال فرما دیں تو بہتر ہو گا۔ اللہ کی قسم ہے کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی عداوت نہیں۔

نوٹ: اب تک ایک اشتہار سہی کسی کو سرہیں دیا گیا آپ کے نوازش نامہ کے انتظار میں الماری میں مقفل رہیں گے۔

عاجز ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار بھیرہ

بھیرہ اور جلال پور کے اکابرین کے مابین مراسلت کا سلسلہ جاری تھا اور صوبہ پنجاب کے بعض سرکردہ دینی حلقوں میں اضطراب اور تشویش تھی کہ دو اداروں اور دو خاندانوں میں اختلاف مسلمانوں کے لیے چنداں سود مند نہیں ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ لفظی اور زبانی جنگ و جدل کو افہام و تفہیم سے ختم کیا جائے۔ حضرت مولانا حافظ محمد قوالدین سیالوی خصوصی طور پر اس معاملے کو طے کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس دوران مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کے چوتھا سالانہ جلسہ کا اعلان ہو گیا۔ یہ جلسہ 8-9-10 دسمبر 1933ء، شعبان المعظم 1352ھ جامع مسجد بھیرہ میں حسب دستور سابق منعقد ہوا، جس میں پنجاب کے درج ذیل علماء و مشائخ شریک ہوئے:

● قبلہ صاحبزادہ حافظ سید پیر مولانا محمد حسین صاحب خلف الرشید حضرت قبلہ مخدوم حافظ پیر جماعت علی شاہ

صاحب محدث علی پوری مدظلہ تعالیٰ ● پیر قطبی شاہ صاحب ملتانی

● مولانا ابوالفضل کرم الدین صاحب رئیس بھیں (جہلم) ● مخدوم مولانا سید محمد علی شاہ صاحب عثمان پوری

● مولانا شیر نواب صاحب میونسپل کمشنر قصور ● مولانا لال حسین صاحب اختر۔

● مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی ● مولانا منیر شاہ صاحب خوشابی۔

● مولانا فضل احمد صاحب داعظ الاسلام سکھو ضلع راولپنڈی ● مولانا محمد عالم صاحب میر پوری

● حافظ ادبیات مرزائے قادیانی مولانا حبیب اللہ صاحب امرتسری

● فدائے ملت مولانا سید حبیب شاہ صاحب مدیر سیاست لاہور ● مولانا سید ولایت شاہ صاحب بھرائی

● صاحبزادہ مولانا حافظ محمد حسین صاحب سجادہ نشین مرولہ شریف

● 179 ● ماسٹر محمد بخش صاحب مسلم بی۔ اے لاہوری و دیگر متعدد مقتدر ارباب علم و فضل رونق افروز ہوئے۔

(بحوالہ شمس الاسلام جنوری 1934ء)

9 دسمبر 1933ء بروز ہفتہ صبح دس بجے جامع مسجد بھیرہ کے وسیع صحن میں سالانہ جلسہ کا تیسرا اجلاس شروع

ہوا۔ حکیم عبدالحمید خان سیفی (علیگ) کی رپورٹ جو روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ 21 دسمبر 1933ء میں بھی شائع ہوئی، یہ ہے:

حزب الانصار بہیرہ کا چوتھا سالانہ جلسہ

پرامن مجمع پر حزب اللہ جلال پوری کے لٹھ بندوں کا حملہ

خانہ خدا میں قیامت خیز ہنگامہ

بتاریخ 9 دسمبر صبح دس بجے مولانا میر اسد اللہ صاحب گجراتی کا وعظ ہوا۔ اتنے میں چند لٹھ بند جو حزب اللہ جلال پور ضلع جہلم کی جمعیت فدائیان کے رکن ہیں مسجد میں وارد ہوئے۔ ان کے مخاصمانہ رویہ نے مجمع کی توجہ کو ان کی طرف مبذول کر دیا۔ یہ لوگ سٹیج کے بالکل قریب بیٹھے تھے اور ان کا لیڈر غلام حیدر سٹیج پر بیٹھ کر حزب الانصار کے صدر محترم مولانا ظہور احمد گوی کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگ گیا۔ مولانا تقریر کو اٹھے۔ ابھی آپ نے دو چار فقرے ہی زبان سے نکالے تھے کہ اس شخص نے اپنے ساتھیوں کو حملہ کرنے کی دعوت دی اور خود مولانا ظہور احمد پر پل پڑا۔ مولانا پر کئی ایک لٹھیاں برسائی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت کے تصدق مولانا بال بال بچ گئے۔ مجمع میں قیامت کا شور برپا ہو گیا۔ ایک کہرام مچ گیا۔ ہزار ہا اشخاص بے تحاشہ ہو کر بھاگ گئے۔ جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ بے شمار ناکردہ گناہ لوگ لتاڑے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے۔ مولانا فضل احمد صاحب و اعظ الاسلام سکھو کو کئی ایک زخم آئے۔ چند ایک باہمت اشخاص نے ان لٹھ بندوں کو پکڑنا چاہا اس پر فریقین میں جنگ ہوئی جس کا نتیجہ لٹھ بندوں کے حق میں ذلیل کن ثابت ہوا۔ پولیس نے مجمع کی امداد سے ان مسلح فدا یوں کو گرفتار کر لیا جنہوں نے خانہ خدا کی توہین کی۔ پرامن مجمع پر حملہ کر کے مولانا ظہور احمد صاحب پر لٹھیاں برسایں کر بیگناہوں کو اپنی شاندار ڈانگوں کا نشانہ بنا کر اپنی وحشت و بربریت کا درخود ثبوت دیا۔ ان پر بلوہ کا مقدمہ قائم کیا گیا۔

رات کو پھر جلسہ ہوا۔ مجمع بے حد کثیر تھا۔ مولانا پیر قطبی شاہ صاحب نے شیعہ عقائد کی تردید میں ایک طویل اور مؤثر تقریر فرمائی۔ ماسٹر محمد بخش صاحب مسلم بی۔ اے نے فضائل اصحاب نبوی کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ مورخہ 10 دسمبر بروز اتوار مولانا حبیب اللہ صاحب امرتسری نے تردید مرزائیت پر تقریر کی۔ ان کے بعد ماسٹر محمد بخش صاحب مسلم نے فضائل اسلام اور اصلاح رسوم پر ایک بسیط لیکچر دیا۔ دو بجے کے بعد مولانا کرم الدین صاحب آف بھیں نے وعظ فرمایا اور مرزائے قادیانی کے لایعنی الہامات کی عالمانہ تردید کی۔ مولانا ظہور احمد صاحب گوی صدر حزب الانصار نے مجمع کو پرامن رہنے، اسلام کو بیرونی اور اندرونی حملوں سے بچانے کی پرزور ہدایت کی۔ لوگ اس ناشدنی واقعہ کی یاد لے کر واپس ہوئے۔

امید ہے کہ حکومت عالیہ ان ارباب فساد کو اتنی عبرت ناک سزا دے گی کہ آئندہ انہیں یا ان کے فدائی بھائیوں اور بزرگوں کو جرأت نہ ہوگی کہ اس طرح کے اخلاق سوز اور امن کش حرکات کے مرتکب ہوں۔ نیز امید واثق ہے کہ حکومت عالیہ اور افسران متعلقہ ان بااثر حضرات حزب اللہ سے کسی طرح بھی

متاثر نہ ہوں گے بلکہ سازش کا سراغ لگا کر اصلی مجرمین کو بھی قانونی گرفت میں لایا جائے گا۔

حکیم عبدالمجید خان علیگ

اضطراب:

دینی اور علمی امور میں اختلاف رائے کے لیے پمفلٹ و اشتہار بازی، رسائل میں مضامین اور اخبارات میں بیانات، فتویٰ بازی، تقاریر، چیلنج برائے مناظرہ وغیرہ معروف طریقے تھے جو ایسے قضیوں اور جھگڑوں میں دونوں فریق استعمال کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ ایک فریق قانون کو ہاتھ میں لے لیتا اور ڈنڈے کے زور پر اپنی بات منوانے پر تل جاتا یا فریق مخالف کا عملاً ناطقہ بند کر دیتا۔ مرزائیوں کے ساتھ انیسویں صدی کے شروع سے بیسویں کے آخر تک بالخصوص قیام پاکستان سے پہلے مسلمان علماء کے بے شمار معرکے ہیں مگر بہت کم موقعوں پر Law & Order کی صورت پیش آئی۔ خود دونوں فریق یعنی مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ اور مجلس حزب اللہ جلال پور بنیادی طور پر پرامن تنظیمیں تھیں، ان کے اکابر تمام دینی حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ دونوں کے اہداف میں دین کی سر بلندی، مسلمانوں کی فلاح و اصلاح اور معاشرے کی بہتری شامل تھی۔ چنانچہ 9 دسمبر 1933ء کو جامع مسجد بھیرہ میں ہنگامہ آرائی صوبے کے تمام دینی اور علمی حلقوں میں شدید اضطراب کا باعث بنی۔ حضرت مولانا ظہور احمد گوبی اور مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کے شناسا اور بہمدرد حلقوں میں سخت بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ (جنوری 1934ء) میں بتایا گیا ہے:

ملک کے طول و عرض میں غم و غصہ کی لہر

متعدد مقامات پر جلسہ ہائے اسلامیہ کی قراردادوں کا خلاصہ

خانہ خدا کی توہین اور پرامن مجمع پر جن بد بخت، کوتاہ اندیش جلال پوری حزب کے رضا کاروں نے حملہ کیا تھا ان کے خلاف مسلمانان پنجاب کے قلوب میں غیض و غضب و نفرت کے جذبات پیدا ہو چکے ہیں۔ بے شمار مقامات پر جلسے منعقد ہوئے جن میں ریزولوشن پاس کر کے حکام کو ایسے مفسد اور امن شکن گروہ کی طرف توجہ دلائی گئی۔ موقر جریدہ زمیندار، آزاد، سیاست، ٹریبون و پرتاپ وغیرہ میں ایسے کئی جلسوں کی روئیدادیں طبع ہو چکی ہیں۔ دفتر مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ میں حسب ذیل مقامات کے جلسوں کی روئیدادوں اور قراردادوں کی نقول وصول ہو چکی ہیں۔

انجمن محمدیہ ہریا تحصیل پھیالیہ ضلع گجرات، بھون ضلع جہلم، خوشاب، انوکھر وال ضلع جالندھر، شاہودی گڑھی ضلع لاہور، کچی کھنٹی ضلع لاہور، چک نمبر 136 ضلع لائل پور، شجاع آباد ضلع ملتان، سکھر صوبہ سندھ، بھرالہ بہرام، اگی، پھلوڑہ، کند پور ضلع جالندھر، سانگہ ضلع شیخوپورہ، چک نمبر 116 ضلع لائل پور سمندری ضلع لائل پور، کٹھیالہ شیخاں، ممبو ملک برہما، تلہ کنگ وغیرہ۔

16 دسمبر 1933ء کو مسلمانان بھیرہ کا ایک عظیم الشان جلسہ جامع مسجد میں زیر صدارت مولانا پیر قطبی شاہ صاحب منعقد ہوا جس میں حسب ذیل ریزولیشن بالاتفاق پاس ہوا۔

(1) مسلمانان بھیرہ و مضافات کا یہ اجتماع عظیم ان مفسدین کے خلاف جنہوں نے مورخہ 9 دسمبر بمقام جامع مسجد بھیرہ حزب الانصار کے چوتھے سالانہ جلسے میں مولانا ظہور احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ کر کے اور مجمع پر بے تحاشا لٹھیاں برسا کر خانہ خدا کی توہین اور شریعت اسلامیہ کی تضحیک میں حصہ لیا ہے۔ سخت نفرت و حقارت کا اظہار کرتا ہے اور حکومت کی خدمت میں التجا کرتا ہے کہ وہ مجرموں کو قرار واقعی سزا دے کر مسلمانوں کے قلوب کو مطمئن کرے اور اس جرم کے اصلی محرک اور سازش کنندوں کا پتہ چلا کر ان کو مناسب سزا دے۔

(2) مسلمانان بھیرہ و مضافات کا یہ جلسہ گورنمنٹ کوجلال پوری حزب اللہ کے رضا کاروں کی امن سوز حرکات اور اس خوف ناک حلف کی طرف توجہ دلاتا ہے جس میں ہر رضا کار سے عہد لیا جاتا ہے کہ امیر حزب اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے ماں باپ اور بھائی تک پر حملہ کرنے سے انکار نہ کرے گا۔ ایسی خطرناک جماعت کا وجود ملک کے امن و امان کے لیے مستقل خطرہ ہے۔ امن و آئین کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے ذمہ دار احکام کا فرض ہے کہ ایسی جماعت کو خلاف آئین قرار دے کر ان کی حرکات کی کڑی نگرانی رکھی جائے۔

اس ریزولیشن کی نقول اخبارات، گورنر پنجاب، ڈپٹی کمشنر سرگودھا کے پاس ارسال کی گئیں۔

ملزموں کا چالان زبردفعہ 147 ہو چکا ہے۔ مقدمہ کی سماعت ماہ جنوری میں شروع ہوگی۔ انشاء اللہ مقدمہ کی روئیداد جریدہ ہذا میں شائع ہوتی رہے گی۔

حزب اللہ کے تنخواہ دار مبلغ اور سید فضل شاہ جلال پوری کے ایجنٹ خصوصی مولوی محمد کامل ہرنپوری نے اخبار سیاست لاہور مورخہ 24 دسمبر میں ایک بیان شائع کیا ہے جس میں اپنے آقا کا حق نمک ادا کرتے ہوئے مالک حقیقی کے احکام کی قطعاً پرواہ نہ کرتے ہوئے جی بھر کر جھوٹ بولا ہے۔ جو آدمی اس بیان کو پڑھتا ہے حیران رہ جاتا ہے۔ مولوی ہو کر بایں ریش و فش و ادعائے زہد و تقدس اس قدر کذب بیانی اور سراسر افترا سے کام لینا حد درجہ شرم

ناک ہے۔ دیگر عینی شاہدوں کے بیانات اس کی تردید میں اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ (ش 1)
اسی شمارے میں قصبے سے بابت امیر حزب الانصار کی جانب سے دو اعلان بھی شائع ہوئے ہیں:

تشکر و امتنان:

حزب الانصار کے جلسہ سالانہ پر چند گمراہ اشخاص نے خاکسار پر قاتلانہ حملہ کیا۔ خداوند کریم کی عنایت سے خاکسار بالکل محفوظ رہا۔ اس ناگہانی بلا سے محفوظ رہنے پر ملک کے طول و عرض سے بے شمار اصحاب کے مبارک نامے روزانہ موصول ہو رہے ہیں۔ اور عامۃ المسلمین نے ہر جگہ خاکسار کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ فرداً فرداً ہر صاحب کو جواب دینا میرے لیے مشکل ہے۔ بذریعہ جریدہ ہذا ایسے تمام حضرات کی خدمت میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوا عرض گزار ہوں کہ بارگاہ رب العزت میں میرے لیے دعا فرماتے رہیں۔ خداوند کریم میرے مخالفین کو عقل و ہدایت عطا کرے اور مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔
عاجز خادم اسلام ظہور احمد گبوی کان اللہ

اعلان:

اگلے پروگرام کے حوالے سے مولانا گبوی شمس الاسلام میں لکھتے ہیں:-
”حزب اللہ کا ڈھونگ“ ابھی تک مرتب نہیں ہوا۔ انشاء اللہ دو تین ماہ کے اندر طبع ہو جائے گا۔ اسی حضرت پیر سید حافظ مولانا جماعت علی شاہ صاحب قبلہ محدث علی پوری و دیگر علمائے بریلی، دیوبند، لاہور وغیرہ کے دستخطوں سے ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ جو پیر اپنی ہمشیرہ کا نکاح کسی شیعہ سے کر دے اس کی بیعت حرام ہے۔ اور اس کے مریدوں کا فرض ہے کہ اس کی بیعت توڑ دیں۔“
چونکہ خانہ خدا میں ایک ہی مسلک کے مسلمانوں پر حملہ سنگین جسارت تھی اس لیے قومی اور مسلم پریس میں مختلف جگہوں سے احتجاج اور اظہار ہمدردی مسلسل رپورٹ ہو رہے تھے۔ شمس الاسلام بھیرہ میں ”عرض حال“ کے تحت تحریر ہے:

”یکم فروری 1934ء تک ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں کم از کم ایک صد مقامات پر جلسے منعقد ہو چکے

ہیں جن میں حزب الانصار کے مظلوم ارکان کے ساتھ ہمدردی اور جامع مسجد بھیرہ میں حملہ آوروں کے خلاف نفرت و حقارت کے ریزولوشن پاس کر کے حکام کے پاس ارسال کیے گئے۔ برما، بنگال، مدراس اور سندھ جیسے دور دراز صوبوں میں بھی اس واقعہ کی بنا پر مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو چکا ہے۔ کیتھل، امرتسر، بنالہ، جالندھر، نارووال، سیالکوٹ، کوہاٹ و دیگر کئی

مشہور شہروں کی مجالس ہائے اسلامیہ نے بذریعہ تارا اپنے اضطراب و بے چینی کا اظہار کیا۔ روز نامہ زمیندار لاہور اور روز نامہ آزاد لاہور نے ایسے جلسوں کی روئیدادیں شائع کر کے حمایت مظلومہ کا حق ادا کیا ہے۔ خاکسار تمام کارکنان کی طرف سے ہر دو روز ناموں کے مدیر صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔“

اس دوران جب ملک بھر خصوصاً پنجاب کے مختلف علاقوں سے غم و غصے کی قراردادیں، تارا اور پیغامات آ رہے تھے۔ امیر حزب اللہ جلال پور کے ایک خاص مرید اور معتمد (حکیم) مولوی اللہ دین (مولوی فاضل) ملکوال ضلع گجرات نے ایک جہازی سائز کا (22"x26.5") اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا:

”مسٹر ظہور احمد بگویی اور اس کے الزامات کی حقیقت“

”واقعات و دلائل کی روشنی میں“

اس اشتہار میں دلائل کی بجائے الزامات اور اتہامات کی بھرمار تھی۔ چنانچہ ”عرض حال“ کے تحت شمس الاسلام بھیرہ لکھتا ہے:

”ملکوال کے ایک حکیم نے مغلظات سے بھرپور اشتہار شائع کر کے اپنے جبٹ باطن اور مسخ شدہ ذہنیت کا اظہار کیا ہے۔ شرائط مصالحت کی پابندی کی وجہ سے ہم کوئی جواب شائع کرنے سے معذور ہیں۔ رائے عامہ نے اس اشتہار کو قبول نہیں کیا چنانچہ ہر جگہ لوگوں نے اشتہارات پھاڑ ڈالے اور اشتہار چسپاں کرنے والوں کے ساتھ برا سلوک کیا۔“

سید محمد فضل شاہ صاحب جلال پوری نے بھی ایک ”پیغام“ شائع کیا ہے۔ شرائط مصالحت کی بنا پر اس کا کوئی جواب ہم شائع نہیں کر سکتے۔ شاہ صاحب ممدوح نے وعدہ کیا ہے کہ اس پیغام کی اشاعت و تقسیم روک دی جائے گی۔ اور آئندہ اس قسم کا کوئی پمفلٹ یا اشتہار ان کی طرف سے شائع نہ ہوگا۔“

(ش 1۔ فروری 1934ء۔ ص 3)

اس دوران مصالحت و مفاہمت کے لیے اہل علم اور دردمند مسلمان اکابرین کی کوششیں جاری تھیں کہ جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین و امیر حزب اللہ جلال پور شریف کی جانب سے 15 صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ شائع ہوا جو بالخصوص ”ارکان حزب اللہ و برادران طریقت و بالعموم تمام اہل اسلام“ کے نام ”امیر حزب اللہ کا پیغام“ تھا۔ اس کتابچے میں جہاں تحریک حزب اللہ کے آغاز و مقاصد بیان کیے گئے ہیں وہاں

حاسدین و مخالفین کے ظہور، علمائے حق و علمائے سو، تحریک کی کامیابی مخالفت کا ذریعہ بنی، سفاح والا معاملہ اور اس کی اصلیت، فتویٰ بازی کی وبا، جیسے پہلوؤں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ امیر حزب اللہ کے موقف کی وضاحت اور استدلال کے لیے کتابچہ ”امیر حزب اللہ کا پیغام“ سے چند اقتباس درج ذیل ہیں:

اس مبارک تحریک کی مقبولیت عامہ:

سات سال کے قلیل عرصہ میں تحریک نے جو عالمگیر مقبولیت حاصل کی ہے وہ محتاج تشریح و بیان نہیں۔ نہ صرف یہ کہ ارکان حزب اللہ کی تعداد اب پچیس ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے بلکہ میں یہ بات فخر و مباہات کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس تحریک سے بڑھ کر اس زمانہ میں شاید ہی کوئی تحریک ایسے شاندار کارناموں کو پیش کر سکے جو کہ آج حزب اللہ کا ماہ الامتیاز بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر اجزائے تحریک کے بعد ایک جوش عمل پیدا ہو چکا ہے، احساس زیاں پیدا ہو چکا ہے، تنازع البقاء و جہد للحیات کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے اور سب سے بڑھ کر ان کی مسخ شدہ ذہنیاتوں میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ اقتصادی بد حالی اور مالی کمزوری رفع کرنے کے لیے جو تدابیر سامنے لائی گئی تھیں مسلمانوں نے نہایت خلوص و محبت کے ساتھ انہیں قبول کر لیا ہے اور آج حزب اللہ کے طفیل سینکڑوں ارکان مرد و عورت و بچے کو ترک کر کے مقدمات سے محفوظ رہ کر قابل عمل و لائق تقلید مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ اور تحریک کی مقبولیت کا یہ ایک بدیہی ثبوت ہے کہ الفضل ماشہدت بہ الاعداء کے مصداق تحریک سے خدا واسطہ کا بغض رکھنے والے تحریک کے غیر مفید ہونے کے متعلق زبان سے ایک لفظ بھی استعمال نہیں کر سکتے اور ایک چیز کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس کے مخالفین بھی اس کی صداقت کے قائل ہو جائیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

یہ درجہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

تحریک کی کامیابی زیادہ تر خلوص و للہیت کی بنا پر حاصل ہوئی اور بحمد اللہ کہ اس فقیر کے دل میں اپنے ذاتی منافع سے بڑھ کر قوم کی سود و بہبود، ذاتی اغراض سے مقدم قوم کی فلاح و ترقی اور اپنے ذاتی معاملات سے مرخ قومی عزت و آبرو کا سوال ہے اور خدا کرے خدمت اسلام و مسلمین کی جو توفیق مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب سے عطا ہو چکی ہے وہ دم واپس تک میرے رفیق حال رہے اور میری زندگی کا ہر ایک لمحہ اور میرے ایام حیات کا ہر ایک سانس امت مرحومہ کی اصلاح و تنظیم کے کام آئے:

یا رب این آرزوئے من چہ خوش است

تو بریں مدعا مرا برساں

حاسدین و مخالفین کا ظہور:

حزب اللہ کی مخالف طاقتوں نے بھی اب ایک کر لیا ہے اور اس تحریک کو مٹانے، بدنام کرنے، مسلمانوں کو اس کی طرف سے متنفر کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگایا جا رہا ہے، آہ!:

بجرم عشق تو ام می کشند غوغائیت

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا نیست

یہ ساری کارروائی کس جرم کی پاداش میں عمل میں لائی جا رہی ہے، یہ مخالفانہ مظاہرے کس نوعیت کی بنا پر کیے جا رہے ہیں۔ یہ اہلنہ فریبوں اور مکار یوں، دھوکا اور فریب دہی کا بازار کیوں گرم ہو رہا ہے۔ ان یقول ربی اللہ کہ اس گئے گزرے زمانہ میں ایک شخص نے پیغام حق پڑھ کر سنایا، ایک خدا کی غلامی کا طوق مسلمانوں کے گلے میں ڈالنا چاہا اور سب سے بڑھ کر اس کا قصور اگر ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ اس نے قریہ بقریہ اور دہ بدہ پھر کر مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی کہ 'ایک بنو اور نیک بنو'۔

حسد و بغض کے جذبات رذیلہ:

میری مراد علمائے سوء اور مشائخ کو بدنام کرنے والے نام نہاد بیروں سے ہے۔ وینعم ما قبل،

وما افسد الدین الا الملوک و علماء سوء و رهبانها

کہ دین کے اندر افساد و تخریب کا باعث ہی یہ تین طبقے ہوا کرتے ہیں۔ بادشاہ اور رئیس۔ علماء سوء اور غلط رو مشائخ۔ ورنہ علمائے حق اور صوفیائے عظام کے انفاس طیبہ سے تو ملت مرحومہ کا قیام و استحکام ہے اور یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنی پاک اور بے لوث تعلیم سے دنیا میں اسلام کی صداقت کو روز روشن کی طرح آشکارا کر دیا اور یہی تو رونا ہے کہ ایسے لوگ اس زمانہ میں بہت قلیل رہ گئے ہیں اور جو موجود ہیں وہ بھی اس مقدم الذکر طبقہ کی چیرہ دستیوں اور مظالم کا شکار ہو رہے ہیں۔ آج ہمارے فتویٰ باز اور مکفر مولوی تکفیر و تفسیق کے حربے لیے ہوئے دیوانہ وار پھر رہے ہیں اور ان کا دار بلا دروغی ہر شخص پر ہو رہا ہے۔ خاطر و معصوم کی کوئی تمیز نہیں، حق و باطل کی کوئی تمیز نہیں بلکہ دوست و دشمن کی کوئی تمیز نہیں۔

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

ترپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

لیکن جہاں تک میں نے اس معاملہ میں غور و خوض سے کام لیا ہے یہ تخریبی باتیں کسی اعتبار سے

بھی ملت اسلامیہ کے لیے مفید نہیں ہو سکتیں۔

آج اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوتوں کو یکجا کرنے اور

بوقت ضرورت اعدائے دین کے مقابلہ میں استعمال کرنے کا مقصد و حیلہ لے کر سامنے آتا ہے تو یہ لوگ اس

کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراشنے لگتے ہیں، اس پر فتوے لگائے جاتے ہیں، اس کے خلاف بہتان طرازیوں اور افترا پردازیاں ہونے لگتی ہیں۔ عامۃ المسلمین کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ان کے جذبات کو مذہبی رنگ میں مشتعل کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں اور اس ساری کارروائی کے درپردہ ذاتی اغراض کی تکمیل حسد اور بغض کے عادات رذیلہ کا مظاہرہ اور لوگوں کو ایک طرح سے بہکانا ہے تاکہ ان کی دستار فضیلت وجہ مشیخت کے تقدس و احترام میں کوئی فرق نہ آجائے۔

تحریک کی کامیابی مخالفت کا ذریعہ بنی

میرے عزیزو! خداوند کریم دانا و بینا ہیں اور واحد و شاہد کہ میں نے یہ تحریک کسی ذاتی منفعت، کسی ذاتی عروج و شہرت اور کسی ذاتی مفاد کی خاطر شروع نہیں کی۔ میرا مقصد صرف یہی تھا کہ مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارا جائے، ان کی اقتصادی زبوں حالی کو دور کیا جائے تاکہ ان کی مالی مشکلات کا خاتمہ ہو جائے اور ان کے اتحاد و یگانگت سے دیگر اقوام عالم میں ان کی حیثیت بلند کی جائے۔ میں یہی مقصد لے کر اٹھا، اسی کی تکمیل کی خاطر چھ کامیاب دورے ہوئے، جلسے ہوئے، تقریریں ہوئیں، رسالے چھپے اور اب جبکہ مسلمانوں نے حزب اللہ کی حقیقی غرض و غایت معلوم کر لی ہے، شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گیا ہے اور اس مبارک تحریک کی عام مقبولیت ہونے لگی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے کہ حسد و بغض سے جل بھن کر محض دوسرے کی ترقی کو نہ دیکھ سکنے کے جذبہ رذیلہ کے ماتحت خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے ہیں۔ ایک صاحب نے اشتہار دیئے، رسالہ میں مضمون چھپوایا، دوسرے صاحب نے ”تنہا بہ پیش قاضی روی راضی آئی“ کے مطابق ایک خود ساختہ اور واقعات کے خلاف فتوے لکھ کر اس پر بعض جلد باز، کوتاہ اندیش اور تنگ نظر علماء کے دستخط کرا لیے۔

نکاح والا معاملہ اور اس کی اصلیت

اور جرم کیا؟

اس گناہ پر مجھے مارا کہ گناہ گار نہ تھا

لے دے کر قصور یہ ذمہ لگایا کہ اس فقیر نے اپنی ہمشیرہ عزیزہ کا نکاح رجوع سیداں ضلع جھنگ میں سردار حسین شاہ صاحب رئیس کے فرزند سید غلام محمد شاہ سلمہ سے کیوں کر دیا جبکہ اس کے قول کے مطابق وہ اہل تشیع میں سے ہیں۔

فتویٰ کالب لباب یہ ہے کہ سب اور رافضی مرد سے ایک اہل سنت والجماعت عورت کا نکاح فقہائے کرام کے نزدیک ناجائز ہے اور میں بھی اس فتویٰ کی تائید کرتا ہوں کہ واقعی جو شخص کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں سب و شتم کرے یا کہ ان کے ایمان کے متعلق اس کے دل میں شک و شبہ موجود ہو ایسا شخص

ہرگز اس قابل نہیں کہ اس سے ہجو قسم تعلقات قائم کیے جائیں۔ لیکن اگر ایک شخص اپنے عقائد کا اظہار ان الفاظ میں کرے کہ:

”تمام اصحاب رسول ﷺ و اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی میرے دل میں خاص عزت و منزلت ہے بالخصوص اصحاب اربعہ سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کو جو شخص کافر سمجھے وہ میرے نزدیک خود کافر ہے اور جو ان کے حق میں بے ادبی یا طعن تشنیع کرے وہ خاطر اور گناہ گار ہے۔ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک جتنے بزرگ قابل عزت ہیں خواہ وہ صحابہ کرام میں سے ہوں یا اولیاء اللہ اور آئمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم میں سے وہ سب کے سب میرے نزدیک بھی واجب الاحترام ہیں۔ میں یہ عقائد کسی تقیہ کے ماتحت ظاہر نہیں کرتا بلکہ یہ میرے دلی عقائد ہیں اور انہیں پر میرا یقین ہے۔“

جیسا کہ ہم نے قبل از مناکت یہ تحریر سید غلام محمد شاہ سلمہ سے لے لی ہے تو پھر ہمارے فتویٰ دہندہ اور مکلف مولوی صاحب فرمائیں کہ ان کا فتویٰ کس کے خلاف ہے اور اس کا مورد کون بن سکتا ہے؟

فتویٰ بازی کی وبا

میں خود سب اور رخص کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور سب اور راضی میری نظروں میں بے حد حقیر اور ذلیل ہیں۔ لیکن وہ شخص اس سے بھی بڑھ کر ذلیل ہے جو کہ ایک مسلمان بھائی کے خلاف محض حسد اور بغض سے فتوے لگائے اور رائے عامہ کو اس کے خلاف کرنے کی ناکام کوشش کرے تاکہ مسلمان راہ راست سے منحرف ہو کر پھر اس غلط راستہ پر چلنے لگیں جس پر چلتے چلتے وہ اپنی عزت، اپنا ناموس، اپنی حکومت، اپنا اقتدار سب کچھ کھو چکے ہیں۔ باقی رہے دستخط کرنے والے علماء، سو کسی فتویٰ پر مولویوں کے دستخط لینے کون سی بڑی بات ہے جبکہ یہ کفر باز فرقہ ہر زمانہ میں موجود رہا ہے اور اعظم رجال میں سے کون سی ایسی شخصیت ہے جو کہ ان مکلف مولویوں کے بے پناہ حربہ سے محفوظ رہ سکی ہو۔ اور تو اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز پر بھی اس زمانہ کے علماء نے کفر کے فتوے لگائے تھے۔ امام الصوفیہ امام محمد غزالی، علامہ رازی، شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہم سب نشانہ مشق تکفیر بن چکے ہیں۔

حضرت سراج الامت امام ابوحنیفہ کے ساتھ بھی جو بغض و عناد اس زمانہ اور بعد کے حاسد و علماء نے روا رکھا ہے اور امام بخاری جیسے محدث نے یقول رجل من الکوفہ کہہ کر آپ کا جو استخفاف کیا ہے وہ اہل علم طبقہ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ایسے حضرات جن کا وجود اسلام کے لیے آ یہ رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے فتویٰ باز مولویوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکے تو پھر کسی دوسرے کو کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہمارے امام ابوحنیفہ کا صریح ارشاد ہے کہ اگر ایک شخص میں ننانوے کفر کی علامات موجود ہوں لیکن صرف ایک علامت اسلام کی بھی رکھتا ہو تو بھی ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے۔ لیکن آج کل صورت حالات اس کے برعکس ہے

کہ اگر ایک شخص کے اندر ننانوے ایلام کی علامات موجود ہوں اور ایک علامت اسلام کے خلاف بھی ہو تو ہمارے نکتہ چینی مولوی دوسری سب قابل تعریف باتوں کو نظر انداز کر کے اس ایک قابل اعتراض بات کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائیں گے۔ مثلاً دوسرے فرق اسلامیہ سے قطع نظر اہل سنت والجماعت کے درمیان جو تکفیر و تفسیق ہو رہی ہے اور دیوبندی بریلویوں اور بریلوی دیوبندیوں کے خلاف چند فروعی اختلافات کی بنا پر جو فتویٰ بازی کر رہے ہیں اور علم الغیب کے کلی و جزئی ہونے، حاضر و ناظر، امکان کذب و نظیر کے متعلق جو رسہ کشی شروع ہے اور بلا سوچے سمجھے اپنے مخصوص عقائد و خیالات کی صداقت اور دوسرے فریق کی مخالفت میں جو زور قلم صرف ہو رہا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فتویٰ بازی کا بھوت بعض مولوی صاحبان کے سر پر سوار ہو رہا ہے اور بجائے اسلام کی اشاعت و تبلیغ مسلمانوں کے رشد و ہدایت کے سب کو کفر اور فسق کی لٹھی سے ہانک رہے ہیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ مفتی دارد

آہ! گر از پس امروز بود فردائے

ارکان حزب اللہ و برادران طریقت سے خطاب

ان واقعات و شواہد کے اظہار کے بعد اب عامۃ المسلمین کو بالعموم اور ارکان حزب اللہ و برادران طریقت کو بالخصوص میں مخاطب بنانا چاہتا ہوں کہ آپ نے ان لوگوں کی غیر مستحسن روش کو اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے اور غالباً اس امر کے اظہار کی چنداں ضرورت نہ ہوگی کہ ان کے دل میں خلوص عمل کا شانہ تک نہیں اور ہر ایک معاملہ میں ذاتی اغراض انہیں مقدم ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً اشتہار باز صاحب کی ناراضگی کا باعث ان کا نام بوجہ اختلاف آراء حزب اللہ کی رکنیت مجلس شوریٰ سے خارج کر دینا ہے۔ جبکہ اس فقیر کے پیش نظر مسلمانوں کی منتشر قوتوں اور بکھرے ہوئے شیرازہ کی یکجائی اور استحکام ہے اور وہ صاحب امت مرحومہ کے اندر انشقاق و افتراق ڈال کر شہرت حاصل کرنی چاہتے ہیں۔

فتویٰ باز صاحب کی زبان زد خواص و عوام دیانت و امانت سے قطع نظر کہ بچو قسم ذاتی معاملات میں نکتہ چینی کو ہم پسند نہیں کرتے اس فقیر کے ساتھ وجہ خصومت صرف یہ ہے کہ ان کے ایک مرحوم قریبی رشتہ دار کے وراثت کے جھگڑے میں ان کے اس حکم کی تعمیل ہم سے نہیں ہو سکی کہ ایک جائز اولاد کو ناجائز ظاہر کر کے اسے محروم الارث بنا دیا جائے جبکہ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ کا فرمان خداوندی ہمارے پیش نظر تھا اور اطاعت مخلوق فی

معصیۃ الخالق کا ارشاد مصطفوی ہمارے سامنے لیکن اس کے باوجود میں نہیں چاہتا کہ حزب اللہ کے تعمیری پروگرام میں ہم کسی تخریبی معاملہ کو داخل کریں اور وہ وقت جو ہم نے ملت مرحومہ کی اصلاح و درستی پر صرف کرنا ہے، وہ قیمتی لمحات جو قوم کی سود و بہبود کے وسائل سوچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں خرچ ہونے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثہ میں ضائع کر دیے جائیں۔ بلکہ مناسب یہی ہوگا کہ وہ اپنا کام کرتے رہیں اور ہم اپنے کام میں مصروف رہیں:

وہ اپنی خونہ بدلیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

بائیں ہمہ آج کل کے زمانہ شرفتن میں خاموشی تسلیم کے مترادف ہے اس لیے ہمارے خیال میں اس موقع پر تقسیم کار کی ضرورت ہے کہ یہ فقیر تو اپنے شروع کردہ کام اصلاح و تنظیم میں مصروف رہے اور عامۃ المسلمین کا جنہیں حزب اللہ کے ساتھ بحیثیت ان کے ایک خادم ہونے کے ہمدردی لازمی ہے اور ارکان حزب اللہ و برادران طریقت کا جو اس تحریک کے روح رواں ہیں اور جن کی خلوص و محبت کی یہ تحریک ایک جیتی جاگتی تصویر ہے فرض ہے کہ وہ اس موقع پر میدان عمل میں نکل آئیں اور مخالفین و معاندین کے غلط اور گمراہ کن پراپیگنڈا کی تردید اپنا اخلاقی فرض سمجھیں لیکن جوابی کارروائی نہایت نرمی اور محبت سے ہونی چاہیے۔ جن لوگوں کو یہ بدنام طبقہ گمراہ کر چکا ہے انہیں اصل اور صحیح واقعات سمجھا کر دلائل و براہین سے قائل کر کے اس مخالفت کے اندر جو ذاتی اغراض اور حسد کے جذبات پوشیدہ ہیں وہ واضح کر کے ان کی غلط فہمیاں رفع کرادی جائیں اور ساتھ ہی ان گمراہ کن اشخاص کے خلاف کوئی منقمانہ اور تشددانہ کارروائی نہ کی جائے بلکہ تحمل، برداشت، ضبط اور سکون سے کام لیا جائے۔ امن، صلح پسندی اور فساد سے گریز کرنا اسلام کی صحیح تعلیمات ہیں اور مسلمان کی تعریف ہی یہ ہے کہ دوسرے بھائی اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

فقیر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ کان اللہ،

سجادہ نشین دامیر حزب اللہ

جلال پور شریف۔ 25 رمضان 1352ھ

قرارداد:

9 دسمبر 1933ء کے سانحے پر 16 دسمبر 1933ء کو جامع مسجد بھیرہ میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا پیر قطبی شاہ نے کی۔ اس اجلاس میں درج ذیل قرارداد مذمت پاس کی گئی:

"The muslimans of Bhera and neighbours strongly express their hatred against those Jalalpur Hizbullah's volunteers who made fatal attack on Mualana Zahoor Ahmad Bugvi and beat the audience with dangerous lathis, not caring for honour of Islam and mosque on the 9th December 1933 AD, request the Govt. to redress their

feelings by having an impartial investigation and giving sufficient punishment to the savage attackers. Further, they request the Govt. to take immediate steps against the unlawful existence of Jalapuri Hizbullah volunteers' organization whose organizers are wealthy and influential, and whose volunteers pledge even to kill their parents by the orders."

مسلم اور غیر مسلم پریس کا تضاد:

وقوعہ کے بارے میں مختلف اخبارات کے نامہ نگاروں کی جانب سے رپورٹیں چھپتی رہی ہیں۔ ہندو اور انگلش اخبارات میں خبروں کا انداز واضح طور پر معاندانہ ہے۔ ایک طرف تو مجلس حزب الانصار بھیرہ کے سالانہ جلسے میں بالکل خلاف واقعہ دیگر یعنی ہندو سکھ عیسائی مذاہب کے خلاف تقاریر کا الزام ہے اور دوسری طرف امیر حزب اللہ کے خلاف جلسہ میں مبینہ ذاتی اور خاندانی حملوں کا تذکرہ ہے۔ روزنامہ "ٹری بیون" دہلی اپنی اشاعت مورخہ 14 دسمبر 1933ء میں لکھتا ہے:

RIOTS IN A MOSQUE

FREE FIGHT

Several Persons Injured.

روزنامہ TRIBUNE دہلی اپنی اشاعت مورخہ 24 دسمبر 1933ء میں تفصیل سے لکھتا ہے:

BHERA MOSQUE RIOTS

HOW TROUBLE AROSE

Some confusing statements about the incident concerning the recent fracas in the Jumma Masjid at Bhera. have made their appearance in the press. The dispute arose over a speech at a meeting of the Hizb-ul-Ansar held on the 9th of December. It transpires that in this speech, the speaker made some violent and personal attacks on Hazrat Syed Fazal Shah of Jalalpur Sharif, thus provoking the audience who resented the airing of personal grievances in a public meeting of this kind. Recently the sister of Hazrat Syed Fazal Shah and Nawab Syed Sir Mehr Shah, member of the Council of State was married to the son of a well-known Syed Rais of Jhang. The speaker alleged that the bridegroom was not a sunni but a shia and criticised this marriage on this ground in violent terms, whereupon some of the audience protested but they were roughly handled

انہی الفاظ اور اسی انداز کے ساتھ یہ خبر ہندو اخبار روز نامہ ”اکا پتری“ لاہور میں 15 دسمبر 1933ء کو اس طرح اشاعت پذیر ہوئی ہے۔

بھیرہ میں شیعہ سنیوں میں شدید فساد

لنی آدمی سخت زخمی ہوئے، مسجد کے در و دیوار پر خون جما ہوا ہے

بھیرہ 10 دسمبر۔ 9 دسمبر کو جامع مسجد میں دو ہزار مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ نواحی دیہات سے بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے تھے۔ اس اجتماع کی وجہ یہ تھی کہ تیس چالیس مولویوں نے ایک مجسٹریٹ کے خلاف سجاوہ نشین جلال پور کے ایک برادر خورد جو خود تو سنی ہے لیکن اس نے اپنی بہن کی منگنی ایک شیعہ سے کر دی ہے، فتوے دینا تھا۔ دس بج کر تیس منٹ پر ممبر سے ایک مولوی نے وعظ شروع کیا۔ اس سے پہلے تو ہندو، سکھ اور عیسائی مذہب پر اعتراضات کئے۔ پھر شیعہ مذہب کا کاکھنڈن شروع کیا۔ مسلمانوں نے اسے کہا کہ وہ شیعہ مذہب کا کھنڈن نہ کرے لیکن اس نے نہ مانا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اور لائٹیاں و گندے ایک دوسرے پر پڑنے شروع ہوئے۔ پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ ایک درجن کے قریب زخمیوں کو لاری میں ڈال کر ہسپتال پہنچایا گیا اور ایک درجن کے قریب فساد کی بھی گرفتار کر لیے گئے۔ مسجد کے دروازوں اور دیواروں پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں ابھی تک زخمیوں کی کل تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔

اس جانبدارانہ اور جلتی پر تیل ڈالنے والے انداز سے قطع نظر مسلم پریس نے نسبتاً بہتر اور منصفانہ رپورٹنگ کی ہے۔ ان میں روز نامہ انقلاب لاہور، روز نامہ زمیندار لاہور، روز نامہ سیاست لاہور اور روز نامہ احسان لاہور شامل ہیں۔ روز نامہ پرتاب لاہور نے اپنی یکم جنوری 1934ء کی اشاعت میں ”دوسروں کی زبان سے“ کے تحت مولانا شیر نواب خان میونسپل کمشنر بلدیہ قصور کی تحریر چھاپی ہے جس میں انہوں نے چشم دید واقعات اور صحیح حالات کے بارے میں بیان دیا ہے:

جامع مسجد بھیرہ میں فساد

بھیرہ جامع مسجد کے جھگڑے کے متعلق اخبارات میں خبریں شائع ہو چکی ہیں جن میں نامہ نگاروں نے اصلی واقعات کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ میں فساد کے موقع پر وہاں موجود تھا۔ پبلک کی آگاہی کے لیے صحیح واقعات پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ مولوی محمد کامل صاحب ہرن پوری حزب اللہ کے وظیفہ خوار ملازم ہیں۔ مولوی ظہور احمد گبوی صاحب کا حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب جلال پوری سے ایک رشتہ کے متعلق اختلاف بتلایا جاتا ہے۔ لیکن مجھے دور افتادہ کوفریقین کے اندرونی مناقشات سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس لیے صحیح واقعات کا اظہار کر دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہیں:

مورخہ 9 دسمبر کو قریباً دس بجے قبل دوپہر میرے بالکل قریب مسمی غلام حیدر ساکن سوہاوا کی سرکردگی میں ڈانگوں سے مسلح ایک منظم گروہ حملہ آوری کے لیے آمادہ فساد بیٹھا ہوا پایا گیا۔ مولوی ظہور احمد گبوی صاحب نے انہیں یقین دلایا کہ جناب پیر سید فضل شاہ صاحب کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے گا۔ البتہ دوران تقریر میں شیعہ مذہب کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بتایا کہ ایسے لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے کہ ان الفاظ کی آڑ لے کر غلام حیدر مذکور کے اشتعال انگیز الفاظ نے اس کے ہمراہیوں کے جذبات مشتعل کر دیئے جو پہلے ہی سے آمادہ فساد تھے۔ چنانچہ انہوں نے بلا تمیز لائٹیاں برسانی شروع کر دیں۔ نہ تو مولوی ظہور احمد صاحب نے کسی ہندو کو کوہا اور نہ کسی سکھ کو۔ نامہ نگاروں نے جانبداری کو کام میں لا کر اصل واقعات کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ منشی امیر خان بیڈکا نشیبل تھانہ بھیرہ متعینہ جلسہ نے بھی غالباً اپنی رپورٹ مرسلہ تھانہ بھیرہ میں انہی واقعات کی بنا پر زبردفعہ 127 تعزیرات ہند فریق حملہ آور غلام حیدر وغیرہ کو ہی ملزم گردان کر ایک ہی فریق کے خلاف کارروائی کی ہے۔ اسی دن موقعہ پر سب انسپکٹر صاحب تھانہ بھیرہ، انسپکٹر صاحب پولیس علاقہ اور سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پولیس ضلع سرگودھانے تفتیش کی۔ میرے بیان پولیس میں داخل ہوئے۔ لہذا پرتاپ مورخہ 15 دسمبر کی اطلاعات افسران کے قلم بند ریکارڈ کے بالکل خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ مولوی ظہور احمد صاحب پر اشتعال انگیزی کا الزام بالکل غلط ہے۔

(شیر نواب خاں از قصور)

انقلاب کا اداریہ:

مولانا عبدالمجید سالک کا روز نامہ انقلاب لاہور بنیادی طور پر سیکولر، سرکارنواز اور جاگیردارانہ رجحانات کا حامل اخبار تھا۔ اس کی ہمدردیاں قدرتی طور پر حزب اللہ سے تھیں کیونکہ سجادہ نشین صاحب کے برادران سرکاری ملازم اور بار سوخ تھے اور حکومت پالیسیوں کے پر جوش حامی تھے۔ چنانچہ اپنی اشاعت مورخہ 24 دسمبر 1933ء میں "قضیہ جلال پور" پر درج ذیل شذرہ لکھتا ہے:

فرقہ بندی کی لعنت کے کرشمے

"ابھی یہ سن کر بے حد رنج ہوا کہ ہفتہ گزشتہ میں انجمن حزب الانصار بھیرہ کے اجلاس پر مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان لائٹیاں چل گئیں۔ اور متعدد مسلمان مجروح ہوئے۔ بعض اخبارات سے جو تفصیل معلوم ہوئی وہ نہایت ہی افسوسناک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فساد مولوی ظہور احمد صاحب گبوی کی ایک تقریر پر ہوا۔ نتیجہ یہ ہے کہ طرفین میں سے متعدد آدمی ہسپتال پہنچ چکے ہیں اور فساد و بلوہ کے مقدمات دائر ہو چکے ہیں۔ ہم اس حادثہ کی تفصیلات یا کسی ایک جماعت کی خطا کاری یا بے قصوری کے متعلق کچھ نہیں لکھنا

چاہتے۔ اس لیے مقدمہ زیر سماعت ہے اور اب الزام وہی ہمارا کام نہیں۔ بلکہ عدالت کا ہے لیکن جس مسئلہ پر مسلمانوں میں یہ افسوس ناک اختلاف پیدا ہوا اس کے متعلق چند کلمات عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور کی ہمیشہ کا نکاح سید حسین شاہ صاحب رئیس اعظم رجوعہ کے صاحبزادے سے کیا گیا۔ اس پر مولوی ظہور احمد صاحب بگویی نے اپنے رسالہ ”شمس الاسلام“ میں لکھا کہ ایک سنی سجادہ نشین نے ایک شیعہ نوجوان سے اپنی ہمیشہ کا نکاح کر کے شریعت اسلامی کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور اس نکاح کی وجہ سے جلال پور کے سجادہ نشین کا خاندان شیعوں میں شامل ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حزب الانصار کے اجلاس میں بھی جو مسجد میں ہو رہا تھا پھر یہی مسئلہ بالکل غیر مناسب طریق پر چھیڑا گیا جس پر بعض اشخاص نے اس پر اعتراض کیا کہ ہدایت و ارشاد کے بجائے ایک ذاتی اور شخصی معاملے پر اس قدر تشدد سے نکتہ چینی کیوں کی جا رہی ہے۔ اس پر مسجد ہی میں فساد ہو گیا اور دونوں طرف سے زد و کوب تک نوبت پہنچی۔

قارئین کو یاد ہوگا۔ اس سے پیشتر پنڈ دادن خان کی ایک مسجد کے متعلق شیعوں اور سنیوں کے درمیان نزاع ہو گیا تھا۔ جس کا فیصلہ ہائی کورٹ سے یہ ہوا کہ مسجد خانہ خدا ہے اس میں ہر مسلمان جو خدا اور رسول ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہے نماز ادا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ہم نے عدالت عالیہ کے اس فیصلے کی تعریف کی تو مولوی ظہور احمد صاحب بگویی نے ایک نہایت افسوسناک مراسلہ ہمارے پاس بھیجا۔ جس میں ہم پر شیعوں کی طرف داری کا الزام لگایا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ شیعہ سنی کے سوال کو مولوی ظہور احمد صاحب نے مسلمانوں کے درمیان افتراق انگیزی کا ذریعہ کیوں بنا رکھا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو جلال پور والوں کو اس رشتہ کی وجہ سے زبردستی شیعہ بنایا جا رہا ہے اور دوسری طرف دولہا کے خاندان کو مختلف حلقوں کی طرف سے طعن مل رہے ہیں کہ تم سنی خاندان میں شادی کے باعث سنی ہو گئے ہو۔ خدا کے لیے ان جھگڑوں کو ترک کرو۔ ملت کے اندر فرقہ بازی کا جنون حالات کو بالکل خراب کر رہا ہے۔ مسلمان انہی جھگڑوں اور مناقشتوں کے باعث تباہ ہوئے لیکن افسوس کہ ابھی تک ان جھگڑوں میں بتلا رہنا چاہتے ہیں۔ کہیں وہابی حنفی کا جھگڑا۔ کہیں حنفی اہل حدیث کا جھگڑا، کہیں سنی شیعہ کا جھگڑا۔ خدا کے لیے کوئی ایسی تدبیر کرو کہ یہ جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ہم مولوی ظہور احمد صاحب کی خدمت میں انتہائی دلسوزی سے عرض کریں گے کہ اگر وہ اپنی نرم، متحملانہ اور حلیمانہ تبلیغ سے اپنے گرد و پیش کے شیعہ حضرات کو تمام صحابہ کرام کے مناسب احترام پر آمادہ کر سکیں تو مولوی صاحب مدوح کی یہ خدمت محض مقاصد اسلام ہی نہیں، بلکہ مقاصد سنیت کے لیے بھی بہت زیادہ مفید ہوگی۔ ان کے موجودہ طریق اظہار سنیت سے شاید کوئی بھی مصلحت اندیش فرد بھی اتفاق نہیں کرے گا۔

پریس ریلیز:

روز نامہ پرتاب لاہور مورخہ 15 دسمبر 1933ء کی جانبدارانہ رپورٹنگ پر مولانا عبدالرحمن (میانوی) سیکرٹری سنٹرل حزب الانصار بھیرہ نے انگلش اور ہندو پریس کی اطلاع اور رہنمائی کے لیے درج ذیل پریس ریلیز جاری کیا:

"Statment published in Partap dated 15th December about the fourth Annual Session of Central Hizbul-Ansar Bhera, is false and misleading. Session was on 8th, 9th, 10th December. Thousands attended. Twenty five renowned Ulamas assembled. Pir Fazalshah of Jalapurkikan married his sister to a Shia Rais. There was talk about it amongst Ulamas-- no idea getting Fatwa against it. Fazalshah has organized volunteers who pledge even to kill parents by his order. Yearly parade is held on Uras. Fazalshah wanted to display powers and terrify Ulemas (at Bhera).

His volunteers attended meeting with dangerous *lathis*. It is heard they were appointed to make fatal attack on Mualana Zahoor Ahmad, President Central Hizbulansar. First day ended in peace. On second day the said volunteers came with same *lathis*. Surrounded the stage. Maulana Zahoor Ahmad asked them to hand over *lathis*. They refused according to Pir's order. Then Maulana asked audience to observe peace and order. He also declared to have no idea insulting Fazalshah. Islam's preaching observed. Nothing uttered to injure feelings of Hindus, Sikhs or Christians. During lecture, said volunteers made fatal attack on Maulana Zahoor Ahmad. People came to his rescue were also attacked and wounded. Police with the help of audience overpowered and arrested attackers on spot. Accused are challaned under 147 I.P.C. Remaining programme of Hizbulansar ended in peace. Bhera and neiglouring residents strongly protest against unlawful existance of Hizbullah's volunteers, express their hatred, rage and request his Majety's Govt. to redress their injuries and protect their honour and lives. Further they appeal for an impartial, careful investigation by a European magistrate.

Abdulrahman

Secretary

Central Hizbulansar

BHERA

خبریں، تبصرے اور تذکرے صرف اخبارات اور جلسوں تک محدود نہ رہے بلکہ ملک بھر کے اکثر دینی جرائد نے شیعہ سنی مناہت کے عدم جواز کے موضوع پر لکھا۔ کئی کتابچے اور بعد میں متعدد تصانیف نے مسئلے کے دینی اور علمی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ حضرت مولانا ظہور احمد گبوی کے نام سارے ملک سے مشاہیر اور اکابرین کے خطوط اور مراسلات کا تانا بندا ہوا گیا۔

پولیس کارروائی:

اس اثناء میں معاملہ ضلع کے اعلیٰ حکام یعنی ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع سرگودھا کے علم میں آچکا تھا۔ انتظامیہ جہاں حفاظتی اقدامات کر رہی تھی وہاں تفتیش کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ SHO تھانہ بھیرہ کے نام مولانا شیر نواب میونسپل کمشنر بلدیہ قصور نے عرضداشت دی جو مجلس حزب الانصار بھیرہ کے چوتھے جلسہ سالانہ میں بطور مقرر مدعو تھے اور 9 دسمبر 1933ء کو تیسرے اجلاس میں جب خانہ خدا میں ہنگامہ ہوا، بذات خود موجود اور تمام واقعات کے شاہد تھے، انہوں نے بیان کیا:

تحریری بیان روبرو پولیس تھانہ بھیرہ ضلع سرگودھا بابت واقعہ 9-12-33

شیر نواب خان میونسپل کمشنر ولد شہاب الدین خان قوم پٹھان سکنہ قصور ضلع لاہور عمر 45 سال۔ آج مورخہ 9/12/33 بوقت قریباً 10 بجے صبح جلسہ چوتھا سالانہ حزب الانصار بھیرہ منعقدہ جامع مسجد حنفیہ میں سٹیج پر بیٹھا ہوا تھا کہ چند مردمان لائٹیوں سمیت ایک شخص کی سرکردگی میں مسجد کے ایک طرف بیٹھے ہوئے پائے گئے۔ مولانا ظہور احمد صاحب پریزیڈنٹ جلسہ نے ان کو بحیثیت صدر ہدایت فرمائی کہ وہ لائٹیوں کو ایک طرف رکھ کر وعظ سنیں اور بعد فراغت وہ اپنی لائٹیاں ہمراہ لے جاسکتے ہیں۔ اس پر مذکور ان سٹیج کے قریب آ بیٹھے اور انہوں نے لائٹیاں چھوڑنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پیر فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور کی حسب ہدایت لائٹیاں ہمراہ رکھنے کے لیے مکلف ہیں۔ اتنے میں وہی آدمی جس کی ہدایت پر وہ لوگ نقل و حرکت کر رہے تھے، سٹیج پر آ ڈنا۔ مولوی ظہور احمد صاحب نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہ غالباً تم لوگوں کو یہ وہم گزرا ہے کہ یہاں ہم پیر فضل شاہ صاحب پر کوئی ذاتی حملہ کریں گے۔ لہذا ہم یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے ان سے قریباً 13 سال سے دوستانہ مراسم ہیں۔ ان کی چشمی بھی میری جیب میں ہے۔ علاوہ ازیں (ان کے والد) حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہم لوگ دل سے عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ مقدس ہستی اعلیٰ حضرت خولجہ شمس العارفین سیال شریف سے مستفید ہو کر دنیا کے لیے باعث برکت ہیں۔ ہاں البتہ ہم اپنے مذہبی مسائل ضرور بیان کریں گے جن کی ضرورت کے لیے علماء کرام کو دور دراز سے حسب سالہائے سابق دعوت دی اور جلسہ ہذا منعقد کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے مذہب اہل سنت والجماعت کی حقانیت ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ شیعہ مذہب والے

حضرت رسول مقبول ﷺ کے اصحابوں کی توہین کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے۔ یہ الفاظ مولوی ظہور احمد صاحب کی زبان پر ہی تھے کہ وہی شخص جو ایک گروہ اپنے ہمراہ ڈانگوں سے مسلح لایا ہوا تھا اور خود بخود سٹیج پر آ بیٹھا تھا۔ فوراً کھڑا ہو گیا اور پر جوش الفاظ میں اپنے ساتھیوں کو اشتعال دلا کر مولوی ظہور احمد صاحب کو فحش گالی نکال کر انہیں بھڑکایا اور بطور ہرغند ہونے کے انہیں حکم دیا کہ مولوی ظہور احمد صاحب کو پکڑو اور اسے جان سے مار ڈالو۔ اس شخص کے کہنے پر اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ڈانگوں کی بارش شروع کر دی۔ چونکہ مولوی ظہور احمد صاحب اور حملہ آوروں کے درمیان سٹیج و میز حائل تھی اس لیے وہ ڈانگیں کچھ میز پر اور کچھ ارد گرد لگیں۔ سٹیج کے حملہ آور جس کا بعد میں نام غلام حیدر سکنہ سوہاواہ بتایا گیا، مولوی ظہور احمد صاحب کی ریش پکڑی اور انہیں گرا کر حملہ آوروں کے حوالے کرنا چاہا تو مولوی صاحب نے اپنا آپ چھڑا لیا۔ اتنے میں ایک کانٹھیل صاحب جن کا نام امیر خان بتایا گیا انہوں نے اپنے ہمراہی کانٹھیل کی مدد اور دیگر قریبی مسلمانوں کی امداد سے مولوی ظہور احمد صاحب کو حفاظت میں لے کر انہیں حملہ آوروں سے بچا لیا۔ اور نیچے دروازہ اندرونی مغربی کی جانب لے آئے۔ چونکہ مجمع ہزار ہا کی تعداد میں نہتے مسلمانوں کا وعظ سن رہا تھا جس میں دفعۃً یہ خبر پھیل گئی کہ مولوی ظہور احمد صاحب مارے گئے۔ نیز حملہ آوروں نے بلا تمیز لائٹھیاں برسائی شروع کیں کہ تمام مجمع حفاظت خود اختیاری کی خاطر ان پر پل پڑا۔ اس افسوس ناک منظر کو دیکھ کر جو خانہ خدا کی بے حرمتی کی صورت میں پیش ہوا۔ حاضرین میں بیجان و اضطراب پیدا ہو گیا۔ کئی لوگ مضروب ہوئے جنہیں پولیس نے حفاظت میں لے لیا اور بعض بے چارے خوف زدہ ہو کر جلسہ گاہ سے نکل گئے۔ بعد قیام امن ہیڈ کانٹھیل مذکور نے فرد میزشتہ شدہ وگلاس اور گلہ ستہ و ڈانگیں جو اس وقت دستیاب از بجرمان ہو سکیں موقع پر فرد مرتب کی گئی 9-12-33 جس پر میرے دستخط ثبت ہیں۔

شیر نواب خان،

میونسپل کمشنر قصور ضلع لاہور

مولانا عبدالرحمن سیکرٹری حزب الانصار بھیرہ ضلع شاہ پور کی عرضداشت بخلاف جلاپوری حزب اللہ، سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ حکومت پنجاب نے زیر نمبری 318-319/H/Mily مورخہ 3 جنوری 1934ء، ڈپٹی کمشنر شاہ پور کو بغرض کارروائی ارسال کی اور ایک نقل مجلس حزب الانصار بھیرہ کو بھیجی۔

”امیر حزب اللہ کا پیغام“ نامی کتابچہ مصنفہ امیر حزب اللہ دراصل امیر حزب الانصار کے خلاف بہت سارے الزامات اور اتہامات کا سند یہ تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ ایسی تحریر کسی مثبت یا موثر جواب کے بغیر رہ جاتی۔ چنانچہ مجلس حزب الانصار بھیرہ کے مولانا ابوالخیر پنجابی نے ”دجل و تلمیس“ کے عنوان سے ایک کتابچہ تحریر کیا جس میں جناب سید فضل شاہ سجادہ نشین جلال پور، امیر حزب اللہ کے پیغام کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے۔ کتابچے میں انہی عنوانات کے تحت خامہ فرسائی ہے جن پر پیغام نامی رسالہ مبنی ہے۔

ایک اور ٹریکٹ کے ذریعے حزب اللہ کے پر جوش عہدے دار حکیم مولوی اللہ دین ملک وال کے جہازی اشتہار کا جواب دیا گیا ہے۔ اس میں جہاں حکیم صاحب کا چیلنج منظور کیا ہے وہاں محترم سید فضل شاہ امیر حزب اللہ کو امیر حزب الانصار کی جانب سے مناظرہ کا چیلنج بھی دیا گیا ہے اور کہا ہے کہ ”اگر شاہ صاحب ممدوح میں مناظرہ کرنے کی ہمت نہ ہو تو ملک والی حکیم کا منہ بند کرنے کے لیے دارالعلوم عزیز یہ کے کئی طالب علم بالکل تیار ہیں۔“
آخر میں یہ رباعی مندرج ہے:

شاہ صاحب پھر ہو یا چھپتا ملک والی نون اگے کینا
رج کے ماریں کوڑ پلپیتا چھاپے اسی لواواں گے

جواب الجواب:

9 دسمبر 1933ء کی حقیقی اور فزیکل لٹھ بازی و ہنگامہ آرائی کے بعد لفظوں کی سرد جنگ جاری تھی۔ مجلس حزب الانصار بھیرہ کے ایک ممتاز رکن اور تحریک خلافت کے رفیق خاص، حکیم عبدالمجید سیفی نے اس عنوان سے یہ پمفلٹ شائع کیا:

”راہ سے بے راہ کیوں سالار حزب اللہ ہوئے؟“

ناظرین کرام! ستم ہے روز روشن کا شب دیجور ہو جانا۔
تعب ہے کہ وہ واقعات جن کے ہزار ہا چشم دید گواہ موجود ہیں۔ روز روشن میں جو ہنگامے کہ بھرے جلسوں میں برپا کیے گئے ہیں ان پر کیوں کر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ کون اس سے بے خبر ہے کہ مسجد میں کس نے توہین کی۔ پرامن مجمع پر کس نے حملہ کیا۔ مولوی ظہور احمد صاحب کو کس نے قتل کرنے کی کوشش کی اور کرائی۔ یہ ایسے اظہر من الشمس بدیہی واقعات ہیں کہ نہ تو مولوی فاضل ملکوالی کی فضیلت کا ان پر پردہ پڑ سکتا ہے اور نہ ہی امیر حزب اللہ کے انکار اور تردید سے ان کا وجود مٹ سکتا ہے یا پہلو بدل سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر مشاہیر علمائے عظام و اکابرین مشائخ کرام کے فتاویٰ کی تردید پر امیر حزب اللہ یا ان کے فاضل و کامل مولویوں کو قدرت نہ ہو سکتی تو اپنا رنج و غصہ نکالنے کے لیے ایک مولوی ظہور احمد صاحب گوی کونشانہ بنا لیا ہے۔ اور حکومت سے بھی اپنے جملہ اثر و رسوخ کو کام میں لا کر ہر ممکن سزا دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تاکہ اہل حق اس واقعہ سے مرعوب ہو جائیں۔ حالانکہ حق نور خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا۔

ابنہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

حضرات! سوال یہ نہیں ہے کہ مولوی ظہور احمد صاحب گوی مسٹر ہیں یا مولوی۔ انٹر پاس ہیں یا فیل،

عربی عبارت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور جناب سید فضل شاہ صاحب جاگیر دار جلال پور کیناں کون سے دارالعلوم کے سپند یافتہ ہیں یا کہ مولوی فاضل یا مولوی کامل سے سند حدیث حاصل کی ہے۔ ہر دو کی شخصیات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ذاتیات پر بحث کرنا سراسر خلاف تہذیب ہے۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ حضرت سید حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے سید فضل شاہ صاحب جاگیر دار، نواب سر محمد مہر شاہ صاحب و دیگر ان اپنے دادا کے مسلک پر قائم ہیں یا اس کو ٹھکرا کر اس سے علیحدہ نہیں بلکہ متفر ہو چکے ہیں:

چوکفر از تعبہ بر خرد کجا ماند مسلمان

اگر جناب سید فضل شاہ صاحب جاگیر دار جلال پوری اور نواب سر محمد مہر شاہ اپنے دادا کے مریدوں کو اسلام اور ترکوں کے خلاف انگریز کی فوج میں بھرتی کرائیں اور اس اسلام اور ایمان فروشی کے صلہ میں حکومت انگلشیہ سید فضل شاہ صاحب کو 500 روپے سالانہ کی جاگیر عطا فرمادے اور ان کے مایہ ناز چھوٹے بھائی مہر شاہ صاحب کو نواب سروغیرہ کے خطابات دیے جائیں اور دوسروں کو حکومت عالیہ اپنی ملازمت سے سرفراز کر دے تو فاضل اللہ دین ملکوالی بتائیں کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم جلال پوری کے پوتوں کی اس روحانی اور دینی ترقی پر مولوی ظہور احمد گوبی یا کسی دوسرے کو حسد ہو سکتا ہے؟ نواب سر مہر شاہ صاحب حکومت عالیہ کے اعلیٰ عہدیداروں میں اپنا رسوخ پیدا کریں، دوستی بنائیں۔ دعوتوں اور شرابوں پر روپیہ اڑائیں تو یہ گند حضرت شاہ صاحب جلال پوری کا ہے۔ ان کے مریدین و معتقدین کا نذر کردہ ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا کیا ہے جس پر حسد کرے یا آتش در بغل ہو۔ اگر یہ خاندان عالی شان جلال پوری شادیاں خاص شان اور ترک و احتشام سے کرے۔ اعلیٰ عہدیداران حکومت اگر ان مواقع پر مدعو کیے جائیں۔ فیشن بنائیں۔ یورپین تہذیب و تمدن میں رنگے جائیں تو اس میں کسی دوسرے کا کیا بگاڑ ہے جب کہ اپنے ہی مکان باغ اور جائیدادیں رہن رکھی جاتی ہیں۔ کیوں کوئی اسراف اور فضول خرچی کا الزام لگائے اور اس طرح کی طعن و تشنیع کرے:

جب آپ ہی اپنا گریباں کیا ہے چاک

خود ہی سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

جناب مولانا مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیس ضلع جہلم نے ”پنجاب کے ایک پیر کا کارنامہ“ رافضیوں کو ناٹھ دے دیا“ کے عنوان سے ایک مکمل فتویٰ جناب سید فضل شاہ صاحب جلال پوری کے خلاف شائع کیا ہے جس کے ٹائٹیل پر یہ دو شعر درج ہیں:

راہ سے بے راہ کیوں سالار حزب اللہ ہوئے

کون ہو رہبر بھلا جب خضر راہ گمراہ ہوئے

تم ہے روز روشن کا شب دیبجور ہو جانا

چمکنا کفر کا اسلام کا کافور ہو جانا

یہ فتویٰ شیعوں کے ساتھ تعلق ازدواج قائم کرنے یا ان سے برتاؤ وغیرہ رکھنے کے عدم جواز پر ہے۔ اور ایسے پیر سے بیعت کرنا اور کسی طرح کا تعلق بھی جائز نہیں۔ اس فتویٰ پر ہر طبقہ کے علماء و مشائخ کے 31 دستخط ہیں۔ جس میں مولانا حامد رضا خان صاحب بریلوی، مولانا محمد نعیم الدین صاحب صدر آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد۔ مولانا محمد دیدار علی شاہ صاحب صدر حزب الاحناف لاہور، حضرت مولانا پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری۔ مولانا مفتی عبدالقادر صاحب خطیب شاہی مسجد لاہور۔ مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اور نیشنل کالج لاہور۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی بھی شامل ہیں۔

بعض احباب کا یا اخبارات کا یہ سوئے ظن کہ حضرات علمائے کرام زبردستی جلال پوریوں کو شیعہ بنا رہے ہیں محض بہتان اور بالکل خلاف واقعہ ہے۔ ناظرین کرام خود ہی انصاف فرمائیں کہ اس میں علمائے کون سا دخل دیا ہے۔

اے صبا ایں ہمہ آوردہ تست کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

سید فضل شاہ صاحب جلال پوری کے جملہ نہال شیعہ، ان کے گھر اور خاندان کا روح رواں، پالیسی میکر، رفیق زندگی، ان کا حقیقی ماموں راجہ غضنفر علی خان رئیس پنڈدادن خان شیعہ اور دیگر اکابرین خاندان دین اسلام سے بے بہرہ یورپین تہذیب و تمدن میں درون و بیرون ملبوس۔ پھر اگر سید فضل شاہ صاحب جاگیردار جلال پوری اور نواب سر مہر شاہ صاحب نے اپنے شیعہ بھائی سید حسین شاہ صاحب رئیس آف رجوعہ کے صاحبزادہ سید غلام محمد شاہ صاحب کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کی شادی کر کے رشتہ اخوت استوار کر لیا اور اپنی برادری کی توسیع میں جس وسیع انجیلی اور رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بے چارے مولویوں کی کون سی کارگزاری ہے کہ جس کے لیے ملزم گردانے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر مولوی ظہور احمد صاحب گبوی حزب اللہ سے الگ ہو کر رازہائے سربستہ آشکارا کرنے پر تل بھی جائیں تو مولوی اللہ دین فاضل ملک والی اور مولوی محمد کامل بہن پوری کام دینے کو موجود ہیں۔ اور ہر نوع کی خدمت کو حاضر ہیں۔ جب حکومت عالیہ انگلشیہ کو مسلمانوں اور اہل اسلام کے خلاف سید فضل شاہ صاحب جیسے پیر ایک ولی کامل کے پوتے کام دے سکتے ہیں تو ایسے مولویوں کی کیا کمی ہے۔ جناب مولوی اللہ دین صاحب ملکوالی ترہرن کے فاضل ہیں۔ اگر ترکوں کے نام سے روپیہ مل سکے تو خلافت کے جانثار اگر حاکموں کی پابوسی سے جان بچ سکے تو حکومت کے بھی خواہ۔ اگر سید فضل شاہ جاگیردار جلال پوری کی بارگاہ میں رسائی اور ان کے خاندان اور مریدین میں عزت و رسوخ مل سکے تو ان کے معتقد اور فدائی اور اس لالچ میں حضرت خواجہ غریب نواز شمس الحق والدین سیالوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات طیبات کو جھٹلانے کے لیے تیار ہیں۔ ایسے فاضلوں اور کاملوں کی جہان میں کمی نہیں۔ اس نوع کے بہترے فاضل اور کامل مرزائیوں، عیسائیوں اور آریوں کو بھی میسر ہیں۔ جو حق و صداقت کو جھٹلانے اور اپنی دانست میں ہٹانے کے درپے ہیں۔ لیکن:

اسلام کی فطرت میں صانع نے لچک دی ہے

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الحق والدین سیالوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات طیبات موسوم بہ مراۃ العاشقین مرتبہ سید محمد سعید شاہ صاحب لاہوری مطبوعہ 1396 ہجری کے ص 101 پر جو شاہ صاحب جلاپوری کے متعلق حضرت کا ملفوظ شریف درج ہے۔

”پیوندی با مخالفان دین ضرر بسیار میدارد، جیسی ماں جیسی ماسی، کندھ ایرے تے جاسی“۔

اس میں مولوی ظہور احمد صاحب بگویی کا کیا تصور ہے کہ وہ سید فضل شاہ صاحب جاگیردار جلال پوری کے دربار سے کشتنی اور گردن زدنی گردانے گئے ہیں۔ اگر یہ ملفوظ شریف بقول فاضل ملکوالی درست نہیں اور خلاف واقعہ ہے تو یہ تصور جناب سید محمد سعید شاہ صاحب لاہوری جو کہ حضرت اعلیٰ سیالوی کے خلیفہ مجاز اور جناب سید حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری کے پیر بھائی ہیں، ان کے ذمہ عاید ہوگا کہ انہوں نے آج سے چھیالیس سال قبل یہ ملفوظ اس خانہ کے متعلق حضرت کی طرف منسوب کر کے مراۃ العاشقین میں طبع کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مراۃ العاشقین حضرت شاہ صاحب جلاپوری کی حین حیات میں طبع ہوئی اور یہ بعید از امکان و قیاس ہے کہ انہوں نے اسے پڑھنا ہو۔ مگر تادم واپس اس کی تردید نہ فرمائی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے جناب سید مظفر علی شاہ صاحب نے بھی تا مرگ اس کی تردید نہیں کی۔ اور نہ آج تک سید فضل شاہ صاحب جاگیردار موجودہ سجادہ نشین جیسے دور اندیش، عاقبت بین اور بلند فہم، صاحب بصیرت کو اس کی تردید کی جرأت ہوئی اور خلاف واقعہ بیان کرنے کی ہمت ہو سکی۔ مگر حیف اس مولوی فاضل کے ایمان اور ضمیر فروشی پر کہ جس نے حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظ شریف کو آج چھیالیس سال کے بعد جھٹلانے کی ناکام و نامراد کوشش کی ہے۔ اور وہ بھی محض حضرت خواجہ غریب نواز سیالوی کی پیشین گوئی کی زد سے سید فضل شاہ جاگیردار جلال پور اور ان کے خاندان کو بچانے کی سعی لا حاصل ہے۔ جس کا کہ اس کے حق میں کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا بلکہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔

نہال کے ماند آل رازے کز و سازند مخفلہا

جناب سید پیر محمد فضل شاہ جاگیردار جلال پور کیکنان، نواب سر محمد مہر شاہ صاحب اور ان کے جملہ حامیوں اور ہم نواؤں کی خدمت میں درد منداناہ اپیل:

جناب والا! اس میں شک نہیں کہ بخیاں خویش جناب کا اثر و رسوخ اور عروج اس وقت کمال پر ہے کہ حکومت آپ کے سر پر سایہ فلگن ہے۔ نواب سر مہر شاہ صاحب کے اعلیٰ عہدہ داران سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔ ماہر سیاسیات حاضرہ آپ کے حقیقی ماموں راجہ غنفر علی خان آپ کے دست راست اور پالیسی ڈائریکٹر ہیں۔ الغرض آپ کے ہر قسم کے تعلقات اس قدر وسیع ہیں کہ آپ اپنے اثر و رسوخ سے حکام سے من مانی کاروائیاں کرا سکتے ہیں۔ آپ اپنی کوششوں سے مولوی ظہور احمد صاحب کو قید کرا سکتے ہیں۔ آپ اپنے منصوبوں سے صرف مولوی ظہور احمد کو ہی نہیں بلکہ جسے جی چاہے قتل کرا سکتے ہیں۔ آپ مرعوب کر کے اہل حق کو جادہ حق سے

پھسلا بھی سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کر سکتے ہیں مگر یاد رہے کہ حق کا قیام کسی خاص شخصیت میں منحصر نہیں کہ وہ حق پر قائم رہے تو حقانیت کا وجود رہے گا ورنہ مٹ جائے گا۔ حالانکہ حق کبھی بھی کسی خاص شخصیت کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ حق ہر حال میں حق ہے۔

جناب عالی! آپ اپنی وسیع انجیالی اور رواداری سے مرزائیوں، عیسائیوں اور آریوں وغیرہ تک سے تعاون کر لیں گے جو امراء و رؤسا فتح مکہ کے بعد ایمان لایا کرتے ہیں آپ کے ہمراہ ہوں گے۔ نیز مساکین کو آپ مرعوب کر لیں گے۔ اخبارات کو خرید کر انہیں آپ اپنے حسب منشا اور ضرورت پر وپا گنڈا کرالیں گے۔ بہتیرے کرایہ کے مولوی فاضل اور مولوی کامل آپ مہیا کر لیں گے یہ سب کچھ واضح اور عیاں ہے:

غرور انہیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر

اگر سوا خدا کے سب ان کا تو ہے خدا میرا

اس کے باوجود بھی دنیا میں حق کے فدائی اور جانثار موجود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل پیرا ہو کر مجرموں کے کٹہرہ میں عدالتوں کے سامنے پیش ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں کسی طرح کی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے نقش قدم پر جیل میں جائیں گے اور حضرت سید المرسلین ختم الانبیاء ﷺ کے اتباع میں حق کے لیے جملہ انواع و اقسام کی تکالیف اور مصائب نہایت صبر و استقامت سے برداشت کریں گے اور حضرت حسینؑ کی تابعداری میں جان تک قربان کر دیں گے اور سر مو جادہ حق سے اعراض نہ کریں گے:-

جاں بجاناں دہ و گرنہ از تو بتاند اجل

خود تو منصف باشد حافظ ایں نکو یا آن نکو

العارض

عبدالمجید سیفی عفی عنہ

خادم اسلام

آنکھوں دیکھا حال:

علم و عرفان کی کثرت اور برکت سے بھیرہ میں فی البدیہہ شعر کہنے والے لطیف زاد پنجابی شاعر گزرے ہیں۔ وہ نہ صرف قادر الکلام بلکہ علم و ادب سے بہرہ ور تھے۔ قضیہ جلال پور بھیرہ جیسے علمی اور متین ماحول میں انتہائی افسوس ناک اور ناخوشگوار واقعہ تھا۔ اسے ایک معروف شاعر نے طویل اور رواں نظم کی صورت میں قلم بند کیا ہے:

احوال جلسہ بھیرہ

من

دم دم حمد ہزار کروڑاں خالق مالک تائیں جس نے ساڈا شافع کیتا پاک محمد سائیں
 لکھ صلوة سلام ہزاراں ہر دم پاک نبی نون نالے آل اصحاب ازواجاں حسن حسین ولی نون
 ختم نہ ہووے صفت محمدی جے سو قوت پاواں ذوقوں شوقوں پاک نبی تے پڑھ صلوة پہنچانواں
 پاک نبی دیاں یاراں اتے ہون درود ہزاراں چارے یار نبی دے پیارے چوہاں توں جند واراں
 پہلا یار صدیق پیارا بہت صداقت والا دو جا حضرت عمرؓ بہادر خوب عدالت والا
 تریجا یار عثمان غنی جس جمع قرآن کرایا چوتھا حضرت شیر علی جس خیر پکڑ نوایا
 ادبوں پڑھ صلوة پہنچاواں حضرت دیاں غلاماں رحمت رب دی نازل ہووے اوپر کل اماماں
 کلمۃ الحق بولن دی مینوں دیہہ توفیق خدایا جلسے والا حال سناواں شوق دلے وچ آیا
 پڑھ بسم اللہ حال سناواں جیوں بھیریوچ پایا جلاپوری حزبلیاں جیونکر اتھھے ظلم کمایا
 اہل اسلاماں واضح کرساں حزبلیاں دا حالا تھوڑا تھوڑا حال سناواں یاری منگ تعالیٰ
 کس گل پاروں ہوئی لڑائی اندر مسجد عالی او بھی گل کراں میں ظاہر سن توں یار سواں
 پڑھ لینا مضمون تمامی سوچ سمجھ کے سارا جیوں جلسے دی حالت پائی کرساں خوب نتارا
 کارروائی جلسے والی یاد حقیقت ساری سن میں حال سناون لگا کر کے نظم پیاری
 بھیریو حزب الانصار سداون واضح کیتی جاواں جلال پوری حزب اللہ بندے چوچ سناواں
 سخت تنازعہ ظاہر ہویا اندر دوہاں جماعتاں وچ تحریراں حال انہاں تھیں ظاہر ہویاں باتاں
 کر دتی تشریح مصنف دوہاں فریقاں والی ہک سنی ہک بن گئے شیعہ ہوئی بے اقبالی
 حزب الانصار جو بھیرے اندر مذہب انہاں سنی رافضیاندی وچہ تحریراں واہ واہ بھندے تھنی
 امیر حزب اللہ رشتہ بھین شیعاں نون دتی نال پیاراں فتویٰ کفر انہاندے اتے ٹھوک دتا انصاراں
 چھتی عالماں مہراں لائیاں اوپر اس فتاویٰ جو شیعاں نون رشتہ دیوے اوہ شیعہ بن جاوے
 چاہڑ دتا علما نون فتویٰ اوپر امیر حزب اللہ بیعت کردے ایہہ نہیں لائق لکھیا نال تسلی
 بیعت حرام انہاندی ہوئی فتوے جگوچ چلیا جد فتویٰ حزبلیاں سنیاں دل انہاندا جلیا
 اس گل پاروں حزبلیاں نے کیتی ظلم چڑھائی جس ایہہ فتویٰ ظاہر کیتا کریے چل تباہی

بھیرے طرف روانہ ہوئے ہتھ وچ پھڑ کے ڈانگاں
 کر کے قتل ارادہ آئے داہڑی مون تمامی
 دیکھ رویہ حزبلیاں دا خلقت تکن لگی
 کرسیاں اتے عالم بیٹھے آپے وعظ سناندے
 جلسے دی سرداری پائی مولوی گے والے
 حزب الانصار جماعت انہاں بھیرے وچ بنائی
 سال بسالی عالم سد کے جلسہ اوہ کرواندے
 مرزائی مذہب شیعہ اوپر بہت ہون تقریراں
 سنو حقیقت ڈانگاں والے پئے گھراکیاں تکدی
 حالت دیکھ حزبلیاں والی گجیا شیر رباناں
 جھنگ ضلع وچہ پنڈ رجوع مرکز شیعیاں والا
 جو بی بی دا سوہرا بنیاں ہے اوہ شیعہ بھارا
 غلام شاہ بی بی دا خاوند خبر مصنف پائی
 شاہ حسین بے ادبی کردا نبی دیاں اصحاباں
 چتر دھردا کاٹھی اوپر پیر رکاباں دھردا
 ہور بے دیناں ظلم کمایا کر دیواں اظہاراں
 جد بھیریدیاں بندیاں تائیں چڑھیاں آں بخاراں
 نال انہاندے شامل کیتے نام کفار انوالے
 شیعہ کہن تعویذ اساڈا کردا ول بیماراں
 اوپر انہاندے جتیاں مارن جاوے تاپ بیماری
 اہل علم کے پتر ڈٹھے نام اوپر اصحاباں
 مجلس اندر مولوی صاحب پچھیا کر تکراراں
 بھیرویاں نے بول سنایا ایہہ چیاں گفتاراں

بھیرے جلسے داخل ہوئے قتل کرنیاں تانگاں
 بن جماعت خداوند والی رافضیاندے حامی
 ہتھ وچ ڈانگاں پھڑیاں ہویاں مار خدا دی وگی
 بیٹھ قریب گئے حزلی مچھاں وٹ چڑھاندے
 ظہور احمد ہے نام انہاندا مکا کاندیوچ پاہے
 سچے خادم دین نبی دے واہ واہ خلق صفائی
 رب نبی دا امر سناون خلقت نفع پہنچاندے
 ہندوواں دی تردید کریندے بھی گھم ٹٹواں پیراں
 قتل ظہور احمد نوں کرینے دل بکواساں بکدے
 شیعہ سنی رشتے اوپر لگا کرن جھوراناں
 امیر حزبلیاں اتھے کیتا رشتہ بھینوں والا
 خاوند سوہرا دونویں رکھن شیعیاں دا ورتارا
 شاہ حسین دا ہے او پتر جس دے نال بیاہی
 کاٹھی اوپر نام لکھائے نالے وچہ رکاباں
 نام اصحاباں کرے بے ادبی رب تو مول نہ ڈردا
 جیوں انہاں دھوکے بازی کیتی سنو انہاندیاں کاراں
 برگ درختاں نام لکھائے پاک نبی دیاں یاراں
 ہامان فرعون نمرود کافر جو گزرے بڑے منہ کالے
 جو منجی دے پاوے نیچے رکھے نال پیاراں
 کتیاں لئے تعویذ شیعیاں توں گل گئی کھل ساری
 نام کفاراں شامل آپے ڈٹھے کئی احباباں
 ایہہ گل ہوئی یا نہ ہوئی واضح کرو نہجاراں
 ایہہ کم کیتا شیعیاں اوتھے وگیاں ربدیاں ماراں

ایہہ واقعہ بھیرے شیعاں کیٹا خواص عواماں پایا امیر حزبلیاں ایسیاندے سنگ کیتی رشتہ داری ساتھ بے دیناں رشتہ کر کے داغ مذہب نوں لایا سنی عالماں فتویٰ دتا شیعہ کافر ہندے پئے خادم سنیاں نوں کر دے کر دھوکے بازی منکر جو اصحاباں ہوئے خارج اوہ اسلاموں جلے اندر اس دہاڑے ہویاں ایہہ تقریراں حب اصحاباں بے دل ہوندی کاوڑ مول نہ کردے جو اصحاباں گالیں دیون نالے حرماں تائیں انہاں لفظاں اوپر آہا خادم دین نبی دا ظالماں مولوی صاحب اتے ڈانگاں آ برسائیاں غلام حیدر ہتھ داہڑی پایا جس دا پنڈ سوہاوہ مسجد وچ فساد مچایا ٹولے نمک حراماں ستر اسی آہے فسادی بھیجے پیر جلالی کئی ہزاراں بندے آہے حاضر وچہ مسیتی جلال پوری حزبلیاں تائیں ربا خوف نہ آیا کنیاں نوں انہاں زخمی کیٹا کتنے پٹھ لتاڑے آخر جنگ کیٹا انصاراں نال انہاں حزبلیاں گھر تھیں قتل ارادے آئے اگوں تھن بھنائے بدلہ خوب انہاں تھیں لیا انصاراں ابراراں بہت ذلیل ہوئے حزبلی وچہ جلے انصاراں جاری حکم ہويا سرکاری پکڑو انہاں شریراں ساری پلس اکٹھی ہوئی تھانیدار سپاہی پتراں اتے نام لکھا کے ظالماں ظلم کمایا جج منگا بیاہی اس نے اپنی بھین پیاری سنی رشتہ دیہن نہ شیعاں منع شرع فرمایا بیڑا ڈب گیا حزبلیاں ساک کرن نوں روندے چھڈ گئے سنی مذہب تائیں نال شیعاں دے راضی عالی شان اصحاب ثلاثہ رب دی پاک کلاموں سن ہزبلی کوئے ہوئے لگی اگ شریراں پر حزبلیاں حب جہاندی انہاں پچھے مردے کوئی نہیں ڈانگا لے کے جاندا اوپر انہاں بلائیں ڈانگا والے اٹھ کھلوتے کر کے قتل عقیدہ مارو مار آوازہ پئے تھرتھل لوکائیاں باقی ڈانگاں والیاں کولوں اس کروایا دھاوا خلقت اندر باہر نے بنیاں سخت ہنگاماں شیعاں دی امداد کریندی حق تھی کھا گئی چالی دوروں دوروں آئے ہوئے وعظ سنن دی نیتی وڈی مسجد بھیرے والی ونج فساد مچایا مجلس دین نبی دی اندر پائے انہاں پواڑے دتے بھن بتھاڑ انہاندے سب چترائیاں بھلیاں یاد انصاراں نوں پئے کرسن جد تک رب جوائے پئے اڑاون وچ مسیتی ناکوئی سنے پوکاراں رب غالب انصاراں کیٹا جھوٹیا کھادیاں ماراں انہاں جلے وچ فساد مچایا کر لو مثل اسیراں غلام حیدر منہ جتیاں پیاں خبر پکیری پائی

آخر ہویا چلان انہاندا تھناں خوب بھنائیاں
 بعد لڑائی مولویاں نے چنگے وعظ سنائے
 روز جمعہ دے جلسہ ہویا چھن چھن وار لڑائی
 فضل خدا دا بگوی صاحب کچھ تکلیف نہ پائی
 دیویں مدد یاری انہاں فضل کنوں رحماناں
 شالا عمر زیادہ پاون حامی دین گرامی
 وعظ انہاندے اندر رب نے پا دتیاں تاثیراں
 ائی ویہ تے اکی جلسہ ہویا جن شعبانے
 بھری تیرہ سو بونجہ آہی نبی یگانے
 عالم اندر ظاہر ہویاں حزبلیاں دیاں کاراں
 بہت خراب ہوئے حزبلی وچ جلسے انصاراں
 جھوٹ اوپر لک بدھا ہویا حزبلیاں دے ٹولے
 کہن حزبلی امیر اساڈا بھیرہ شہر اڈاسی
 پیر سیال ظہور احمد دی جے نہ صلح کراندے
 پا دتا انہاں راضی نامہ دوہاں فریقاں والا
 حق مقدمہ انصاراں دا پیش ہسی سرکارے
 دتی چھوڑ مقدمے بازی انصاراں حزبلیاں
 جیویں فساد کیتا حزبلیاں روشن وچ جہاناں
 آخر تنگ ہوئے حزبلی پایا راضی نامہ
 اقرار نامہ جو اتھے کیتا ناصادر فرمایا
 جو وعدہ کر کے کرے نہ پورا اس دا دین نہ کوئی
 بھیرے والے جلسے دا نہیں پورا ذکر میں کیتا
 صاحب قلم بنایا ناہیں مینوں حق تعالیٰ
 بس مصنف بول شتابی کلمہ حضرت والا

داخل ہسپتالی ہوئے پٹیاں مرہم کرائیاں
 خوب مذمت شیععاں کیتی دشمن جیل پہنچائے
 آیت وار بھی جلسہ ہویا ہوئی جمع لوکانی
 بچ گئے ڈانگاں والیاں کولوں برکت دین الہی
 حق دی تیج چلائی جاون اوپر نافرماناں
 دشمن اوپر غالب ہوون شالا عمر تمامی
 اثر خلاق کرن انہاندیاں تحریراں تقریراں
 نو دن کچھے رکھے آہی روزے ماہ رمضانے
 جد حزبلیاں تھن کٹائے اندر مسجد خانے
 نکل پیشاب گیا حزبلیاں جس دن کھادیاں ماراں
 پر بے شرماں شرم نہ آئی بک دے جھوٹ ہزاراں
 پئے فریب دیون دنیاں نوں دین مذہب تھیں پولے
 جتنے دشمن ہین اساڈے سارے قید کراسی
 پھر حزبلی دیکھے جانڈے کتنا زور دکھاندے
 رشتہ داری رہی شیعہ دی غلط نہیں ایہ حالا
 حزبلیاں جھوٹ مقدمہ کیتا خبراں عالم سارے
 چند دنانوچہ حزبلیاں نوں آ چترائیاں بھلیاں
 جلسے کئی خلاف انہاندے کیتے مسلماناں
 سیال شریفوں لئی معافی کر مجلس صلحاواں
 معلم ہوندا حزبلیاں نے اپنا وقت ٹپایا
 لا دین لمن لا عہد خبر نبی تھیں ہوئی
 تردا تردا حال سنایا سن تو میریا بیتا
 جے رب قلم دتا ہتھ میرے لکھدا خوب رسالہ
 برکت کلمے پاک نبی دی دو جگ رہیں سوکھالا

مصالحات:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، مختلف علماء اور مشائخ اس بگڑتی ہوئی صورت حال اور ان بڑھتے ہوئے اختلافات سے مضطرب تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا حافظ خواجہ قمر الدین سیالوی سے درخواست کی کہ وہ آگے آئیں اور فریقین میں صلح کرادیں۔ تفصیلات 'عرض حال' کے تحت شمس الاسلام بھیرہ میں مندرج ہیں:

”حضرت صاحبزادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی و خان بہادر قریشی محمد حیات صاحب سی آئی ای۔ ایم این سی، کے ذریعہ حضرت قبلہ سجادہ نشین صاحب سیال شریف مدظلہ العالی نے خاکسار کو سیال شریف طلب فرمایا۔ عالی جناب سید محمد فضل شاہ صاحب جلال پوری بھی مع اپنے برادر عزیز نواب سر سید مہر شاہ صاحب و راجہ محمد اکرم خان صاحب ای۔ اے۔ سی پنشنز وہاں حاضر ہوئے۔ مولانا حکیم قطب الدین صاحب جھنگوی، مولانا مولوی احمد دین صاحب گانگوی و دیگر جلیل القدر اصحاب کی موجودگی میں حضرت قبلہ سجادہ نشین صاحب نے شاہ صاحب ممدوح اور خاکسار کے درمیان مفاہمت و مصالحات کرادی۔ ہمارے اختلافات جس شرعی مسئلہ کی بنا پر تھے اس کے متعلق حضرت سجادہ نشین صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے بہت جلد ایک اعلان شائع ہوگا۔ مفاہمت و مصالحات کی تفصیلات اشاعت آئندہ میں درج ہوں گی۔ مصالحات کا قائم رہنا فریقین کے طرز عمل پر موقوف ہے۔ جملہ برادران طریقت و ارکان حزب الانصار کی خدمت میں درخواست ہے کہ دربار سیال شریف کے اس فیصلہ کا احترام دل میں رکھتے ہوئے شاہ صاحب ممدوح کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو روک دیں۔ اور نہایت صبر و تحمل سے نتائج کا انتظار کریں۔“

(شمس الاسلام۔ فروری 1934)

مقدمات:

دریں اثنا پولیس کی تفتیش اور عدالتی کارروائی جاری رہی۔ جلال پوری حزب اللہ کے حملہ آور رضا کاروں کا چالان بعدالت علاؤ الدین ارشد مجسٹریٹ درجہ اول سرگودھا پیش ہوا۔ فریق مخالف نے جوابی حملہ کرتے ہوئے مجلس حزب الانصار بھیرہ کے سابق مبلغ اور حاضر جلسہ بطور مقرر مولانا منیر شاہ خوشابی، مولوی فضل احمد سکھوی، مجلس حزب الانصار بھیرہ کے رضا کاران جلسہ مستری فضل احمد، محمد قاسم اراٹیں، خواجہ سکنہ خان محمد والہ، عبدالرشید مندرگر اور حضرت

مولانا ظہور احمد بگویی پر زبردفعہ 147/325 تعزیرات ہند استغاثہ دائر کر دیا۔ تفصیل 'عرض حال' کے مطابق یہ ہے:

مورخہ 9 دسمبر 1934ء حزب الانصار بھیرہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر جو افسوس ناک ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ اس کے سلسلہ میں پولیس نے جلال پوری حزب کے حملہ آور رضا کاروں کا چالان زیر دفعات 147/323 تعزیرات ہند بعدالت علاؤ الدین صاحب ارشد مجسٹریٹ درجہ اول سرگودھا کیا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس ضلع سرگودھا و دیگر افسران موقع پر پہنچ گئے تھے۔ سب نے حملہ آور فریق کو ہی ملزم قرار دے کر ان کا چالان کیا۔ فریق مخالف نے مولوی منیر شاہ صاحب خوشابی سابق مبلغ حزب الانصار، مولوی فضل احمد صاحب سکھوی، مستری فضل احمد بھیروی، قاسم صاحب اراکین بھیروی، خواجہ سکنہ خان محمد والہ، عبدالرشید صاحب نمدر اور خاکسار پر ایک استغاثہ زیر دفعات 147/325 تعزیرات ہند دائر کر دیا جس کی بنا پر اصحاب مذکور کے نام وارنٹ با ضمانت جاری ہوئے۔ 22 جنوری کو استغاثہ کے لیے تاریخ سماعت مقرر ہوئی۔ مگر اس تاریخ پر تمام ملزموں کو اطلاع یا بی نہ ہو سکی۔ اس لیے سماعت 5 فروری کے لیے ملتوی ہوئی۔ چالان کے لیے تاریخ سماعت 5 فروری مقرر ہے۔ (شمس الاسلام۔ 2/34)

بعد از صلح

سیال شریف میں فریقین کے درمیان صلح کے بعد حضرت مولانا بگویی نے حسب وعدہ شمس الاسلام بھیرہ میں اعلان صلح شائع کر دیا اور اپنی تحریر اور تقریر پر مکمل پابندی عائد کر لی۔ لیکن محترم امیر حزب اللہ نے کامل سکوت اختیار نہ کیا۔ ان کی طرف سے کوئی تحریر پریس میں آئی اور نہ ان کے مواعظ میں گلے شکوے کم ہوئے۔ چنانچہ صلح کے نتیجے میں نامکمل اقدامات اور ان سے پیدا ہونے والے واقعات پر مولانا بگویی اپنے مراسلے میں رقمطراز ہیں:

از جامع مسجد بھیرہ

مورخہ 15 فروری 1934ء

بعالی خدمت مکرمی محترمی شاہ صاحب دام مجدہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ بعد ملام مسنون کے عرض ہے کہ طالب خیر بھیرہ ہے۔ اور سیال شریف میں جو عہدہ تھا اس پر یوری طرح کاربند اور ایمانداری سے اس پر عمل پیرا ہے۔ گزشتہ جمعہ کو جو کچھ میں نے بیان کیا تھا اس کا ذکر ملک محمد خان صاحب نے جناب سے کیا ہے۔ اس جمعہ کو بھیرہ میں نے کوئی لفظ نہیں کہا۔ شمس الاسلام کے فروری نمبر میں مصالحت و مصالحت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ مگر جناب کی طرف سے کامل سکوت میرے دل میں تنکوں و تیرتوں پیدا کر رہا ہے۔ براہ کرم میری مشکلات پر غور فرما کر اوفوا بالعہد پر عمل فرمائیں۔ اور کم از کم مصالحت کے متعلق سیال شریف میں تھریئر کردہ اعلان شائع کرادیں تاکہ آپ کی حمایت میں جو لوگ طرح طرح کے بلکوں سے بے گناہ رہے ان کی زبان بندی ہو سکے۔ ورنہ مجبوراً مجھے جواب دینا پڑے گا۔ اور جواب میں گزشتہ ناگوار واقعات کا ضرور ذکر آئے گا جس سے مزید تلخی پیدا ہو گی۔ اعظم شاہ قریشی، علی محمد ورفیق واللہ دنا ما جہی سکنہ بروہ نے مصالحت کے متعلق جس قدر غلط برابریاں کی ہیں اور گر رہے ہیں اس کی

تفصیل عرض کرنے کا یہ موقع نہیں۔ علاوہ ازیں حکیم اللہ دین کا اشرہ اسہی تک بعض مقامات پر تقسیم ہو رہا ہے۔ 27 جنوری کو مصالحت ہوئی۔ اس کے بعد 2، 3، 4 فروری کو روز نامہ سیاست و انقلاب (لاہور) میں جناب کابینہ دوبارہ تانے لگا ہے۔ اب 8 فروری کے اخبار میں بھی طبع ہوا ہے۔ اور ماہنامہ در نجف سیالکوٹ نے دوبارہ حد درجہ لہرہ برائی سے کام لیا ہے۔ اور جناب کی حمایت کی آڑ میں سب و دشنام سے اپنی دل کی بھڑاس نکال رہا ہے۔ اس وقت تک کم از کم صد خطوط ایسے اصحاب کو مختلف مقامات پر ارسال کر چکا ہوں۔ آپ کی محبت کی یاداش میں راتے عامہ کا نشانہ بن رہا ہوں۔ حزب الانصار کی مجلس نوری میں میرے خلاف ملامت کا ووٹ بھی پیش ہوا۔ مجھے بزدل، بے گھوڑا، فریبی کئی خطابات دیے گئے۔ ان حالات میں جناب کی طرف سے خاموشی نے زیادہ پریشان کر رکھا ہے۔ آپ نے سیال شریف کے عہد کی بنا پر میرے ہاتھ باندھ کر اور میری زبان بند کر کے مجھے میرے مخالفین کے سامنے ڈال دیا ہے۔ جو کتنوں کی طرح میرا گونٹ نوجنا جانتے تھے مگر آپ کی طرف سے مجھے مدافعت کی اجازت نہیں۔ براہ کرم عریضہ پڑھ کر جواب میں اپنی راتے عالی و ارادہ مبارک سے مطلع فرمائیں تاکہ میں بھی اپنے لیے کوئی طرز عمل اختیار کر سکوں۔

عاجز ظہور احمد بگویی

سید غلام محمد شاہ صاحب کی دستخطی تحریر اگر سیال شریف جلدی پہنچوا دیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ بنا گیا ہے کہ پیر صاحب گولڑہ شریف نے بھی جناب کے خلاف کوئی فتویٰ دیا ہے جو راولپنڈی میں طبع ہو رہا ہے۔ وہاں سے کسی دوست سے اطلاع دی ہے۔ شاید غلط ہو۔

ناکمل اقدامات صلح پر رد عمل:

چونکہ دو اداروں اور دو خاندانوں میں صلح حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی اور دوسرے بزرگوں کے ایماء و اصرار پر ہوئی تھی اس لیے صلح کے لیے جن اقدامات کی ضرورت تھی، تصدیق و تائید کے لیے جو عملی مظاہرہ درکار تھا، اس کے فقدان نے کارکنوں اور عوام کے ایک طبقے میں بدظنی پیدا کر دی تھی۔

جناب شاہ ولی خان سب انسپکٹرنیکس چکوال نے اپنے عریضے میں حضرت مولانا بگویی کے نام ان تمام احتمالات اور امکانات کا تذکرہ کیا ہے جو ناکمل اقدامات صلح اور عدم مظاہرہ شواہد صلح کے سبب پیدا ہو سکتے تھے۔

از جگہ - مورخہ 20 فروری 1934ء

مکرمی و معظی جناب مولانا صاحب - السلام علیکم -

آپ کا نوازش نامہ کئی دنوں سے موصول ہو چکا ہے۔ رسالہ نسیم الاسلام ماہ فروری بھی زیر مطالعہ ہے۔ چونکہ میں دورہ پر تھا اس واسطے واپسی ڈاک جواب دینے سے قاصر رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بالعمی تنازعات و منافقات تفریق ملت کا باعث ہوتی ہے اور ان سے جتنا بھی گریز کیا جائے بہتر ہے۔ لیکن ایسے حالات میں

جبکہ طاغوتی طاقتیں اپنی باطل برہمنی کا لوہا منوانے پر پوری طور پر تیار تھیں۔ اس وقت ہو کو سب ڈلوانے کی بجائے دیوانہ وار مجاہدانہ اقدام کرنا چاہیے۔ اس مصالحت و مفاہمت سے پہلے ہی حزب الانصار کے خلاف غلط پروپیگنڈا شروع سے ہو رہا تھا کہ امیر حزب الانصار نے معافی مانگ لی تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور اب جس طریق سے صلح کی گئی تھی یہ ان کے پروپیگنڈا پر آب کی اور مجاہدہ نشین سیالوی کی طرف سے سررخصتوں سے ہو گئی تھی۔ پہلے تو اس قدر عجلت ضروری تھی نہ تھی اور اگر واقعی واقعات نے مجبور کر دیا تھا تو کم از کم آپ ان علمائے کرام سے تو مشورہ کر لیتی جو اس وقت جو روہتم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ علاوہ ان میں فوجداری مقدمات کی صلح تو ایک بات بھی تھی۔ آپ نے رسالہ ماہ فروری میں یہ اعلان کر کے کہ حزب الانصار و حزب اللہ کے ارکان تمام سرگرمیاں روک دیں گے۔ کیا حزب اللہ کے رسالہ میں اس کی تشریح فرما دیں گے۔ کیا اب انقطاع تعلقات کا فتویٰ قائم نہیں رہا! مجھے یہ نرالی منطق لہر گز سچلے میں نہیں آتی۔

اگر بھی درست تھا تو کم از کم ایک مشترکہ بیان تیار ہونا بعد میں مکمل طور پر اس ننگ و دو کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ صلح کی سلسلہ بندی کس سمت سے اور کیوں ہوئی۔

سجادہ نشین سیال شریف کی طرف سے جو بیان شائع ہونے کا وعدہ ہوا تھا وہ شائع ہوا یا نہیں۔ اگر کوئی کاپی لہو تو روانہ کر دیں تو مشکور ہوں گا۔

کیا اب بیلک کو حزب اللہ کے راز لہانے سرہستہ کے انکشاف میں آگاہی کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی مصائب کے ختم ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ کیونکہ علمائے کرام و صوفیائے عظام بھی شریعت حقہ کی اطاعت میں مصلحت وقت اور مصالح دنیوی کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم بالثواب

آب کا

شاہ ولی خان سب انسپکٹر ٹیکس

جکوال

مراسلت:

جلال پوری قصبے کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر ریکارڈ پر موجود بعض مراسلوں کو ان کے صحیح تناظر میں تاریخ کے اوراق کا حصہ نہ بنایا جائے۔ چونکہ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی عمومی فلاح و بہبود بنیادی اہداف تھے اس لیے مجلس حزب الانصار بھیرہ اور مجلس حزب اللہ جلاپور میں اشتراک عمل اور باہمی تعاون قدرتی تقاضا اور وقت کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا ظہور احمد گوی اور محترم سید محمد فضل شاہ جلاپوری مرحوم کے درمیان برادرانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ ایک مراسلے میں امیر حزب اللہ، حضرت مولانا گوی کو حزب اللہ کے رکن سے از خود مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں وہ 3/4 جمادی الثانی کو حزب اللہ کے سالانہ جلسہ اور عرس مبارک میں

شرکت کریں۔

مراسلہ: 17 جمادی الاولیٰ 1351ھ

نفیقی و رفیقی

السلام علیکم ورحمة اللہ امیر ہے آپ قرین صحت و عافیت ہوں گے۔
 بہتیت رکن حزب اللہ آپ کو اس فقیر نے مجلس نوری کا رکن نامزد کر
 دیا ہے جس کی اطلاع پہنچ چکی ہو گی۔ لیکن دعوت میں خصوصیت کے خیال سے
 یہ چند حروف ارقام کرنے لگا ہوں کہ آپ ضرور حزب اللہ کے سالانہ جلسہ اور عرس
 مبارک میں شمولیت کریں۔ اور 3 جمادی الثانی کو یہاں تشریف لا کر مجلس نوری
 کے اجلاس میں جو 3 اور 4 جمادی الثانی کی درمیانی رات کو منعقد ہونا قرار پایا
 ہے، اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں۔ اگر کوئی قابل عمل خیال میں ہو تو
 پہلے پہنچ دیں۔ حزب اللہ کے جلسہ میں اس دفعہ آپ کی تقریر کا وقت بھی
 رکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اگر قبل از وقت مطلع کر دیں تو آلہ کے مٹیشن پر سواری کا بندوبست کر
 دیا جائے گا۔ والسلام۔

ابوالبرکات سید فضل شاہ امیر حزب اللہ

مراسلہ: یکم شعبان 1353ھ

ہبی فی اللہ وعلیکم السلام ورحمة اللہ

ترسیل جواب میں توقف علالت طبع کے باعث ناگزیر تھا۔ حزب اللہ کے
 نئے اقدام پر آپ نے جو اظہار رائے فرمایا ہے اس کا شکریہ!

اپنی طرف سے اس تمام جدوجہد کا مقصد خدمت اسلام و مسلمین ہے
 اور خدا کرے کہ میری یہ کوششیں کسی ہوشگوار نتیجہ پر منتج ہوں۔ مفلوط
 انتخاب والہ مسئلہ واقعی حازب توجہ ہو رہا ہے بالخصوص جب کہ چند مخصوص
 خیالات کے مسلمان الہ آباد میں اپنے اپنے وطن کی اہلہ فزیجیوں میں آ کر ایک
 یخت و یز کر چکی ہیں جن کو کسی اعتبار و حیثیت سے بھی قوم کی حقیقی
 نمائندگی حاصل نہیں۔ آپ کے خلاف جو کچھ بیان ہوا، آپ نے انصاف کریں کہ
 اس کی صداقت کا اصل میں ترک کے سوا اور چارہ کار ہی کیا تھا۔ لیکن جس

صورت میں کہ آب اس الزام سے اپنی بریت کا اظہار کرتی ہے تو ظنوا المؤمنین خیرا کے حسب فرمان آب کی صفائی قابل قبول ہے۔ بالخصوص جب کہ آب نے واللہ علی اما قول شریف سے استنباط کیا ہے۔

بالصی اختلافات رفع کرنے کا بہترین طریقہ بالصی گفت و شنید ہوا کرنا ہے کہ اس سے غلط فہمیاں رفع ہو جایا کرتی ہیں۔ اور جانبین کی طبیعتیں اگر صلاہیت پسند ہوں تو ایک بہترین حل بھی نکل سکتا ہے مگر ہنگامی جوش میں آ کر ماری عمر کے تعلقات کو خیرباد کہہ دینا یہ سراسر خلاف دانش ہے اور پھر جس حد تک روابط قریبی و مستحکم ہوں اسی تناسب سے گلہ بھی زیادہ ہوا کرتا ہے۔

یہ فقیر شروع سے آب کو اپنا خاص عزیز سمجھتا رہا ہے اور ہمیشہ آب کی اصابت رائے اور اجترہاد فکر کو بنظر پسندیدگی دیکھا گیا ہے۔ اور اپنا خاص رفیق کار سمجھا ہے۔ پھر ایک ایسی بات سے آب کا یکایک بگڑ جانا جو اسوی فیصلہ طلب ہو اور جس کا نتیجہ حسب المرام ہونے والا ہو آب کی خاندانی وجاہت اور طبعی منانت و ثقافت کے بالکل منافی تھا اور اس سے بڑھ کر ایسی باتوں کا عامۃ الناس کے سامنے ایک ایسی طریق سے اظہار جس سے تعریف کا پہلو نکل رہا ہو اور زیادہ افسوس ناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ میرے خیال میں آب ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں اور وہ عقائد کا سوال ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لطف و عنایات سے اس فقیر کے دل میں اپنے مسلک کی جو عظمت ہے اور اپنے عقائد حقہ پر جس حد تک بھروسہ و توفیق اور اعتماد ہے شاید ہی کسی دوسرے کو نصیب ہو۔

والحمد لله علی ذالک

اندریں حالات آب کو ہمارے کسی طریق عمل سے اگر بظاہر حالات اختلاف ہی کیوں نہ ہوتا لیکن اس کا انجام تک انتظار کر لینا چاہیے تھا کیونکہ ہو سکتا ہے جسے باری النظر میں آب محبوب سمجھ رہے ہوں وہی بالآخر محبوب ہو جائے۔ و عسیٰ ان تکرہوا نبیًا وهو خیر لکم۔ خیر یہ ایک طویل قصہ ہے اور میں آب کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آب کے دل میں ہماری قدر و منزلت موجود ہے تو ہم بھی آب کو پہلے ہی کی طرح عزیز سمجھیں گے۔

والباقی عند الملاقی

خیر طلب: فقیر ابوالبرکات محمد فضل شاہ کان اللہ لہ

سجادہ نشین و امیر حزب اللہ جلال پور شریف

مراسلہ: 6 شعبان المعظم 1353ھ:

مکرمی - السلام علیکم ورحمة اللہ

حزب الانصار کے جلسہ میں آپ نے اثنائے تقریر میں جو اشارات فرمائے تھے وہ ایک قسم کی غلط فہمی پر مبنی تھیں۔ واژہ عالم شاہ کا جلسہ خصوصیت کے ساتھ اس سال نہیں ہوا دونوں جلسوں کی تاریخیں ضرور ایک ہی تھیں لیکن اگر ہمیں علم ہوتا کہ آپ کی حساس طبیعت پر یہ برہی شاہ گزرے گا کہ ایک دوسرے ضلع و تحصیل میں ایک اسلامی جلسہ آپ کی تاریخوں پر انعقاد پذیر ہو تو ہم میان شاہ محمد صاحب کو دوسری تاریخیں رکھنے کا کہہ دیتے۔ چنانچہ اسی تصادم کا سوال نہ پیدا ہونے کو مدنظر رکھ کر ہم نے موصوف کو ہدایت کی تھی کہ ان حضرات کو دعوت شرکت نہ دیں جو کہ آپ کے جلسہ میں مدعو ہو چکے تھے۔ مولوی محمد شاہ صاحب خطیب کو ہم نے دونوں جلسوں میں شمولیت سے مساوات قائم کرنے کی ترغیب دلائی جس کا ذکر غالباً انہوں نے کیا ہو گا۔ حضرت قبلہ مجاہد نشین صاحب سیالوی مدظلہ العالی کا اسم گرامی آپ کے اشتہار میں موجود نہ تھا بایں ہمہ ان کی خدمت اقدس میں ہماری طرف سے تشریف آوری کا کوئی عرضداشت پیش نہیں ہوئی۔ علیٰ هذا القیاس پیر محمد شاہ صاحب مجاہد نشین برہرہ کو ہم نے کچھ نہیں لکھا معمولی اشتہارات کی ترسیل کے علاوہ لوگوں کو شمولیت پر کسی دوسرے ذریعہ سے آمادہ کار نہیں بنایا گیا۔ اور سب سے بڑھ کر آپ کے جلسہ کو ناکام بنانے کا تخیل برہی ہمارے دماغ میں نہیں گزرا جہاں تک کوئی اقدام ہوا ہو۔ اندر میں حالات آپ ہمیں خواہ مخواہ اپنے مخالفین کے زمرہ میں کیوں شمار کرتے تھے اور مریدوں کا ذکر کیوں بیچ میں لے آتے تھے۔ دراصل آپ کی انتہائی طبیعت میں عجلت پسندی کا عنصر زیادہ ہے حالانکہ آپ کو اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کا احساس اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔ اور یونہی قیاسات سے کام لے کر اشتہار پسندی کا ثبوت نہیں دینا چاہیے۔ دوست و دشمن کی تمیز برہی لازم ہے۔ یہ فقیر جب آپ کا دلی برہی خواہ ہے اور آپ کی اور آپ کی انجمن کی ترقی کا بدل خواہاں تو برہرہ آپ برہی ذرہ زیادہ صفائی سے کام لیا کریں بالخصوص جب کہ آپ کے ساتھ دیرینہ دوستانہ مراسم برہی قائم تھے اور اس میں کسی فکری نمائش کا کوئی دخل نہیں۔

ہمارے سابق مبلغ اپنی بہ سالہ حرام خوری کا ذکر جس لطیف پیراہہ میں کرتے رہے تھے انہیں انہیں برہی ان گڑے ہوئے مردوں کو برہرہ اکڑانے سے منع کرنا چاہیے۔ خیر اقتضائی طبع کا علاج اور فی زمانہ حق نمک کا کیا ذکر!

خیر طلب: فقیر ابوالبرکات امیر حزب اللہ

جلال پور شریف

مراسلہ: 6 رمضان المبارک 1353ھ

بمقامی خدمت حضرت صاحبزادہ صاحب دام مجیدہ

و علیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

آب کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ آب نے حقیقت حال سے مطلع فرما کر ممنون فرمایا۔ حزب الانصار کے جلسہ کے متعلق غالباً آب کے سامنے کسی نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ میں اپنے عہد پر قائم ہوں اور انشاء اللہ رہوں گا۔ اور الحمد للہ آج تک اس عہد کی خلاف ورزی میری طرف سے نہیں ہوئی۔

واژہ عالم شاہ کے جلسہ کے متعلق ہماری طرف سے رنج و غم پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ جو کچھ میں نے سمجھا وہی لہزار تھا مسلمانوں نے سمجھا۔ اس غلط فہمی میں میرے ساتھ صد لاکھ نہیں بلکہ لہزار لاکھ مسلمان شریک تھے۔ علاقہ لہذا و علاقہ بار و تحصیل کے باشندگان نے بھی سمجھا کہ بہرہ کے جلسہ کو ناکام بنانے کے لیے واژہ میں جلسہ قائم کیا گیا ہے۔ میں نے عجلت پسندی اور قیاس سے کام نہیں لیا بلکہ میرے سامنے نوائے و مقامی موجود تھے۔ آب ہی خیال فرمائیں کہ:

1- گزشتہ سال حزب الانصار کے سالانہ جلسہ کے موقع پر جو افسوسناک لہنگامہ

برپا ہوا تھا اس کی تلخ یاد ابھی لوگوں کے دلوں میں موجود تھی۔ عوام اس سال منتظر تھے کہ حزب اللہ اور حزب الانصار کے ذمہ دار ارکان کون سی روش اختیار کرتے ہیں۔

2- حزب الانصار کے سالانہ جلسہ میں اضلاع گجرات، جہلم، گوجرانوالہ،

میانوالی، جہلمک و لائل پور سے لہزار لاکھ مسلمان شریک ہوتے تھے۔ اس سال بھی باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد آٹھ لہزار کے قریب تھی۔ سرکاری رپورٹ میں بھی یہی تعداد مذکور ہے۔ اس دفعہ ہمارے جلسہ میں خاص واژہ عالم شاہ سے بھی لوگ شمولیت کے لیے آئے تھے۔ اس لیے واژہ کے جلسہ کو غیر ضلع و غیر علاقہ کا جلسہ نہیں کہا جا سکتا۔ کانگریس کے سالانہ اجلاس اور بعض خاص سالانہ جلسوں کو چھوڑ کر تمام پنجاب میں حزب الانصار کے سالانہ اجتماع کا مقابلہ کوئی جلسہ نہیں کر سکتا۔

3- ایک ماہ پہلے واژہ عالم شاہ سکول کا ایک ذمہ دار کارکن و سکول ماسٹر کوہ خاص طور پر خاکسار نے تاکید کی تھی کہ واژہ کا جلسہ حزب الانصار کے جلسہ کی مجوزہ تاریخوں میں منعقد نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے مجھ سے یہ وعدہ بھی کیا تھا۔

4- حزب الانصار کے سالانہ اجتماع کی تاریخیں اڑھائی ماہ سے مشہور ہو چکی تھیں۔

5- واژہ کے جلسہ پر صاحبزادہ صاحب گولڑوی، حضرت صاحب سیالوی، حضرت امیر حزب اللہ، مجاہد نشین صاحب للوی، امیر جنرال اللہ و دیگر نامور فہمیوں کی شمولیت کا اعلان بہرہ کے جلسہ کو ناکام بنانے کے لیے کافی ہو سکتا

تھا۔ خصوصاً مولانا ظفر علی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر
بیانی کے ہزار لفظی ثائقین ہر جگہ موجود تھے۔

6- شاہ محمد ناظم جلسہ نے مولوی محمد قاسم صاحب ہزاروی اور دیگر بیسیوں
آدمیوں کے سامنے برہنہ میں بیان کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ ان تاریخوں میں
جلسہ کرنے کا نہ تھا۔ مگر مجھے حضرت امیر حزب اللہ نے سخت مجبور کیا
تھی اور ان کے شدید اصرار پر جلسہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس وقت شاہ
محمد اشتہار طبع کرانی کے لیے سرگودھا جا رہا تھا۔

ان حالات میں آپ نے انصاف فرمائیں کہ اگر میں نے آپ کا مقصد حزب
الانصار کے جلسہ کو ناکام بنانا سچے لیا تھا تو اس میں واقعات کا کس قدر دخل تھا۔
سیال شریف میں جو عہدہ کیا تھا اس عہدہ کی خلاف ورزی اہقر سے آج تک نہیں ہو سکی
مگر واژہ عالم شاہ میں جلسہ کرا کر آپ نے خواہ مخواہ عوام الناس کو گزشتہ واقعات کی
یاد دلا دی۔ اور لوگوں نے بھی گڑے تھوٹے مردے اکھیڑنے شروع کیے۔
ان حالات میں ملتجی ہوں کہ:

بندہ پرورد منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

آپ کا نوازش نامہ پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے خیالات غلط
فرہمیوں پر مبنی تھے مگر اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ واژہ کے جلسہ کی تاریخیں مقرر
کرنے وقت جناب نے حالات پر غور نہیں فرمایا اور اس کے نتائج و عواقب سے
لا پرواہی برتنے تھے ہزار لفظی مسلمانوں کو غلط فرہمیوں میں مبتلا کیا۔

والسلام

عاجز ظہور احمد گوی۔ امیر حزب الانصار برہنہ

مراسلہ: 26 شوال 1353ھ

شفیق و مکرمی مولوی صاحب زاد عنایتہ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ

نوازش نامہ کاتفہ حالات تھا۔ آپ نے بہت اجر کیا کہ حسب قرارداد پیدا
شدہ شکایات کا اظہار فرما دیا۔ اور بہی ابلک سبیل فی ما بین تعلقات کے قیام و استحکام کی
تھی۔ ہمیں آپ کے خلاف جو شکایات تھیں وہ ملک محمد خان صاحب نے آپ سے زبانی
بیان کر دی تھیں۔ لیکن آپ نے جن امور کا حوالہ دیا ہے وہ بانی ہمارے علم و ارادہ کے
بغیر تھیں۔ واللہ علی ما اقول شہید۔ سیال شریف جانے سے بیشتر بیفہام کی کتابیں
بغرض اندراج متعدد اہجرات و رسائل کے نام بھی گئی تھیں۔

سیال شریف سے ہم 29 جنوری کو واپس آئے۔ انقلاب نے بیفہام کو 4 فروری
کی اشاعت میں درج کیا۔ اور جیسا کہ آپ جانتے تھے۔ اخبارات تاریخ اشاعت دو دن پہلے
کی ڈالا کرتے تھے۔ گویا اس حساب سے 31 جنوری کے پرچہ میں یہ مضمون نکلا۔
علی لہذا القیاس سیاست نے مضمون کو بالافساط شائع کیا اور اس کی

تاریخہ ہائے اشاعت برہی اسی حساب سے شمار کر لیں۔

در نجف کی تحریرات کی کوئی ذمہ داری ہم لینے پر تیار نہیں۔ جب کہ وہ ایک دوسری جماعت کا آرگن ہے جن کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ تعلق نہیں۔ مگر آپ اس امر کی تسلی رکھیں کہ ہم اپنی کسی حرکت سے اس کی حوصلہ افزائی نہ کریں گے اور نہ آج تک کی ہے۔

پیر اعظم شاہ صاحب وغیرہ نے اگر کوئی خلاف واقعہ بات بیان کی ہے تو ہم ان سے ضرور جواب طلب کریں گے۔ ہماری صاف دلی اور نیک نیتی کا یہ ایک بدیہی ثبوت ہے کہ گزشتہ ایام میں جب کہ حزب اللہ کے آئندہ مجوزہ دورہ کابروگرام مرتب ہونا تھا اور مجلس نوری کا خاص اجلاس برہی طلب کیا گیا تھا۔ کم و بیش چار پانچ سو ذمہ دار اصحاب کے سامنے ہم نے سب کو کہہ دیا تھا کہ مصالحت کے بعد آپ کے خلاف کسی کو برہی اپنی زبان سے کوئی بات نہیں نکالنی چاہیے۔ اسکی علاوہ بہت سے جواب طلب خطوط کے جواب میں ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ مولوی صاحب سے ہماری دلی مصالحت بارگاہ خیال شریف کی وساطت سے ہو چکی ہے۔

مولوی حکیم اللہ دین صاحب والا اشرف خیال شریف سے واپسی کے بعد ہرگز ہماری طرف سے تقسیم نہیں ہوا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ خیال شریف جانے سے پہلے کوئی شخص متعدد کاپیاں لے گیا ہو اور اب اس نے تقسیم کی ہوں۔ ہم نے آپ کو زبانی بتلا دیا تھا کہ ایک وسیع پیمانہ پر شروع کیے ہوئے جوابی پرائیگنڈا کی فوری رکاوٹ کرنے ہوئے برہی بعض اقدامات کا امکان ہے۔ ہماری طرف سے کسی قسم کی کوئی خاموشی نہیں۔ بلکہ ہر روز بیسیوں اشخاص کو صورت حالات سے آگاہ کر کے مطمئن کیا جاتا ہے۔

اب سوال صرف ہماری طرف سے مجوزہ اعلان کے شروع کا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ خیال شریف فی مابین یہ شرط ہوئی تھی کہ دونوں طرف سے مشترکہ یا جداگانہ اعلان نائع ہونا چاہیے۔ ہم نے مسودہ لکھ کر آپ کو دکھلا دیا۔ لیکن آپ نے اسے اپنی تک اپنا مسودہ ہمیں نہیں دکھلایا۔ ہمیں آپ کی نیت و ارادہ پر پوری طرح اعتماد ہے۔ لیکن جس طرح کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے آپ کے حزب الانصار والوں کی طرح ہماری جماعت میں برہی چند زیادہ پر جوش اصحاب موجود ہیں۔ جن کی افتاد طبیعت کا حال ملک محمد خان صاحب نے بتلایا ہو گا اور جن سے آپ کی طرح ہم نے برہی بڑی مشکل سے جان چھڑائی ہے۔

مگر آپ نے معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر اظہار حقیقت سے تامل فرمایا۔ ہمارے خیال میں ان تمام معاملات کا بہترین حل یہ ہو گا کہ آپ بتاريخ 18 فروری ملکوال صبح والی گاڑی پر تشریف لے آئیں۔ جہاں کہ اس دن اس فقیر کا اتنا ہی دورہ حزب اللہ میں مقام ہے۔ میں اپنے والا اعلان ہمراہ لائوں گا۔ آپ برہی وہاں بعد از صلاح و مشورہ ایک مناسب اعلان تحریر فرما دیں تاکہ دونوں اعلانات بیک وقت بفرض انطباق پریس میں سرچ دیئے جائیں۔

نیز آپ سے بالمشافہ مفصل طریق سے گفتگو کر لی جائے۔ آپ اس امر کا پورا

اطمینان رکھیں کہ اوفوا بالعہد کے مطابق یہ فقیر اپنے عہد کا پورا پابند ہے اور پابند رہے گا۔ اور آپ ہمیں اب بھی اتنی ہی عزیز نہیں جتنی کہ پہلے تھی۔ اگر مصلحت وقت ہوئی تو ملکوال کی ملاقات میں کوئی مکمل تلافی کی صورت بھی نکالی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مجوزہ دورہ کایروگرام ابلاغ خدمت ہے۔

انگلی کی تکلیف کے باعث میں خط اپنے قلم سے نہیں لکھ سکا، عذر خواہ ہوں۔

خبر طلب: فقیر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ

بھادہ نشین و امیر حزب اللہ جلال پور شریف

1۔ لنبر کا بیڑہ ہمارے پاس بھی پہنچا ہے۔ مگر اس کا ماخذ اخبار سیاست ہے جیسا

کہ اس نے حوالہ دیا ہے۔ اور آپ یقین کر لیں کہ لنبر والوں کو ہم نے قطعاً کوئی

تحریر اس مضمون کے تائید کرنے کے متعلق نہیں کی۔

مراسلہ: 17 فروری 1934ء - 1 بجے دن

بغالی خدمت جناب شاہ صاحب دام مجید

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا نوازش نامہ جلال پور سے موصول

ہوا تھا۔ جناب نے سن لیا ہو گا کہ کل میری والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آج بھی

فاتحہ خوانی کے لیے لوگ آ رہے ہیں۔ اس لیے میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنے سے

قاصر رہا۔ ملاقات کی خواہش تھی مگر پوری نہ ہو سکی۔ حقیقت حال عرض کرنے کی

غرض سے یہ عرضہ ارسال ہے تاکہ میرے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو سکے۔ جناب

نے سروہ ہنڈ داندخان میں علمائے کرام کے متعلق لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے

کی کوشش کی ہے میری رائے میں جناب کی یہ روش یقیناً آپ کے ہوا خواہوں اور دلی

نیاز مندوں کے لیے نئی مشکلات پیدا کر رہے گی۔ مجھے آپ سے بہت کچھ کہنا تھا

مگر افسوس کہ ناگہانی حادثہ کی وجہ سے موقع نہ مل سکا۔

میری طرف سے اعلان رسالہ نسیم الاسلام کے فروری نمبر میں تائید ہو چکا

ہے ایک بیڑہ ارسال خدمت ہے۔ اب حسب وعدہ جناب کی طرف سے بھی اعلان تائید ہو

جانا چاہئے ورنہ مجھے لوگوں کے طعن و تہنیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عاجز ظہور احمد بگویی کان اللہ

جامع مسجد برہرہ

مراسلہ: 4 ذیقعد 1352ھ

مکرمی جناب مولوی صاحب زاد غنیہ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ۔ مراسلہ کاتفہ حالات ہوا۔ آپ کی والدہ ماجدہ

کے انتقال کی خبر مجھے حافظ صاحب سروہ سے معلوم ہو کر جس حد تاسف و ملول ہوا۔

اللہ کریم مرہومہ عقیقہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔

میں نے سروہ ہنڈ داندخان میں علمائے کرام کے خلاف کوئی نفرت آمیز لفظ

استعمال نہیں کیا۔ یہ غالباً کسی سامع کی نکتہ فرہمی ہو گی۔ میں علمانی ہوں کا خود ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ رہے علمانی سوء ان کا نہ میں برہے معتقد تھا اور نہ اب ہو سکتا ہوں۔ لیکن بایں ہمہ اس فرقے کا استغفاف میں طبعاً ناپسند سمجھتا ہوں۔

آب کار سالہ مجھے بہت برہے مل چکا ہے۔ آب کا اعلان غیر واضح ہے اور اس سے کئی ایک غلط فرہمیوں کا احتمال ہے۔ بہتر تو یہی تھا کہ آب سے بالمشافہ گفت و شنید ہونے کے بعد معاملات کو اب الجھانے کی بجائے سلجھایا جاتا۔

آج کے جلسہ میں جو کارروائی ہوئی ہے اس کی تفصیلات سامعین آب کو بتلا دیں گے۔ اندر میں حالات بہر بھی اگر کسی مزید اعلان کی ضرورت ہو تو مجھے کوئی انکار نہیں۔ لیکن آب برہی اب ذرا زیادہ صفائی سے کام لیا کریں۔ والسلام

خیر طلب: فقیر ابو البرکات سید

محمد فضل شاہ

سجادہ نشین و امیر حزب اللہ

مقام خان محمد والا

قضیہ جلال پوری کا عمومی جائزہ

پچھلے اوراق میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ دو ممتاز دینی خاندانوں اور دو درد مند مسلمان اداروں میں کیونکر اختلافات پیدا ہوئے اور کس طرح طوفان برپا ہوا جو بالآخر حضرت سجادہ نشین سیالوی اور دیگر اکابرین علاقہ کی تگ و دو سے انجام کو پہنچا۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ امیر حزب الانصار بھیرہ اور امیر حزب اللہ جلال پور میں باہمی دوستی، بھائی چارے اور تعاون کی فضا موجود رہی تھی۔ حضرت مولانا بگویی کو محترم سید فضل شاہ مرحوم نے اپنی جماعت کی مجلس شوریٰ کارکن نامزد کیا تھا اور ان کے مشوروں اور تبصروں کو بنظر تحسین و تشکر دیکھتے تھے۔ اگرچہ دونوں تنظیموں کے عمومی اہداف میں ظاہری مماثلت تھی تاہم حزب اللہ کی اساس تصوف، پیر پرستی اور عقیدت پر تھی۔ اس کے برعکس حزب الانصار کی بنیاد پین خالص، عملیت اور عقائد پر تھی۔ مسلمانوں کی عمومی فلاح و اصلاح البتہ دونوں اداروں کی قدر مشترک تھی۔ حضرت مولانا بگویی نے اپنے ایک رسالے میں جن 20 اختلافی نکات کا ذکر کیا ہے، ایک صوفی کے نزدیک ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہو سکتی تھی، ہاں ایک حنفی، سنی مسلمان کے لیے یہ امور نہ صرف قابل غور بلکہ قابل مذمت ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ شیعہ علماء اپنے فرقے کو ہمیشہ مذہب کے نام سے پکارتے ہیں۔ گویا امر تحقیق طلب ہے کہ ایک مذہب کی ہیئت ترکیبی کیا ہوتی ہے؟ اس کے عمومی اور خصوصی لوازمات کیا ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ دوسرے مذاہب سے منفرد اور مختلف ہوتا ہے؟ خود شیعہ مذہب کی حقیقت اور اس کے اساسی عقائد کیا ہیں، تاہم یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شیعہ مکتب فکر اسلام میں ایک مختلف مرتبہ و مقام کا حامل ہے۔ اس کے اصول و عقائد، اقدار و

اشخاص، شعائر و روایات اور دیگر سیاسی، سماجی اور مذہبی اظہارات (MANIFESTATIONS) سواد اعظم، اہل سنت و الجماعت (بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث) سے کلی طور پر مختلف اور علاحدہ ہیں۔

127 اکتوبر 1933ء کو امیر حزب اللہ جلال پوری کی ہمشیرہ کا نکاح رجوعہ سیداں جھنگ کے سید سردار حسین شاہ

صاحب کے فرزند سید غلام محمد شاہ صاحب کے ساتھ، بظاہر ایک خاندان کا داخلی معاملہ ہے۔ مولانا کے پیر صاحب کے ساتھ دیرینہ اور گہرے مراسم کی موجودگی میں ان کا اعتراض کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مولانا ظہور احمد بگویی دین کے معاملے میں کتنے محتاط، باحمیت اور بے لچک تھے۔ انہیں علم تھا کہ اس زمانے میں شیعہ سنی اعتقادات میں اصلی اور گہری تفریق کم از کم عوام میں مفقود تھی۔ شیعہ مسلک کے مطابق اہل بیت اور ان کے ائمہ کے ساتھ محبت و عقیدت، محرم اور تعزیر داری کا احترام اور صحابہ کرام خصوصاً اصحاب ثلاثہ پر سب و شتم بہت سارے سادہ لوح مسلمانوں کے لیے ضرر رساں نہ تھا اور نہ ہی شیعہ عقائد و افعال سے ان کے ایمان پر کوئی حرف آتا تھا۔ اگر خواص خصوصاً طبقہ اشراف جس میں سنی سجادہ نشین شامل ہیں، مناکحت و زوجیت جیسے بنیادی دینی اور سماجی معاملے میں وہ بے تعصبی اور رواداری کے نام پر ایسی بے اصولی اور انحراف کا شکار ہو جائیں تو ہمارے عوام کا الانعام کا خشر کیا ہوگا؟

حضرت مولانا بگویی نے سیاسی تحریکات اور ملکی امور میں مسلمانوں کے مفادات کی نگہداشت کے لیے جو پالیسی اپنائی اس کا ذکر ”تحریک خلافت“ کے تحت گزر چکا ہے اور کچھ آئندہ ”مسلم لیگ بھیرہ“ کے تحت آئے آئے گا۔ سیاسی محاذوں پر ہندوؤں اور انگریزوں سے مسلمانوں کے حقوق لینے اور ان کے تحفظ و استحکام کے لیے وہ تمام مذاہب اور فرق سے تعاون کے لیے تیار تھے۔ 1930ء میں جب پہلی بار بھیرہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل دی گئی تو آپ نے بطور صدر مسلم لیگ بھیرہ شہر کے ایک ممتاز شیعہ لیڈر کو نہ صرف اعزازی عہدے سے نوازا بلکہ مجلس عاملہ کا رکن بھی نامزد کیا۔ یہ البتہ دلچسپ بات ہے کہ مسلم لیگ بھیرہ کے پلیٹ فارم سے اسی شیعہ لیڈر کے تعاون سے شہر کے شیعہ بھکاریوں اور نشئی ملنگوں کے خلاف حضرت مولانا بگویی نے ایک اصلاحی تحریک بھی چلائی۔

واقعہ یہ ہے کہ جلال پور شریف سے اختلاف محض اسلام کی حمیت اور دین سے محبت کا مظہر ہے۔ اگر حضرت مولانا بگویی کسی مصلحت یا رواداری کا شکار ہو جاتے تو آج پنجاب کی اکثر گدیاں سیاہ پوش ہوتیں اور وہاں سارا سال ماتم پیا ہوتا۔ مسلمانوں کے لیے اہل سنت و الجماعت کے اساسی عقائد میں پختگی نہ رہتی اور اکثر مخلوط العقائد خانوادوں میں شیعہ عبادات اور روایات کا چلن عام ہو جاتا۔ جن سے عام سنی مسلمان لازماً متاثر ہوتا۔

خاکسار تحریک کی تردید اور اس کا تدارک

علامہ عنایت اللہ مشرقی مرحوم کا تعلق ایک متوسط مسلم گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم ہندوستان میں حاصل کرنے کے بعد اپنی لیاقت اور ذہانت کے بل بوتے پر اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جا پہنچے۔ لندن میں امتیازی حیثیتوں سے امتحانات پاس کر کے وطن لوٹے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کی۔ جنگ عظیم دوم کے بعد دنیا جس سیاسی استحصال اور معاشی بحران کا شکار تھی ہندوستان بطور مقبوضہ کالونی خصوصی طور پر اس کا نشانہ تھا۔ مسلمان من حیث القوم جس تنزل، ادبار اور غلامی کے ساتھ جہالت، افلاس اور محرومیوں کے جن چنگلوں میں جکڑے ہوئے تھے وہ درد مند دلوں کو مضطرب کر دینے والے تھے۔

حالات و واقعات کے اس تناظر میں مجلس مرکزیہ حزب الانصار، مجلس مرکزیہ احرار اسلام اور دیگر مسلم تنظیموں کے ساتھ خاکسار تحریک نے بھی جنم لیا۔

خاکسار تحریک:

اس تحریک کا پیغام سادہ اور پرکشش تھا جس نے نوجوان، کم خواندہ، بے روزگار اور نچلے طبقے کو مرعوب کیا جو اچھے خوابوں کا متمنی اور عزت نفس کے ساتھ پہچان کا متلاشی تھا۔ علامہ مشرقی کی شخصیت نے نوجوانوں کو بہت متاثر کیا جو بیک وقت عربی، انگریزی اور اردو میں قادر الکلام خطیب اور ادیب تھے۔ وہ خود وردی پہن کر بیچے کے ساتھ عام کارکنوں میں گھل مل جاتے۔ تحریک کا کوئی چندہ نہ تھا۔ رہن سہن میں سادگی۔ کھانے میں روزانہ اڑھائی آنے سے زیادہ خرچ نہ ہو، بازوؤں پر خدمت خلق کا نشان۔ ایک امیر کی اطاعت۔ رضا کار کا کام اس کا حکم بجالانا ہے۔ علامہ مشرقی کا یہ بھی کہنا تھا کہ مولوی کا اعتبار نہ کرو۔ اس کے کہنے پر نہ چلو۔

(پنجاب کی سیاسی تحریکیں از عبداللہ ملک ص 283)

علامہ مشرقی کی تقریروں، تحریروں اور خاکسار تحریک کے بیچے بردار، وردی پوش حربی مظاہروں نے برصغیر بالخصوص پنجاب میں ہل چل مچادی۔ ”الاصلاح“ تحریک خاکسار کا ترجمان تھا۔ علامہ مشرقی نے خدمت خلق کے نعرے کے ذریعے اپنے متبعین کو بتدریج باور کرایا کہ اسی راستے سے ہٹلر کے انداز میں اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ علامہ مشرقی اپنی ذہانت اور جوش کو خدمت خلق اور سماجی بہبود تک محدود رکھتے، احرار اسلام یا مسلم لیگ کے ساتھ تصادم سے اجتناب کرتے اور اسلام اور علماء کے ساتھ چھیڑ خانی سے باز رہتے تو ممکن تھا کہ ان کی تحریک

نچلے طبقے کو آسودگی اور بہتری دینے کا باعث بن جاتی۔ مگر انہوں نے اپنے عروج میں ”مولوی کا غلط مذہب“ کے نام سے سلسلہ وار مضامین میں اسلام کی نئی تشریحات کو اپنایا اور علماء پر تا بڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔
مولانا بگویی اور خاکسار تحریک:

حضرت مولانا بگویی نے ابتدا میں علامہ مشرقی کے افکار اور تنظیم سے اعراض کیا کیونکہ یہ بظاہر غیر سیاسی، غیر مذہبی اور غیر گروہی تحریک تھی جس میں ہر مکتبہ فکر کے مسلمان شامل تھے۔ مجلس حزب الانصار اپنی پالیسی کے مطابق مسلمانوں کے مابین داخلی اختلافات میں مداخلت کی حامی نہ تھی۔ پھر ایک جدید تعلیم یافتہ شخص کے منہ سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی باتیں یقیناً خوشی اور خوش فہمی میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ تاہم مولانا کی کسی تقریر اور شمس الاسلام میں شائع شدہ کسی تحریر میں علامہ مشرقی یا خاکسار تحریک کے بارے میں کوئی تائید یا توثیق نہیں ملتی۔ شمس الاسلام (دسمبر 1936 ص 35-40) میں ”خاکساری فتنہ“ کے عنوان سے مولانا پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی کے ایک سلسلہ وار مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے۔ حضرت مولانا بگویی اپنے تعارفی نوٹ میں لکھتے ہیں:

”دور حاضر کے ملحد اعظم عنایت اللہ خان مشرقی نے مسلمانوں کو سیزدہ سالہ تعلیم سے روگردانی کرنے اور ان کا سردہریت والحاد کی چوکھٹ پر جھکانے کے لیے جس منظم تحریک کا آغاز کیا ہے، اس کی خطرناک نوعیت کا علم اور اس فتنہ کی شاہ کاریوں کا صحیح احساس ابھی تک کماحقہ اکابر ملت کو نہیں ہوا۔ پیرزادہ مولانا محمد بہاؤ الحق قاسمی امرتسری نے اس سلسلے میں رسالہ ”خاکساری فتنہ“ کی تالیف سے بیش بہا خدمت اسلام سرانجام دی ہے..... شمس الاسلام کا اجرا بھی جدید فتن کی سرکوبی کے لیے عمل میں آیا تھا لہذا رسالہ مذکورہ کے اقتباسات جریدہ ہذا میں درج کر کے قارئین کو اس فتنہ کی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ ملحد مشرقی نے اسلامی اصطلاحات کو باقی رکھتے ہوئے ان کے معانی ایسے بیان کیے ہیں کہ سادہ لوح انسان فوراً دھوکہ کھا سکتا ہے۔ اسلام، ایمان، اعمال صالح، صلوة وغیرہ کا جو مفہوم شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام اور آئمہ عظام نے بیان کیا ہے، اس کو غلط قرار دے کر کفر کا نام اسلام اور اسلام کا نام کفر رکھ دیا ہے۔ تیرہ سو سال علمائے اسلام نے دہریت والحاد کے قلعہ پر گولہ باری کی مگر ملحد مشرقی قرآن کی تفسیر کے پردہ میں دہریت والحاد کی تنظیم کر کے اسلام پر حملہ آور ہے۔ اسلام کی حفاظت کا مقدس فریضہ انجام دینے کے لیے علمائے اسلام کو تندہی سے (اب)

مصروف عمل ہونا چاہیے۔“

اقدامات:

حضرت مولانا بگویی نے خاکساریت (خاکساری تحریک) کی تردید کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

- ا۔ شمس الاسلام میں تردیدی اور تنقیدی مضامین کی اشاعت۔
 - ب۔ خاکساری تحریک کے نظریات اور خیالات کے خلاف تصانیف کی طباعت۔
 - ج۔ ملک بھر میں جاری تبلیغی جلسوں میں حقیقت حال کی وضاحت۔
 - د۔ انصار المسلمین یعنی محمدی فوج کا قیام۔
 - س۔ بڑے شہروں میں رضا کاروں کے باوردی جلوس، تربیتی کیمپ اور حربی مظاہرے۔
- خاکساریت کے خلاف اولین مضمون نگاروں میں مولانا محمد بہاؤ الحق قاسمی (”خیر جاری در تردید مذہب خاکساری“۔ شمس الاسلام مارچ 1937) جناب حاجی بشیر احمد امیرسر (”حکومت پنجاب کو نہایت ضروری اغتباہ“۔ ش 1، مارچ 1938ء۔ ص 18-21) اور مولانا قاضی مظہر حسین متعلم دیوبند (”خاکساری فتنہ“۔ شمس الاسلام، مئی 1938، ص 39-40) کے نام نظر آتے ہیں۔

اجتماعی مظاہرہ:

مولانا عبدالرحمن میانوی اپنے مضمون ”شاندار اجتماع اور عملی مظاہرہ“ (شمس الاسلام، نومبر 1938، ص 43-48) علامہ مشرقی کے افکار اور ان کی تنظیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”علمائے کرام دیر کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہوئے..... آخر کار قوم کے نبض شناسوں نے علاج بالمثل پر عمل کرنا مناسب سمجھا تو اسلامی قوانین کے ماتحت عسکریت و تنظیم کا پروگرام تیار کیا گیا۔ کیمبل پور کی جامع مسجد کے خطیب مستعد ہو کر میدان عمل میں نکلے۔ خدائی فوج تیار کی۔ مولوی قاضی منظور حسین صاحب ساکن بھیں ضلع جہلم نے خدام الاسلام کی جماعت تیار کی اور مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی مساعی جمیلہ سے ٹیکسلا و ہزارہ کے علاقہ میں انصار الاسلام کی تعداد صد ہا سے تجاوز کر گئی..... بد قسمتی سے میانوالی کے چند گمراہ نوجوان مشرقی کی تحریک میں شامل ہو گئے اور خاکساری فتنہ کی آگ مشتعل ہونے لگی..... خوش قسمتی سے ضلع میانوالی میں چند ایسے مخلص خدام ملت موجود ہیں جن کے ذریعے

- اصلاح المسلمین کے نام سے ایک باعمل جماعت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔
 ضلع میانوالی میں مندرجہ ذیل علماء کا وجود مسلمانوں کے لیے باعث برکت و رحمت ثابت ہوا:
- 1- مولانا گل شیر خان کالا باغ
 - 2- مولانا احمد الدین گانگوی
 - 3- مولانا محمد اکبر علی میانوالی
 - 4- مولانا نور احمد و تہ خیل
 - 5- مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمان سجادہ نشین کوٹ چائن بن حضرت مولانا نور الزمان
 - 6- مولانا صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ شریف
 - 7- جناب خان اللہ داد خان، رئیس عیسیٰ خیل
 - 8- حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان مجددی خانقاہ کنڈیاں شریف
 - 9- جناب حکیم عبدالمجید سیفی

بارش کا پہلا قطرہ:

انجمن اصلاح المسلمین اور اکابرین ضلع میانوالی کی درخواست پر 30 ستمبر 1938ء کو جامع مسجد میانوالی میں حضرت مولانا ظہور احمد بگوی امیر حزب الانصار کا زبردست خطاب ہوا۔ جس سے عام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں پر بہت اچھے اثرات پڑے۔

”اسی روز اکابرین کے مشورے سے رضا کاران اسلام کی بھرتی کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ اور اس کے دوسرے دن اسلامی تنظیم کا عملی کام شروع کر دیا گیا۔ عیسیٰ خیل، ترگ، موچھ، کالا باغ، کوٹ چاندنہ، ہٹھنٹی اور دیگر مقامات پر رضا کاران کے جیوش مرتب ہو گئے۔ پندرہ روز کے اندر وردیاں بھی تیار ہو گئیں اور اسی عرصہ میں ترکی زبان میں فوجی پریڈ بھی شروع ہو گئی.....“

22- اکتوبر 1938ء کو 300 سے زائد رضا کاران نے عید گاہ میانوالی کے وسیع میدان میں منظم طریقے پر

حربی پریڈ کی جسے دس بارہ ہزار اشخاص نے دیکھا۔ درج ذیل اصحاب باہر سے شامل ہوئے۔

- 1- حضرت مولانا ظہور احمد بگوی
 - 2- مولانا عبدالرحمن میانوی
 - 3- مولانا پیر منیر شاہ خوشابی
 - 4- مولانا محمد علم الدین خطیب جامع مسجد کیمبل پور
 - 5- مولانا سید محمد بخش سوکڑوی
 - 6- مولانا صاحبزادہ نور الحسن ٹمنوی
- دو دنوں کے اجتماعات سے علماء کرام نے خطاب کیا اور خاکساریت کی قلعی کھول دی۔

قراردادیں:

23 اکتوبر کے آخری اجلاس میں اتفاق رائے سے یہ قراردادیں منظور ہوئیں:

(1) اسلامیان ضلع میانوالی کا یہ نمائندہ اور عظیم الشان اجتماع مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے کفر پرور، اسلام سوز اور ملحدانہ رویہ کے خلاف رنج و نفرت کا اظہار کرتا ہے اور حکومت پنجاب کے ذمہ دار ارکان کو متنبہ کرتا ہے کہ اس کے کسی مطالبہ کو بھی مسلمانان پنجاب کا مطالبہ قرار نہ دے۔ مسٹر مشرقی کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔ نیز مسلمانان پنجاب کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ حکومت کی طرف سے مشرقی کو ملحدانہ پروپوگنڈا کے لیے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں یا اسلامی بیت المال کا ادارہ اس کے حوالہ کیا جائے۔ لہذا یہ اجلاس مشرقی کے پیش کردہ مطالبات سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔

(2) اسلامیان ضلع میانوالی کا یہ نمائندہ اجتماع اعلان کرتا ہے کہ سنٹرل اسمبلی کے جن مسلم ارکان نے اسلام اور ملک کے مفاد سے غداری کر کے فوجی بل کے حق میں ووٹ دیے ہیں۔ انہوں نے مسلم ووٹران کے جذبات کا ہرگز احترام نہیں کیا۔ ایسے غداران اسلام، مسلمانوں کی نمائندگی کا قطعاً حق نہیں رکھتے۔

(3) مسلمانان ضلع میانوالی کا یہ شاندار نمائندہ اجتماع سرحد اور فلسطین کے مظلوم باشندگان کے ساتھ کامل ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کی مسلم آزار روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔

(4) مسلمانان ضلع میانوالی کا یہ شاندار نمائندہ اجتماع حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ ضلع میانوالی کے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈوں میں نامزدگی کو جلد از جلد ختم کر کے انتخابی اور نمائندہ دستور جاری کیا جائے۔

(بحوالہ شمس الاسلام بھیرہ)

اجتماع میانوالی کے اہم فیصلے:

چونکہ اجتماعی مظاہرے کا آغاز اور شاندار اہتمام میانوالی سے ہوا تھا اس لیے اکابرین نے طے کیا کہ جگہ جگہ پھیلی انفرادی کوششوں کو ایک مضبوط مرکزی سلسلے کے ساتھ مربوط کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

- 1- امیر حزب الانصار کی جانب سے ضلع میانوالی کی اسلامی جماعتوں کو ہر قسم کی عملی امداد اور ہمنائی۔
- 2- جریدہ شمس الاسلام کے بھرپور تعاون کی یقین دہانی اور نشر و اشاعت کی آسانی۔
- 3- رضا کاروں کی جماعت کا نام انصار الاسلام یعنی "فوج محمدی" ہوگا۔

4- رہنمائی کے لیے ایک مجلس مشاورت کی تشکیل۔

5- دستور اساسی اور دستور العمل کی تدوین۔

اپنے طویل مضمون کے آخر میں حزب الانصار کے مبلغ اور سالار جیوش فوج محمدی، مولانا عبدالرحمن میانوی

لکھتے ہیں:

”میانوالی کے اس اسلامی اجتماع کی مفصل روئداد درج کرنے سے ہمارا اصلی مقصد یہ ہے کہ دیگر مقامات کے مسلمان بھی اس عملی مثال اور کارکردگی کو دیکھ کر خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ اور مسلم جوانوں کی تنظیم کر کے ان میں عسکریت کا جذبہ پیدا کریں۔ اور ان کے دلوں میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دینے کا ولولہ پیدا کریں۔ جو اصحاب اپنے ہاں ایسی جماعت قائم کرنا چاہیں وہ حضرت امیر حزب الانصار کو اپنے عزائم سے مطلع کریں۔“

(شمس الاسلام، نومبر 1938)

اجتماع میانوالی کے بعد صوبے بھر میں جگہ جگہ تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ چنانچہ جمعۃ الوداع

کے دن بھیرہ میں جیوش حزب الانصار (فوج محمدی) نے شاندار جلوس نکالا گیا اور درج ذیل قرارداد (شمس الاسلام،

دسمبر 1938 ص 23) اختتامی اجتماع میں پاس کی گئی۔

حکومت پنجاب کو اغتباہ:

مسلمانوں کی مذہبی روح کو کچلنے کے لیے ماسٹر عنایت اللہ مشرقی نے جو پروگرام تیار کیا ہے اس کے متعلق واقف حال اور رازداں اصحاب پہلے ہی رائے قائم کر چکے ہیں کہ سابق انڈریکٹری گورنمنٹ آف انڈیا حال گورنمنٹ پنشنز کا کوئی اقدام گورنمنٹ کے منشا کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو انگریزوں کے در پر جھکنے کی تعلیم دینے والا اور انگریزوں کو کامل مومن و مسلم قرار دینے والا مشرقی چاہتا ہے کہ گورنمنٹ از روئے قانون اسے مسلمانوں کا امیر تسلیم کرے اور حکومت بذریعہ قانون تمام مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات فراہم کر کے اس کے بیت المال میں داخل کیا کرے اور الحاد و دہریت کی اشاعت کے لیے اسے براڈ کاسٹنگ شیشن قائم کرنے کی اجازت عطا کرے۔ عرصہ ایک سال سے ان امور کے متعلق حکومت کے ساتھ مشرقی کا راز و نیاز کا سلسلہ جاری تھا اب سنا گیا ہے کہ حکومت کے ارکان مشرقی کے ان مطالبات کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تو حکومت پنجاب کو مسلمانان پنجاب کی طرف سے زبردست اور مسلسل مخالفانہ جدوجہد کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ مسلمان کسی صورت میں بھی زکوٰۃ کا روپیہ مشرقی کے حوالہ کرنے پر آمادہ

نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر جگہ جلسے کر کے حکومت پنجاب کو مشرقی کے مطالبات تسلیم کرنے کے نتائج سے آگاہ کریں اور قراردادوں کی نقول اخبارات کے علاوہ وزیراعظم پنجاب کے پاس بھی روانہ کریں۔

مجلس مشاورت کالا باغ:

اب تک تردید خاکساریت کے لیے جہاں جہاں کام ہو رہا تھا اسے مربوط بنانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ 15 جون 1939 کو کالا باغ میں محمدی فوج کی مجلس مشاورت میں درج ذیل اصحاب شامل ہوئے:

- ☆ حضرت مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمان کوٹ چاند نہ
- ☆ حضرت مولانا احمد الدین سجادہ نشین مکھڑ شریف
- ☆ حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ شریف ☆ ڈاکٹر سید محمد شاہ ٹھٹوی
- ☆ جناب قاضی منظور حسین بھیں ☆ خان اللہ داد خان عیسیٰ خیل
- ☆ مولانا گل شیر خان کالا باغ ☆ مولانا محمد داؤد ٹیکسلوی
- ☆ مولانا افتخار احمد بگویی بھیرہ اور دیگر مجالس کے نمائندگان۔

اتفاق رائے سے درج ذیل فیصلے کیے گئے:

- ✿ عسکری تنظیم کے قائد اعظم مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمان کوٹ چاند نہ ضلع میانوالی
- ✿ قاضی منظور حسین بھیں نائب قائد اعظم
- ✿ امیر العسا کر حلقہ شرقی: مولانا افتخار احمد بگویی
- ✿ امیر العسا کر حلقہ غربی: ڈاکٹر سید محمد شاہ ٹھٹوی
- ✿ امیر العسا کر حلقہ شمالی: مولانا محمد جان ٹیکسلوی
- ✿ ادارہ عالیہ عسکر یہ محمدیہ کا صدر مقام ٹیکسلا ہوگا۔
- ✿ رضا کاروں کی وردی خاک کی رنگ اور سر کے لیے سرخ رنگ کی ترکی ٹوپی ہوگی۔
- ✿ ہر مجاہد اور ہر معاون اپنے بازو پر سبز رنگ کا نشان "نصرت" چسپاں کرے گا۔
- ✿ محمدی فوج کا منظور شدہ جھنڈا ادارہ عالیہ کی طرف سے ہر مجلس کو ملے گا۔

تنظیم و عسکریت:

درج بالا مرکزی ڈھانچے کی تشکیل، مختلف اضلاع میں قائم کردہ فوج محمدی کی مصروفیات اور مرکزی ادارہ حزب الانصار بھیرہ ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ ٹیکسلا کی بھرپور تحریری، تقریری اور تنظیمی سرگرمیوں سے یہ تحریک پھیلنے لگی۔ اور شہر شہر گاؤں گاؤں شاخیں قائم ہونے لگیں۔

خاکساری مذہب (9) حصے:

اس دوران حضرت مولانا بگوی کا تحریر کردہ کتابچہ **خاکساری مذہب نمبر 1** ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہو رہا تھا۔ آپ نے کتابچے کے بقایا آٹھ حصے بھی تالیف کر دیئے تھے۔ مگر سرمائے کی کمی کے سبب ابھی طبع نہیں ہو سکے تھے۔ البتہ خاکساریت کے خلاف عام لٹریچر خوب تقسیم ہوا، اور جگہ جگہ کارکن اور مبلغ سرگرم عمل رہے۔ (شمس الاسلام، دسمبر 1940)

ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ کا قیام اور اثرات:

علماء کی تحریروں اور تقریروں اور عملی مظاہروں سے مسلمانوں میں تنظیم اور عسکریت (Discipline and Organization) سے تعارف اور تعلق پیدا ہو رہا تھا۔ علماء اور عوام باہم دگر اور ایک دوسرے کو سمجھ رہے اور قریب آ رہے تھے۔ ان مساعی سے درج ذیل نتائج برآمد ہوئے۔ (شمس الاسلام، مئی 1939ء ص 23-24)

”مسلم نوجوانوں میں صحیح اسلامی اصولوں کے ماتحت تنظیم و عسکریت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے **فوج محمدی قائم کی گئی تھی**۔ فوج محمدی کے سپاہیوں کو **انصار الاسلام** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انصار الاسلام کی تحریک خدا کے فضل و کرم سے سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ اب تک کئی ہزار نوجوان اس سلسلہ میں منسلک ہو چکے ہیں۔ مورخہ 17 اپریل کو بمقام ٹیکسلا قائدین تحریک کا ایک جلسہ مشاورت منعقد ہوا۔ **انصار الاسلام کی عسکریت تنظیم کو کامیاب بنانے کے لیے ”ادارہ اسلامیہ عسکر یہ“** قائم کیا گیا ہے۔ فی الحال ادارہ کا مرکز ٹیکسلا قرار پایا ہے اور مولانا محمد داؤد ناظم اور حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ ضلع میانوالی ناظم احتساب منتخب ہوئے ہیں۔ حزب الانصار کے امیر حضرت **مولانا ظہور احمد بگوی** کو امیر مقرر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ہر جگہ **انصار الاسلام** کی تحریک کو فروغ دینا چاہیے۔ **ادارہ اسلامیہ عسکر یہ** کی شاخیں تمام ملک میں قائم ہونا ضروری ہیں۔ جہاں جہاں مسلم نوجوان کسی اسلامی عسکریت نظام میں منسلک ہونے کے خواہش مند ہوں وہ مولانا محمد داؤد ناظم ادارہ اسلامیہ عسکر یہ ٹیکسلا ضلع راولپنڈی سے خط و کتابت کریں۔ حزب الانصار کے ارکان اسلام کے

عسکری نظام کو ملک کے طول و عرض میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نئے نئے فتنوں بالخصوص فتنہ مشرقیت کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسی تنظیم کا وجود بے حد ضروری ہے۔ ادارہ اسلامیہ عسکر یہ نے پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں فوجی مظاہروں اور عسکری کیمپ لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس وقت تک چھ ماہ کے عرصہ میں پانچ ہزار سے زائد نوجوان اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔ میانوالی، بھیرہ، ٹیکسلا، ہری پور ہزارہ و دیگر مقامات پر فوجی مظاہرے نہایت کامیاب رہے ہیں۔ جو لوگ اس نازک دور میں اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی سر بلندی کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں انہیں بہت جلد اس مبارک تحریک میں شامل ہو جانا چاہیے۔“

ادارہ عالیہ کے اہم اعلانات اور ہدایات:

- (1) بحوالہ شمس الاسلام۔ جون 1939، اشتراک عمل، تعاون علی الخیر، ضرورت تنظیم و وحدت عمل اور خدمت کی اعلیٰ مثال: انصار الاسلام کا فرض ہے کہ **جریدہ شمس الاسلام بھیرہ، جریدہ ضیاء الاسلام گلوالی دروازہ امرتسر جریدہ الارشاد امرتسر، جریدہ الفلاح چھوٹی لال کڑتی پشاور، جریدہ الاسلام کولونولہ کلکتہ کی سرپرستی کریں۔** یہ جرائد خاکساریت و الحاد کی تردید کے لیے جاری ہوئے ہیں۔ اپنے حلقہ کی کارگزاری کی رپورٹیں بھی اشاعت کے لیے ان جرائد میں ارسال کیا کریں اور ان جرائد کی توسیع اشاعت کو اپنا مذہبی فرض قرار دیں۔
- (2) ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں اور میانوالی کے اضلاع میں جس قدر انصار الاسلام (فوج محمدی) کی جماعتیں قائم ہو چکی ہیں وہ پریڈ سکھلانے کے لیے حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ، ضلع میانوالی ناظم اعلیٰ احتساب سے امداد طلب کریں۔ حضرت ممدوح ان کے پاس پریڈ کرانے والے عسکری کوروانہ کر دیں گے۔ دیگر امور کے متعلق ان اضلاع کی جماعتیں حضرت صاحبزادہ محمد فخر الزمان سجادہ نشین کوٹ چائن ڈاک خانہ کالا باغ سالار اعظم محمدی فوج سے مشورہ طلب کر سکتی ہیں۔
- (3) خدمت خلق اور دیگر کارگزاری کی ہفتہ وار رپورٹ مولانا محمد داؤد ناظم امور ادارہ محمدیہ عسکر یہ ٹیکسلا ضلع راولپنڈی کے پاس ہر جماعت کا ناظم ارسال کر دیا کرے۔
- (4) ”انصار الاسلام“ کے نشانات بازو پر چسپاں کرنے کے لیے دفتر جریدہ شمس الاسلام بھیرہ سے طلب کیے جائیں، نشان کی قیمت دو پیسہ فی نشان مقرر کی گئی ہے۔ جمیع معاونین و انصار کو چاہیے کہ **فصرت اسلام** کا یہ امتیازی نشان اپنے بازو پر چسپاں کرے۔

ادارہ محمدیہ عسکر یہ کا سیاسی اور فقہی مسلک:

ایک اہم اعلان (شمس الاسلام، جون 39) کے تحت طے کیا گیا ہے کہ ادارہ عالیہ اور انصار المسلمین یعنی افواج محمدی سیاسی مسلک سے بالا اور کسی مذہبی فرقے کے ساتھ پابند نہیں ہیں۔ گویا یہ اسلامی فریضہ فرقہ بندیوں اور سیاسی مصالح سے پاک ہے۔ مزید وضاحت کی گئی ہے۔

”موجودہ زمانہ کی سیاسی فرقہ بندی مسلمانوں کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے۔ جماعتی حیثیت سے انصار الاسلام (محمدی فوج) کا تعلق کسی سیاسی فرقہ کے ساتھ نہیں ہے۔ انفرادی حیثیت سے ہر انصاری اپنے اپنے سیاسی مسلک پر قائم رہنے میں آزاد ہے۔ مگر جماعتی حیثیت سے ہم اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور مذہب حقہ اہل سنت کی حفاظت و ترویج کے لیے کانگریس، احراری، لیگی غرض ہر سیاسی مسلک کے انسان کے لیے فوج محمدی کا داخلہ، جس طرح موجودہ سیاسی فرقے سیاسی نصب العین کے حصول کے لیے مذہبی اختلاف کو چنداں وقعت نہیں دیتے اسی طرح جہاں تک مذہب کی آزادی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا سوال ہے ہم ہر سیاسی فرقے کے ساتھ جماعتی حیثیت سے اشتراک عمل پر تیار ہیں مگر کسی کے ساتھ الجھنا یا کسی میں اپنے آپ کو مدغم کر دینا پسند نہیں کرتے“۔ (منجانب ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ بھیرہ)

فوج محمدی کے رہنما اصول:

مسلمانوں کے اندر تنظیم و تربیت، اطاعت امیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، خود کفالت و سادگی، خدمت خلق، مواخات اور تزکیہ نفس جیسے اعلیٰ اخلاقی خصائص اور اجتماعی خصوصیات پیدا کرنے کے لیے حضرت مولانا گوی نے فوج محمدی یعنی انصار الاسلام کے تشکیل کے لیے درج ذیل رہنما اصول طے کیے:

- 1- والمؤمنون و المؤمنات بعضهم اولیاء بعض یا مروون بالمعروف و ینہون عن المنکر کے حکم کی تعمیل میں مسلمانوں میں باہمی اتفاق و اتحاد پیدا کرنا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین اور برائی سے اجتناب کی ہدایت کرنا۔
- 2- اشداء علی الکفار و رحماء بینہم کی صفت اپنے میں پیدا کرنا۔ اللہ کے دشمنوں سے بیزاری اور ایمان والوں کی نمکساری و دلداری و اعانت کو اپنے پر لازمی سمجھنا۔
- 3- و اذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلماً کے مطابق کسی کے ساتھ مخاصمہ یا مجادلہ اور الد الخصام فطرت

کے اشخاص کے ساتھ مکالمہ و مناظرہ سے اجتناب۔

4- تراہم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود کی صفت پیدا کرنے کے لیے نماز پنجگانہ کی جماعت کے ساتھ پابندی، روزہ رکھنا اور بشرط استطاعت زکوٰۃ و حج کا فریضہ انجام دینے کے علاوہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو مقدم سمجھنا۔

5- رسوم و رواج، زندگی کا دستور العمل اور اپنا تمدن و معاشرت آقائے نامدارِ فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق بنانا۔

6- اللہ ایک ہے۔ لا شریک ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا مدعی کافر ہے۔ سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم و جملہ صحابہ امت کے لیے نجوم ہدایت ہیں۔ ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمۃ اللہ علیہم جمعین میں سے کسی ایک کی پیروی بھی باعث فلاح و نجات ہے۔ صرف عمل نجات کے لیے کافی نہیں، نجات کا مدار عقائد پر ہے۔ عقائد کے بغیر عمل کوئی چیز نہیں۔ فوج محمدی کا ہر رضا کار ان امور پر ایمان رکھتے ہوئے دوسرے فرقوں کو احسن طریق سے صراط مستقیم پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دے گا۔

7- اسلام کے سیاسی غلبہ اور مسلمانوں کی ہر قسم کی برتری و تفوق کے لیے ہر ممکن ایثار و سرفروشی کے لیے تیار رہنا۔

8- ہر قسم کی منشی اشیا مثلاً شراب، بھنگ وغیرہ کے خلاف جہاد کرنا۔

9- بلا لحاظ مذہب و ملت ہر قوم کے ضعیف، مظلوم و بے کس افراد کی خدمت کرنا اور خدمت خلق کے لیے ہمیشہ آمادہ عمل رہنا۔

10- اپنے افسران بالا کی اطاعت، پریڈ میں باقاعدہ حاضری، ضبط و نظم و نسق کی پابندی کے ذریعہ اپنے میں ایثار و خدمت کا جذبہ پیدا کرنا۔ تلک عشرہ کاملہ

(شمس الاسلام، جون 1939ء، ص 14)

سرگرمیاں:

ملک کے مختلف مقامات پر رائے عامہ کو ہموار کرنے، اہل الرائے کی تائید حاصل کرنے اور مقامی طور پر

محمدی فوج کو منظم کرنے کے لیے بڑی تیزی سے کام شروع کیا گیا۔ حضرت مولانا گبوی نے حزب الانصار کے مبلغین کی مرکزی ٹیم کے علاوہ اعزازی مبلغین کو بھی اس مہم میں شامل کیا۔ جہاں کسی بھی درجے میں خاکساریت کے خلاف کوئی سرگرمی جاری تھی اسے پوری رہنمائی اور اعانت فراہم کی۔ یہ اطلاعات باقاعدگی سے شمس الاسلام میں شائع ہوتی رہیں۔ حزب الانصار کی سرگرمیوں اور فوج محمدی کی کوششوں کا اجمالی تذکرہ شمس الاسلام کے صفحات سے پیش خدمت ہے:

ڈھونگ اور نڑالی میں مناظرہ:

قاضی منظور حسین صاحب اور مولانا قاضی مظہر حسین کا خاکساری وفد ملا مد ار اللہ سرحدی، مولوی محمد شفیع، حضرت شاہ وکیل کیمبل پور، مولوی عبدالرحمن کہوٹوی سے نڑالی میں اور مولوی محمد حسین ساکن راولپنڈی سے ڈھونگ میں مناظرے ہوئے۔ میر نڑالی اور ڈھونگ کے اجتماعات میں حزب الانصار کی طرف سے شائع کردہ رسالہ خاکساری مذہب نمبر 1 کثیر تعداد میں تقسیم کیا گیا۔ (شمس الاسلام، جنوری 39، ص 18)

فوج محمدی میانوالی:

تمام مجالس اسلامیہ کی متفقہ مرکزی مجلس، امیر حزب الانصار کی مشاورت سے طے کی گئی:

صدر: جناب اللہ داد خان رئیس عیسیٰ خیل، مفتی اعظم مولانا محمد زین الدین ترگ

ناظم عمومی: جناب محمد اکبر خان خنکی خیل،

ناظم تعلیمات: حافظ مولوی غلام جیلانی میانوالی

سالار اعظم: صاحبزادہ محمد فخر الدین کوٹ چاندنہ

فوج محمدی بھیرہ:

حزب الانصار کے نویں سالانہ جلسہ (24-26 فروری 1939ء) کے موقع پر پانصد باوردی رضا کاروں نے علماء کے استقبالیہ جلوس میں شرکت کی اور بازاروں میں پر جوش پریڈ کی۔ اس موقع پر رضا کاران اسلام نے زبردست حربی مظاہرہ پیش کیا۔

رضاکاران اسلام کا حربی مظاہرہ:

جریدہ شمس الاسلام بھیرہ اپریل 1939ء۔ ص: 15 میں حربی مظاہرہ کی رپورٹ درج ذیل ہے:

اس دفعہ سالانہ کانفرنس کے موقع پر رضا کاران اسلام کا حربی مظاہرہ بے حد کامیاب رہا۔ مسلم نوجوانان میں تنظیم و عسکریت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے حزب الانصار کے مخلص کارکنان کی مساعی بار آور ہوئیں۔ اسلامی اصول کے ماتحت مسلم نوجوانوں کا تنظیم کا کام وقت کے اہم اور ضروری مسائل میں سے ہے۔ بھیرہ کے انصار الاسلام کے علاوہ علاقہ چکوال کے خدام الاسلام کی جماعت بسرکردگی قاضی منظور حسین صاحب اللہ کاورد کرتی ہوئی بھیرہ میں وارد ہوئی۔ ضلع میانوالی کے مقامات ترگ، عیسیٰ خیل اور ٹھٹھی کے رضا کاروں (فوج محمدی) کی جماعتیں حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین مکھڑوی و صوفی اللہ داد خان رئیس اعظم عیسیٰ خیل و ڈاکٹر سید محمد شاہ نائب سالار اعظم فوج محمدی کی سرکردگی میں پیدل سفر کر کے بھیرہ پہنچ گئیں۔ انجمن انصار المسلمین نیکسلا کے رضا کاروں نے دو سو میل کا سفر سائیکلوں پر طے کیا۔ کانفرنس کے ایام میں رضا کاران کا حربی مظاہرہ اور انصار المسلمین کے حربی کمپ کا نظارہ مسلمانوں میں حیات نو پیدا کر رہا تھا۔ فوج محمدی نے فوجی پریڈ کا بہترین نظارہ پیش کیا۔ انصار المسلمین نے مصنوعی جنگ میں اپنی حیرت انگیز تنظیم کا مظاہرہ کیا۔ حزب الانصار کی طرف سے مولانا محمد داؤد ٹیکسلی، ڈاکٹر سید محمد شاہ و قاضی منظور حسین صاحب و جملہ رضا کاران کا شکر یہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ تمام حضرات خاص طور پر ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔

مورخہ 24 و 25 فروری ہر دو روز بعد نماز عصر عید گاہ کے سامنے کھلے میدان میں اڑھائی میل کے محاذ میں رضا کاران اسلام نے مصنوعی جنگ کا شاندار نظارہ پیش کیا۔ کم و بیش 30 ہزار انسانوں نے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔ رضا کاروں کا مورچے قائم کرنا، فائرنگ اور گولہ اندازی کرتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھنا۔ غنم کا محاصرہ کرنا۔ زخمیوں کی طبی امداد کا مکمل انتظام۔ غنم کی گرفتاری اور خالص اسلامی جذبات کا اظہار۔ غرض جملہ مناظر و لولہ انگیز اور زندگی بخش تھے۔

ان کوششوں سے ”محمدی فوج“ کی تحریک دن بدن مقبول ہوتی اور شہر شہر پھیلتی جا رہی تھی۔

ماہنامہ شمس الاسلام بطور پندرہ روزہ:

اگرچہ جریدہ اپنی پالیسی کے مطابق قادیانیت اور شیعیت کے خلاف مصروف جہاد تھا مگر مشرقیت کی افتاد پڑنے پر علماء کی توجہات بڑی تیزی اور پوری تندہی سے خاکساریت کی طرف مبذول ہوئیں۔ چنانچہ ”شمس الاسلام“ میں خاکساری تحریک کے خلاف زبردست تردیدی مواد چھپنے لگا۔ اس کے ساتھ جگہ جگہ قائم ہونے والی فوج محمدی کی اطلاعات اور مرکزی ہدایات کے لیے ضروری ہوا کہ شمس الاسلام، خاکساری جریدہ ’الاصلاح‘ کے برابر طبع ہو کر کارکنوں اور جماعتوں کو پہنچتا رہے۔ چنانچہ مجلس مرکز یہ حزب الانصار بھیرہ نے فیصلہ کیا کہ یکم جنوری 1940ء سے شمس الاسلام بجائے ماہانہ کے، پندرہ روزہ شائع ہوگا۔ (شمس الاسلام، دسمبر 1939ء)

افواج محمدی کے تبلیغی اور عسکری کیمپ:

ذیل میں چند شہروں کی تنظیم فوج محمدی اور بعض جگہوں پر منعقدہ تبلیغی اور عسکری کیمپوں اور حربی مظاہروں کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

- ☆ ایبٹ آباد: 24-25 جون 1939ء شریک دستے سرائے صالح، ملکیار، ہری پور، لوسر، مقامی امیر حزب الانصار کی عدم موجودگی میں مولانا محمد داؤد ٹیکسٹوئی ناظم ادارہ عالیہ عسکریہ محمدیہ، وزیر الحرب بشمولیت قاضی صاحب دھموڑہ مع دس بارہ ہزار جمعیت کیمپ جناب ڈاکٹر سردار محمد خان۔
- ☆ لوسہر ضلع راولپنڈی: 2 جولائی 1939ء جنگی مظاہرہ اور تبلیغی جلسہ
- ☆ کیمبل پور: 28-29-30 جولائی 1939ء بشمولیت حضرت امیر حزب الانصار
- ☆ کوٹ چاند نہ ضلع میانوالی: یکم نومبر 1940ء ٹھٹھی، کالا باغ، پائی خیل و مندرہ خیل کے انصار فوج محمدی کو چار گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ اول مسائل وضو اور عقائد سمجھانے کے لیے۔ دوم پنج بنائے اسلام اور عقیدہ مفصل۔ سوم آخری دس سورتوں کا ترجمہ اور تردید مذاہب شیعہ و مرزائی۔ چہارم سیرۃ النبی اور مناقب خلفائے راشدہ و صحابہ۔ صدارت مولانا سید محمد فخر الزمان۔
- ☆ سندھ: مولانا صاحبزادہ محمد زین الدین (ترگ شریف) قاضی و محتسب فوج محمدی نے سندھ میں بخشاپور ضلع جیکب آباد، کندھ کوٹ، کشمور اور دیگر مقامات پر جماعتیں قائم کیں۔
- ☆ کراچی: 17 مئی 1940ء کو امیر حزب الانصار برفاقت مولانا عبدالرحمن میانوالی کراچی پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر فوج محمدی کے رضا کار اور معززین شہر استقبال کے لیے موجود تھے۔ جن میں جناب فضل کریم فضل امیر العساکر، حاجی غلام حسین ناظم تبلیغ، جناب سرفراز خان ناظم دفتر، سکندر خان و فیروز خان ناظم فوج، دران خان صاحب ناظم۔ محمد حسین صاحب امیر العساکر، غلام محمد صاحب و دیگر افسران فوج محمدی شامل ہیں۔ (شش الاسلام، یکم جون 1940ء)
- ☆ صوبہ یوپی: ضلع مراد آباد، میرٹھ و بریلی کے اطراف و اکناف اور امر وہہ میں تنظیم۔
- ☆ ڈھاکہ بنگال: جناب عبدالرحمن ناظم فوج محمدی ڈھاکہ۔ جناب ڈاکٹر محمد شہید اللہ ایم اے۔ بی ایل پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی: 300 نشانات نصرت کی ضرورت، تحریک فوج محمدی کی کامیابی۔
- ☆ کلکتہ: دفتر فوج محمدی نمبر 20 زکریا اسٹریٹ۔ قاری حکیم عبدالرحیم ناظم۔ رفقاء: خواجہ عبدالرشید صاحب سوداگر ہڈی۔ حکیم سکندر شاہ صاحب۔ مولانا عبدالغنی

☆ یوپی: بروز اتوار 3 مارچ 1940ء کو مولانا ظہور احمد گوی کا پر جوش استقبال کان پور ٹیشن پر۔ احرار اسلام، اتحاد ملت اور جمعیتہ العلماء ہند کے اراکین موجود۔ نیلی پوش و سرخ پوش رضا کاروں کی مع بینڈ سلامی۔ شب مولانا ابوطاہر سجادہ نشین کی زیر صدارت جلسہ۔ کثیر اجتماع، خاکساریت پر زبردست خطاب۔ 4 مارچ کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں فوج محمدی کا پور کی تشکیل۔ مولانا محمد یونس امیر العسکر فوج محمدی نامزد۔

☆ لکھنؤ: سید امیر حسن ناظم تبلیغ فوج محمدی لکھنؤ۔ ماسٹر محمد اسحاق امیر العسکر

☆ بھکوال ضلع راولپنڈی: قاضی محمد حسن اور قاضی محمد اکرم، قاضی سلطان محمود اور راجہ حشمت علی خان

☆ اراضی ضلع راولپنڈی: قاضی عبدالغفور نائب امیر العسکر، بھرتی تین انصار، مولوی غلام رسول سابقہ خاکسار

اب انصار

☆ مگھیانہ: عبدالرحمن گھڑی ساز

☆ چنیوٹ: سید منظور الحق

☆ کبروڑیکا ضلع ملتان: امیر العسکر مولوی محمد سعید حیلہ۔ بھرتی جاری۔

☆ چکوال ضلع جہلم: قاضی منظور حسین صاحب کی جماعت خدام الاسلام بھیں نے ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ سے

الحاق کا فیصلہ کر لیا۔ امیر العسکر جہلم مقرر۔

☆ مکھڈ شریف: ضلع کیمبل پور کے امیر العسکر رسالاراعلیٰ صاحبزادہ محمد فضل الدین صاحب خلف الرشید

مولانا احمد الدین مقرر، مکھڈ اور پنڈی گھیب میں جیوش کا قیام۔

☆ گولڑہ شریف: عرس کے موقع پر انصار المسلمین کی شاندار خدمات۔

☆ بنوں: امیر العسکر خان محمد یوسف خان۔ انصار الاسلام کی تعداد دو صد سے تجاوز۔

☆ لکی مروت: خان محمد جان رئیس و مولانا حافظ غلام مصطفیٰ صدیقی۔

☆ ڈیرہ اسماعیل خان: مولانا محمد حیات و غلام یسین صاحب و دیگر احباب۔

☆ ٹانک: فوج محمدی کی بھرتی جاری۔

☆ ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ ٹیکسلا: ناظم مولانا محمد داؤد ٹیکسلوی۔

☆ علاقہ سون: پیرزادہ محمد شفیع ناظم انگہ۔ غلام محمد صاحب امیر العسکر، غازی محمود نوشہروی ناظم عسکر

☆ تحصیل کوہ مری ضلع راولپنڈی: راجہ محمد اعتبار خان۔ سردار نور خان۔ راجہ کالا خان امیر عسکر۔ حاجی محمد حسین

خان۔ حاجی دلیل خان۔ راجہ غلام محمد خان۔ چودھری محمد شریف خان۔ راجہ کوردل خان۔ محمد اعظم خان۔

مولانا غلام خان۔ مولانا محمد سعید خطیب جامع مسجد کوہ مری۔ مولانا حبیب الرحمن رواتی۔ چودھری محمد تنی خان

نائب امیر عسکر

- ☆ بنوں: ملک محمد یوسف خان امیر العسکر۔
- ☆ میانی: مولانا محمد افضل خطیب مسجد غربی ناظم۔
- ☆ منڈی بہاگلروان: محمد یعقوب ناظم۔ محمد یوسف خان خازن۔ مولانا صالح محمد ناظم تبلیغ، حاجی فضل الہی۔
- ☆ راولپنڈی: مجلس انصار المسلمین۔ صدر مولانا مولانا بخش قصوری، سیکرٹری شیخ محمد امین بٹ۔
- ☆ لکھنؤ: ماسٹر محمد اسحاق امیر عسکر۔ حکیم محمد فاروق نائب امیر عسکر۔ سید محمد امیر حسن ندوی ناظم تبلیغ۔ مولوی محمد حسین خازن۔ جمیل احمد مہتمم فوج۔
- ☆ موضع نون ضلع راولپنڈی: قاضی محمد مصطفیٰ ناظم تبلیغ۔ غلام حسین ناظم فوج۔
- ☆ بھیرہ: قاضی محمد رمضان صاحب ناظم حلقہ مغربی۔ قاضی شیر محمد صاحب ناظم حلقہ جنوبی۔ محبوب الہی صاحب ناظم اول۔ عبدالمجید صاحب مہتمم فوج۔ حافظ محمد رفیق صاحب ناظم۔ ملک خان محمد صاحب امیر العسکر۔ حافظ محمد رمضان صاحب ناظم فوج۔ فضل الہی صاحب ناظم دفتر۔
- ☆ تحریک فوج محمدی کشمیر میں: سری نگر ریاست کشمیر میں انصار المسلمین کی جماعت قائم کی گئی جس میں اکتوبر 1940ء تک 69 نوجوان شامل ہو چکے تھے۔ غلام رسول بٹ صاحب جماعت کے ناظم مقرر ہوئے جن کے ساتھ شاہ محمد و محمد رمضان صاحب، غلام مصطفیٰ صاحب، علی محمد صاحب، غلام محمد شاہ صاحب، شیر محمد صاحب، غلام حسن صاحب، نور محمد صاحب، غلام محمد شاہ ولد عزیز شاہ صاحب، غلام شاہ صاحب، رحیم شاہ صاحب، مہرش شاہ صاحب، محمد شاہ صاحب اور محمد یسین کی مساعی جمیلہ شامل تھیں۔
- (شمس الاسلام، نومبر 1940ء، ص 5)
- ☆ خانقاہ نقشبندیہ زکوڑی شریف: صاحبزادہ عبداللہ جان و صاحبزادہ حبیب اللہ اور فقیر صاحب اماں خیل
- ☆ تونسہ شریف: حضرت خواجہ نظام الدین سجادہ نشین تونسہ شریف کا خاکساری تحریک سے بیزار اور افواج محمدی کی تائید و تحسین۔
- ☆ جلال پور شریف: حضرت صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین اور حضرت امیر حزب الانصار کے درمیان عرصہ سے اختلافات موجود تھے۔ شاہ صاحب مدوح خاکساری تحریک کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے اور مشرقی کے کفریہ اقوال کی تاویل بھی فرمادیا کرتے تھے۔ درج ذیل جوابی مراسلے میں حضرت شاہ صاحب نے امیر حزب الانصار کے جذبہ عمل کو مستحسن قرار دیا ہے اور اشتراک عمل کا وعدہ فرمایا ہے۔
- (شمس الاسلام، جون 1939ء، ص 12-13)

بسم اللہ تعالیٰ

جلال پور شریف

17 ربیع الاول 58ھ

مکرم و محترم جناب مولوی صاحب و فقہنا اللہ سبحانہ وایاکم لما سجدہ ویرضاه
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

یاد فرمائی کا شکر یہ! ترسیل جواب میں توقف علالت کے سبب ہوا۔

فتنہ خاکساری کے خلاف اس فقیر کا اقدام الحب للہ و البغض للہ کے عین مطابق ہے۔ جبکہ ملحد
مشرقی کی ریشہ دوانیاں اور علمائے کرام و متصوفین عظام کے خلاف اس کی ہرزہ سرانیاں حد اعتدال سے
متجاوز ہو چکی ہیں۔ اور اس کے مزعومہ جہاد کی غایت و غرض محض امت مرحومہ کے اکابر و عمائد کی تیغ کئی، عامۃ
المسلمین کو ان سے بدظن کرنے اور اسلامی ستاروں کو بے حقیقت بنانے سے ہے۔ آغاز کار میں ظن
المومنین خیرا کے حسب فحوائے یہ فقیر مخالفت میں متامل رہا۔ مگر اس کی موجودہ روش سے یہ نتیجہ نکالنا
بالکل آسان ہے کہ وہ ضال مطلق بن کر مسلمانوں کے مال اور ایمان پر متصرف ہونا چاہتا ہے۔

گزشتہ دورہ حزب اللہ میں ہر ایک مقام پر صاف اور غیر مبہم الفاظ میں بلا لومۃ لائم اس کی مخالفت
کی تھی اور حاضرین کو اس کے خیالات و عقائد سے متعارف کیا گیا۔

آپ کی مساعی جمیلہ جو آپ نے اس فتنہ ملعونہ کے انسداد و استیصال کی غرض سے اختیار کر رکھی
ہیں لائق تحسین و ستائش ہیں۔ یہ فقیر اس معاملہ میں آپ سے اشتراک عمل کرنے کے لیے بالکل تیار ہے۔
بعض ناخوشگوار معاملات پیدا ہو جانے کے باوجود اگر آپ کے دل میں محبت کا اثر موجود ہے تو
یہ فقیر بھی آپ کے دیرینہ، خوشگوار، برادرانہ، محبت آمیز تعلقات کو نہیں بھولا اور نہ بھول سکتا ہے۔ و عسی
اللہ ان یحدث بعد ذلک امرا۔ واللہ معکم

خیر طلب: فقیر ابوالبرکات کان اللہ لہ امیر حزب اللہ

علمائے بنوں کا اعلان حق:

مجلس حزب الانصار اور افواج محمدی کے ذریعے جیسے جیسے احقاق حق اور ابطال باطل کا محاذ گرم ہوتا گیا
جگہ جگہ علماء خاکساری عزائم اور افکار سے باخبر ہوتے گئے۔ چونکہ تحریک اور تنظیم ایک خاص موضوع تھا جس میں
ایک طرف شرکی تیغ کئی تھی اور دوسری طرف خیر کی تخم ریزی، سوعلماء نے ادارہ حزب الانصار اور حضرت مولانا بگویی
کی مساعی کی تحسین کی اور اس اہم کام کے لیے ان ہی کی قیادت و سیادت کی توثیق کی۔ علاقہ بنوں کے علماء نے
”خاکساروں کو دعوت حق“ کے نام سے جو اعلان شائع کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

”عنایت اللہ المشرقی کی تحریک ہم باطل زنجیر کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں..... ہم ایک بار پھر

اتمام حجت کے طور پر مشرقی کو مطلع کرتے ہیں کہ شرائط مناظرہ طے کرنے کے بعد تحقیق حق کے لیے تیار ہو جاؤ..... اگر وہ مناظرہ کے لیے تیار نہ ہو تو زروئے شریعت اس کی تنظیم میں شریک ہونا حرام اور ناجائز اور بے دینی ہے۔ ہم مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اسلام کے انصار بن کر فوج محمدی میں شامل ہو جائیں اور صحیح اسلامی اصولوں کے ماتحت عسکریت کا جذبہ پیدا کریں، محمدی فوج (انصار المسلمین) کی شاخیں ملک کے طول و عرض میں قائم ہو رہی ہیں۔ ہمیں اس فوج کے اصولوں سے کامل اتفاق ہے۔ بنوں میں بھی محمدی فوج کی بھرتی جاری ہے اور مختلف مواضع سے تقریباً دو سو سپاہیوں کے نام امیر العسا کر خان محمد یوسف خان کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ جملہ مسلمانان بنوں کو چاہیے کہ حضرت مولاناظہور احمد بگوی صدر مجلس حزب الانصار بھیرہ و قائد اعظم کے ارشاد کے مطابق محمدی فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ مشرقی کو مناظرہ کرنا منظور ہو تو حضرت مولانا بگوی صاحب حق صاحب مولوی عبدالرؤف صاحب آف بنوں ناظم تبلیغ محمدی فوج کو اطلاع دی جائے۔“

دعوت حق کے اعلان پر درج ذیل علماء کے دستخط ہیں:

- مولوی محمد رحمان صاحب
- مولوی محبت الدین صاحب
- مولوی محمد اکبر صاحب
- مولوی صاحب حق عبدالرؤف صاحب
- مولوی غلام یحییٰ صاحب
- مولوی محمد یوسف صاحب
- مولوی خلیفہ میر یعقوب شاہ صاحب
- مولوی امیر محمد صاحب
- مولوی عبدالکریم صاحب
- مولوی محمد صدیق صاحب
- مولوی احیاء الدین صاحب
- مولوی صدر الدین صاحب
- مولوی فقیر شاہ صاحب
- مولوی محمد سلطان صاحب
- مولوی امیر شاہ صاحب
- مولوی مصباح الدین صاحب
- مولوی عبدالرحیم صاحب
- مولوی علی محمد صاحب
- مولوی عبدالحق صاحب
- مولوی عبدالرحمن صاحب
- مولوی حمید اللہ جان صاحب
- مولوی گل رحمن صاحب
- مولوی محمد شاہ صاحب
- مولوی بہرام خان صاحب
- مولوی شاہ مقصود صاحب
- مولوی عبداللہ خان صاحب
- مولوی حبیب شاہ صاحب
- مولوی محمد حلیم صاحب
- قاضی حبیب نواز صاحب
- مولوی حبیب الرحمن صاحب
- مولوی شرف الدین صاحب

ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ کے اہم فیصلے:

سالانہ مجلس مشاورت کا اجلاس 8-9 جولائی 1940ء کو میانوالی میں منعقد ہوا جس میں تیس مجالس (شاخوں) کے نمائندے شامل ہوئے۔ دو روز کی بحث کے بعد طے شدہ فیصلوں کی روشنی میں درج ذیل ہدایات اور اعلانات تنظیم کے ہیڈ کوارٹر بھیرہ سے جاری ہوئے۔ (شمس الاسلام، 16 جولائی 1940ء ص 2)

☆ ادارہ عالیہ محمدیہ کا (صدر) مقام ٹیکسلا کے بجائے بھیرہ مقرر کیا گیا ہے۔ آئندہ کے لیے ادارہ کے نام کی جملہ خط و کتابت ٹیکسلا کے بجائے ناظم ادارہ عالیہ محمدیہ بھیرہ پنجاب ہونی چاہیے۔ تمام جماعتیں اپنی کارگزاری کی پندرہ روزہ رپورٹیں بھیرہ کے پتہ پر ارسال کیا کریں۔

☆ حکومت پنجاب نے پریڈ فوجی مظاہروں پر جو پابندی عائد کی ہے، اس کی بنا پر جملہ مجالس صوبہ پنجاب کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی جگہ بھی حکومت کے ساتھ ٹکراؤ پیدا نہ کریں اور

اپنی سرگرمیاں خدمت خلق، ترغیب صلوة، مساجد کی آبادی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر تک محدود رکھیں۔

☆ جن صوبوں میں فوجی مظاہروں اور پریڈ پر حکومت کی طرف سے پابندی عائد نہیں، وہاں پر حسب سابق تمام جماعتیں عمل کرتی رہیں۔

☆ سابقہ دستور العمل منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ 10 جولائی سے سابقہ دستور العمل کو منسوخ سمجھا جائے۔ تمام جماعتیں جدید دستور العمل ادارہ سے طلب کریں۔ جدید دستور العمل ایک ہفتہ کے اندر طبع ہو جائے گا۔ جس قدر نسخے درکار ہوں، ان کی قیمت دو پیسہ فی نسخہ کے حساب سے روانہ کر کے طلب کریں۔

☆ حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین تحریک فوج محمدی کے قائد اعظم منتخب ہوئے ہیں۔ لہذا حضرت مدوح کے حکم کی تعمیل ہر رضا کار کے لیے لازمی ہوگی۔

☆ جدید دستور العمل کی رو سے مرکز کے مصارف کے لیے قائد اعظم صاحب کے ماتحت ایک مرکزی بیت المال قائم کیا گیا ہے۔ تمام جماعتیں ہر رضا کار سے کم از کم 2 آنے سالانہ چندہ وصول کر کے بیت المال کے نام روانہ کریں۔

تمام رقوم بنام حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین قائد اعظم تحریک فوج محمدی مقام ترگ ضلع میانوالی ارسال ہوں۔

☆ جن مقامات پر گزشتہ ششماہی میں جماعتیں قائم ہوئی ہیں وہ بہت جلد رضا کاروں کی فہرست ادارہ میں

روانہ کریں۔

☆ جدید دستور العمل کے مطابق رضا کاران فوج محمدی کا پہلا تبلیغی کیمپ بہت جلد بھیرہ میں منعقد ہوگا۔ اس کے متعلق قائد تبلیغ صاحب کی طرف سے جملہ جماعتوں کے نام ہدایات جاری کی جائیں گی۔

پابندی:

حکومت پنجاب کے ایک فوری حکم پر ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ نے درج ذیل اعلان جاری کیا: ”حکومت ہند نے اپنے تازہ اعلان میں ہندوستان بھر کی تمام والنظیر جماعتوں پر پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ فوجی وردی پہننا یا فوجی مظاہروں میں حصہ لینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لہذا فوج محمدی کی تمام جماعتیں آئندہ اپنی سرگرمیاں خدمت خلق، ترغیب صلوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر تک محدود کر دیں۔ سفید کپڑوں کے ساتھ بازو پر نشان ”نصرت“ لگانا منع نہیں ہے۔ لہذا یہ نشان ہر رضا کار اپنے بازو پر چسپاں کر سکتا ہے۔ مگر وردی کا استعمال ترک کر دیں۔ اس سلسلہ میں ادارہ کے ارکان کا ایک جلسہ کسی مرکزی مقام پر منعقد ہوگا۔ جس میں حکومت کے اعلان کی روشنی میں جماعت کے لیے جدید لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا۔“

(از بھیرہ 16 اگست 1940ء۔ شمس الاسلام)

خدمت خلق کا متبادل پروگرام:

حکومتی پابندی نے اگرچہ فوجی قسم کی متشابہات، حرکات اور مصروفیات پر پابندی لگا دی تھی مگر حضرت مولانا گبوی کے ذہن رسا اور دل درد آشنا نے مسلمان عوام کے جذبوں اور ان کی فعالیت کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ بلکہ آپ نے افواج محمدی کی تمام تنظیموں کا رخ خدمت خلق، ترغیب صلوٰۃ، اصلاح رسوم اور تبلیغ دین کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ بعد کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے افواج محمدی نے خدمت خلق، صلح، امن، صفائی عامہ، لاوارث اور غریب لاشوں کی تدفین اور دیگر نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

فوج محمدی کی جدید جماعتوں کا قیام:

• ضلع کیمبل پور میں حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین کے دورے میں مگھیان، پڑی، امدال، کنڈی، پنڈی گھیب، گرنال، لنگڑیاں میں جماعتیں قائم ہوئیں اور باقاعدہ عہدے دار مقرر کیے گئے۔ مولانا محمد داؤد قائد ضبط نے لوسر شرفو، گڑھی افغاناں، کولیاں کا معائنہ کیا۔ مولانا قاضی شمس الدین ہزاروی رکن ادارہ عالیہ محمدیہ نے ایبٹ آباد میں علاقہ رش کے مواضعات شیخ الناندی، نواں شہر، میرپور، دھمتوڑ، سرپہنہ، اور قہاراں کے علاوہ سرانے

صالح، سکندر پور، ملکیار، ہری پور میں فوج محمدی کا پیغام پہنچایا۔ صاحبزادہ محمد فخر الدین نے کوہاٹ کا دورہ کیا۔ حزب الانصار کے باضابطہ اور اعزازی مبلغین ملک کے جن شہروں میں پہنچے وہاں خاکساریت کی حقیقت واضح کرنے کے ساتھ فوج محمدی رانصار الاسلام کی تشکیل اور رضا کاروں کی بھرتی کا کام پورے جوش و خروش سے جاری رکھا۔ جس سے سینکڑوں جماعتیں سرگرم عمل ہوئیں اور ان سب کی سرگرمیاں ایک نظم کے تحت فعال ہوئیں۔

اصلاح و فلاح:

جب انگریز حکومت نے فوج محمدی کی بعض سرگرمیوں پر پابندی عائد کی تو حضرت امیر حزب الانصار نے رضا کاروں اور کارکنوں کو سماجی بہبود اور اصلاح کے کاموں پر لگا دیا۔

شمس الاسلام ستمبر 1940 سے ان خدمات کا مختصر ذکر پیش خدمت ہے:

تنازعات کے فیصلے:

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ میں قائم کردہ دارالقضاء میں شرعی فیصلے شرعی طریقہ سے مکمل تحقیقات کے بعد صادر ہوتے رہتے ہیں۔ فوج محمدی کی جماعتیں جہاں جہاں قائم ہیں وہاں بھی یہ سلسلہ جاری ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے جملہ تنازعات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کسی مستند عالم سے کرایا کریں۔ چک نمبر 116 میں سلیمان ولد زمان اعوان اور شیر محمد ولد عثمان اعوان کے درمیان عناد و خصومت ترقی پذیر تھی۔ ہر دو خاندان تباہی و بربادی کے کنارہ پر تھے۔ فوج محمدی کے 35 انصار نے جمع ہو کر ان کے گھروں میں جا کر مصالحت پر مجبور کیا۔ الحمد للہ کہ انصار کی مساعی کامیاب ہوئیں۔ اور ان کے تنازعات ختم ہو چکے ہیں۔ اور دونوں خاندان باہم شیر و شکر کی طرح متحد ہو گئے ہیں۔

مسلم مستورات اور خرید و فروخت:

حزب الانصار عرصہ سے مسلمانوں کو تجارت کی طرف راغب کرنے کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں دیہات کی مسلمان عورتوں کو بازاروں میں خرید و فروخت سے باز رکھنے کے لیے ایک مہم کا آغاز کرنا پڑا۔ کئی جگہ ناکامی بھی ہوئی۔ مگر الحمد للہ کہ علاقہ بار کے اکثر دیہات خصوصاً کوٹ مومن، لیلیانی، بجن وغیرہ میں یہ تحریک کامیاب ہو چکی ہے۔

چک نمبر 116 ضلع لائل پور میں فوج محمدی کی جماعت نے بھی مسلم عورتوں کو بازاروں میں جانے سے روک دیا ہے۔ اس کے لیے فوج محمدی کے انصار مبارک باد کے لائق ہیں۔

شمس الاسلام

بطور ترجمان

مجلس مرکزیہ و ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ

تبدیلی:

جریدہ شمس الاسلام بھیرہ، حزب الانصار کے ترجمان کی حیثیت سے 1930ء سے شائع ہو رہا تھا۔ منظور شدہ ڈیکریشن کے مطابق اس کا کتابی سائز 8.5x6.5 انچ تھا۔ علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک کے خلاف ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ اور افواج محمدی کی تنظیم کے بعد ان کی ترجمانی کا فریضہ بھی شمس الاسلام کے سپرد ہوا۔ چنانچہ جلد 10 شمارہ 10 یکم اکتوبر 1939ء مطابق 16 شعبان المعظم 1358ھ شمس الاسلام میں درج ذیل تبدیلیاں آئیں۔

1- سرورق کی پیشانی پر اضافہ اور اندراج:

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ اور انصار کی عسکر یہ تنظیم یعنی محمدی فوج کا ترجمان

2- نیم اخباری سائز 12 x 13 انچ

3- ماہانہ کی بجائے پندرہ روزہ

4- چندہ دور روپے سالانہ (سابقہ چندہ ڈیڑھ روپیہ) قیمت میں صرف آٹھ آنے اضافہ۔

یکم اکتوبر 1939ء سے شمس الاسلام کے صفحات میں درج ذیل اصحاب خاکساریت کے خلاف قلمی اور علمی محاذ پر مصروف نظر آتے ہیں۔ کچھ اہل قلم کے نام پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

1- حضرت مولانا ظہور احمد گوی

2- پیرزادہ مولانا ابوالضیاء بہاء الحق قاسمی امرتسری

3- جناب مومن سرحدی

4- مولانا ابوالنور محمد بشیر کولوی (سیالکوٹی)

5- مولانا محمد عالم آسی امرتسری

6- مولانا عبدالصمد رحمانی مولگیری

7- مولانا سعید احمد

8- مولانا عبدالجبار الوہری مبلغ مجلس دعوت الحق تھانہ بھون

9- علامہ حکیم تاج الدین تاج

10- مولانا احمد اللہ ہردوئی

پندرہ روزہ شمس الاسلام:

یکم اکتوبر 1939ء کے پہلے شمارے کے پہلے صفحے پر ”جریدہ شمس الاسلام کا دور جدید“ کے زیر عنوان حضرت مولانا بگویی ماہانہ کی بجائے پندرہ روزہ کرنے پر لکھتے ہیں:

”خداے برتر و ذوالجلال کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ضعیفوں اور ناتوانوں کو اپنے فضل و اکرام سے خدمت دین متین کی توفیق عطا فرمائی۔ اور لوائے اسلام کے بلند رکھنے اور عقائد حقہ اسلامیہ کی حفاظت اور تمام مذہبی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے غیب سے وسائل و ذرائع پیدا کر دیئے۔ اور دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔ یکم اکتوبر سے جریدہ شمس الاسلام کے نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ پالیسی اور مقاصد میں اس تبدیلی سے کسی قسم کا فرق رونما نہ ہوگا۔۔۔۔۔“

اس شمارے میں ’کیفیت کارکردگی‘ کے تحت حزب الانصار کی تبلیغی اور دارالعلوم عزیزہ کی تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ افواج محمدی کی مصروفیات اور ادارہ عالیہ عسکریہ محمدیہ کی طرف سے اعلانات و ہدایات ہیں۔ کسی مبصر کے قلم سے منظوم تاریخ شیعہ ہے۔

مومن سرحدی کے قلم سے ”فتوحات مشرقی“۔ ”قادیانی اور مشرقی کی مشابہت اور تحریک خاکساران کا مقصد“۔ ”کیا خاکسار اسلامی جماعت ہے؟“ کے عنوان سے مضامین ہیں۔

”حکومت صوبہ جات متحدہ اور خاکسار“ کے عنوان سے خاکساروں کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت مولانا بگویی کی تردید شیعیت پر تصنیف ”صور اسرافیل“ پر مولانا حکیم عبدالرسول بکھروی کی فارسی تقریظ شائع ہوئی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ کے خلاف مرزا قادیانی کے اقوال اور ”ابن مریم کی آمد ثانی“ پر مولانا حبیب اللہ امرتسری کے مضامین ہیں۔

اس شمارے میں علامہ عنایت اللہ خان مشرقی اور دیگر خاکساروں کے اقرار ناموں کے عکس بھی شائع کیے گئے ہیں۔

صفحہ آخر پر ”آخری گزارش“ کے تحت ہمدردان ملت اور قارئین رسالہ اور کارکنان جماعت سے مالی امداد کی اپیل ہے۔ کیونکہ رسالہ کو پندرہ روزہ کرنے کے ساتھ ہی مجلس، مدرسہ اور جریدہ تینوں کی مشکلات خصوصاً مالی مسائل میں فوری اضافہ پریشانی کا باعث بنا نظر آتا ہے۔

رسالہ شمس الاسلام بھیرہ اخباری سائز میں یکم اکتوبر 1939ء سے یکم مارچ 1940ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس سے پہلے حضرت مولانا گبوی اہم ”خاکساری نمبر“ کی خصوصی اشاعت کا اعلان کر چکے تھے مگر ان کی مصروفیات، مختلف محاذوں اور مہمات پر اتنی زیادہ ہو چکی تھیں کہ ان کے لیے نئے پروگراموں اور منصوبوں پر کام کرنا انتہائی مشکل تھا۔ یکم اپریل 1940ء سے شمس الاسلام بھیرہ نے گواپنی نئی حیثیت برقرار رکھی مگر ماہانہ رسالے کے پرانے سائز یعنی 8.5x6.5 انچ پر لوٹ آیا۔ پالیسی حسب سابق برقرار رہی۔ یہ سلسلہ اپریل سے دسمبر 1940ء تک چلتا رہا اور مولانا جیسے تیسے بن پڑا پندرہ دنوں کے بعد رسالہ شائع کرتے رہے اور رسالہ بدستور مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ اور ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ اور افواج محمدی کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا رہا۔ یکم دسمبر 1941ء سے شمس الاسلام دوبارہ ماہانہ شکل میں شائع ہونے لگا۔

مولانا قاسمی بطور اعزازی مدیر:

شمس الاسلام میں خاکساریت کے خلاف اگرچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا محمد عالم آسی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا منظور احمد نعمانی جیسے فاضل علماء کے مضامین چھپتے رہے جن سے اہل علم نے لازماً استفادہ بھی کیا مگر اس تحریک کے صحیح خدوخال سادہ زبان میں عوام تک پہنچانے کے لیے مولانا بہاء الحق قاسمی، مولانا ظہور احمد گبوی اور جناب مومن سرحدی جیسے سادہ اور آسان زبان میں لکھنے والے اہل قلم ہی زیادہ موثر اور مفید کردار ادا کر سکتے تھے۔ چنانچہ ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ کی تشکیل اور افواج محمدی کی توسیع کے دوران تردید خاکساریت کے لیے حضرت مولانا گبوی کو مولانا قاسمی کی قلمی اور علمی اعانت حاصل ہوئی۔ 16 جون 1940ء سے 16 اکتوبر 1940ء تک مولانا بہاء الحق قاسمی شمس الاسلام بھیرہ کے مدیر اعزازی رہے اور پھر غالباً کسی قانونی وجہ کی بنا پر یکم نومبر 1940ء سے اگست 1941ء تک رسالہ شمس الاسلام کے مرتب رہے۔ اس دوران انتظامی امور کے لیے حزب الانصار بھیرہ میں میجر رسالہ اور علمی اور تحریری امور کے لیے مولانا قاسمی اپنی رہائش گلو والی دروازہ امرتسر میں مصروف کار رہے۔ کچھ عرصہ تک رسالے کی کتابت بھی امرتسر میں ہوتی رہی۔

”عرض حال“ کے تحت شمس الاسلام 16 جون 1940ء (ص 2) کے تحت مولانا گبوی لکھتے ہیں:

”جریدہ ہذا کے لیے مولانا پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی نے بغیر کسی معاوضہ کے اپنی خدمات پیش کر کے حزب الانصار کو ممنون فرمایا ہے۔ اسی لیے سرورق پر مولانا ممدوح کا اسم گرامی بحیثیت مدیر اعزازی درج ہے۔ امیر حزب الانصار مسلسل تبلیغی مشاغل کی بنا پر جریدہ کی ترتیب پر اپنی

کامل توجہ مبذول کرنے سے قاصر تھے، امید ہے مولانا قاسمی کی علمی قابلیت اور وسیع تجربے کی بنا پر جریدہ ہمیشہ از پیش مقبولیت حاصل کرے گا۔“

خاکساری فتنہ:

اس کتاب میں مولانا قاسمی نے خاکسار تحریک کے بارے میں تفصیلی معلومات کے ذریعہ طبقہ علماء کو اس کے اصل مقاصد کی طرف توجہ دلائی۔ یہ کتاب چار سال کے عرصے میں 5 دفعہ ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ اسے پڑھ کر جہاں علماء، علامہ مشرقی کی تعلیمات سے باخبر ہوئے وہاں خواندہ عوام کا ایمان ملحدانہ خیالات سے محفوظ ہو گیا۔ خاکساریت کی تردید اور تعاقب کے دوران یہ کتاب مکتبہ حزب الانصار میں ہمیشہ موجود رہی۔ اور مجلس کے مبلغین کے ذریعے کثیر تعداد میں تقسیم ہوئی۔

خاکساری مذہب:

مولانا بگویی نے علامہ مشرقی کے مذہبی افکار اور تنظیمی کردار کا بغور مطالعہ کر کے ان کا تناقص اور تعارض نمایاں کیا۔ متفقہ اسلامی عقائد و نظریات سے خاکساری بعد کو واضح کیا۔ آپ نے علامہ مشرقی کے بارے میں ”خاکساری مذہب“ کے نام سے سلسلہ وار 9 کی تعداد میں ٹریکٹ لکھے جو بعد میں کتابی شکل میں یکجا بھی شائع ہوئے۔ یہ رسائل ہزاروں کی تعداد میں پورے ہندوستان میں جگہ جگہ وسیع پیمانے پر تقسیم ہوئے اور ایک کتاب کی صورت میں مجلس اور مکتبہ حزب الانصار میں ہمیشہ دستیاب رہے۔

خاکساری مذہب اور خاکساری تحریک سے متاثر ہونے والے اذہان کو خاکساری مذہب نے صحیح روشنی دکھائی اور گمراہ ہونے سے بچایا۔

فوج محمدی کا دستور العمل:

مجلس مشاورت اور اہل الرائے کے ساتھ مل کر حضرت امیر حزب الانصار نے فوج محمدی کی تنظیم اور کارکردگی کے لیے دستور العمل طے کیا۔ شمس الاسلام اگست 1940ء (ص 19-20) میں دستور العمل کا آغاز اس شعر سے کیا گیا ہے:

بیاتا گل بیفشیائیم و سے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگائیم و طرح نو در اندازیم

دعوت عمل:

دور حاضرہ میں فتن و الحاد کے مقابلہ کے لیے صحیح اسلامی تنظیم کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔ حامیان ملت بیضا و غلامان سید الانبیاء بے تابی کے ساتھ کسی ایسے قائد کی تلاش میں تھے جو انہیں قرون اولیٰ کے اسلام کی طرف رہنمائی کرے اور ان کے قلوب کو صحیح اسلامی جذبہ عمل سے آشنا کر دے۔ اس عرصہ میں اسلام کا نقاب اوڑھ کر کئی فتنہ پرداز ملحد رونما ہوئے جنہوں نے جہاد اور عمل کے نام پر مسلمانوں کو الحاد و دہریت کی طرف لے جانا چاہا۔ وہ اپنے ناپاک مقاصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے مگر حق کا آفتاب تاریکی میں چمکا۔ اسلام کی نورانی کرنوں سے ظلمت کا دور ختم ہوا اور شمالی پنجاب میں خادمان اسلام نے ”فوج محمدی“ کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ الحمد للہ کہ اس تحریک نے قلیل عرصہ میں علمائے اسلام، مشائخ عظام اور زعمائے اسلام سے خراج تحسین حاصل کیا اور یہ تحریک صوبہ سرحد سے بنگال تک وسعت پذیر ہوتی گئی۔ ہزار ہا نوجوانوں نے اس تحریک میں شامل ہو کر خدمت دین متین کا عہد کیا۔ متعدد فوجی کیمپ ہوئے۔ عسکری مظاہروں نے ملت کے قلوب میں ولولہ عمل پیدا کر دیا۔ اور آج جس قدر ہردلعزیزی اور مقبولیت اس تحریک کو دن بدن حاصل ہو رہی ہے اس کی مثال کسی اور تحریک میں نہیں مل سکتی۔

فروری 1940ء میں حکومت پنجاب نے عسکری مظاہروں اور پریڈ وغیرہ پر پابندی عائد کر دی۔ نیز حالات میں کئی انقلابات رونما ہوئے۔ لہذا 10 جولائی کو فوج محمدی کے ارکان کی مجلس مشاورت بمقام میانوالی منعقد ہوئی جس میں حالات حاضرہ پر غور کرنے کے بعد دستور العمل میں مناسب تبدیلی و ترمیم کی گئی۔ ادارہ عالیہ کا مقام پہلے ٹیکسلا میں تھا مگر سال آئندہ کے لیے بھیرہ ضلع شاہ پور کو صدر مقام قرار دیا گیا۔

ٹیکسلا کے باہمت، مخلص اور سرگرم کارکنوں نے تحریک کو جس خلوص اور ایثار سے کامیاب بنایا اس کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی کے برابر ہوگا۔ فوج محمدی کی تحریک میں انصار المسلمین ٹیکسلا کے کارکنوں کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ خصوصیت کے ساتھ **مولانا محمد داؤد، مولانا حکیم محبوب عالم، مولوی محمد جان، مولوی علاؤ الدین** کی خدمات لائق تحسین و آفرین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں ملت اسلامیہ کی خدمات کے لیے بیش از بیش توفیق عطا فرمائے، آمین۔

میانوالی کے اجلاس میں حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ (ضلع میانوالی) قائد اعظم تحریک مقرر ہوئے ہیں۔ صاحبزادہ محمد فخر الزمان قائد العساکر، مولانا محمد بخش صاحب صدر انصار المسلمین راولپنڈی، قائد تبلیغ مولانا محمد داؤد، قائد ضبط اور مولانا عبدالحی بھوی قائد احتساب منتخب ہوئے اور تحریک کو ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کے لیے لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔

تمام جماعتوں کا فرض ہے کہ ہر جگہ جدید لائحہ عمل کے مطابق سرگرمی سے کام شروع کر دیں اور اپنے کام کی پندرہ روزہ رپورٹیں ادارہ عالیہ میں ارسال کرتے رہیں۔ نیز ہر جماعت کا فرض ہے کہ جماعت کے ترجمان یعنی جریدہ شمس الاسلام بھیرہ کی توسیع اشاعت میں حصہ لے۔

عاجز ظہور احمد گجوئی کان اللہ
منجانب ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ

ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ کل ہند فوج محمدی: صدر دفتر بھیرہ ضلع شاہ پور

1۔ فوج محمدی کے اصول:

نئے دستور کے تحت اکابرین نے درج ذیل اصول متعین کیے:

- 1۔ مسلمانوں کو متحد کرنا۔
- 2۔ نیکی کی تلقین اور بدی سے اجتناب کی ہدایت کرنا۔
- 3۔ ایمان والوں کی دلداری و نمکساری۔
- 4۔ دین و ملت کے اعداء سے بیزاری۔
- 5۔ (الذالخصام فطرت اشخاص کے ساتھ) مناظرہ مباحثہ یا مجادلہ سے اجتناب۔
- 6۔ احکام شرع کی پابندی۔
- 7۔ اصلاح رسوم ہاتباع سنت۔
- 8۔ مسلمانوں کی اقتصادی فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد۔
- 9۔ صداقت و امانت۔
- 10۔ بلا لحاظ مذہب و ملت خدمت خلق۔
- 11۔ غلبہ اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لیے ہر ممکن ایثار و سرفروشی کے لیے تیار رہنا۔
- 12۔ اپنے افسران بالا کے ہر اس حکم کی اطاعت جو شریعت کی واضح تصریحات کے خلاف نہ ہو۔
- 13۔ سپاہیانہ زندگی اختیار کرنا۔
- 14۔ برہمن کی نئی نئی سیاسی و مذہبی فرقہ بندیوں سے الگ رہنا۔

2۔ حلف و فاداری:

فوج محمدی کے ہر رضا کار کے لیے حسب ذیل الفاظ میں حلفیہ اقرار کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اس اقرار کے بغیر کوئی شخص فوج محمدی میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

”اللہ ایک ہے، لاشریک ہے، محمد ﷺ اس کے آخری پیغمبر ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد جو شخص

بھی نبوت کا دعویٰ کرے، اپنی اطاعت کو مطلق اور غیر مشروط قرار دے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان، علی و دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین امت کے لیے نجوم ہدایت ہیں۔ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد و جملہ محدثین و فقہائے امت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی باعث نجات ہے۔ نجات کا مدار عقائد کی صحت پر ہے۔ عقائد کے ساتھ عامل ہونا ضروری ہے۔ عقائد کے بغیر عمل کوئی چیز نہیں۔“

3۔ فوج محمدی کے رضا کاروں کی اقسام:

فوج محمدی کے رضا کاروں کے مدارج حسب ذیل ہوں گے:

- 1۔ مجاہدین: جو روزانہ اسلام و مسلمین کی خدمت کے لیے حاضر ہوا کریں گے۔
 - 2۔ اراکین: جن کا ہفتہ میں ایک بار حاضر ہونا ضروری ہوگا۔
 - 3۔ معاونین: جو روزانہ یا ہفتہ وار حاضری سے مستثنیٰ ہوں گے مگر انہیں کچھ عرصہ پہلے امیر عسکر کے ماتحت تربیت حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ بعد ازاں امیر عسکر کی سند حاصل کرنے کے بعد جماعت کی مالی امداد ہر ماہ مستقل طور پر کیا کریں گے۔
 - 4۔ ہمدردین: جو صرف عند الطلب حاضر ہوا کریں گے مگر ہر قسم کی مالی یا اخلاقی امداد کرنا ان کے فرائض میں شامل ہوگا۔
- (یہ واضح رہے کہ نفیر عام یا کیمپ کے وقت امیر عسکر کے حکم سے اول الذکر تین اقسام کے لیے حاضر ہونا ضروری ہوگا)

تنبیہ:

سیاسی مسلک کے بارے میں صراحت کرتے ہیں:

فوج محمدی کا ہندوستان کی کسی سیاسی جماعت سے الحاق نہیں ہے۔ اس تحریک کا ملکی یا غیر ملکی سیاسیات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ حکومت کے احکام کی خلاف ورزی بھی اس کے لائحہ عمل میں شامل نہیں۔ ادارہ عالیہ محمدیہ کا کوئی رکن کسی سیاسی جماعت میں عہدہ قبول نہیں کر سکتا۔ یہ تحریک خالص مذہبی تحریک ہے اس میں ہر خیال کا مسلمان اقرار نامہ حلف و فاداری کے بعد شامل ہو سکتا ہے۔ رضا کاران فوج محمدی کوختی کے ساتھ ان امور پر کار بند رہنا چاہیے۔ جس طرح سیاسی جماعتوں میں مذہبی اختلاف قابل اعتنا نہیں اسی طرح فوج محمدی میں سیاسی اختلافات کو قابل اعتنا سمجھا نہیں جاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان لیگی ہوں یا احراری، کانگریسی ہوں یا اتحادی۔ مگر مذہبی لحاظ سے مسلمان رہیں اور ایمان کی متاع کو کسی کے حوالہ نہ کر دیں۔

فوج محمدی کے مناصب و عہدے:

1. **امیر العساکر:** ادارہ عالیہ محمدیہ کے حکم سے خاص خاص حلقوں میں امیر العساکر مقرر کیے جائیں گے۔ وہ بحیثیت عہدہ ادارہ کا رکن متصور ہوگا۔ ہر امیر العساکر اپنے حلقہ کار میں دورہ کر کے تمام ماتحت افسروں پر ضبط قائم کرے گا اور ان کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہوگا۔ ہر سہ ماہی میں سہ بار اطلاع دے کر اور ایک بار بلا اطلاع ہر جماعت کا معائنہ کر سکتا ہے۔

2. **امیر عسکر:** مقامی جماعت کی سفارش پر امیر العساکر کسی پابند شریعت اور خواندہ آدمی کو امیر عسکر کے عہدے پر نامزد کر سکتا ہے۔ امیر عسکر کا تعلق براہ راست امیر العساکر سے ہوگا۔ رضا کاروں پر ضبط رکھنا، ماتحت

عہدے داروں یا رضا کاروں کی ترقی یا تنزیلی کے متعلق سفارش کرنا اور انہیں باعمل بنانا اس کے فرائض میں داخل ہوگا۔
3. **نائب امیر عسکر:** امیر عسکر کے دفتری کاروبار اس کے متعلق ہوں گے اور امیر عسکر کی عدم موجودگی میں اس کے فرائض انجام دے گا۔

4. **ناظم فوج:** امیر عسکر کی طرف سے جاری شدہ احکام رضا کاروں تک پہنچائے گا۔ اور رضا کاروں کی اخلاقی حالت کی رپورٹ ہفتہ وار امیر عسکر کے پاس پیش کیا کرے گا۔

5. **خازن:** عسکر کے کل مدخل و مخارج کا حساب اس کے پاس ہوا کرے گا۔

6. **مہتمم:** کیمپ کے موقع پر عسکر کے خورد و نوش اور ہر قسم کا سامان مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اور عسکر کے تمام فوجی سامان کا محافظ ہوگا۔

7. **ناظم:** 3 سے 10 رضا کاروں تک کا افسر ہوگا اور اپنے سپاہیوں کو عمل کے لیے تیار کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

8. **ناظم مبلغ:** ہر جماعت کے لیے ناظم تبلیغ کا تقرر امیر العسکر کی سفارش پر، ادارہ کے ذریعہ قائد مبلغ کے اختیار میں ہوگا۔

ہدایات:

☆ جہاں پر فوج محمدی کے تین رضا کار موجود ہوں وہ اپنا ناظم خود مقرر کر کے کام شروع کر دیں۔ 3 سے 10

رضا کاروں کے لیے صرف ایک ہی ناظم کافی ہے۔ بیس کی تعداد پوری ہونے پر بقایا عہدے داروں کا انتخاب عمل

میں لایا جاسکتا ہے۔ تیس کے بعد ہر پچیس رضا کاروں پر ایک ناظم فوج کا تقرر لازمی ہوگا۔

☆ نائب امیر عسکر، ناظم فوج، خازن و مہتمم کا انتخاب مقامی جماعت کی سفارش پر امیر العسکر کیا کرے گا۔

- ☆ ہر انتخاب یا نامزدگی کی رپورٹ ادارہ میں بھیجنی ضروری ہے۔
- ☆ امیر العسا کر کے سفری مصارف کا ذمہ دار ادارہ عالیہ ہوگا۔

لائحہ عمل:

- (1) ● روزانہ نصف گھنٹہ اپنے محلہ یا قصبہ کے غریب و بے کس افراد کی بلا معاوضہ خدمت کرنا
- ترغیب صلوٰۃ ● مساجد کی آبادی اور صفائی ● اسلامی احکام کی تبلیغ
- ناواقف اشخاص تک اسلامی احکام کا پہنچانا ہر رضا کار کے فرائض میں شامل ہے۔
- (2) ہفتہ وار مجلس مشاورت کا انعقاد، جس میں اخلاق کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات پر تقاریر کے علاوہ جماعت کی ترقی و بہبود اور رضا کاروں کی کارگزاری پر غور ہوا کرے گا۔
- (3) ہر ماہ میں دو بار ناظم تبلیغ حسب ضرورت رضا کاروں کو ساتھ لے کر دیہات کا تبلیغی دورہ کرے گا۔
- (4) ہر ماتحت مجلس جس میں کم از کم دس رضا کار موجود ہوں وہ بلا لحاظ عہدہ جات مذکورہ تین تین آدمیوں کی دو سب کمیٹیاں بنائیں جن کے نام و فرائض درج ذیل ہیں:
- (ا) **مجلس احتساب:** جماعت کے اندرونی و بیرونی تنازعات کا تصفیہ کرنا اور یتیمی و بیوہ عورتوں کی خبر گیری اس کے فرائض میں داخل ہوگی۔ یہ مجلس اپنے فیصلوں کی ایک نقل ادارہ میں روانہ کیا کرے۔
- (ب) **مجلس علمی:** رضا کاروں کو اسلامی زندگی و اسلامی ماحول سے مستفیض کرنے کے لیے ان کی ذہنی تربیت و نگرانی کا کام اس مجلس کے ذمہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اپنے قصبہ یا قریہ میں مسلمان بچوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کرنا اور ترغیب صلوٰۃ، مساجد کی آبادی اور اسلامی تیوہاروں کو اسلامی طریقہ سے منانے کی سعی بھی اس کے ذمہ ہوگی۔ ان امور میں علاقہ کے امیر العسکر کے تعاون سے اس مجلس کے ارکان اپنے فرائض انجام دیا کریں گے۔ ہر دو مجالس مذکورہ اپنی کارکردگی کی رپورٹ ہر پندرہ روز بعد ادارہ میں ارسال کیا کریں۔
- (5) مجلس علمی کے جاری کردہ درس قرآن میں ہر رضا کار کی شمولیت لازمی ہوگی۔ کم از کم آدھ گھنٹہ کے لیے بعد نماز فجر درس قرآن مجید میں حاضری ضروری ہوگی۔ خاص حالات میں مجلس علمی درس کے اوقات تبدیل کر سکتی ہے اور بعض رضا کاروں کو مقامی حالات کے ماتحت درس میں باقاعدہ حاضری سے مستثنیٰ بھی کر سکتی ہے۔
- (6) سرکاری سکولوں میں مسلمان بچوں کی تعلیمی و مذہبی حالت کی نگرانی بھی مجلس احتساب کے سپرد ہوگی۔

ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ کی تشکیل:

- (1) ہر جماعت کا امیر العسکر اور ناظم تبلیغ یا جن کو جماعت مرکزی مجلس مشاورت کی نمائندگی کے لیے نامزد کر دے، مرکزی مجلس مشاورت کے رکن متصور ہوں گے۔
- (2) سال میں ایک بار کسی مرکزی مقام پر مرکزی مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا کرے گا۔ جس میں تمام ارکان کو شمولیت کی دعوت ادارہ کی طرف سے دی جائے گی۔
- (3) مرکزی مجلس مشاورت میں سال بھر کی کارگزاری، ادارہ کے ارکان اور ماتحت مجالس کے طرز عمل پر غور کے بعد آئندہ سال کے لیے لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا۔ اور ادارہ کے ارکان کا انتخاب بھی ہوا کرے گا۔
- (4) مرکزی مجلس مشاورت میں مدعوین کی تعداد کا 1/4 موجود ہونا نصاب کی تکمیل کے لیے ضروری ہوگا۔ جو ارکان مجلس میں کسی وجہ سے شامل نہ ہو سکیں وہ اپنی تحریری آراء ارسال کر سکتے ہیں۔ تحریری آراء پر مجلس میں غور ہوگا۔ مگر ان کو شمار نہیں کیا جائے گا۔
- (5) ادارہ کے ارکان پر مشتمل مجلس منظمہ کو تحریک کے چلانے کے تمام اختیارات حاصل ہوں گے۔ قیادت، تبلیغ، نظامت، بیت المال، ضبط و احتساب وغیرہ فرائض کی باہمی تقسیم، مجلس منظمہ یعنی ادارہ کے ارکان کی باہمی رائے پر منحصر ہوگی۔

فوج محمدی کے مراکز:

☆ **تنظیمی:** ادارہ عالیہ محمدیہ عسکر یہ ٹیکسلا ضلع راولپنڈی (پنجاب)

☆ **مرکزی و تبلیغی:** دفتر مجلس مرکزی حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)

مجالس ماتحت کے نام ہدایات:

مسلمانوں کی تعلیمی اور دینی کیفیت اور دیہی مساجد کی زبوں حالی کے پیش نظر، افواج محمدی کے وسیع حلقہ اثر کو مسلمانوں کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کے لیے پابند کرنا نہایت ضروری تھا، چنانچہ مجلس مشاورت کے غور و خوض کے بعد ادارہ عالیہ محمدیہ مرکزی بھیرہ نے ماتحت مجالس کے نام درج ذیل ہدایات جاری کیں۔

تمام مجالس ماتحت کے لیے حسب ذیل ہدایات پر کاربند ہونا ضروری ہے:

- (1) اپنے شہر یا گاؤں میں مساجد کی آبادی و ترغیب صلوٰۃ کے لیے جدوجہد کا آغاز کریں۔
- (2) مساجد میں بچوں کی تعلیم کے لیے پرانی طرز کے مکتب قائم کیے جائیں جن میں قرآن مجید کی تعلیم کے علاوہ لکھنے اور پڑھنے

- کی بھی مشق کرائی جائے۔ اور دینیات کے ضروری مسائل حفظ کرائے جائیں۔
- (3) اپنے شہر کی جامع مسجد میں ہر جمعہ کو فوج محمدی کا سپاہی حاضر ہو اور بعد جمعہ تاظم فوج تمام سپاہیوں کی حاضری باقاعدہ لے اور مجلس مشاورت ہفتہ وار منعقد ہو۔ بہتر یہی ہے کہ جمعہ کے دن مجلس منعقد ہو کر جس میں مسلمانان علاقہ کی بھلائی و ترقی کے لیے تجاویز پر غور ہوا کرے۔
- (4) ہر محلہ میں مسلمان بچیوں کی ضروری دینی تعلیم کا انتظام شرعی احکام کے مطابق کیا جائے۔
- (5) ہر محلہ کی مسجد کا ایک بیت المال ہو جو متولی مسجد (جو نمازیوں کے مشورہ سے مقرر ہو) کی تحویل میں ہو۔ اس میں سے مسجد کی ضروریات، مکتب کے مصارف، سقہ، امام یا مؤذن کے مشاہروں پر صرف ہو۔ ہر نمازی اس میں حسب حیثیت حصہ لیا کرے۔ بیت المال کا حساب ہر مہینہ بعد تمام نمازیوں کو مفصل سنا دیا جائے۔
- (6) ادارہ عالیہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے تبلیغی نریٹوں کا سلسلہ جاری کیا جائے گا جن میں دینی احکام، فقہ کے مسائل، اور اسلامی عقائد درج ہوا کریں گے۔ ان کی فروخت و اشاعت مجلس کے ذمہ ہوگی۔
- (7) فوج محمدی کی بھرتی کا کام زور شور سے شروع کر دیا جائے۔ فوج محمدی کے متقاعد اچھی طرح ہر جمعہ کو ذہن نشین کرے جائیں اور نئے ارکان بھرتی کیے جائیں۔
- (8) ہر مجلس اپنی کارگزاری کی ماہانہ رپورٹ بنا کر ناظم ادارہ عالیہ محمدیہ بھیرہ روانہ کیا کرے۔

(شمس الاسلام - نومبر 1941ء - ص 34)

اطلاعات:

دارالعلوم عزیز یہ بھیرہ پنجاب میں نئے سال کے لیے طلبہ کا داخلہ 10 شوال المکرم سے شروع ہوگا۔ 15 شوال کے بعد طلبہ کا داخلہ بند کر دیا جائے گا۔ لہذا جو طلبہ امسال مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں وہ 10 شوال کے بعد فوراً بھیرہ پہنچ جائیں۔

14 نومبر 1941ء کو بمقام وار برٹن ضلع شیخوپورہ حزب الانصار کی سرپرستی میں تبلیغی جلسہ منعقد ہوگا جس میں مولانا بہاؤ الحق قاسمی و مولانا منیر شاہ شامل ہوں گے۔

(افتخار احمد بگوتی ناظم ادارہ عالیہ محمدیہ مرکزیہ بھیرہ)

فوج محمدی اور تحریک مدح صحابہ:

خدمات اور سرگرمیوں کی تفصیل "تحریک مدح صحابہ" کے تحت ملے گی۔ پلیٹ فارم کوئی بھی ہو، ذریعہ اظہار کیسا ہی ہو۔ حضرت مولانا بگوتی، حزب الانصار کے بنیادی مشن اور مقاصد سے کبھی دور نہیں ہٹے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظہور احمد بگوتی نے تحریک مدح صحابہ کے لیے فوج محمدی کے

رضا کار جتھے منظم کیے۔ ان قافلوں کی روانگی کے انتظامات کے لیے انہوں نے لاہور میں فوج محمدی کا ایک عارضی دفتر بھی قائم کر دیا تھا۔ کالا باغ ضلع میانوالی کے 17 انصار کا پہلا قافلہ 18 جون 1941ء کی رات کولاہور سے لکھنؤ روانہ ہوا تھا کہ شیعہ کیمپوں اور شیعہ نواز سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔

حضرت مولانا بگویی کی گرفتاری:

افواج محمدی کے وسیع نیٹ ورک اور کارکنوں کی جانبازی کی بنا پر حکومت کا یہ خدشہ بالکل درست تھا کہ دیگر مذہبی جماعتوں کے ساتھ مل کر یہ تحریک امن و امان کے لیے پریشان کن صورت حال پیدا کر سکتی ہے۔ چنانچہ 20 جون 1941ء کو بعد از نماز جمعہ امیر مجلس حزب الانصار بھیرہ و قائد تبلیغ فوج محمدی حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کو زیر دفعہ 129 تعزیرات ہند، لاہور میں گرفتار کر لیا گیا۔

تفصیل 'تحریک مدح صحابہ' کے تحت پیچھے گزر چکی ہے۔

ربائی اور زبان بندی:

چند ماہ بعد مولانا بگویی جیل سے تو رہا ہو گئے مگر پہلے عام اجتماعات میں شرکت اور پھر ساتھ ہی زبان بندی کی پابندی عائد ہو گئی جس کے تحت وہ پبلک اجتماعات میں تقریر یا بیان نہیں کر سکتے تھے۔

اہم فیصلہ:

ان حالات میں 3 ستمبر 1941ء کو ترگ ضلع میانوالی میں افواج محمدی کی مجلس مشاورت کا اجلاس ہوا اور کامل غور و خوض کے بعد مجلس منظمہ کے تمام اختیارات مولانا احمد الدین سجادہ نشین مکھڑ شریف کو تفویض کیے گئے اور ان کو قائد اعظم منتخب کیا گیا۔ حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ اور حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نے ادارہ عالیہ فوج محمدی اور مجلس منظمہ کی رکنیت و قیادت وغیرہ سے مصلحتاً کچھ عرصہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی۔ مولانا حاجی افتخار احمد بگویی کو ادارہ عالیہ فوج محمدی کا ناظم منتخب کیا گیا۔ اور صاحبزادہ الحاج فخر الزمان شاہ نائب قائد مقرر ہوئے۔ یہ بھی طے ہوا کہ ادارہ عالیہ کا دفتر اور صدر مقام حسب سابق بھیرہ ہی میں رہے گا۔ ماتحت جماعتیں اپنی کارگزاری کی رپورٹیں بدستور مرکزی دفتر بھیرہ کو ارسال کریں گی۔

جمعیت علماء ہند کے ساتھ فوج محمدی کا الحاق:

کالا باغ ضلع میانوالی میں سہ روز حزب الانصار تبلیغ کانفرنس 11 جون 1942ء کو بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوئی جس میں درج ذیل مقامی اور بیرونی علماء نے شرکت کی:-

- ☆ مولاناظہور احمد بگویی
 ☆ مولانا عبدالعزیز لاہوری
 ☆ مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل
 ☆ صاحبزادہ محمد زین الدین ترگ شریف
 ☆ مولانا محمد داؤد ٹیکسلا
 ☆ مولوی محمد شہزاد مردنی
 ☆ مولوی محمد خان موچھ
 ☆ مولوی عبدالرحمن روپڑی
 ☆ حکیم غلام حسین قائد العساکر
 ☆ مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی
 ☆ صاحبزادہ مولانا فخر الزماں کوٹ چاندنہ
 ☆ مولانا بہاؤ الحق قاسمی
 ☆ مولانا نور احمد و تہ خیل
 ☆ مولانا صاحبزادہ احمد الدین مکھڑ شریف
 ☆ مولانا محمد عالم
 ☆ صوفی عبدالحمید مروہہ (یوپی)
 ☆ مولوی رحمت اللہ بنیری
 ☆ میاں محمد شاہ ہضھی
 ☆ میاں محمد امیر شاہ کوٹ چانن
 ☆ میاں محمد شاہ موچھ
 ☆ حاجی محمد عبداللہ
 ☆ پروفیسر حکیم تاج الدین احمد تاج لاہور
- ☆ آخری اجلاس کے ختم ہونے پر مولانا بگویی نے فوج محمدی کا جمعیت علماء ہند کے ساتھ الحاق کے فیصلے کا اعلان کیا جو حزب الانصار کی مجلس شوریٰ میں منظور ہو چکا تھا۔ آپ نے کہا:

”جہاں تک اعلا، کلمۃ الحق اور شریعت کے احکام موافق خدمت اسلام کا تعلق ہے، آج سے فوج محمدی کے رضاکار جو انصار کہلاتے ہیں، ان کا الحاق جمیعة العلماء ہند دہلی کے ’نظام رضاکاران‘ کے ساتھ ہو گیا ہے اور آج سے ہمارا جماعتی نظام باقاعدہ طور سے ان کے ساتھ اشتراک عمل اور اتحاد پر کاربند ہو گا۔“

(شمس الاسلام اگست 1942ء ص 31)

انصار الاسلام:

خاکسار کے مقابل انصار کے خصائص اور اس سے توقعات کیا ہیں۔ مولانا زمان مہدی قاصر نے شمس الاسلام میں (مارچ 1939ء ص 20) اس کی یہ تصویر کشی کی ہے۔

نکل میدان میں مسلم اگر انصار ہونا ہے
 تجھے گر ملت بیضا کا خدمت گار ہونا ہے
 رہی طاری گراں خوابی تغافل کیش مسلم پر
 بدل کر آج کروٹ پھر اسے بیدار ہونا ہے
 ظہور شمس سے روشن ہوا دنیا کا ہر ذرہ
 جہاں سے ظلمت باطل نے اب بیزار ہونا ہے

مبارک خاکسارو تم کو اپنی خاکساری ہو
 ہماری گردنوں میں دیکھ لو طوق غلامی ہے
 ملی ہے مشرقی کی پیروی ان خاکساروں کو
 ذرا سوچو تو اے تہذیب مغرب کے پرستارو
 وہ ہے ماریساہ جس کی قیادت پر ہوئے نازاں
 بنایا ہے نیا جو دیوتا ان خاکساروں نے
 چلی ہے خاکسارو دولت ایمان ہاتھوں سے
 مسلمانو! نہ چھوڑو دامن محبوب ربانی
 غلامانِ محمدؐ ہیں ہمیں سردار ہونا ہے
 ہمیں دینِ محمدؐ کا علم بردار ہونا ہے
 مگر انصار نے مدنی کا تابعدار ہونا ہے
 بروز حشر تم نے حاضر دربار ہونا ہے
 اثر اس زہرِ کاتم پر بھی آخر کار ہونا ہے
 انہی کے بیلچوں سے دیکھنا مسمار ہونا ہے
 بچالو ورنہ محشر میں ذلیل و خوار ہونا ہے
 اگر دنیا و عقبیٰ میں تمہیں سرشار ہونا ہے

بڑی مدت سے خواہش ہے در محبوب داور پر
 طلبگار دعا اے قاصر نادار ہونا ہے

”فوج محمدی“ کے ایک سیاہی سے خطاب:

چونکہ فوج محمدی کا سپاہی اصل میں اللہ کا سپاہی ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے ایسے کردار کی توقع کی جاسکتی ہے جو دنیا کے لیے نیرتاباں اور باعث آگہی و عرفان ثابت ہو۔ چنانچہ تاج الشعرا پروفیسر حکیم تاج الدین تاج صدر ادارہ عالیہ مجددیہ لاہور (شمس الاسلام، اپریل 1941 ص 1) کہتے ہیں:

پھر ضیا پاش وہی جلوۂ عرفاں کر دے
 تیرے انداز نظر سے ہو قیامت برپا
 ہر سیاہ کار پہ ہو بارش انوار کرم
 تیری اک جست ہو جو لانگہ صد ارض و سما
 تیرے ہر قطرے سے دریا کا تلاطم اٹھے
 تجھ میں احساس ہے خودداری و غیرت کا اگر
 نور عرفاں کی تجلی سے ہو ظلمت کا فور!
 تجھ سے دشمن کوئی ہوتا ہے اگر چین جبیں
 چشم بد میں کی نگاہوں کے مقابل تو بھی
 دل کے ہر ذرے کو اک نیرتاباں کر دے
 دل افسردہ کو برق شرر افشاں کر دے
 اس کی فطرت کو تجلی گہ عرفاں کر دے
 رفعت عرش کو انگشت بدنیاں کر دے
 دل کے ہر گوشے کو اک حشر کامیداں کر دے
 اپنی ہستی کو زمانے سے نمایاں کر دے
 دل کی ہر بزم میں اک شمع فروزاں کر دے
 اپنی ہر چین جبیں خنجر برآں کر دے
 ہر نگاہ غلط انداز کو پیکاں کر دے

تیری ٹھوکر سے ہو بیدار فضائے عالم اپنے ہر دم کو دم عیسیٰ، دوراں کر دے
اس قدر تیری جماعت میں ہو جمعیت قلب جس سے جمعیت اعداء کو پریشاں کر دے
اس قدر آئینہ دل ہو مجھے اے تاج! چشم جمشید و سکندر کو بھی حیراں کر دے

۴

اثرات:

حضرت مولانا بگویی نے خاکساریت کے خلاف جو بھرپور لسانی، قلمی اور علمی جدوجہد پورے ملک میں جاری رکھی اس نے درج ذیل اثرات مرتب کیے:

- 1- تمام سنی مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث) کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کر دیا۔
 - 2- جگہ جگہ منتشر، غیر منظم اور انفرادی سرگرمیوں کو افواج محمدی کے انصار الاسلام، انصار المسلمین کی انتظامی اور مقصدی لڑی میں پرو دیا۔
 - 3- مجلس مرکزی حزب الانصار اور جریدہ شمس الاسلام بھیرہ کی خدمات کو خاکساری تحریک کی تردید اور اس کے تدارک کے لیے خاص کر دیا۔
 - 4- پورے ہندوستان میں جہاں بھی خاکساریت کے خلاف کام ہو رہا تھا، بلا امتیاز اسے اپنایا اور پوری طرح سپورٹ مہیا کی۔
 - 5- شمس الاسلام بھیرہ کے ساتھ ساتھ معاصر جرائد - ضیاء الاسلام امرتسر، الارشاد امرتسر، الفلاح پشاور اور الاسلام کلکتہ کے ساتھ کھلا تعاون اور مسلمانوں سے ان کی سرپرستی کی درخواست عام۔
 - 6- تحریک محمدی فوج کو فرق باطلہ کی تردید کے لیے تربیت اور تعلیم اور لٹریچر کی فراہمی۔
 - 7- تحریک محمدی فوج کے ذریعے مساجد کی آبادی، مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت۔
 - 8- مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح، خدمت خلق اور سماجی بہبود کے لیے ترغیب و تلقین۔
 - 9- نوجوانوں کی عسکری تربیت۔ زبردست ڈسپلن و اطاعت امیر اور باہمی مواخات۔
 - 10- فوج محمدی نے مسلمانوں میں وحدت، دین کی محبت اور عظمت صحابہؓ جاگر کی۔
- درج بالا اثرات سے خاکساریت کے پھیلاؤ میں ٹھہراؤ اور وسعت میں کمی آئی۔ نوجوان مسلم دین کے قریب آیا اور علماء کی شفقت کا متلاشی ہوا۔ اجتماعیت نے فقہی بعد کم کیا اور مسلم جماعتوں کے سیاسی افکار میں وحدت فکر و عمل بڑھی۔

تحریک پاکستان

سکھ دور کی طوائف الملوکی کے دوران پنجاب کے رؤساء کی بدلتی وفاداریوں نے فرنگ سے آنے والے نئے حکمرانوں کو احساس دلایا کہ انہیں یہاں وفادار اور خدمت گزار مگر مستحکم اور استبدادی رؤساء کی ضرورت ہے جو ایک طرف عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ کر استعمال کریں اور دوسری طرف نئی قوت کے لیے کارآمد اور اعتمادی مہرے ثابت ہوں۔ چنانچہ شاہ پور ضلع، وسطی پنجاب کے ان علاقوں میں شامل ہے جہاں انگریزوں نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق بڑی بڑی جاگیریں قائم کیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی سیاست اور قیادت میں جدوجہد آزادی کے حوالے سے یہ ضلع کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکا۔

برصغیر ہندوستان کی تاریخ آزادی کا مطالعہ کریں تو ضلع شاہ پور میں چند ناموں کے سوا دور دور تک کوئی قد آور مسلم شخصیت نظر نہیں آتی جس نے 1945ء تک تحریک خلافت، ترک موالات، شدھی سنگھٹن اور خاکسار کے خلاف محاذ، تحریک مدح صحابہ، شہید گنج، کانگریس، احرار یا مسلم لیگ میں کوئی نمایاں یا قابل ذکر خدمات سرانجام دی ہوں۔ ہاں یونینسٹ پارٹی اور سردار سکندر حیات و ملک خضر حیات خان ٹوانہ وزیر اعظم پنجاب ضرور پیدا کیے جنہوں نے اپنے مالک و مربی انگریز کے مفادات کی ہمیشہ اور پوری نگہداشت کی۔

برصغیر ہندوستان کی پہلی مسلم ہندو مشترکہ جدوجہد۔۔۔ تحریک خلافت 1924ء میں ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ایک جانب انتہا پسند ہندو تنظیموں اور اشخاص نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ سوامی شردھانند (1926)، راج پال (1928) تو دوسری طرف سائمن کمشن (1928)، نہرور پورٹ (1928) قائد اعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات (1929) اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خطبہ الہ آباد (1930) جیسے سیاسی واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ مختلف مسلمان رہنماؤں نے اپنے قومی مفادات اور ملی تقاضوں کے پیش نظر متعدد محاذوں پر اجتماعی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ان میں تعلیمی، رفاہی، اصلاحی، مذہبی اور سیاسی دائرے شامل ہیں۔ آخر الذکر میں اگرچہ آل انڈیا نیشنل کانگریس مسلمانوں کے معروف اور مقبول لیڈروں کے ساتھ آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی مگر دورانِ اندیش زعماء بخوبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مفادات پر کانگریس کا ہندو ذہن کھلے دل کے ساتھ تعاون اور ان کی نگہداشت نہیں کر رہا۔ اس لیے مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے کانگریس پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی پوری زندگی میں حضرت مولانا ظہور احمد گبوی ایک دن کے لیے بھی انڈین نیشنل کانگریس کے ممبر نہیں رہے۔

برصغیر ہند کے اس سیاسی تناظر میں اہل دل اور دردمند مسلم رہنماؤں کو مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور صف بندی از بس ضروری نظر آتی تھی تاکہ وہ اپنے حقوق کے لیے متحد ہوں اور مل کر جدوجہد کریں۔
بھیرہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل:

چنانچہ ایک روز شہر میں ڈھنڈیا پٹی اور مفتی و خطیب شہر مولانا ظہور احمد بگویی کی جانب سے عام جلسے کا اعلان ہوا۔ 19 جون 1930ء کو رات دس بجے انجمن اسلامیہ سکول (اندرون دروازہ چک والہ) بھیرہ میں ایک عام جلسہ منعقد ہوا۔ خواجہ عبدالجمید میونسپل کمشنر بھیرہ کی تجویز اور شیخ فضل حق پراچہ آنریری مجسٹریٹ و پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی بھیرہ کی تائید سے مولوی حکیم شاہ محمد (شیخ پوری) جلسہ کے صدر قرار پائے۔ مولانا ظہور احمد بگویی نے تلاوت سے جلسے کا آغاز کیا اور اپنے جامع خطاب میں حالات کا جائزہ پیش کیا اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ اتفاق و اتحاد کو اپنائیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور اپنے جائز حقوق کو اغیار کی دست برد سے بچانے کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ چنانچہ مولانا بگویی نے بھیرہ مسلم لیگ کے قیام اور تشکیل کی ضرورت کو ثابت کیا۔ ازاں بعد مولوی محمد قاسم صدر مدرس (دارالعلوم عزیزیہ)، سید غلام حسین شاہ جعفری بی اے اور مولوی محمد ابراہیم وکیل و میونسپل کمشنر بھیرہ نے تائیدی تقریریں کیں۔ مولانا بگویی کی تجویز کو سراہا۔ استصواب رائے کے لیے حاضرین جلسہ اور منجملہ معززین شہر نے بیک آواز بھیرہ میں قیام مسلم لیگ کی پر زور تائید کی۔ ایک قرارداد کے ذریعے اس تائید کی توثیق ہوئی جس کے مجوز مولانا بگویی اور مولود مولوی محمد قاسم، سید غلام حسین جعفری بی اے اور مولوی محمد ابراہیم وکیل و میونسپل کمشنر بھیرہ تھے۔

عہدے دار:

قیام مسلم لیگ کے متفقہ فیصلے کے بعد درج ذیل اصحاب کامل اتفاق رائے سے سال 1930ء کے لیے مسلم لیگ بھیرہ کے عہدے دار مقرر ہوئے۔

- 1- پریذیڈنٹ: مولانا ظہور احمد بگویی خطیب جامع مسجد و سیکرٹری انجمن اسلامیہ بھیرہ
- 2- وائس پریذیڈنٹ صاحبان: ● پیر انور امیر گیلانی گدی نشین بھیرہ ● مولوی محمد عبدالرحیم وکیل و میونسپل کمشنر ● حکیم شاہ محمد میونسپل کمشنر، میونسپل کمیٹی بھیرہ
- 3- سیکرٹری: ● خواجہ غلام صدیقی
- 4- جانٹ سیکرٹری: ● سید غلام حسین شاہ جعفری بی اے
- 5- خازن: ● میاں محمد یوسف بزاز

مسلم لیگ بھیرہ کے تاسیسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس کا الحاق پراونشل مسلم لیگ لاہور سے کیا جائے جس کے صدر سر میاں محمد شفیع ہیں۔

مسلم لیگ بھیرہ کی ایک Executive Council بنانے کا اعلان ہوا جس کے کل 21 ممبر ہوں گے۔ 7 عہدیداران ایکس آفیشو ممبرز اور سال بھر کے لیے درج ذیل 14 اصحاب اراکین نامزد ہوئے۔

ایگزیکٹو کونسل ممبرز:

- 1- جناب شیخ فضل حق پراچہ، آنریری مجسٹریٹ و پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی بھیرہ
- 2- جناب پیر بادشاہ آنریری مجسٹریٹ
- 3- جناب خواجہ غلام جیلانی میونسپل کمشنر
- 4- جناب خواجہ عبدالمجید میونسپل کمشنر
- 5- جناب خواجہ فضل الہی پلیڈر
- 6- جناب شیخ عبدالرحیم میونسپل کمشنر
- 7- جناب خان بہادر شیخ منیر حسین ریٹائرڈ ای اے سی
- 8- جناب حکیم حافظ غلام جیلانی پریکٹیشنر
- 9- جناب مولوی محمد قاسم صدر مدرس دارالعلوم عزیز یہ
- 10- جناب منشی غلام رسول ٹھیکے دار
- 11- جناب پیر صدیق شاہ قریشی
- 12- جناب مخدوم حکیم بشیر احمد
- 13- جناب میاں محمد عظیم پراچہ بزاز
- 14- جناب مستری محمد شفیع

خواجہ غلام صدیقی اور خواجہ عبدالمجید میونسپل کمشنر کی تائید کے ساتھ فیصلہ ہوا کہ مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک سب کمیٹی مسلم لیگ بھیرہ کے لیے قواعد و ضوابط مرتب کرے اور ایک ہفتے کے اندر ایگزیکٹو کونسل کے اجلاس میں بغرض تصفیہ اور منظوری پیش کرے۔

- 1- پریذیڈنٹ مسلم لیگ بھیرہ
- 2- مولوی محمد عبدالرحیم وائس پریذیڈنٹ
- 3- سیکرٹری
- 4- جوائنٹ سیکرٹری
- 5- خواجہ عبدالمجید میونسپل کمشنر

مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کی دعا کے ساتھ یہ جلسہ رات 12 بجے اختتام پذیر ہوا۔ رجسٹر روڈ کے مطابق دو صفحات پر مشتمل جلسہ کی کارروائی ہے۔ اس کے آخر میں پریذیڈنٹ مسلم لیگ بھیرہ مولانا ظہور احمد بگوی اور سیکرٹری مسلم لیگ بھیرہ خواجہ غلام صدیقی کے دستخط ہیں۔ (کارروائی جلسہ مسلم لیگ بھیرہ R/10) معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ بھیرہ کے تاسیسی اجلاس نے شہر کے اہل الرائے اور دردمند اصحاب میں جذبہ و جوش کی نئی روح پھونک دی۔ چنانچہ اگلے روز 20 جون 1930ء کو مقرر کردہ سب کمیٹی کا اجلاس سیکرٹری کے دفتر واقع

رشید منزل پر منعقد ہوا جس میں مولانا بگویی صدر، سیکرٹری اور خواجہ عبدالمجید موجود تھے۔ مولانا بگویی کے مجوزہ قواعد و ضوابط متفقہ طور پر اس تجویز سے سب کمیٹی نے منظور کر لیے کہ مسلم لیگ بھیرہ کی ایگزیکٹو کونسل میں آخری فیصلہ کے لیے پیش ہوں۔

اغراض و مقاصد:

مسلم لیگ بھیرہ کے اغراض و مقاصد یہ ہوں گے:-

- مسلمانوں کی دنیوی فلاح و بہبود اور تحفظ حقوق مسلمین کے لیے عملی جدوجہد
- عامۃ المسلمین میں سیاسی بیداری اور اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس پیدا کرنا۔
- وقتاً فوقتاً حالاتِ حاضرہ سے عوام الناس کو روشناس کرانا اور
- پبلک اور گورنمنٹ کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنا۔

ہیت ترکیبی میں تجویز کیا گیا کہ ہر مسلم کم از کم 4 آنے سالانہ ادا کر کے رکن بن سکتا ہے۔ عام اراکین ہر سال جولائی میں عہدے داران اور مجلس عاملہ کے اراکین کا انتخاب کریں گے۔ صدر جملہ امور کا نگران رہے گا۔ جو رکن مجلس عاملہ متواتر 3 اجلاس سے غیر حاضر رہے گا یا 3 ماہ کے اندر ایک روپیہ سالانہ کے حساب سے چندہ ادا نہ کرے گا اس کا نام رکنیت سے خارج کرنے کا اختیار مجلس عاملہ کو ہوگا۔ کورم کی غرض سے مجلس عامہ کے لیے نصاب 30 اور مجلس عاملہ کا 5 تجویز کیا گیا ہے۔

(ص 2-3 کارروائی جلسہ مسلم لیگ بھیرہ R/10)

اغراض و مقاصد سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم لیگ بھیرہ کے موسسین روز اول سے مسلمانوں کی دنیوی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے عملی جدوجہد کے خواہاں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کام کے لیے اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ پھر نتیجہ حاصل کرنے کے لیے عوام کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رکھنا اور ان کے اور سرکار کے سامنے مسلمانوں کے حقوق کے لیے مطالبات پیش کرنا از حد لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا بگویی نے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی تشکیل میں بڑے واضح، جمہوری اور مضبوط قواعد و ضوابط تجویز کیے ہیں تاکہ مسلم لیگ بھیرہ کو اچھی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

اجلاس: 21 جون 1930ء کو مجلس عاملہ مسلم لیگ بھیرہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مولانا بگویی صدر،

پیر انور امیر صاحب نائب صدر، سیکرٹری، جوائنٹ سیکرٹری مسلم لیگ بھیرہ اور اراکین میں سے شیخ فضل حق پراچہ صاحب، خواجہ غلام جیلانی صاحب، پیر بادشاہ صاحب، خواجہ عبدالحمید صاحب اور مستری محمد شفیع صاحب شامل

ہوئے۔ سیکرٹری نے سب کمیٹی کی سفارش کردہ تجاویز بابت قواعد و ضوابط بغرض منظوری پیش کیں جو اراکین کی بعض ترامیم و اضافوں کے ساتھ مجلس عاملہ نے منظور کر لیں۔

مسلم حقوق کا تحفظ:

صدر مسلم لیگ بھیرہ مولانا بگویی کا پیش کردہ درج ذیل ریزولیشن متفقہ طور پر منظور ہوا۔
 ”مسلم لیگ بھیرہ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس کامل غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اقوام و ملل کے درمیان ایسا میثاق مرتب ہوئے بغیر جس کے ذریعے اقلیتوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا جاسکے، ہندوستان میں تحریک آزادی اور سول نافرمانی کا اجراء نہایت نامناسب قدم ہے اور ایسی بے نتیجہ اور خالص ہندووانہ تحریکات سے مسلمانوں کا علیحدہ رہنا ضروری ہے۔“

(ص 6۔ کارروائی جلسہ مسلم لیگ بھیرہ R/10)

سیکرٹری کی اس تجویز پر کہ مسلمانوں کو حالات حاضرہ سے روشناس کرانے کے لیے کوئی عملی پروگرام ترتیب دیا جائے صدر مسلم لیگ بھیرہ مولانا بگویی نے اس پر کہا کہ سائمن کمشن کی مکمل رپورٹ شائع ہو جائے اور اس پر قومی پریس اور قومی رہنماؤں کے اظہار رائے آنے تک عام جلسے ملتوی رکھے جائیں۔ یہ ایک نہایت متوازن، دوراندیشانہ اور قومی مصلحتوں سے بھرپور رائے تھی۔ چنانچہ حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور عام جلسے وغیرہ کا پروگرام ملتوی رکھا۔

اجلاس: تالیسی جلسہ کے تیسرے روز، 20 جولائی 1930ء کو شام 6:30 بجے سید جلال شاہ بلڈنگ متصل مسجد ٹاہلی والا میں مسلم لیگ بھیرہ کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ سیکرٹری نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ لاہور کے مراسلہ نمبری 38 مورخہ 30 فروری 1930ء پر غور اور مرسلہ ریزولیشن پیش کیے جو مجلس عاملہ نے غور و خوض کے بعد پاس کیے۔

قومی مسائل پر قراردادیں:

- 1- سائمن کمشن رپورٹ میں جداگانہ انتخاب اور فیڈریشن طریقہ حکومت کی تائید۔ باقی سفارشات قطعاً ناقابل قبول، بریکار محض اور اہل ہند کے مطالبات کے منافی ہیں۔ کمشن نے صوبہ جات کو مکمل آزادی دینے کے اہم مسئلے کو نظر انداز کیا ہے۔
- 2- مسلم لیگ بھیرہ اعلان کرتی ہے کہ اصلاحات کی سکیم اس وقت قابل قبول ہوگی جب:
- 1- مسلمانان پنجاب و بنگال کی اکثریت کے حقوق کاملاً محفوظ ہوں۔

ب۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو مکمل اصلاحات ملیں۔

ج۔ صوبہ سندھ کو صوبہ بمبئی سے علیحدہ کیا جائے۔

3۔ مجوزہ گول میز کانفرنس میں مسلمانان ہند کے حقیقی نمائندے شامل ہوں۔ جو مسلمانوں کا صحیح زاویہ نگاہ پیش کریں۔

4۔ عام مسلمانوں سے اپیل کہ وہ اپنے قومی مطالبات پر مضبوطی سے قائم رہیں اور جب اور جس وقت ضرورت پڑے وہ اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر آمادہ اور تیار ہوں۔

5۔ مسلمانان بھیرہ و مضافات سے پرزور درخواست کہ پیش آمدہ مردم شماری میں توجہ اور ذمہ داری سے مسلمانوں کی صحیح اور پوری تعداد درج کروائیں۔

(ص 8-9 کا روائی جلسہ مسلم لیگ بھیرہ R/10)

اجلاس: 30 ستمبر 1930ء کو رشید منزل پر مولانا ظہور احمد بگویی صدر مسلم لیگ بھیرہ کی زیر صدارت مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔

قراردادیں:

1۔ چونکہ لالہ منوہر لال نے فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس لیے ان کو آئندہ وزیر مقرر نہ کیا جائے۔

2۔ مسلمان تعلیم کے میدان میں دوسری اقوام کے مقابلے میں بہت ہی پس ماندہ ہیں، لالہ منور لال نے ان کو اور بھی پیچھے پھینک دیا ہے اس لیے حکومت پنجاب کسی قابل اور کشادہ دل مسلمان کو وزارت تعلیم کا قلمدان سونپے۔

3۔ چونکہ موجودہ سیاسی تحریک میں ہندوؤں اور سکھوں کا جذبہ تعصب بہت تیز و تند ہو چکا ہے اس لیے تشکیل وزارت میں حکومت پنجاب صحیح خیال اور بے تعصب افراد کو وزیر نامزد کرے۔

☆ عمومی بے رغبتی کے سبب صدر مسلم لیگ بھیرہ کی تحریک پر یہ فیصلہ ہوا کہ 29 جولائی 1930ء کو بروز اتوار

4:30 بجے شام مسلم لیگ بھیرہ کے زیر اہتمام میدان انجمن اسلامیہ سکول متصل جامع مسجد بھیرہ ایک جلسہ عام منعقد کیا جائے اور اس میں ہر فرقہ، ہر عقیدہ اور ہر گروہ کے مسلمانوں کو شامل ہونے کی درخواست کی جائے۔ سید غلام حسین جعفری بی اے نے شیعہ حضرات کے شامل جلسہ ہونے کا ذمہ اٹھایا۔

جلسے میں درج ذیل موضوعات پر تقاریر ہوں گی۔

(i) مجلسی اصلاح (ii) اتحاد عمل (iii) ترک سكرات بالخصوص بہنگ، افیم، چرس، شراب نوشی (iv) مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد (v) مسلمانوں کو سرگرم حصہ لینے کی ترغیب و تشویق

(ص 10-11 کاروائی جلسہ مسلم لیگ بھیرہ R/10)

جلسہ عام:

29 ستمبر 1930ء کو وقت مقررہ پر خواجہ عبدالجید میونسپل کمشنر کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ حاضری کافی تھی۔ سید غلام حسین شاہ جعفری بی اے نے کہا کہ بھنگی چرسی پیشہ ور فقیروں کا شیعیت کیا، اسلام سے بھی دور کا تعلق نہیں ہے۔ عوام کو ان کو خیرات دے کر ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ مولانا بگوی مدظلہ، مستقل صدر مسلم لیگ بھیرہ نے نہایت موثر اور جامع تقریر کی اور کہا کہ بھنگی چرسی فقیر اسلام کی پیشانی پر بد نما داغ ہیں، حقیقت میں یہ کسی کے قبیح نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو متفقہ طور پر ان سے قطع تعلقات کرنا چاہیے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھئے جلد دوم میں)

اثرات:

مندرجہ بالا سرگرمیوں سے یہ امور واضح ہیں کہ:

- 1- مسلم لیگ بھیرہ کی تشکیل میں ہر طبقہ خیال کو نمائندگی دی گئی ہے، جس میں علماء، سماجی اور سیاسی کارکن، کاروباری اور معروف خاندانوں کے Activists شامل ہیں۔
- 2- مسلم لیگ بھیرہ کی تاسیس میں اتفاق و اتحاد ایک بنیادی اینٹ ہے۔
- 3- مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ان کے ملی شعور کو اجاگر کیا گیا ہے۔
- 4- مسلمانوں میں رائج سماجی عیوب اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح کے لیے ہدف متعین کیا گیا ہے۔
- 5- مسلم لیگ بھیرہ کو روز اول سے صوبائی اور ملکی دھارے کا حصہ بنایا گیا ہے۔

- 6- ابتدائی ڈھانچے میں فرقہ واریت کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور بطور مسلمان قوم سیاسی اور سماجی مسائل کے لیے ذہنی بیداری اور عملی آہنگی پر زور دیا گیا ہے۔
 - 7- قومی مسائل پر رائے زنی سے پہلے قومی رہنماؤں کے موقف اور رد عمل کو دیکھنا ضروری قرار دیا ہے۔
 - 8- مسلم لیگ کو ڈرائنگ روم تک محدود نہیں رکھا گیا، جلسہ عام کے ذریعے پبلک میں لایا گیا ہے۔
 - 9- تشکیل و تنظیم میں تحریر اور دستاویزات کو اہمیت دی گئی ہے۔
 - 10- مولانا بگویی کی شخصیت اور خدمات کے پیش نظر انہیں مسلم لیگ بھیرہ کا مستقل صدر قرار دیا گیا ہے۔
- 1930ء میں جب پہلی بار مسلم لیگ بھیرہ قائم ہوئی اس وقت تک یہ ملکی سطح پر کوئی موثر سیاسی طاقت نہ تھی۔ مگر جیسا کہ روڈادوں سے اندازہ ہوتا ہے، اس پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو اپنے سیاسی حقوق کی شناخت حاصل ہوئی اور وہ اپنی محرومیوں کو اچھی طرح پہچاننے لگے۔ اس کے بعد مسلم لیگ بھیرہ کا ریکارڈ بنا پیدا اور خاموش ہے۔ ایک مختصر تذکرہ بابت سال 1938ء ملک محمد اقبال ایڈووکیٹ مرحوم کی کتاب میں نظر آتا ہے اور اس کے بعد 1945ء کے سالانہ جلسہ حزب الانصار کے موقع پر متفقہ قرار دیا گیا کہ حمایت پاکستان کی صورت میں!
- ضلع شاہ پور (سرگودھا) میں مسلم لیگ کا آغاز:

ملک محمد اقبال مرحوم ایڈووکیٹ سرگودھا اپنی کتاب ”تحریک پاکستان اور سرگودھا کی یادیں“ میں ملک مولانا بخش ایڈووکیٹ (جن کا تعلق میانی سے تھا) کو ضلع سرگودھا میں مسلم لیگ کا بانی قرار دیتے ہیں۔ جنہوں نے 1938ء میں اس کا آغاز کیا اور 1940ء میں میانوالی چلے گئے۔ (ص 17)

ملک صاحب کا اندازہ درست نہیں ہے۔ تشکیل جماعت کی یہ سرگرمی بہت بعد کی اور صرف شہری تنظیم کی حد تک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ضلع سرگودھا میں سب سے پہلے مسلم لیگ کی بنیاد 19 جولائی 1930ء بوقت دس بجے شب انجمن اسلامیہ سکول بھیرہ (اندرون دروازہ چک والہ) میں رکھی گئی۔ اس اجلاس کی صدارت حکیم مولوی شاہ محمد صاحب (شیخ پوری) نے کی۔ اس اجلاس کی تفصیل اور مسلم لیگ بھیرہ کی تاریخ پہلے گزر چکی ہے۔ جو اصحاب متفقہ طور پر مسلم لیگ بھیرہ کے عہدے دار مقرر ہوئے ان کے پریذیڈنٹ مولانا ظہور احمد بگویی خطیب جامع مسجد و سیکرٹری انجمن اسلامیہ بھیرہ تھے۔

اس کے ساتھ 21 اصحاب پر مشتمل مجلس عاملہ (ایگزیکٹو کونسل) تشکیل دی گئی جس میں مسلمانوں کے تمام طبقوں اور شہر کے ممتاز خاندانوں کی نمائندگی موجود تھی۔ ریکارڈ تلف ہو جانے کے باوجود مسلم لیگ بھیرہ کی مصروفیات

اور خدمات کا جو حاصل سکا ہے وہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ تنظیم کافی عرصہ تک قائم رہی۔ مقامی، ملکی اور قومی مسائل کی نشاندہی، ان کے حل اور رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے تمام عہدے داران مل جل کر کوششیں کرتے رہے تاہم ضلعی سطح پر کوئی موثر ڈھانچہ نہ ہونے اور صوبائی سطح پر کمزور قیادت کے سبب مسلم لیگ بھیرہ زیادہ دیر فعال نہ رہی۔

پنجاب میں مسلم لیگ کا کردار:

علامہ سر محمد اقبال مرحوم کی وفات کے بعد 1938ء سے نواب محمد شاہ نواز ممدوٹ پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے۔ سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب کے ساتھ ان کے ذاتی تعلقات بہت اچھے تھے۔ ان کی وفات کے بعد 1942ء میں ان کے صاحبزادے نواب افتخار حسین ممدوٹ صوبائی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ 14 اکتوبر 1938ء کو جناح سکندر پیکٹ طے ہوا تھا جس کے تحت مسلم لیگ پنجاب نے یونینسٹ پارٹی کے ساتھ مل کر کوالیشن حکومت بنائی۔ 1941ء میں سر سکندر حیات کی اچانک وفات کے بعد یونینسٹ پارٹی نے گورنر پنجاب کی تاکید پر ضلع سرگودھا کے ملک عمر حیات خان ٹوانہ کے فرزند ملک خضر حیات خان ٹوانہ کو پنجاب کا وزیر اعظم نامزد کر دیا۔ ملک خضر حیات ٹوانہ نے جناح سکندر پیکٹ کی توثیق کر دی اور اس پر پوری طرح عمل درآمد کا یقین دلایا۔

ضلع سرگودھا میں مسلم لیگ کی تشکیل:

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، سرگودھا میں ضلعی سطح پر مسلم لیگ کا کوئی وجود نہ تھا۔ 1930ء میں ایک کوشش مسلم لیگ بھیرہ اور دوسری 1938ء میں مسلم لیگ سرگودھا کی شکل میں نظر آتی ہے۔ صوبائی سطح پر جناح سکندر پیکٹ میں دراڑیں نمودار ہو جانے کے بعد صوبائی قیادت کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ لاہور سے باہر اضلاع میں ایسے سرکردہ اصحاب کی سرپرستی کرے اور انہیں مسلم لیگ کی آغوش میں لے آئے جو کسی وجہ سے یونینسٹ پارٹی یا اس کی قیادت سے ناآسودہ یا نالاں تھے۔ چنانچہ موضع صابووال تحصیل شاہ پور کے رئیس نواب محمد حیات قریشی (جو علاقے کے ذیلدار اور آزریری مجسٹریٹ بھی تھے) نے 1941ء میں مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ ملک محمد اقبال ایڈووکیٹ لکھتے ہیں:

”نواب محمد حیات قریشی کے لڑکے محمد سعید قریشی کی شادی میاں ممتاز دولتانہ کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ نواب محمد حیات قریشی مرحوم مسلم لیگ میں میاں ممتاز دولتانہ کی وجہ سے شامل ہوئے یا اس لیے کہ ان کی ٹوانوں سے سیاسی رقابت تھی۔“

(تحریک پاکستان اور سرگودھا کی یادیں۔ ملک محمد اقبال ص 16)

نواب محمد حیات قریشی دفتر کے ماہانہ اخراجات کے لیے اپنی گھر سے رقم دیتے رہے۔ چند کرسیوں، میز اور

رسالوں کے ساتھ دفتر قائم کیا گیا۔ اس دور کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے ملک محمد اقبال لکھتے ہیں:

”مسلم لیگ کے کارکنوں کی میٹنگیں ہمیشہ ان کی کوٹھی پر منعقد ہوتی تھیں۔ آغاز میں چودھری حمید احمد ایڈووکیٹ مسلم لیگ کے سیکرٹری اور چودھری نصیر احمد چیمہ ایڈووکیٹ جوائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔ جہاں تک مجھے اس وقت کے کارکنوں کے نام یاد پڑتے ہیں، میرے علاوہ میاں عطا محمد پراچہ ایڈووکیٹ، قریشی محمد عبداللہ شاہ ایڈووکیٹ، میاں ظہور الدین بار ایٹ لاء، چودھری فیض احمد ایڈووکیٹ، قاضی صادق حسین ایڈووکیٹ اور چند دیگر حضرات مسلم لیگ کے اجلاس میں حصہ لیتے تھے۔ لیکن ابھی تک مسلم لیگ عوام تک نہ پہنچی تھی“۔ (ص 16)

ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ سرگودھا ابھی چند کلاء تک محدود تھی، اس کا پیغام عوام تک پہنچا تھا اور نہ ہی اسے ضلع کے مختلف طبقات کی حمایت ہی حاصل ہو سکی تھی۔ 1937ء کے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں نواب محمد حیات قریشی شاہ پور تحصیل میں نواب اللہ بخش ٹوانہ سے شکست کھا چکے تھے۔ خضر حیات ٹوانہ کے ایماء پر نواب اللہ بخش ٹوانہ نے 1942ء میں ضلع میں متوازی مسلم لیگ قائم کر لی۔ تاہم سر سکندر حیات کی مداخلت سے دونوں مسلم لیگی تنظیموں کو ضم کر دیا گیا اور حضرت مولانا خواجہ محمد قمر الدین سیالوٹی سجادہ نشین سیال شریف کو جو دونوں متحارب نوابوں کے پیر و مرشد تھے، صدر مسلم لیگ سرگودھا بنا دیا۔ (ص 16-17)

ضلع سرگودھا میں مسلم لیگ کی تنظیم:

نواب محمد حیات قریشی، حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوٹی سجادہ نشین کے مرید خاص اور آستانہ سیال شریف کے قریبی معتمد تھے۔ دیگر مسلم لیگی قیادت کی طرح انہیں احساس تھا کہ علماء و مشائخ کی شمولیت اور خطابت ہی عوام کو تحریک پاکستان کی طرف مائل کر سکتی ہے۔ سرگودھا ضلع میں بالعموم اور شہر میں بالخصوص غیر مسلم نہ صرف تعلیم یافتہ تھے بلکہ معاشی اور کاروباری طور پر منظم اور بااثر تھے۔ انگریز کی بیوروکریسی مکمل طور پر ملک خضر حیات خان ٹوانہ کے ساتھ تھی۔ چنانچہ انگریز سرکار کے خلاف اور غیر مسلموں کے مقابل میں صف آرا ہونے کے لیے ضروری تھا کہ عوام مطالبہ پاکستان کو اپناتے اور پورے جوش اور جذبے کے ساتھ حصول وطن کے لیے میدان عمل میں نکل پڑتے۔ اس نازک مرحلے پر نواب محمد حیات قریشی نے صدر ضلعی مسلم لیگ سرگودھا حضرت خواجہ صاحب سیالوٹی کے مشورے اور تائید سے **مولانا ظہور احمد بگوی** کو مسلم لیگ ضلع سرگودھا میں درج ذیل ذمہ داریوں کے لیے نامزد کیا۔

نامزدگی:

نائب صدر: آل انڈیا مسلم لیگ ضلع سرگودھا

رکن: صوبائی مجلس عاملہ پنجاب مسلم لیگ (لاہور)

نامزدگی کے مراسلے میں نواب محمد حیات قریشی تحریک پاکستان کی کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کرتے ہیں اور مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کے سالانہ جلسہ (منعقدہ بھیرہ مارچ 1945ء) پر خود نہ آسکنے پر معذرت کے علاوہ اس عظیم اجتماع میں نظریہ پاکستان کی تشریح و وضاحت اور عملی اعانت کے لیے تحریک بھی کرتے ہیں۔

(دیکھیے جلد دوم میں)

تحریک پاکستان میں:

جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے ملک خضر حیات خان ٹوانہ وزیر اعظم پنجاب کے ساتھ تصادم کے بعد اب ناگزیر ہو چکا تھا کہ پنجاب میں آنے والے الیکشن کے لیے مسلم لیگ کو صحیح خطوط پر منظم کیا جائے۔ اسے عوامی روپ دیا جائے اور مسلم رائے عامہ کو مسلم لیگ کے پیغام

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

سے پوری طرح آگاہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں طے ہوا کہ پنجاب مسلم فیڈریشن کے طلبہ کارکنوں کا ایک تربیتی کیمپ لاہور میں منعقد کیا جائے۔ تربیت کے بعد 3 نوجوانوں پر مشتمل گروپ مقررہ اضلاع میں جائے اور وہاں چل پھر کر دیہات اور قصبات میں عوام کی رائے کو پاکستان کے حق میں ہموار کرے۔ چنانچہ میاں ممتاز دولتاناہ جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ نے ضلعی مسلم لیگ کے دفاتر کو ضروری ہدایات جاری کر دیں۔ ضلع سرگودھا کے لیے درج ذیل طلبہ کا گروپ طے ہوا:

(1) ظفر اقبال (سیالکوٹ) (2) خلیفہ امام الدین بقا (جالندھر)

(3) عبدالحمید بھٹی کمانڈر، نیشنل گارڈ پنجاب مسلم لیگ (چک 33 جنوبی سرگودھا)

(یادوں کی دھنک۔ بریگیڈیئر ظفر اقبال ص 57)

نوجوان طلبہ کا یہ گروپ جس قدر جذبہ ایمانی اور نظریہ پاکستان سے محبت میں سرشار تھا۔ مقامی مسلم لیگ چونکہ ایک کاغذی تنظیم تھی اس کے کرتا دھرتا اتنے ہی جذبوں سے عاری، منزل سے دور اور ان کا رویہ حوصلہ شکن تھا (ص 59)۔ تاہم ظفر اقبال اور خلیفہ امام الدین بقا دونوں جوان طالب علم مقدور بھر ضلع میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچاتے رہے اور لوگوں کو پاکستان سے متعارف کراتے رہے۔

مسلم لیگ سرگودھا کا پہلا عوامی جلسہ:

برگیڈیئر ظفر اقبال لکھتے ہیں:

”ایک ماہ کے بعد ہم نے ڈسٹرکٹ مسلم لیگ سرگودھا کو اس علاقہ میں جلسہ منعقد کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس جلسہ میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ سرگودھا کی تاریخ میں اس وقت تک مسلم لیگ کا یہ پہلا بڑا عوامی اجتماع تھا جس میں عبداللہ شاہ قریشی، چوہدری فیض احمد، قاضی مرید احمد، ملک محمد اقبال (ایڈووکیٹ)، مولانا ظہور احمد بگویی اور مولانا غلام فرید قریشی نے تقاریر کیں..... ہمارا یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔“ (یادوں کی دھنک ص 60-61)

ضلع سرگودھا میں عوامی رابطے:

برگیڈیئر ظفر اقبال نے اپنی کتاب ”یادوں کی دھنک“ میں اپنے ایک ماہ کے تبلیغی سفر کے اختتام پر سرگودھا میں ایک بڑے جلسہ عام کا ذکر کیا ہے جس میں طبقہ علماء و مشائخ میں سے صرف مولانا ظہور احمد بگویی کا نام نظر آتا ہے۔ اس میں کوئی اور عالم دین یا سجادہ نشین شامل نہیں ہے۔ ملک محمد اقبال ایڈووکیٹ نے اپنی یادداشتوں ”تحریک پاکستان اور سرگودھا کی یادیں“ میں سرگودھا کی تحصیل خوشاب، سرگودھا، شاہ پور اور بھلووال کے سرکردہ اور نمایاں اشخاص کا ذکر کیا ہے جو قیام پاکستان سے قبل تحریک کے ساتھ متعلق ہوئے ہیں۔

تحصیل بھلووال میں مسلم لیگی اصحاب:

ملک محمد اقبال ایڈووکیٹ مرحوم لکھتے ہیں:-

”بھلووال تحصیل میں بھیرہ کا مشہور پراچہ خاندان یعنی شیخ فضل حق پراچہ مرحوم مسلم لیگی تھے۔ نون خاندان سرفیروز خان نون کی وجہ سے مسلم لیگ کے ساتھ تھا لیکن ان کا اثر و رسوخ کچھ زیادہ نہ تھا۔ بھلووال تحصیل کی نئی آبادی کے کچھ لوگ مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔ مذہرانجھ کے مخدوم نذیر احمد ایڈووکیٹ، چوہدری محمد علی رانجھا، چوہدری عمر حیات، محمد نذیر بدرانہ، یہ لوگ خاصے بڑے زمیندار ہیں اور کافی اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ یہ سب مسلم لیگی تھے۔ کوٹ مومن میں چوہدری محمد قاسم میلہ مسلم لیگی تھے۔ تھانہ میانی میں ملک خضر حیات ٹوانہ کا کافی اثر تھا لیکن وہاں سے بھی چوہدری محمد نذیر بیون والیہ مسلم لیگ کے امدادی تھے۔ بھلووال تحصیل میں سید شہباز حسین شاہ، چوہدری میاں خان سالار نیشنل گارڈ، مولانا حبیب الرحمن امام (جامع مسجد)

بھلوال اور چوہدری برکت علی مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ بھیرہ شہر سے ماسٹر امروہو اور حاجی عبداللہ پراچہ، محمد افضل جوش پراچہ، بابو خواجہ غلام جیلانی (سابق سیکرٹری مسلم لیگ بھیرہ) شیخ غلام جیلانی پراچہ اور رحمت خان مسلم لیگ کے ورکر تھے۔ (ص 29)

مولانا بگویی کا تحریک میں حصہ:

ملک محمد اقبال ایڈووکیٹ کی یادداشتیں، ریکارڈ تلف ہو جانے کے سبب محض حافظے کی مدد سے اور وہ بھی بہت دیر کے بعد قلم بند ہوئی ہیں اس لیے بہت سارے اہم واقعات کی کڑیاں اور کام کرنے والے اصحاب کا ذکر رہ گیا ہے۔ تاہم وہ مولانا بگویی کے بارے میں مجملاً لکھتے ہیں:

”جامع مسجد بھیرہ کے مولانا ظہور احمد بگویی صاحب بڑے اثر کے مالک تھے اور انہوں نے بھی تحریک (پاکستان) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مگر افسوس کہ تحریک کے جو بن پر آنے سے قبل مولانا ظہور احمد بگویی فوت ہو گئے۔“ (ص 29)

مولانا بگویی تحریک پاکستان میں

برصغیر ہندوستان میں انگریز کے خلاف جدوجہد کا بنیادی مقصد حصول آزادی تھا۔ اس مقصد کے لیے ہراول رول آل انڈیا نیشنل کانگریس کا تھا جس کو مسلمانوں کی جانب سے جمعیت العلماء ہند کی حمایت حاصل تھی۔ آخر الذکر کو مجلس احرار اسلام ہند اپنا روحانی اور مذہبی امام مانتی رہی۔ خاکسار تحریک کو ابتدا میں بعض علماء کی جانب سے تعاون حاصل ہوا مگر اہل علم اور دین دار طبقوں میں اسے کبھی پذیرائی نہیں ملی۔ چنانچہ برصغیر کے علماء کا عمومی سیاسی رجحان کانگریس کی طرف رہا۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی، علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری، مولانا احمد سعید، پیر جماعت علی شاہ علی پوری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہاروی، مولانا غلام غوث بزاروی، مولانا محمد علی جانندھری، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا احمد علی لاہوری وغیرہ وغیرہ۔ گویا علماء کی ایک طویل فہرست ہے جو آزادی کے اس مفہوم اور اس کے حصول کے لیے اسی لائحہ عمل کی قائل تھی جو اصلاً نیشنل کانگریس کی پالیسی تھی۔ تحریک خلافت غالباً پہلی جدوجہد تھی جس میں کانگریس نے خلافت جیسے دینی اور آئینی

مسئلے میں مسلم امہ اور علماء کی بھرپور تائید کی تاہم اس مسئلے کا تعلق ہندوستان کی سیاست اور اس کی آزادی سے نہ تھا۔
آزادی کے لیے خدمات:

- مولاناظہور احمد بگویی کی زندگی کا واحد صحیح نظر اسلام کی سر بلندی اور مسلمانوں کی ترقی و اتحاد تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے لیے مولانا نے درج ذیل خدمات سر انجام دیں۔
- 1- مسلم لیگ بھیرہ کی تشکیل اور اتحاد مسلمین کی کوششیں۔
 - 2- مسلم لیگ ضلع سرگودھا میں بطور نائب صدر اور رکن صوبائی مجلس عاملہ نامزدگی۔
 - 3- پنجاب مسلم لیگ سٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگ سرگودھا کے جلسوں سے خطاب۔
 - 4- حزب الانصار کے تبلیغی دوروں اور جلسوں میں مسلم قومیت کا پرچار۔
 - 5- جریدہ شمس الاسلام میں ہندو نواز کانگریسی پالیسی پر تنقید اور مسلم امہ کے مسائل کی اشاعت۔
 - 6- حزب الانصار کے پندرہویں سالانہ جلسہ پر قیام پاکستان کی حمایت میں قرارداد۔

قبیلہ علماء میں سے الگ ہو کر مسلم لیگ قائم کرنا، اس کے عہدے قبول کرنا اور پھر نظریہ پاکستان کا عوام میں پرچار کرنا۔ یقیناً مولانا بگویی کی مختصر زندگی کے بہت روشن اور ممتاز پہلو ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ قبیلہ کے گل ہائے سرسبز سیاسی طور پر مسلم لیگ کے مخالف نظریات کے حامل ہیں۔ مگر مولانا کے دل میں ان اکابر کے خلاف کبھی میل آیا اور نہ کسی رہنما نے مولانا کے اخلاص پر کبھی شک کی نگاہ ڈالی۔ یہ اپنوں پرانیوں سبھی کو معلوم تھا کہ مولاناظہور احمد بگویی کے پیش نظر صرف اسلام کی سر بلندی اور محض مسلمانوں کی ترقی و اتحاد ہے۔ مولانا پیرزادہ محمد بہاؤ الحق قاسمی اپنے تعزیتی مضمون ”ایک المیہ“ میں مولانا بگویی کے سیاسی مسلک کے بارے میں تفصیل سے لکھتے ہیں:

”ان کا ہر قدم صرف دین کے لیے اٹھتا تھا۔ وہ اگر تحریک خلافت میں شامل ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں مردانہ وار برداشت کیں تو اس سے دین کا اعلاء مقصود تھا۔ مجلس احرار اسلام کے ساتھ تعاون کیا تو اسی بنا پر کہ اس پلیٹ فارم سے مرزائیت و خاکساریت ایسے عظیم فتنوں کے خلاف صدائے حق بلند کی جاسکتی ہے اور انتقال سے کچھ ہی مدت قبل مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو یہ بھی اس لیے اور صرف اس لیے تھا کہ کم از کم اپنے علاقہ میں کمیونسٹوں اور روافض کو (جو مسلم لیگ کی آڑ میں مسلمانوں کے اندر اپنے زہریلے جراثیم پھیلا رہے ہیں) برسر اقتدار نہ آنے دیا جائے۔ جس کے قلب میں ایمان راسخ ہو، صرف دین اس کا منتہائے مقصود ہو وہ

کانگریس کے پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا مسلم لیگ کے سٹیج پر، بہر کیف وہ دین ہی کی بات کہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم (جب مسلم) لیگ میں شامل ہوئے تو بہت سے دوستوں کو اس پر نہایت تعجب اور افسوس ہوا۔ لیکن میں مطمئن تھا کہ مولانا ظہور احمد بگویی جیسے مجاہد کا مسلم لیگ میں شامل ہونا دینی نقطہ نظر سے بہر حال مفید ہی ہوگا۔

میرے اس خیال کی تائید اس ریزولیشن سے ہوتی ہے جو مولانا نے اپنے انتقال سے چند روز پہلے مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کے سالانہ اجلاس عام (11 مارچ 1945ء) میں منظور کرایا۔

اس کے الفاظ کو غور سے پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ ظہور احمد خود نہیں بدلتا تھا بلکہ غلط کاروں کے غلط ذہنوں کو تبدیل کرانے کی مختلف عنوانوں سے کوشش کرتا تھا۔

(شمس الاسلام، مئی 1945ء۔ ص 33-34)

مولانا قاسمی نے جو کچھ لکھا وہی حقیقت ہے۔ مولانا بگویی نے دین کے ہر خادم کی قدر کی، ہر مکتب فکر کے علماء کو ایک سٹیج پر اور ایک رسالہ میں یکجا کیا۔ دین اور مسلمانوں کی خدمت اور حفاظت کے تمام کاموں میں بے خطر کود پڑے۔ جب محسوس کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے مسلم لیگ کے ساتھ کام کرنا ضروری ہے تو کسی کی پرواہ کیے بغیر مسلم لیگ کے ساتھ ہوئے۔ خصوصاً جب مسلم لیگ خود مسلمانوں کے لیے ابھی اجنبی اور نووارد تھی۔

قیام پاکستان کی قراردادیں:

11 مارچ 1945ء کو جامع مسجد بھیرہ میں مرکزی حزب الانصار کے تحت کل ہند انصار تبلیغی کانفرنس کے عظیم الشان اجلاس منعقد ہوئے جس میں ملک کے ممتاز علماء اور مشائخ نے عوام کو خطاب کیا۔ مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا بگویی کا یہ آخری خطاب تھا۔ اس تاریخی اجتماع کے آخری روز جو قراردادیں متفقہ طور پر پاس ہوئیں ان میں آخری اور اہم ترین قرارداد پاکستان یہ تھی:

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا یہ سالانہ عظیم الشان اجتماع اس پاکستان کا جو خلافت راشدہ کے طریق پر قائم کیا جائے، پر زور تائید کرتا ہے۔

علاوہ ازیں مسلم لیگ کی قیادت کو اسلام دشمن اور مسلمان مخالف لابی اپنے گھیرے میں لانا چاہ رہی تھی۔ اس صورت میں خدشہ تھا کہ نظریہ پاکستان کی غلط توجیہ کی جائے۔ اسلامی ناموں کے لبادے میں اسلامی افکار و نظریات کی من مانی تعبیر کی جائے اور ایسا نظام وضع کیا جائے جو خدا بیزار، سرمایہ دار، مخصوص مفادات کا محافظ اور غریب دوستی سے عاری ہو۔ چنانچہ حزب الانصار کے سالانہ جلسہ میں پاکستان کے بارے میں منظور شدہ دوسری قرارداد یہ تھی:

مجلس حزب الانصار بھیرہ کا یہ سالانہ نمائندہ اجتماع مسلم لیگ کے ارباب بست و کشاد سے مطالبہ کرتا ہے کہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ یعنی دھریہ اشخاص کو اپنے دائرہ رکنیت سے جلد از جلد خارج کرے اور مسلم لیگ کے ہر رکن کے لیے اسلامی شریعت کی پابندی لازمی قرار دے۔

(شمس الاسلام مئی 1945ء جلد 16 نمبر 5، ص 2-3)

نظریہ پاکستان - مشن اور وژن:

حزب الانصار بھیرہ کے پندرھویں سالانہ سہ روزہ اجتماع کے آخری اجلاس میں ہزاروں افراد موجود تھے۔ جن میں سے اکثر پنجاب اور بیرون کے اضلاع سے آئے تھے۔ اس اجتماع میں دو درجن کے لگ بھگ مختلف مکاتب فکر کے جید علماء اور تونہ شریف کے سجادہ نشین، سیال شریف و دیگر آستانوں کے مسند نشین موجود تھے۔ پہلی قرارداد بہت جامع ہے جو ایک طرف مرزائیوں اور شیعوں سے الگ خلافت راشدہ کی منہاج کا مطالبہ ہے اور دوسری طرف مسلم لیگ اور اس کی قیادت کے لیے نیا ملک چلانے کے لیے مشن اور وژن عطا کرتی ہے۔ اس مطالبے میں نظریہ پاکستان پوری طرح موجزن تھا۔ یہ جذبہ اس امر کا غماز تھا کہ مولانا بگویی اور جملہ شرکاء جلسہ ایسے آزاد وطن کے خواہاں تھے جہاں قرآن و سنت کی عمل داری ہو۔ جہاں خلفائے راشدین کی اتباع میں آزموہ نظام مملکت رائج کیا جائے۔ ایسا پاکستان جو آج بھی کروڑوں دلوں کی آواز اور جاگتی آنکھوں کا خواب ہے!

مجلس مرکز یہ حزب الانصار بھیرہ کے پلیٹ فارم سے یہ مطالبے گویا مذہبی اور روحانی حلقوں کی جانب سے پہلی مؤثر اور بڑی واضح صدا تھی۔ مسلک اعتدال و اتحاد اور مسلمانوں کی ترقی و فلاح کے متمنی حلقوں کے لیے جدوجہد آزادی میں شریک ہونے کا نقطہ آغاز تھا۔ جس کی انتہا بقیام پاکستان تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کا آغاز سفر 1920ء

میں تحریک خلافت تھا اور ان کی مختصر زندگی کا انجام 1945ء میں تحریک حصول پاکستان تھا۔

شخصیت

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی صحیح معنوں میں عبقری اور انقلابی تھے۔ وہ اسلاف کے ورثوں کے امین، معاصرہ نسل کے ترجمان اور اسلام کے صف اول کے مجاہد تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں ولی اللہی خاندان کی روشن کردہ شمع علم و حکمت اور جذبہ و ایمان سے تحریک بالاکوٹ اور تحریک آزادی 1857ء منور ہوئیں۔ وہ ملکی جدوجہد تھی اور تحریک خلافت مسلم حریت و عظمت کی شاندار بین الاقوامی علامت۔ ولی اللہی شمع علم سے مولانا کو گہرا ذہنی قلبی اور روحانی لگاؤ تھا اور دوسری تحریک میں وہ اپنے جسم و جان کی تمام توانائیوں کے ساتھ شریک کارواں تھے۔

مولانا بگویی ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ ان میں خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بڑی فراوانی تھی۔ ان کے عزائم بہت بلند، تگ و تازا انتہائی وسیع اور اہداف بڑے زبردست تھے۔ وہ استعداد اور جوہر کے اتنے بڑے قدر دان تھے کہ جو اہل علم اور اہل دل ان سے چھو گیا، کندن ہو گیا۔ ان کے تدبر، مردم شناسی اور دور اندیشی کا اندازہ ان چند ناموں سے لگایا جاسکتا ہے جو مولانا نے حزب الانصار کے مختلف شعبوں کی تنظیم اور نگہداشت کے لیے چنے۔ ان میں حضرت مولانا مفتی سید سیاح الدین کا کاخیل، مولانا سید نذیر الحق میرٹھی، علامہ رحمت اللہ ارشد، مولانا عبدالرحمن میانوی مولانا قاضی احسان اللہ شجاع آبادی، مولانا حبیب اللہ امرتسری، حکیم عبدالمجید سیفی، مولانا حکیم عبدالرسول بٹھروی، مولانا غلام اللہ خاں، مولانا محمد حسین شوق پیلانوی، مولانا خان محمد کندیاں شریف اور دیگر بہت سارے اہل علم اور اہل ہنہ شامل ہیں۔

مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن بلکہ ایک دبستان تھے۔ ان کے دم قدم سے کئی علمی معرکوں اور دینی محاذوں نے جنم لیا۔ آپ کی شخصیت بڑی جامع کمالات و صفات تھی۔ پیچھے بیان کردہ ان کے ملی کارہائے نمایاں اور دینی خدمات سے ان کی شخصیت کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مارچ 1945ء میں مولانا کی ناگہاں اور جوان مرگ پر ان کے بارے میں ان کے قریبی احباب اور رفقاء کے چند مضامین شائع ہوئے تھے۔ ان کی مدد اور شمس الاسلام کے اوراق سے مولانا کی بلند پایہ اور عظیم الشان شخصیت کے بارے میں کچھ معلومات پیش خدمت ہیں۔

دین سے محبت:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی مختصر سی زندگی کا جائزہ لیں تو ہر جہت سے یہ نظر آتا ہے کہ انہیں اللہ کے دین سے کبھی محبت تھی۔ اسلام کے لیے ان کے دل میں شدید عصبیت تھی۔ ان کی تمام تر جدوجہد کا محور اسلام کی

سر بلندی اور مسلمانوں کی فلاح اور خدمت تھی۔ ملت اسلامیہ کے خلاف کہیں سے کوئی آواز بلند ہوتی یا تحریک اٹھتی تو آپ بے خطر کود پڑتے۔ دل و جان سے نچھا اور ہونے کے لیے تیار ہو جاتے۔

مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل لکھتے ہیں:-

”حضرت امیر حزب الانصار کی ذات ایسی تھی کہ سرزمین پنجاب بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے سامنے وہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور اپنی ضوائف نشانی سے تمام ملک کو منور اور تاباں کر رہی تھی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں چند گنے چنے لوگ ایسے ملتے ہیں جو پورے اخلاص و للہیت کے ساتھ، لوجہ اللہ اپنی تمام زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر ڈالتے ہیں۔ مولانا بگویی ان پاک طینت لوگوں میں سے تھے جو اپنا آرام، اپنی راحت، جاہ و جلال، مال و دولت سب کچھ دین حنیف کی سر بلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قربان کر کے سربلکف میدان میں نکلتے ہیں اور اپنی عمر کی ساری گھڑیاں حق و صداقت کی حمایت اور مذہب و ملت کی پاسبانی میں صرف کر کے آخر دم تک اسی خدمت میں رہتے ہیں اور جان بھی جان آفریں کو سپرد کرتے ہیں تو یا میدان جہاد میں یا فی سبیل اللہ سفر میں“۔ (شمس الاسلام۔ مئی 1945ء)

خدمت اسلام:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا بگویی کو جن صلاحیتوں اور جیسی استعداد کار سے نوازا تھا، انہوں نے اسلام کے لیے ان کا بھرپور اور مسلسل استعمال کیا۔ یہ تو انائیاں تمام تر اور خالصۃً اسلام کی خدمت اور اس کی حفاظت کے لیے صرف کیں۔ مولانا محمد ذاکر سابق ایم این اے اور بانی جامعہ محمدی شریف جھنگ لکھتے ہیں:

”مولانا بگویی صاحب ان خوش قسمت افراد سے تھے جنہیں قدرت نے ذہانت، اولوالعزمی، ایثار، قربانی، استقلال کے گراں قدر جواہر ودیعت فرمائے تھے۔ اور جن کا جینا مرنا محض مالک ذوالجلال کے لیے تھا۔ تحریک خلافت سے راقم کو مرحوم سے مل کر کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور اس عرصہ میں ملکی و ملی حالات نے مختلف پلٹے کھائے لیکن مولانا مرحوم نے شروع سے خدمت اسلام کے لیے جس مسلک پر احرام باندھا تھا اخیر دم تک مردانہ و اراسی پر مستقل رہ کر استقلال و ایثار کی مثال قائم کر دی۔“

(شمس الاسلام۔ اکتوبر 1945ء، ص 15)

دین کی خدمت کے لیے جن خوبیوں اور قابلیتوں کی ضرورت ہے وہ ہوں تو خلوص اور مقصدیت کے

ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ مولانا پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی ”المناک حادثہ“ میں لکھتے ہیں:-

”آج مسلمانوں میں نہ علماء کی کمی ہے نہ واعظوں کی، نہ لیڈروں کی نہ مشائخ طریقت کی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اگر کسی میں علم ہے تو عمل نہیں، عمل ہے تو وہ اپنی ذات تک محدود ہے۔ تبلیغ دین کی تڑپ نہیں اگر تڑپ

موجود ہے تو کام کرنے کا سلیقہ نہیں اگر سلیقہ موجود ہے تو اخلاص مفقود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک یہ تمام اوصاف کسی خادم دین میں موجود نہ ہوں وہ صحیح طریق پر اسلام کی خدمات انجام نہیں دے سکتا۔ آج ہماری بد قسمتی سے ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں چند ہی گنتی کے ایسے حضرات موجود ہیں جو اس معیار پر پورے اتر سکتے ہیں۔ میرے نزدیک مولانا بگویی کا شمار انہیں حضرات میں تھا۔ ان میں علم بھی تھا اور عمل بھی۔ خدمت اسلام کی سچی تڑپ کے ساتھ تبلیغ دین کا سلیقہ بھی بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ ان کو قدرت نے اخلاص کی دولت بھی دی تھی اور ایثار و قربانی کی نعمت بھی۔ وہ اگر ایک شعلہ بیان اور پر جوش مقرر تھے تو ایک کامیاب مناظر بھی تھے۔ اگر انہوں نے کفر کی تخریب کے لیے قابل رشک کام کر کے دکھایا تو اسلام کی تعمیر کے لیے دینی مدرسے قائم کیے۔ نوجوانوں کی رضا کار جماعتیں بنائیں۔ ماہوار رسالہ (شمس الاسلام) جاری کیا۔ ایک بہت بڑا مذہبی و تاریخی کتب خانہ قائم کیا۔ مبلغین کی ایک جماعت کو ملک میں دورہ کرنے کے لیے متعین کئے رکھا۔“

(شمس الاسلام۔ مئی 1945ء۔ ص 33)

آہنی عزم و ارادہ:

اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے حضرت مولانا بگویی نے دعوت و عزیمت کی جو راہ عمل منتخب کر لی تھی، وہ چنداں سہل اور مختصر نہ تھی۔ اس راستے میں ہمیشہ سے اتنی رکاوٹیں آتی ہیں کہ اللہ کے فضل اور ایمان کی طاقت کے بغیر انہیں عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ مولانا پر ان کے رب کا یہ خاص فضل اور احسان تھا کہ وہ آہنی عزم و ارادہ سے متصف تھے۔ داخلی اور مقامی مشکلات، بیرونی مخالفتیں، ہم قدم اور ہم سخن رفقاء کی کمی، سرمایے کا فقدان، محدود وسائل، خرابی صحت، بے اولادی، غرض کوئی رکاوٹ ان کے ارادوں کو پسپا نہ کر سکی۔ حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للہی اپنے مضمون ”چند آنسو“ میں لکھتے ہیں:

”اس پر طرہ یہ کہ اس سارے کارخانہ کو چلانے والا ظاہر و باطناً وہ فقیر بے نوا مگر آہنی عزم والا بیدار مغز فقید النظر مدبرا کیلا تھا۔ کوئی سرمایہ دار تو اس کے ساتھ کیا ہوتا صرف مشیر کار یا حوصلہ افزا بھی کوئی نہ تھا بلکہ تنہا وہ ایک جماعت ایک مجلس شوریٰ اور ایک فعال مجلس عاملہ تھا

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تہا داری

مخالف مختلف طریقوں سے اس کے سدراہ ہوئے۔ اس کے کام میں روزانہ انکانے اور اندرونی خلفشار پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ پھر سرمایہ داروں نے پوری کوشش کی کہ اس مشہور عالم خطیب اور اعلیٰ ترین سلطان القلم کی اندرونی مشکلات سے فائدہ اٹھائے۔ اور اس عدیم المثال دماغ کو ہاتھ میں لے۔ مگر اس کی ہمت مردانہ کی کن الفاظ میں دادوں کہ مشکلات کے وقت اس کے قدموں میں لغزش تو کیا آتی

بلکہ اور زیادہ مضبوطی سے جم گیا۔ گویا ایک کوہ وقار ہے، ایک مضبوط ترین چٹان ہے۔ جس کو کوئی طوفان باد و باران اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ اسی سیرت اور کردار کی پختگی نے مخالفوں تک کے دل میں اس کا بے پناہ وقار پیدا کر دیا اور اس کی عزت کرنے میں یگانہ اور بیگانہ یکساں مجبور ہوئے۔

میں اس کے حق میں اس کے سوا اور کیا کہوں

کہ ہندوستان میں وہ آپ اپنی مثال تھا

(شمس الاسلام جون 1945ء۔ ص 17)

مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف جھنگ لکھتے ہیں:

”مولانا بگویی صاحب کو اگرچہ حسب ضرورت بکثرت رفقاء کار (ہم پلہ) میسر نہ ہو سکے تاہم انہوں نے اپنے کام میں فرق نہیں آنے دیا۔ حق تعالیٰ نے مرحوم کو کچھ ایسا دل و دماغ عطا فرمایا تھا کہ وہ بسا اوقات کٹھن سے کٹھن واقعات اور نازک ترین حالات میں بھی تنہا سینہ سپر ہو کر میدان میں کود جاتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ بظاہر ایک شخص پوری جماعت کا کام بڑی بے جگری سے سرانجام دے رہا ہے۔“

(شمس الاسلام جلد 16 نمبر 10۔ ص 16)

مقصد و حید:

جب کسی سرفروشن کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہو تو پھر اس کے لیے دوسری سرگرمیاں اور دلچسپیاں قدر کھودیتی ہیں۔ مولانا کے سامنے اسلام کی حفاظت اور خدمت کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہ تھا۔ چنانچہ ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس کام کی نذر ہوا۔ حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول لٹھی لکھتے ہیں:-

جس نے اللہ کے لیے زندگی بسر کی اس نے اپنی زندگی کا نصب العین اور مقصد و حید اسلام کی خدمت قرار دیا۔ اور اس مقصد کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ جب دیکھا کہ اس کے نصب العین اور مقصد و حید (اسلام) پر حرف آ رہا ہے تو بلا خوف لومۃ لائم سینہ تان کر ڈٹ گیا۔ اس جادہ حق سے نہ پادشاہوں کا رعب و سیاست اس کو ڈگمگا سکا نہ امراء و رؤسا کا کیسہ پرزر۔ نہ کسی خطیب کی جادو بیانی اس کو ڈھیلا کر سکی نہ رفقائے رفاقت کہند۔ اس نے محبوب (اسلام) کے لیے ہر محاذ پر جنگ کی۔ اگر زبان سے محبوب پر نکتہ چینی کی گئی (خواہ وہ نکتہ چینی کتنی بے معلوم اور خفیف ہو) تو اپنی زبان گوہر افشاں سے اس کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اگر قلم لے کر مخالف حملہ آور ہوا تو سلطان القلم نے قلم سے اس کا سر قلم کر دیا۔ اگر کسی دشمن اسلام نے عسکری تنظیم وغیرہ کے پردہ میں اپنا پروپیگنڈا کرنا چاہا اور نوجوان پر یہ جادو چلتا دیکھا تو اس کے دوران دیش دماغ اور خوردبین نگاہ نے عسکری تنظیم کا علم بلند کر دیا۔ اور بلند ہمت سے قلیل عرصہ میں وہ کر دکھایا جو دوسرے سالہا سال میں کر پائے تھے۔ ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ فوج محمدی کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ اور مرکزی مقامات پر عظیم

الشان کمپ لگائے۔ (چند آنسو)

بانی و ناظم دارالعلوم محمدی شریف، ایک مقصد و حید کے لیے کوششوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور بایں ہمہ سب سے بڑا قیمتی جوہر جو آپ میں تھا وہ یہ کہ آپ نے ایک عرصہ دراز سے اپنی تمام تر زندگی (محض ملی و اسلامی خدمات کے لیے) خاص حسبہ اللہ وقف کر رکھی تھی۔ آپ کا حضر سفر محض خدمت دین قیم ہی کے لیے تھا۔ بعد میں ناسازی طبع کے باوجود جہاں کہیں ضرورت تبلیغ کی اطلاع پاتے بیتاب ہو کر فوراً پہنچنے کی کوشش فرماتے۔ آخر کار اس جانباز سپاہی نے میدان تبلیغ میں ہی ”جان عزیز“ جاں آفریں کے پیش کر دی۔ خدائے کون و مکان ان پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی مخلصانہ قربانیوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (بطفیل حبیب انور رحمۃ اللہ علیہ)۔ (ایک خاص گزارش)

اسلام دشمن قوتوں کا مقابلہ:

مولانا کے اندر فطرت نے یہ خصوصی صلاحیت و دیعت کی تھی کہ وہ اسلام دشمن اور مسلمان مخالف عناصر کو بہت دور سے اور بہت جلد پہچان لیتے تھے۔ جب ایک بار پورے شواہد کے ساتھ اور اپنے نور ایمانی سے وہ اس حقیقت کو جان جاتے تو پھر اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے مخالف کے لیے کوئی جائے مفر نہ تھی۔ وہ سیف بے نیام بن جاتے اور پوری طاقت اور شدت کے ساتھ تردید اور تعاقب میں جت جاتے تھے۔ فتنہ مرزائیت کے حوالے سے حضرت مفتی کا کا خیل لکھتے ہیں:

ان تمام کمالات سے بڑھ کر کمال آپ کی یہ خدمت دین متین اور جہاد عظیم ہے کہ آپ نے اپنا آرام، اپنی راحت ترک کر کے اور ہر قسم کی تکلیفوں، مخالفتوں، عداوتوں کی پروا نہ کر کے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بہترین مورچہ بندی کی۔ مرزائیوں کا مقابلہ کیا تو اس بہادری اور جانفشانی کے ساتھ کہ تمام ہندوستان میں ان کا تعاقب کیا اور برما تک ان کے تبلیغی وفد کا پیچھا کر کے ان کو ہر جگہ ناکام بنا دیا اور آپ کے رعب و ہیبت ہی سے ان قریبی علاقوں میں کسی مرزائی مبلغ کو کھلے بندوں دام تزویر پھیلانے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ بھیرہ حکیم نور الدین کا مسکن و مولد کے لحاظ سے قادیان ثانی ہے۔ لیکن یہاں کے مرزائی بھی سہے جاتے تھے اور ان کو ناامیدی تھی کہ اس مرد میدان کے سامنے ہماری ہر کوشش بے کار ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم نے باطل فرقوں کے مقابلہ میں حمایت حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر جس بے جگری اور جرأت و ہمت سے کام لے کر جہاد شروع کر رکھا تھا اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے۔ تمام ہندوستان میں آپ نے دورہ کر کے مرزائیت و شیعیت کے خلاف وہ کامیاب تقریریں کیں جن سے ان باطل گروہوں کے تمام مساعی اور پھیلائے ہوئے جال بے کار ہو گئے۔ یوں تو تمام

پنجاب کے مسلمانوں کو آپ نے پیغام حق پہنچا پہنچا کر ان کے مردہ قلوب میں زندگی کی ایک لہر دوڑادی تھی لیکن خصوصاً شمال مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو مرزائیت و شیعیت اور دوسرے فتنوں اور گمراہیوں سے بچانے اور شب و روز مسلسل سفروں کی صعوبتیں برداشت کر کے اور ہر معرکہ میں پہنچ کر اور اپنی جادو بیانی اور فصیح اللسانی کے آب حیات سے مردہ دیہاتیوں میں زندگی پیدا کر کے ان کو بیدار رکھنے کا جو کارنامہ آپ نے کر دکھایا ہے وہ ایک ایسا جہاد اکبر ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان علاقوں کی حالت اور مولانا مرحوم کی جدوجہد کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ

شورش عندلیب نے روح چمن میں ڈال دی
ورنہ کلی کلی یہاں مست تھی خواب ناز میں

(آہ حامی ملت بیضا)

حضرت لٹھی عظیم الشان تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہیں:-

اگر قادیانیوں کا وفد اپنے خزانہ عامرہ کے بل بوتے پر ہندوستان بھر میں تبلیغ کرنے نکلا تو یہ فقیہ بے نوالہ اللہ کے بھروسے پر ان کے تعاقب میں ہولیا۔ اور رنگون تک ہر جگہ ان کو شکست فاش دی۔
بالآخر دروٹو اور غلورا تا بخاناہ اش بایدر سانید۔

ان کو قادیاں میں محصور کر کے چھوڑا۔ بھیرہ جو قادیاں کے بعد مرزائیوں کے لیے دوسرا مقدس شہر ہے، ان ہی کے وجود گرامی اور مسلسل تبلیغ ہی کا اثر تھا کہ بھیرہ میں اس قدر بے وقار ہو کر رہ گئے کہ کوچہ بازار میں باوجود ہٹائی کے تبلیغ کرنا بلکہ اظہار مرزائیت کرنا ان کے لیے دشوار ہو گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء
رض کے فتنہ کے متعلق وہ عالمگیر کام کیا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ دورے کر کے عوام کو ان کے فتنہ و جمل سے آگاہ کیا۔ ان کے ساتھ کامیاب مناظرے کیے۔

مدح صحابہ کی تحریک شروع ہوئی تو وہ مرد مجاہد میدان میں آ گیا۔ اپنی شعہ بیان تقریروں سے ملک میں جوش پیدا کر دیا۔ بالآخر اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن استقلال میں فرق نہ آیا۔ اور رض میں سورا سرافیل لکھ کر ایسی یادگار چھوڑی جو ان کے اعمال حسنة میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

اس کے علاوہ جو ضمنی فتنے سر اٹھاتے آپ اپنی خداداد ذہانت و فطانت سے نئے فتنوں کو بھنپ لیتے جو آگے جا کر ایک عظیم فتنہ بننے والے ہوتے تو ان کی بروقت سرکوبی کے لیے شمشیر برہنہ بن جاتے۔ اور اپنی مدلل تقریروں اور ممبر بن تحریروں سے اس کا استیصال فرما کر اور طشت از بام کر کے دم لیتے بند مستقبل میں آنے والے فتنوں کو اپنی فقید النظر فراست سے تاڑ کر عوام سے لے کر علماء و مشائخ تک متنبہ فرماتے۔ سیاست جاہلی کے ڈگر پر کام کرنے والے لیڈروں پر شدید نکتہ چینی فرماتے رہے۔ اور ہمیشہ ان کو ان کے کام کے برے نتائج سے آگاہ فرمایا۔

(چند آنسو)

دین کے بارے میں بے لچک:

اسلام، خدا کا چنا ہوا ایک سیدھا سادا راستہ ہے۔ جس طرح اس صراطِ مستقیم میں موڑ اور جھکاؤ نہیں، اسی طرح اس راہ پر چلنے والوں کے لیے منافقت اور مداہنت کی کوئی گنجائش نہیں۔ مولانا اس معاملے میں حصہ وافر سے سرفراز تھے۔ اپنے ہوں یا بیگانے، دینی اور اصولی معاملات میں وہ کسی مفاہمت کے قائل نہ تھے۔ حضرت لٹھی لکھتے ہیں:-

”بارہا ایسا ہوا کہ جن احباب نے ان سے اختلاف رائے کیا بلکہ کسی حد تک ان سے علیحدہ ہو گئے تو ان کے عزم و استقامت نے مجبور کیا کہ پھر وہ خود ہی تعاون کے لیے ہاتھ بڑھائیں۔ دین اسلام کے بارے میں ذرا بھی لچک ان سے متوقع نہ تھی۔ کسی عزیز یا دوست کو ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے یہ توقع نہ ہوتی کہ اس کے لیے وہ کسی مذہبی معاملہ میں ذرا بھی چشم پوشی کریں گے۔ گویا مداہنت فی الدین سے تو وہ آشنا ہی نہ تھے۔“ (چند آنسو)

حضرت مفتی کا کا خیل اس پہلو پر اپنے مشاہدے میں لکھتے ہیں:-

”اس وقت سے لے کر اب تک میں حزب الانصار میں کام کر رہا ہوں اور مجھے یہاں رہ کر آپ کے عزائم، مقاصد، جدوجہد، اور حالات کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔ میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ جیسا آپ نے اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا حقیقتاً آپ کی تمام جدوجہد تقریر و تحریر، نشست و برخاست صرف اس غرض کے لیے تھی کہ اسلام کی صحیح خدمت ہو۔ اور مرزائیت، شیعیت، لاندہبیت کے حملوں کی مدافعت ہو۔ ہر اس شخص سے آپ کی جنگ ہوتی تھی جس کے متعلق آپ محسوس کرتے کہ اس کی کسی حرکت سے مرزائی یا شیعہ یا اس طرح کے کسی اور باطل فرقہ کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ اور ہر اس شخص کو گلے لگاتے جس کے متعلق یقین ہو جاتا کہ اس سے کسی درجہ میں بھی باطل گروہوں کے استیصال کی خدمت لی جاسکتی ہے۔“ (آہ حامی ملت بیضا)

مذہبی مجنون:

مولانا مفتی سید سیاح الدین کا کا خیل نے مولانا بگویی کے ساتھ مل کر طویل عرصہ کام کیا ہے۔ ان کے ساتھ قلمی اور لسانی معرکوں میں شریک رہے ہیں، ان کے دیئے ہوئے موضوعات پر طویل مضامین تحریر کیے ہیں۔ مولانا بگویی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس مشاہدے اور تجربے میں مولانا کا کا خیل نے مولانا بگویی کو دین کے لیے کس قدر حریص، خدمت اسلام کے لیے بے تاب، اتحاد امت کے لیے بے چین اور اعداء اسلام کے لیے سیف برہنہ پایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

ہر اس شخص سے آپ کی جنگ ہوتی تھی جس کے متعلق آپ محسوس کرتے کہ اس کی کسی حرکت سے مرزائی یا

شیعہ یا اس طرح کے کسی اور باطل فرقہ کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ اس شخص کو گلے لگاتے جس کے متعلق یقین ہو جاتا کہ اس سے کسی درجہ میں بھی باطل گروہوں۔۔۔ کی خدمت لی جاسکتی ہے۔ زندگی میں ایک صاحب آپ کو بطور طنز کے ”مذہبی مجنون“ کہا کرتے۔ نیت میں یہ لفظ آپ پر نہایت چسپاں تھا۔ ہندوستان بھر میں کہیں کوئی اس قسم کا واقعہ ہو جاتا جس سے مذہب کی توہین کا کچھ پہلو نکلتا۔ کسی اخبار میں، کسی رسالہ میں، کسی پمفلٹ میں کسی کتاب میں کوئی ایسا مضمون یا جملہ نظر پڑتا جس سے مذہب کی مخالفت کی کچھ بو آتی۔ صحابہ کرام، ائمہ عظام، سلف صالحین یا کسی اسلامی روایت پر اس کی کچھ زد پڑتی تو آپ تڑپ اٹھتے۔ آپ سے باہر ہو جاتے اور مجھے فوراً بلا کر فرماتے کہ:

ہم تو اپنا فریضہ ادا کریں۔ اس کے متعلق تمس الاسلام میں کوئی شذرہ ضرور لکھ دینا۔

(تمس الاسلام۔ مئی 1945ء)

وسعت نظر:

اکثر علماء کے بارے میں یہ ایک عام تاثر ہے کہ وہ جس مکتب فکر کو اثنائے تعلیم اپنالیتے ہیں ان کے اندر اس کے لیے پھر مستقل عصبيت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ عصبيت بڑھتے بڑھتے بالآخر تنگ نظری اور دوسروں کے نکتہ نظر سے کلی صرف نظر پر منتج ہوتی ہے۔ یہی دائرہ پھیلتے پھیلتے گروہ بندی اور فرقہ واریت کا سبب بن جاتا ہے۔ مولانا ظہور احمد گوی کا نسبی تعلق اگرچہ علمائے ربانی کے ایک معروف سلسلۃ الذہب سے ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں جس وسعت نظر اور روشن خیالی سے نوازا ہے اس کی تہ میں یہ چار عوامل کار فرما ہیں:

- ا۔ گویہ خاندان کا وسیع المشرب علمی، دینی اور روحانی پس منظر۔
- ب۔ حضرت خواجہ ثالث سیالوی کی تربیت، رفاقت اور رہنمائی۔
- ج۔ وسیع و عریض تبلیغی دورے اور مختلف انجیال علماء کے ساتھ ربط و تعلق۔
- د۔ وسیع البیاد، کثیر اور متنوع مطالعہ کتب و جرائد۔

مولانا محمد ذاکر ربانی جامعہ محمدی شریف مولانا گوی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

مرحوم کی حسنات اور اسلامی خدمات جلیلہ کی فہرست بفضلہ تعالیٰ بہت طویل ہے۔ اس ضمن میں مرحوم کی ایک اور خاص امتیازی خوبی کا بھی ذکر کر دینا کارکنوں کے لیے مفید ہوگا۔ جس لیے مزید عرض ہے کہ مرحوم مولانا گوی نہایت وسیع انجیال، بلند نظر کارکن تھے۔ مذہبی اسلامی فریفتگی کے ساتھ ہی سیاسیات عصریہ کے بہترین ماہر تھے۔ آپ مسلمانان اہل سنت کے تمام تعلیمی اداروں سے یکساں ہمدردانہ دلچسپی رکھتے تھے۔ اور سب کے لیے ایک اعلیٰ مشترکہ نظام کے خواہش مند تھے۔ اور خاص کر دارالعلوم محمدی کے نہایت ہی گہرے ہمدردو

مخسن تھے۔ اور اس کے مجوزہ اصلاحی تعلیمی نظام کے دل و جان سے حامی تھے۔ آپ نے اس دفعہ انتہائی مصروفیت کے باوجود دارالعلوم کے سالانہ اجلاس (چنیوٹ و محمدی) میں خاص ہمدردی کے ساتھ شمولیت فرما کر (اجلاس محمدی) میں ایسی شاندار اور دردمبھری تقریر فرمائی کہ حاضرین و سامعین عمر بھر نہیں بھول سکیں گے۔
(شمس الاسلام۔ اکتوبر 1945ء، ص 16)

مسلك اعتدال و اتحاد:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مولانا ظہور احمد گوی نے جن بزرگوں کی آغوش میں پرورش پائی وہ علم و فضل، طریقت و شریعت اور زہد و تقویٰ سے منور تھے۔ جس مرشد و مخسن کے زیر سایہ پروان چڑھے وہ آستانہ عالیہ سیال شریف کے گل سرسبد تھے۔ جیل اور قیام میں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا وہ بلا تخصیص مسلك و مشرب یگانہ روزگار اور ہر جماعت کی آنکھ کے تارے تھے۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد جب اہل دل قومی اضمحلال اور ملی ادبار کے سدباب کے لیے کمر بستہ ہوئے تو انہیں اپنے اثاثے میں کمزور ترین ہتھیار گروہی انتشار، فقہی اختلاف اور مسلکی تفریق نظر آئی۔ مولانا اس پہلو میں گویا مضبوط ترین اسلحے سے لیس تھے کیونکہ ان کے اساتذہ، اکابرین اور شیوخ کے ہاں گروہی انتشار تھا نہ فقہی اختلاف، مسلکی تفریق تھی اور نہ کسی کمتری یا برتری کا احساس فاخرہ۔ چنانچہ ان کے منہج کار کا نقطہ آغاز اور محوری تصور مسلك اعتدال اور اتحاد بین المسلمین بنا۔ مولانا پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی لکھتے ہیں:-

اس قدر اوصاف کے ساتھ آپ میں تواضع اور انکسار حد درجہ تھا۔ دین کے خادموں کی خاص قدر کرتے تھے۔ علماء کے، قاری کی بحالی کے لیے بے چین رہتے تھے۔ مختلف مسلك رکھنے والے علماء سے برابر ملتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر نہ ہو۔ باہمی منافرت نہ ہو اور وہ فروعی اختلافات سے بالاتر رہ کر فرض، مرزائیت، چکڑالویت اور اشتراکیت وغیرہ فتنوں کے استیصال کے لیے متحدہ محاذ قائم کریں۔ (شمس الاسلام، مئی 1945ء، ص 44)

مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:-
ملک کی متعدد اہم اسلامی سیاسی تحریکوں میں مجاہدانہ حصہ لیتے ہوئے بھی اپنے مقررہ نصب العین اور مجوزہ مسلك میں ایک قدم آگے پیچھے نہیں ہو سکے اور ظاہر ہے کہ آپ کا نکتہ نظر و مسلك ”مسلمانان اہل سنت والجماعت“ کی باہمی تنظیم اور فرق باطلہ سے حفاظت ہی تھا۔ آغاز کار سے تادم واپس یہی مقدس جذبہ آپ میں موجزن رہا۔ اس جذبہ کے ماتحت ملک کے گوشہ گوشہ میں مرحوم نے آواز حق پہنچائی اور ہمیشہ ہر جگہ اہل سنت کے متفرق طبقوں میں باہمی اتحاد و نظم پیدا کرنے کی فکر میں سرگرداں رہے۔ (ایک خاص گزارش)

رفقائے کار کی تلاش:

حضرت مولانا ظہور احمد گبوی کے عزائم اور منصوبوں کی تکمیل صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ انہیں ہم فکر، ہم سخن اور ہم قدم ساتھی ملتے۔ ان کے عظیم کاموں اور وسیع فکری کینوس کے حوالے سے تو ان کی تسلی اور تشفی چنداں آساں نہ تھی لیکن رحمتِ خداوندی شامل حال تھی۔ قدرت نے دین کی خدمت اور حفاظت کا کام چونکہ ان کے ذریعے سے لینا تھا اس لیے انہیں سرحد کے کہساروں، تھل کے ریگزاروں، چولستان کے صحراؤں اور پنجاب کے میدانوں سے سوزنہاں سے سوختے اور دل گداختے ساتھی ملتے رہے اور یوں خدا کے دین کے مددگاروں کا قافلہ سونے منزل رواں دواں رہا۔ حضرت مفتی سید سیاح الدین کا کاخیل رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان کیونکر بھیہرہ پہنچے اور حزب الانصار میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

اس سفر کی داستان حضرت مفتی صاحب کے قلم سے سنئے:

”حضرت مولانا مرحوم کی معرفت اور ان کے ساتھ میری غائبانہ عقیدت و محبت اس زمانہ میں پیدا ہوئی جن دنوں میں مجھے اس جہادِ عظیم کا علم ہوا، جو آپ نے فتنہ خاکساریت کے استیصال کے لیے بڑی ہمت و جرأت کے ساتھ شروع کیا تھا۔ تقریر و تحریر، عسکری تنظیم اور ہر کامیاب و موزوں حربے سے کام لے کر آپ نے نہایت بہادری اور کمال جانفشانی کے ساتھ اس گمراہی کا مردانہ وار مقابلہ کیا آپ کی ان خدمات سے میرا دل متاثر تھا۔ اور اس سلسلہ میں میں نے بھی شمس الاسلام میں ”مغربی تہذیب“ کے خلاف کچھ مضامین شائع کرائے اور اس طرح طرفین سے غائبانہ تعارف پیدا ہوا۔ حضرت مولانا مرحوم نے 26 مئی 1942ء کو میرے نام ایک گرامی نامہ بھیج کر مجھے اپنے ہاں حزب الانصار میں کام کرنے کی دعوت دی۔ آپ کے یہ الفاظ خاص طور سے قابل ملاحظہ ہیں:-

”میں بیس سال سے اسلامی خدمات کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ مگر مجھے کوئی ایسا باوقار رفیق نہیں ملا جو میرے مقاصد میں میرا پورا رفیق کار بنے۔ مجھے مرزائیت، خاکساریت، مغربیت اور نفس کا انسداد مطلوب ہے۔ اس مقصد کے لیے ذرائع اختیار کیے گئے ہیں۔ کوئی مدرس ایسا نہیں جو میرے اس مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے طلبہ کو تیار کرے۔ کوئی مبلغ ایسا نہیں ملا جو میرے مقصد کو سمجھ کر اسی کے لیے سرگرم عمل رہے۔ میں اس میدان میں تنہا رہا۔ اگر آپ کو میرے اس مقصد سے ہمدردی ہے اور آپ کے سینہ میں اسلام کی تڑپ موجود ہے اور دیوانہ وار کام کرنا چاہتے ہیں تو بغیر کسی شرط کے حزب الانصار میں تشریف لائیے۔ آپ تقریر و

تحریر و تدریس و تعلیم کے ذریعہ ختم نبوت، فضائل صحابہ اور خاکساریت و مغربیت اور بدعات کے رد میں مصروف رہیں گے جو خدمت بھی آپ کے سپرد کی جائے اسی کو آپ دلی ذوق و شوق سے پورا کریں گے۔ اگر آپ کو میری یہ گزارش منظور ہو تو کسی قسم کی تاخیر نہ فرمائیں۔ مدرسہ موجود ہے۔ کتب خانہ ہے تبلیغی شعبہ ہے، جریدہ ہے۔ نظام جماعت ہے، سب کچھ ہے۔ اس کو اپنا سمجھ کر مناسب طریقہ سے چلائیں۔ مجھے فقط اپنا خادم و رفیق کار سمجھیں مجھے نام و نمود، شہرت سے غرض نہیں۔ میں ہر خادم اسلام کا ادنیٰ غلام ہوں۔ 11-12-13 جون 1942ء کو کالا باغ میں انصار کانفرنس ہوگی اگر وہاں تشریف لاسکیں تو ملاقات کے علاوہ زبانی تبادلہ خیالات بھی ہو سکے گا۔

گرامی نامہ کے یہ چند جملے ایسے مؤثر تھے کہ میں ایسے خادم اسلام کی رفاقت میں خدمت دین کے لیے فوراً آمادہ ہو گیا اور جب یہ خط میں نے اپنے محترم استاد حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع زید مجدہم کے سامنے پیش کیا تو ملاحظہ فرمانے کے بعد انہوں نے ارشاد فرمایا:

”اس کے لفظ لفظ سے اخلاص و صداقت نکلتی اور ہر جملہ سے للہیت نظر آتی ہے۔ لہذا اس کو رد کرنا اور جواب میں پس و پیش کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ ایسے نیک مقاصد کے لیے زندگی وقف کرنے والے اور شب و روز اسی عہد میں رہنے والے مجاہد کار رفیق کار بن کر خدمت اسلام میں حصہ لینا ایک بڑی سعادت ہے۔“

چنانچہ خود اپنے ضمیر کے فیصلہ اور استاد محترم کے پرزور مشورہ کے بعد 11 جون کو میں مولانا مرحوم کے ساتھ ملاقات کرنے کی غرض سے کالا باغ حاضر ہوا۔ ماڑی ریلوے اسٹیشن پر آپ سے میری پہلی بار ملاقات ہوئی۔ میں نے مصافحہ کیا۔ شاید آپ قرائن سے کچھ پہچان گئے۔ فرمایا کہ آپ کا اسم گرامی؟ میں نے عرض کیا ”سیاح الدین“ بس نام سنتے ہی خوشی سے مسکرائے، چہرہ پھول کی طرح کھل گیا اور مجھے سینہ سے لگایا۔ محبت آمیز لہجہ میں چند ایسے دلکش کلمات سے میری خیر و عافیت پوچھی اور کیفیت سفر دریافت کی کہ میں وہیں فریفتہ ہو گیا۔ دوسرے وقت آپ نے چند مختصر الفاظ میں دل آویز طریقہ سے اپنی تحریک، اپنے ارادوں اور ساری جدوجہد کا تذکرہ فرما کر مجھے شریک کار ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں بھیرہ حاضر ہو کر کام کرنے کے لیے آمادہ ہوا اور 8 جولائی 1942ء کو میں جامع مسجد بھیرہ حاضر ہوا۔“

(حامی ملت بیضا)

جذبہ تحقیق:

اسلامی فقہ میں مسائل پر تحقیق کا کام خاصہ مشکل اور بہت محنت طلب ہوتا ہے۔ فقہی کتابوں کے اسباق پڑھانا یا عوامی موضوعات پر وعظ و تقریر کرنا الگ فنون ہیں مگر فقہی امور میں تحقیق کے لیے زبان پر عبور، کثیر حوالوں کی تلاش، کتابوں کے متن پر حاشیہ بر حاشیہ کا مطالعہ اور موضوع سے متعلق مناسب آراء کو ڈھونڈنا بالکل الگ مہارت ہے۔ مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل، مولانا بگویی کے جذبہ تحقیق اور شوق تلاش کے بارے میں لکھتے ہیں:-

”مولانا مرحوم کا میں ایک خصوصی کمال سمجھتا ہوں کہ باوجودیکہ فقہ کی کتابوں کے ساتھ زیادہ مزادلت نہ تھی، افتاء کا کام اکثر دوسروں کے متعلق رہا لیکن جب کبھی ضرورت پڑتی اور کوئی مسئلہ خود نکالنا چاہتے تو شامی، عالمگیری، قاضی خاں جیسی ضخیم کتابوں میں سے نادر الوقوع جز کی صورتیں چند منٹوں میں نکال دیتے۔ اور اس طرح اگر کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی مصنف کی کوئی خاص تحقیق کافی بسط و تفصیل کے ساتھ چند اوراق میں پھیلی ہوئی ہوتی تو آپ ایک نظر ڈال کر ساری عبارت کو دیکھ لیتے اور پھر اپنی فصیح و بلیغ عبارت میں بہترین طریقہ سے اس کا خلاصہ اور تنقیح نکال کر پیش کر دیتے۔“ (شمس الاسلام - مئی 1945)

طریقہ تحقیق:

اکثر علماء کو جب کوئی فقہی معاملہ یا علمی اشکال درپیش آتا ہے تو وہ اس کے مالہ و ماعلیہ پر زبانی بحث مباحثہ کافی سمجھتے ہیں۔ زیادہ ضروری ہو تو درسی کتب کے حاشیے پڑھنے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ اس سے آگے بڑھے تو ایک ادھر رفیق کو مطالعہ کتب کی ڈیوٹی سونپ دی جاتی ہے۔ مولانا بگویی کا طریقہ تحقیق منفرد تھا۔ ان کا انداز علمی، اجتماعی (Group Study) اور مشاورتی (Consultative) تھا۔ وہ نہ صرف خود مطالعہ کرتے بلکہ اپنے رفقاء کو علمی ماحول میں مطالعے کی دعوت دیتے اور استنباط کے لیے اجتماعی مشاورت کو ترجیح دیتے۔ مفتی سید سیاح الدین کا کاخیل لکھتے ہیں:-

”مولانا بگویی میں ایک عجیب بات اور دیکھی جو اس سہولت پسند زمانہ میں بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی مجلس اکثر علمی ہوتی تھی۔ اشنا گفت میں کوئی ایسا مسئلہ سامنے آ جاتا جس کے مالہ و ماعلیہ پر آپ کو یا دوسرے حضرات کو پورا احاطہ نہ ہوتا تو فرماتے ”چلو کتب خانہ جا کر اس کی پوری تحقیق کریں۔ کتابیں رکھی ہی اس غرض کے لیے ہیں“ اس کے بعد خود بھی مطالعہ شروع کر دیتے۔ دوسروں سے بھی کراتے۔ حتیٰ کہ اس مسئلہ کے متعلق کتابوں سے مختلف اقوال اور علماء کے آراء معلوم کر کے اس کے بعد ایک نتیجہ قائم کرتے اور پھر جب کبھی اس مسئلہ پر دوبارہ گفت گو ہوتی تو آپ ان تمام اقوال کی روشنی میں ایک ایسی محققانہ اور ٹھوس

تقریر فرماتے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ ذہانت کے ساتھ حافظہ اور حافظہ کے ساتھ قوت بیان بھی نصیب ہوئی۔ (شمس الاسلام۔ مئی 1945)

خدماتِ جلیلہ:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نے اسلام کے دفاع اور اس کی تبلیغ کے لیے جہاں موثر کوششیں کیں وہاں آپ نے مسلمانوں کی خدمت اور دین کی حفاظت کے لیے ایسے ٹھوس اقدامات کیے جن کے اثرات دور رس اور فوائد مستقل تھے۔ ان کاموں کی تفصیل پیچھے بیان ہو چکی ہے۔ حضرت للہی اپنے مضمون چند آنسو میں ان اداروں اور شعبوں کا جائزہ لیتے ہیں جو مولانا بگویی نے قائم کیے تھے۔

پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ دوسری طرف اس سے کہیں زیادہ تعمیری کام کیا۔ عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور اس کے مختلف شعبے بنائے۔ ملک بھر کے چیدہ علماء کو وقتاً فوقتاً اس میں مدرس رکھا۔ ہر شعبہ کا اہتمام اس خوش اسلوبی سے کیا جو قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ کئی ہزار میل پر ہونے کے باوجود مدرسین اور طلبہ کی ایک ایک حرکت سے باخبر، کارکنوں کی ادنیٰ تکلیفوں کا احساس۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنی عدم موجودگی کے باوجود انتظام اور اہتمام میں تفاوت نہ آتا۔

اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کہ فی زمانہ نشر و اشاعت کس قدر موثر اور مفید حربہ ہے۔ واہ رے ظہور احمد کہ باوجود بے حد مصروفیتوں کے اس میدان میں بھی کسی بڑے سے بڑے سرمایہ دار گروہ سے پیچھے نہیں رہا بلکہ اس شعبہ کے استقلال اور حسن اہتمام میں آگے ہی نکل گیا۔ مستقل آرگن (شمس الاسلام) کے علاوہ بیسویں کتابیں اور سینکڑوں پمفلٹ شائع کیے۔ اور ملک کے طول و عرض میں ان کی تشہیر کی۔ یہ ایک عظیم الشان مستقل شعبہ تھا۔ الغرض بطائف الحیل دشمنان اسلام کی دندان شکنی کی۔ ہر میدان میں بفضلہ تعالیٰ اپنی ہمت مردانہ سے فائز المرام رہا۔

’سجد کی مرمت اور متعلقات کی تعمیر اس شدید ابتلا کے زمانہ میں جبکہ شیاطین الانس والجن کے برپا کیے ہوئے طوفان کے سبب سے ہر چیز ہوش ربائی کی حد تک گراں بلکہ نایاب ہے جس تسلسل اور خوبی سے جاری رکھی وہ اس کا حصہ تھا۔ سابقین سے بہتر سے بہتر وقت میں بھی اس تسلسل سے جاری نہ رہ سکی۔ اگر میں یہ کہوں تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کے مورث اعلیٰ سے لے کر مولانا مرحوم تک عہد بہ عہد تعمیر کا جو کام مختلف حضرات نے کیا اس بلند ہمت شخصیت نے محدود وقت میں تنہا کر کے دکھا دیا۔

فیض روح القدس از باز مدد فرماید
دگراں ہم بکنند آنچا بسی میگرد

ایسا جلیل القدر اور عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا جس کی نظیر شمال مغربی پنجاب میں تلاش کرنا سعی

لا حاصل ہے۔ ندرت کتب اور سلیقہ کے لحاظ سے تو اس خوبی کا کتب خانہ شاید ہی کہیں ہو۔ بڑے بڑے علمی اور متمول اداروں سے زمانہ طویل میں وہ کتب فراہم نہ ہو سکیں جو انہوں نے مہیا کر دکھائیں۔ شیعہ مذہب کے متعلق نایاب کتب جو ہندوستان بھر میں کہیں دستیاب نہیں ہوتیں، انتھک سعی و مسلسل جدوجہد سے زینت کتب خانہ کر کے چھوڑیں۔ دوسرے فنون کی کتابوں کا تو کیا شمار ہے۔

سالانہ تبلیغی جلد کا معیار اس قدر بلند رکھا کہ ایک طرف تو آئندہ کے لیے اس لائن پر کام کرنے والوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے تو دوسری طرف انتظام کی خوبی اور اہتمام کی ہمہ گیری اور ہر معاملہ میں بہترین تجویزوں کے سوچنے کا مشکل کام اس طرح نہ ہو سکنے کا تصور سوبان روح بن رہا ہے۔ میں ان کے مختلف اوصاف کے متعلق کہاں تک لکھوں اور مجھ ایسا ہچمدان لکھ کیا سکتا ہے۔

خطابت:

1947ء سے قبل آزادی کی تحریکوں نے برصغیر میں اعلیٰ پائے کے خطیب اور مقرر پیدا کیے ہیں۔ ریڈیائی اور دیگر مواصلاتی ذرائع کی عدم موجودگی، کم شرح خواندگی اور کمزور قوت خرید کی بنا پر ہر جگہ اور ہر شخص تک مطبوعہ پیغام پہنچانا چنداں آسان نہ تھا۔ پھر انگریز سرکار کے لیے طبع شدہ مواد (Printed Matter) زبان سے زیادہ مہلک ہتھیار تھا۔ اس لیے علماء اور رہنماؤں کے لیے خطابت سب سے موثر، سادہ اور سستا ذریعہ تھا جس سے عوام تک پہنچا جا سکتا تھا۔ مولاناظہور احمد بگویی کی خطابت کے بارے میں ثانی امیر مولانا افتخار احمد بگویی لکھتے ہیں:-

”وہ ایک بہترین خطیب، جادو بیان و اعظ اور شیریں مقال مقرر تھے۔ جس موضوع پر بھی کچھ ارشاد فرماتے، مجمع کو بالکل مسحور و متاثر کر دیتے تھے اور یہ ان کی خوش قسمتی اور نیک بختی تھی کہ انہوں نے اپنے اس خداداد کمال سے وہ صحیح کام لیا جو اس نازک و پر آشوب زمانہ میں لینا چاہیے تھا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی دین متین کی خدمت اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور ملت بیضاء کو اغیار و اشرار کے حملوں سے بچانے میں صرف کر دی۔ اور آخر وقت تک اسی شوق و انہماک اور مجاہدانہ سعی و کوشش کے ساتھ اس مقدس مشن میں لگے رہے۔“ (شمس الاسلام۔ آخری پیغام حق نمبر۔ دسمبر 1945)

مولاناظہور احمد بگویی پنجاب میں اور حزب الانصار کے سالانہ جلسہ پر بالعموم پنجابی زبان میں تقریر کرتے تھے۔ پنجاب کے بڑے شہروں اور دیگر صوبہ جات میں ذریعہ اظہار اردو ہوتا تھا۔ تقریر سادہ، سلاست و روانی کے ساتھ، آیات و احادیث سے منور۔ اشعار، تاریخی واقعات اور مستند حکایات سے مزین۔ باتیں موضوع کے مطابق۔ سامعین اکتاتے تھے اور نہ ان کی توجہ تقریر سے ہٹتی تھی۔ بالکل ایک جادو بیان خطیب کی طرح۔ صاف صاف باتیں کہنے میں انہیں کوئی باک نہیں تھا۔ گویا مدہنت فی الدین سے تو وہ سرے سے آشنا نہ تھے۔ تقریر ہمیشہ موقع، محل،

سامعین، موضوع اور ماحول کے مطابق ہوتی۔

مولانا پیرزادہ بہاؤ الحق فرماتے ہیں:-

”انگریزی دارالعلوم میں بھی سنتے تھے۔ ان کو دین کی باتیں سمجھانے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ تقریر ایسی سلجھی ہوتی کہ سننے والے سمجھتے۔ ہندوستان کے چوٹی کے مقررین بھی داد دینے بغیر نہ رہتے تھے۔“
(شمس الاسلام، مئی 1946ء، ص 34)

مولانا محمد مقبول احمد ضیائی مولانا کی تقریروں میں اثر و گداز کے بارے میں لکھتے ہیں:-

”مدینہ منورہ میں گنبد خضراء کا مدینہ پر حاضر ہو کر (اپنی) کشت عقیدت کو سیراب کیا۔ فن خطابت کی ابتدا اسی دور میں ہوئی۔ یہ ایک ملکہ خداداد ہے جو چیدہ ہستیوں کو عنایت ہوتا ہے جو قوم کے تعمیر اور مستقبل کو درخشاں کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سفر حج کے بعد آپ کی تقریروں میں ایک خاص اثر اور درد پیدا ہو گیا۔“ (شمس الاسلام، جولائی 1945ء، ص 26)

حضرت خواجہ ثالث سیالوی کی پیشینگوئی:

مولانا ضیائی خطابت کے حوالے سے راوی ہیں:-

”مولانا گونئی نے عنفوان شباب میں بمقام مرولیا نوالہ، حضرت غریب نواز خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی موجودگی میں (جو آپ کے خاندان کے پیر طریقت تھے) تقریر فرمائی جو حضور کو اس قدر پسند آئی کہ اختتام تقریر پر حضور نے پیشین گوئی فرمائی کہ:

’یہ لعل جلد ہی چمکے گا‘

(اور) دنیا نے اس ستارے کو آسمان علم و عمل پر چمکتا دیکھ لیا۔“ (ص 26)

حلیہ:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اتنی بھرپور اور معروف شخصیت کا فوٹو نایاب ہے۔ اس بات کی روایت تو ملتی ہے کہ کی جلسہ میں تصویر کھینچی گئی مگر وہ تصویر تلاش کے باوجود کہیں سے مل نہیں سکی۔ بیان کرنے والے ان کا سراپا یوں بیان کرتے ہیں:-

کھلتا ہوا یعنی ہلکا گندمی رنگ، چہرا گول، آنکھیں موٹی اور روشن، متوازن ناک، داڑھی لمبی نہ چھوٹی، کتابی چہرے کی مناسبت کے ساتھ تراشی ہوئی۔ مونچھی باریک۔ قد درمیانہ۔ جسم بھاری بھرکم۔ آواز پاٹ دار اور گرج دار خصوصاً پر جوش دوران خطاب و وعظ۔ بات چیت دھیمی اور نکھری ہوئی۔ ہنس مکھ، عام گفتگو میں ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔

اخلاق و اطوار:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ خوبیوں اور قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا تھا۔ وہ جن لوگوں سے اپنے دین اور اپنی مخلوق کے لیے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو جہاں اپنے بندوں کو شخصی حیثیت میں تنوع، صلاحیت اور استعداد سے مالا مال کرتا ہے وہاں انہیں کڑی آزمائش سے بھی گزارتا ہے۔ اس امتحان میں صرف وہی چہرے کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی خداداد قابلیتوں اور ذاتی صلاحیتوں کا بھرپور اور بروقت استعمال کرتے ہیں اور آزمائش میں کامیابی کے لیے آزمائش لینے والے کا در نہیں چھوڑتے اور بار بار اپنے منعم و دیان کی طرف لوٹتے ہیں۔ مولانا اس وصف سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ پوری زندگی مسلسل جدوجہد میں گزری۔ سارے ادارے انہوں نے از سر نو مدون اور منظم کیے۔ بارہا مشکلوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا مگر ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ عزم و حوصلہ اور توکل و استغنی کے ساتھ دعا اور رجوع الی اللہ کرتے۔

بڑے لوگوں کی عظمت کا اندازہ درج ذیل امور سے لگایا جاتا ہے:-

☆ دانش و حکمت اور علم و فن میں مرتبہ اور فیض۔

☆ خالق اور مخلوق کے ساتھ تعلق اور ان کی خدمت۔

☆ زندگی میں خدمت اور افادیت کے کام اور قائم کردہ ادارے۔

☆ گزر جانے کے بعد جاری کردہ ادارے اور ان کا صدقہ جاریہ۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو دانش و حکمت، اپنے دین کے فہم اور اس سے محبت کا وافر حصہ عطا کیا تھا۔ انہوں نے جس طرح بامقصد زندگی گزاری، وہ ایک بڑے آدمی کی زندگی ہے۔ اس کے اثرات سے زمانہ بدستور استفادہ کر رہا ہے۔ مطالعہ گویا ان کی مختصر سی زندگی کا Passion تھا۔ حزب الانصار کے کتب خانہ عزیز یہ کی مشہور اور کلاسیکی کتابیں نہ صرف ان کا انتخاب ہیں بلکہ اکثر کتابوں میں حاصل مطالعہ اشاریے ان کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ کثرت مطالعہ میں تسلسل اور تنوع تھا جس نے انہیں وسعت علم، برداشت، توازن اور گہرائی عطا کی۔ ملنے جلنے میں تواضع اور انکساری تھی۔ بھیرہ سے باہر کے طویل اور عام سفروں میں جس شہر میں قیام کرتے، وہاں کے ہر مکتب خیال کے چیدہ چیدہ علماء، فضلاء اور مشائخ سے ضرور ملتے اور تبادلہ خیالات فرماتے۔ کئی دفعہ قلت وقت کے سبب یہ ملاقاتیں سٹیشن پر ہوتیں جہاں گاڑی کا پڑاؤ لمبا ہوتا۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے ملتے۔ عالم اور عامی، معاون اور ضرورت مند ہر ملنے والے کو یوں لگتا جیسے حضرت مولانا اس کے ہیں۔ اپنے پرانے، مسلم غیر مسلم اور دیگر فرقوں کے لوگوں کے ساتھ شفقت، مروت اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے۔

اہل خانہ کے ساتھ محفل میں پوری طرح گھل مل جاتے۔ بذلی سخی اور تفسن انجائے کرتے۔ اپنے سفر کی پوری داستان، ادبی چاشنی کے ساتھ سناتے اور کبھی کبھی بچوں اور بڑوں کے لیے تحائف بھی لاتے۔

ان کا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہا۔ داد و دہش اور جود و ایثار ان کا شعار تھا۔ جس نے بھی مدد چاہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو پاس موجود ہوتا اسے دینے میں کبھی ہچکچاہٹ نہ دکھائی۔ اپنی ذات کے لیے البتہ کبھی کسی کے سامنے دست نگر نہ ہوئے۔ اہل ثروت اور امرا سے دور رہتے۔ آج مذہبی سکالروں کے لیے سرکار دربار تک رسائی، سرکاری مناصب اور مراعات کا حصول، حکومتی وظائف، عطیات اور تعاون کی طلب، بیرونی دوروں میں شمولیت اور ملکی تیناروں اور میٹیوں میں نامزدگی اور کسی بھی شکل میں محکموں میں عمل دخل ہی دین کی خدمت اور بڑائی کی علامت بن گیا ہے۔ یہ دینداری نہیں بلکہ Commercial Religious Worker جیسا کاروباری رویہ اور سودوزیاں کافن ہے۔ حضرت مولانا بگویی اور ان کے قبیل کے علماء اندیشہ سودوزیاں سے بے نیاز اور مفادات اور مطالبات سے بہت بلند لوگ تھے۔

امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو مسلمان، شہر کے ہندو اور سکھ بھی اپنی ذاتی قیمتی امانتیں مولانا کے حوالے کر جاتے کسی تحریر یا شہادت کے بغیر۔

جذبہ آزادی کے ساتھ انگریزوں سے نفرت مولانا کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نوجوانی میں میجر (ر) محمد اسلمؒ کو دھاسا سفر و حضر میں مولانا کے خادم خاص تھے۔ ایک روز وہ انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ایک مراسلے میں اپنے مشن ملنے پر مولانا کے تاثرات لکھتے ہیں:-

”اسلم! تم نے انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر کچھ اچھا نہیں کیا۔ رب العزت کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر کل اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے میری مڈھ بھیڑ تم سے ہو گئی تو تم پر گولی چلانے میں سبقت کا شرف مجھے حاصل ہوگا۔“

بزرگوں کا احترام کرتے اور کسی بھی حالت میں ان کی تکریم کو ہاتھوں سے نہ جانے دیتے۔ ایک بار خاندانی جھگڑے بڑھ گئے اور نوبت کچھریوں تک جا پہنچی۔ مگر شدید اختلاف کے باوجود بزرگوں کے ادب و احترام میں کمی نہ آنے دی۔ کسی حواری نے کبھی لاپرواہی سے کوئی نازیبا بات کہنے کی جسارت کی تو اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔ مشکل سے مشکل صورت حال کو تحمل اور خندہ پیشانی سے Face کرتے۔ معاملات کا باریکی سے جائزہ لیتے، احباب سے مشورت کرتے اور تمام پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد ایسی منصوبہ بندی کرتے جس پر عمل درآمد ممکن ہوتا۔ ان کے اندر بے پناہ قوت فیصلہ اور قوت نافذ تھی۔ رفقاء کا اختلاف رائے خندہ پیشانی سے سنتے اور صائب رائے کی قدر کرتے تھے۔ آج مواصلات کے مختلف اور سریع الاثر ذرائع میسر ہیں۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں ڈاک کے

ذریعے مراسلت ہی اہم ذریعہ تھی۔ مولانا گبوی تمام خطوط خود پڑھتے اور ہر خط کا جواب اپنے ہاتھ سے خود لکھتے تھے۔ تاریخ اسلام بالخصوص بنو امیہ کے دور کے بارے میں اور تصوف کے سلسلے میں مولانا اجتہادی نظریات کے حامل تھے۔ مسلک اعتدال و اصلاح بھی ایک انقلابی سوچ تھی جس پر وہ اپنی ساری زندگی سختی سے کار بند رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ انداز فکر ملک و ملت کے لیے ہمیشہ بہت مفید رہا اور اب تو اس کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے۔ مولانا گبوی بیک وقت منصوبہ ساز (Planer) اور منتظم (Manager) تھے۔ قیادت کی یہ صلاحیت دراصل رہنمائی، نگرانی، عمل اور احتساب کا مجموعہ ہے۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے مقاصد اور اہداف ان کے سامنے بالکل واضح ہوتے۔ ہر منصوبے کا آغاز کرنے کے بعد تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتے رہتے۔ مسلسل رہنمائی اور نگرانی کرتے تاکہ عمل در آمد اور احتساب کار سے اہداف جلد اور صحیح طور پر حاصل ہوں۔

مولانا کے پاس بیک وقت درج ذیل ذمہ داریاں تھیں:-

- خطیب و متولی مرکزی جامع مسجد گبویہ
- مہتمم دارالعلوم عزیز یہ
- مدیر ماہنامہ شمس الاسلام
- امیر حزب الانصار

ابتدائی چند سالوں کے بعد پھر تو سال کا زیادہ حصہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں تبلیغ و دعوت میں صرف ہوتا تھا۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا کا حال سیدنا عمر فاروقؓ سے منسوب اس روایت کی طرح رہتا جب وہ مدینہ میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور محض اپنے نور بصیرت سے اپنے کمانڈر کو مصر میں ہدایات دیتے سنائی دیتے ہیں۔ اداروں کے تسلسل، توسیع اور استحکام کے منصوبے تو ہمیشہ آپ کے سامنے رہتے۔ مقامی احباب اور رفقاء کے ساتھ مشاورت بھی جاری رہتی۔ لیکن دور دراز کے سفروں میں، سینکڑوں ہزاروں میل دور بیٹھ کر کارکنوں، عہدے داروں اور ساتھیوں کو برابر چیک کرتے رہتے تھے۔ ان کی رہنمائی کرتے۔ غلطیوں کی نشاندہی کرتے اور شفقت و تدبیر سے ان کے مسائل حل کرتے تھے۔

انتظامی اور نگرانی امور پر مولانا گبوی کے مراسلات اور ہدایات باریک بینی، اعلیٰ قیادت اور جامع رہنمائی کا نادر نمونہ ہیں۔

تر بیت خاص:

مولانا افتخار احمد گبوی چونکہ مولانا گبوی کے نامزد کردہ جانشین تھے اس لیے ان کی تربیت شروع دن سے آپ کے پیش نظر تھی۔ یہ ذمہ داری اور بڑھ گئی جب 1934ء میں مولانا محمد نصیر الدین گبوی کا روڈ حادثے میں انتقال ہو گیا اور تولیت کے قصبے میں مولانا نے خود کو یکہ و تنہا محسوس کیا۔ نوجوان بھتیجے افتخار احمد کی تربیت کے لیے جو نظم الاوقات

(ٹائم ٹیمبل) آپ نے ترتیب دیا، اس میں مطالعہ، ڈسپلن اور وقت کے بھرپور مصرف کو فوقیت حاصل ہے۔

- صبح نماز فجر تا نماز عشاء
- آغاز از خانقاہ بگویہ۔ تلاوت قرآن حکیم۔ دلائل الخیرات و تسبیح اور فاتحہ۔
- مسند تدریس پر۔ اچھے لباس میں۔
- تعویذ نویسی۔ مقررہ وقت پر
- جمعہ و عوام نگرانی اور رفقاء کے ساتھ مشاورت
- عمومی دورہ تمام شعبہ جات حزب الانصار
- حصول مہم طب از حافظ محمد ابراہیم گوندل صاحب
- مطالعہ کتب و پڑتال رجسٹرات ادارہ
- حاضری طلبہ
- انتظام لنگر خانہ
- حاضری عملہ و مدرسین و امور متفرقہ

□ جمع کتاب یا رسالہ

□ نمازیں باجماعت۔ رات سونے سے قبل مطالعہ کتب۔

□ جمعہ ایک مضمون برائے ماہنامہ "شمس الاسلام"۔

اپنی وفات کے سال (1945ء) مولانا بگوی نے حزب الانصار کے سالانہ جلسہ کا اشتہار چھپوایا۔ اس اشتہار پر اپنے پیسوں نے نتیجے مولانا حکیم برکات احمد بگوی کا نام بطور ناظم جلسہ شائع کیا۔ اس وقت وہ نو عمر اور ابھی زیر تعلیم تھے۔ جلسے کے سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے اپنے مراسلے مورخہ 17 جنوری 1945ء میں مولانا لکھتے ہیں:

"مشورہ ہر شخص سے لے لیا کرو۔ اس کے بعد ہر شخص کے مشورہ پر عمل نہ کرو۔ بلکہ سب کے مشورے کے بعد، ہدایات اپنے ذہن میں آئے، وہی کرو"۔

دفتری نظام:

کسی بھی تحریک یا ادارے کی کامیابی میں دفتری نظام کا مرتبہ اور ضرورت ایسے ہے جیسے کسی گھر میں بجلی کا نظام۔ کاغذات اور مراسلات کی آمد و رفت، رجسٹرات کے اندراجات، ریکارڈ کا رکھنا اور اس کا بوقت ضرورت آسانی سے مل جانا، منصوبوں کی ترقی و رفتار، کارکنوں کے مسائل، تنظیمی امور، مالی لین دین، بیرونی رابطے۔ غرض ہر کام اور ہر دستاویز ایک موثر دفتری نظم کی محتاج ہے۔ مولانا بگوی نے تمام شعبوں اور مدت کے لیے الگ الگ فائیات، خطوط و مراسلات کی ڈائری و ڈسپتچ، تمام دستاویزات کا ریکارڈ سسٹم اور اہم مراسلات و خطوط کی ہاتھ سے نوشتہ آفس کاپی، نگرانی اور نگہداشت (Monitoring & Supervision) کے خصوصی پروفارمے رائج کیے۔ دینی حلقوں میں آج بھی جدید فائل سسٹم اور دستاویزات کا نظم زیادہ مقبول نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں پرانے ریکارڈ یا حوالوں کی دستیابی قریباً محال ہوتی ہے۔ مالی امور میں جدید Accountancy شروع کی اور Pre Audit کا

رواج ڈالا۔ جس سے حساب کتاب شفاف اور آسان ہوا۔

ڈسپلن:

کسی بھی ادارے کی بقا اور تسلسل کا انحصار، علاوہ اور باتوں کے ڈسپلن پر بھی ہوتا ہے۔ بغیر ڈسپلن قوم نہیں ہوتی، انبوه ہوتا ہے۔ ادارے بغیر ڈسپلن کبھی پنپ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا بگویی کو جہاں زرخیز دماغ اور سوز یقین عطا کیے تھے وہاں اعلیٰ تنظیمی اور قائدانہ صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ ان کے عہد میں کام چوری، تساہل، مالی بدانتظامی اور خیانت کا تو تصور ہی محال تھا۔ انتظامی امور میں وہ مفاہمت (Compromise) کے قائل نہ تھے۔ سہو و نسیان، عفو و درگزر اپنی جگہ۔ حاضری، پابندی وقت، ٹائم ٹیبل کی تعمیل، وقت کی قدر، بزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، بغیر رخصت اجازت، فرائض منصبی (Job Description) پر عمل درآمد، ڈیوٹی کی پابندی۔ ان سب امور پر برابر تلقین کرتے اور سختی سے تعمیل کی امید رکھتے تھے۔ ان اقدامات نے طبقہ علماء، مدرسین اور طلباء کے ساتھ جماعت کے کارکنوں اور رضا کاروں میں بھی اعلیٰ نظم و ضبط پیدا کیا۔

کارکنوں کی قدر:

ہمارے ہاں اکثر بڑے لوگوں کی ایک پہچان یہ ہوتی ہے کہ جوں جوں ان کا قد بڑھتا جاتا ہے وہ عام کارکنوں اور ساتھیوں کی پہنچ سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے پرانے رفقا اور مخلص احباب کے مشوروں اور تنقید کی تبصروں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ مولانا بگویی کا رویہ ہمیشہ مختلف رہا۔ وہ تمام امور میں معاملے کے مطابق رفتار، احباب اور کارکنوں سے ضرور مشورہ کرتے۔ ان کی تنقید سنتے اور اختلاف رائے کی قدر کرتے تھے۔ سالانہ جلسے کے انتظامات، دارالعلوم کے معاملات، حزب الانصار کے عزائم، جامع مسجد بھیرہ کے مسائل، شمس الاسلام کے مندرجات۔ غرض تمام کاموں میں ہر متعلقہ ساتھی کو ضرور اعتماد میں لیتے اور خود بلا کر مشورہ کرتے۔ مولانا کی دفتری فائلوں میں ہر ساتھی کے مراسلے کا جواب دیا جاتا تھا اور صاحب مشوروں کی کھلے دل کے ساتھ تحسین کی جاتی تھی۔ بیرون بھیرہ کے تبلیغی اسفار میں ان کا معمول تھا کہ وہ حزب الانصار، شمس الاسلام، دارالعلوم اور جامع مسجد کے معاونین اور بھیرہ کے باشندگان سے ضرور ملاقات کرتے اور تبادلہ خیالات فرماتے۔ کہیں ان کے مسائل سنتے اور کہیں حل طلب امور میں رہنمائی کرتے اور کبھی دینی اور سماجی کاموں میں خود مشورہ لیتے تھے۔

پوشاک:

پوشاک سادہ اور سفید مگر بے داغ۔ شلوار قمیص کے ساتھ اچکن۔ گھر سے باہر اور تقاریب میں سر پر پشاوری کلاہ جس پر سفید پگڑی، طرہ دار، ہاتھ میں بھیرہ کی بنی ہوئی بید کی چھڑی، منقش دستے والی۔ سردیوں میں واسکت اور

سر پر اونی ٹوپی۔ جیسی گھڑی پسند کرتے تھے۔ بھیرہ میں اور عام نشستوں میں سر پر رومال لپیٹ لیتے تھے۔ پگڑی کی صورت میں رومال دائیں شانے پر۔ سفر میں اور تقریبات کے لیے دور خلافت جیسی عبا زیب تن کرتے تھے۔
خواک:

سادہ۔ گوشت اور سبزیاں پسند کرتے۔ دودھ اور لسی کا وافر استعمال کرتے۔ پٹن چائے ساختہ دار جیلنگ خصوصی اہتمام سے تیار کرواتے اور ذوق و شوق سے نوش فرماتے تھے۔
رہن سہن:

بڑا سادہ مگر بہت منظم۔ باضابطہ اور سلیقے کے ساتھ۔
قیام بھیرہ کے دوران مطالعہ، تحریر و تصنیف، درس و تدریس، نظم و نسق، رابطہ عمومی اور مجالس عامہ، اوراد و وظائف اور دیگر مصروفیات کے لیے وقت مقرر ہوتا۔ وقت ضائع کرنا پسند نہ تھا۔ گو تب جدید دور کی سہولتیں میسر نہ تھیں مگر جیسی گھڑی اور متعدد دیواری کلاک، تحریری نظم الاوقات اور ڈسپلن Time Management میں بہت مددگار تھے۔
شاعری:

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی نے اختر تخلص رکھا ہے اور گاہ بگاہ شعر بھی کہے ہیں۔ ظہور احمد اختر نام پہلی بار انہوں نے اس وقت استعمال کیا ہے جب انہوں نے شمس الاسلام بھیرہ کا ڈیکوریشن نامنظور ہونے پر بطور مدیر سرکار کو درخواست گزاری ہے۔ ان کی شاعری کا جو نمونہ خود ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا ملتا ہے وہ اس واقعہ کی یاد ہے جب ان کے عزیز ترین برادر بزرگ، مونس و ہمدرد مولانا محمد نصیر الدین بگویی 22 فروری 1934ء کو لاری کے حادثے میں اپنے خاندان سمیت سمندری ضلع لالکپور (فیصل آباد) کے پاس شہید ہو گئے تھے۔

ان اشعار پر کوئی تاریخ تو نہ ہے مگر یہ مارچ 1934ء کے لگتے ہیں:

اے نصیر دین و ملت نکل اسلاف کرام
اے شہید دشت غربت تیرا جنت ہو مقام
حادثے نے تیرے کر دی تازہ یاد کربلا
جس میں تیرا سارا گلشن لٹ گیا مثل امام

☆☆☆☆☆

موسم گرما گزارا کس جگہ ہے آپ نے
کیوں بھلائے دل سے وعدے جو کیے تھے آپ نے

فاطمہ، حاجی، ذکیہ اور پیارے برک کو
کیوں جدائی کا دیا ہے رنج و غم اب آپ نے
عاجز و مسکین اختر کیا کرے گا اب یہاں
لو بلا جلدی اسے کیوں چھوڑا اس کو آپ نے

☆☆☆☆☆

آپ تو ہم ساغروں کے ساتھ جنت میں بے
ہم غریبوں کے لیے اب رہ گئے ہیں دل جلے

☆☆☆☆☆

حیف ہے اب کوئی دنیا میں نہیں ساتھی مرا
جس کے آگے جا کہوں میں دل کا اپنے ماجرا
ایک جاں ہے ناتواں اور چار سو اندھیر ہے
ظلمت شب کی طرح.....

(ملاحظہ ہو نقش بیاض)

شمس الاسلام کے شماروں کی بعض مطبوعہ نظموں میں کہیں کہیں شائبہ پڑتا ہے جیسے یہ مولانا بگویی کا کلام ہو۔ خاص طور پر ان قومی موضوعات پر جن میں مسلمانوں کی حالت زار، انگریزوں کی غلامی، عالم اسلام کی زبوں حالی، اسلام کے دشمنوں کی یلغار اور دین داروں کی بے حسی اور بے بسی کا ذکر ہے۔ مولانا بگویی کی ذاتی بیاض اب نایاب ہے۔

قومی امانت:

مولانا اپنی ذات میں ایک انتہائی متحرک شخصیت تھے جنہوں نے بھرپور عملی زندگی سزا دی۔ قومی اداروں اور ملی تحریکوں کے سلسلے میں ہزاروں لاکھوں روپوں کے عطیات ان کے ہاتھوں سے گزرے۔ ان روپوں سے تحریکیں رواں ہوئیں، ادارے تعمیر ہوئے۔ مسلمانوں کی قومی زندگی میں چندہ سازی ایک نازک کام رہا ہے۔ کبھی قوم کے بعض عناصر کام کرنے والوں پر اعتماد نہیں کرتے اور کبھی بعض عناصر قومی ذمہ داریوں اور امانتوں کے اہل نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہاں قومی کام متاثر ہوتا ہے وہاں الزام اور اتہام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

برصغیر کے قومی اور مذہبی رہنماؤں میں مولانا بگویی کو یہ ممتاز شرف حاصل ہے کہ ان کے دور کی تحریکیں، ان کی ذات کے حوالے سے ایسے الزامات سے محفوظ رہیں۔ ان کے ہاتھوں کے تشکیل کردہ ادارے جس تیزی سے پھیلے اور

اب تک قائم ہیں، وہ ان کی محنتوں اور خدمتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ چندے کی قومی امانت ان کے نزدیک خدا کے ہاں جواب طلب امر ہے۔ اس کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے لیے مولانا نے درج ذیل اقدامات کیے۔

- 1- عطیات کی وصولی ایک یا دو افراد تک محدود نہ تھی، ورکرز کی ٹیم موجود تھی۔
- 2- عطیات کے کاموں میں اجتماعی تنگ و دو اور کمیونٹی شمولیت بھی لازمہ تھی۔
- 3- عطیات کی مددات اور ان کے مصرف کا انتہائی ذمہ داری، باریکی اور احتیاط سے حساب کتاب رکھا جاتا تھا۔ زکوٰۃ، صدقات، عطیات، مسجد کے مصارف غرض ہر مد اور صرف کے لیے علیحدہ علیحدہ رجسٹر اور کھاتے تھے۔
- 4- حساب کتاب کے لیے ایک ذمہ دار اور متدین ہمہ وقتی اکاؤنٹ متعین تھے۔
- 5- حساب کتاب کی پڑتال (آڈٹ) خود بھی کرتے رہتے تھے اور دوسروں سے بھی کرواتے تھے۔
- 6- حساب کتاب کا کام جدید خطوط پر کیا جاتا جہاں ایک ایک پیسے کے آمد و خرچ کی تفصیل، تحریری طور پر دستیاب ہوتی تھی۔ اور ایک ہی کھاتہ، کسی تحفظ کے بغیر رکھا جاتا تھا۔
- 7- تمام اخراجات باضابطہ، اتھارٹی سے منظور شدہ اور سپورٹ دستاویزات کے ساتھ ہوتے تھے۔
- 8- حساب کتاب کے تمام رجسٹر اور رسید بکوں کے پرت محفوظ رکھے جاتے تھے۔
- 9- تمام رقوم کو خدا اور قوم کی امانت جان کر بڑی ذمہ داری اور احساس مسئولیت کے ساتھ صرف کیا جاتا تھا۔
- 10- گاہ بگاہ آمد و خرچ کی تفصیل شمس الاسلام میں شائع کی جاتی تھی تاکہ حزب الانصار کے بھی خواہ اپنے اداروں کی مالی کیفیات اور اس کے حساب کتاب سے باخبر رہیں۔

ذاتی اندوختہ اور اثاثہ:

- 1945ء میں جب حضرت مولانا ظہور احمد بگویی فوت ہوئے تو وہ کسی کے مقروض نہ تھے۔ ان کے ذاتی اندوختہ اور ذاتی اثاثہ کی حالت کچھ اس طرح تھی:-
- ا۔ کسی بینک میں کوئی ذاتی بیلنس نہ تھا۔
 - ب۔ جو اکاؤنٹ تھے وہ سارے کے سارے حزب الانصار کے اداروں اور اس کے شعبوں کے تھے۔
 - ج۔ ان کے اپنے نام یا کسی اور کے نام کوئی مکان یا جائیداد نہ تھی۔
 - د۔ مولانا یا ان کی بیوہ کے نام کوئی پلاٹ یا کاروبار نہ تھا۔
 - ه۔ ان کے پاس کوئی سیف ڈیپازٹ یا تمسکات نہ تھے۔

علمی اور خلافتی حلقہ احباب:

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، مولانا گوی دور ان اسفار علمی اصحاب کے ساتھ مجالست اور مشاورت کرتے تھے، ان کا ڈاک نظام تو ویسے بہت مستعد اور فعال تھا۔ قومی، علمی اور مذہبی امور پر اہل الرائے کے ساتھ برابر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ ان میں درج ذیل نام قابل ذکر ہیں:-

- علامہ حسن علی جامع شریقی پور شریف
 - مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف جھنگ
 - مولانا ظفر علی خان بانی مدیر روزنامہ زمیندار لاہور
 - پروفیسر علم الدین سالک (م: 1973ء)
 - حکیم فقیر محمد چشتی نظامی (م: 1952ء)
 - الحاج سید غلام بھیک نیرنگ (م: 1952ء)
 - ملک لعل خان سیکرٹری پنجاب خلافت کمیٹی (م: 1979ء)
 - علامہ تاجور نجیب آبادی (م: 1951ء)
 - ملک نور الہی بانی روزنامہ احسان لاہور (م: 1972ء)
 - مولانا داؤد غزنوی لاہور (م: 1962ء)
 - میاں قمر الدین رئیس اچھرہ لاہور
 - چودھری فخر الدین راجوری بانی مینجر یتیم خانہ دارالفرقان و مدیر فیض الاسلام (م: 1964ء) لاہور۔ راولپنڈی
 - حکیم معراج الدین احمد امرتسری مدیر الفقہ (م: 1948ء)
 - ملک لال دین قیصر۔ خلافت و تحریک چھپن فیصد (م: 1956ء)
 - میاں فیروز الدین سیکرٹری پنجاب خلافت کمیٹی و بانی مجلس اتحاد ملت (م: 1946ء)
 - علامہ حکیم سید علی احمد نیر واسطی (م: 1982ء)
 - مولانا سید حبیب شاہ مالک و بانی روزنامہ سیاست لاہور (م: 1952ء)
 - مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش۔ صحافت و خلافت (م: 1959ء)
- اسلام کے حوالے سے اور تحریک خلافت کی نسبت سے مولانا گوی کا ایک وسیع حلقہ احباب تھا جو پورے برصغیر میں موجود تھا۔ اس کے ساتھ مولانا کا رابطہ تحریراً اور اصالتاً برابر قائم رہا۔ ریکارڈ ضائع ہو جانے کے سبب آج ان تمام رہنماؤں اور اداروں کا مکمل ذکر بہت مشکل نظر آتا ہے۔

وفیات

ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ جلد 16 نمبر 4 شمارہ ربیع الثانی 1364ھ / اپریل 1945ء کے صفحہ اول پر سیاہ حاشیہ کے ساتھ درج ذیل خبر شائع ہوئی۔

سانحہ ارتحال

حضرت مولانا ظہور احمد بگوی امیر حزب الانصار

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی مورخہ گیارہ ربیع الآخر 1364ھ مطابق 26 مارچ 1945ء بروز دوشنبہ (سوموار) اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اس شمارے میں ص 3 تا 7 مولانا کی وفات کے بارے میں ذیل کی تفصیلات دی گئی ہیں:-

حضرت مولانا مرحوم کا سفر تبلیغ اور واقعہ انتقال:

15 مارچ کی شام کو آپ جامع مسجد بھیرہ سے سفر پر روانہ ہو گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ 19 اپریل تک پنجاب کے مختلف مقامات کے جلسوں میں شرکت فرما کر مسلمانوں کو پیغام حق سنائیں گے۔ 16 مارچ کو مرکز تنظیم اہل سنت والجماعت کے جلسہ میں لاہور شریک ہوئے۔ 17-18 مارچ کو ضلع راولپنڈی کے جلسہ میں مسلمانوں کو مستفید فرمایا۔ 19-20 مارچ کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ میں تشریف فرما تھے۔ 21 کو وہاں سے واپس ہو کر 22 مارچ بروز جمعرات کو سرگودھا پہنچے۔ 23 بروز جمعہ کو چنیوٹ تشریف لے گئے اور پکی مسجد میں بعد از نماز جمعہ ایک نہایت ولولہ انگیز تقریر کر کے لوگوں کو اپنے فیوض سے سیراب فرمایا۔ 24 مارچ بروز ہفتہ کو محمدی ضلع جھنگ تشریف لے گئے۔ وہاں پر مولانا محمد ذاکر صاحب نے علوم عربیہ کا ایک ادارہ مدرسہ محمدیہ کے نام سے قائم کیا ہے۔ اس کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا ہے۔ آپ اس جلسہ میں شامل ہونے کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ 25 مارچ بروز اتوار کو آپ نے وہاں تقریر فرمائی۔ اس تمام سفر میں مولوی دوست محمد صاحب ڈیروی اور مولوی محمد بخش صاحب ڈیروی مبلغین حزب الانصار

رفیق سفر ہے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ تقریر اس قدر پر جوش اور ہر لحاظ سے جامع مانع تھی کہ ہم نے اس سے پہلے ان کی کوئی ایسی تقریر نہیں سنی۔

حضور ﷺ کی شان کو ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا کہ لوگ عیش عیش کراٹھے۔ شیعہ مذہب کی حقیقت بھی کھول دی اور ٹھوس دلائل اور تاریخی حوالوں اور علمی نکتوں کے ساتھ مذہب شیعہ پر تنقید کی۔ تقریر فرمانے کے بعد فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ تقریباً دو بجے وہاں سے چنیوٹ پہنچے ساڑھے پانچ کے قریب وقت تھا کہ فرمایا:

”میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ دل پر کچھ اثر ہو رہا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد قے کی اور اس کے بعد سخت تیز بخار شروع ہوا۔ تمام رات نہایت بے چینی اور اضطراب سے گزار گئی۔ کھلیعص بار بار پڑھتے رہے۔ پھر اس کی تفسیر شروع کی اور بڑی دیر تک صوفیانہ طرز پر اس کی تفسیر و تشریح فرماتے رہے۔ غرض تمام رات نہایت شدت کی تکلیف اور انتہائی اضطراب رہا۔ صبح کو خاموش ہو گئے۔ رفقاً سمجھے کہ شاید رات کی بے چینی کے بعد آرام فرما رہے ہیں۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ غشی کی حالت ہے۔ ہر چند آپ کو بلایا جاتا مگر کچھ جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے بعد ہسپتال پہنچا دیے گئے۔ تمام ڈاکٹر اکٹھے ہو گئے۔ علاج معالجے کی بہت کوشش کی گئی۔ ان کی تشخیص یہ تھی کہ یہ گردن توڑ بخار ہے۔ انجکشن کیے گئے اور انتہائی ہمدردی کے ساتھ انہوں نے اپنی پوری سعی و جدوجہد کی مگر:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور کسی طرح افاقہ نہ ہوا۔ آخر کار ڈاکٹروں نے حالت خطرناک بتا کر مشورہ دیا کہ اب ان کو بھیرہ پہنچا دو۔ میاں دوست محمد صاحب چنیوٹ میں آپ کے میزبان تھے۔ انہوں نے تیمارداری میں اور علاج میں نہایت اخلاص اور سرگرمی کے ساتھ دوڑ دھوپ کی مگر کچھ نہ ہو سکا۔ وہ بھی ساتھ ہو لیے اور وہاں سے آپ کو پینٹل لاری کے ذریعہ سرگودھا روانہ کیا گیا۔ ہر دو مبلغین اور کچھ چنیوٹ کے لوگ ساتھ تھے۔ لاری جب سرگودھا سے دو تین میل کے فاصلہ پر قریب پہنچ گئی تو اس وقت ساڑھے پانچ بجے عصر کا وقت تھا۔ وہاں لاری کے اندر ہی اس مجاہد اعظم، حامی دین متین اور حق و صداقت کے پاسبان کی روح اس کے قفس عنصری سے عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

سرگودھا میں حضرت مولانا مرحوم کے برادرزادہ صاحبزادہ عبدالغفور صاحب گبوی کو اطلاع دی گئی تو وہ حضرت مرحوم کے جنازہ کو دوسری لاری میں رکھ کر 9 بجے شام بھیرہ میں لے آئے۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد

فخر الدین صاحب سیالوی کو بھی سرگودھا میں اطلاع ہوگئی تو اسی لاری میں جنازہ کے ساتھ بھیرہ تشریف لے آئے۔
قیامت کا سماں:

ایسا ہوش ربا حادثہ بالکل اچانک پیش آیا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہمارا محبوب راہنما چارپائی پر اس طرح پڑا ہوا لاری سے اتارا جائے گا۔ اس لیے یہ خبر ہر ایک خرمن صبر و سکون پر بجلی بن کر گری اور ہر چہار طرف سے زار و قطار روتے ہوئے لوگ دیوانہ وار ٹوٹ پڑے۔ مشتاقان زیارت پر وانوں کی طرح آ آ کر چارپائی پر رتے، جس طرف نظر اٹھائی جائے بچے بوڑھے جوان عورتیں مرد زار و زار روتے اور چیختے تھے۔ ایک قیامت کا سماں تھا۔ جہاں بھی دیکھو حزن و ملال، گھبراہٹ، بے چینی اور آنسوؤں کی لڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ تمام رات حضرت مرحوم کے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب گوی مدظلہ العالی اور ان کے برادر زادہ صاحبزادہ عبدالغفور صاحب گوی جمعیت طلبائے دارالعلوم عزیز یہ جنازہ کے پاس رہے اور ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرتے رہے۔

تجہیز و تکفین و تدفین:

12 ربیع الآخر بروز سہ شنبہ صبح سویرے ہی سے تمام شہر بھیرہ اور ارد گرد دیہات کے لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آنے شروع ہو گئے۔ یہ یقین تھا کہ تمام علاقہ میں جس جس شخص کو حضرت مولانا کے وصال کی اطلاع پہنچے گی وہ ضرور تمام کاروبار چھوڑ کر نماز جنازہ میں شرکت کے لیے دوڑتا ہوا آئے گا۔ اس لیے عام مسلمانوں کی شدید خواہش تھی کہ نماز جنازہ میں جلدی نہ کی جائے۔ ان کے بار بار تقاضوں سے مجبور ہو کر فیصلہ کرنا پڑا کہ ڈھائی بجے جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔

غسل رات کو دیا تھا تجہیز و تکفین سے فراغت ہو چکی تھی۔ صبح سے لے کر وقت نماز جنازہ تک یہ مجاہد ملت پہلووں سے لدی ہوئی، عطر سے بسی ہوئی چارپائی پر دارالطلبہ کے وسیع کمرہ میں لیٹا ہوا ہشاش بشاش چہرہ اور خنداں لبوں سے بزبان حال سننے والوں کو سنا رہا تھا کہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

سوادو بکے ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ لوگوں نے رور و کر مطالبہ کیا کہ ابھی ملکوال سے گاڑی آنے والی ہے۔ اس سے بہت سے لوگوں کی آمد یقینی ہے۔ چند منٹ جنازہ کی نماز اگر اور موخر ہو جائے تو ان حضرات کو نماز جنازہ سے

محرومی کا افسوس نہ رہے گا۔

مولانا مرحوم کا برادر زادہ مولانا حاجی افتخار احمد خاندان بگویہ کا ایک فاضل رکن اسی سال شوال کے مہینہ ہی سے وار برٹن ضلع شیخوپورہ کے مدرسے کا مہتمم و مدرس بنا کر بھیجا گیا تھا۔ مدرسہ مولانا مرحوم کی سرپرستی میں چل رہا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ:

”اس کو صرف اس غرض کے لیے بھیج رہا ہوں تاکہ نظام اور تعلیمی امور میں خود مختارانہ کام کر سکے۔ اور کام چلانے کی مشق حاصل کرے۔ تاکہ پھر اس مرکز کا کام سنبھال سکے۔“

مولانا افتخار احمد وہاں اپنے کام میں مشغول تھے کہ چنیوٹ سے ان کے نام مولانا مرحوم کی سخت بیماری کا تاریخ گیا۔ بعد میں بھیرہ سے وفات کا تاریخ بھی گیا لیکن وہ بیماری کا تاریخ پہنچتے ہی وہاں سے چل پڑے تو یہ انتظار بھی تھا کہ گاڑی کے وقت تک دیکھا جائے شاید وہ تشریف لے آئیں۔

چونکہ مجمع بہت کثیر تھا۔ اس لیے خواہش ہوئی کہ نماز جنازہ کے پڑھنے کے وقت تک کچھ تقریر ہوئی چاہیے۔ اس پر ایک صاحب نے کھڑے ہو کر خاندان بگویہ کی خدمات اور شاندار کارناموں اور خاص کر مولانا مرحوم کے کمالات اور اخلاص و للہیت کا تذکرہ کیا۔ ہر جملہ پر حاضرین دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ رومال و آستین تر تر ہو گئے اور مجمع پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جانشین کا انتخاب:

اسی تقریر کے دوران میں مولانا حاجی افتخار احمد بگوی اور مولانا محمد حنیف کوٹ مومن والے جو مولانا مرحوم کے خاص دوست ہیں، براستہ بھلوال ٹانگہ پر پہنچ گئے۔ اس تقریر کے بعد مولانا حبیب الرحمن خطیب جامع مسجد بھلوال نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

”مولانا مرحوم نے جس ادارہ کو اپنی زندگی وقف کر کے جاری کیا تھا جامع مسجد کی تعمیر و مرمت، دارالعلوم عزیز، رسالہ شمس الاسلام، دارالیتامی وغیرہ کے بقاء اور انتظام کی خاطر ضروری ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کے صحیح جانشین کی تجویز اس وقت کر دی جائے۔“

اس پر حاضرین سے چند معززین کھڑے ہو گئے اور کہا کہ انشاء اللہ عزیز یہ کام جاری رہے گا۔ مولانا مرحوم خود اپنی زندگی میں بارہا فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد عزیز افتخار احمد کام کر سکے گا۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر

حاجی افتخار احمد صاحب کی جانشینی کا اعلان کر دیا جائے۔ جملہ حاضرین نے اس رائے کو پسند کیا۔

نماز جنازہ:

3:30 بجے بعد نماز ظہر حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد فخر الدین مدظلہ العالی سیالوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جس کے بعد آخری زیارت کے لیے لوگ ٹوٹ پڑے اور حسرت و یاس کی نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر آنسو بہا بہا کر لوگ بمشکل جنازہ کے پاس سے بادل ناخواستہ جدا ہوئے اور دین حنیف کا حقیقی خادم اور باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے والا جانباز سپاہی دنیا میں صرف 44 سال گزار کر اپنے خاندانی مقبرہ میں بجانب غروب سپرد لحد کیے گئے۔ مشتاق نگاہوں کے لیے ان کی جدائی ایک گھڑی بھی ناقابل برداشت تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔

ایا قبر هذا الضیف امال امة

فکبر و هلل والحق ضیفک جاٹیا

دعا:

اے اللہ اس مجاہد جلیل کی قبر کو اپنے انوار رحمت سے منور کر دے۔ اے اللہ! جس نے عمر بھر لوگوں کو اپنے دینی فوائد سے مالا مال کر دیا اس کو آج اپنے فضل و کرم کے ذخیروں سے مالا مال کر دے۔ اے اللہ! جس نے اپنی تقریروں کے آب حیات سے مردہ دلوں کو سیراب کیا، آج اس کو آب کوثر عطا فرما اور جنت الفردوس کی دائمی مسرت اور دیدار الہی کی لازوال نعمت نصیب فرما۔ آمین ثم آمین۔

ایصال ثواب:

مورخہ 14 ربیع الآخر 1364ھ مطابق 29 مارچ 1945ء بروز جمعرات دس بجے صبح حضرت مولانا ظہور

احمد بگویی رحمۃ اللہ علیہ کا ختم سوم کیا گیا۔ متعدد بار اہل اسلام کی کثیر جمعیت نے قرآن مجید کا ختم کیا۔ ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن مجید کے ساتھ دارالعلوم کے یتیم بچوں میں 50 روپے کے پارچات تقسیم کیے گئے اور 50 روپے نقد دارالعلوم کے یتیم طلباء کے لیے دیے گئے۔ بیوگان اور غربا کو مولانا مرحوم کے جملہ پارچات تقسیم کر دیے گئے۔ بزرگ خاندان بگوییہ حضرت مولانا محمد یحییٰ بگویی مدظلہ العالی نے بدست خود صاحبزادہ مولوی افتخار احمد بگویی کی دستار بندی کی۔ اور جانشینی کے تقرر کا اعلان مولانا محمد یحییٰ بگویی کی جانب سے صاحبزادہ عبدالغفور بگویی نے پڑھ کر سنایا۔ جس کی تائید میں چند کلمات جناب حکیم عبدالحمید سیٹھی نے پڑھ کر سنائے۔

حضرت امیر حزب الانصار رحمہ اللہ کا ہندوستان گیر ماتم

ایصالِ ثواب کی مجالس کا انعقاد و تعزیتی قراردادیں اور پیغامات

حضرت مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال پر ملال پر ہندوستان کے تقریباً ہر گوشہ سے تعزیتی پیغامات آئے۔ جلسوں میں ماتمی ریزولوشن منظور کیے گئے اور آپ کی روح مبارک کو ثواب پہنچانے کے لیے جا بجا قرآن خوانی کی محفلیں منعقد ہوئیں۔

بذریعہ تار تعزیت:

- حضرت خواجہ غلام نظام الدین سجادہ نشین تونسہ شریف
- انجمن تنظیم الاسلام کلر سیداں ضلع راولپنڈی
- حضرت مولانا عبدالشکور مدیر ”انجم“ لکھنؤ
- سیٹھ محمد حسین توفیق صاحب بمبئی
- عامہ اہل اسلام منڈی چشتیاں ریاست بہاول پور معرفت علامہ عبدالرحمن صاحب جامعہ
- محترم گل فراز خاں صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول کلر سیداں

بذریعہ خطوط تعزیت:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی:

مولانا ظہور احمد صاحب کے انتقال پر ملال کی اندوہناک خبر سے سخت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ میں ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور مدرسہ کے طلباء و مدرسین سے بھی ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کراؤں گا۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی دارالمبلغین لکھنؤ:

کل شام کو اخبار زمیندار سے مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم کا واقعہ ناگزیر معلوم کر کے جو صدمہ ہوا وہ ”زخمے است کہ مر ہے نزار“ کا مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اپنی بے شمار رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ اخبار مذکور کو پڑھتے ہی ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور آج جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ انشاء اللہ ایک جماعت کے ساتھ ایصالِ ثواب کیا جائے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو ان کو عشق تھا آخر اس نے ان کو اسیر مدح و تحابہ بھی بنا دیا۔ اور لاہور کے جیل میں رکھ کر ایک ایسا لقب ان کو دلا یا جو ہر مسلمان کے لیے طرہ امتیاز ہے۔ خدا کرے کہ وہ میدان محشر

میں ایسے مدح صحابہ کہہ کر پکارے جائیں۔

ان دو سال میں کئی دوستوں کا داغ مفارقت نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبر اور جزائے صبر سے محروم نہ فرمائے۔

امروز گراں رفتہ عزیزاں خبر سے نیست
فرداست دریں بزم زما ہم اثرے

حضرت خواجہ غلام نظام الدین سجادہ نشین خانقاہ محمودیہ تونسہ شریف:

ایک طویل تعزیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: تار کے ذریعہ وہ منحوس خبر پہنچی جس نے دل و جگر کباب کر دیا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ اس معزز مہربان کا تذکرہ اس وقت سے پیشتر اپنے علم دوست اصحاب سے ہو رہا تھا یہاں تک تجویز مکمل کر لی تھی کہ علاقہ ملتان میں شیعیت کی گمراہی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ حضرت مولانا ہی اس ضلالت کے استیصال کے ہر طرح اہل ہیں۔ ان کے ذریعہ سے اس علاقہ سے اس گمراہی کے دور کرنے کا جہاد کیا جائے۔ کیا علم تھا کہ مسلمانوں کی بد قسمتی اپنا رنگ لارہی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم و مغفور کا علم و عمل، استقلال، حق گوئی، بد مذہبوں کی تردید میں ان کی ہمدانی بے مثل تھی۔ ضلالت و گمراہی کے اس عموم و شیون کے دور میں پنجاب بھر کے لیے اس بے نظیر بستی کا اٹھ جانا ایک بڑی بد قسمتی ہے۔ جتنا افسوس و ماتم کیا جائے تم ہے۔ اس حادثہ جانکاہ میں آپ سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آں مرحوم کو جنت الفردوس میں جلد دیوے اور آپ سب حضرات کو اور ہم کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی سجادہ نشین سیال شریف:

کن الفاظ میں اس غم و حسرت کا اظہار کروں۔

تن ہمد داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نیم

حضرت مولانا ظہور احمد مرحوم کے سانحہ ارتحال سے جو صدمہ آپ کو ہوا ہوگا وہ تو یقیناً سب سے زیادہ ہوگا لیکن اس مصیبت عظمیٰ اور دائمی جدائی کا صدمہ تمام دنیائے اسلام کو ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی دلنواز، ایمان افروز اور کفر سوز تقاریر و مواعظ سے ہم سب محروم رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات جنت میں بلند فرمائے اور ان کی مساعی جمیلہ اور حسنات کا اجر جزیل اور آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کا صحیح جانشین اور نعم البدل بنائے۔ مولانا مرحوم کے قائم کردہ ادارہ کو قائم رکھنے کی کوشش کیجئے تاکہ ان کی روح ہمیشہ خوش و خرم رہے الخ

حضرت مولانا فاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند:

حضرت مولانا ظہور احمد بگوتی کے انتقال پر ملال کا بے حد صدمہ ہوا۔ مولانا موصوف بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ آں مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان و متوسلین کو صبر جمیل اور نیز ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا عبدالحق نافع کاکاخیل مدرس اعلیٰ دارالعلوم دیوبند:

مولانا بگویی کے انتقال کی خبر پہنچی۔ میں کیا کہوں کہ مجھے کتنا صدمہ ہوا۔ اتنی دیر ہو گئی مگر اب تک آبدیدہ ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا سخت اثر کیوں ہوا۔ شاید کسی کی وفات پر اتنا اثر ہو۔ الا ماشاء اللہ۔ مرحوم نے جب ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا تو ہم سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو گئے۔ دین کی تبلیغ و اشاعت میں اتنا منہمک اتنا انتھک کام کرنے والا اور اپنی ساری زندگی کو اس کے لیے وقف کرنے والا بہت کم ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اپنی غیر متناہی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ مرحوم عجیب معاملہ فہم، قدر شناس اور قدر دان انسان تھے۔ ایسی فضا میں رہ کر ہمارے بزرگوں سے روابط پیدا کرنا یا ان کو بڑھانا ان کی ذہانت اور انصاف کا بین ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو باران رحمت سے سیراب کرے اور ان کے جملہ پسماندوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے۔ اور ان کے نائب و جانشین کو اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ جس جہاد کو اس مرحوم نے جاری کیا تھا نہایت خلوص و للہیت کے ساتھ انجام دیتا رہے۔

حضرت مولانا عبداللہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کنڈیاں شریف:

فقیر ابھی تک سفر ہی میں ہے۔ 30 مارچ کو اخبار انقلاب میں حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھی بہت صدمہ ہوا، مولانا پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر و استقامت نصیب فرمائے۔

حضرت صاحبزادہ سید پیر غلام محی الدین شاہ سجادہ نشین گولڑہ شریف:

مولانا مرحوم کی وفات حسرت آیات کی خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ جملہ اعزاء کو میری طرف سے بعد دعا و سلام کے تعزیت۔

مولانا عبدالسلام صاحب فاروقی دارالمبلغین لکھنؤ:

حضرت مولانا ظہور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا حادثہ فاجعہ اخبار زمیندار سے معلوم ہوا۔ اسی وقت تعزیت کا تار روانہ کیا۔ اس حادثہ کا ایسا صدمہ ہوا جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پنجاب میں مذہب و ملت کا ایک زبردست ستون گر گیا۔

وما کن قیس ہلک ہلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما

وہ میرے بہت اچھے دوست تھے۔ جیسا صدمہ ہم لوگوں کو ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ خود حاضر ہو کر تعزیت کروں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دس یا گیارہ اپریل کو بھیرہ حاضر ہوں گا۔ حضرت والدی المناجد مدظلہ العالی (مولانا عبدالشکور صاحب) کا والا نامہ بھی ارسال ہے۔

مولانا پیرزادہ محمد بہاؤ الحق فاسمی امرتسر:

ابھی ابھی مولانا سیاح الدین صاحب کے خط سے حضرت مولانا گوی نور اللہ مرقدہ کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر معلوم ہوئی۔ دل پر بجلی سی گر گئی۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قلم کو یارا نہیں۔ اس وقت کچھ لکھ سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ آج ہی یتیم ہو گئے ہیں۔ پنجاب کا ایک دلیر مجاہد اٹھ گیا۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مولانا کی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کے تمام متعلقین کو صبر کی توفیق بخشے اور مولانا کے فیوض (مدرسہ، حزب الانصار اور رسالہ شمس الاسلام) کو قائم و دائم رکھے۔ پرسوں یہاں کی مساجد میں دعا و فاتحہ خوانی کرائی جائے گی۔

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

پرسوں جمعہ کے روز یہاں کی بہت سی مساجد میں مولانا کے لیے فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کرائی گئی۔ پنجاب یو۔ پی بمبئی کے بیس اخبارات کو اس مضمون کا اعلان بھیج چکا ہوں کہ ہندوستان کے ہر متمدن مولانا کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرسول کلان بکھروی:

حضرت مولانا ظہور احمد کی وفات کی خبر پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر کہ آمد بہ جہاں اہل فنا خواہ شد
آنکہ پاکندہ و باقیست خدا خواہ شد

نیامرض کیا جائے کہ اس سانحہ جانکاہ اور واقعہ ہوش ربا کے پڑھنے سے کیا صدمہ دل کو پہنچا۔ اضطراب و بیقراری کی کوئی حد نہ رہی۔ تقدیر ربانی کے ساتھ کوئی چارہ نہیں۔ ایسے مصائب میں سوائے صبر کوئی حیلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے۔ خدا کرے جو نظام دینی اور سلسلہ اسلامی وہ قائم کر گئے ہیں وہ بدستور قائم رہے اور جو باغ و ہنگامے ہیں وہ ہمیشہ تازہ و شاداب پھلتا پھولتا رہے۔

علامہ رحمت اللہ ارشد بہاول پور:

حضرت مولانا ظہور احمد کی زندگی مسلمانان عالم کا مشترکہ سرمایہ عزت و آبرو تھا۔ ان کا انتقال قومی اور ملی لحاظ سے ناقابل تلافی اور ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور احباب و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

مبلغ اسلام مولانا لال حسین اختر لاہور:

حضرت مولانا ظہور احمد گوی کے انتقال کی خبر سن کر دل پر بجلی گر گئی۔ آہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں حضرت مولانا کا انتقال مسلمانان ہندوستان کے لیے ایک جانکاہ حادثہ ہے۔ میں تو یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میرا تبلیغی بازو ٹوٹ گیا۔ اسلام کا وہ جری اور بہادر پہلو ان جس نے رخصت و مرزائیت کو پنجاب میں سرنگوں کر دیا تھا ہمیشہ

کے لیے ہم سے جدا ہو گیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
حضرت مولانا مرحوم کی مفارقت کے رنج و غم میں بے حد محزون ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے
جوار رحمت میں جگہ دے کر ان پر اپنی بے حد رحمت نازل فرمائے۔ آمین۔

انجمن امداد الاسلام دیوبند:

اخبارات میں جناب والا کی اپیل بغرض ایصال ثواب حضرت مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم دیکھی۔ کل بعد
نماز جمعہ دفتر انجمن امداد الاسلام دیوبند میں مولانا مرحوم کے لیے ختم قرآن شریف کرایا گیا۔ اور تمام اراکین
انجمن امداد الاسلام انوریہ دارالمطالعہ دیوبند نے مولانا مرحوم کے لیے دعا مغفرت کی۔ خداوند عالم مولانا
مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

احقر: سید حسن رضوی عفا اللہ عنہ، سیکرٹری انجمن امداد الاسلام دیوبند

عبدالرحیم سیٹھ صاحب پونہ کیمپ:

جناب قبلہ و کعبہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد رنج ہوا۔ دل بیقرار ہو گیا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز گم ہو گئی۔ پورا دن بے قراری سے گزرا۔ خیر خدا کی یہی مرضی تھی۔ یہاں پر بھی جامع
مسجد میں قرآن خوانی کی گئی تھی۔ میں ہر روز صبح کچھ نہ کچھ قرآن شریف کی آیات پڑھ کر مولانا کی روح کو
ثواب پہنچاتا ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ اس طریقہ پر قائم رکھے۔

مولانا نصر اللہ خان صاحب عزیز مدیر اخبار "کوثر" لاہور:

محبت محترم مولانا ظہور احمد صاحب بگویی کے انتقال کی خبر یکا یک سنی اور بے حد صدمہ ہوا۔ مرحوم سے مجھے
تحریک خلافت کے زمانہ سے نیاز حاصل تھا اور ان کی خوبیوں سے دل متاثر تھا۔ حال ہی میں جب لاہور
جلسہ تنظیم اہل سنت میں شریک ہونے کے لیے تشریف لائے تو سرسری سی ملاقات جلسے ہی میں ہوئی۔ اس کا
وہم و گمان ہی نہ تھا کہ یہ سرسری ملاقات آخری ملاقات ہوگی۔ مجھے اس صدمہ میں اپنا شریک تصور کیجئے۔
مولانا کی اصل زندگی ان کا وہ سلسلہ خدمت دین تھا جسے وہ قائم کر گئے ہیں۔ دفتر کے ایک خط سے معلوم ہوا
کہ حزب الانصار کا امیر آپ کو مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو راہ حق و صواب پر چلا کر خدمت حق کی توفیق
عطا کرے۔ میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ میں اپنے عزیز دوست کی مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور
پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی توفیق کی۔

حضرت مولانا مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل:

قلم ہاتھ میں لے کر کچھ لکھنے بیٹھ گیا ہوں مگر ہاتھ میں جنہش کی طاقت نہیں۔ قلق و اضطراب اور شدت

کرب و غم سے دل تھرا رہا ہے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں۔ سینے میں ایک دریائے خون موجزن ہے۔ دل کو تسلی دے دے کر تھا منا چاہتا ہوں مگر حالت بدلتی نہیں۔ آنسو پونچھ رہا ہوں۔ مگر جس قدر پونچھتا ہوں اس سے بڑھ کر چشموں کی طرح آنکھوں سے پانی ابل ابل کر بہنے لگتا ہے۔

آنچہ من گم کردہ ام راز سلیمان گم شدے

ہم سلیمان ہم پری ہم ابرمن بگر لیستے

ایسی حالت میں بے زور ہاتھ کو حرکت دے رہا ہوں۔ بے جبر قلم کو چلا رہا ہوں۔ اس لیے جو کچھ لکھنا چاہیے تھا وہ نہ لکھ سکتا ہوں اور نہ لکھ جا رہا ہے۔ اور حقیقت میں احباب کرام کے سامنے اس فسانہ غم سنانے کی ضرورت بھی نہیں۔

ضرورت مجھ کو کیا ہے غم کا افسانہ سنانے کی

اشک آنکھوں سے بہتے ہیں سراپا داستان ہو کر

آہ، شہ آہ۔ واسر تا۔ وامصیبتا۔ رحمت الہی کا یہ مظہر فضل خداوندی کا یہ سایہ مسلمانوں کے سروں سے اٹھ گیا۔ آج نہ صرف ہم بکدہ تمام مسلمان یتیم ہو گئے۔ مدرسہ عزیز یہ کے طلبہ یتیم ہو گئے۔ دارالیتامی کے وہ یتیم بچے جو ماں باپ کا سایہ اٹھ جانے کے باوجود ان کی سرپرستی کی سایہ افانی کی برکت سے یتیم نہ تھے آج واقعی یتیم ہو گئے۔ درود یوار پر آثار حزان و ملال نمایاں ہیں۔ جامع مسجد کی دیواریں، سر بہ فلک گنبد اور بلند مینار۔ اور مدرسہ کی ہر ہر اینٹ آج رو رو کر بے زبان خلتی کہتی ہے کہ آج سب کا سر پرست جدا ہو گیا ہے۔

آج ہے خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں

رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے

حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول للہی سجادہ نشین للہ شریف:

تواضع، انکسار، ملنساری بدرجہ اتم تھی۔ تو دوسری طرف استغنا، شجاعت، خودداری اور عزت نفس وغیرہ اخلاق حمیدہ قدرت نے نہایت فیاضی کے ساتھ ودیعت فرمائے تھے۔ ذہانت، تدبیر، معاملہ فہمی میں تو شاید ہی ان کا مثیل ہو۔ ایسا گراں مایہ موت کے بے پناہ ہاتھ نے ہم سے چھین لیا۔ اس قحط الرجال کے زمانہ میں یہ خلا ایسا نہیں جس کی مستقبل قریب میں پر ہونے کی توقع ہو سکے۔ اسلامی اور ملی اعتبار سے یہ حادثہ یقیناً ناقابل تلافی اور ناقابل برداشت ہے۔ آج پنجاب کے اس مجاہد حق پر آنکھیں اشکبار ہیں۔ زبانیں اس کی تعریف اور دعائے مغفرت میں مصروف۔

فقدت زمان الوصل والمرء جاہل

بقدر لذیذ العیش قبل المصائب

اس حادثہ عظیم کا مسلمانان ہند کو بے حد احساس ہے۔ قلق و اضطراب سے ہر طبقہ میں صف ماتم بکھی ہوئی ہے

مگر:

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میواں بہ تمنا گریستن

بغیر صبر چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کے اعمال حسنة کے لیے اجر جزیل عنایت فرمائے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ان کے جاری کردہ کام کو بحسن و خوبی چلا سکیں۔ جس کام کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف رکھی وہ تادیر چلتا رہے تاکہ ان کی روح مبارک شاداں و فرحاں ہو۔

یا رب این آرزوئے من چه خوش است
تو مرا بریں آرزوئے خود برساں

ضرورت ہے کہ ایسے جامع کمالات صوری و معنوی کی سیرت پر (جو ایک طرف جادو بیان خطیب، چوٹی کا مضمون نگار، فقید النظر مدبر سیاسی، عدیم المثال مفکر اسلامی تھا۔ تو دوسری طرف بہترین مناظر اسلام، انتھک کام کرنے والا، اہل سنت و الجماعت کا ستون اعظم) پوری تفصیل و بسط سے لکھا جائے اور آپ کے کارناموں کو قوم کے سامنے لایا جائے۔ ان کا اسوہ نوجوان مسلمان کے لیے قابل اتباع ہے۔ نیز ان کی یاد کے لیے ضروری ہے:

گاہ گاہ باز خواں این دفتر پاریندرا

حضرت مولانا پیرزادہ محمد بہاؤ الحق فاسمی امرتسرا:

اگرچہ دنیا سرائے فانی ہے۔ اس میں جو آیا، جانے ہی کے لیے آیا۔ لاکھوں کروڑوں انسان آتے ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں۔ جانے والوں میں غالب اکثریت ایسوں کی ہوتی ہے جن کے جانے کا احساس متعلقین کے سوا کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ لیکن بعض جانے والوں کے جانے سے بزم انسانیت سونی ہو جاتی ہے۔ اپنے ہی نہیں اغیار بھی سو گوار نظر آتے ہیں۔ وہ خود تو ”وصال محبوب“ کی خوشی میں مسکراتے ہوئے جاتے ہیں لیکن اپنے پیچھے بے شمار آنسو بہانے والے رفیقوں اور دوستوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ کتنا مبارک تھا وہ وقت اور کتنی سعید تھی وہ گھڑی، جب مولانا ظہور احمد بگویی (نور اللہ مرقدہ) جیسے آنے والے اس نہائے فانی میں آئے اور کس قدر المناک اور درد انگیز تھی وہ ساعت جس میں وہ اپنے چاہنے والوں کو مرغِ نعل کی طرح تڑپتے ہوئے چھوڑ کر عالم جاودانی کی طرف چلے بھی گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا پیر سید فضل شاہ سجادہ نشین و امیر حزب اللہ جلال پور شریف:

مولانا ظہور احمد صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر کے اسماغ سے بے حد رنج و تاسف ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم کی ذات مسلمانوں کے لیے مغنمات میں سے تھی اور ان کی رحلت سے ایک ایسا خلا

میناروں سے بھی شاہی شان و شوکت نمایاں تھی۔ صدر دروازہ عبور کر کے مسجد کے وسیع صحن میں جا پہنچا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ شمالی جانب دارالعلوم عزیز یہ کی شاندار عمارت کے سامنے علماء کرام اور طلبہ کی کثیر جماعت جلوہ افروز تھی۔ مغربی جانب بھی بہت سی مقدس صورتیں نظر آئیں۔ تالاب پر وضو کرنے والوں کو بھی بغور دیکھا مگر جس صورت کی مجھے تلاش تھی وہ کہیں دکھائی نہ دی۔

بمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ما ہے
چہ نم کہ چشم یک میں نہ کند بکس نگاہے

مجھے پریشان حال دیکھ کر ایک صاحب فرمانے لگے شاید آپ کو کسی کی تلاش ہے۔ اگر بڑے مولوی صاحب سے ملنا ہے تو وہ بیٹھے ہیں۔ اور چھوٹے مولوی صاحب بھی ان کے پہلو میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو امیر حزب الانصار مولانا ظہور احمد بگویی کی تلاش ہے۔ وہ بزرگ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے۔ ہائے! ان کا تو آج چہلم ہے؟ آہ آج چہلم ہے۔ اس پیکر حریت کا آج چہلم ہے اس مجاہد اور مبلغ اسلام کا۔ آج چہلم ہے خاندان بگوییہ کے چشم و چراغ کا۔ آج چہلم ہے رئیس انصار کا۔ آج چہلم ہے دارالعلوم عزیز کی شستی کے ناخدا کا۔ وا حسرتا! ان کا چہلم ہے! یہ الفاظ کیا تھے بلکہ تیر و نشتر تھے جو میرے قلب و جگر میں پیوست ہو کر رہ گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ دوست نواز، ظہور احمد، دشمن گداز... ظہور احمد ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گیا۔

خزاں کے جھونکوں کی گلشن میں تاب لا نہ سکا
وہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا

مرحوم کے برادر بزرگ مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت مرحوم کے جانشین مولانا الحاج افتخار احمد بگویی کی ملاقات کے بعد گونہ دل کو تسکین ہوئی۔ نیز چہلم کی وجہ سے علمائے کرام و بزرگان دین کی خاص جمعیت موجود تھی جو منجروح دلوں کے لیے طمانیت کا موجب تھی۔ خصوصاً مولانا حبیب الرحمن اور جناب حافظ مولوی محمد نذیر صاحب کی فاضلانہ تقاریر اور مواعظ حسنہ نے مولانا مرحوم کی تبلیغی خصوصیات کی یاد کو تازہ کر دیا۔ مجھے بار بار اپنے دل میں اس خلش کا احساس ہو رہا تھا کہ مرحوم کی زندگی میں مجھے جامع بھیرہ میں قیام کا شرف نصیب نہ ہوا۔ مگر وائے قسمت آج ایسی حالت میں میرا یہاں قیام ہے جبکہ ان کا آج چہلم ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدیر معارف اعظم گڑھ:

والا نامہ مع سوانح مطبوعہ ملے جن کو پڑھ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور مرحوم کے لیے دعائے خیر کی۔ گوطرفین میں ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا مگر مرحوم کے اعمال جلیلہ کی خبر کبھی کبھی اس حقیر کے کانوں میں پڑا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔ ہم سب اسی راستہ پر چل رہے ہیں۔ کوئی آج منزل مقصود کو پہنچا، کوئی کل پہنچے گا۔

کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جانشین کو نیک توفیقات کے ساتھ ان کے جاری کردہ کاموں کی تکمیل کی قوت دے۔ اس نازک وقت میں جبکہ مسلمانوں میں اور خصوصاً علماء میں مخلصین کام کرنے والوں کی کمی ہے کسی ایسے فرد کا اٹھ جانا کس قدر افسوس کا باعث ہو سکتا ہے۔ والسلام

جناب مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی:

دھرم سالہ جیل۔ محترم مولاناظہور احمد گبوی کی اچانک انتقال کی خبر معلوم ہو کر بے حد رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ کیا عرض کروں کہ اس خبر کو پڑھ کر کتنا صدمہ ہوا۔ مرحوم کی تعریف صرف ان الفاظ میں کر سکتا ہوں کہ وہ سچے اور مخلص مسلمان تھے اور میرے ایک مخلص دعا گو میں کمی ہو گئی الخ۔

مولوی محمد سعید خطیب جامع مسجد کھروڑ پکا:

حضرت مولانا مرحوم و مغفور کا وجود اسلامی خدمات کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے بہترین وجودوں میں ایک وجود تھا۔ الخ

مولانا خان محمد صاحب خانقاہ سراجیہ مجددیہ کنڈیاں:

ماہ اپریل کے رسالہ کو دیکھا تو ایک دردناک اور وحشت انگیز خبر نظر سے گزری جس سے نہایت ہی رنج و ملال ہوا اور ہوش و حواس پر بجلی گری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الخ

جناب شیخ غلام یسین صاحب تلہ گنگ:

حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سن کر دل پاش پاش ہو گیا ہے ابھی آپ کی بڑی سخت ضرورت تھی۔ مگر قدرت کو منظور نہ تھا۔

مولانا مفتی عطا محمد صاحب رتوی سرہند شریف:

عزیزم کیا لکھوں اور کیوں کر لکھوں۔ حضرت مولانا مرحوم کی وفات نے رلا دیا۔ پنجاب کا مایہ ناز مبلغ جس کے سینہ میں درد اسلام کے سوا کچھ نہ تھا اور جس نے دنیوی تمام علاقوں کو قطع و برید کر کے تمام زندگی اشاعت دین کے لیے صرف فرمائی، اس جہان سے اٹھ گیا۔

جناب میاں شیر محمد صاحب سجادہ نشین لنگر مخدوم:

حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات کا ذکر پڑھتے ہی دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ گھنٹوں تصویر غم بنا رہا۔ معاً زبان پر شعر آ گیا۔

ہر آنکہ زاد ناچار بیدش نوشید
زدہر جام سے کل من علیہا فان

شریعت محمدی کا ستون، امت محمدیہ کا جلیل القدر رہنما، مذاہب باطلہ کا سرکوب اپنے مالک حقیقی کے ہاں قیام

پذیر ہو گیا۔

خان بہادر شیخ فضل الہی پراچہ ڈپٹی کنٹرولر جنرل سول سپلائز لاہور:

قبلہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ مرحوم کی وفات سے مسلمانوں کو ناقابل برداشت نقصان پہنچا ہے۔ ان کی ہستی اس قدر بابرکت و مفید تھی کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے اپنی زندگی خدمت اسلام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ مرضی مولانا ازہمہ اولیٰ بجز صبر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ مولانا کریم ہم سب کو ان کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے۔

خان بہادر شیخ فضل حق پراچہ ایم ایل اے (مرکزی اسمبلی) دریا گنج دہلی:

آج گم کے خط سے جناب مولانا ظہور احمد صاحب کی وفات کا پڑھ کر بے حد رنج اور افسوس ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ انہی کی وجہ سے ہمارے شہر (بھیرہ) میں ایک مذہبی فضا تھی۔ اور یہ انہی کی کوششوں اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ ایک بہت بھاری دارالعلوم چل رہا تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام۔

جناب ملک شیر محمد خان اعوان ناصر رئیس کالا باغ:

مجھے آپ کے غم محترم حضرت مولانا ظہور احمد گوی امیر حزب الانصار کی وفات حسرت آیات پر انتہائی صدمہ ہوا ہے۔ وہ ایک حریت نواز، حق گو، بے باک اور انتھک مبلغ اسلام تھے۔ مرحوم فرقہ ہائے باطلہ کا قمع کرنے کے لیے ساری عمر کوشاں رہے۔ مرحوم کی اسلامی خدمات مسلمانان ہند کے قلوب سے تاقیامت محو نہ ہوں گی۔ مولانا مرحوم کی وفات کی خبر سارے پنجاب میں رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی۔ یہی نہیں بلکہ یو، پی، سی، پی۔ بنگال، کلکتہ کے مسلمان بھی مسلمانان پنجاب کے اس غم میں شریک ہوں گے۔ میں خلوص دل کے ساتھ اس صدمہ جا تکاہ میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔

خداوند قدوس مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب محترم سیٹھ یوسف حاجی مکی بمبئی:

مولانا مرحوم کی رحلت کی اطلاع پا کر مجھ پر ایک سناٹا چھا گیا۔ اور اس قدر رنج اور افسوس ہوا کہ ضبط تحریر سے باہر ہے۔ ایسی جلیل القدر ہستی کا 43 سال کی عمر میں ہم سے اٹھ جانا ہم ہندوستانیوں کی بد قسمتی کی بڑی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور تمام اعزہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا محمد بخش صاحب مسلم بی اے لاہور:

مخدومی کی رحلت کی خبر ”زمیندار“ میں پڑھی۔ روح مجروح ہو گئی۔ دل پر بجلی گری۔ آہ حزب الانصار کا امیر چل بسا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وادریغا احناف کا شیر انتقال فرما گیا۔ اللهم اغفر لہ ملت کا مخلص زعمیم آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

فلیک علی الاسلام من کان باکیا۔ دوستوں کا سہارا جاتا رہا۔ اللھم افرغ علینا صبرا۔ سرزمین بھیرہ کا نور سپرد خاک کر دیا گیا۔ طاب اللہ ثراہ ایک ولی آغوش رحمت میں چلا گیا۔ قدس سرہ العزیز ایک عالم فوت ہو گیا۔ موت العالم موت العالم۔ ایک مبلغ سفر تبلیغ میں تھا کہ اسے داعی حق کو لبیک کہنا پڑا۔ فقد فازا فوزا مبینا۔ ایک مخلص بزم تخلصین میں شامل ہو گیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزا۔ وہ ہمارا نہیں تھا۔ اللہ کا تھا کان اللہ لہ۔ وہ اسلام کا تھا مات للاسلام۔

آپ پر بلاشبہ کوہ غم ٹوٹ پڑا ہے لیکن یاد رہے کہ حقیقت میں یوم الحزن وہ تھا کہ جس روز حیات النبیؐ کا وصال ہوا۔ انک میت و انھم میتون کا ظہور ہوا۔ جس پر سب سے زیادہ غم تھا اس نے پکار کر کہا من کان یبعد محمدا فان محمدا قد مات و من کان یبعد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ اس صدق صدیق کے پیش نظر آپ کا فرض یہ ہے کہ ظہور احمد کا نام زندہ رہے۔ کام زندہ رہے۔ حزب الانصار کا آفتاب درخشندہ رہے۔ شمس الاسلام تابندہ رہے۔

مولانا محمد ذاکر صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ عربیہ، محمدی، ضلع جھنگ:
راقم آج صبح یہاں بعافیت پہنچ گیا ہے۔ اور میرے پہنچنے سے پہلے ہی ایک دن انجی اکٹر م مولانا صاحب علیہ الرحمۃ کی خبر انتقال پر ملال پہنچ چکی تھی۔ جس پر اہل مدرسہ نے خاص طور پر دارالعلوم میں تعطیل کر کے جلسہ تعزیت منعقد کیا۔ حضرت مولانا محمد ظلیل صاحب صدر مدرس و دیگر صاحبان نے مولانا کی مجاہدانہ زندگی پر درد بھری تقریریں فرمائیں اور ایک قرارداد بھی پاس کی جو ارسال ہے۔ قرآن مجید کے چار نتم بھی ایصال کیے گئے ہیں۔ جس وقت سے یہاں پہنچا ہوں۔ عوام و خواص کا تانا تعزیت کے لیے بندھا ہوا ہے۔ ایک دوست اس جائگاہ حادثہ پر پریشان حال نظر آ رہا ہے۔

مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری مہتمم مرکز تنظیم اہل سنت لاہور:
حضرت مولانا کی وفات کا علم ہو چکا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک سے اہل سنت کا ایک زبردست ستون اٹھ گیا۔ اور اسلام کے تبلیغی نظام کو ایک زبردست دھکا لگا۔ مگر اللہ وانا الیہ راجعون۔ جو یہاں آیا اس کو بہر حال جانا ہے۔ اب دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو جو رحمت میں جگہ دے اور آپ کو دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا پیر کرم شاہ بھیروی حال مقیم لاہور:
بہتی ہوئی آنکھیں، دھڑکتا ہوا دل۔ ایک قلب حزین کے لیے کیا سامان تسکین بہم پہنچا سکتا ہے۔ اس المناک سانحہ عظیم پر کہنا پڑتا ہے:

رو لے اب دل کھول کر اے دیدہ خوننا بہ بار

کتنا روح فرسا تصور ہے کہ ہم حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے سایہ ہمایوں سے محروم ہو گئے۔ فراموشی دہر کے لیے عصائے کلیسیا ہم سے چھین لیا گیا۔ اس اندھیری رات میں ہم کو اس ید بیضا کی ضرورت تھی۔ تمام شاہی بند

کے درد مند مسلمان فرزند ان تو حید اس کو مدت العمر تک فراموش نہیں کر سکتے۔
اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

مولانا محمد فاضل دیوبند صدر مدرس مدرسہ محمودیہ تونسہ شریف :
مولانا مرحوم کے وصال کی خبر جانکاہ سن کر دل کو وہ صدمہ عظیم اور قلق و اضطراب لاحق ہوا جو بیان نہیں کر سکتا۔
ان کی وفات سے ہر خاص و عام کو نقصان عظیم پہنچ گیا ہے۔ ہر لحاظ سے مفید خلق اور خادم اسلام و جو اس زمانہ
میں بہت کم ہیں۔ مگر بجز صبر چارہ نہیں۔ ان فی اللہ عزاء من کل مصیبة و خلفا من کل ہالک
قالی اللہ اینبوا و الیہ فارغبوا انا للہ و انا الیہ راجعون۔
اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔

حضرت صاحبزادہ مولانا محمد عمر سجادہ نشین بیربل شریف :
حضرت کرمی برادر مولانا فخر الدین صاحب کے انتقال پر ملال کا رنج کیا کم تھا کہ اچانک مولانا کے انتقال
ن وشت اثر خیر سن کر اور بھی محزون ہوا۔ ایک بہترین عالم اور خطابت کا ماہر ہم سے چھن گیا۔ جس قدر رنج و
افسوس یا جائے کم ہوگا۔ تمام مسلمان اس المناک حادثہ سے متاثر و غمزدہ ہیں۔ مولانا نے اپنا بہترین وقت
دین کی خدمت میں صرف فرمایا۔ مولائے کریم ان کو اجر دے اور اپنی رحمتوں سے نوازے۔

مولانا حکمت شاہ کاکاخیل صدر مدرس مدرسہ انواریہ شاہی مسجد لدھیانہ :
حضرت مولانا مرحوم کی وفات حسرت آیات سے مطلع ہوا تو اس سانحہ عظیم سے حواس مٹل ہو گئے۔ حضرت
مولانا مرحوم کی وفات پر جتنا بھی اظہار رنج و غم کیا جائے وہ کم ہے۔ کیونکہ وہ اہل اسلام کے ایک مانے
ہوئے جلیل القدر رہنما تھے۔ مگر اب ہم ایصال ثواب کے سوا اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے روز ان کے
واسطے شاہی مسجد لدھیانہ میں عظیم الشان اجتماع کے اندر دعائے مغفرت کی گئی۔ احقر کو تو حضرت مرحوم ہر
وقت سامنے آتے ہیں اور دل سے بالکل جدا نہیں ہوتے۔ افسوس کہ مسلمانوں سے ایک بہترین ہمدرد ہستی
رخصت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں مقیم فرمائیں اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب محترم غلام دستگیر خان صاحب بیخود دھوگری ضلع جالندھر :
اللہ پاک مولانا ظہور احمد صاحب کو اعلیٰ علیین پر متمکن فرمائے۔ آمین۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ زندگی بھی
شاندار اور موت بھی عجیب۔ اب وہ دوسرے عالم میں زندہ ہیں۔ ہمیں اپنی دعاؤں اور توجہات سے مستفید
فرماتے رہیں گے۔ والسلام۔

محترم جناب حکیم چن پیر احمد صاحب خوشاب :
افسوس صد افسوس۔ یہ حادثہ فاجعہ صرف خاندان بگویہ کے لیے مصیبت عظمیٰ نہیں بلکہ ملک و ملت کے ہر درد مند
دل کا اس سے تڑپ جانا اور بے چین ہو جانا ضروری ہے۔ مگر مولا کی مرضی ہے اور صبر و استقامت کے سوا

اور کوئی چارہ کار نہیں۔ عنقریب شریک غم ہونے کے لیے حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔

محترم مولانا عبدالمنان صاحب قزول باغ دہلی:

شمس الاسلام والدین کی رحلت جاننا کی خبر رسالہ شمس الاسلام میں دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا۔ طبیعت بے قابو ہو گئی۔ اگرچہ اس منزل سے سب کو گزرنا ہے لیکن ایسی شخصیت کے رخصت ہو جانے پر انتہائی قلق ہوتا ہے۔

فيا عين سحي عبرة بعد عبرة

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آپ کی استقامت کے لیے دعا گو ہوں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب منڈی وار برتن:

حضرت مولانا کے انتقال پر ملال کی خبر سے بے حد صدمہ اور انتہائی قلق ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر نہ دیدیم بہار آخر شد

اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے مرحوم کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

محترم خواجہ محمد صادق صاحب چنیوٹی کلکتہ:

آج کلکتہ کے روزانہ اخبار ”ہند“ سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ظہور احمد گوی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اس

خبر سے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ اور انتہائی رنج و افسوس ہے۔ آہ! اسلام کا یہ سچا خادم اور سپاہی دنیا سے رخصت

ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس اور آپ کو اور تمام متعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

ڈاکٹر محمد ظریف صاحب میڈیکل آفیسر منڈی وار برتن:

مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر وحشت اثر سن کر جو حالت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جس وقت بشیر نے

یہ خبر سنائی اس وقت اعتبار ہی نہیں آتا تھا۔ مجھے رسمی الفاظ نہیں آتے کہ پورے طور پر اظہار رنج و الم کروں۔

گھر کے تمام افراد بہت بہت اظہار ہمدردی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب محترم حکیم حافظ محمد عابد صاحب بکھر چک 24:

حضرت مولانا ظہور احمد گوی مجاہد ملت و دین کے دنیا سے تشریف لے جانے کا جس قدر صدمہ اور غم مجھ کو ہوا

وہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ صرف ہم کیا جس کسی کو بھی آپ سے واقفیت تھی وہ آج روئے گا۔ موت العالم موت

العالم۔ اللہ تعالیٰ اس مجاہد ملت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور

نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ اب صبر کے بغیر اور چارہ نہیں۔

ہمہ تن خون شوم از دیدہ حکم

گر بدانم کہ گریہ را اثرے است

جناب محترم ڈاکٹر محمد شریف مقیم خانقاہ سراجیہ مجددیہ کھولہ شریف:

حضرت مولانا مرحوم کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر حیران رہ گیا۔ واقعی یہ صدمہ بہت بھاری صدمہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بہترین جگہ مرحمت فرمائے۔ سب ساکنین دربار عالیہ اس اچانک خبر کو سن کر حیران رہ گئے۔ بعد از نماز ظہر مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ سب بھائی مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر و استقامت نصیب فرمائے۔

محترم محمد منیر صاحب ٹائیسٹ ڈپٹی کنٹرولر بمبئی:

کل بزرگوار جناب مولانا ظہور احمد صاحب کی وفات کا سن کر دل کو از حد رنج ہوا۔ میرے لیے تو وہ نانا جان کی جگہ پر تھے۔ خدا ان کو غریقِ رحمت کرے اور جنت الفردوس کی نعمتیں عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل اور نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

جناب محترم سیٹھ احمد حاجی عمر صاحب 313 مین سٹریٹ پونہ:

جناب کا مراسلہ بابت انتقال پر ملال پڑھ کر صدمہ جانکاہ پہنچا۔ افسوس کہ گزشتہ محرم کی ہماری ملاقات آخری رہی۔ مسلمانانِ پونہ کی بد قسمتی کہ مولانا مرحوم سے زیادہ مستفیض نہ ہو سکے۔ خیر مشیت ایزدی میں سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ کل شب کو یہاں جامع مسجد میں قرآن کریم کا ختم پڑھا گیا۔ کثرت سے مسلمانانِ پونہ شامل ہوئے اور بعد ختم مولانا مرحوم کے حق میں خدائے قادر مطلق سے مغفرت کی دعا مانگی گئی۔

خداوند کریم مولانا مرحوم کو جو رحمت میں جگہ دے۔

جناب محترم سیٹھ رمجو موسیٰ صاحب پونہ:

حضرت مولانا ظہور احمد بگوی کے انتقال پر ملال کی اطلاع پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ گزشتہ محرم میں مولانا مرحوم نے مسلمانانِ پونہ کو اپنے مواعظِ حسنہ سے مستفیض فرمایا تھا جس کا اثر اکثر لوگوں پر بہت اچھا پڑا۔ آپ نے بشرطِ زندگی آئندہ سال کا وعدہ فرمایا تھا۔ مسلمانانِ پونہ ان کے آنے کے منتظر تھے۔ اس جانکاہ خبر کو سن کر سب لوگ نہایت ہی رنجیدہ ہوئے اور کل رات یہاں جامع مسجد میں کثرت سے جمع ہوئے اور بعد ختم قرآن کریم حضرت مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اپنے حبیبِ پاک کے صدقہ میں مولانا مرحوم کو جو رحمت میں رکھے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا محمد بخش خطیب جامع مسجد راولپنڈی:

خط کیا پہنچا کہ کوہِ غم و الم دل پر ٹوٹ پڑا۔ مہبت و حیران ہوں۔ راولپنڈی میں جس جس کو یہ المناک خبر پہنچی ہے تمام کے تمام نمناک و بے چین ہو گئے۔ تمام لوگ مولانا مرحوم کے حسنات، کمالِ علمی، خوبی و وعظ و تقریر و حسنِ اخلاق کو یاد کر کے چشم پر نم ہیں۔ مولانا نے جس کام کے لیے اپنی ساری عمر عزیز وقف کر دی تھی اگر اس کو قائم رکھا جائے تو اس سے مولانا کی روح پر سرور ہوگی۔

جناب محترم حکیم تاج الدین صاحب تاج لاہور:

آج ”شہباز“ میں حضرت مولانا ظہور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر پڑھ کر بے حد صدمہ و قلق ہوا۔ فرط غم سے دل مضمحل ہو گیا۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے حتیٰ کہ ہچکی بندھ گئی۔ میں اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس صدمہ جانکاہ سے آپ حضرات کی قلبی کیفیات کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ اور جملہ متعلقین کو مذہبی اور دینی خدمات اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا صاحبزادہ زین الدین ترگ ضلع میانوالی:

مولانا کی وفات کی خبر سے سخت صدمہ ہوا جس کے اظہار سے قلم قاصر ہے۔ تمام مسلمانان ہندو پنجاب کے لیے مولانا کا وجود ایک بڑی نعمت تھی۔ مدرسہ زینت الاسلام کے تمام مدرس اور طلبہ اس خبر سے متاثر اور پریشان ہو گئے ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لیے ختم قرآن کا انتظام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو جنت الفردوس کی خوشیاں نصیب فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔

مولانا کامل الدین صاحب رتو کالہ ضلع شاہ پور:

حضرت مولانا کی وفات کی خبر سن کر بہت سخت صدمہ ہوا۔ اسلام کا ایک رکن عظیم گر گیا۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہمیں صبر کا اجر دے۔ اللہ بے نیاز آپ کو مولانا کا سچا جانشین بنا کر استقامت بخشے اور عمر دراز فرمائے۔

مولوی رضا، اللہ صاحب نبیرہ مولانا ثناء اللہ امرتسری:

محترم مولانا کے ناگہانی انتقال کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ خدا مرحوم کو بخشے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میں نے جب خبر اخبار ”انقلاب“ میں پڑھی اور محترم جد امجد مولانا ثناء اللہ امرتسری دام مجدہ کی خدمت میں پیش کی تو ان کو بھی بہت بہت صدمہ ہوا۔ وہ بھی آپ کے غم میں شریک ہیں۔ تمام اہل خانہ کی طرف سے اظہارِ افسوس ہے۔ یہ خبر اخبار ”اہل حدیث“ میں شائع کر دی جائے گی۔

قاری مولوی عبدالرحیم صاحب (فاضل دیوبند و مولوی فاضل) عربی ماسٹر

ہائی سکول کلر سیدان ضلع راولپنڈی

اخبارات میں شائع شدہ خبر پڑھی۔ ہائے روشن چراغِ ملت کو کار پردازان قضا و قدر نے اٹھا کر آغوشِ حد میں رکھ دیا ہے۔

یہاں ہزار ہا کے مجمع کی طبائع مولانا کی ایک تقریر سے پلٹ آئیں۔ جب سے یہاں خبر سنی گئی ہے ہر طرف ماتم ہی ماتم ہے اور میرے مکان پر تعزیت و فاتحہ خوانی کے لیے لوگ آ رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ایوب صاحب بھیروی آگرہ:

29 مارچ 1945ء کے ”شہباز“ میں حضرت مخدومی مولانا ظہور احمد کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ پہنچا۔ آپ کے کارہائے نمایاں کو یاد کرتا ہوں تو آنسو تھننے میں نہیں آتے۔ حضرت مرحوم کی زندگی کا آخری سفر آگرہ کبھی نہ بھولوں گا اور ان کے وصایا کو یاد رکھنا اپنے لیے باعث نجات سمجھوں گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا محمد حنیف فاضل امینیہ و سابق مبلغ حزب الانصار سویہ (گجرات):

حضرت مخدومنا مولانا مرحوم کی وفات کی خبر وحشت اثر سنتے ہی نہایت مغموم و پریشان ہو گیا۔ کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا۔ آنسو بہنے لگے کہ ہائے اب مولانا کی وہ خصوصیات و کمالات اب کہاں تلاش کریں گے۔ ہزار افسوس کریں مگر بجز صبر چارہ نہیں۔ آج ہی حضرت کی روح پر فتوح کو ایک قرآن مجید کے ختم کے ثواب پہنچانے کا انتظام کیا ہے۔

مولانا احمد یار فاضل دیوبند مبلغ حزب الانصار کوتانی ضلع ڈیرہ غازی خان

حضرت مولانا قدس سرہ کی وفات کی دلخراش خبر موصول ہوئی۔ سنتے ہی عجیب کیفیت ہوئی۔ پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ بے حد صدمہ ہوا۔ دل بے قابو ہوا۔ آنسو جاری ہوئے۔ العین تدمع۔ والقلب یحزون ولا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقک یا امیرنا لمحزونون۔ زبان پر جاری ہو گیا۔ ان اللہ مع الصابورین۔ صبر و شکیب کی بجائے اور علاج قلب حزین کے لیے نہیں۔ اب صرف ہماری دعائیں اور دربار الہی میں مخلصانہ التجائیں ان کی روح کو خوش کر سکتی ہیں۔

اللهم اغفره وارحمه وافض علیه شایب رحمتک و ادخله جنات النعیم۔ آمین۔

مولانا نور احمد صاحب فاضل امینیہ چھمپوں ضلع گجرات:

حضرت امیر صاحب کے انتقال کی خبر جانکاہ پہنچی۔ دل کو سخت صدمہ ہوا۔ پریشانی کی حد نہ رہی۔ میں کیا بلکہ مسلمانان ہند میں سے ہر درد مند شخص کو ضرور احساس ہوا ہوگا۔ آپ کی دینی خدمات ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر کی دینی خدمات قبول فرماتے ہوئے صدر جنت میں جگہ عنایت فرمائے۔ اور آپ کو دینی خدمات کے لیے بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔

مولانا محمد حسین صاحب شوق پیلاں ضلع میانوالی:

حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھ کر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ مولانا کے اس ناگہانی اور بے وقت فراق سے دل سخت اداس ہے اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ اور جمیع متعلقین کو توفیق صبر۔ آہ حضرت مولانا کے پاک مشاغل اور مقدس ارادے، انتھک کوششیں، ایثار و قربانیاں۔ اب ایسا شخص کہاں مل سکتا ہے۔ قوم کو مولانا کے فراق سے جو

نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

خداوند تعالیٰ امیر مرحوم کے ارادوں کو اسی صورت میں کامیاب و بامراد رکھے۔ آمین۔

مولانا محمد سعید صاحب فاضل دیوبند صدر ادارہ السنہ شرقیہ امرتسر:

حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سن کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ مرحوم نہایت مخلص، سچے اور پختہ ارادہ رکھنے والے باہمت اور متدین عالم تھے۔ پنجاب کے اندر فتنہ شیعیت، خاکساریت، مرزائیت اور دیگر مذاہب باطلہ کے خلاف جو انہوں نے جہاد جاری کر رکھا تھا اس میں نہایت ہی کامیاب ثابت رہے۔ ان غلط رو تحریکات کے خلاف جو ماحول وہ پیدا کر چکے تھے خدا کرے وہ دیر تک قائم ہو۔ جملہ اساتذہ و طلبہ بے حد متاثر اور رنجیدہ خاطر ہیں اور ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو جملہ متعلقین کو صبر و استقلال کی توفیق عنایت فرمائے۔

محترم محمد حسین صاحب پونہ:

مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر سے تمام مسلمانان پونہ کو بہت سخت صدمہ پہنچا۔ محرم میں پونہ کے اندر جتنے مواعظ ہوئے وہ نہایت پر اثر تھے۔ مگر سب سے آخری تقریر کے یہ چند جملے لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرمایا:

”پونہ والو! یہ میری پونہ میں آخری تقریر ہے۔ کل صبح صبح لھی اینی وطن جلا

جافس گا۔ اگر خدا نے زندگی بخشی تو آئندہ سال آئن گا۔ لیکن پونہ سے جانی

سے پہلے پونہ والوں سے یہ وعدہ لیتا ہوں کہ اگر تم لوگوں کو بیتہ جلا جانی

و کہ ظہور احمد کا انتقال ہو گیا تو مجھے دعائے خیر سے نہ بہو لٹا۔“

تمام پونہ والوں کی زبان پر آج یہ الفاظ ہیں کہ مرحوم کی بات سچی نکلی۔ پونہ میں ایصالِ ثواب کے یہ نغم قرآن کیے گئے۔ سب حضرات رنجیدہ ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

محترم قاضی محمد اکرم صاحب بھکڑال ضلع راولپنڈی:

جاں گداز اور دل خراش خبر ملی اور بے انتہار رنجیدہ اور ملول ہوا۔ ایسے مجاہدین و ملت اور باعثِ حمت خداوندی ذات کے سایہ کا اٹھ جانا تمام مسلمانوں کے لیے نہایت رنج و الم کا باعث ہے۔ قبلہ مرحوم کی یاد ہر لمحہ خون کے آنسو لارہی ہے۔ دماغِ غم کے مارے پریشان ہے۔ اپنے رنج و غم اور انفسوس کے اظہار کے لیے الفاظ حاضر نہیں ہوئے۔

محترم نواب محمد حیات قریشی سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ بی صابووال ضلع شاہ پور:

حضرت مولانا مرحوم کی اچانک موت کا بہت ہی انفسوس ہے۔ وہ بہت ہی خوبیوں کے انسان تھے۔ ان کی وفات کا سب مسلمانوں کے لیے بڑا صدمہ ہے مگر صبر کے سوا چارہ نہیں۔

مولانا حکیم محبوب عالم صاحب ٹیکسلا :

افسوس صد افسوس آج ہم اور ہماری جماعت یتیم ہو گئی۔ ہمارا سر پرست، مجاہد فی سبیل اللہ خلد بریں میں جا بسا۔ اس اتفاقی موت سے دل نہایت اندوہناک و پریشان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت و مغفرت فرمائیں اور ہمارے لیے کوئی نعم البدل اور عطا فرمائیں۔

محترم حاجی نور احمد صاحب منڈی وار برٹن :

افسوس صد افسوس کہ ہم اپنی زندگی میں یہ جانگداز خبر سن رہے ہیں۔ وار برٹن کے کل مسلمان ماتم زدہ ہیں ہم ایسی ہستی کی سر پرستی سے محروم ہو گئے جس کے بعد ہم کو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کی مرقد مبارک کو نور، علیٰ نور کر دے اور آپ کو اس صدمہ جانکاہ میں صبر جمیل عطا فرمائے۔

بابو منوہر لال صاحب منوہر پریس سرگودھا :

حضرت صاحب کی بے وقت اچانک موت کے متعلق پڑھنے کے بعد پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ خداوند کریم ان کے عزیز و اقارب کو صبر عطا کرے۔ اس بھگوان سے یہی پرارتھنا ہے کہ اس کو جنت نصیب ہو۔ واقعی قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ وہ ہر دلعزیز تھے، غریب پرور تھے۔ کون کون سی صفت بیان کروں۔

مولوی سید کرم حسین شاہ صاحب چوہا سیدن شاہ ضلع جہلم :

آپ کے وصال کی خبر سن کر میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ کیا بتاؤں کہ مجھ پر کیا گزری۔ بہ مشکل صبر آیا۔ آخر صبر کے بغیر چارہ کیا ہے۔ خداوند کریم مرحوم کو جنت الفردوس نصیب کرے۔

محترم خواجہ عبدالمجید مہتہ بھیروی لاہور :

مولانا کے مرگ ناگہانی کی خبر پڑھ کر از حد افسوس ہوا ہے جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ان کی وفات سے آپ کے خاندان بلکہ مسلم قوم کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔

خداوند کریم آپ تمام کو صبر جمیل اور ان کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین

محترم میاں اشرف علی صاحب وکیل باغبانپورہ لاہور :

اخبار "نوائے وقت" میں مولانا ظہور احمد کی وفات حسرت آیات کی خبر جانکاہ پڑھ کر ایسا صدمہ ہوا کہ حد تحریر سے باہر ہے۔ مرحوم کی یاد میں رنج و غم سے دل ڈوبا جاتا ہے۔ مجھے اس صدمہ میں آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو اور سب اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔

حکیم حافظ محمد افضل بکھروی مقیم چک نمبر 10 شمالی بھلوال :

حضرت مولانا ظہور احمد صاحب کی اچانک رحلت کی خبر سن کر اور پڑھ کر ہوش و حواس باختہ ہیں۔ حضرت مرحوم کی وفات واقعہ اہل عالم کی موت ہے۔ موت العالم موت العالم کا صحیح مصداق۔ اس حادثہ جانکاہ سے دل کو صدمہ پہنچا۔ اور جو رنج و غم لاحق ہوا وہ حیثہ تقریر و تحریر سے باہر ہے۔ مگر سوائے صبر کے چارہ نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب کرے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل اور نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خواجہ حاجی احمد دین فضل حق ٹمبر مرچنٹس جہلم:

ناگہانی خبر پڑھ کر جگر پاش پاش ہو گیا۔ ہندوستان کے سر سے آج ایک دینی تاج اتارا گیا۔ آج ہماری بد قسمتی کا ظہور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس دردناک صدمہ کے برداشت کی توفیق دے اور حضرت مولانا صاحب کو جنت الفردوس نصیب کرے۔

جناب محترم خواجہ سیٹھ غلام صمدانی صاحب دہلی:

محترم جناب مولانا ظہور احمد صاحب بگویی کے ناگہانی انتقال کی اطلاع پا کر انتہائی دلی رنج و قلق ہوا۔ ان کی وفات ایک قومی حادثہ ہے۔ کوئی نہیں جو ان کی خالی کردہ جگہ کو پر کرے۔ ان کی تمام زندگی خدمت قوم میں صرف ہوئی۔ حق تعالیٰ ان کو مغفرت نصیب کرے۔

جناب محترم محمد اسحاق صاحب سیکرٹری انجمن تبلیغ الاسلام مٹہ رانجھا:

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف دست ساقی چھلک پڑا
رہی دل کی حسرتیں دل ہی میں کہ نشان قضا نے مٹا دیا
حضرت مولانا کی وفات کی المناک خبر سن کر جو صدمہ دل کو ہوا وہ تحریر سے باہر ہے۔

جناب محمد منظور احمد ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول لیانی:

حضرت مولانا ظہور احمد صاحب کی وفات شمس آفاق اسلام کا غروب ہے۔ موٹا عالم موت العالم۔ عالم آدمی کا مرجانا جہان کی وفات ہے۔ مولانا صاحب کی زندہ جاوید زندگی نے اسلامی جوہر زنگ آلود کو صیقل کیا اور ایسا چمکایا کہ غیروں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ بھد محنت شاقہ اور پیہم جدوجہد سے یتیم بچوں اور اوارث لڑکوں کے جھوم کو زیور علم دینی سے مزین کیا۔ ایسے قومی کارکن کی وفات اسلامی دنیا کا رنج و داغ ہے۔ دعا ہے کہ سجادہ نشین صاحب جو عالم باعمل نوجوان فاضل حاجی سیرت آدمی ہیں۔ قوم کی اس بڑی ذمہ داری کے متحمل ہو کر بارگراں کو بطور احسن نبھائیں اور صحیح معنوں میں قوم کے علمبردار بنیں۔

جناب مولانا محمد عبدالحی صاحب سجادہ نشین روپڑ:

اچانک حادثہ کی خبر سن کر دل کو از حد صدمہ ہوا۔ جس کے بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔ مولانا صاحب کی خدمات دینی تو کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ خصوصاً مذاہب باطلہ کے لیے تو ایک شمشیر تھی۔

مولانا پیر قطبی شاہ صاحب ملتان:

حضرت قبلہ مرحوم جناب مولانا ظہور احمد صاحب کی وفات سے یہ نہیں کہ ہمارا دست راست نہیں رہا بلکہ ہمارا سر ہی چلا گیا ہے۔ دنیاۓ اسلام کے لیے نقصان ناقابل تلافی ہے۔

تعزیتی قراردادیں

دارالعلوم محمدی شریف جھنگ :

دارالعلوم محمدی کا یہ اجلاس حضرت مولانا ظہور احمد بگویی رحمہ اللہ کے اچانک انتقال پر ملال پردلی صدمہ اور رنج کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان کی مجاہدانہ زندگی کی خدمات کا پوری طرح سے اعتراف کرتا ہے اور بارگاہ الہی میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ نیز ان کے سب متعلقین کے ساتھ اظہار ہمدردی کے ساتھ یہ بھی التجا کرتا ہے کہ جو کام حضرت مرحوم نے شروع کیے ہوئے ہیں انہیں جاری رکھیں گے۔

واربرٹن میں ماتمی جلسہ :

مسلمانان واربرٹن کا یہ غیر معمولی اجتماع حضرت قبلہ محترم مولانا ظہور احمد مرحوم و مغفور امیر حزب الانصار بھیرہ کے انتقال پر ملال کونا قابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایسے تبحر عالم، مبلغ اسلام کا رپوش ہو جانا موت العالم کو موت العالم کا مصداق سمجھتا ہے۔ خاص کر مسلمانان واربرٹن پر جس کو تقریباً صدیوں سے آپ کی سرپرستی کا فخر حاصل تھا از حد رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ اور آپ کے لیے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کی مرقد مبارک کو منور کرے اور پس ماندگان کو خاص کر قبضہ حاجی افتخار احمد صاحب و عزیز مولوی برکات احمد صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ناظم حزب الانصار واربرٹن

ال انڈیا مسلم لیگ ضلع سرگودھا :

مجلس عاملہ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ضلع شاہ پور کا یہ اجلاس حضرت مولانا ظہور احمد بگویی کی بے وقت اور اچانک موت پر اظہار رنج و الم کرتا ہے اور مرحوم کے پسماندگان اور لواحقین سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اسے ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ خداوند قدوس کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کہ باری تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

مرحوم ضلع ہذا سے پراونشل مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ قرار پایا کہ نقول ریزولیوشن ہذا پریس اور مرحوم کے لواحقین کو چھٹی جائیں۔

محمد اقبال جائنٹ سیکرٹری، مسلم لیگ ضلع سرگودھا

حزب الانصار امر وہہ

15 اپریل 1945ء کو بعد نماز عشاء محلہ بساونج میں حزب الانصار امر وہہ فوج محمدی کی طرف سے ایک عام جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا حاجی بشیر احمد رامپوری منعقد ہوا جس میں دونوں صاحبزادے شمس الزماں

صاحب بدر الزماں صاحب شریک تھے۔ مجمع کثیر تھا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد ایک ریزولوشن پاس کیا گیا جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”آج کا جلسہ حضرت مولانا ظہور احمد مبلغ اسلام بھیرہ پنجاب کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے پسماندگان و مخلصین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا۔“

موضع نلی:

15-16 اپریل کو گردونواح کے مسلمانوں کا یہ نمائندہ اجتماع بتقریب سالانہ جلسہ مدرسہ عطائیہ اسلامیہ حضرت امیر حزب الانصار مولانا ظہور احمد بگویی مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات کو ملت اسلامیہ خصوصاً ضلع سرگودھا کے مسلمانوں کا شدید نقصان تصور کرتا ہے۔ ہم اپنے ایک بہترین دل و دماغ رکھنے والی ہستی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے ہیں اور مرحوم کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور آپ کے صحیح جانشین حضرت مولانا حاجی افتخار احمد صاحب بگویی سے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔

محرم: قاضی محمد رضا کان اللہ، مہتمم مدرسہ عطائیہ اسلامیہ جامع مسجد نلی۔

مؤید:- مولانا قاضی عبدالقادر خطیب جامع مسجد جھادریاں

ملک شیر محمد خان صاحب کالا باغ کا اخباری بیان:

مجھے حضرت مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار بھیرہ کی وفات حسرت آیات پر انتہائی صدمہ ہوا۔ خوش قسمتی سے مولانا مرحوم کے ساتھ میرے گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور میں ان سے بڑی مدت سے شناسا تھا۔ وہ ایک حریت پسند، حق گو و بے باک اور ان تھک مبلغ اسلام تھے۔ دیہات میں خصوصیت کے ساتھ آپ نے اصلاحی کام بہت کیا۔ آپ موجودہ الحاد و فرنگیت اور مذہب سے عام بے اعتنائی کے دور میں مسلمانان ہند میں اسلامی شعائر و روایات اور یثربی تہذیب و تمدن برقرار رکھنے کے لیے ساری عمروشاں رہے۔ اور صفحہ ارضی پر خلافت الہیہ کی قومیت (اصلی پاکستان) کے لیے سر توڑ جدوجہد کی۔ بھیرہ میں ”دارالعلوم عزیزیہ“ کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس سے سینکڑوں مہلک پوش و غریب الدیور طالب علم علوم دینیہ پڑھ کر عالم بن کر نکلے۔ اور آج ان سے ہر علاقہ کے مسلمان مستفید ہو رہے ہیں۔ افسوس آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس اچانک موت اور پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑ جانے پر ہر کہ وہ افسوس ہے۔ آپ کی وفات کی خبر پنجاب کے طول و عرض میں رنج و غم سے سنی جائے گی۔ یہی نہیں بلکہ یو۔ پی۔ پی، کلکتہ اور بنگال کے مسلمان بھی پنجاب کے اس غم میں شریک ہوں گے۔ میں خلوص دل سے مرحوم کے خاندان کے ساتھ اس جانکاہ صدمہ میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدائے قدوس

مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

انجمن اسلامیہ چک نمبر 31 :

انجمن اسلامیہ کے جملہ افراد مولانا ظہور احمد گوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ غفور الرحیم اس مبارک شخص کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔
دعا گو: حکیم گل حسین شاہ حنفی قادری چک نمبر 31 تحصیل پھالیہ ضلع گجرات۔

مختلف حضرات :

- | | |
|---|---|
| ⊛ حافظ حسن محمود صاحب وار برٹن منڈی | ⊛ صوفی محمد صدیق چشتی لاہور |
| ⊛ غلام الدین صاحب تلہ گنگ | ⊛ قاضی فضل رب خطیب مسجد مہابت خان پشاور |
| ⊛ طلبہ مدرسہ عربیہ وار برٹن | ⊛ ماسٹر شیر محمد صاحب منڈی وار برٹن |
| ⊛ محمد انور صاحب وار برٹن | ⊛ محمد موسیٰ صاحب وار برٹن |
| ⊛ خواجہ عبید اللہ صاحب امرتسر | ⊛ مختار احمد صاحب پنسوال |
| ⊛ محمد شریف طالب علم مدرسہ فتحیہ اچھرہ لاہور | ⊛ بابو محمد حیات بھیروی از دہلی |
| ⊛ شیخ محمد طفیل صاحب جالندھر شہر | ⊛ محترم فضل حق بھٹہ از دہلی |
| ⊛ جناب محمد تقی صاحب شینوگرافر جھنگ | ⊛ غلام حسین صاحب بھیروی |
| ⊛ فضل الہی و محمد شریف صاحبان مہتہ از بنوں | ⊛ خواجہ کرم الہی، عظمت الہی سوداگران چرم لاہور |
| ⊛ خواجہ محمد شریف مہتہ از پشاور | ⊛ خواجہ محمد صدیق، محمد شریف آڑھتیاں چرم سکھرنو |
| ⊛ مولانا حکیم ثناء اللہ ثنائی دو اخانہ لاہور | ⊛ خواجہ محمد صدیق، کرم الہی صاحبان از آگرہ |
| ⊛ جناب سمندر خان پرشین ٹیچر اینگلوئڈل سکول نور پور ضلع جہلم | ⊛ جناب مظہر حسین صاحب پلیسٹیشن وار برٹن |
| ⊛ قاضی محمد زاہد چشتی سنوڈنٹ لڈ ضلع جہلم | ⊛ محترم جناب حاجی عبدالوہاب کانپور |
| ⊛ حافظ فضل محمود احسان الہی پراچہ نجیب آباد (یوپی) | ⊛ ڈاکٹر فیروز الدین بستی حضرت نظام الدین دہلی |
| ⊛ محمد اقبال صاحب کپوراز بہمنی | ⊛ محترم خواجہ محمد شفیع کپور بہمنی |
| ⊛ عبدالرحیم شاہ کلرک مشرقی بارکالونی پاکپتن | ⊛ محمد آصف خاں صاحب پراچہ بھیروی از کابل |
| ⊛ غلام قادر صاحب کہوٹہ | ⊛ سید ممتاز حسین صاحب ٹھٹہ محمد شاہ |
| ⊛ جناب ہیڈ ماسٹر خوشی محمد چک نمبر 248 ضلع لائل پور | ⊛ حافظ کرم الہی کہوٹہ (ضلع جہلم) |
| ⊛ علامہ محمد عبدالرحمن جامع بورڈنگ ہاؤس چشتیاں | ⊛ حافظ غلام رسول چک 471 بورے والا (ملتان) |
| ⊛ مولوی نذرا احمد سلانوالی | ⊛ ابوالفضل مولانا کرم الدین بھیس (ضلع جہلم) |
| ⊛ زماں مہدی صاحب قاصر موہڑہ دھیمال (راولپنڈی) | ⊛ مولوی دوست محمد ڈنگی (ضلع میانوالی) |

- ✽ غلام جیلانی طالب علم از ڈھوک لونہ (جہلم)
- ✽ محترم عبد الغفور لائل پور
- ✽ مولوی فضل کریم ڈھرا بھانجا
- ✽ محترم مسعود احمد پراچہ امرتسر
- ✽ محمد امیر صاحب کھرل از مٹھہ ٹوانہ
- ✽ مرزا حمید اللہ بیگ پشتر پکتان سامانہ، پٹیالہ
- ✽ راجہ محمد اسلم خاں جوہر ڈلوال
- ✽ محمد بخش و غلام سرور صاحبان سبزی منڈی دہلی
- ✽ مولوی عبد الحکیم نظام آباد گوجرانوالہ
- ✽ مولوی حافظ محمد خلیل فضل دیوبند حال مقیم امرتسر
- ✽ جمعدار حافظ محمد اسلم متھرا چھاؤنی
- ✽ محترم حاجی محمد سعید محمد شریف تاجران ہڈی دہلی
- ✽ خواجہ محمد عمر صاحب تاجر چرم خانپور، بہاول پور
- ✽ مولوی عبد الغفور، ٹیچر سکول آراضی، راولپنڈی
- ✽ ڈاکٹر بوٹا خان صاحب پشتر دھند و وال ضلع جہلم
- ✽ مولانا سید احمد صاحب حزب الاحناف لاہور
- ✽ مولوی حسین بخش چاریاری ملتان
- ✽ مولوی سراج الدین اچھرہ لاہور
- ✽ محترم عبد اللطیف شیم بھیروی مقیم نواکھالی بنگال
- ✽ مستری محمد بخش صاحب جہاں آبادی
- ✽ جناب محمد منظور کھیوڑہ
- ✽ مستری شجاع الدین صاحب لاہور
- ✽ سید ہادی شاہ صاحب کریالہ ضلع جہلم
- ✽ محمد یوسف صاحب زیارت، کاکا خیل (سرحد)
- ✽ محترم قریشی عبدالحق کلرک ونشی محمد رمضان پوسٹ مین ہیڈ آفس جہلم
- ✽ سید محمد شاہ صاحب و سید احمد شاہ مدرسین ٹڈل سکول لنگر مخدوم ضلع جھنگ
- ✽ منظور الہی و محمد شفیع صاحبان
- ✽ محترم مولوی غلام مصطفیٰ ٹیچر اسلامیہ ہائی سکول بھائی دروازہ لاہور
- ✽ خواجہ محمد سعید صاحب لاہور
- ✽ محترم حاجی میاں فضل الہی بسبئی
- ✽ محمد حنیف صاحب آگرہ
- ✽ مولانا خان محمد فاضل دیوبند خانقاہ ڈوگران ضلع شیخوپورہ
- ✽ گلزار احمد صاحب پراچہ انڈسٹریل سب انسپکٹر گورداسپور
- ✽ مولوی محمد زبیر سکنہ سرگودھا
- ✽ مولوی بشیر احمد خطیب سانگلہ بل
- ✽ قاضی سلطان محمود صاحب موضع بھکروال ضلع راولپنڈی
- ✽ محترم سیٹھ محمد صدیق محمد عمر صاحبان تاجران دہلی
- ✽ مفتی زین العابدین ریلوے اکاؤنٹ آفیسر لاہور
- ✽ محمد عمر صاحب میونسپل کمشنر پنڈ دادنخان
- ✽ غلام محمد صاحب چوکیدار چک 136 ضلع لائل پور
- ✽ حافظ غلام احمد صاحب سلوٹی
- ✽ نذر حسین خوش نویس و نائب مدرس چک 175، (جھنگ)
- ✽ مولانا عبد الفتاح صاحب موضع قاسمی ضلع مردان
- ✽ غلام جیلانی صاحب پراچہ مسلم ہوٹل کیمبل پور
- ✽ مولوی محمد عمر امام جامع مسجد دار برٹن (شیخوپورہ)
- ✽ حافظ منظور احمد شفا خانہ صادقہ چک 24 جنوبی سرگودھا
- ✽ مستری محمد الدین صاحب راولپنڈی
- ✽ حافظ محمد شریف صاحب نقشبندی لاہور
- ✽ خواجہ عبدالرشید نذیر احمد صاحبان پارہ چنار (سرحد)
- ✽ حاجی منور الدین، خواجہ مظفر محمود سوداگران چیم ملتان شہر

مرثیہ حضرت مولانا ظہور احمد بگویی امیر حزب الانصار نور اللہ مرقدہ

(از حضرت مولانا محمد نذیر عرشی شارح مثنوی شریف و مصنف کتب عدیدہ)

قیامت آگئی گویا ظہور احمد کی رحلت سے وہ علمی مجلسوں میں سب کا دل خواہ و دل آرا تھا وہ دین حق کی یاری کے لیے شیر نیستاں تھا جدھر رخ ہو گیا باطل پرستوں کا صفایا تھا نہ زہرہ خاکساری کا کہ لب تقریر میں کھولے نہ دہری کا یہ دل گردہ کہ کچھ حجت پہ قادر ہو کہ سو مردوں کا دل تھا اس اکیلے مرد غازی میں تگ و دو ان کی تا بنگال و مالا بار رہتی تھی اسی ہفتے میں پونا جا کے دیکھو گرم محفل ہے تو اک اک لفظ روح القدس کا فیضان ہوتا تھا کہ محفل سرسبز ایک پیکر تصویر ہوتی تھی ظرافت اور نقاہت میں گل سرسبد محفل تھے تو بزم صحبت اس سے روش گلزار ہوتی تھی ہمیشہ کھیلتی رہتی لبوں پر مسکراہٹ تھی تو راہ دین میں مرنا بھی اک موت شہادت ہے خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر ہے سارا خطہ پنجاب ممنون ہے جس کے فیضان کا قریبا سب کے سب اس آستان کے خانہ زادے ہیں پچھی صدیوں سے اس میں درس اور افتا کی مسند ہے وہی میخانہ ہے ساغر ہے اور موجود ساقی ہے میرے استاد کے فرزند ہیں وہ افتخار احمد

ہوا اک زلزلہ برپا ظہور احمد کی رحلت سے وہ بگویی خاندان کے برج کاروشن ستارا تھا وہ باطل کی قلع بندی توڑنے میں پور دستاں تھا یہ وہ غازی تھا جس پر نصرت یزداں کا سایہ تھا نہ ہمت قادیانی کی کہ اس کے سامنے بولے نہ کچھ جرأت تھی شیعہ میں کہ وہ ان سے مناظر ہو بڑے شاطر تھے وہ تبلیغ دین حق کی بازی میں ہمیشہ دشمنان دین پر یلغار رہتی تھی ابھی پنجاب بھر میں ان کی تقریروں کی ہلچل ہے وہ سرگرم بیاں جب ثانی سبحان ہوتا تھا تعالیٰ اللہ وہ کیفیت دم تقریر ہوتی تھی بڑے خوش خلق تھے اور خندہ پیشانی سے خوشدل تھے زباں جب دوستوں میں مائل گفتار ہوتی تھی تصنع تھا طبیعت میں نہ توقیری بناوٹ تھی مبلغ نے جو تبلیغی سفر میں پائی رحلت ہے فدا ہو زیست صد سال اس موت شہادت پر یہ بگویی خاندان وہ خاندان ہے علم و عرفان کا اٹک سے لے کے تا ستلج جو علمی خانوادے ہیں وہ بھیرہ کی عظیم الشان تاریخی جو مسجد ہے وہی مدت سے علمی فیض جاری اور باقی ہے مشرف جن کے دم سے اب ہوئی یہ برترین مسند

چچا کے جانشین، والد کے وارث علم و عرفاں میں گل رعنا ہیں بگویی خانوادہ کے گلستاں میں
خدا فرمائے ان کی یاوری تبلیغ دینی میں
رکھے نقش قدم پر پیشرو کے جانشینی میں

مرثیہ تاریخی

(از جناب مولانا حکیم مولوی عبدالرسول بکھروی)

دریغا مظہر حق نور تاباں عماد علم و دین ممتاز دوراں
نمودہ صرف عمر خود گرامی بہ نصر و خدمت اسلام و ایماں
منیب اللہ ظہور احمد معظم زبگوی خاندان ذی عزت و شائ
بہ تقریرات و تحریرات و تعلیم نمودہ نشر علم و دین و قرآن
نصیر و افتخار شرع و ملت بذاتش علم و فضل و مجدنازاں
روح او رسد رحمت فراواں کند حق مرقد او باغ رضواں
حیات طپش چوں منقضی شد بیاید حکم فوت او ز یزداں
ربیع الثانی اندر یازدہ بود بدوشنبہ رسید ایں تیز فرماں
بجلس وعظ اندر شہر چنیوٹ شدہ ناساز طبعش غنچہ خنداں
رفیقاں عائد و طنش چو کردند رسیدش در سفر موت شہیداں
زموتش کوہ غم بر خلق افتاد ہمہ اہل خرد و بادیدہ گریاں
مماں عالم آمد موت عالم زمین و آسماں گریاں و نالاں
ہجوم خلق بے حد بر جنازہ بدیدہ زائران گشتند حیراں
ہزار افسوس کامل مرد یکتا زمشاقتاں شد اندر لحد پنہاں
شنیدہ عبدچوں ایں خبر موحش شدہ قلبش ز نار حزن بریاں
پئی تاریخ فوتش فکر بنمود دلش گفتا مناسب مصرع آساں
ظہور حق و دین احمد بود شمار و بشمرد دہر کہ باشد سال جویاں

دیگر قطعہ مختصر:

ظہور احمد رفیع الشان فاضل
چو رحلت کرد زیں دنیا پر آفات
بعد از بہر تار بخش خرد گفت
بگو دائم بود خرم بجنات

سوز غم

از خواجہ غلام جیلانی باصر بھیروی

ماہ تابان شریعت راہبر راہ ہدی
حائے دین متین و داعظ شیریں مقال
وہ ظہور احمد سرمایہ صد افتخار
خدمت اسلام میں کی صرف ساری زندگی
جلوہ گر تھیں سر بسرب خوبیاں اسلاف کی
داغ فرقت دے گئے ہیں ہم کو یہ واحسرتا
یادان کی خون رلائے گی ہمیں لیل ونہار
از برائے سرور عالم حبیب کبریا
منبع علم و کمال و صاحب صدق و صفا
جذبہ تبلیغ حق تھا ان کے دل میں بے مثال
گلشن ملت میں قائم جن کے دم سے تھی بہار
ان کی ہستی دین کے ناموس پر قربان تھی
زندگی ان کی تھی حامل بہترین اوصاف کی
آتش درد الم سے سینہ بریاں ہو گیا
شدت اندوہ غم سے دل رہے گا بے قرار
راحتیں ہوں جنت الفردوس کی ان کو عطا

باصر قاصر کی یارب ہے یہی اب التجا
افتخار دین احمد سے رہے رونق پیا

مولانا افتخار احمد بگویی جانشین مولانا مرحوم

۱

مرگِ عالمِ مرگِ عالم

گر نہ بودے موت سرکوب حیات ما تو
پائے یک برفرق دیگر ہم چنیں تا آسماں
آنکہ او را جز بہ بن نبود مقام پاشی
کاشتن را بر زمین داس بریدن در کفست
قطره قطره ماہ ہر شب نم فراہم میکند
باغ دنیا خوشنما باشد بہر فصل بہار
پیر برنائی و برنا کودکی خواہد مگر
ہست آخر یاس با الیاس و خضر از زیستن
ہر کسے خواہد حیات طول از دور فلک
طیلسان زیست کس آنکہ خوردش کرم مرگ
قجہ را چون تنگ میگردد دم از دور قحاب
کوہ خواہد گشت کہ از تیشہ فرہاد مرگ
بوئے ناز و نعمت تا ساز و برگ زیست است
خود شود روزے سپرد خاک ہر یک خاکزاد
جسم گلگو گل شود روزے ز طوفان اجل
گردش چرخ کہن را ہست ہم روزے سکوں
وز را صبح است اول آخرش ہنگام شام
ہم تو طفل است و برنا نیز پیر سالخورد
ابتدا و انتہا دارندہ را آخر فناست
فلاں خود را با آتش نفلند از حظ نفس
پیش حق حاضر شود و حاضر و غائب کہ ہست

بر سر روئے زمین انسان بودے مثل مو
تو یو بودے نبودے دشت و بحر و شہر و کو
بستے ماند او را بال مرغ آرزو
آب استادہ نمائد پاک مثل آب جو
مپرا نذتاب مہر روزش از ہر چار سو
روزے از باد خزانہش میبرد ہر رنگ و بو
کس نے دید است کاب رفتہ باز آند بگو
صد سکندر شد کہ آب خضر کردہ جستجو
لیک کوتاہیست آخر بادم زشت و نکو
سوزن تدبیر لقماں ہم نہ کرد او را رفو
یاد آرد او ز برنائی و صورت خوش گلو
تلخ خواہد گشت آخر بر تو شیریں گفتگو
چند روز است این بہار زندگی چوں ناز بو
نے زمین ماند کدیور ماند و ہم نے کدو
از رکابش پس نشاں ماند نہ از جام و سبو
از نجوم و مہر و مہ گیرند روزے تاب وضو
پست با بالاست لازم ہم چنیں با پشت رو
آخرش میت ترا نام است و ریار و عدو
بخر و افتد بعر جاودانی جستجو
الفت دنیاست چو قرب زنان بے وضو
این نخواہد ماند گردیروز میرفت است او

جز بحرف نیک لب مکشاد گرنہ گنگ باش
عزت دنیا با زار جزا فاند بکار
در جہاں خلق خیر الناس باند زیستن
ہجو علامہ ظہور احمد منظور حق
مہدی عالم ظہور احمد معنی شناس
جز بذات پاک واحد نیست چیزے رابقا
روز عمرت ہست باقی تا بحد شام دم
بدظہور احمد مقبول ایزد بے خطا

باسلامت رفتن از خواہی زبزم ہاؤ ہو
سیر نشود تشنہ از آب فرات آبرو
تا کہ روز حشر پیش حق شود جاں سرخرو
آنکہ رخشانید نور فیض در ہر دشت و کو
میشود پیدا مسیحی سال پاک از جستجو
یک فقط باقیست گرچہ از یکی زادند دو
گرچہ مہر حکم رخشانیدہ ہر چار سو
غیر از اصلاح ملت کرد کمتر گفتگو

غیر منقوط

مرگ عالم مرگ عالم آمدہ او را گواہ
سرگروہ عسکرا طہار ہر اہل علوم
محرم اسرار داور آگہ سر سلوک
طرح او گرد دلاور کم کس آمد در عمل
سہل گو اصح الکلام و کامگار ہر مراد
علم او لاحول آمد اہل علم مکر را
کرد عالم را معطر علم او ہم طرح ورد

کرد دور او ہر ہمہ مکروہ رسم ہر عدد
داد داد علم در ہر عرصہ اعمال او
مصلح اطوار ہر کس عالم اسرار ہو
کامل الاعمال آمد کردہ معمور او
سود مردم را روا کردہ دل مسرور او
سلسلہ مہر محمد آمد او را در گلو
آمدہ ہر کار در اصل و محل ادراک او

=====

آہ از ما میرود آل مرد محمود الصفات
چون صحابہ بود در ہر وصف نیکو متصف
زندگی کن چون ظہور احمد کہ بعد از رفتت
ہر کسے گوئند کہ در ہر کار دین مردی نمود
آنکہ در دنیا و دین بودست مرد کامیاب
حق بحق برساند و نامد پیش کس الا بخیر

ایہا القوم الذی لا تضحکوا بل تحزنوا
گفتگو دلجو و حسن خلق و ہم پاکیزہ خو
زندہ در ہر بزم بانیکی بماند نام تو
صورت علامہ مرحوم در ہر گفتگو
باد بر نام نکونش عطر بارد کو بکو
پاک کرد از لطف و حسن خلق ہر شر از عدد

حاکم و محکوم در نکشا دلب جز حرف پند
 اے سوار دوش مردم از ملائک پیش و پس
 زیر ابر ظلمت شبہائے طول خاک حیف
 تا قیامت مہر روئے تو نخواہد دید کس
 آہ آں رعب سیاستہائے دین و ہم دنی
 با قبول حکم تیغ علم و جاہ اتقا
 جنت الفردوس جائے اس چنیں مراد شد است
 با سر اعدائے ملت سال ہجری ہم شود
 مہدی عالم ظہور احمد ز دنیا رخت بست
 برکت ہر نوع با پسماندگانش حق و ہاد

ایضاً قطعہ تاریخ انتقال

کوز پشت پیر گردوں گرد بر سر ریختہ
 آسمان شور محشر در بن ہرموئے تن
 میزند سر را بسنگ آہ تا سازد و شق
 جیب حسرت از نقود نامرادی کردہ پر
 اندریں حالت پرسیم ز حال زار او
 گوہر در گراں مایہ بدست افتادہ بود
 گشت نذر موجہائے سیل بحر قرطبوس
 زیں سبب بر فرق خود پیدا نمودم نو فلک
 خبروش در دم ہزار باغ دیں خاموش شد

بارد از ابرد و دیدہ اشک خوں آمیختہ
 بستہ اند ہر دو دست خستہ جاں آویختہ
 ہچو تیغ مور چانہ خوردہ و دم ریختہ
 صورت پیرے ز دل جوشیدہ صفرا ریختہ
 گفت لعل از کان خود دیدہ بدامن ریختہ
 گرد و ریگ کوہ و ہم صحرائے عالم پیختہ
 ہچو بلبل گریم آں گل آہ در گل ریختہ
 از دروں جوش تش آہ و فغاں ایچنتہ
 عضو عضو جسم عزم اہل دیں بکسیختہ

ایضاً۔

شد جہاں تیرہ بترجیل ظہور احمد
 رفت بر عرش بریں موسی طور احمد
 بود آگاہ دل از راز صدور احمد
 نردباں گشتہ با و جلوہ نور احمد

آہ غائب بتہ ابر اجل کرد فلک بود یک شمس درخشاں بدور احمد
 گاہ و بیگاہ بدش شرف زیارت و زریست بہر پیوستہ شد از ما بکضور احمد
 سال ترحیل بضمصام عیاں کرد فلک یعنی بر زادہ علامہ نور احمد
 آسماں ژالہ ببارید بفضل العلام
 بر سر ما ہمہ از فصل ظہور احمد

- ایضاً -

زبدۂ اصفیا ظہور احمد	نجم ہند اولیا ظہور احمد
فاضل باصفا ظہور احمد	سرور اتقیا ظہور احمد
سراعدائے دیں بہ خجر نطق	برید ہر کجا ظہور احمد
در سفر آہ بست رخت سفر	سوئے دارالبقا ظہور احمد
عالم بے ریا ظہور احمد	عارفے باخدا ظہور احمد
عمر بگذشت روز اندر وعظ	شب بیاد خدا ظہور احمد
خاتم العمر وعظ در چنیوٹ	کرد معجز نما ظہور احمد
یافت این افتخار از احمد	کرد باوے عطا ظہور احمد

- ایضاً -

در ہائے شاہوار برارد زمین ہند	گوئندگان شمس و قمر آستین ہند
موج نسیم صبح عرب خلد در بر است	بکشاند آنکہ در بر ہراہل دین ہند
نالہ چرا نہ چرخ نہ لرزد چہ از میں	جبہد چرا نہ باد کہ تیخ شد زمین ہند
حجت بدین بود بادیان باطلہ	دلدادہ فیوض عرب آں مکین ہند
مائیم بچو سرب و رصاص و سیاہ مس	کان طلاست در بر ہر ذرہ طین ہند
خون بارد ابریدہ ہر کہ و مہ بدہر	غائب شد است ازنگہ شان قمین ہند
سوز و چرا نہ سینہ آتش ازین فسوس	سنگ آب شد ز صدمہ اندوہکین ہند
خالی نمود قالب تن راز روح پاک	آدم بردن شتافت ز خلد برین ہند

● جناب صمصام

مقبول ایزد۔ مجاہد ملت

از جناب حکیم حافظ محمد افضل سکنہ بکھر بار

وائے صد حسرتا ظہور احمد	قبلہ مولائے ما ظہور احمد
مفخر خاندان گویہ	اہل صدق و صفا ظہور احمد
مظہر نور حق نبیب اللہ	عارف با خدا ظہور احمد
مصدر علم و فضل و مجد و کرم	بحر لطف و سخا ظہور احمد
منبع فیض و جود ہم احسان	کان حلم و حیا ظہور احمد
عالم و فاضل و تقی و نقی	عابد بے ریا ظہور احمد
مشہر در جہان بو عظ و بیاں	خلق را راہنما ظہور احمد
حامی دین و ماحی بدعت	شمس اوج ہدیٰ ظہور احمد
تابع حق مجاہد ملت	فخر ارض و سما ظہور احمد
وقف بنمود بہر نصرت دین	زندگی خویش را ظہور احمد
حیف ناگہ چو ارجعی بشنید	از جناب خدا ظہور احمد
روپو سید در سفر تبلیغ	زیں جہاں فنا ظہور احمد
گشت تیرہ جہاں چور حلت کرد	سوئے دارالبقا ظہور احمد
ظلمت و ظلم بر جہاں آمد	رفت نور و ضیا ظہور احمد
می سز دگر بگرید ارض و سما	بہر فیض الوریٰ ظہور احمد
در غم انداخت اہل عالم را	ہم بہ آہ و بکا ظہور احمد
عاشقاں از فراق او نالاں	یارو ہم آشنا ظہور احمد
در غم و رنج بتلا گشتند	خویش و ہم اقربا ظہور احمد
سخت تر صدمہ آمدہ ز وفات	قدوۃ الاتقیاء ظہور احمد
لیک جز صبر نیست چارہ کہ رفت	در حضور خدا ظہور احمد

بود محبوب ایزد و مقبول
 روح او باد در بہشت بریں
 مرقدش باد روضہ رضواں
 از شنیدن چنین خبر جانگاہ
 قلب افضل بہ غم شدہ بریاں
 فکر نمود بہر سال وصال
 گفت با آہ مصرعہ سالم
 باز مقبول ایزد - از غم گفت
 بندہ با وفا ظہور احمد
 شادماں دائما ظہور احمد
 رحمت اللہ علی ظہور احمد
 موحش و غم فزا ظہور احمد
 ہم بہ رنج و عنا ظہور احمد
 قبلہ مخدوم ما ظہور احمد
 زبدۂ اصفیا ظہور احمد
 سازمحق تو با ظہور احمد

درود

از مولانا فضل کریم گوندل بہیروی

رستم بہ شب در جامعہ با اضطراب
 ظلمت شب بود بس سایہ فلگن
 از در و دیوار مے آمد ندا
 زاری ممبر بگوشم از بعید
 بر سرم حالا کے باشد جلوہ گر
 چوں رسیدم نزد آں محرب زود
 زیر لب میگفت سخن درد خیز
 از درون ہر سہ گنبد این صدا
 حافظ و علماؤ ہم طلاب دیں
 تا بہ پنم روئے آں عالی جناب
 ہر یکے شد محو در رنج و محن
 حسرتا واحسرتا وا حسرتا
 استن حناہ آسا در رسید
 تا حسرتا ماند درون داغ جگر
 بود او ہم چشم آلود از جمود
 از کنارم دلبرا کر دی گریز
 بر مے آید ویلتا یا ویلتا
 ہر یکے شد محو نالہ کل حسین

شمع و پروانہ

گفت پروانہ بہ شمع اے یار غار
گفت آں نور ظہور احمدی
چوں امیر مجلس مفقود شد
ساغر و پیمانہ چوں برہم شکست
گفت پروانہ بیا گیریم زار
شمع بگرفتش رواں اندر کنار
در زماں آں شمع و آں پروانہ ہم

ہاں چرا امروز گشتی اشکبار
گشت در کتم عدم آہ منزدی
سوز ما در محفلے بے سود شد
از چینیں بزے باید رخت بست
در فراق جاں نثار راز دار
محو نظارہ شد از دیدار یار
رخت بر بستند در کوائے عدم

بلبل و گل

چوں شنید ایں قصہ حسرت مآب
پیش گل بنشت با رنج و محن
گفت گل اے عاشق من مہر جو
گفت وائے باغبان مہرباں
گشت عالم در نظر تاریک و تنگ
یک طرف صیاطک دار د دام را
تا بگیرد طائر نغمہ سرا
جانب دیگر بلبلے لچیں بہ ہیں
تا بچیند غنچہ و گل از چمن
چوں شنید آں شاہ گل راز کہن
گفت اے حافظ بہ من ہمراز شو

بلبلے برخواست با صد اضطراب
غلغلہ انداخت در صحن چمن
بر سر ت آمد چہ آفت باز گو
کرد از مارخ نہاں در خاکداں
بر حیات ایں چینیں صد عار و تنگ
منتظر شد گردش ایام را
در قفس محبوس سازد بے نوا
از برائے غنچہ و گل در کیں
پس نماںد اندر و جز خار بن
پارہ پارہ کرد برتن پیر بن
قصہ درد و الم بارا ز گو



محفوظ الرحمن

در دو شنبہ کرد آہنگ سفر
 طائرِ روحش ز قفسِ عنصری
 در سفر جامِ شہادت نوش کرد
 گفت ہاتفِ در وصالش بیگماں
 یا الہ پسماندگان خویش را
 بخش خود از بہرہ صبر جمیل
 سایہ رحمتِ فلکن بر افتخار
 عالم و حاجی و عابد باصفا
 حضرت • استاذیم اند بیگماں
 خانمان گویہ را یا الہ آباد دار

دو ربیع الثانی نے اول عشر
 سوئے بالا رفت اندر لاری
 ہمراہاں را بخود و مدہوش کرد
 رفت آں محفوظ الرحمن الاماں
 نیز علماء و گدردرویش را
 تا کنند حاصل ز تواجری جزیل
 ہست مارا موجب صد افتخار
 صوفی و صافی و دانی باوفا
 ناخدائے کشتی ایں خانداں
 تا عنادلے سراید بر سر ہر شاخسار

مولانا فضل کریم گوندل از بھیرہ

• مولانا محمد یحییٰ گوی

جذباتِ غم

سوز آہ آتشیں در آسماں ایچختہ
 ظلمت رنج و بلائے جانستان ایچختہ
 رخت ہستی زیں جہان پر زیاں ایچختہ
 دریم عرفاں چہ موج بیکراں ایچختہ
 خاطر عاطر بہ گلزار جناں ایچختہ
 درد و سوز و شور و غم سرد در فغاں ایچختہ
 کیں نسیم خستہ آہ خون فشاں ایچختہ

ایں چہ طوفانیست خونین در جہاں ایچختہ
 از چہ ذرات جہاں آتش بداماں سر بسر
 حسرتا آں آفتاب دین سلطان رسل
 حضرت علامہ دوران فصیح خوش بیاں
 آں ظہور احمد روشن گہر فرخ تبار
 یازدہ ماہ ربیع الثانی و روز دوم
 بست و شش از ماہ مارچ نوزدہ صد چہل و پنج

جناب محمد زبیر نسیم صحرائی، بھیرہ ضلع شاہ پور

• درد و سوز و شور و غم کا سرد، س، ش، غ ہے

1364ھ

حق نواز و باطل سوز

شد زدار فنا بہ ملک بقا
دوستدار صحاب و آل نبی
شیر دل، حق نواز، باطل سوز
واعظہ فاضل و مناظر دین
ماہ چارم بروز یازدہم
اربعون و ثلاثہ عمرش بود

عالم بے ریا ظہور احمد
تابع اولیاء ظہور احمد
اہل صدق و صفا ظہور احمد
صاحب امتلا ظہور احمد
گشت صید قضا ظہور احمد
چوں زماشد جدا ظہور احمد

گفت تاریخ رحلتش نامی

زبدۂ اصفیا ظہور احمد

1364ھ

مولانا غلام دستگیر نامی لاہور

گوہر نایاب

اے فقیہ اعظم و بطل جلیل ذمی وقار
تیری مرگ ناگہاں نے کر دیا سینہ فگار
لشکر اعدائے دین سے برسر پیکار تھا
پائے استقلال میں آئی نہ لغزش عمر بھر
عزت و عظمت کا تیری معترف ہے اک جہاں
حکمت ایمان و عرفاں کا پیام جاوداں
روح پرور اور معنی خیز ہر تحریر تھی
تیرہ بختی زندگی ضوفشاں پر چھا گئی
خون کے آنسو رلائے حلقہء احباب کو
لیکن ایسا مخلص و بے لوث و بے حد جاں نثار

اے شہید ملت عالی ہم والا تبار
تیرے دم سے گلشن علم و عمل تھا پر بہار
جذبہ احقاق حق سے دل تیرا سرشار تھا
تیرے سینے میں تھی ایماں کی تجلی جلوہ گر
فہم و تدبیر و بصیرت میں تھا یکتائے زماں
ہیں تیرے رشحاتِ خامہ دل نشیں و دل ستاں
کس قدر پر جوش و درد انگیز ہر تقریر تھی
آہ تجھ پر گردش افلاک غالب آ گئی
مرگ ظالم نے نہ چھوڑا گوہر نایاب کو
عالم و فاضل یہاں موجود ہیں گو بے شمار

مرد مومن والہ و گرویدہ دین میں
یاد کر کے تیرے الطاف و کرم مہر و وفا
باصر محزون عقیدت مند دیرینہ تیرا
وائے بدبختی کہ ہم کو مل نہیں سکتا کہیں
وصف اخلاص و مروت خوبی صدق و صفا
درد مہجوری و حسرت میں رہے گا مبتلا
تیری تربت پر ہمیشہ بارش انوار ہو
خلق مصروف دعا ہو رحمت غفار ہو

خواجہ غلام جیلانی باصتر بھیروی

اظہار تشکر:

محمدی شریف سے لوٹتے ہوئے، حضرت مولانا ظہور احمد گوی قدس سرہ العزیز چنیوٹ میں بیمار ہو گئے۔ علاج معالجے اور تیمارداری کے سلسلے میں جن اصحاب نے خاص طور پر خدمت کی ان میں آپ کے میزبان میاں دوست محمد صاحب، مولانا نذیر مجیدی صاحب، مجلس احرار اسلام کے کارکن اور دیگر مسلمان شامل تھے۔ چنیوٹ کے یہ تمام اور دوسرے احباب بڑی سرگرمی سے نگہداشت کرتے رہے۔ سول ہسپتال چنیوٹ کے انچارج ڈاکٹر ایس ایس ونوچہ صاحب نے بڑی محنت اور ہمدردی سے تشخیص اور علاج کی کوششیں کیں۔ ایک اور ڈاکٹر فیض احمد صاحب نے بڑی دردمندی اور اخلاص کا ثبوت دیا۔ اطلاع ملنے پر وہ ہسپتال آئے اور صحیح تشخیص کے بعد قیمتی سے قیمتی انجکشن استعمال کیے۔ مولانا افتخار احمد گوی ثانی امیر حزب الانصار لکھتے ہیں:

”ہم صمیم قلب کے ساتھ ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اس محبوب رہنما کی جان بچانے کے لیے کسی انسانی تدبیر میں کوتاہی نہیں کی۔ میں ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے پیغامات تعزیت کے ذریعہ میری ہمت بندھائی۔ اللہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔“

(شمس الاسلام، ج 16 نمبر 10)



کتابیات

- * آب کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
- * آثار الاولیاء۔ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور
- * آخری پیغام حق۔ مولانا ظہور احمد بگوئی۔ حزب الانصار بھیرہ
- * احتساب قادیانیت۔ مولانا حبیب اللہ امرتسری۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان
- * امیر حزب اللہ کا پیغام۔ مولانا سید محمد فضل شاہ جلاپوری
- * انوار الباری اردو شرح صحیح بخاری (تذکرہ الحمد ثین)۔ جلد 1-2، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
- * ایضاح المؤمنین اردو ترجمہ دلیل المشرکین۔ مولانا عبد الحمید سواتی۔ نصرت العلوم گوجرانوالہ
- * برکات سیال۔ مولانا غلام دستگیر خان بخود۔ گلینہ پریس ہوشیار پور، 1925ء جالندھر
- * پنجاب۔ تحقیق کی روشنی میں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
- * پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹینئر شاہ پور ضلع 1897ء۔ جے ولسن۔ حکومت پنجاب لاہور
- * پنجاب کی سیاسی تحریکیں۔ عبداللہ ملک۔ کوثر پبلی کیشنز لاہور
- * تاریخ بھیرہ۔ ابوشاہین فاروقی۔ ثنائی پریس، سرگودھا
- * تاریخ لاہور۔ کنہیا لال۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
- * تحریک پاکستان اور سرگودھا کی یادیں۔ ملک محمد اقبال ایڈووکیٹ، خالد پریس سرگودھا
- * تحریک عدم تعاون اور احکام دین متین۔ مجلس خلافت پنجاب لاہور
- * تحفہ سعدیہ۔ مولانا محبوب الہی۔ خانقاہ سراجیہ کنڈیاں ضلع میانوالی
- * تحفہ سعدیہ۔ علامہ محمد نذیر عرشی دھنولوی۔ کریمی پریس لاہور
- * تحقیقات چشتی۔ مولانا نور احمد چشتی۔ مطبوعہ لاہور
- * تذکرہ اکابر اہل سنت۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ لاہور
- * تذکرہ علمائے پنجاب جلد 1، 2۔ اختر راہی۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور
- * تذکرہ مشائخ بگوئیہ (1934ء)۔ مولانا ظہور احمد بگوئی۔ شمس الاسلام شہید نمبر، بھیرہ
- * تقویم تاریخی۔ عبدالقدوس ہاشمی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
- * تقویۃ الایمان۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی۔ مکتبہ اشاعت القرآن والحدیث دہلی
- * جذبات سعید۔ مولانا محمد سعید زین پوری۔ تعمیر پرنٹنگ پریس راولپنڈی
- * جمیعۃ العلماء کیا ہے؟ حصہ اول۔ مولانا سید محمد میاں۔ مکتبہ محمودیہ۔ کریم پارک لاہور
- * حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔ مکتبہ حسن سہیل لاہور
- * خفگان خاک لاہور۔ پروفیسر محمد اسلم۔ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور
- * دلیل المشرکین، عربی۔ قلمی۔ علامہ احمد الدین بگوئی

- * رود کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
- * سیوف الابرار علی منکر جبرۃ الاذکار مطبوعہ 1883ء۔ مولانا غلام قادر بھیروی۔ مفید عام پریس لاہور
- * شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔ سید قاسم محمود۔ الفیصل، اردو بازار لاہور
- * شمس الاسلام جلد نمبر 1 تا جلد نمبر 16 (192 شمارے) 1930-1945ء۔ مدیر مولانا ظہور احمد بگویی۔ بھیرہ، منوہر پرنٹنگ پریس سرگودھا
- * شمع توحید۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ مکتبہ ثنائیہ سرگودھا
- * ضرب شمشیر بر فتنہ پنج پیر۔ مولانا غریب اللہ۔ صوابی مردان
- * ضیائے حقیقت جلد 1 شماره 1 مئی 1920۔ مولانا محمد نصیر الدین بگویی بھیرہ
- * ضیائے حقیقت جلد 1 شماره 10، 1921ء۔ ہندو مسلم سٹیم پریس لاہور۔ بھیرہ
- * علم، حق اور رفتہ مرزائیت۔ صادق علی زاہد۔ گنبد خضرا پبلی کیشنز، لاہور
- * علم، و مشائخ بگوییہ (ایک اجمالی تذکرہ) صاحبزادہ انوار احمد بگویی، 21 دسمبر 1966ء، مفت روزہ نسیم بہار سرگودھا
- * فوز القتال فی خلفائے پیر سیال۔ حاجی محمد مرید احمد چشتی۔ ادارہ تعلیمات اسلاف لاہور
- * قادیانیت۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی، لاہور
- * کاروانِ احرار۔ تاریخ آزادی برصغیر۔ 8 جلدیں۔ جانباز مرزا مکتبہ تبصرہ لاہور
- * کتاب التوحید۔ علامہ محمد بن عبد الوہاب رترجمہ مولانا ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد السورتی، نور محمد اصح المطابع کراچی
- * لاہور۔ باب از مخزن پنجاب۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
- * مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ سید نور احمد۔ دارالکتاب لاہور
- * محبوب سیال الموسوم بہ اشرف الاولیاء (1924) مولانا غلام دستگیر خان بیخود۔ مطبع مفید عام لاہور
- * مرآة العاشقین۔ سید محمد سعید حسینی زنجانی پھر تھوی۔ مطبوعہ 1885ء۔ مطبع مصطفائی لاہور
- * مون کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
- * مہر منیر۔ مولانا فیض احمد فیض۔ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور
- * نزہۃ الخواطر و بحیۃ المسامح والنواظر (جلد 4) مولانا عبدالحی بن مولانا فخر الدین الحسنی، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن۔
- * نظام تعلیم و تربیت۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ حصہ اول و دوم۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور
- * نقوش۔ لاہور نمبر۔ محمد طفیل، لاہور
- * نقیب ختم نبوة ملتان۔ امیر شریعت نمبر حصہ دوم۔ مدیر سید محمد کفیل بخاری۔ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
- * یادوں کی دھنک۔ بریگیڈیئر (ر) ظفر اقبال، لاہور

مرکزی مجلس حزب الانصار بھیرہ

1347ھ / 1929ء

مجاہد ملت حضرت مولانا ظہور احمد بگوی قدس سرہ العزیز (م: 1945ء)
فخر اہل سنت حضرت مولانا افتخار احمد بگوی قدس سرہ العزیز (م: 1975ء)

پانی امیر:

ثانی امیر:

اغراض و مقاصد:

- ا۔ اندرونی فتنوں اور بیرونی حملوں کے خلاف اسلام کا تحفظ اور اس کی اشاعت و تبلیغ
- ب۔ اشاعت علوم دینیہ و السنہ شرفیہ اور جدیدہ
- ج۔ اشاعت نظریہ پاکستان اور اصلاح معاشرہ، باتباع شریعت اسلامیہ
- د۔ اسلام کے مکمل نفاذ اور وطن عزیز کے استحکام و ترقی کے لیے جدوجہد

اعتدال و اصلاح اور اتحاد بین المسلمین

مسلك:

شعبہ جات اور ادارے:

- شعبہ علوم دینیہ: دارالعلوم عزیز یہ۔ تجوید و حفظ قرآن اور ذیلی مدارس کا قیام۔
- شعبہ تبلیغ و ارشاد: سالانہ کانفرنس اور مقامی و علاقائی تبلیغی دورے و اصلاحی مذاکرے۔
- شعبہ تعلیم و تربیت: سکول اور کالج کے طلباء اور آئمہ مساجد کے لیے خصوصی ریفریشنگ کورسز
- درس قرآن و حدیث کا اہتمام اور مساجد کی ترقی و بہبود ● طالبات کے لیے ناظرہ قرآن خوانی اور ابتدائی تربیت
- شعبہ تحقیق و افتاء ● شعبہ تالیف و اشاعت ● کتب خانہ و دارالمطالعہ ● جریدہ شمس الاسلام ● شعبہ اصلاح
- معاشرہ و سماجی بہبود ● مستحقین کی امداد و اعانت ● نادار طلبہ کی کفالت ● فری ڈپنسری کا قیام
- جامع مسجد بگویہ کی نگہداشت

توکل علی اللہ اور اصحاب خیر کا تعاون

ذرائع و وسائل:

صاحبزادہ ابرار احمد بگوی ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تعلیمات)، ثالث امیر مجلس حزب الانصار
مہتمم دارالعلوم عزیز یہ (رجسٹرڈ) خطیب جامع مسجد بگویہ بھیرہ ضلع سرگودھا۔ فون 04521-690442

ڈاکٹر انوار احمد بگوی نے خانوادہ بگویہ کے گہوارہ علمی میں آنکھ کھولی۔ قدیم شہر بھیرہ کی شاہی مسجد اور دارالعلوم عزیزیہ کے دینی اور علمی ماحول میں پرورش پائی۔ یہیں ان کو تہذیب فکر اور تربیت نفس کا موقع ملا۔ دینی علوم سے شغف اور ان کی تحصیل تو ورثہ میں ملی تھی۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کیا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ دوران تعلیم ان کے ادبی، علمی اور دینی مشاغل جاری رہے۔ وہ ممتاز مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کے حلقہ تدریس برقرآن کے اولین شاگردوں میں شامل ہیں۔ کے ای کالج کے ادبی مجلہ کیمکول کے مدیر رہے اور صوری اور ادبی محاسن سے آراستہ ایک شاندار اور ضخیم شمارہ نکالا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد وہ سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ مختلف اوقات میں پرنسپل، ڈی ایچ او، ایم ایس، ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز، ایڈیشنل سیکرٹری اور ایڈوائزر محکمہ صحت صوبہ پنجاب اور لاہور کے جدید ترین چلڈرن ہسپتال کے پہلے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ بھی تعینات رہے۔ سرکاری ملازمت کی سنگلاخ سرزمین پر بھی انہوں نے اپنی غیر معمولی فکری استعداد، انتظامی صلاحیتوں اور ملک و قوم کے لئے اعلیٰ جذبوں کے تحت، گلہائے رنگارنگ آراستہ کئے اور نئی راہیں متعین کیں۔ گاہے کامیاب، گاہے زیر عتاب، ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ کے ساتھ قلمی تعاون برابر قائم رہا ہے اور وہ مختلف علمی اور فنی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں.....

تذکار بگویہ ایک تحقیقی اور علمی تالیف ہے جو خاندان بگویہ کے صاحب علم سلف اسلاف کی دینی، روحانی، علمی، سماجی اور سیاسی خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر بگویہ نے ان خدمات کو ہر شے انداز میں تاریخ نگاری اور بیابان گراہی کو یکجا کر دیا ہے۔

ڈائریکٹر جنرل

پاکستان اٹاک انرجی منسٹری، لاہور